ہندستان میں

ذات پات اور مسلمان

Al-Qazi

نئی دہلی- 110025

مسعود عالم فلاحی

ہندستان میں
ذات پات اور مسلمان

از: مسعود عالم فلاحی

ہندستان میں

ذات پات اور مسلمان

مسعود عالم فلاحی

ناشر
Al-Qazi القاضی
F-A/86، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی 110025

ناشر : القاضی Al-Qazi پبلیشرز
F-A/86، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی 110025

کمپوزنگ : القاضیAl-Qazi نئی دہلی -25 فون:9899940791

طبع اول : مئی ۲۰۰۷ء تعداد : ۵۰۰

قیمت : =/250 روپے

مطبع : ایچ ایس آفسیٹ دہلی-۱۱۰۰۰۶

ملنے کے پتے:

ا۔ نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی 2035 گلی قاسم جان اسٹریٹ بلیماران، دہلی-۶

۲۔ شبلی اسٹیشنری .opp شبلی ڈگری کالج، اعظم گڑھ (یوپی)

۳۔ مکتبہ نعیمیہ پبلشرز بک سیلر، صدر بازار مئو ناتھ بھنجن (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّ أُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا ط إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ط﴾

(القرآن الکریم)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔"

”إِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ، الطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ“

(مسلم شریف)

”دو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر لوگوں میں پائی جائیں تو وہ انہیں کفر کے درجے تک پہنچا دیتی ہیں۔ ایک نسب میں طعن کرنا (یعنی دوسروں کو کم ذات اور رذیل ذات سمجھنا) اور دوسری میت پر نوحہ کرنا۔“

انتساب

مرحوم والدین،

بھائی و بھابھی،

بہنوں، بہنویوں،

بھتیجے، بھتیجیوں اور بھانجے اور بھانجیوں

کے نام

جن کی دعاؤں، کوششوں اور محنتوں کی وجہ سے اس مقام پر پہنچا

کہ

انسانیت کی کچھ خدمت کرسکوں۔

ایک تأثر ـــــ سید تفضّل احمد (رکن جماعت اسلامی ہند)

مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں ''زندگی نو'' کا مطالعہ پچھلے پچیس سال سے کررہا ہوں؛ بلکہ ماہ نومبر [اکتوبر ۲۰۰۴ء] کا ''زندگی نو'' پیش نظر ہے پہلی مرتبہ رسائل ومسائل کے کالم میں ''مسئلہ کفو'' سے متعلق کچھ لکھنے کی جسارت کررہا ہوں۔ درج ذیل احساسات تبصرہ پر تبصرہ نہیں، یہ صرف میرے ضمیر کی آواز ہے۔

''زندگی نو'' میں مسئلہ کفاءت پر مولانا مسعود عالم فلاحی کے سلسلہ وار مضامین پچھلے سال ماہ مئی [اگست ۲۰۰۳ء] سے شائع ہورہے تھے۔ اب ان مضامین کو کتابی شکل میں چھاپ کر شائع کردیا جائے تو افادہ عام کے لئے بہت سودمند رہے گا۔

اب ان مضامین پر ''زندگی نو'' کے ماہ اکتوبر ۲۰۰۳ء کے شمارے میں جناب احمد جمال الدین صاحب [رکن جماعت اسلامی ہند] اور جناب محمد انور قنوجی صاحب نے تبصرہ کیا ہے۔ اول الذکر نے اس اہم مضمون کو غیر اہم گردانا ہے اور موخر الذکر نے جانب داری برتنے کا الزام لگایا ہے؛ حالاں کہ مولانا مسعود عالم فلاحی صاحب نے بڑی عرق ریزی سے مسلم سماج کے سلگتے مسئلہ کفو پر قرآن وسنت کی روشنی میں حقیقت پرمبنی روشنی ڈالی۔

میں یہاں بطور تحدیث نعمت اسی مسئلہ سے متعلق ایک واقعہ کا ذکر کرکے بطور خاص جناب محمد انور قنوجی صاحب سے پوچھنا چاہوں گا کہ اس بارے میں ہمارا فیصلہ صحیح تھا یا غلط!

میری چھوٹی لڑکی (فاضلہ) کے لیے ایک رشتہ خاندان میں میرے نسبتی برادر کے لڑکے کا تھا جو امریکہ میں زیر ملازمت ہے مگر بے نمازی اور دین سے بالکل نابلد ہے۔ دوسرا رشتہ پسماندہ طبقہ کے نومسلم لڑکے (ریسرچ اسکالر) کا تھا جو نماز کا پابند اور دین اسلام سے بخوبی واقف ہے۔ ہم نے دوسرے رشتہ کو ترجیح دی۔ پچھلے سال کے اختتام پر نکاح ہوا اور بیٹی داماد۔ دونوں الحمدللہ، بہت خوش ہیں۔ اب اللہ نے انھیں اولاد سے بھی مشرف فرمایا ہے۔ لڑکے کے غیر مسلم رشتہ دار جب جب گھر آتے

ہیں تو انھیں دین سے واقف کرانے اور لٹریچر دینے کا موقع بھی ملتا ہے۔ لیکن اس غیر کفو نکاح یعنی امریکہ میں مقیم خاندانی لڑکے کے رشتہ کو رد کر کے پسماندہ طبقہ کے نو مسلم لڑکے کو ترجیح دینے پر خاندان میں لوگوں نے بہت مذاق اڑایا، مگر تحریکی اور دینی مزاج رکھنے والوں نے ہمارے اقدام پر مبارکباد دی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے مسئلہ کفو کو بھید بھاؤ اور ذات برادری میں بانٹ کر بہت سنگین بنا دیا ہے جس کی وجہ سے اسلام سے انسیت رکھنے والے غیر مسلم بھائی دور بھاگتے ہیں۔ کیا اس مسئلہ میں عقیدہ و فکر اور تقوی و علمی یکسانیت کے علی الرغم حسب ونسب، حسن و جمال اور مال و جاہ کو شمار کیا جائے گا؟

والسلام

سید تفضّل احمد (سینئر ٹکنیکل اسسٹنٹ)

این ٹی سی یارن گودان وشال کمپاؤنڈ، رہنال، بھیونڈی

(ماہنامہ زندگی نو - نئی دہلی، جنوری ۲۰۰۴ء جلد: ۳۰ شمارہ: ۱، ص: ۷۷-۷۸)

فہرست

باب اول

ہندستان پر آریوں کا حملہ اور اس کے سماجی اثرات ۳۷-۶۶

باب دوم

آریہ کے خلاف مختلف تحریکات کا ظہور ۶۷-۸۹

باب سوم
ہندستان میں اسلام کی آمد اور اس کی اشاعت ۸۹-۱۰۵

باب چہارم
مسلم دور حکومت میں ذات پات کی جدوجہد ۱۰۷-۱۳۸

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

باب ہشتم

باب نہم

باب دہم

مراجع ومصادر

رسائل وجرائد

وجہ تالیف

۱۹۹۶ء کی بات ہے، میں جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ یوپی میں عالمیت کے سال آخر کا طالب علم تھا۔ اس سال جماعت اسلامی ہند-حلقہ اتر پردیش نے ہفتہ تعارف قرآن منایا اور اسلام کے پیغام اخوت و مساوات کو بنیاد بنا کر برادران وطن (ہندوؤں) اور خاص طور سے دلتوں کے بیچ جا کر دعوت و تبلیغ کا کام کیا۔ جماعت اسلامی ہند کے ایک رکن جناب حکیم عبدالرؤف نے بلریا گنج کے دلت محلہ میں جا کر تقریر کی، اپنی تقریر میں انھوں نے چھوت چھات، ذات پات اور اونچ نیچ کے کینسر کا مداوا اسلام کو بتایا۔ ان سے کہا کہ اگر آپ اسلام کے دائرہ میں آجاتے ہیں تو آپ کو اس غیر انسانی ذلت سے نجات مل جائے گی اور تمام مسلمان آپ کو گلے لگائیں گے۔ محترم کی تقریر سن کر مجمع میں سے ایک دلت نوجوان کھڑا ہوا اور کہا کہ جناب عالی! یہ تو ٹھیک ہے کہ اسلام میں ذات پات نہیں ہے، لیکن کیا آپ کا مسلم سماج اس سے پاک ہے۔ آپ ابھی جس جگہ کھڑے ہیں، اس علاقہ کے لوگ خود اپنی ہی برادریوں میں اپنے علاقے کے باہر شادیاں نہیں کرتے ہیں۔ پھر یہ تو آپس کا معاملہ ہے، جہاں تک بین برادری، شادی کا سوال ہے تو اس معاملہ میں وہ ہندوؤں سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہیں۔ دوسری برادریوں میں خواہ لڑکا کتنا ہی اچھا کیوں نہ ملے، لیکن اسے چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی برادریوں اور اپنے علاقے میں غیر تعلیم یافتہ لڑکوں سے اپنی تعلیم یافتہ بیٹیاں بیاہ دیتے ہیں۔

"اگر ہم اسلام قبول کر لیتے ہیں تو ہمیں روٹی، بیٹی کون دے گا اور ہم سے روٹی، بیٹی کون لے گا۔"

جماعت اسلامی کے ایک عالم دین ممبر جو ہمیشہ صرف اور صرف دعوت و تبلیغ کے ذریعہ انقلاب لاتے اور اسلامی حکومت قائم کرنے کی بات کرتے ہیں- نے اس واقعہ کا نام لیے بغیر بالواسطہ طور سے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے- ذات پات کی مذمت، اس کو ختم کرنے کے واسطے تحریک چلانے کے لیے کچھ کہنے کے بجائے- کہا کہ لوگ اسلام نہ قبول کرنے کے واسطے عذر لنگ پیش کرتے ہیں، جب اسلام قبول کریں گے تو پریشانی ہو گی ہی۔

میرا گھرانہ الحمدللہ ثم الحمدللہ ذات پات کی لعنت سے پاک تھا اور آج بھی ہے۔ ایک مرتبہ بھائی جان کے پاس ان کے دو عالم دین دوست...... ملاقات کی غرض سے آئے، ان میں سے ایک...... کی شادی بین برادری ہوئی تھی۔ دوسرے صاحب...... نے اس کو لے کر اول الذکر صاحب...... پر جملہ کسا، اس پر بھائی جان ان سے سخت خفا ہو گئے اور کہا کہ:

"آپ امت کے رہنما ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسلام میں اس کی کچھ حیثیت نہیں ہے، پھر بھی آپ عصبیت جاہلیہ کو ڈھو رہے ہیں۔"

اس پر وہ صاحب کافی شرمندہ ہوئے اور کہا کہ میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔ خود میری شادی کے لیے لوگ امی جان علیہا الرحمۃ کے پاس رشتے لے کر آتے تھے تو وہ اپنی وفات (۱۸ر نومبر ۲۰۰۲ء، بروز سوموار ۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ) تک یہی کہتی تھیں کہ ہمیں لڑکی دیندار گھرانے کی اور تعلیم یافتہ چاہیے۔ ذات برادری سے ہمیں کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ والد صاحب علیہ الرحمۃ (متوفی ۲۲ر جنوری ۱۹۹۷ء بروز سوموار ۱۳ر رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ) کا معاملہ بھی امی جان علیہا الرحمۃ سے مختلف نہ تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں بچپن سے شہر میں بھائی جان کے پاس رہا اور چونکہ شہر کا ماحول دیہات اور قصبات سے الگ ہوتا ہے، ہر آدمی کو اپنے کام سے مطلب رہتا ہے، سماجی معاملات اور کسی کی نجی زندگی سے زیادہ کچھ لینا دینا نہیں ہوتا، نیز اپنی کم عمری کی وجہ سے مجھے ذات پات کے زہریلے اثرات اور اسلام کو اس سے پہنچنے والے نقصانات کا کچھ اندازہ نہ تھا۔ پہلی بار اس طرح کا حادثہ اور اشاعت اسلام کو نقصان پہونچنے کا مجھے احساس ہوا۔

چوں کہ میرا پورا گاؤں ہی نہیں بلکہ پورا علاقہ دیوبندی اور بریلوی مسلک کے ماننے والوں پر مشتمل ہے، جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی کی "بہشتی زیور"، مولانا احمد رضا خان بریلوی کا "فتاوی رضویہ" اور مولانا محمد امجد علی انصاری کی "بہار شریعت" وغیرہ ہی دیکھ لینا کافی سمجھا جاتا ہے، خواہ ان میں مذکور فتویٰ قرآن وسنت کے لحاظ سے بالکل غلط ہی کیوں نہ ہو! اس لیے اس حادثہ کے بعد میں نے بھی مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی کی "بہشتی زیور" اس امید کے ساتھ دیکھی کہ مولانا نے تو ذات پات، اونچ نیچ اور اس پر مبنی مروجہ فقہی کفو کے خلاف لکھا ہوگا۔

لیکن جب میں نے اس کا چوتھا حصہ نکاح کا بیان۔ "کون کون لوگ اپنے میل اور برابر کے ہیں اور کون نہیں۔" پڑھا تو ساری امیدوں پر پانی پھر گیا، دل کانپ گیا اور روح تڑپ اٹھی۔ میں جس ذات پات اور اس پر مبنی مروجہ فقہی کفو کو صرف سماج کی پیداوار، ہندو مذہب اور ہندو سماج کا اثر سمجھ رہا تھا اس کو مولانا نے قرآن وسنت کے حوالے کے بغیر صرف فقہ کی بنیاد پر شریعت اسلامیہ کا جزء قرار دیا ہے، مسلمانوں کو اونچ نیچ اور شریف ورذیل کے خانے میں تقسیم کیا ہے۔ مسلمان اور رذیل؟ نعوذ باللہ۔ نومسلموں کو خاندانی مسلمانوں کا غیر کفو بتلایا ہے اور ان کی آپس میں شادی کو غیر کفو کی شادی بتایا ہے۔ ؎

جس کو سمجھا تھا مسیحا وہی قاتل نکلا

اس کو پڑھنے کے بعد میرے اندر بے چینی کی کیفیت پیدا ہوگئی کہ آخر یہ سب چیزیں اسلام کے

نام پر کیوں پیش کی جارہی ہیں۔ کیا علماء کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ اس سے اسلام کتنا بدنام ہو رہا ہے، اس کی اشاعت کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ آخر یہ سب چیزیں کس طرح مسلمانوں سے دور ہوں گی تا کہ اسلام کی اشاعت آسان اور ممکن ہو سکے۔

جامعۃ الفلاح میں فضیلت سال اول میں ایک مضمون ''تقابل ادیان'' کا تھا۔ یہ مضمون استاد گرامی محترم جناب انیس احمد صدیقی فلاحی مدنی پڑھایا کرتے تھے۔ مولانا نے ہندو دھرم کے ورن نظام اور چھوت چھات پر تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد کہا کہ مسلمانوں میں ذات پات، اونچ نیچ اور اس پر مبنی مروجہ وفقہی کفو اسی ہندو مذہب کے اثر کا نتیجہ ہے اور اس کو تقویت علماء، فقہاء اور فقہی کتب نے فراہم کی ہے، یہ سب چیزیں اسلام کی روح کے خلاف ہیں۔ ان سے مسلمان اور اسلام کو شروع سے لے کر آج تک جو نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے مولانا نے اس پر تفصیلی گفتگو کی اور سیاسی پارٹیاں کس طرح اس سے فائدہ اٹھا رہی ہیں اس کو بھی بیان کیا۔ وہ کئی دنوں تک انتہائی جارحانہ لب ولہجہ میں اس کے خلاف بولتے رہے اور اس کو ختم کرنے پر زور دیتے رہے۔

ذات پات، اونچ نیچ اور اس پر مبنی مروجہ وفقہی کفو کے سلسلہ میں میرے ذہن میں جو سوالات گردش کر رہے تھے ان کا جواب مولانا نے مختصراً فراہم کر دیا تھا۔ مولانا کی تقریر اور باتوں سے تحریک پا کر میں نے ذات پات کی حقیقت جاننے اور مسلم سماج سے اس کو ختم کرنے کی تدبیر تلاش کرنے کے واسطے تھوڑا بہت اس پر مطالعہ شروع کیا اور یہ بھی دیکھنے کی کوشش کی کہ خاص طور سے مسلم سماج میں کس حد تک ذات پات اور اونچ نیچ کا عنصر موجود ہے۔ میں تعطیل میں اپنے دادیالی اور ننھیالی گاؤں ''ددری'' (تھانہ نان پور ضلع سیتا مڑھی بہار) گیا۔ میں ایک مجلس میں بیٹھا تھا، وہاں مسلم مسائل پر گفتگو چل رہی تھی۔ جناب محمد عباس صدیقی۔ جو ذات پات کے سخت مخالف ہیں اور جنھوں نے اپنے ایک صاحبزادے کی شادی بھی ایک انصاری لڑکی سے کی ہے۔ بتانے لگے کہ سیتا مڑھی ضلع کے ایک گاؤں کے دو صاحبان...... اسی ضلع کے ایک دوسرے گاؤں مہسول میں کسی کام سے گئے تھے۔ وہاں ایک شیخ صاحب نے ان سے نام اور گاؤں کا نام پوچھا، جب انھوں نے گاؤں کا نام بتایا تو وہ صاحب کہنے لگے کہ کیا وہاں...... مسلمان بھی ہیں۔ میں نے تو سنا تھا کہ وہاں صرف جولاہا، کباڑی (راعین، کنجڑا) اور دھنیا وغیرہ ہی ہیں۔[1] یہ واقعہ سنانے کے بعد انھوں نے ان صاحب کو غائبانہ طور پر خوب برا بھلا کہا۔

انھوں نے مزید کہا کہ اس گاؤں کی میری بڑی بہو بھی ہے مگر اس واقعہ۔ جسے گزرے کئی سال ہو گئے ہیں۔ کے بعد آج تک اس گاؤں میں، میں نے قدم تک نہیں رکھا۔ بعد میں (راقم الحروف) اور میرے گاؤں کے جناب حافظ محمد شریف (دار المصنفین اعظم گڈھ) صاحب معاملہ میں سے ایک سے واقعہ کی

تصدیق کی تو انھوں نے اسے سچ بتایا۔ ایک دوسری مجلس میں ایک دوسرے صاحب...... کی زبانی معلوم ہوا کہ گاؤں (ددری) سے کچھ فاصلے پر واقع ایک گاؤں "ڈیڑھ پور" (تھانہ نان پور ضلع سیتا مڑھی) میں پس کردہ برادریوں میں سے ایک برادری کے صرف تین یا چار گھر ہیں شیوخ حضرات ہمیشہ انھیں دبا کر رکھتے چلے آرہے تھے؛ لیکن جب ان لوگوں نے شہر کا رخ کیا اور کچھ کو سرکاری نوکریاں بھی مل گئیں تو انھوں نے کسی طرح کا دباؤ سہنا گوارا نہیں کیا لہٰذا انھیں معاملات کو لے کر دونوں برادریوں میں ایک بار جھگڑا ہو گیا، تعداد میں کم ہونے کے باوجود اس پس کردہ برادری کے لوگوں نے بہت سے شیوخ کو زخمی کر دیا تو شیخ برادری کے لوگوں نے تھانہ جا کر یہ رپٹ لکھوائی کہ مسلمان اور چھوٹی ذات...... (یعنی جولاہا یا دھنیا یا کباڑی یا قصائی) میں فساد ہو گیا ہے۔ (۲)

ایک گاؤں میں میں نے دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر کے ایک صاحب کھڑے ہیں اور ایک بچہ بسکٹیں لے کر ان کے پاس آیا ان میں کچھ بسکٹیں ٹوٹی ہوئی تھیں تو اس شخص نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے لائے ہو۔ بچہ نے کہا کہ سائیکل پر جو بسکٹ بیچ رہا ہے اس سے لایا ہوں، اس شخص نے بچہ سے کہا جاؤ اور فوراً بدل کر لے آؤ، بسکٹ والا شیخ ہے اور شیخ کو تو کسی طرح کی رعایت مت دینا وہ ہم لوگوں کو نیچ ذات کہتا ہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب جن کو میں اچھی طرح جانتا ہوں ایک دن آپے سے باہر تھے اور شیوخ حضرات کو گندی گندی گالیاں...... دیے جا رہے تھے۔ ان کے غصہ کی وجہ پوچھے جانے پر معلوم ہوا کہ کسی شیخ صاحب نے ان کی برادری کا نام لے کر "حجما" (حجام) کہہ کر پکارا تھا اور ان کے دادا کا ایک جگہ مزار بھی ہے؛ لیکن شیوخ حضرات ان کو بزرگ نہیں مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حجام اور بزرگ؟ یہ ممکن نہیں ہے۔

ان واقعات نے مسلم سماج کا اصل چہرہ میرے سامنے رکھنا شروع کر دیا تھا۔ تعطیل کے بعد میں جب جامعۃ الفلاح واپس آیا تو کچھ دنوں کے بعد ایک جید عالم دین...... جو دعوت و تبلیغ، اقامت دین کے دعوے دار جماعت اسلامی ہند کے ارکان نمائندگان میں بھی شامل ہیں۔ کے متعلق باوثوق ذرائع اور ثقہ لوگوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ نہ تو چھوٹی ذاتوں سے شادی بیاہ کیا جا سکتا ہے، نہ ہی ان کو فوج کا امیر بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی نماز میں بھی انھیں امام بنایا جا سکتا ہے۔ اس پر ایک دوسرے عالم دین...... جو حقیقی طور سے دعوت و تبلیغ اور اقامت دین کے خواہاں ہیں۔ نے کافی تنقید کی اور اس کو غیر اسلامی سوچ بتایا۔ انھی دنوں ایک دوسرا واقعہ رونما ہوا، جماعت اسلامی ہند کے ایک رکن (جو ایک اہم عہدہ پر بھی فائز ہیں) کی پوتی کا ایک انصاری لڑکے سے معاشقہ چل رہا تھا۔ جب گھر کے لوگ شادی کے لیے راضی نہ ہوئے تو اس کے قدم گھر سے باہر نکل گئے۔ اس کو تلاش کرنے کے واسطے ان صاحب نے نجومی اور جھاڑ پھونک کرنے والے کا بھی سہارا لیا۔ مہینوں کی تلاش کے بعد اسے گھر لایا گیا۔ اب بھائی اور باپ اس انصاری لڑکے سے شادی کے لیے راضی تھے،

لیکن داداجان کی غیرت اشرافیت ٹھنڈی ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، وہ کہہ رہے تھے کہ:

''اگر اس جولاہے سے شادی ہوگئی تو میری ناک کٹ جائے گی۔''

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ لڑکی کے والد اور بھائی ذات پات کے قائل نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ خود میں نے اس کے والد کی بات چیت میں اس تصور کو محسوس کیا۔ میں نے ذات پات کے خلاف لکھا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ شیطانی وسوسہ کی وجہ سے یہ سب لکھا جا رہا ہے۔ اس کے بھائی تو اس کے والد سے بھی دو قدم آگے تھے۔ مجھے ایک جگہ کسی کام سے جانا تھا، تو انھوں نے بڑے رازدارانہ اور خیر خواہانہ انداز میں کہا:

''مسعود بھائی! وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں وہاں تو صرف [مسلم] چھوٹی ذاتیں [یعنی جولاہا، دھنیا، کباڑی یا قصائی] ہیں۔''

ایک دوسری بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایسا نہ تھا کہ لڑکی کے دادا کے نزدیک لڑکا، اس کے خاندان اور برادری سے ان کی برادری ''شیخ'' افضل تھی، کیوں کہ ایک مرتبہ خود مجھ سے مسلمانوں کے مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی تو وہ صاحب کہنے لگے کہ ''مسعود بابو! آپ کو پتہ ہے ہمارے علاقے میں تاڑی نکالنے کا کام ''دھنیا'' (دھنا ر منصوری) برادری کرتی ہے اور پینے والے سب شیخ ہوتے ہیں۔'' (۳)

بالآخر اس لڑکی کی شادی بالجبر ہم نسب لڑکے سے کرادی گئی۔

ان واقعات سے ذات پات کے سلسلہ میں میرے مطالعہ نے ایک نیا رخ لیا اور اس میں تیزی آئی۔ مجھ پر واضح ہوا کہ جو لوگ اقامت دین (خلافت) کے دعوے دار ہیں، وہ ذات پات، اونچ نیچ اور اس پر مبنی مروجہ وفقہی کفو کے معاملہ میں اس قدر متشدد ہیں کہ ان میں اور ذات پات کے ماننے والے ہندوؤں میں کچھ فرق نہیں، تو اگر خلافت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے تو وہ خلافت علی منہاج النبوۃ ہوگی یا خلافت علی منہاج منوسمرتی۔ (۴) اس کے بعد میں نے شرعی، تاریخی اور سماجی پہلوؤں سے ذات پات کا مطالعہ شروع کیا۔ اس مطالعہ کا جو نتیجہ برآمد ہوا وہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب سے بعض پیشانیاں شکن آلود ہو سکتی ہیں؛ لیکن میں نے اس کی پرواہ نہ کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کو قابل ترجیح سمجھا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فیصلہ سنادیا ہے کہ:

﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ (۵)

''اور کسی ایماندار مرد اور کسی عورت کو گنجائش نہیں ہے، جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ (پھر) ان کو ان (مؤمنین) کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ ضرور گمراہی میں پڑا۔''

میں نے اس کتاب میں ہندستان کے پس منظر میں ذات پات کی تاریخی پہلو پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ہر دور میں کس طرح حق و باطل کی کشمکش جاری رہی، نیز اشاعت اسلام کی اصل وجہ اور اسلام کی اشاعت کو روکنے کی خاطر شروع سے آج تک جس طرح کوششیں اور سازشیں کی جارہی ہیں ان کو بھی بدلائل بیان کیا ہے۔ ان شاء اللہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر قاری پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ مسلم سماج میں موجود ذات پات اور اس پر مبنی مروجہ وفقہی کفو میں اور ہندو دھرم کی کتاب منوسمرتی میں بہت حد تک مطابقت ہے، بلکہ بعض جگہوں پر تو ذات پات اور شادی بیاہ کے سلسلہ میں منوسمرتی کا جو اشلوک ہے بالکل اسی قانون اور اشلوک کو مروجہ وفقہی کفو اور اس کی پیداوار ذات پات کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔

محترم جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن فاروقی فریدی مدظلہ العالی کی عنایت سے یہ کتاب پہلے ماہنامہ ''زندگی نو'' نئی دہلی میں (اگست ۲۰۰۰ء تا مئی ۲۰۰۲ء) ''ہندستان میں چھوت چھات اور مسلمان'' کے عنوان سے قسط وار شائع ہوئی تھی۔ اس پر قارئین کے حمایت اور مخالفت میں اکتوبر ۲۰۰۰ء تا ستمبر ۲۰۰۲ء تک ۳۴ مراسلے شائع ہوے تھے۔ ان خطوط میں ذات پات کے بہت سے نئے پہلو اور واقعات سامنے آئے تھے ان کو کتاب میں شامل کیا گیا تھا، لیکن کتاب کی طوالت کی وجہ سے اسے نکال دیا گیا ہے اور حوالہ جات ہر باب کے آخر میں دیے گئے ہیں۔ ان حوالہ جات میں بہت ہی اہم نکات بیان کیے گیے ہیں جن کا متن میں ذکر کرنا دشوار ہو رہا تھا جیسا کہ کتاب کی فہرست سے اندازہ ہو چکا ہوگا۔ قارئین کی سہولت کے پیش نظر حوالہ کے اندر صرف کتاب کا صفحہ نہ ذکر کر کے کتاب کا باب، عنوان تک کا تذکرہ کیا گیا ہے، تاکہ اگر کوئی شخص اصل کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہے تو اسے فوراً وہ عبارت یا حوالہ مل جائے۔

میں نے اس کتاب کے اندر برہمنیت، منووادیت، برہمن واد، منوواد وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ان سے کوئی خاص برادری مراد نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ذہنیت ہے جو ذات پات، اونچ نیچ اور چھوت چھات کو غذا فراہم کرتی ہے۔ اسی طرح میں نے اس کتاب میں منووادیت، برہمنیت، منوواد، برہمن واد کے علم بردار اور ذات پات کے ماننے والے یا حامی ذات پات یا ذات پات کے حامی وغیرہ کی بھی اصطلاحات استعمال کیے ہیں ان سے بھی کوئی خاص برادری مراد نہیں ہے؛ بلکہ ہر وہ شخص ہے جو ذات پات پر ایمان رکھتا ہو خواہ وہ کسی بھی برادری کا کیوں نہ ہو۔

جہاں بھی میں نے ذات پات کے ماننے والوں کا ذکر کیا ہے اگر وہ میرا اپنا جملہ ہے تو وہاں میں نے حامی ذات پات یا ذات پات کے ماننے والے لکھ دیا ہے، اگر کہیں چھوٹ گیا ہے تو اسے بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے، پھر اگر کسی کتاب یا کسی بھی چیز کے حوالہ سے کسی ذات پات کے ماننے والوں کا تذکرہ کیا ہے تو وہاں مربع نما[] قوسین میں حامی ذات پات یا ذات پات کے ماننے والے لکھ دیا ہے یا پھر چھوڑ دیا ہے۔ پھر جہاں کسی کتاب وغیرہ کی کوئی عبارت نقل کی ہے وہاں مِنْ وَعَنْ عبارت نقل کردی ہے، وہاں حامی ذات پات وغیرہ نہیں لکھا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ میں نے اگر کسی اقتباس میں 'میں' کسی لفظ کی تشریح کی ہے یا کوئی لفظ حاشیہ یا دوسرے نسخہ سے شامل کیا ہے تو اسے میں نے عام طور پر مربع نما قوسین [ ] کے اندر رکھا ہے۔ چونکہ میں نے پہلے اس طرح کی تشریحات کو قوسین ( ) کے اندر ہی رکھا تھا مربع نما قوسین کا اضافہ کتاب کی آخری پروف ریڈنگ کے دوران کیا ہے، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ کہیں پر وہ تشریحات اس قوسین میں شامل کرنے سے رہ گئی ہوں یا کہیں غلط جگہ بھی یہ قوسین لگ گیا ہو۔ ان تمام جگہوں پر اگر کسی برادری کے ذات پات کو ماننے والے افراد کے بارے میں لکھا ہے تو ان سے مراد اس برادری کے صرف حامی ذات پات لوگ ہی ہیں نہ کہ پوری برادری، (اس فرق کو واضح کرنے کے لیے میں نے حامی ذات پات اور ذات پات کے ماننے والے لفظ کا استعمال کیا ہے۔) کیوں کہ ذات پات کے ماننے اور نہ ماننے والے ہر برادری میں ملیں گے اور ایسے لوگوں کا ذکر اس کتاب کے اندر شروع (وجہ تالیف) سے آخر تک جگہ جگہ ملے گا۔ اسی واسطے اکثر جگہوں پر ایسے لوگوں کے ناموں کے ساتھ ان کی ذات بھی ظاہر کردی گئی ہے۔ (٦) میرے نزدیک شرافت و رذالت کا معیار وہی ہے جو کتاب و سنت نے متعین کیا ہے۔ میں کسی بھی برادری کو شریف اور رذیل نہیں سمجھتا ہوں، اسی التباس سے بچنے کی خاطر میں نے برادریوں کے تذکرہ سے پہلے "مزعومہ، موہومہ، مفروضہ، خودساختہ" اور "عرفی" وغیرہ کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ حتی الامکان میں نے کوشش کی ہے کہ کسی بھی برادری کی میرے جملے سے دل آزاری نہ ہو اس کے باوجود ہوسکتا ہے کہ کسی جملے سے کسی کو صدمہ پہنچے، لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ فوراً مجھے اس طرف متوجہ کریں اگر واقعتاً اس جملے سے کسی کی دل آزاری ہو رہی ہوگی تو ان شاء اللہ آئندہ اس کی اصلاح کردی جائے گی۔ اگر اس وضاحت کے بعد بھی کوئی کچھ اور سمجھے تو وہ آزاد ہے۔ نیتوں کا حال اللہ کو معلوم ہے اور وہی فیصلہ کرنے والا ہے۔

حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ اصل مراجع کی طرف رجوع کیا جائے اور ثانوی حوالہ جات سے بچا جائے؛ لیکن اصل مراجع نہ ملنے کی وجہ سے بعض جگہوں پر ثانوی حوالے دیے گئے ہیں۔ ان شاء اللہ اصل کتاب مل جانے پر آئندہ ثانوی حوالے ختم کردیے جائیں گے۔ بہت سی جگہوں پر لوگوں کے زبانی بیانات

اور اپنے چشم دید واقعات اور تجربات کو بھی میں نے نقل کیا ہے، ایسی جگہوں پر اگر کسی کے بارے میں مثبت بات لکھی ہے تو ان کا نام ظاہر کر دیا ہے، اگر منفی بات (وہ ذات پات کا قائل ہے) لکھی ہے تو اگر ان کے سلسلہ میں ایسے پختہ ثبوت جو کسی بھی وقت پیش کیے جا سکتے ہوں موجود تھے تو عام طور پر ان کا ذکر ان کے نام کے ساتھ کیا ہے لیکن جن لوگوں کے سلسلے میں بات تو صحیح ہے لیکن مذکورہ بالا قسم کے ثبوت موجود نہیں تھے تو ان کا نام، راوی کا نام اور بہت سے اشارات کو حذف کر دیا ہے۔ بعض لوگوں نے بہت سے واقعات تو بتائے لیکن تحریری شکل میں اپنا نام یا ان واقعات کو لانا نہیں چاہتے ہیں، لہٰذا ان کے کہنے پر ان کا نام صیغۂ راز میں رکھا گیا ہے اور ان واقعات کے سلسلہ میں بھی بہت سے اشارات کو حذف کر کے صرف سرسری ان کا تذکرہ کر دیا ہے۔

اس کتاب میں قرآنی آیات کا ترجمہ مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی کا ہے اِلّا یہ کہ کسی جگہ کسی دوسرے صاحب کے ترجمہ کی وضاحت کر دی گئی ہو۔

اس کتاب کی تیاری میں بے شمار لوگوں نے میری ہر طرح سے مدد کی۔ ان کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ ان کے احاطہ کے لیے کئی صفحات درکار ہوں گے۔ میں ان تمام لوگوں کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں اور ان لوگوں کا بھی جنھوں نے اس کتاب کے قسط وار مضامین کو ''زندگی نو'' میں پڑھنے کے بعد مدیر ''زندگی نو'' کو اور ذاتی طور سے مجھے بھی خط لکھ کر اور بذاتِ خود ملاقات کر کے ہمت افزائی کی۔ ناانصافی ہوگی اگر میں چند خواص الخاص مددگاروں کا نام نہ لوں مولانا عبدالرحمٰن خالد فلاحی نے اس کتاب کی تیاری میں جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ کی لائبریری میں مجھے ہر طرح کی سہولت پہنچائی، مولانا محمد جسیم الدین قاسمی متعلم جامعہ ملیہ اسلامی، نئی دہلی اور جناب عبدالحفیظ خاں سلفی بلرامپوری متعلم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اس کتاب کے مسودہ کی پروف ریڈنگ (Proof Reading) کی۔ مولانا عبدالحمید نعمانی قاسمی (۷) ناظم نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ہند، مولانا محمد طاہر صدیقی مدنی (۸) موجودہ مہتمم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ، مولانا ابوالبقاء صدیقی ندوی ناظم جامعۃ الفلاح (محترم نے کافی ہمت افزائی کی اور اس کام کے لیے انعام کے طور پر ''المنجد'' لغت بھی ہدیہ کیا) پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی ندوی (۹)، پروفیسر شعبۂ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر مولانا عبیداللہ فہد خاں فلاحی (۱۰)، ریڈر شعبۂ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا سید خالد سیف اللہ رحمانی قاسمی (۱۱)، موجودہ جنرل سکریٹری اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا، مولانا عبدالبر اثری صدیقی فلاحی۔ سابق استاد عربی ادب و حدیث جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یو پی، سابق مدیر ماہنامہ حیات نو، جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ و موجودہ سینیئر سپر وائزر فیروس ایجوکیشنل فاؤنڈیشن بمبئی۔ اور ڈاکٹر مولانا محمد رضی الاسلام خاں

ندوی- معاون مدیر سہ ماہی تحقیقات اسلامی -علی گڑھ، معاون مدیر ماہنامہ ''زندگی نو'' نئی دہلی۔ آخرالذکر دونوں حضرات اوران میں بھی خاص طور سے ڈاکٹر مولانا محمد رضی الاسلام ندوی کا سب سے زیادہ ممنون ومشکور ہوں کہ انھوں نے اس کتاب (اوراس کا ایک حصہ مسئلہ کفاءت جس کوایک الگ کتاب کی شکل دے دی گئی ہے) کی ایک ایک سطر کو پڑھااوراس کی تصحیح کی اورا سے ایک علمی کتاب بنانے میں ہرطرح سے مدد کی۔ (۱۲)

اگر میں محترم جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن فاروقی فریدی مدظلہ العالی -مدیر ماہنامہ ''زندگی نو'' ورکن مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہنداور اساسی ممبر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ- کا شکریہ ادانہ کروں تو بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ انھی کی عنایتوں سے یہ کتاب محترم کی ادارتی نوٹ کے ساتھ'' زندگی نو'' میں قسط وار شائع ہوئی۔ بہت سے لوگوں نے ان مضامین (کتاب) کو کافی سراہا، تو کچھ لوگوں نے اس کی اشاعت کی مخالفت کی لیکن محترم نے اپنی اولوالعزمی کا ثبوت دیتے ہوئے برابران کی اشاعت جاری رکھی۔ ایسے تو اس کتاب کی اشاعت کے لیے متعدد ناشروں (Publishers) نے مجھ سے رابطہ کیا، لیکن سب سے پہلے محترم نے ہی اس کی اشاعت کی پیش کش کی اور کہا کہ کئی لوگوں نے اسے متعدد زبانوں میں ترجمہ کرنے کی بھی بات کہی ہے، یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی کوششوں سے ہی منظر عام پر آرہی ہے نیز انھوں نے میری درخواست پر اس کا مقدمہ بھی لکھا۔ ساتھ ہی ساتھ میں محترم جناب ڈاکٹر عبدالحق انصاری مدظلہ العالی امیر جماعت- جماعت اسلامی ہند کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے محترم جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن فاروقی فریدی کے کہنے پر مرکزی مکتبہ اسلامی سے اس کتاب کی اشاعت کو فوراً تحریری اور تقریری منظوری (Approval) دے دی۔

یہ کتاب امیر جماعت کے حکم کے بعد شائع ہونے کے آخری مرحلہ میں پہونچ گئی لیکن جماعت اسلامی کا ذات پات کا حامی طبقہ جوذات پات جیسی مشرکانہ عمل کو اپنے مفادات کے لیے باقی رکھنا چاہتا ہے، اس نے امیر جماعت اور فریدی صاحب پر دباؤ ڈال کر کتاب کورکوادیا۔ مرکزی مکتبہ سے کتاب واپس ہونے کے بعد میں نے اسے ڈاکٹر سید انور عالم پاشا شعبۂ اردو جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی کو دکھایا اور کہا اس پر تنقیدی نظر ڈالی اور جو غلطیاں دیکھیں اس کی طرف نشان دہی کردیں، کیوں کہ میرا مقصد اصلاح ہے نہ کہ افتراق۔ محترم نے میری خواہش پوری کی اور کہا کہ:

''میں نے کتاب دیکھ لی ہے، اس میں کہیں غلطیاں نہیں ہیں، آپ اسے جلد شائع کرائیں، جماعت اسلامی کو تو معافی مانگنی پڑے گی کہ انہوں نے اتنی اچھی کتاب کورکوادیا۔''

سپریم کورٹ کے سینئر وکیل جناب عنایت اللہ صاحب کا بھی بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے

کتاب کو قانونی نقطۂ نظر سے پڑھا اور جو چیزیں قانونی طور سے برائے اصلاح تھیں، ان کی نوک پلک درست کیں۔ اس کے باوجود یہ بات ہر شخص پر واضح ہونی چاہیے کہ کسی بھی قسم کی قانونی، عدالتی چارہ جوئی صرف مئوناتھ بھنجن یوپی کی عدالت میں ہی قابل سماعت ہوگی۔

جن ناشرین نے اس کی اشاعت کے لیے کہا تھا ان میں ایک قابل قدر نام محترم جناب سید قاضی شمس الدین صاحب، مکتبہ القاضی نئی دہلی کا بھی ہے۔ وہ نہ صرف قولا ذات پات کے خلاف ہیں بلکہ انھوں نے عملاً بھی اسے توڑا ہے۔ اب ان کے مکتبہ سے ہی کتاب شائع ہو رہی ہے۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی
نئی دہلی۔۱۱۰۰۶۷
۱۶ر فروری ۲۰۰۷ء، بروز جمعہ

مسعود عالم فلاحی
E-mail: masood_alig@rediffmail.com
masoodfalahi@gmail.com
Mob.:09810412757
Masood Alam Falahi
134, Mandavi Hostel
JNU, New Delhi-67

حواشی

(۱) کسی وجہ سے گاؤں اور مزعومہ رذیل ذات کا نام من وعن نہیں لیا گیا ہے۔قارئین سے گزارش ہے کہ وہ مزعومہ رذیل ذات کی جگہ پر کسی بھی مزعومہ چھوٹی ذات کا نام مراد لے لیں۔

(۲) راوی کے کہنے پر ان کا نام اور اس پس کردہ برادری کا نام پوشیدہ رکھا گیا ہے۔قارئین سے التماس ہے کہ وہ پس کردہ اقوام کے دیے ہوئے نام میں سے کسی ایک کا نام مراد لے لیں۔

(۳) ان کی بات صحیح نہیں ہے۔میں ان کے علاقے سے واقف ہوں۔نہ تو منصوری برادری کے تمام لوگ تاڑی نکالنے کا کام کرتے ہیں اور نہ ہی صرف شیخ برادری کے لوگ ہی تاڑی پیتے ہیں۔اچھے برے لوگ ہر برادری، ہر خاندان حتیٰ کہ ہر گھر میں ہوتے ہیں۔چند کو بنیاد بنا کر کسی پوری برادری کو بدنام کرنا نہ تو اسلامی طریقہ ہے اور نہ ہی انسانی۔

(۴) بعض ایسے لوگوں سے راقم الحروف واقف ہے جو اسلامی خلافت لانے اور دعوت وتبلیغ کے لیے جدو جہد کر رہے ہیں؛لیکن ذات پات کے معاملہ میں اونچ نیچ کے حامی ہیں۔چناں چہ ایک صاحب تو مسلم پرسنل لاء بورڈ کی ایک اونچی پوسٹ پر بیٹھے ہوئے ذات پات کے حامی ذمہ دار کے قریبی رشتہ دار ہیں کی غربت کی وجہ سے ان کی بہنوں کی شادی نہ ہو پا رہی تھی۔ان کے دوستوں میں سے ایک شخص نے بہت ہی تعلیم یافتہ، برسر روزگار لڑکوں کا رشتہ بھیجا؛لیکن چوں کہ وہ رشتے سید گھرانے کے نہ تھے لہذا ان کے والد صاحب نے جواب دیا ان برادریوں میں رشتہ کرنے سے بہتر یہ سمجھوں گا کہ اپنی بیٹیوں کو زہر دے دوں۔واضح رہے کہ میں خود ان صاحب اور ان کے والد کو جانتا ہوں۔یہ صاحب بھی اپنے والد ہی کی طرح حامی ذات پات ہیں۔ایک اور صاحب کی معاشی حالت خراب ہے۔لیکن ان کو داماد ڈاکٹر اور انجینئر اور اس میں بھی مزعومہ شرفاء سے تعلق رکھنے والے اور بطور خاص ملک [افضل سید] ہی چاہیے۔جب کہیں دال نہ گلی تو ایسے لڑکوں کے ساتھ اپنی بیٹیوں کو تنہا چھوڑنا شروع کیا،اس واسطے لڑکیوں کو لڑکوں کے ہاسٹلوں تک بھیجا کرتے تھے۔اسی طریقہ سے ایک انجینئر سے تو بات بن گئی تھی لیکن پھر شادی کی بات ختم ہوگئی۔بعض ایسے لوگوں سے راقم الحروف واقف ہے،جو دعوت وتبلیغ اور اقامت دین کے دعویدار ہیں۔عوام کے سامنے ذات پات کی مخالفت میں تقریر کرتے ہیں،مضامین لکھتے ہیں لیکن ذاتی زندگی اور ذاتی گفتگو میں اس کو باقی رکھنے کا لوگوں کو مشورہ دیتے ہیں،باضابطہ وہ کہتے ہیں کہ جہاں ذات پات کا رواج ہو وہاں باقی رکھنا چاہئے۔اگر ان کی دلیل صحیح ہے تو پھر زنا،چوری اور اسلام سے مسلمانوں کی بے اعتنائی کے خلاف بھی ان حضرات کو تحریک نہیں چلانی چاہیے،کیوں کہ یہ چیزیں

بھی سماج میں پائی جاتی ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ میں ہر جماعت کے علماء سے ملا۔ صرف چند لوگ ایسے ملے جنہوں نے کہا کہ ہمارے علماء سے غلطی ہوئی ہے ورنہ اکثر علماء اپنے مسالک کے علماء کی غلطیاں تسلیم کرنے کے لیے کسی بھی صورت میں تیار نہیں تھے۔ ان کی خواہ مخواہ تاویل کرتے تھے۔

(۵) سورۃ الاحزاب: آیت: ۳۶

(۶) اس ضمن میں یہاں یہ بات بھی بتادینا مناسب ہے کہ شیخ برادری کے افراد نے اپنے نام کے ساتھ جو نسبی لقب لگایا ہے مثلاً صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی وغیرہ میں نے اسے من وعن لکھ دیا ہے، لیکن اگر کسی نے کوئی نسبی لقب نہیں لکھا ہے تو میں نے ان کے نام کے ساتھ "صدیقی" لکھا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے یا نہیں۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"شیخ کا مطلب ہے: شیخ صدیقی، شیخ فاروقی، شیخ عثمانی اور شیخ علوی۔ یعنی وہ برادری جس کا سلسلۂ نسب درجہ بدرجہ ان بزرگوں سے جا ملتا ہے۔ مطلق شیخ کہنے پر شیخ صدیقی سمجھا جاتا ہے یعنی وہ مسلمان برادری جس کا خاندانی سلسلہ آگے جا کر خلیفہ اول سیدنا ابوبکرؓ سے مل جاتا ہے۔"

(ماہنامہ زندگی نو، نئی دہلی، نومبر ۲۰۰۱ء جلد: ۲۷، شمارہ: ۱۱، عنوان: سماجی مساوات (اسلام ایک نجات دہندہ تحریک کے باب دوم کا ایک حصہ) از: مولانا سلطان احمد اصلاحی، ص: ۲۴۔

(۷) محترم نے کافی مدد کی، بہت سی چیزیں بذات خود تلاش کر کے دیں۔

(۸) اس کتاب میں ایک جزء صرف "مسئلہ کفو" کے متعلق تھا لیکن کتاب کی ضخامت زیادہ ہونے کے خوف سے ڈاکٹر مولانا محمد رضی الاسلام خاں ندوی کے مشورے سے اس کو دو کتاب کی شکل دیدی گئی ہے۔ مسئلہ کفو سے جو حصہ متعلق تھا اس کو مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے دیکھا تھا۔

(۹) محترم نے اس سلسلہ میں کافی مدد کی، بطور خاص سادات کے نسب کی تحقیق کے سلسلہ میں نادر نکات بتائے۔

(۱۰) محترم نے کافی اچھے مشوروں سے نوازا اور خاص طور سے اس کتاب کی انگریزی عبارتوں کے ترجموں کے نوک پلک درست کیے۔

(۱۱) اس کتاب کا ایک جزء جو کفو سے متعلق ہے اس کی اور اس کتاب کے باب نہم ذات پات اور معاصر علماء وزعماء کی اکثر حصے کو پڑھنے کے بعد تصحیح کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔

(۱۲) مولانا عبدالبراثری فلاحی اور ڈاکٹر مولانا محمد رضی الاسلام ندوی اس کتاب کی صرف بعض ان حصوں کو نہ دیکھ سکے، جن کو میں نے بعد میں بڑھایا ہے، لیکن ان اضافہ شدہ حصوں میں سے کچھ کو ڈاکٹر مولانا محمد رضی الاسلام ندوی صاحب نے دیکھا اور تصحیح کی۔

مقدمہ

ہندستانی مسلم معاشرہ ذات پات کے زیر سایہ

ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی فاروقی حفظہ اللہ

برادر عزیز جناب مسعود عالم فلاحی کی زیر نظر کتاب کی پہلی قسط جب مجھے ''زندگی نو'' میں اشاعت کے لیے ملی تو مجھے اس کا گمان بھی نہ تھا کہ مستقبل میں یہ اقساط ایک جامع اور ہمہ گیر تصنیف کی شکل اختیار کر لے گی، مگر جیسے جیسے اس کی قسطیں شائع ہوتی گئیں یہ عقدہ کھلتا گیا کہ تحقیق اور تجزیے کا یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو صرف دراز ہی نہیں بلکہ ملت اسلامیہ ہند کی تاریخ کی عبرت آموز اور دردناک داستان بھی ہے۔

اسلام کا عقیدہ توحید اتنا صاف، ستھرا اور فلسفیانہ موشگافیوں سے اتنا اعلیٰ اور ارفع تھا اور ہے کہ اس کی بے مثال قوت تاثیر کے خلاف شرک کی تمام حیلہ سازیاں کند ہوگئیں۔ چناں چہ کلمہ لا الہ الا اللہ کی اصل آج بھی انفس و آفاق کی گہرائیوں میں مضبوطی سے پیوست ہے۔ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ ہندستان کا فلسفہ شرک اسلام کو اپنی میتھالوجیکل داستان کا جزو نہ بنا سکا۔ عقیدۂ توحید انسان کو اپنے پروردگار تک براہ راست رسائی کے راستے کھولتا ہے اور خود ساختہ مصنوعی دلیلوں کو بے اصل بناتا ہے۔ اس عقیدہ کی یہی وہ کشش ہے جو آج کے دور میں بھی سعید روحوں کے لیے بے پناہ کشش رکھتی ہے۔ مذاہب گورکھ دھندوں اور فلسفہ کی دھند سے اسے نجات دلاتا ہے۔ اگر چہ بدقسمتی سے اس عقیدہ کو گدلا کرنے کی شعوری اور غیر شعوری جدوجہد غلط تصور تصوف کے تحت کی جاتی رہی۔ لیکن الحمد للہ کہ اس جدوجہد کو ایسی کامیابی نہ مل سکی جو بندے اور خدا کے مابین مصنوعی دیواریں کھڑی کر سکتی۔ چنانچہ یہ اپنی پوری قوت اور استحکام کے ساتھ سرسبز و شاداب ہے، پروہتوں، پجاریوں اور مولویوں کی موشگافیوں، کے باوجود خدا اور بندے کے درمیان درجہ بند وسائل و سفارشوں کے گورکھ دھندے اس کو متاثر نہ کر سکے۔

مگر افسوس ہے کہ اسلام کا دوسرا اصول وحدت انسانیت میں رخنہ پیدا کرنے میں حریفوں سے کہیں زیادہ خود اس دین کے علمبرداروں نے غیر معمولی رول ادا کیا۔ اگر چہ اس طرح کی کمزور کوششوں کا سراغ ملت اسلامیہ کے آباد دوسرے خطوں میں بھی ملتا ہے، مگر ہندوستان کے فلسفہ اور نظام ذات پات

نے اس اصول کو مجروح کرنے میں ایسا کردار ادا کیا ہے جو حد درجہ تکلیف دہ ثابت ہوا ہے۔ یہ کوشش مختلف جہات سے کی گئی۔ کبھی تکریم سادات کی خودساختہ تشریحات نے اپنا مقام بنالیا، جس کے نتیجہ میں اشراف اور ارذال کی تقسیم کو دین کے نام پر رواج دیا گیا۔ کہیں کفاءت کو ازدواج کا ایسا معیار بنادیا گیا جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالص عملی ہدایت کو دینی اقدار کے مرتبہ پر فائز کردیا گیا۔ کہیں قریشی کے استحقاق خلافت کی خالص حکمت عملی کو دائمی اسلامی قدر بنانے کی ناروا تعبیر کو دائمی وسعت عطا کی گئی۔ یہ اور اس طرح کی متعدد جہات سے کی گئی جدوجہد کے عملی اثرات اتنے وسیع اور دوررس ہوئے کہ ملت اسلامیہ تفریق ذات پات کے شکنجے میں گرفتار ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے ابدی ہدایت کو پس پشت ڈالنے اور ان کو پامال کرنے کی بے جا جسارت پر بادشاہ، حکمران، علماء اور عوام سب مطمئن ہوگئے۔ سید، شیخ، مغل، پٹھان اور شوردسب اس ملت کی تصویر کو بگاڑنے اور فساد تفریق کو فروغ دینے اور مستحکم کرنے میں شریک ہوگئے۔

برادر عزیز مسعود فلاحی کو خداوند تعالیٰ نے یہ توفیق عنایت فرمائی اور ان کو غیر معمولی تحقیق اور تجزیہ کی صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی کہ وہ اس پر سے پردہ اٹھا کر ملت اسلامیہ کو اصلاح پر آمادہ کریں۔ ہم سب اس تفریق اور تقسیم کے گھناؤنے نمونے دیکھتے رہے اور کڑھتے رہے لیکن ہم نے اس کی ہمت نہ پائی کہ اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کرتے، اس کی غیر اسلامی بنیادوں پر انگلی اٹھاتے۔ تفریق ذات پات کے فلسفہ کو اسلام کا جزء بنادینے کی کوشش کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی تعلیم مساوات اور وحدت آدم سے متاثر ہوکر جب ہندوستان کے نظام ذات پات سے بٹے ہوئے لاکھوں مظلوم انسانوں نے اس کے دامن عافیت میں پناہ لی تو انہیں یہاں بھی وہی گندگی اور ظلم سے سابقہ پڑا۔ وہ بھی بھنگی، چمار، کنجڑا، قصائی، جولاہے بن کر مسلم سماج کے ذلیل ترین طبقات میں شامل ہوگئے، نام بدل گئے، لیکن سلوک نہ بدلا۔ مسلمان شریف اور رذیل میں تقسیم ہوگئے۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ ہوا کہ دینی درسگاہوں میں بھی اس تقسیم کو سند جواہر عطا کی گئی۔ یہاں تک نکاح اور طلاق کے فتوے اس بنیاد پر دیے جانے لگے کہ کون خودساختہ کفاءت کے اصول پر پورا اترتا ہے اور کون نہیں۔ برادرم عزیز مسعود فلاحی نے اس کے ثبوت میں نظائر کی سینکڑوں مثالیں پیش کیں ہیں۔ اس طرح کی بحث اور گفتگو سے بہت سے لوگ ناراض ہوسکتے ہیں اور اسے بے وقت کی راگنی کہہ سکتے ہیں۔ بعض ان میں سے یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ اب اس کا خاتمہ ہورہا ہے۔ اس لیے زخموں کو کریدنے سے کیا حاصل۔؟

ہم کو اس بات کے اعتراف میں کوئی تردد نہیں ہے کہ ذات پات کے شکنجے کم از کم رشتہ ازدواج

میں ڈھیلے پڑ رہے ہیں لیکن اس ڈھیل کا اصل سبب دور حاضر میں سفر، نقل مکانی اور تلاش روزگار کی بین الاقوامی تلاش ہے۔ ٹکنالوجی اور معاشی وسائل کی دریافت نے ممکن بنایا ہے اور جس کا ایک نتیجہ یہ بھی کہ نوجوان اپنے گھریلو اور سماجی گرفت سے آزاد پڑ رہے ہیں۔ انہیں اب یہ اختیار حاصل ہوگیا ہے کہ وہ اپنے شریک زندگی کو خود کریں اور پسند کریں۔ تعلیم بالخصوص ماہرانہ اور پروفیشنل تعلیم نے اب معاشی اور ذمہ دارانہ مناصب کے حصول کی راہ میں ذات پات کی رکاوٹیں دور کردی ہیں۔ واقعات کی یہ رفتار چاہے کتنی ہی خوش آئند کیوں نہ ہو لیکن اس کا یہ پہلو دردناک ہے کہ جو اصلاح اور جس انقلاب کو دینی اقدار سے مستنبط ہونا چاہیے تھا وہ مادی تغیرات سے پیدا ہو رہا ہے۔ لہذا جس طرح مادی مقاصد سے پیدا شدہ تغیرات غیر متوازن ہوتے ہیں اسی طرح اس کے غیر متوازن ہونے کے امکانات موجود ہیں۔ اس کا دوسرا المناک پہلو یہ ہے کہ تقسیم ذات پات کے ازالے کا محرک تقوی اور دینی اقدار نہیں ہے بلکہ ان سے بے نیازی ہے، یہ بے نیازی صرف مناکحت تک محدود نہیں رہے گی بلکہ اس کا امکان ہے کہ زندگی کے دوسرے گوشوں تک محیط ہو جائے، ملت اسلامیہ کی شناخت متاثر ہو اور اس کا کردار بھی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ذات پات کی یہ تقسیم امت کی عظیم اکثریت کے درمیان اب بھی موجود ہے، اس کے اثرات کا انکار کرنا محض ہٹ دھرمی ہے اور کچھ نہیں۔

تقسیم انسانیت کا یہ انسانیت سوز نظام اسلام کی دعوت اور اس کی کشتی کو بھی مجروح کر رہا ہے، دلت اور پسماندہ طبقات تک آپ کس منہ سے دعوت پہنچائیں گے اگر ان کو یہ نظر آئے کہ اسلام صرف دعوی کی حد تک مساوات اور عدل و انصاف کا علم بردار ہے۔ جہاں تک اس کے سماج کا تعلق ہے وہاں ارذال کو بعض اوقات اشراف کی مساجد میں بھی شرکت اجازت نہیں ہے۔ یہ وہ معاشرہ ہے جہاں اگر اسلام قبول کیا جائے تو اسے اسی تذلیل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کا وہ صدیوں سے شکار رہا ہے۔ اس لیے یہ عینی دعوتی فریضہ ہے کہ صرف قول سے نہیں بلکہ سماج کے عمل سے اس تقوی پر مبنی تکریم انسانیت کو رواج دیا جائے، اس موقعہ پر یاد دلانے کو بھی جی چاہتا ہے کہ ملت اسلامیہ کے علماء اور مصلحین نے صدیوں سے اپنی جدوجہد کو صرف مسلمانوں کے دینی تحفظ پر مرکوز رکھی ہے، دعوت کی جھلک کہیں کہیں ضرور ملتی ہے مگر اصل محور کی طرح نہیں بلکہ حاشیہ پر۔

اصلاح کا طرز عمل کبھی بھی خوش نہیں کرتا۔ اس میں یہ خطرہ بہر حال رہتا ہے کہ کچھ لوگوں کو یہ ناگوار گذر سکتا ہے۔ مولانا مودودی نے جب مسلمانوں کی کمزوریوں اور ان کی دین سے فروگذاشت کی طرف توجہ دلائی تو عوام ہی نہیں بلکہ جبہ اور دستار کے بہت سے علمبردار بھی چیں بہ جبیں ہو گئے۔ لیکن مولانا

نے اپنی جدوجہد بلاخوف خطر جاری رکھی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تناقض فکر وعمل کی روشنی میں تنقید سے لوگ خوش ہوتے تھے۔ بنابریں مسعود عالم فلاحی کی یہ کوشش ،تعمیر اصلاح اور دعوت کی قبیل سے شمار کیے جانے کے لائق ہے۔

وحدت انسانیت اسلام کا پیغام ہے،اس کا دکھی انسانیت کے لیے بطور نسخہ شفا پیش کیا گیا تھا۔ اس کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے، تلخ نوائی کو نہ صرف گوارا کرنا چاہیے۔ بلکہ اس میں چھیڑے گئے نغمہ کو سلامتی ہوش وحواس کے ساتھ سننا چاہیے۔ اس کتاب میں حوالہ جات اور اقتباسات کے حوالے کثرت سے دیے گئے ہیں۔ جو اقتباسات دیے گئے ہیں ان کی معتبر سند بھی فراہم کی گئی ہے۔ لہذا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ موصوف نے کردارکشی کا رویہ اپنایا ہے۔ یہ محض درد دل سنانے کے لیے پیش کیے گئے ہیں۔ ہم نے اس تحریر کو خالص دعوتی نقطۂ نظر سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ الحمدللہ تحریک اسلامی کا امتیاز رہا ہے کہ اس دعوت کو اولیں اہمیت دی ہے اس مقصد کے لیے اس نے زخموں پر مرہم بھی رکھا اور حسب ضرورت جراحت تنقید کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ اس راہ میں اس نے لعن طعن اور شنام طرازی سے لے کر فتوی کی یلغار بھی سامنا کیا ہے۔ میری رائے میں مسعود فلاحی کی یہ کوشش بھی اسی راہ پر قائم رکھنے کا حوصلہ یاد دلاتی ہے لہذا ناچیز نے اس کتاب کی تکمیل کے بعد مصنف کو یہ پیش کش کی کہ وہ اس کتاب کو تحریک اسلامی کے مکتبہ کو اشاعت کے لیے عنایت فرمائیں۔ ہمیں انتہائی مسرت ہے کہ امیر جماعت اسلامی ہند عبدالحق انصاری نے میری اس تجویز کو پسند فرمایا اور اس کی اشاعت کی اجازت دی۔

مسعود فلاحی نے جہاں موجودہ مسلم معاشرے کی کمزوریوں کو پیش کیا ہے وہاں وہ یہ نہیں بھولے ہیں کہ اسلام کی اصل اقدار اور تعلیم کو بھی نمایاں کیا جائے، اس کا لحاظ کرنے کی وجہ سے کتاب محض الزام تراشی نہیں بلکہ صحیح تناظر میں پیش کی گئی تحریر ہے۔ برادرم عزیز مسعود فلاحی سے ہماری یہ مخلصانہ درخواست ہے کہ اس تصنیف پر شدید تنقیدوں کو متوازن نقطۂ نظر سے دیکھیں اور جہاں ضرورت ہو تبصرہ بھی کریں۔

فقط

والسلام

فضل الرحمن فریدی

[مدیر ماہنامہ زندگی نو، نئی دہلی ، رکن مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند، اساسی ممبر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ]

۲۰۰۶/۴/۴ء

باب اول

ہندستان پر

آریوں کا حملہ اور اس کے سماجی اثرات

ہندستان کے اصلی باشندے

ہندستان کے اصلی باشندے کون ہیں؟ وہ کس کی نسل سے ہیں؟ کب آئے؟ ان تمام سوالوں کا جواب تاریخی طور سے ناپید ہے، صرف اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ ہندستان کے جنوبی اور مشرقی خطوں میں ایک قدیم ترین قوم آباد تھی، جو خلیج بنگال میں گرنے والی ندیوں جیسے ''نرمدا'' وغیرہ سے سیراب ہوتی تھی اور یہ لوگ آج کل کے انڈین باشندوں کی طرح حبشی نسل سے تعلق رکھتے تھے، جن کا رنگ کالا، قد پستہ، سر چھوٹا، ناک چپٹی اور بال گھنگھرالے تھے۔ ان کا دور پتھر کا دور کہلاتا ہے۔ ان کے بعد آسٹریلیائی نسل کے لوگ یہاں آئے اور انھوں نے قدیم باشندوں کو غلام بنالیا، ان کا دور نئے پتھر کا دور کہلاتا ہے۔ اس دور کے ختم ہونے کے بعد لوہے کا زمانہ آتا ہے۔ اس دور میں دراوڑ قوم دھات کی تلاش میں ہندستان کے ساحلی علاقوں میں دجلہ اور فرات کے دوآبہ سے آتی رہی، ان کا تعلق شامی قبائل سے تھا۔

چوں کہ یہ صرف دھات کی کھوج میں ہندستان آئے تھے؛ اس لیے مقامی باشندوں سے لڑنے کے بجائے میل میلاپ سے رہنے لگے؛ لیکن یہ عجیب المیہ ہے کہ جب آریوں نے ان کو شمالی ہندستان سے نکالا تو انھوں نے جنوبی ہندستان میں مقامی باشندوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ان کے ساتھ آریوں نے شمال میں کیا تھا۔ حتی کہ بعض مورخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ قوم بھی آریوں کی طرح ہندستان میں قدم رکھتے ہی مقامی باشندوں سے لڑ بھڑ کر ان کے علاقوں پر قابض ہوگئی، پھر ان کو غلام بنالیا اور بعض کو جنگل میں رہنے پر مجبور کیا۔

شمالی ہند میں پتھر کے نئے زمانے کے بعد لوہے کا زمانہ شروع ہونے کے بجائے تانبے کا زمانہ شروع ہوا۔ اس دور کی اشیا، متھرا، وادی گنگا اور فتح پور وغیرہ میں ملی ہیں۔ نیز تانبے کے زمانہ کی ترقی یافتہ دور کی چیزیں ہڑپا اور دریائے راوی کے کنارے موہن جوداڑو (سندھ) کے مقامات پر ملی ہیں۔ مورخین کا خیال ہے کہ موہن جوداڑو کا دور ۳۵۰۰ ق م اور ۲۵۰۰ ق م کے درمیان ہے اور یہ لوگ یہاں تقریباً ۴۰۰۰ ق م سے آنا شروع ہوگئے تھے۔ (۱)

ہندستان پر آریوں کا حملہ

۲۵۰۰ ق م میں آریہ (برہمن) وسط ایشیا سے نکل کر ایران ہوتے ہوئے افغانستان اور کشمیر کے راستہ سے ہند پر حملہ آور ہوئے، جس کے نتیجے میں دراوڑ اور آریہ دو تہذیبوں میں زبردست لڑائی

ہوئی۔ مقامی باشندے بہت سادہ لوح اور دغا فریب سے دور تھے (اور اکثر جگہ اب بھی ہیں) لیکن آریہ قوم کی اکثریت بہت چالاک اور عیار تھی (اور اب بھی ہے) اس لیے اس نے مقامی باشندوں میں تفرقہ ڈال کر انھیں اپنی فوج میں شامل کر لیا اور پھر پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔(۲) قبضہ کرنے کے بعد مقامی باشندوں پر اس طرح سے ظلم ڈھایا اور ان کی عزت لوٹی کہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قلم کو حجاب آتا ہے؛

چناں چہ ہندو مذہب کے مقدس صحیفہ ''یجروید'' میں ہے:

> ''جن لوگوں سے ہم نفرت کرتے ہیں یا جو ہمیں دکھ دیتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ انھیں اس طرح تڑپا تڑپا کر ماریں، جس طرح بلی چوہے کو مارتی ہے۔''(۳)

رگ وید میں ہے:

> ''داس [غلام] بڑے دولت مند ہیں اور سونے چاندی کے مالک ہیں۔ داسوں کے شہروں کی فصیلیں اتنی بڑی ہیں کہ ان کے اندر داخل ہونے کے سو سو دروازے ہیں۔ داسوں کے سیکڑوں مستحکم قلعے ہیں۔ ان کو ہمارے بہادر راجہ ''پور کنا'' نے فتح کیا۔ اور ان کے پرخچے اڑا دیے۔''(۴)

ویدوں میں اگنی دیوتا سے دعا و مناجات ہے کہ:

> ''ان باشندوں کو ہلاک کر دے اور ان پر اپنا قہر نازل فرما، ان کو جلا کر خاکستر کر دے اور ان کے دلوں کو آگ پر رکھ کر بھون ڈال۔ سوم رس پینے والے اگنی دیوتا! تو ان کی اولاد کو بھی ہلاک کر دے، ان کو زہر اور آگ کے دوطرفہ عذاب میں ڈال دے، ان کی بستیوں کو نیست و نابود کر دے''۔(۵)

ان کے دوسرے مقدس صحیفہ ''رگ وید'' میں ہے:

> ''تو نے مجھے ایک سو گدھوں، ایک سو اون والی بھیڑوں اور ایک سو داسوں کی بھینٹ دی۔''(۶)

رگ وید میں دوسری جگہ ہے:

> ''اے اندرا گنی! تم نے ایک نظر سے ہی اُسروں [شودروں] کے نوے شہروں کو ایک ہی ساتھ جلا ڈالا۔''(۷)

رگ وید کے ایک دوسرے منتر میں ہے:

> ''اس راکشش [عفریت] کو مارنے والے اور دشمن [شودر] کے نگروں [شہروں] کو توڑنے والے اندر نے بھی سیاہ فام داسی [شودر] عورتوں کو مار ڈالا''(۸)

صرف رگ وید کے چوتھے، چھٹے اور ساتویں منڈلوں (ابواب) میں ہلاک کیے جانے والے

داسوں (ہندستانی لوگوں) کی تعداد اس طرح ہے:

۴:	۱۵-۳۰=	۵۰،۰۰۰	داس (شودر) مارے گئے
۴:	۲۱-۳۰=	۳۰،۰۰۰	" " "
۶:	۱۳-۱۶=	۵۰،۰۰۰	" " "
۷:	۶۰-۶=	۶۰،۰۰۰	" " "
۷:	۴-۱۸=	۶۶،۰۰۰	" " "
۷:	۵-۹۹=	۱۰،۰۰۰	" " "
کل		۲،۶۶،۰۰۰	داس مارے گئے (۹)

"جب برہمنوں نے شودروں کو لوٹا تو ایک [ایک] برہمن کو پچاس [پچاس] کنواری چھوکریاں عطا کی گئیں۔" (۱۰) ایتر یئے براہمن (ऐतरेय ब्राह्मण) (۲۹:۸) میں آیا ہے کہ راجہ نے تخت نشینی کرانے والے پروہتوں کو ۱۰،۰۰۰ داسیاں اور ۱۰،۰۰۰ ہاتھی دیئے۔ (۱۱)

آریوں نے دراوڑی یعنی ہندستانی عورتوں کی عصمت دری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، انھوں نے بدکاری کو حصولِ ثواب کا ذریعہ قرار دیا؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ آریہ ان عورتوں کی عصمت و عزت تارتار کریں۔ ہندودھرم کے ایک برہمن مصلح مجدد، ہندو مذہب کے احیاء کے علم بردار اور آریہ سماج کے بانی پنڈت سوامی دیانند سرسوتی اپنی کتاب "ستیارتھ پرکاش" میں ہندوؤں کے ایک فرقہ "وام مارگ" جس کو براہمنوں نے قائم کیا تھا۔ (۱۲) کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ:

"राजस्वला पुष्कर तीर्थ तु स्वय काशी,
चर्मकारी प्रयाग: स्याद्रजकी मथुरा मता
अयोध्या पुक्कसी प्रोक्ता ॥

"حیض والی عورت کے ساتھ صحبت کرنا ایسا ہے جیسا کہ پشکر میں نہانا۔ چانڈال کی عورت سے صحبت کرنا گویا کاشی کی زیارت ہے، چماری عورت کے ساتھ بدفعلی کرنا گویا پریاگ میں نہانا ہے، دھوبن کے ساتھ صحبت کرنا گویا متھرا کی زیارت کرنا ہے اور فاحشہ عورت کے ساتھ بدفعلی کرنا گویا اجودھیا کی زیارت کرکے آنا ہے۔" (۱۳)

ہندومت کی مذہبی کتابیں اس طرح کے اشلوکوں سے جن میں شودروں کے استحصال کا تذکرہ ہے، بھری پڑی ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ مورخین کا کہنا ہے کہ ویدک عصر میں غلام (شودر) کا وجود تو تھا لیکن ذات پات کی شدت اس قدر نہ تھی جو بعد میں ہوگئی۔ (۱۴)

ذات پات کا نظریہ اور مذہبی کتب

دراوڑوں اور آریوں کے درمیان چار سو سال تک جنگ ہوتی رہی، آریوں نے فتح کے بعد

اپنے دل کی بھڑاس اس طرح نکالی کہ جن دراوڑوں نے غداری یا صلح کر کے آریوں کی طرف سے جنگ لڑی تھی ان کوانھوں نے کشتری یعنی اپنا محافظ قرار دیا اور حکومت کی باگ ڈور انھیں کے ہاتھ میں رہنے دی۔(۱۵) اور جو لوگ اس جنگ میں غیر جانب دار تھے، ان کو ویشہ (oS';) کا نام دیا اور ان پر یہ ذمہ داری ڈالی کہ وہ زراعت کر کے اور مویشی پال کر حکومت کی مالی ضرورت پوری کریں؛ لیکن جن لوگوں نے صدیوں تک آریہ کے دانت کھٹے کیے تھے، ان میں سے کچھ کو تو میدان جنگ میں ہی قتل کر دیا اور باقی لوگوں کو شودر (غلام) بنالیا۔ ان شودروں میں بھی دو درجے کیے۔ جو لوگ کچھ عرصہ جنگ کرنے کے بعد غیر جانب دار ہو گئے تھے، ان کو سچھوت (چھونے کے لائق) قرار دے کر امن کے ساتھ رہنے دیا۔ کولی ،مالی، دھنیا، جولاہہ، کمہار، ڈوم وغیرہ اسی درجہ میں آتے ہیں؛ لیکن جن لوگوں نے اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی غیرت وحمیت، عزت وعصمت اور جان ومال کی حفاظت کی خاطر جفاکشی اور بہادری کا انمول نمونہ پیش کیا ان کو اچھوت شودر قرار دے دیا۔ اس کے ساتھ انھیں اتنی بری طرح کچلا کہ وہ ہزاروں سال تک سر نہ اٹھا سکیں۔ انھیں زندہ رہنے کے لیے مردہ جانوروں کا گوشت کھانا پڑا۔ ذات پات کے ماننے والے آریوں نے انھیں پاخانہ اٹھانے، سوار اور گدھا چرانے کا کام سونپا، جس کو آج تک وہ کر رہے ہیں۔(۱۶) جاٹ، بھنگی، چمار، کھٹک، پشاد، چنڈال وغیرہ اسی درجے میں آتے ہیں۔

ان بہادر لوگوں میں سے ایک طبقہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ٹھیک ہے، ہم جنگ میں آریہ سے مات کھا گئے ہیں لیکن ہم غلامی قبول نہیں کریں گے۔ انھوں نے جنگل کی راہ لی اور وہیں فروکش ہو گئے۔ ناگا، بھیل، سنتھال، جرایو، پس کردہ ذاتیں وغیرہ جنگلی قبائل اسی طبقے میں آتے ہیں جو آج بھی آریوں (برہمنوں) سے نفرت کرتے ہیں۔

ذات پات کو ماننے والے آریوں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ معاشرت اور تمدن کے پہلو سے بھی انھیں اچھوت رکھا۔ آج بھی جنوبی ہند کے بیشتر علاقوں میں قدیم معاشرت کے کچھ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں؛ چناں چہ وہی دھوتی یا لنگوٹی زیب تن ہے، جو ہزار سال پیشتر تھی۔ بالائی جسم پر کوئی کپڑا نہیں پہنا جاتا، زیادہ سے زیادہ ایک کپڑا جسم کے اوپر اوڑھ لیا جاتا ہے۔ عورتوں میں چولی اور کرتے کا رواج نہیں، سوائے ان علاقوں کے جہاں میسور کی اسلامی حکومت نے اس کو رواج دیا تھا۔ مالا بار کی بعض قوموں میں عورتیں صرف ایک کپڑا باندھتی ہیں اور وہ بھی پستان کے نیچے، اگر وہ پستان کے اوپر باندھیں تو یہ اعلیٰ ذاتوں کی توہین سمجھی جاتی ہے۔ جہاں تک تمدنی حالت کا سوال ہے تو اس سلسلہ میں اگر ہندستان کا، خاص طور سے جنوبی ہند کے اکثر شہروں کا نقشہ دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے وسطی حصہ میں برہمن (آریہ) رہتے تھے۔ اس کے باہر کا حصہ فوجوں کے لیے مخصوص تھا۔ تیسرا حصہ ویشیہ یعنی پیشہ ور

اقوام کے لیے تھا، سب سے باہری حصہ میں شودر یعنی غلام رہتے تھے اور اچھوتوں کو آبادی سے بہت دور جگہ دی جاتی تھی۔ شہر کی آبادی مربعوں میں ہوتی تھی۔ (۱۷)

بعض پہلوؤں سے برہمنیت بالکل یہودیت کی اتباع کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور ہندستان کے تناظر میں تو برہمنیت عیاری میں یہودیت سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ ذات پات کو ماننے والے آریوں نے ہندستانیوں کو نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی طور پر غلام بنالیا۔ اور اپنی سیادت وقیادت باقی رکھنے کے لیے اس طبقاتی تقسیم کو مذہبی رنگ میں رنگ دیا۔ کوئی بھی مغلوب قوم غالب قوم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی ہے۔ جب بھی موقع ملتا ہے اس پر ٹوٹ پڑتی ہے؛ لیکن ذات پات کو ماننے والے آریوں نے ان کو اس طرح سدھایا کہ شروع سے آج تک ان کے خلاف اف بھی زبان پر نہیں لاتے؛ چناں چہ دراوڑوں سے کہا گیا:

> ''آخر برہمن [آریہ] کی فضیلت تسلیم کرنے سے کیوں انکار ہے؟ برہمن ذات خود کوئی فضیلت نہیں رکھتی، یہ صرف ان نیک کاموں کا اجر ہے، جو اس نے اگلے جنم میں کیے تھے۔ موت کے بعد تمہاری زندگی میں بھی انقلاب آنے والا ہے اور آئندہ جنم میں تم خود برہمن پیدا ہوگے اور تمہاری سیادت دنیا تسلیم کرے گی۔'' (۱۸)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منو جی کہتے ہیں کہ برہمن کشتری اور ویشیہ تو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہوں گے لیکن شودر کا دوبارہ جنم نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ ایک جنما ہے۔ (۱۹) جب شودر کی دوبارہ پیدائش نہ ہوگی تو پھر وہ برہمن کیسے بنے گا اور اس کی سیادت دنیا کیسے تسلیم کرے گی؟

Arian rule in India (ہندستان پر آریوں کی حکومت) کے مصنف لکھتے ہیں:

> ''برہمنوں کے یا دوسرے الفاظ میں آریوں کے ظلم وستم کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ جب کسی قوم کو حکومت مل جاتی ہے تو وہ ظالم بن جاتی ہے۔ لیکن ذہنی ظلم ایک ایسا ظلم ہے جو بہ نسبت جسمانی ظلم کے آسانی سے برداشت کیا جاسکتا ہے برہمن قوم نے جو فطرت انسانی سے بہت زیادہ واقف تھی، اس راز کو پالیا تھا، جس کو موجودہ زمانہ میں یورپ آہستہ آہستہ اختیار کررہا ہے، وہ راز یہ ہے کہ تمام انسان بلحاظ پیدائش یکساں نہیں ہوتے۔ اگر ہر ایک کو مساوات دے دی جائے تو تمدن کو ایک سخت دھکا لگے گا۔'' (۲۰)

دراوڑ قوم اس دھوکہ میں پڑ کر اپنی حکومت، شان وشوکت، عزت وجاہ، اپنا کلچر ومعاشرت اور تہذیب وتمدن ـ غرض یہ کہ ہر چیز بھلا بیٹھی اور ذات پات کے ماننے والے برہمنوں کا غلام بن کر ہندو

دھرم میں ضم ہو کر رہ گئی۔ یہ ہندو دھرم چوں کہ مختلف عقائد و رسوم اور تہذیب و تمدن کو ملا کر وجود میں لایا گیا تھا؛ اس لیے ہر ذات کے عقائد و رسوم میں اس قدر فرق ہے کہ ایک دوسرے سے شادی بیاہ نہیں کر سکتے؛ لیکن جو چیز تمام ذاتوں اور عقائد والوں کے درمیان مشترک ہے، وہ ہے برہمن کی فضیلت۔

برہمن کے پیر کا دھوون پینا اور شادی کی پہلی رات برہمن کی

مغل دور حکومت تک تینوں ورن چھتری، ویشیہ اور شودر کے لوگ نجات حاصل کرنے کی غرض سے برہمن کا پیر دھو کر اس پانی کو پیا کرتے تھے۔ اس بات کی شہادت وہ تمام غیر ملکی سیاح دیتے ہیں جو سولہویں صدی میں ہندستان آئے تھے۔ (۲۱) صرف یہی نہیں بلکہ وہ سیاح اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ (ہندو) راجہ جب شادی کرتا تھا تو شبِ زفاف میں بیوی کے پاس خود نہ جا کر (ان کے مطابق) معزز اور قابل احترام برہمن کو بھیجتا تھا اور اس کام (ہم بستری کرنے) کے لیے عوضانہ کے طور پر پیسہ بھی دیتا تھا۔ تب وہ برہمن یہ کام کرتا تھا؛ چناں چہ ''سیاح لوڈ وائیکوڈی ورتھیما'' (The Traveller Ludovico De varthema) جو سولہویں صدی کے وسط میں ہندستان آئے اور ''مالا بار'' کی زیارت کی، وہ کہتے ہیں کہ:

"It is proper and at the same time pleasant to know who these Brahmins are? You must know that they are and when the king takes a wife, he selects the most worthy and the most honoured of these Brahmins and makes him sleep the first night with his wife in order that he may deflower her .Do not imagine that the Brahmin goes willingly to perform this operation.The king is obliged to pay him four hundred to five hundred ducats. The king only and no other person in Calicut adopts this practice. -Voyages of Verthema (Hakluyat society, vol.1, p.141).

When the Samorin marries, he must not cohabit with his bride till the Namboodiri [Nambudari Brahmins] or Chief priest enjoyed her, and if the Chief Priest pleases, he may have three nights of her company, because the first fruits of her nuptials must be a holy oblation to the God he worships. Some of the nobles are so complacent as to allow the clergy the same tribute but the common people cannot have that compliment paid to them, but are forced to supply the priests who place themselves above the common man(Vol.1 p.305)" (۲۲)

''یہ بیک وقت مناسب اور خوش کن ہے کہ ہم جانیں کہ یہ برہمن کون ہیں؟ آپ کو ضرور جاننا چاہیے کہ جب بادشاہ اپنی بیوی کا انتخاب کرتا ہے، تو وہ سب سے لائق اور باعزت برہمن کو چنتا ہے، تاکہ وہ شبِ زفاف میں اس کی بیوی کے ساتھ مباشرت کرے۔ یہ نہ سوچیے کہ وہ برہمن خوشی خوشی یہ عمل انجام دیتا ہے، بادشاہ عوضانہ کے طور پر اس برہمن کو چار سے پانچ سو تک اطالوی سکے دینے کا پابند ہوتا ہے، کالی کٹ میں بادشاہ کے علاوہ دوسرا کوئی اس رسم کو اختیار نہیں کرسکتا ہے۔

جب شامورن [قوم کا آدمی] شادی کرتا ہے تو وہ اپنی بیوی کے ساتھ اس وقت تک [ہمبستری نہیں کرسکتا جب تک کہ نامودری [نامودری براہمن] یا سب سے بڑا پروہت اس کی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہ کرے اور اگر پروہت اعظم پسند کرے تو تین راتوں تک اسے اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے؛ کیوں کہ اس عورت کا پہلا ثمرہ [اولاد] لازمی طور سے اس خدا کے تبرک کے طور پر وجود میں آئے جس کی وہ پوجا کرتا ہے، کچھ ہندو اشرافیہ مذہبی طبقہ کو اس طرح کا خراج [ٹیکس] ادا کرنے کے واسطے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں؛ لیکن عوام الناس اس رسم کی ادائیگی میں کوئی عوضانہ نہیں دیتے؛ بلکہ ان کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ پجاریوں کو اپنی بیویاں فراہم کریں؛ جو اپنے آپ کو ماوراء عوام سمجھتے ہیں۔''

جناب بچنن (Buchanan) نے اپنی بحث (Narrative) میں برہمن کے پیر کا دھوون پینے کی طرف اشارہ مندرجہ ذیل طریقے سے کیا ہے:

"The ladies of Tamuri family who are generally impregnated of the servile class, could take(۲۳)their food without drinking the water in which the toes of the Brahmins were washed. Sir P.C. Roy once described how in his childhood, rows of children belonging to the servile classes used to stand for hours together in the morning on the road side in Calcutta with cups of water in their hands waiting for a Brahmin to pass,ready to wash his feet and take it to their parents waiting to sip it before taking their food" (۲۴)

''تاموری خاندان کی عورتیں جو عام طور پر غلاموں کے نطفہ سے حاملہ ہوتی ہیں؛ اس پانی کو استعمال کیے بغیر [پیے بغیر] کھانا نہیں کھاتی تھیں جس میں براہمنوں نے اپنے انگوٹھے دھوئے ہوں۔ شری پی سی رائے نے ایک بار بیان کیا کہ ان کے بچپن میں کیا حالت تھی۔

کلکتہ کے اندر سڑکوں کے کنارے غلام طبقہ کے بچے اپنے ہاتھوں میں پانی کا پیالہ لے کر صبح کے وقت گھنٹوں ایک ساتھ اس انتظار میں کھڑے رہتے تھے کہ کوئی برہمن ادھر سے گزرے اور وہ اس کا پیر دھوئے اور دھوون کو اپنے والدین کے پاس لے جائے جو کھانا سے پہلے اس کی ایک چسکی لے لیں۔''

نجات حاصل کرنے کے واسطے برہمنوں کا پیر دھو کر پینے کا رواج آج کے اس ترقی یافتہ اور سائنس وٹکنالوجی کے دور میں بھی جاری ہے۔ چناں چہ ہندستان کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد جو شودر ''کائستھ'' (Kayastha) (۲۵) ذات کے تھے۔ جب ملک کے صدر بنے تو حلف برداری کے بعد اپنی بیوی کو لے کر بنارس گئے اور وہاں برہمنوں کے ایک ہزار انگوٹھے دھو کر اس پانی کو اپنے اوپر اور اپنی وفا شعار بیوی کے اوپر چھڑکا۔ پھر اپنے کو پاک کرنے کے واسطے اس پانی کو پیا بھی۔ ان کے ذریعہ ملک کی صدارت کی حیثیت کو پامال کیے جانے پر جب اخبارات نے ان پر تنقید کی تو انھوں نے کہا کہ برہمنوں کے آشرواد (دعاؤں) کی وجہ سے ہی وہ صدر بنے ہیں اور ملک کی آزادی میں ان [راجندر پرشاد] کی کوئی قربانی نہ تھی۔(۲۶)

جناب شنکر انند شاشتری نے ۱۹۸۹ء میں اپنے زمانہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ عمل [برہمنوں کا پیر دھو کر پینا] غیر برہمنوں میں عام ہے اور خاص طور سے بنیوں میں، جو برہمنوں کا پیر دھو کر اس کو پیتے ہیں اور یہ گندا، غیر صحت مند، جراثیم سے پر عمل ان کے نزدیک پاکی حاصل کرنے کا سب سے مقدس، لذیذ اور مشرف سمجھا جاتا ہے۔(۲۷) چھتری، ویشیہ، شودر اور ان میں بھی بطور خاص شودر پر برہمنوں کی فضیلت کی دھاک اس طرح بیٹھی ہے کہ ذات پات کو ماننے والے برہمنوں نے اپنے دور اقتدار میں شودروں کو جو لقب دیا، اس کو آج تک وہ اپنے نام کے آگے لگائے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر ذات پات کو ماننے والے برہمنوں نے مزعومہ چھوٹی ذاتوں یعنی دراوڑوں کو ''داس'' کا لقب دیا، اس لقب کو جس کے معنی غلام کے ہیں، آج تک وہ ڈھو رہے ہیں اور اپنے نام کے آگے نہ لگاتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ دیوتا ناراض اور برہم نہ ہو جائیں اور پھر اس کے نتیجہ میں عذاب میں نہ مبتلا کر دیں۔ دراوڑ اس طرح ذہنی غلامی کے شکار ہوے کہ اپنے اسلاف کو جنھوں نے بہادری کے ساتھ آریوں (برہمنوں) سے جنگ کی تھی، ذات پات کو ماننے والے برہمنوں کے شانہ بشانہ برا بھلا کہتے چلے آرہے ہیں، مثلاً راون جو کہ اوصاف حمیدہ کا مالک اور فیاض وسخی بادشاہ تھا، اس کی تعریف خود بالمیکی رامائن کرتی ہے، رام نے اس کو بڑی ہوشیاری اور گھریلو سازش کے ذریعہ ہلاک کیا؛ لیکن اب خود دراوڑ اپنے عظیم ہیرو، رعایا پرور اور غیور بادشاہ کو راکشش کہتے ہیں اور دسہرہ کے تہوار میں شریک ہو کر اس کا پتلا جلاتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ:

''برہمنیت ایک ایسا جادو ہے جو مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کر دے۔''(۲۸)

ذات پات کو ماننے والے برہمنوں کی عیاری شمالی ہند سے زیادہ جنوبی ہند میں کامیاب رہی۔ شمالی ہند میں برہمنوں کے خلاف تحریک چلی تو جنوبی ہند نے برہمنیت کے قلعے کو علی حالہٖ برقرار اور محفوظ رکھا۔ مغربی مورخین نے صحیح کہا ہے:

''تمام ہندستان میں جنوبی ہند ایک ایسا خطہ ہے جس کو ہندو مذہب کا محفوظ قلعہ کہا جا سکتا ہے۔''(۲۹)

اور آرین رول ان انڈیا''Arian Rule in India'' کے مصنف رقم طراز ہیں:

''یہ جنوبی ہند کی دراوڑ قوم ہی ہے جس نے آریائی مذہب کو بچا رکھا ہے، اگر چہ انھوں نے اپنے رسم و رواج اور عقائد اس میں شامل کر دیے ہیں۔ شمالی ہند میں جب کئی قوموں کی آمد کی وجہ سے آرین روایات پر زوال آنا شروع ہوا تو یہ جنوبی ہند کے برہمن ہی تھے جنھوں نے ویدک لٹریچر کو محفوظ رکھتے ہوئے بدھ مذہب کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم کیا اور بعد میں جب مسلمان حملہ آور آریائی تہذیب اور آریاؤں کی سیاسی تنظیم کو شمال میں درہم برہم کر رہے تھے تو یہ جنوبی ہند کے راجہ ہی تھے جنھوں نے ان روایات کو پناہ دی۔''(۳۰)

اوپر مذکورہ بحث سے ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ ذات پات کو ماننے والے برہمنوں نے اپنی فضیلت اور برتری قائم کرنے کے لیے کیسی کیسی تدبیریں کیں؛ لیکن ان کی ہوشیاری اس وقت اور کھل کر آجائے گی، جب ان ذات پات کو ماننے والے برہمنوں کے خلاف کوئی دوسرا برہمن ہی گواہی دے۔ لہٰذا ''پنڈت دیانند سرسوتی جی'' کی عبارت بعینہٖ نقل کی جاتی ہے۔ دیانند جی نے برہمنوں کی عیاری اور چالاکی کا اپنی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں مختلف جگہوں پر ذکر کیا ہے؛ چناں چہ مشتے نمونہ از خروارے:

''برہمنوں نے سوچا کہ اپنی روزی کا بندوبست کرنا چاہیے، صلاح کر کے یہی ارادہ کر کشتری وغیرہ کو اپدیش کرنے لگے کہ ہم لوگ تمھارے معبود ہیں۔ بغیر ہماری خدمت کیے تم کو سورگ [بہشت] یا مکتی [نجات] نہ ملے گی؛ بلکہ اگر تم ہماری خدمت نہ کرو گے تو گھور نرک [دوزخ] میں پڑو گے۔ جو پورے عالموں، دھرم پر چلنے والوں کا نام براہمن اور قابل قدر وید اور رشی منیوں کے شاستر میں لکھا تھا، ان کو اپنے جیسے بے عقل، نفس پرست، فریبی، عیاش، ادھرمیوں پر گھٹا [چسپاں کر] بیٹھے، بھلا وہ سچے عالموں [آپت وِدّان] (۳۱) کے اوصاف ان جاہلوں پر کب گھٹ [کم ہو] سکتے ہیں..... جب [ان برہمنوں کو] کشتری وغیرہ ورن آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے یعنی اندرونی علم کی آنکھ پھوٹی ہوئی اور جن

کے پاس دولت کافی تھی- ایسے ایسے چیلے ملے- تو پھر ان فضول براہمن نام والوں کو عیش وعشرت کا باغ مل گیا۔ ...... [براہمن کہنے لگے] ہم "بھودیو" [زمین کے دیوتا] ہیں، ہماری خدمت کے بدون [بغیر] دیولوک [بہشت] کبھی نہیں مل سکتا، ان سے پوچھنا چاہیے کہ تم کس لوک میں جاؤ گے؟ تمھارے کام تو گھور نرک [دوزخ میں] بھوگئے [پڑنے] کے ہیں۔ کیڑے مکوڑے پتنگے وغیرہ بنو گے...... [تم برہمن نہیں بلکہ] تم پوپ ہو ......(۳۲) دغا فریب سے دوسرے کو ٹھگ کر اپنا مطلب نکالنے والے کو پوپ کہتے ہیں (۳۳) پھر وہ پوپ لوگ [برہمن] اپنی اور اپنے پاؤں کی پوجا کرانے لگے اور کہنے لگے کہ اسی میں بہتری ہے اور جب یہ لوگ [ہندو] ان کے بس میں ہو گئے تب غفلت اور نفس پرستی میں غرق ہو کر گذریئے کی مانند جھوٹے گرو بن کر چیلے پھنسانے لگے...... دیکھیے ان گیرنڈ پوپو [برہمنوں] کی لیلا۔" (۳۴)

منوادیت کے علمبرداروں نے دراوڑوں کو جسمانی غلام بنانے کے ساتھ ذہنی غلام بنانے کے لیے جو مذہبی قوانین بنائے یا دوسرے لفظوں میں اس غلامی کو مذہبی رنگ دینے کے لیے جو قوانین وضع کیے گئے، ان سے واقفیت ہندو دھرم کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کر کے ہی ہو سکتی ہے۔ ذات پات کے قوانین اور اس کے متعلق واقعات، وید، گیتا، مہابھارت، رامائن، گوتم شاستر، ارتھ شاستر اور منوسمرتی سب میں پائے جاتے ہیں؛ لیکن چوں کہ منوسمرتی کو ہندومت کے مستند ترین قانونی ماخذ ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہ ہندومت کے قدیم ماخذ یعنی وید کی شرح ہونے کا دعوی کرتی ہے (۳۵) گویا کہ ایک طرح سے ہندومت کی تمام بنیادی کتابوں کی مختصر مگر جامع شرح ہے۔ اس لیے زیادہ تر قوانین کے اشلوک اسی سے پیش کیے جائیں گے۔

اس کتاب میں انسانی زندگی کے متعلق تقریباً تمام معاملات کے قوانین درج ہیں، لیکن اس کا نمایاں عنصر ذات پات کا نظام ہے، اس کے متعلق اس میں اتنے قوانین ہیں کہ تمام کو نوٹ کرنا طوالت سے خالی نہیں، ان قوانین کو پڑھنے سے بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ ان کو وضع کرنے کا مقصد برہمنوں کی اجارہ داری کو مستحکم کرنا اور سرکاری عملہ و کارکنان سے لے کر عوام تک کو ان کی خدمت اور وفاداری پر ابھارنا ہے۔ صرف منتخب حصہ نقل کیا جاتا ہے۔ (۳۶)

"ایشور جی نے سال بھر حاملہ رہ کر برہما نام کا بچہ پیدا کیا، اسی برہما نے پھر ساری مخلوق پیدا کی۔" (۳۷)

”واسطے ترقی عالم کے منھ سے برہمن کو اور بازو سے کشتری کو اور رانوں سے ویشیہ کو اور پاؤں سے شودر کو پیدا کیا۔“ (منوسمرتی ۱:۳۱) (۳۸)

”برہمن، کشتری اور ویشیہ یہ تینوں ورن دوجما کہلاتے ہیں اور چوتھا ورن شودر ایک جما کہلاتا ہے اور کوئی پانچواں ورن نہیں ہے۔“ (۱۰:۴)

”اس سمپورن جگت کی رچھا [اس پوری کائنات کی حفاظت] (۳۹) کے لیے اس مہا تیجوری [بڑے مرتاض] (۴۰) برہما نے منھ، بازو، ران اور پیر سے پیدا ہوئے چاروں ورنوں کے کرم [فرائض] الگ الگ مقرر کیے۔“ (۱:۸۷)

”وید پڑھنا، وید پڑھانا، یگیہ کرنا، یگیہ کرانا، دان دینا، دان لینا - یہ چھ کرم برہمن کے لیے بنائے ہیں۔“ (۱:۸۸)

”رعایا کی حفاظت کرنا، دان دینا، یگیہ کرنا، وید پڑھنا، دنیا کی نعمتوں میں دل نہ لگانا - یہ پانچ کرم کشتری کے لیے مقرر کیے۔“ (۱:۸۹)

”چارپایوں کی حفاظت کرنا، دان دینا، یگیہ کرنا، وید پڑھنا، تجارت کرنا، سود، بیاج لینا، کھیتی کرنا - ایسے سات کرم ویشیہ کے لیے مقرر کیے۔“ (۱:۹۰)

”شودر کے لیے ایک ہی کرم پربھو [خدا] نے ٹھہرایا یعنی صدق دل سے ان تینوں ورنوں کی خدمت کرنا۔“ (۱:۹۱)

منوجی کے نزدیک سب سے افضل برہمن ہے کیوں کہ وہ پاک عضو منھ سے پیدا ہوا ہے اور سب سے ارذل شودر ہے، کیوں کہ وہ سب سے ناپاک عضو پیر سے پیدا ہوا ہے، چناں چہ وہ کہتے ہیں:

”مرد کے تمام اعضاء ناف کے اوپر تک پاک ہیں، خصوصاً منھ اور بھی زیادہ تر پاک ہے۔ ایسا برہما جی نے کہا۔“ (۱:۹۲، نیز ۵:۱۳۲)

”دنیا میں برہمن بوجہ دھرم کے سب سے افضل ہے۔ اس لیے کہ نہایت پاک عضو یعنی منھ سے پیدا ہوا ہے، اور وید کا استعمال رکھتا ہے۔“ (۱:۹۳)

”برہمن کے نام میں لفظ ”منگل“ یعنی خوشی اور کشتری کے نام میں لفظ ”بل“ یعنی طاقت اور ویشیہ کے نام میں لفظ ”دھن“ یعنی دولت اور شودر کے نام میں لفظ ”نندا“ یعنی تحقیر شامل کرنا چاہیے۔“ (۲:۳۱)

”جو کچھ دنیا میں ہے، وہ سب گویا برہمنوں کی نج [ملکیت] کی چیز ہے، کیوں کہ وہ برہما جی کے مکھ [منھ] سے پیدا ہوا ہے اور سب سے افضل ہے، اس لیے سب چیزوں کا مالک

برہمن ہوسکتا ہے۔"(۱:۱۰۰)

"برہمن، کشتری، ویشیہ، تدبیر کے ساتھ اس ملک میں رہیں اور شودر بوجہ تکلیف معاش کے چاہے جس ملک میں رہیں۔"(۲:۲۴)

"اگر راجہ از خود دفینہ خزانہ پاوے تو اس میں سے آدھا برہمنوں کو دیوے اور آدھا اپنے خزانہ میں رکھے۔"(۸:۳۸)

"اگر پنڈت برہمن مدفون خزانہ پاوے تو وہ تمام چیز کو لے لے کیوں کہ وہ اس کا مالک ہے۔"(۸:۳۷)

منو جی ایک طرف تو برہمن کو ساری دنیا کا داتا اور مالک بناتے ہیں، تو دوسری طرف شودروں کا جینا دوبھر کردیتے ہیں اور ان کی معاشی حالت کو مزید خراب کرنے کے لیے سود کی رقم بھی سب سے زیادہ اسی پر نافذ کرتے ہیں۔ چناں چہ کہتے ہیں:

"برہمن سے فیصدی دو روپیہ، کشتری سے تین روپیہ، ویشیہ سے چار روپیہ اور شودر سے پانچ روپیہ کا سود ماہوار لے۔"(۸:۱۴۲)

منو جی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ برہمن باہر سے آئی ہوئی قوم ہے اور شودر ہندستان کے اصل باشندے ہیں اور یہاں کی سرزمین بہت زرخیز ہے، لہذا ان تمام بندشوں اور قوانین کے علی الرغم وہ مالدار ہوسکتے ہیں اس لیے انھوں نے شودر کو مال ہی نہ رکھنے کا حکم دے ڈالا، چناں چہ آگے کہتے ہیں:

"شودر اگر مستطیع بھی ہو تب بھی دولت جمع نہ کرے، کیوں کہ شودر دولت پاکر برہمن کو ہی تکلیف دیتا ہے۔"(۱۰:۱۲۹)

اس قانون کے بعد فرماتے ہیں:

"برہمن، داس شودر سے دولت لے لے، اس میں کچھ تردد نہ کرے کیوں کہ وہ دولت اس کی کچھ ملکیت نہیں ہے، وہ جو دولت فراہم کرے، اس دولت کا مالک اس کا آقا ہے۔"(۸:۴۱۷)

"جب یگیہ کے دوانگ (یعنی سامان) یا تین انگ، بدون روپیہ کے پورے نہ ہوں اور ویشیہ سے بھی دھن نہ ملے تو شودر کے گھر سے بزور یا چوری سے دھن لینا منع نہیں ہے۔"(۱۱:۱۳)

گوتم جی کا کہنا ہے کہ:

"کسی لڑکی کی شادی کے اخراجات پورے کرنے نیز مقدس قانون کے تحت کسی قانون کی ادائیگی کے لیے کوئی شخص ایک شودر سے دھوکہ اور طاقت کا استعمال کرکے روپیہ پیسہ لے سکتا ہے۔"(۴۱)

ان قوانین سے دو قدم آگے بڑھ کر منوجی مزید کہتے ہیں:

"جو شودر خریدا گیا ہو یا نہ خریدا گیا ہو، اس سے غلام کا کام کرانا چاہیے، کیوں کہ برہمن کا غلام کام کے واسطے شری برہما جی نے شودر پیدا کیا۔" (منوسمرتی ۸: ۴۱۳)

شادی بیاہ کے سلسلہ میں منوجی کا قول یہ ہے کہ تینوں ورنوں کو اپنی ہی ذات میں شادی کرنی چاہیے؛ لیکن اگر فطری تقاضوں کے تحت دوسری برادری میں شادی کرے تو یہ افضل نہیں ہے؛ لیکن اگر کرے تو مندرجہ ذیل طریقے سے کرے۔ (۴۲)

"شودر صرف اپنی ذات کی لڑکی سے اور ویشیہ اپنی ذات اور شودر کی لڑکی سے اور کشتری اپنی ذات اور ویشیہ اور شودر کی لڑکی سے اور برہمن چاروں کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے۔" (۳: ۱۳)

"مگر کسی پران میں وقت مصیبت کے بھی برہمن اور کشتری کو شودر ذات کی لڑکی کے ساتھ وِواہ (विवाह) کرتا پایا نہیں گیا۔" (۳: ۱۴)

"شودر کی لڑکی کو اپنے پلنگ پر بٹھانے سے برہمن نرک میں جاتا ہے اور اس سے لڑکا پیدا ہونے سے برم کرم سے الگ ہو جاتا ہے۔" (۳: ۱۷)

منوجی شودر عورت سے شادی کو ناپسند کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اپنے متبعین کے علمبرداروں کو شودر عورت سے شادی کے بغیر ہی لذت کوشی اور عصمت دری پر ابھارا ہو، جیسا کہ ان کے پوروج (سلف، بزرگ) وششٹھ کا کہنا ہے کہ:

"ایک شودر عورت جو کالے نسل کی ہو، لذت نفس کی خاطر بطور داشتہ تو رکھی جا سکتی ہے، (۴۳) لیکن باضابطہ طور پر شادی میں قبول نہیں کی جا سکتی۔" (۴۴)

منوجی کے قانون کے علی الرغم کوئی شوہر عورت سے شادی کر لے تو منوجی کا قانون کہتا ہے کہ:

"شہوت و محبت کے غلبہ کے زیر اثر شادی کی ہوئی شودر ذات کی عورت سے جو لڑکا پیدا ہو، وہ زندہ ہی مردہ ہے، اس لیے وہ لڑکا برہمن شودر "پارشو نام بیٹا" کہلاتا ہے۔" (۹: ۱۷۸)

منوجی نے اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ وراثت میں بھی اس لڑکے کو سب سے اسفل رکھا۔ وہ کہتے ہیں:

"ہلواہ [ہل چلانے والا] وسانڈ و گھوڑا وغیرہ سواری و زیور وغیرہ و مکان و کل اجزاء میں سے ایک ایک افضل جزء ان سب برہمن بیٹے کو ادھار نام حصہ دے کر باقی ماندہ کو تقسیم اس طریق کے موافق کرے جو آگے آئیں گے۔" (۹: ۱۵۰)

"برہمن مرد و عورت سے جو لڑکا پیدا ہوا ہو وہ جائداد کا تیسرا حصہ لے اور کشتر [کشتریہ] عورت کا بیٹا دوسرا حصہ لے اور ویشیہ عورت سے پیدا ہونے والا بیٹا ڈیڑھ حصہ لے اور

شودر عورت کا بیٹا ایک حصہ لے۔" (۹:۱۵۱)

منوجی نے جو برہمن کی فضیلت اور شودر کی فضیحت بیان کی ہے، اس کو ذرا تفصیل سے سنیے:

"چانڈال، سور، مرغا، کتا، حیض والی عورت، نامرد یہ سب لوگ برہمنوں کو کھانا کھاتے ہوئے نہ دیکھیں۔" (۳:۲۳۹)

"دیوکرم یا پترکرم میں ان سب کے دیکھنے سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔" (۳:۲۴۰)

"سور سونگھنے سے، مرغا پر کی ہوا دینے سے، کتا دیکھنے سے، شودر چھونے سے ناش کرتا ہے۔" (۳:۲۴۱)

"جو شرادھ [مردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے برہمنوں کی دعوت] کا پس خوردہ کھانا شودر کو دیتا ہے، وہ نیچے سر کیے ہوئے "کال سوتر" نام نرک میں جاتا ہے۔" (۳:۲۴۹)

"انصاف کے ساتھ رہنے والے شودر کو مہینہ کے اندر ایک بار حجامت کرانا چاہیے، اس کی طہارت ویشیہ کی مانند ہے اور برہمن کا پس خوردہ اس کی غذا ہے۔" (۵:۱۴۰)

"جس دھرم کا بچار [خیال] شودر کرتا ہے، اس راجہ کا راج اس کے دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے، جیسے دلدل میں گائے پھنس کر رہ جاتی ہے۔" (۸:۲۱)

"شودر کو صلاح و مشورہ نہ دے، سوائے داس کے اور شودروں کو پس خوردہ کھانا دے جو عطیہ دینے سے بچ رہا ہو، وہ شودر کو نہ دے اور دھرم اور برت [روزہ] کا اپدیش بھی شودر کو نہ دے۔" (۴:۸۰)

"اگر برہمن کا ہم ذات موجود ہو تو اس مردہ برہمن کو شودر نہ لے جائے۔ کیوں کہ شودر کے چھونے سے اس کے جسم کی آگ میں جھلسی دنیا سورگ کے واسطے نہیں ہوتا۔" (۵:۱۰۴)

"راجہ برہمن کے نوکر اور عیال واطفال اور وید خوانی کی عادت، ان سب کو جان کر دھرم سے بشمول وجہ معاش مقرر کرے۔" (۱۱:۲۲)

"جس طرح آگ جلانے کا کام کرے یا نہ کرے تاہم وہ بڑا دیوتا ہے، اسی طرح برہمن عالم ہو یا جاہل، تاہم بڑا دیوتا ہوتا ہے۔" (۹:۳۱۷)

"اسی طرح اگر برہمن تمام اعمال ناشائستہ کرتے ہیں تاہم پوجنے کے لائق ہیں اور بڑا دیوتا ہیں۔" (۹:۳۱۹)

"جو ذات ہی میں برہمن ہو اور برہمن کا کرم کچھ بھی نہ کرتا ہو اور کم عقل ہو تو بھی وہ راجہ کو دھرم کا اپدیش کر سکتا ہے اور شودر کیسا ہی [عالم] ہو وہ اپدیش نہیں کر سکتا۔" (۸:۲۰)

سوامی تلسی داس جی "رام چرت مانس" جس کے اشلوکوں کو تمام ہندو بطور تبرک گنگناتے ہیں

اس میں برہمن کی بڑائی اور شودر کی برائی کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"द्विज निदंक बहु नरक भोगकारी जग जनमई बायस सरीर धारी"

"برہمن کی مذمت کرنے والا شخص بہت سے دوزخ میں جلنے کے بعد پھر دنیا میں کوے کا جسم دھارن کر کے پیدا ہوتا ہے۔" (۴۵)

विप्र पुज्य अस गावहि संता सपत ताड़त पुरूष कहता
सुद्र न गुन ग्यान प्रवीना पूजिय विप्र सील गुन हीना

"بد دعا دیتا ہوا، مارتا ہوا اور گندی باتیں بکتا ہوا برہمن بھی قابل پوجا ہے، ایسا سنت کہتے ہیں- غلط کار اور خوبیوں سے محروم برہمن کی پوجا کرنی چاہیے جب کہ شودر اگر علوم وفنون کا ماہر ہو تب بھی پوجنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔" (۴۶)

ढोल गंवार सुद्र पसु नारी सकल ताड़ना के अधिकारी (۴۷)

"ڈھول، گنوار، جانور اور عورت- یہ سب ڈنڈ [ڈنڈا، سزا] کے سزاوار ہیں۔"

منو جی کہتے ہیں کہ:

"برہمن کشتری، ویشیہ اگر تنکے سے بھی برہمن کو مارے یا صرف مارنے کی نیت کرے اور مارے بھی نہیں تب بھی وہ جہنم میں جائے گا اور گدھے وغیرہ کا جنم لے گا۔"

(دیکھیے منوسمرتی ۴: ۱۶۵-۱۶۶)

فوجداری کے مقدمات میں بھی دھرم سوتر قانون کی نگاہ میں مساوات کا ضابطہ نہ تھا جیسا کہ منو جی کہتے ہیں:

"اگر کشتری کسی برہمن کو چور کہے تو سو پن ڈنڈ دیوے اور اگر ویشیہ ایسی بات کہے تو ڈیڑھ یا دو سو پن ڈنڈ دیوے اور اگر شودر ایسی بات کہے تو قطع اعضاء کے لائق ہے۔" (۸: ۲۶۷)

گوتم جی کے قانون کی رو سے اگر کوئی برہمن کسی کشتری یا ویشیہ کو گالی دے دے تو اسے جرمانہ ادا کرنا ہوگا؛ لیکن شودر کو گالی دینے کی صورت میں وہ کسی سزا کا مستحق نہیں ہوگا۔ (۴۸)

"برہمن، شودر کو قتل کرنے میں چھ مہینہ تک برہم ہتیا کا برت کرے اور ایک بیل سفید رنگ اور دس گائیں برہمن کو دے، یہ بھی ارادہ قتل کرنے میں جاننا، ان سب برتوں کے کرنے میں کپال ودھو جا کو چھوڑ دینا چاہیے۔" (منوسمرتی ۱۱: ۱۳۰)

"بلی، نیولا، نیل کنٹھ، مینڈک، کتا، گوہ، الو، کوا، ان میں سے کسی ایک کو قتل کر کے شودر ہتیا [قتل] کے برت کو کرے۔" (۱۱: ۱۳۱)

یعنی ایک شودر کے جان کی قیمت اتنی ہی ہے جتنی کہ اوپر مذکورہ جانوروں کے جان کی۔

''برہمن کو سزا دینا یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ کی ایذاء دینا، لہسن و پیشاب و شراب کا سونگھنا، کُٹل نپا[نما] منھ وغیرہ میں جماع کرنا۔ یہ سب ذات کو بھرسٹ کرنے والے ہیں۔'' (۱۱:۶۷)

''برہمن سونا چرا کر راجہ کے پاس جا کر کہے: آپ مجھ کو سزا دیں۔'' (۱۱:۹۹)

''راجہ! آپ موسل لے کر ایک دفعہ اس کو مارے۔ چوری کرنے والا قتل، خواہ قتل کے برابر مار پیٹ سے پاک ہوتا ہے، چوں کہ براہمن کو سزائے جسمانی نہیں ہے، اس واسطے بھرک جی کہتے ہیں کہ برہمن تپ سے ہی پاک ہو جاتا ہے۔'' (۱۱:۱۰۰)

''جو شودر'' ارے تو فلاں برہمن سے نیچ ہے'' ایسا باآواز بلند برہمن وغیرہ کے نام اور ذات کو کہے تو اس کے منہ میں بارہ انگل کی سیخ آہنی جلتی ڈالنی چاہیے۔'' (۸:۲۷۱) ''جو شودر برہمنوں وغیرہ کو غرور سے دھرم کا اپدیش کرنے والا ہے، اس کے منھ میں اور کان میں گرم تیل راجہ ڈالے۔'' (۸:۲۷۲)

''سخت گفتاری کی سزاؤں کا بیان کیا۔ اس کے بعد مار پیٹ کی سزاؤں کا طریق مذکور ہے۔ کہتے ہیں کہ'': (۸:۲۷۸)

''چانڈال وغیرہ جس عضو پر ضرب کرے، اس عضو کو کاٹ ڈالنا چاہیے۔ یہی منو جی کا حکم ہے۔'' (۸:۲۷۹)

''ہاتھ کے ضرب سے مارے تو ہاتھ کاٹنا چاہیے، پاؤں کے ضرب سے مارے تو پاؤں کاٹنا چاہیے۔'' (۸:۲۸۰)

''چھوٹا آدمی بڑے آدمی کے ساتھ ایک آسن [مسند، بیٹھنے کی جگہ] پر بیٹھے تو اس کی کمر میں نشان کر کے نکال دیوے خواہ اس طرح اس کے چوتڑ کو کاٹ دے کہ وہ مرنے نہ پائے۔'' (۸:۲۸۱)

''اگر وہ غرور سے بدن پر تھوکے تو دونوں ہونٹ چھید ڈالے اور پیشاب کرے تو عضو تناسل کو کاٹ ڈالے اور پاخانہ کرے تو مقعد کو کاٹ ڈالے۔'' (۸:۲۸۲)

''جو شودر برہمن کے بال، پاؤں، داڑھی اور گلا و فوطہ کو غرور سے پکڑے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہیے، یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ اس کو تکلیف ہوگی۔'' (۸:۲۸۳)

''جو چھوٹا ورن بالا رادہ [عمداً] برہمن کو قتل کرے، ان کو انواع و اقسام کی تدبیروں سے قتل کرے جو بے قراری، رنج اور خوف میں مبتلا کرتے ہیں۔'' (۹:۲۴۸)

دھرم سوتروں میں زنا کی سزائیں درج ہے:

''جس مرد نے عورت کی ران وغیرہ کو چھوا، خواہ عورت نے مرد کے فوطہ وغیرہ کو پکڑا اور مرد نے غصہ نہ کیا تو باہمی محبت سے یہ ''سنگرہن'' کہلاتا ہے۔ ایسا منو وغیرہ جی نے کہا ہے۔''
(۳۵۸:۸)

''سوائے برہمنوں کے دیگر ذات والوں کو ''سنگرہن'' کے عوض میں قتل کی سزا دینی چاہیے.........'' (۳۵۹:۸)

اچاریہ کوٹلیہ جی (कौटिल्य जी) کے مطابق:

''اگر کوئی دیگر کشتری کسی بغیر خاوند والی برہمن عورت کے ساتھ زنا کرے تو زیادہ سے زیادہ جرمانہ کی سزا ملنی چاہیے، اس جرم میں ویشیہ اپنی جائداد سے محروم کیا جائے گا اور شودر چٹائی میں لپیٹ کر زندہ جلا دیا جائے گا۔'' (۴۹)

اس سلسلہ میں گوتم جی کا کہنا ہے کہ اگر شودر اونچی ذات کی کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کا عضو تناسل کاٹ لیا جائے اور اس کی ساری دولت چھین لی جائے۔ (۵۰)

''سزائے قتل کے مقام میں برہمن کا سر مونڈوانا ہی سزا ہے اور دیگر قوم کو قتل ہی کی سزا دینا چاہیے۔'' (منوسمرتی ۳۷۹:۸)

''تمام گناہ برہمن نے کیا ہو تو بھی اس کو قتل نہیں کرنا چاہیے، بدون سزائے بدنی کے اسے مع سامان خانگی سلطنت سے باہر کر دینا چاہیے۔'' (۳۸۰:۸)

''دنیا میں برہمن کے قتل سے زیادہ کوئی دوسرا اَدھرم [گناہ] نہیں ہے، اس لیے راجہ دل میں بھی برہمن کے قتل کا خیال نہ کرے۔'' (۳۸۱:۸)

منو جی، شودر پر علم کے دروازے کو بھی بند کر دیتے ہیں۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں:

''جو شخص شودر کو دھرم اور برت کا اپدیش دیتا ہے، وہ مع شودر کے ''اسمبرت'' نام کے جہنم میں جاتا ہے۔'' (۸۱:۴)

''پڑھنے میں حرف صاف صاف زبان سے نکلے اور شودر کے پاس نہ پڑھے۔'' (۹۹:۴)

اس سلسلہ میں گوتم جی کا قانون کیا کہتا ہے، وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے:

''اگر کوئی شودر بالا رادہ وید کے الفاظ سن لے تو اس کے کان میں پگھلی ہوئی رانگ یا لاکھ ڈال دی جائے، اگر وہ وید کی عبارت پڑھے تو اس کی زبان کاٹ لی جائے، اگر اس کو یاد کر لے تو اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں۔'' (۵۱)

ذات پات کے متعلق چند اشلوک اور ملاحظہ کیجیے:

''چانڈال وسوپچ یہ دونوں گاؤں کے باہر قیام کریں، برتن وغیرہ سے محروم رہیں۔ان کی دولت کتا اور گدھا ہے۔'' (منوسمرتی:۱۰:۵۱)

''یہ لوگ مردے کا کپڑا پہنیں اور پھوٹے ہوئے برتن میں کھانا کھائیں، لوہے کے زیور زیب تن کریں۔ ہمیشہ گشت کرتے رہیں۔'' (۱۰:۵۲)

''ان کی خوراک دوسرے کے اختیار میں ہے، انھیں پھوٹے برتن میں غلہ دینا چاہیے اور یہ لوگ وقت شام گاؤں وشہر وغیرہ میں نہ پھرنے پائیں۔'' (۱۰:۵۴)

''یہ لوگ بحکم راجہ موافق طریق شاستر کے قتل کے لائق آدمیوں کو قتل کریں اور ان مقتولوں کا کپڑا اور پلنگ و پارچہ وزیور لے لیں۔'' (۱۰:۵۶)

منوجی اور ان جیسے دوسرے قانون سازوں نے نہ صرف ہندستانی باشندوں کو طرح طرح کے قوانین کی بندشوں میں جکڑ کر رکھ دیا؛ بلکہ ان بندشوں سے نہ کھولنے کا بھی حکم دے دیا، تاکہ منوواویت کے علمبرداروں کی حکومت ہمیشہ قائم رہے۔ چناں چہ منوجی کا کہنا ہے:

''جو ورن اور آشرم اپنے اپنے دھرم [آبائی پیشہ] پر ثابت قدم رہیں انھیں کی حفاظت کے لیے راجہ پیدا کیا گیا ہے۔'' (۷:۳۵)

''ویشیہ اور شودر یہ دونوں اپنے اپنے کام سے بے کار نہ ہونے پائیں.....'' (۸:۴۱۸)

''آپس تنبہ'' نامی کتاب میں ہے کہ اگر زراعت کا مزدور اپنا کام چھوڑ دے تو اسے جسمانی سزا دینی چاہیے۔ (۵۲)

منوجی مزید کہتے ہیں کہ:

''نیچ ذات والا طمع سے بڑوں کے کرم سے اوقات گزاری کرے تو راجہ اس کو بے زر کر کے جلد اپنے ملک سے نکال دے۔'' (منوسمرتی ۱۰:۹۶)

''راجہ کے ذمہ آٹھ فرائض میں سے آٹھواں فریضہ ہے، گناہ گاروں کو توبہ کرانا یعنی جن لوگوں نے ورن آشرم ترک کر دیا ہے ان کو توبہ کرا کر پھر سے ورن آشرم کے نظام کے مطابق چلانا۔'' (۷:۱۵۴)(۵۳)

ذات پات کا نفاذ

ایک طرف تو برہمنیت اور منوواد یت گائے، سور، کتا، بلی، گدھ، سانپ، چھچھوندر حتی کہ زنانہ ومردانہ اعضاء جنسی تک کی پوجا کرتی ہے، دوسری طرف وہ اپنے دشمنوں کے لیے اس طرح کے قوانین

وضع کرتی ہے کہ ان کی حالت اور حیثیت کیڑوں مکوڑوں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کے عقائد اس طرح کے ہوں گے اس کے متبعین سے اس کے برعکس کی امید رکھنا ویسا ہی ہے جیسے کوئی شخص آگ سے ٹھنڈک اور برف سے گرمی کی امید رکھے۔ ناظرین کے افادہ کی خاطر چند موٹی موٹی مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

پالی تحریروں میں چانڈال کو دنیا کی سب سے ناپاک شی تصور کیا گیا ہے۔ اگر وہ کسی ایک سمت میں کھڑا ہو اور اس سمت سے ہوا چلے تو اس کے جسم سے چھو کر آنے والی ہوا بھی نجس سمجھی جاتی ہے؛ بلکہ صرف اس کی طرف دیکھ لینا ہی گناہ خیال کیا جاتا ہے؛ چناں چہ بنارس کی ایک سیٹھی کی لڑکی محض اس وجہ سے اپنی آنکھیں دھولیتی ہے کہ اس کی نظر ایک چانڈال پر پڑ گئی تھی۔ ایک جاتکیہ کے قصہ میں یہ بات ملتی ہے کہ ایک چانڈال کو لوگ شہر میں داخل ہونے کے جرم میں مار مار کر بے ہوش کر دیتے ہیں، بعد کی جینی تحریروں میں بھی ایک واقعہ ملتا ہے کہ کام دیو کے تہوار میں جب بنارس کے ایک ماتنگہ سربراہ کے دولڑکے نچنیوں اور گویوں کی ایک ٹولی کو لے کر گئے تو [مفروضہ] بڑی ذات کے لوگوں نے اس کو مار مار کر شہر کے باہر کر دیا۔ (۵۴)

بابر نے ہندستان کے ایک راجہ کی ریاست پر قبضہ کر لیا، راجہ کا لڑکا بابر کے محل کے چاروں طرف چکر لگا رہا تھا تا کہ موقع ملتے ہی بابر کا کام تمام کر دے، اسی درمیان شور مچا کہ ایک پاگل ہاتھی کھل گیا ہے۔ راجہ کے لڑکے کے قریب ہی ایک بھنگن جھاڑو لگا رہی تھی۔ جب اس نے ہاتھی کو دیکھا تو اپنے دودھ پیتے بچے کو فوراً سینے سے لگا لیا، لیکن جب ہاتھی بالکل قریب آ گیا تو اس کو ڈر ہوا کہ کہیں اس کا بچہ گر نہ جائے لہٰذا اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا:

"ہائے میرا بچہ! ہے کوئی جو میرے بچہ کو بچائے؟"

سب لوگ اپنی اپنی جان کی فکر میں تھے۔ راجہ کے لڑکے نے اس کو بچانے کے لیے قدم بڑھایا، لیکن یہ خیال آتے ہی کہ وہ بھنگن کا بچہ ہے، اس کو ہاتھ کیسے لگائے گا، فوراً رک گیا۔ ہاتھی اور بچہ کے درمیان چند قدم کے ہی فاصلے رہ گئے تھے، اب بچہ بالکل موت کے منہ میں تھا، اتنے میں بابر گرز لے کر چھت سے کودا اور ہاتھی کے سر میں گرز پیوست کر کے اس کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ (۵۵)

"جدید ہندستان میں ذات پات" کے مصنف ایم۔ این۔ سری نواس لکھتے ہیں:

> "حال تک جنوبی ہندستان کے اسمتھ ذات کے لوگوں کو اپنے گاؤں میں شادی کرنے اور ان کی بارات کو ان راستوں سے گزرنے کی اجازت نہ تھی جہاں بڑی ذات کے لوگ رہتے تھے حتی کہ ان کو لال سلیپر [Slipper مقامی طرز کی پاپوش] وغیرہ پہننے کی اجازت نہ تھی۔" (۵۶)

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر لکھتے ہیں:

''ہندستان میں کسی چمار یا بھنگی کے بیٹے کی بارات سج دھج کے ساتھ نکالی جاتی ہے تو اس میں رخنہ ڈالا جاتا ہے، ان پر پتھر پھینکے جاتے ہیں، کہیں کہیں انھیں پیٹا جاتا ہے اور کہیں کہیں ان کو زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ کفلٹہ میں دولہے کے گھوڑے پر سوار ہونے کے سبب ہی ۱۴ باراتیوں کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔'' (۵۷)

یہ چند مثالیں عام یا تھوڑی بہت اہمیت رکھنے والے مفروضہ بڑی ذات کے ہندوؤں کی ہیں، جب عام لوگوں کا رویہ اتنا سفاکانہ تھا تو خواص کا کیا حال رہا ہوگا! اس کی جانکاری کے لیے ہندو دھرم کے ان لوگوں کی مثالیں پیش کرنا مناسب ہے، جن کو اس نے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔

(الف) شری ارجن جی کا رویہ

''مہا بھارت'' میں ہے کہ درونا چاریہ جی، ارجن جی کے استاد تھے۔ جو ان کو تیر چلانا سکھاتے تھے، ایک دن ہرنیہ دھونا نامی نشاد شہزادہ 'یک لویہ' درونا چاریہ جی کے پاس آیا اور تیر اندازی کی تربیت حاصل کرنے کے لیے ان کی بہت منت وسماجت کی؛ لیکن انھوں نے علم سکھانے سے اس لیے انکار کردیا کہ وہ اچھوت ہے اور اچھوت کو وہ کیسے تعلیم دے سکتے ہیں؛ لیکن یک لویہ ان کے انکار سے مایوس نہیں ہوا؛ بلکہ ان کی مورتی بنا کر تیر اندازی کی مشق کرنے لگا اور اس میں اتنا ماہر ہوگیا کہ ارجن جی سے بھی دو قدم آگے بڑھ گیا، لہٰذا ارجن جی نے اپنے استاد سے اس کی شکایت کی کہ وہ شودر ہوکر ہم سے آگے بڑھ گیا اور ہم پیچھے رہ گئے، لہٰذا استاد اور شاگرد ''یک لویہ'' کے پاس پہنچے [اور استاد یعنی درونا چاریہ نے یک لویہ سے کہا کہ تم نے تعلیم کس طرح حاصل کی، تو اس نے کہا کہ جب آپ نے مجھے تعلیم دینے سے انکار کردیا، تو میں نے آپ کی پرتیما (مورتی) بنا کر اس کے ذریعہ تعلیم حاصل کی۔] درونا چاریہ جی نے کہا کہ اگر تم میرے سچے شاگرد ہو تو مجھے گرو دکھشنا (استاد کو دیے جانے والا تحفہ) دو۔ ''یک لویہ یہ سن کر خوش ہوگیا اور کہا کہ گرو! مانگئے کیا مانگتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: داہنے ہاتھ کا انگوٹھا ''۔ 'یک لویہ درونا چارجی کی چال نہ سمجھ سکا ،اور خوشی خوشی اس نے انگوٹھا کاٹ کر دے دیا۔ اس کے بعد سے وہ صحیح طریقے سے تیر نہ چلا سکا، تیر چلانے کے واسطے ہاتھ کی انگلیوں کا اسے سہارا لینا پڑتا تھا۔ اس طرح ارجن جی اس سے آگے ہوگئے۔ (۵۸)

(ب) شری رام چندر جی کا برتاؤ

بالمیکی رامائن میں ہے کہ جب رام چندر جی اپنی بیوی سیتا جی اور بھائی لکشمن جی کے ساتھ جنگل میں بنواس (ہجرت) کی زندگی گزار رہے تھے تو ایک دن ان کے پاس راون کی بہن رامچھشی

شوپنکھا آ گئی۔ رام جی کی خوبصورتی دیکھ کر وہ ان پر عاشق ہوگئی۔ بعد تعارف شورپنکھا نے ان سے کہا کہ آپ مجھ سے شادی کیجیے، اس سیتا کو رکھ کر کیا کریں گے؟ یہ بدصورت نیز بھدی سیتا آپ کے لائق نہیں ہے، میں اسے آپ کے بھائی کے ساتھ کھائے جاتی ہوں۔ رام جی نے اس سے کہا کہ ''ہے سندری! میری شادی ہو چکی ہے، یہ میری پیاری بیوی ہے، تم جیسی خواتین کے لیے سوکن کا ہونا بہت المناک ہوگا۔ یہ میرا چھوٹا بھائی لکشمن شریف، خوبصورت، عزت دار، طاقت ور اور غیر شادی شدہ ہے، اسے بیوی نہیں ملی ہے، یہ شادی کا خواہش مند ہے'' یہ خوبصورت لکشمن تمھاری خوبصورتی کے لائق ہوگا، تم اس سے شادی کے لیے کہو، اس سے شادی کر کے تمھیں سوکن کا دکھ نہیں جھیلنا ہوگا، جب شورپنکھا نے لکشمن جی سے شادی کے لیے کہا تو انھوں نے کہا: ''میں تو غلام ہوں، اپنے بھائی کے تابع ہوں۔ اے کمل کی طرح رنگ والی! میری بیوی بن کر تم کنیز بننے کی خواہش مند کیوں ہو؟'' میرے بھائی رام ہر طرح سے اچھے ہیں۔ ان کی چھوٹی بیوی بن کر تمھاری سب خواہشات پوری ہو جائیں گی۔ اس بدصورت، جھوٹی، بھیانک، پچکے ہوئے پیٹ والی اور بوڑھی پہلی بیوی کو چھوڑ کر وہ تمھیں اپنائیں گے۔ اے خوبصورت رنگ والی! کون عقلمند آدمی تمھارے بہترین شکل کو چھوڑ کر انسانوں [سیتا] سے محبت کریگا۔ ابھرے ہوئے پیٹ والی اس بھیانک شورپنکھا نے لکشمن کی بات صحیح مان لیا...... اور رام جی کے پاس جا کر بولی:

اس بدصورت، جھوٹی، بھدی، پچکے ہوئے پیٹ والی، نیز بوڑھی بیوی سیتا کو چھوڑ کر تم میرا خیر مقدم کیوں نہیں کرتے ہو؟ آج تمھارے دیکھتے دیکھتے ہی میں اس انسان [سیتا] کو کھا جاتی ہوں، اس کے بعد بغیر سوکن کے تمھارے ساتھ خوشی خوشی گزر بسر [موج مستی] کروں گی۔'' (۵۹)

> ''اور بھیانک منھ کے سیتا کو بھجن [نگلنے] کرنے دوڑی۔ جب رام چندر جی نے دیکھا کہ یہ جانکی [سیتا] کو کھائے جاتی ہے اور جانکی بھی ڈر گئیں تب ڈپٹ دیا اور شوپنکھا [شورپنکھا] کھڑی ہوگئی اور رام چندر چھمن [لکشمن] سے کہنے لگے کہ شاستر میں یہ لیکھ [تحریر] ہے کہ نیچ ذات سے ہنسی کرنا اچت [مناسب] نہیں ہے۔ دیکھو اب تک تو جانکی کو بھجن کر جاتی اور جس کارن [وجہ] سے تمھارے بچن [نصیحت] کو نہیں سنا وہ کان اس کا اشد [ناپاک] ہوگیا ہے۔ کان اور ناک اس کا [کی] کاٹ لو۔ یہ آ گیا [حکم] پاتے ہی چھمن نے کھڑک [جلدی] سے ناک کان اس کا کاٹ لیا۔'' (۶۰)

لیکن یہ بات اور دلیل کہ رام جی نے لکشمن کو شورپنکھا کی ناک اور کان کاٹنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس نے سیتا جی کو نگل جانا چاہا تھا، قابل قبول نہیں ہے، کیوں کہ شورپنکھا سے شادی کرنا نہ رام جی کے لیے مشکل تھا اور نہ ہی لکشمن جی کے لیے۔ کیوں کہ ہندو دھرم میں متعدد شادیاں کرنے کی اجازت

ہے۔(٦١) نیز ہندو دیوتاؤں کی متعدد بیویاں رہی ہیں، جیسے سری کرشن جی کی سولہ ہزار ایک سو آٹھ بیویاں اور نولاکھ گوپیاں تھیں۔ رام جی کے والد راجہ دشرتھ جی کی تین رانیاں تھیں۔ یہی نہیں بلکہ خود رام جی کے پاس سیتا جی کے علاوہ متعدد داشتائیں [بے نکاحی عورتیں] تھیں(٦٢) جب شور پنکھا نے شادی کے لیے اصرار کیا تو وہ شادی کر لیتے لیکن نہ کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ رام چندر جی کشتری تھے اور شور پنکھا شودر (دراوڑی، دلت) اور شودر عورت سے شادی نہ کرنے کی ترغیب خود منو جی نے دی ہے۔(٦٣) نیز خود رام جی نے لکشمن جی سے شور پنکھا کے سلسلہ میں کہا تھا کہ:

''شاشتر میں یہ لکھا ہے کہ نیچ ذات سے ہنسی کرنا اچت نہیں ہے۔''(٦٤)

جب رام جی کی شور پنکھا سے ملاقات ہوئی تھی تو انھوں نے اس سے تعارف کے دوران ہی اس کی ذات پوچھ لی تھی:

''......تم کس کی کنیا [لڑکی] ہو اور کیا تمھارا نام ہے اور کس کے بنس [نسل ذات] میں جنم تمھارا ہے۔''(٦٥)

بالمیکی رامائن مزید کہتی ہے کہ ایک بوڑھے برہمن کا لڑکا ۱۳ سال دس مہینے اور بیس دن کی کم عمری میں مر گیا تو وہ بیٹے کی لاش لے کر رام چندر جی کے دربار میں آیا اور کلیجہ پھاڑ پھاڑ کر چلانا شروع کیا کہ کبھی بھی اتنی کم عمر میں کوئی نہ مرا، آخر میرا بیٹا اس عمر میں کیوں انتقال کر گیا۔ ضرور دیش میں کوئی پاپ کرم [گناہ کا کام] ہو رہا ہے جس کے سبب میرے بیٹے کی موت واقع ہوئی ہے۔ اگر کوئی دوسرا گناہ نہ کر رہا ہے تو یہ کام خود راجا رام چندر جی کر رہے ہیں جس کے سبب یہ حادثہ ہوا ہے۔ اگر انھوں نے میرے بیٹے کو دوبارہ زندہ نہ کیا تو میں بھی تڑپ تڑپ کر اسی دربار میں اپنی جان دے دوں گا اور وہ دربار میں دھرنا پر بیٹھ گیا۔

یہ سب دیکھنے اور سننے کے بعد رام چندر جی اپنے درباریوں کو بلا کر مشورہ کرنے لگے، اسی دوران آٹھ برہمن دربار میں داخل ہوئے، ان میں ایک نارد جی بھی تھے۔ ان لوگوں کو دربار میں بٹھایا گیا اس کے بعد ''نارد برہمن'' نے رام چندر جی سے کہا کہ میں بتاتا ہوں کہ یہ لڑکا اتنی کم عمری میں کیوں مرا۔ پہلے ''ستیہ جگ''(٦٦) میں صرف اور صرف برہمن ہی عبادت کرتا تھا جس کی وجہ سے کم عمر میں کسی کی موت نہیں ہوتی تھی، اور لوگوں کی عمریں طویل ہوا کرتی تھیں، لیکن جب ''ترِیتا جگ''(٦٧) آیا تو چھتریوں نے بھی عبادت شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے ''منو'' اور دوسرے مقننہ کو باضابطہ ورن آشرم کے قوانین بنانے پڑے اور برہمن کے ساتھ چھتری کو بھی عبادت کا حق ملا اور دوسرے ورن، ویشیہ اور شودر کے ذمہ برہمن، چھتری کی خدمت رکھی گئی۔ جب ''دواپر جگ''(٦٨) آئے گا تو اس میں ویشیہ بھی عبادت

کرنے لگیں گے، لیکن شودر کو ان تینوں ادوار میں کبھی بھی عبادت کا حق حاصل نہ ہوگا، لیکن جب ''کل جگ'' (۶۹) آئے گا تو اس وقت شودر یونی [شودر شرمگاہ، شودر ذات] میں پیدا ہوا شخص بھی عبادت شروع کردے گا۔ ''دواپر جگ'' (جو دونوں مذکورہ بالا جگ کے مقابل خراب ہے) میں بھی شودر کی عبادت کو ادھرم [گناہ، بدمذہبیت] مانا گیا ہے۔ آپ کی سلطنت میں ضرور کوئی شودر عبادت کررہا ہے جس کے سبب اس بچہ کی موت واقع ہوئی ہے۔ شودر کا عبادت کرنا ادھرم ہے اور اگر راجہ اپنے ملک میں ہورہے ادھرم کو نہ روکے گا تو جہنم میں جائے گا، لہٰذا آپ اپنے ملک میں ادھرم کو تلاش کیجیے اور اس کو ختم کیجیے۔ اس سے بچہ کو نئی زندگی ملے گی اور لوگوں کی عمریں بڑھیں گی نیز دھرم کی ترقی ہوگی۔

نارد جی کی امرت جیسی نصیحت سن کر رام چندر جی نے لکشمن کو حکم دیا کہ اس بوڑھے برہمن کو تسلی دو اور اس کے لڑکے کی لاش کو مصالحہ وغیرہ لگا کر رکھو تاکہ خراب نہ ہونے پاوے۔ پھر کمان، تیر سے بھرے ہوے دو ترکش اور ایک چمکتی ہوئی تلوار لے کر اڑن کھٹولہ پر سوار ہوگئے اور اپنے ملک میں ادھرم کو تلاش کرنے نکل کھڑے ہوے۔ مشرق، مغرب اور شمال میں کونہ کونہ چھان ڈالا لیکن کہیں ادھرم نہ پایا۔ جب جنوب کی طرف گئے تو وہاں ''شوَل'' پہاڑ کے شمالی حصے میں ایک بڑا سا تالاب دکھائی پڑا، وہاں ایک شخص سر نیچے اور پیر اوپر کیے عبادت میں مشغول تھا۔ رام چندر جی اس کے قریب گئے اور نام، ذات اور عبادت کا مقصد بڑے ہی ہمدردانہ انداز میں پوچھا، اس نے بے فکر اور مطمئن ہوکر کہا کہ:

> ''مہاراج میں شودر یونی [شودر شرمگاہ، شودر ذات] میں پیدا ہوا ہوں، میرا نام شموک ہے اور میں جسم کے ساتھ سورگ لوک [جنت کی ایک قسم] میں جاکر دیوتا کی حیثیت حاصل کرنا چاہتا ہوں، میں سچ کہہ رہا ہوں، اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے۔''

وہ اس طرح کہہ ہی رہا تھا کہ رام چندر جی نے میان سے چمکتی ہوئی تلوار نکالی اور اس کا سر تن سے جدا کردیا۔ ادھر اس کا قتل ہوا، اُدھر اجودھیا میں برہمن بچہ زندہ ہوگیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی ''اندر'' اور ''اگنی'' دیوتا کے ساتھ پوری دیوتا برادری ''بہت ٹھیک، بہت ٹھیک'' کہہ کر بھگوان رام جی کی بار بار تعریف کرنے لگی۔ اس وقت ان کے اوپر ہر طرف سے ''ہوا'' دیوتا کی جانب بکھیرے گئے دیوتائی [الٰہی] اور جنتی خوشبودار پھولوں کی بڑی بھاری بارش ہونے لگی۔ تمام دیوتاؤں نے ان سے خوش ہوکر یوں کہا کہ:

> ''دیومہاتما! آپ نے یہ دیوتاؤں کا ہی کام پورا کیا ہے۔ دشمن کو ہلاک کرنے والے شری رام! آپ کے اس عمل سے ہی یہ شودر جسم کے ساتھ ''سورگ لوک'' میں نہیں جاسکا۔ اب آپ جو چاہیں مانگیں، رام چندر جی نے جواب میں کہا کہ میں اس برہمن بچہ کی دوبارہ زندگی چاہتا ہوں۔ اس پر دیوتاؤں نے کہا کہ وہ بچہ زندہ ہوچکا ہے اور اپنے خاندان والوں سے جاملا ہے، جس

وقت آپ نے ادھر شودر شمبوک کا قتل کیا، اسی وقت ادھر وہ بچہ زندہ ہو گیا۔" (۷۰)

اس واقعہ پر بہت سے سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں، لیکن طوالت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کام خود قارئین پر چھوڑا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ ان تمام لوگوں کا مخالف ہے جو حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہندو دھرم میں شودر، برہمن وغیرہ پہلے کوئی ذات نہ تھی بلکہ اعمال (کرم) کی بنیاد پر انسان برہمن اور شودر ہوتا تھا؛ کیوں کہ اس واقعہ میں شودروں کے لیے نارد جی اور خود شودر شمبوک نے "شودر یونی" کا استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے، شودر عورت کی شرمگاہ، شودر عورت کے رحم کی تھیلی- جو بذات خود برادری اور ذات پر دلالت کر رہا ہے۔

علامہ محمد اقبال -جن کے آبا و اجداد کشمیری پنڈت (برہمن) تھے- نے شودروں پر ماضی اور زمانہ حال میں ہو رہے مظالم کو دیکھ کر کہا تھا ؎

آہ! شودر کے لیے ہندستان غم خانہ ہے
دردِ انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے (۷۱)

حواشی

(۱) Dr.Tara chand:A short history of Indian people اردو ترجمہ: اہل ہند کی مختصر تاریخ، باب اول- تاریخ سے پہلے کا دور، ص: ۴۳-۵۲، محمود علی خان، : تاریخ جنوبی ہند-عنوان: ڈریویڈن قوم-ص: ۱۲، عمر حیات خان غوری: ہندستان میں ملی مسائل- عنوان: آریہ قبائل کی آمد ص: ۱۹

(۲) تاریخ جنوبی ہند محولہ بالا ص: ۲۲-۲۳، اہل ہند کی مختصر تاریخ محولہ بالا، باب دوم- آریہ کے ہندستان میں آباد ہونے کا زمانہ، ترک وطن کی تاریخ ص: ۵۶، ہندستان میں ملی مسائل محولہ بالا ص: ۲۰-۲۱، ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن، : فصول فی ادیان الهند -ص: ۷-۹، سید سلیمان ندوی: عرب ہند کے تعلقات، ص: ۱، سہ ماہی السلام، نئی دہلی، اپریل تا جون ۱۹۹۷ء، عنوان: ڈاکٹر امبیڈکر اور اسلام- از: آر. ایس عادل ایڈوکیٹ۔

(۳) یجروید ۶/۶۶ بحوالہ متین طارق باغپتی: اسلام اور رواداری، ص: ۳

(۴) سہ ماہی السلام- نئی دہلی جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء- عنوان: شذرات، از: ڈاکٹر محسن عثمانی

(۵) حوالہ سابق

(۶)ऋग्वेद ८-५६-३ उद्धृत: डॉ० पाण्डुरंग वामन कोण: धर्म शास्त्र का इतिहास, पृ०: १७२-७३ उद्धृत: इन्तिज़ार नईम : दलित समस्या जड़ मे कौन? अध्याय :१

आधार, पृष्ठ. ४१.

(۷) ऋग्वेद ३-१२-६,उदधृत: एस०एल०सागर: डॉ० अम्बेडकर बौद्ध क्यों बने ? बिन्दु: शूद्रों की स्थिति, पृ०: ७

(۸)ऋग्वेद २-२०-७,उदधृत:वही, पृ०:७

(۹)एस०एल०सागर: द्रविड़ और द्रविड़ स्थान बिन्दु: आर्यों का द्रविड़ो पर अत्याचार, पृ०: ४६,

(۱۰) سہ ماہی السلام، نئی دہلی- جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء، عنوان: شذرات

(۱۱) डॉ० पाण्डुरंग वामन कोण: धर्म शास्त्र का इतिहास पृ०: १७२-७३, उदधृत: दलित समस्या जड़ में कौन? अध्याय:१ आधार पृ०: ४१

(۱۲) دیانند سرسوتی: ستیارتھ پرکاش، باب گیارھواں- آریہ ورت کے مت متانتروں کی تردید وتائید، عنوان: وام مارگ، حصہ دوم- ص:۲۷۷، اردو ترجمہ: پنڈت چوپتی جی۔ ترمیم وتدوین: سوامی دیدآنند جی تیرتھ

(۱۳) حوالہ سابق، حصہ دوم، ص:۲۷۸

(۱۴)ितउए ज्ञण्स्न्य प्दकपंद `वबपमजलए बि०8ए जीम बेजम `लेजमउए च्87

(۱۵) کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ کشتری آریہ قوم ہی کی ایک ذات ہے دیکھئے: فصول فی ادیان الهند، ص:۷

(۱۶) تفصیل کے لیے دیکھیے- رام شرن شرما: سماجی تبدیلیاں ازمنہ وسطی کے ہندستان میں- ۵۰۰ سے ۱۲۰۰ سن عیسوی- ص:۲۸، اردو ترجمہ: قاضی عبدالرحمن

एस०एल०सागर: हिन्दू विदेशी है, बिन्दु: शूद्र हिन्दू नही है पृ०:१५, द्रविड और द्रविड़ स्थान बिन्दु: शूद्र कैसे बने ८१

(۱۷) تاریخ جنوبی ہند، محولہ بالا، ص:۲۵، ۳۱-۳۲، Prof.Gowroa caste & class in India P.54,1950A.D، بحوالہ: ایم. این. سری نواس: جدید ہندستان میں ذات پات ص:۹۳، اردو ترجمہ شہباز حسین، فصول فی ادیان الهند محولہ بالا، ص:۷-۹، ہندستان میں ملی مسائل محولہ بالا ص:۲۱-۲۲، سہ ماہی السلام، نئی دہلی- اپریل تا جون ۱۹۹۷ء، عنوان: ڈاکٹر امبیڈکر اور اسلام، از: آر. ایس. عادل ایڈوکیٹ-

(۱۸) تاریخ جنوبی ہند محولہ بالا: ص ۲۵-۲۶

(۱۹) منو: منوسمرتی: ۱۰:۴، اردو ترجمہ: لالہ سوامی دیال صاحب۔ (یہ کتاب مولانا صفات کلیم اصلاحی- رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ یوپی نے فراہم کرائی ان کا میں بہت ممنون ومشکور ہوں)

(۲۰) Arian Rule in India.p.234 بحوالہ: تاریخ جنوبی ہند محولہ بالا، ص ۲۵-۲۶،

(۲۱)Gorte History of Greece, vol. iii, p.347, Quotend in Shankranand shastri:My Memories and Experieneces of Babasaheb Dr.B.R.Amfedkar ch.:1,Topic:condition of untouchables .p.6.

(یہ کتاب جناب وی ٹی راج شیکھر- مدیر وبانی دلت وائس (Dalit Voice) نے فراہم کی- میں اس کے

لیے ان کا بہت ممنون ومشکور ہوں۔)

(۲۲) My Memories and Exprineces of Babasaheb Dr. B.R. Ambedkar, op.cit,pp.6,7,

(۲۳) سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں not کی طباعت نہیں ہو پائی ہے، not کا خیال کر کے ترجمہ کیا گیا ہے۔

(۲۴)My Memories and Experieneces of Babasahed Dr.B.R.Amfedkar op.cit. p.7

(۲۵)Ibid, ch.vii, Topic: Codificaton of Hindu Law, p.75,

جناب شنکر انند شاستری نے ''کاکستھ'' ذات کو'شودر ذات'' لکھا ہے۔لیکن راقم الحروف نے بہار میں دیکھا کہ یہ برادری اپنے کو (مفروضہ) بڑی ذات کہتی ہے اور سرکاری ریکارڈ میں بھی اسے (مزعومہ) بڑی ذات مانا گیا ہے۔

(۲۶)My Memories and Experieneces of Babasahed Dr.B.R.Amfedkar, ch.i, Topic: Condition of untouchables, p.7

(۲۷)ibid.p.7

(۲۸) ماہنامہ: اسلامک مومنٹ، نئی دہلی، مئی ۱۹۹۸ء جلد: ۱۷، شمارہ: ۵، عنوان: برہمنیت۔اس کا طریقہ واردات، ص:۲۲-۲۳

(۲۹) تاریخ جنوبی ہند، محولہ بالا، ص:۳۱

(۳۰) Arian Rule in Indian.p.232 بحوالہ: حوالہ سابق، ص:۳۱

(۳۱) آپت ودوان: پوجا کے لائق۔(ستیارتھ پرکاش محولہ بالا۔باب گیارہواں: آریہ ورت کے مت متانتروں کی تردید وتائید، عنوان: مہابھارت کے بعد تنزل، حصہ دوم، ص: ۲۷۵ حاشیہ: ۱)

(۳۲) حوالہ سابق، ص: ۲۷۵

(۳۳) حوالہ سابق۔عنوان: پوپ کی تشریح، ص: ۲۷۵۔ دیانندجی نے پوپ کا معنی پہلے صحیح بتایا ہے کہ ''رومن زبان میں پوپ بڑے اور باپ کو کہتے ہیں'' لیکن چوں کہ پوپوں نے دھوکہ اور فریب دے کر انسانوں کا استحصال کیا ہے، اس لیے ان سے دل آزردہ ہو کر دیانندجی نے پوپ کی تشریح اس طرح کی ہے اور پوپ کی موجودہ تعریف کرنے سے پہلے ''لیکن اب'' کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے: یعنی لیکن اب دغا، فریب......؛ چوں کہ جس طرح پوپوں نے انسانوں کو دھوکہ دے کر ان کا استحصال کیا ہے اسی طرح ذات پات ماننے والے برہمنوں نے بھی لوگوں کا استحصال کیا ہے: اس لیے دیانندجی نے برہمنوں کو بھی پوپوں کی طرح قرار دیا ہے۔

(۳۴) حوالہ سابق۔عنوان: وام مارگ، ص: ۲۷۷-۲۷۸

(۳۵) منو: منوسمرتی۔۱: ۴، اردو

(۳۶) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر رام شرن شرما: قدیم ہندستان میں شودر، اردو ترجمہ: جمال محمد صدیقی، दलित समस्या जड़ मे कौन op.cit ?

(۳۷) یجروید بحوالہ: سہ ماہی السلام، نئی دہلی - جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء، عنوان: شذرات

(۳۸) رگ وید - منڈل - ۱۰ - سوکت ۹ - منتر ۱۱-۱۲-۱۳، ۱۶ بحوالہ: سہ روزہ دعوت - نئی دہلی، ۲۲/ مارچ ۱۹۹۳ء

جلد: ۴۱، شمارہ: ۲۷، ہندستانی مذاہب نمبر ص: ۱۳۹ یعنی رگ وید میں بھی اس طرح کے اشلوک ہیں۔

(۳۹، ۴۰) قوسین (Bracket) کے الفاظ مولانا سلطان احمد اصلاحی کی کتاب، اسلام کا تصور مساوات'' سے ماخوذ ہیں۔

(۴۱) گوتم سوتر (۲۸) ۲۴ بحوالہ: قدیم ہندستان میں شودر بحولہ بالا - باب ۴ پابندیوں کا عائد کیا جانا ص: ۱۱۹،

(۴۲) منوسمرتی ۳:۳، ۱۲

(۴۳) وششٹھ دھرم سوتر (۱۸) ۱۸، بریکتہ (۱۲) ۱۳ - بحوالہ: قدیم ہندستان میں شودر، بحولہ بالا - ص: ۱۳۸

(۴۴) قدیم ہندستان میں شودر بحولہ بالا باب چار، ص: ۱۳۸

(۴۵) श्री गोस्वामी तुलसीदास जी: श्री राम चरितमानस, उत्तरकांड दोहा नं० :११० के अन्तर्गत, पृ० :५४९

(۴۶) श्री राम चरितमानस हिन्दी टीका सहित, टीकाकार: हनुमान प्रसाद पोद्दार अध्याय: अरण्यकाण्ड, दोहा नं० ३३ के अन्तर्गत पृ०: ६१०

(۴۷) वही अध्याय: सुन्दरकाण्ड, दोहा नं० ५८ के अन्तर्गत पृ०: ७०५

(۴۸) گوتم دھرم سوتر (۱۲) ۱۱، ۱۳، بحوالہ: قدیم ہندستان میں شودر، بحولہ بالا، باب ۴، ص: ۱۲۷

(۴۹) ارتھ شاشتر (۴) ۱۳، بحوالہ: حوالہ سابق، باب ۵، موریائی حکومت کی نگرانی، ص: ۱۸۷

(۵۰) गोतम १/२, उदधृत डॉ० पाण्डुरंग वामन काणे: धर्म शास्त्र का इतिहास पृ० १४७ उदधृत: दलित समस्या जड़ में कौन op.cit? अध्याय:१ आधार पृ०: ४९

(۵۱) گوتم سوتر ۱۲: ۴-۶، بحوالہ: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: الجہاد فی الاسلام - باب ششم: جنگ دوسرے مذاہب میں -

عنوان: ہندو مذہب ص: ۳۶۶

(۵۲) آپس تنبہ (۱۲-۱۱) ۲۸، ۲، بحوالہ: قدیم ہندستان میں شودر، بحولہ بالا۔ باب ۴ - پابندیوں کا عائد کیا جانا، ص: ۱۱۸

(۵۳) یہ اشلوک بہت طویل ہے اس کو مختصر کیا گیا ہے۔ اسی طرح مختلف جگہوں پر منوسمرتی کے اشلوکوں کے الفاظ کی نوک پلک درست کر کے قابل فہم اور سلیس بنایا گیا ہے۔

(۵۴) قدیم ہندستان میں شودر بحولہ بالا، باب ۴ - ص: ۱۴۸-۱۴۹

(۵۵) ابوالفہیم وحید علی خاں: رواداری ہندستانی سماج میں، ص: ۴۵-۴۶

(۵۶) جدید ہندستان میں ذات پات بحولہ بالا - دوسرا باب ص: ۲۶، تیسرا باب ص: ۹۶-۹۷

(۵۷) سہ ماہی السلام، نئی دہلی - اپریل تا جون ۱۹۹۷ء - عنوان: ڈاکٹر امبیڈکر اور اسلام - از: آر - ایس عادل ایڈوکیٹ۔

(۵۸) महर्षि भगवान वेद व्यास जी: महाभारत (सचित्र संस्कृत मूल और हिन्दी भाषान्तर सहित, सम्पादक: हनुमान प्रसाद पोद्दार अध्याय १३१ विशय: द्रोणाचार्य द्वारा राजकुमारों की शिक्षा, एकलव्य की गुरूभक्ति तथा आचार्य शिष्यों की परीक्षा वर्ष १ संख्या ३, पृ०: ३९८ -४०१, अशलोग ३०-६०, हिन्दी अनुवाद: पण्डित श्री राम नारायणदत्त जी शास्त्री महोदय

(۵۹)महर्षि वाल्मीकि प्रणीत: श्रीमद्वाल्मीकीय रामायण हिंदी प्रथम भाग, द्वितीय अध्याय, अर्नय काण्ड,सत्रहवा सर्ग: शूर्पणखा भावाविष्करण अठारहवां सर्ग: शूर्पणखा विरूपण पृ०: ३१७ -१९, अनुवादक: ५१० गंग सहाया शर्मा

(۶۰) مہارشی بالمیکی: رامائن بالمیکی بھاشا، اردو ترجمہ: ہر بھگت گیانی پرمیشر دیال صاحب مختار باب: ارنیہ کانڈ، ص:۴۷

(۶۱) منوسمرتی ۳: ۱۳

(۶۲) Dr. B.R. Ambedkar: Riddle of Ram & Krishna اردو ترجمہ پروفیسر خلیل الرحمٰن اور اقبال احمد شریف ایڈوکیٹ: رام اور کرشن کا معمہ۔ برہماورت پران بحوالہ V.R. Narla: The Truth about Geeta اردو ترجمہ: سید شاہد: گیتا حقیقت کے آئینہ میں، عنوان: کرشن بحیثیت ایک بھگوان، ص: ۷۰، ۷۴، کرشن کی حقیقت، ص: ۵۳

(۶۳) منوسمرتی: ۳: ۱۲، ۳: ۱۴

(۶۴) رامائن بالمیکی بھاشا باب: ارنیہ کانڈ، ص: ۴۷

(۶۵) حوالہ سابق، ص: ۴۵

(۶۶) اچھا زمانہ- ہندؤں کا وہ زمانہ جس میں اچھائیاں ہی اچھائیاں بتائی جاتی ہیں۔

(۶۷) ہندؤں کا دوسرا جگ جو بارہ لاکھ چھیانوے ہزار برس کا بتایا جاتا ہے (مولوی فیروز الدین: فیروز اللغات- ص: ۳۵۸)

(۶۸) (ہندؤں کا) تیسرا جگ جو آٹھ لاکھ ۶۴ ہزار برس کا سمجھا جاتا ہے (حوالہ سابق- ص: ۶۵۲- دو)

(۶۹) (ہندؤں کا) چوتھا جگ۔ وہ زمانہ جس میں فساد و گناہ کی کثرت ہوگی (حوالہ سابق، ص: ۱۰۱۹، ک. ل.) کہا جاتا ہے کہ رام چندر جی دوسرے دور میں اور شری کرشن جی تیسرے دور میں تھے اور چوتھا دور موجودہ زمانہ ہے۔

(۷۰)श्रीमद वाल्मीकी रामायण (वही) अध्याय: उत्तरकाण्डम्, बिन्दु: एक ब्राहम्ण का अपने मरे हुए बालक को राजद्वार पर लाना तथा राजा को ही दोषी बताकर विलाप करना २/१६२०-२१, नारद जी का श्री राम से एक तपस्वी शूद्र के अधर्माचरण को ब्राहम्ण-बालक की मृत्यु का कारण बताना २/१६२१-२३, नारद जी का श्री राम का पुष्पक विमान द्वारा अपने राज्य की सभी दिशाओं में घूमकर दुष्कर्म का पता लगाना, किन्तु सर्वत्र सत्कर्म ही देखकर दखिणदिशा में एक शूद तपस्वी के पास पहुँचना २/१६२३-२४, श्री राम के द्वारा शम्बूक का वध देवताओं द्वारा उन्की प्रशंसा, अगस्त्याश्रम पर महर्षि अगस्त्य के द्वाग उनका सत्मार और उनके लिए आभूषण-दान २/१६२४-२७

(۷۱) علامہ محمد اقبال: کلیات اقبال- حصہ دوم- عنوان- ناتک ۱/۲/۱۸۳-

باب دوم

آریہ کے خلاف مختلف تحریکات کا ظہور

یہ قانون فطرت ہے کہ جب ظلم حد سے گزر جاتا ہے تو اس کے خلاف انقلاب ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت غلام قوم بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان کارزار میں آ جاتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو انقلاب برپا ہو وہ کامیاب ہی ہو جائے؛ چناں چہ ایسا ہی آریہ کے خلاف اٹھائی گئی تحریکوں کے ساتھ بھی ہوا۔ شودر تو شروع ہی سے برہمنیت کے لگائے ہوئے زخم سے کراہ رہے تھے، ویشیہ کے اندر بھی سوجھ بوجھ آنے لگی تھی۔ اگر ذات پات کے حامی آریوں [برہمنوں] سے کلی طور سے کوئی جماعت متفق تھی تو اس ملک کے کشتری تھے؛ کیوں کہ ذات پات کے حامی برہمنوں نے ملک کی باگ ڈور انھی کے ہاتھ میں رہنے دیا تھا اور خود مذہبی رہنما بن بیٹھے تھے۔ کشتری اسی کے مجاز ہوتے جو حکم وہ کرتے؛ لیکن کچھ دنوں کے بعد کشتری کے اندر بھی ہوش گوش کا مادہ آنا شروع ہو گیا اور ان پر بھی ان برہمنوں کی اجارہ داری گراں گزرنے لگی، کیوں کہ ہندستان ان کا اپنا ملک تھا، جس پر یہ غیر ملکی حاکم بنے بیٹھے تھے۔ آخر کار اس دور میں آریوں کے خلاف ۶۲ مذہبی فرقے پیدا ہوئے،(۱) جن میں دو بزرگ مہاویر سوامی جی اور گوتم بدھ جی کی قائم کردہ جین مت اور بدھ مت نمایاں ہیں۔

جین مت

مہاویر سوامی جی باضابطہ طور پر چھوا چھوت کے خاتمہ کے قائل نہ تھے اور نہ انھوں نے گوتم بدھ جی کی طرح ذات پات پر تنقید ہی کی، نہ ہی اپنے ماننے والوں کے لیے ہندو پرسنل لا اور ہندو کوڈ (ہندو میرج اور ہندو نان ونفقہ ایکٹ وغیرہ) کے علاوہ کوئی دوسرا قانون اور پرسنل لا بنایا۔ ان کے متبعین ہندو پرسنل لا اور ہندو کوڈ پر ہی عمل کرتے رہے۔ انھوں نے صرف عقائد سے بحث کی،(۲) لیکن ان کے سماج کی بنیاد بھی ذات پات پر نہ تھی، انھوں نے اپنے سماج کا دروازہ سب کے لیے کھول رکھا تھا۔ نروان اور تعلیم حاصل کرنے کا حق سب ذات والوں کو تھا۔ وہ ذات کو پچھلے جنم کے کرتوتوں کا پھل کہتے تھے؛

چناں چہ ڈاکٹر پرم ہنس چوبے لکھتے ہیں:

> ''جین مذہب یہ تسلیم کرتا ہے کہ انسان کی پیدائش اس کی پچھلی زندگی کے اعمال [کرم] کی بنیاد پر ہوتی ہے، اس کی شکل وصورت، رنگ، عمر اور ذات برادری کا تعین بھی (پچھلی زندگی کے) اعمال کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ جین مذہب میں اعمال [کرموں] کی آٹھ

قسمیں بتائی گئی ہیں (جن میں ساتویں قسم) گوتر کرم [गोत्र कर्म] خاندان، قبیلہ کے اونچے نیچے معیار کو متعین کرنے والا عمل ہے۔'' (۳)

بدھ مت

گوتم بدھ جی نے مہاویر جی کے برعکس ذات پات پر کھلے عام تنقید کی۔ انھوں نے اپنے دھرم کا دروازہ تمام ذاتوں کے لیے یکساں کھلا رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو برہمنیت کی ذات پات کے تعصّبات کے ضمن میں انسانیت کے دکھوں کا مسیحا سمجھا جاتا رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا بھی خاص نصب العین صدیوں سے پھل دے رہے ذات پات کے درخت کو جڑ سے اکھیڑنا نہ تھا۔ بہت سے محققین کے مطابق تو بدھ دھرم کوئی مذہب ہی نہ تھا؛ بلکہ ہندو دھرم کے خرافات و بدعات اور خاص طور سے اس کی ذات پات کے خلاف ایک تحریک تھی۔ مہاتما بدھ نے اچھوتوں کو اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لیے اسے قائم کیا تھا۔ (۴) مہاویر سوامی جی کی طرح انھوں نے بھی صرف عقائد سے بحث کی اور ہندو پرسنل لا اور ہندو کوڈ کو بعینہٖ بحال رکھا اور ان کے متبعین اسی پر عمل کرتے رہے۔ (۵) ڈاکٹر رام شرن شرما اپنی کتاب ''قدیم ہندستان میں شودر'' میں اس مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ دعویٰ کرنا کہ بدھ مت کے ظہور سے ہندستان کا سماجی نظام ذرا بھی تبدیل نہ ہوا، حدود سے تجاوز کرنا ہوگا؛ لیکن بدھ مت، ورن کے اساسی نظام کو جو شودروں اور خدمت گزار طبقہ کو ایک ہی شمار کرتا تھا، شاذ ہی بحث میں لاتا تھا؛ چناں چہ تین دوسرے ورنوں پر برہمنی برتری کے ادعاء کو رد کرتے ہوئے گوتم بدھ کا دعوی ہے کہ نسب کے معاملہ میں کشتری اونچے اور برہمن ان سے نیچے ہیں؛ لیکن وہ برہمن یا کشتری کے ویشوں اور شودروں سے برتر ہو جانے پر بحث نہیں کرتا، لہٰذا بدھ مت محض یہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ نجات کی تلاش میں ذات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔'' (۶)

یہی مصنف اپنی دوسری کتاب ''فرقہ وارانہ تاریخ اور رام کی اجودھیا'' میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بدھ مت نے عام طور سے تمام مخلوقات اور خاص طور سے گائے کی حفاظت اور پاسبانی کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور اس طرح اس نے اس زمانے میں جب کہ دریائے گنگا کے وسطی میدانی علاقے میں تقریباً پانچ سو قبل مسیح سے کھیتی باڑی میں آہنی اوزار استعمال کیے جانے لگے تھے، زراعت کے فروغ میں مدد دی؛ لیکن بدھ مت نے ورن آشرم پر مبنی

سماجی تفریقات اور امتیازات ختم نہیں کیا جو کہ سماج کے مختلف زمروں کے درمیان فاضل پیداوار کی غیر مساویانہ تقسیم کے باعث وجود میں آئے تھے۔'' (۷)

ایک دوسرے منصف مزاج اور صاحب قلم ''شردھے پرکاش دیو جی'' بدھ مت اور ذات پات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''ورن آشرم کے ساتھ بدھ مت کا کیا تعلق ہے؟ اس سوال کے جواب میں چند باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ ذات کی جڑ اکھیڑ کر ہندو سماج کی ساخت کو توڑ ڈالنا بدھ جی کا مقدم مقصد نہ تھا؛ لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ورن کا وچار رکھنا ان کے سماج کی بنیاد نہ تھی۔ برہمن، کشتری افضل ذاتوں کی طرح ادنی ذاتوں کے لوگ بھی بھکشوؤں کے سنگھ میں داخل ہونے کا استحقاق رکھتے تھے۔

بدھ جی نے ایک جگہ خود ہی فرمایا کہ:

''اے بھکشو! جیسے گنگا جمنا اور اچراوتی وغیرہ دریا خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں، سمندر میں داخل ہو کر اپنا پرانا نام اور جگہ چھوڑ کر سمندر کے نام سے پکارے جاتے ہیں ویسے ہی جب برہمن، کشتری، ویش شودر چاروں ورن کے لوگ میری ہدایت کے مطابق گرہست کو چھوڑ کر سنیاس دھرم قبول کرتے ہیں تب وہ اپنا پہلا خاندان، طریق رسم اور پرانا نام چھوڑ کر شاکیہ کے بیٹے بھکشو کے نام سے ہی نامزد ہوتے ہیں۔'' (۸)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات پات کو کلیۃً ختم کرنا گوتم بدھ جی کا نصب العین نہ تھا؛ لیکن ان کے یہاں ہندو مذہب کی طرح ذات پات کا عنصر بھی نہ تھا؛ چناں چہ وہ خود ہی فرماتے ہیں:

''نیکی اور پاکیزگی کی طاقت سے نیچ شخص بھی برہمن بن جاتا ہے، برہمن کی سچی علامت یہی ہے کہ پیدائش سے کوئی برہمن نہیں ہوتا؛ بلکہ انسان اچھے کاموں سے ہی حقیقی برہمن بنتا ہے۔''

ایک جگہ اور فرماتے ہیں:

''جنم سے نہ کوئی چنڈال ہوتا ہے اور نہ کوئی برہمن؛ بلکہ انسان اپنے کرموں کی وجہ سے ہی برہمن یا چنڈال بنتا ہے۔'' (ست نپات)

مزید فرماتے ہیں:

''وہی برہمن ہے جو سچائی، محبت، صفائی اور رحم کی مشق کرتا رہا ہے، جو تخی اور اندریہ جیت ہے اور جس نے جہالت اور گناہ سے آزادی حاصل کی ہے۔'' (دھم پد)(۹)

گوتم جی کی یہ تعلیمات برہمنیت اور منوواد یت کی ذات پات کے نظام کے ازالے کے سلسلہ میں کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ کر سکیں؛ کیوں کہ ان پر ترکِ دنیا کی ایسی چھاپ پڑی ہوئی ہے کہ اس کے رہتے ہوئے کسی بھی بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح ناممکن ہے؛ چناں چہ یہی مصنف لکھتے ہیں:

''لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بدھ جی نے ذات کی رسم کی جڑ کاٹ کر سوسائٹی کی اصلاح کے لیے کوشش کی تھی۔ سوسائٹی میں جو لوگ ادنیٰ حالت میں پڑے ہوئے تھے، ان کو ابھارنے کے لیے کوشش کرنا، ادنیٰ قوم کے لوگوں کو اعلیٰ بنانے یا سوسائٹی کے بد رسوم اور توہمات کو درست کرنے کے لیے جدو جہد اور کشمکش کرنا۔ غرض یہ کہ ان سب اصلاحوں کے متعلق ان کی تعلیمات میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ سوسائٹی کی اصلاح کرنا ان کے دھرم پرچار میں شامل نہ تھا۔ ریاست یا سماج کی حالت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، بھکشو جس نے سوسائٹی کو چھوڑ دیا ہے، اس کو سوسائٹی سے متعلق فرائض سے کوئی واسطہ نہیں، اس کے لیے اپنے سنگھ کے قواعد کی پیروی کرنا ہی کافی ہے''(۱۰)

سیاسی، سماجی اور تصنیفی خدمات کی وجہ سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر جانے، جانے والے جنوبی ہند کے ''مسٹر وی. آر. نارلا'' (۱۹۸۵ء-۱۹۰۸ء) جو ۱۹۵۹ء تا ۱۹۷۰ء راجیہ سبھا کے ممبر اور ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۴ء ریاست آندھرا پردیش کے مشیر تھے، وہ اپنی مشہور کتاب ''The Truth About Geeta'' (گیتا حقیقت کے آئینہ میں) میں رقم طراز ہیں:

''نہ تو گوتم بدھ ہی انقلابی تھے اور نہ ہی بدھ مذہب ہی انقلابی تھا۔ اس نے تبدیلیاں چاہیں؛ لیکن اول تو وہ کسی بھی حالت میں مکمل نہ تھیں، دوسرے یہ کہ وہ بنیادی نوعیت کی قطعی نہیں تھیں۔ بدھ نے بذریعہ قوت کسی باشاہت کا خاتمہ نہیں کیا اور نہ کوئی نیا سماج قائم کیا۔ بہت سے بہت بدھ مذہب کو ایک معتدل نظام کہا جا سکتا ہے جو صرف سماجی اصلاحات پر مبنی تھا اور اصلاحات کتنی ہی انتہا پسندانہ کیوں نہ ہوں انقلابی نہیں کہی جا سکتیں؛ کیوں کہ اصلاحات صرف پیوند کاری اور مرمت کا کام کرتی ہیں، جب کہ انقلاب پرانے ڈھانچے کو توڑ کر نیا ڈھانچہ تعمیر کرتا ہے...... ذات پرستی کے نظام کے خلاف بھی بودھ تعلیمات نے برہمن پجاریوں کو زیادہ دھکا نہیں پہنچایا، ویسے یہ درست ہے کہ بودھ نے اپنے سنگھ (بودھ حلقہ) میں ذاتوں کو تسلیم نہیں کیا تھا؛ لیکن اپنے سنگھ سے باہر پھیلی ہوئی ذات پرستی پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے

صرف یہ دعویٰ کیا تھا کہ محض اپنی پیدائش کی وجہ سے کوئی فرد برہمن، چھتری، ویش یا شودر نہیں ہوسکتا۔ بدھ مذہب کے ایک ممتاز محقق ہرمن اولڈنبرگ تو بودھ کو ریفامر [مصلح] بھی کہنے سے گریز کرتا تھا۔اس نے لکھا ہے کہ بودھ کے بارے میں یہ دعویٰ کہ اس نے ذات پات کی زنجیریں توڑ کر معاشرہ کے پست طبقات ،غریبوں اور اچھوتوں کو اپنی روحانی مملکت میں ممتاز مقام دلایا تھا درست تسلیم کرنا تاریخی غلطی ہوگی ۔اس میں شک نہیں کہ بودھ کے نزدیک ذات پات کی کوئی اہمیت نہیں تھی، وہ چاہتا تھا کہ حکومت اور معاشرہ جیسا ہے ویسا ہی رہنے دیا جائے تاہم اس نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ وہ اپنے ذاتی اثرات کو اس نظام کے خاتمہ یا اس کی سختیوں کو کم کرنے میں استعمال کرے..... بودھ نے اگرچہ ذاتوں یا ان سے متعلق رسوم پر کوئی حملہ نہیں کیا؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی بھی فرد خواہ کتنی ہی کمتر ذات کا ہو، بھکشو بن جانے کے بعد بودھ سنگھ کے دوسرے تمام ممبروں کے مساوی ہوجاتا تھا۔اب یہ ایک مختلف سوال ہے کہ کم ذات افراد کی کتنی تعداد کو سنگھ میں بطور بھکشو قبول کیا تھا، اولڈنبرگ کو یقین ہے کہ ان کی تعداد بہت ہی معمولی تھی پھر بھی اس نے لکھا ہے کہ بودھ مذہب میں بھکشو کا خرقہ پہن کر مالک اور نوکر امیر اور غریب، برہمن اور شودر سب کا درجہ مساوی ہوجاتا تھا۔بودھ کا عظیم پیغام صرف بڑے آدمیوں کے لیے نہیں؛ بلکہ بے شمار افراد کی فلاح و بہبود کے لیے بھی ہے۔"(۱۱)

یہی مصنف ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"بودھ نے اگرچہ فرد کی ذات کے تصور کو اپنے سنگھ میں ختم کردیا تھا،لیکن اس سے باہر اس کی خاموش اجازت دے دی تھی۔"(۱۲)

ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ (Harvard University U.S.A.) کے بدھسٹ پروفیسر ڈاکٹر کرسٹوفر ایس-کوین (Dr.Christopher S.Queen) بدھ دھرم کے ایک موجودہ محقق ہیں۔ اس دھرم پر انھوں نے کافی کتابیں، مقالات لکھے ہیں اور سیمینار وسمپوزیم میں لیکچر دیے اور مقالات پڑھے ہیں۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی- کے سوشل سائنس فیکلٹی (اسکول SSS) میں قائم ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر چیئر (B.R.Ambedker Chair) کے شعبۂ ڈاکٹر امبیڈکر میموریل لیکچر، (Dr.Ambedker Memorial Lecture) کے زیر اہتمام ۸/جنوری ۲۰۰۴ء کو Engaged

Budhism and the Roots of Violence [بدھ مت کے متعلقین کا تشدد سے رشتہ) کے عنوان پر لیکچر دینے آئے تھے۔ وقفہ سوال وجواب کے دوران راقم الحروف نے سوال (Cross question) کرتے ہوئے کہا تھا کہ بدھ مت کے بڑے بڑے محققین اور تاریخ نگار حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گوتم بدھ نے اپنے سماج سے تو ذات پات کو ختم کیا؛ لیکن اس سے باہر کبھی بھی اس پر تنقید نہیں کی۔ پھر آخر آپ حضرات ان کو ذات پات کا قاتل، اس کو ملیا میٹ کرنے والا کیوں کہتے ہیں؟ تو انھوں نے راقم الحروف کی بات کی تائید کی اور اعتراف کیا کہ گوتم بدھ نے کبھی بھی اپنے سماج کے باہر ذات پات کو ختم نہیں کیا اور نہ ہی کبھی اس کو غلط کہا۔

اوپر مذکورہ تفصیلات سے ظاہر ہے کہ دونوں مذاہب یعنی جین اور بدھ دھرم میں صرف مذہبی مساوات تھی، سماجی نہیں۔ گویا کہ بعض پہلوؤں سے مساوات تھی۔ یعنی آٹے میں نمک کے برابر؛ لیکن وہ قوم جو صدیوں سے برہمنیت اور منوو ادیت کے پیروں تلے دبی تھی، اس کے لیے یہ تھوڑی مساوات بھی کافی نظر آئی اور جین مت میں تو کم، مگر بدھ مت میں لاکھوں کی تعداد شریک ہوگئی۔ ان شودروں کے ساتھ ویش اور کشتری بھی ذات پات کے حامی برہمنوں کی مذہب پر اجارہ داری اور سماج پر بالادستی سے پریشان ہو کر ان مذاہب کا جزء بننے لگے اور بدھ دھرم کی اتنی مقبولیت ہوئی کہ راجہ اشوک نے بھی اس کو قبول کرلیا، ایک طرح سے منوو ادیت کے علم برداروں کے خلاف محاذ قائم ہو گیا، کیوں کہ راجہ اشوک نے اس دھرم کی تبلیغ واشاعت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

زوال اور مغلوبیت

ان مذاہب کو عوام میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ شمالی ہند سے ہندو دھرم کا عملاً خاتمہ ہو گیا، اس دور میں آریوں نے شمالی ہند کو خیر باد کہہ کر جنوبی ہند میں پناہ لی؛ لیکن جین مت اور بدھ مت کے پیرو کار اہنسا کے علم بردار تھے، لڑائی جھگڑا اور قتل وغارت گری سے کوسوں دور تھے، اس لیے وہ مطمئن ہو کر عبادت اور مذہب کی تبلیغ میں اپنے اوقات صرف کرتے تھے، فوج اور فوجی مشق سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے؛ لیکن ذات پات کے حامی آریوں کو اپنے غلاموں کے ہاتھ سے نکل جانے اور اپنا اقتدار کھو جانے کا بڑا غم تھا اور آئے دن اس کے حصول کے لیے سو جتن کرتے تھے اور ہمیشہ سازشیں کرتے تھے کہ کس طرح ان دونوں مذاہب کو ختم کر کے کھوئی ہوئی حکومت واپس لے لی جائے۔ چناں چہ سب سے پہلے تو گوتم بدھ کو ہی اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ ان کے پرچار (تبلیغ) کی وجہ سے ہندو دھرم کو جو نقصان ہو رہا ہے وہ فوراً رک جائے اور اس کے لیے عورت کے استعمال

سے بہتر طریقہ کیا ہوسکتا تھا اور آج بھی ہے ڈاکٹر تلسی داس (۱۳) اور مشہور مورخ ڈی.ڈی کوسمبی (۱۴) (الفاظ ڈی،ڈی کوسمبی کے ہیں) لکھتے ہیں کہ:

''ایک برہمن ماگندی نے ذات اور تجرد عہد (پرتگیہ) کا خیال نہ کرتے ہوئے اپنی خوبصورت لڑکی بدھ کو شادی کے لیے پیش کی- انکار کرنے پر وہ مسترد حسینہ عمر بھر کے لیے اس کی دشمن ہوگئی۔اس نے بعد میں ایک شہزادے سے شادی کی اور انتقام لینے کی کوشش کی۔''

جب اس میں کامیابی نہ ملی تو آغاز ہی سے بدھ سنگھ میں برہمن بھی شامل ہونا شروع ہو گئے، انھوں نے اپنی ذات تو بظاہر چھوڑ دی؛ لیکن اپنی ذہنی روایات کو باقی رکھا۔(۱۵) اور بدھ دھرم میں گڑ بڑی پیدا کرنا شروع کردی جب اس شاطرانہ چال میں بھی حقیقی کامیابی اور جلد نتیجہ برآمد ہوتا ہوا نہ دیکھا تو موقع ملتے ہی منوواد یت کے علمبرداروں نے پورے ملک میں فرقہ وارانہ فساد کرایا۔ادھر ہندو راجاؤں نے جین اور بدھ بھکشوؤں اور راجاؤں پر حملہ کر دیا اور ان کا اس طرح سے قتل عام کیا کہ ان کا نام تک مٹا کر رکھ دیا، ان کی حکومت کا نام ونشان تک نہ رہنے دیا۔(۱۶) شنگ عہد (۲۰۰ ق م تا ۳۰۰ ء) میں بدھ بھکشوؤں کو مارنے کے لیے انعام مقرر کیا گیا، جیسا کہ ڈاکٹر اوم پرکاش اپنی کتاب ''اورنگ زیب-ایک نیاز اویہ نظر'' میں لکھتے ہیں:

''موریہ سلطنت کے برہمن سپہ سالار پشیہ متر اشنگ نے آخری موریہ راجہ ورہ ورتھ، کو جان سے مار کر ''شنگ'' خاندان کی بنیاد ڈالی۔ برہمن مذہب کی ترقی کے لیے نہ صرف اس نے بہت سی بدھ عبادت گاہوں کو برباد اور بے شمار بودھوں کا قتل کیا، بلکہ ایک فرمان جاری کر دیا [جس کی رو سے] جو کوئی اسے ایک بھکشو کا سر کاٹ کر پیش کرتا اسے سو دینار کا انعام دیا جاتا۔'' (۱۷)

ڈاکٹر رام شرن شرما دوسری، تیسری صدی عیسوی کی ایک کتاب ''دیویاودان'' کا اقتباس نوٹ کرتے ہیں:

''وہ [پشیہ متر اشنگ] اپنی زبردست فوج کے ساتھ بدھ عبادت گاہوں (اسٹوپوں) کو ڈھاتا، ان کی خانقاہوں (وہاروں) کو جلاتا اور بھکشوؤں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہوا شالک یا موجودہ سیالکوٹ تک بڑھتا چلا جاتا ہے اور سیالکوٹ میں یہ اعلان کرتا ہے کہ جو بھی اس کے پاس ایک بھکشو کا سر لائے گا اسے اس کے صلے میں سونے کے سکے انعام دیے جائیں گے۔'' (۱۸)

یہی مصنف آگے کہتے ہیں:

''ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ مغربی بنگال میں گوڑ کے ایک شیو بھگت راجہ شاشنگ نے پیپل کے اس پیڑ کو کٹوا دیا جس کے نیچے مہاتما بدھ کو گیان حاصل ہوا تھا...... یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ اس ملک سے بدھوں کا صفایا محض ان کے خلاف نظریاتی پرچار (تبلیغ) کے باعث ہوا، [بلکہ] ایسا لگتا ہے کہ انھیں ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اب ان کے سامنے صرف دو راستے رہ گئے تھے، یا تو یہاں سے بھاگ کر دوسرے ملکوں میں چلے جائیں اور وہیں بس جائیں یا ان سماجی مجبوریوں اور پابندیوں سے جن میں وہ زندگی بسر کر رہے تھے، سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کرلیں۔'' (۱۹)

ڈی، ڈی کوسمبی اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

''سب سے پہلی حقیقی اذیت وعقوبت ساتویں صدی کے شروع میں مغربی بنگال کے راجہ نرندر گپت شاشنگ کے ہاتھوں نازل ہوئی جس نے وادی گنگا کے میدان میں دور تک فوج کشی کی اور ''گیا'' میں ''بودھی برکش'' [درخت] کو کاٹنے کے علاوہ اس نے بہت سے بدھ مجسمے توڑ ڈالے۔'' (۲۰)

مہاتما جیوتی با پھولے جنھوں نے چھوت چھات، ذات پات، برہمنیت اور اس کے علم برداروں کے خلاف تحریک چلائی تھی- اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

''شنکر آچاریہ (۷۰۰/۷۵۰ء) کے وقت بدھسٹوں کو تیل نکالنے کے کولھو میں نچوڑ کر مار ڈالا [گیا]، ان کی اکثر مذہبی کتابوں کو جلا کر برباد کردیا [گیا]، اس میں سے ''امر کوش'' نامی گرنتھ اپنے استعمال کے لیے رکھ لیا [گیا]۔'' (۲۱)

ڈاکٹر ایس، ایل ساگر اپنی کتاب ''ڈاکٹر امبیڈکر بودھ کیوں بنے؟'' (ہندی) میں لکھتے ہیں:

''ہندوؤں نے اپنی حکومت قائم کرتے ہی بدھوں کا قتل عام [شروع] کردیا، پہلے تو سارے غیر ہندو بدھ تھے، پشیہ متر شنگ کے بعد بدھوں پر جب ظلم ہوئے تو وہ ہندوؤں کے غلام بن گئے، جنھیں ہندوؤں نے داس بنایا تھا۔ یہ سب شودر ذات میں شامل کرلیے گئے، بدھوں سے ہندو بہت نفرت کرتے تھے، اس لیے نفرت کے نتیجے میں انھیں اچھوت بنا دیا۔'' (۲۲)

یہی مصنف مزید لکھتے ہیں:

''ہندو راجاؤں نے تو طاقت سے تلوار کے زور پر بدھوں کو برباد کر کے بدھ دھرم کو

مٹایا، لاکھوں بودھ سرعام قطار میں کھڑے کر کے بکروں کی طرح قتل کر دیے گئے، خوف سے گھبرا کر لاکھوں لاکھ بودھ، لنکا، برما، تبت، چین وغیرہ ملکوں میں بھاگ گئے، برہمنوں نے جو مذہبی کتابیں لکھیں ان میں بدھوں کے بارے میں نفرت بھرے الفاظ لکھے اور انھیں اچھوت بنا دیا۔'' (۲۳)

جناب پردیپ کمار موریہ کے مطابق:

''سمراٹ اشوک موریہ کے ذریعہ تیسری صدی قبل [مسیح] میں بنائے گئے اسی ہزار (۸۰،۰۰۰) وہاروں [بدھ مندروں] میں سے کچھ کو چھوڑ کر باقی سبھی کو پشیہ متراشنگ نے مسمار کر دیا تھا، اس کے علاوہ اشوک کے ذریعہ بنائے گئے چوراسی ہزار اِستوپوں (۸۴۰۰۰)، (بدھ عبادت گاہوں) اور سانچی استوپ کے پلروں [ستونوں] کو پشیہ مترشنگ نے مسمار کر دیا تھا۔'' (۲۴)

محترم سوپن، کے، بسواس (S.K.Biswas) نے لکھا ہے کہ:

''آرکیالوجسٹ [Archeologist ماہر آثار قدیمہ] نے یہ ثابت کیا ہے کہ موجودہ ہندو مندر بنیادی طور پر پہلے کے بودھ وہار تھے...... یہاں تک کہ شری رنگم، کانچی پورم، پلانی اور تروپتی کے ہندو مندر قبل کے بدھ وہار تھے۔'' (۲۵)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''برہمن پرست ووکانند تک نے اعتراف کیا ہے کہ جگناتھ مندر حقیقت میں بودھ وہار تھا۔'' (۲۶)

جینیوں کا بھی قتل عام ہوا، ان کا عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا؛ چناں چہ ڈاکٹر تاراچندر، اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''الوار وشنو کے جو پرجوش پجاری تھے اور ان میں سے اکثر بدھ ازم، جین ازم اور شیو ازم کے سرگرم مخالف تھے۔'' (۲۷)

ڈاکٹر تاراچند مزید لکھتے ہیں:

'تیرو جنا سمبندھ [برہمن] (۲۸) کی تبلیغ پر مدورا کا راجہ کُن پانڈیہ (ندومرن) جو جینی تھا، نے شیومت قبول کر لیا'' لیکن جینیوں نے اپنا مذہب چھوڑنے سے انکار کیا اس پر بہت سے جینی قتل کر دیے گئے۔'' (۲۹)

اس سلسلہ میں ڈاکٹر رام شرن شرما رقم طراز ہیں:

''جینیوں کو بھی ظلم وتشدد کا شکار بنایا گیا، لکھنؤ کے میوزیم میں جینی دیوی، دیوتاؤں کی

پتھر کی مورتیاں ہیں، جو بگڑی ہوئی حالت میں ملی ہیں، صاف بات ہے کہ یہ کام بعض وشنو بھگتوں نے ان مورتیوں کو وشنو جامہ پہنانے کے لیے کیا۔"(۳۰)

ظلم و بربریت، قتل و غارت گری کے اس دور میں دونوں مذاہب کے تابعین کو جنوب کے جنگلات میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا، جین مذہب کے ماننے والوں کو بھی بدھ دھرم کے متبعین کی طرح ہندو مت میں زبردستی ضم کرلیا گیا اور آج بھی جو جینی ہیں، وہ اپنی انفرادیت کے ساتھ نہیں؛ بلکہ ہندو دھرم میں تحلیل ہو کر زندہ ہیں؛ چناں چہ ڈاکٹر رام شرن شرما لکھتے ہیں:

"خود جینیوں نے اپنے مذہبی رسومات اور سماجی ریت رواجوں میں کافی حد تک ترمیم و تبدل کر کے اپنے آپ کو غالب برہمنی طرز زندگی سے ہم آہنگ بنالیا۔"(۳۱)

ہندستان کے مشہور مورخ وی.ڈی.مہاجن جی نے بڑی احتیاط سے اس دور کی تاریخ بیان کی ہے تاکہ ذات پات کے حامیت کے علم برداروں پر کوئی آنچ نہ آسکے، لیکن اس احتیاط کے باوجود حقیقت ظاہر ہو ہی گئی؛ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

"When Budhism was dominant in nothern India,the Deccan became the centre of Hinduism, and was thus saved.When it became impossible for the followers of Jainism to live in northern India, they took refuge in the south."(۳۲)

"جب شمالی ہند میں بدھ مذہب کو غلبہ حاصل ہوا تو "دکن" ہندو مذہب کا مرکز بن گیا اور اس طرح [ہندو دھرم] بچالیا گیا۔ جب جین مذہب کے ماننے والوں کے لیے شمالی ہند میں رہنا ناممکن ہو گیا تو انھوں نے بھی جنوب میں پناہ لی۔"

ذات پات کے حامیت کے علم بردار، جین مذہب کو ہندو مذہب میں ضم کر چکے تھے؛ لیکن بدھ بھکشوؤں کے قتل عام کے بعد بھی ان کو اپنے مذہب میں تحلیل یا بالکل صفایا کرنے میں ناکام رہے کیوں کہ جو لوگ صدیوں سے ان کے پیروں تلے روندے چلے آرہے تھے وہ دوبارہ ہندو مت میں شامل ہونے سے کترا رہے تھے، مزید برآں یہ کہ اس پرآشوب دور میں بھی شودر، بدھ مذہب کو اختیار کررہے تھے۔ اپنی سازش میں ناکام ہونے کے بعد انھوں نے دوسری چال چلی، اوپر یہ بات آچکی ہے کہ آغاز ہی سے بدھ سنگھ"میں برہمن بھی شامل رہے تھے جنھوں نے خواہ اپنی ذات چھوڑ دی ہو؛ لیکن اپنی ذہنی روایات کو قائم رکھا[تھا]"(۳۳) اور بدھ دھرم میں گڑبڑی پیدا کی تھی؛ لیکن اب انھوں نے بدھ دھرم کو ایسے ... گوشت کھانا

ترک کر دیا، شودر اور عورت کو بھی نروان حاصل کرنے کا حق دیا اور چوں کہ ایک بدھی فرقہ ''دیگامبر'' بالکل ننگا رہتا ہے لہذا ہندو دھرم میں بھی ''ناگا سادھوؤں'' کی برہنہ جماعت تشکیل دی۔ (۳۴) حتی کہ بعض اوقات عورت تک کو مادر زاد برہنہ ہو کر عبادت کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے؛ چناں چہ ''کمبھ میلہ الہ آباد ۹ رجنوری تا ۲۱ رفروری ۲۰۰۱ء'' میں جہاں ننگے سادھوؤں کا ایک جم غفیر عبادت و ریاضت، مذہبی رسوم اور ریلی میں مشغول تھا وہیں میکسیکو سے آئی ہوئی ایک پچیس (۲۵) سالہ نوجوان خاتون کرسٹینا (Christina) بھی مادر زاد ننگی اور عریاں ہو کر گنگا میں پوجا کر رہی تھی جس کی تصویر مختلف اخبارات اور میگزینوں نے بعینہٖ شائع کیا۔ (۳۵)

ذات پات کے حامی برہمنوں نے مہاتما بدھ کو شیو کا اوتار تک مان لیا اور ان کی پوجا شروع کرا دی (۳۶) اور باضابطہ ''بدھ رامائن'' کے نام سے ''رامائن'' بھی لکھ ڈالی۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ جب برہمنیت کا زخم کھائے ہوئے شودر اور بدھسٹ ان سب کے باوجود ہندو دھرم میں ضم ہونے سے کترائے تو انھوں نے مہابھارت میں بودھوں/بدھسٹوں کو برا بھلا کہا، حتی کہ ''رامائن'' میں خود رام جی کے منھ سے گوتم بدھ جی کو چور کہلوایا۔ (۳۷) نیز اپنے پنڈتوں کو ملک کے تمام اطراف و جوانب میں بدھ بھکشوؤں سے مناظرہ کرنے کے لیے بھیج دیا؛ تا کہ وہ ان کو شکست دے کر ہندو مذہب میں شمولیت اختیار کرنے پر مجبور کریں، آخر کار ان منو وادی علمبرداروں کی کوشش کامیاب ہوگئی۔ کیرلا کے ایک نوجوان برہمن ادی شنکر اچاریہ (۳۸) نے آٹھویں صدی عیسوی میں فلسفہ کی تلوار سے بدھ ازم کو اکھاڑ پھینکا؛ چناں چہ آر ایس ایس کے سب سے بڑے مفکر، گرو گولوالکر بڑے ہی فخریہ انداز میں اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''بدھوں کا دور بھی ہمارے لیے بہت سبق آموز ہے، بدھ کے بعد ان کے پیرووں کا انحطاط شروع ہو گیا، انھوں نے اس ملک کی قدیم روایات کی عظیم الشان تہذیبی قدروں کو مسمار کرنا چاہا، ماضی کے ساتھ ہمارے رشیوں کی کڑیوں پر ضربیں لگانا شروع کر دیا، دھرم افسوسناک طریقے پر کم قیمت ہونے لگا، ہمارے پورے سماج کا تانا بانا تار تار کیا جانے لگا، قوم سے اور اس کی وراثت سے ان کی عقیدت اتنی پستی پر پہنچ گئی کہ متعصب بدھوں نے غیر ملکی حملہ آوروں کو جو بدھ دھرم کی نقاب پہنے ہوئے تھے، یہاں بلایا اور ان کی مدد کی۔ بدھ فرقہ مادری سماج اور مادری مذہب کا غدار بن گیا، اس خطرناک وقت پر ہمارے سماج اور دھرم کا نجات دہندہ بن کر کون آیا؟ یہ ہمارے رشیوں اور دانشوروں کی روایات تھیں جنھوں نے شنکر اچاریہ کے روپ میں اپنی طاقت اور ننگی کا اظہار کیا۔ وہ ہر طرح کی راحت و آرام تج کر بے خوف فتح یاب

ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتے پھرے اور ہماری تہذیب کی مدھم پڑتی جیوتی [روشنی] کو پھر سے جگا دیا۔ ان کے عقیدت مند گرو کے سنیاسیوں نے اپنے خون اور پسینہ سے ماضی اور حال کا رشتہ مضبوط کر کے ہمارے مستقبل کو تابناک بنایا۔ یہی قومی بیداری اور بے غرض خدمت کے جذبہ کو جگا دیا اور سماج کی مدد کی کہ وہ دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو اور غدار عناصر کو باہر پھینک دے۔ ایک فرقہ کی حیثیت سے بدھ مت مادر وطن سے نیست و نابود کر دیا گیا، حالاں کہ خود گوتم بدھ ایک اوتار ہیں۔ ہم بلاشبہ بھگوان شیو کی پوجا کرتے ہیں؛ لیکن اس کی وجہ سے ان بھوت پریتوں کے قافلے کو نہیں بلاتے جو ان کو گھیرے رہتے ہیں۔" (۳۹)

اس طویل اقتباس سے معلوم ہوا کہ برہمنیت ان تمام مذاہب کو غدار قرار دیتی ہے، جن کے اندر ذرا بھی مساوات کی رمق ہو، برہمنیت کو کچھ بھی کہا جائے، وہ اپنے چال میں کامیاب رہی، یعنی اس نے بدھ مذہب کو ہندو دھرم میں ضم کر ہی لیا اور نہ صرف ہندوؤں کی نگاہ میں بلکہ ہندو کوڈ اور ہندستانی قوانین کے مطابق بھی یہ ہندو دھرم کا ہی ایک حصّہ ہو کر رہ گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ عملاً بھی یہ ہندو دھرم میں مدغم ہوا دکھتا ہے۔

☆ اوپر یہ بات آ چکی ہے کہ گوتم بدھ جی نے صرف عقائد پر بحث کی، ہندو قوانین کو بعینہٖ بحال رکھا اور اپنے متبعین کے واسطے الگ سے کوئی قانون نہیں بنایا؛ ان کے ماننے والے ہندو قانون پر ہی عمل پیرا رہے۔ (۴۰) اسی طرح ۵۶-۱۹۵۴ء میں جب ہندو پرسنل لاء اور ہندو کوڈ جاری ہوا تو اس میں جین، سکھ، لنگایت کے ساتھ ساتھ بدھ مذہب کو بھی شامل کیا گیا۔ ان تمام مذاہب پر وہی پرسنل لا اور قانون لاگو ہوتا ہے جو ہندو دھرم کے ماننے والوں پر ہوتا ہے، ان مذاہب کے واسطے الگ سے کسی قسم کا کوئی بھی قانون ہندستانی قانون میں نہیں ہے۔ (۴۱)

☆ اس میں سب سے قابل غور اور اہم بات یہ ہے کہ بدھسٹوں نے شروع سے لے کر آج تک اس ہندو کوڈ اور پرسنل لا کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی اپنے واسطے الگ سے پرسنل لا کی مانگ کی۔ (۴۲)

☆ آزادی کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر، حالات حاضرہ کے مطابق ہندو پرسنل لا میں کچھ ترمیمات کر کے ہندو کوڈ بل لانا چاہتے تھے؛ لیکن اس کے خلاف فروری ۱۹۵۱ء میں ہندو عوام سڑکوں پر اتر آئے، ہر طرف تنقید کا بازار گرم ہو گیا، ان ترمیمات کے خلاف پارلیمنٹ کے اندر بھی ۵ رفروری کو شور ہوا، ممبران پارلیامنٹ حتی کہ جاٹ، سکھوں نے بھی اس کی مخالفت کی۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے ان مخالفتوں اور تنقیدوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ:

"..the bill would bring uniformation of laws through India" (۴۳)

"اس بل سے پورے ہندستان میں قوانین کی یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔"

ڈاکٹر امبیڈکر نے جو پورے ہندستان کے لیے یکساں ہندو سول کوڈ کی بات کی تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس ہندو کوڈ میں بدھ، جین، سکھ اور لنگایت وغیرہ کو بھی شامل کرنا چاہتے تھے، (۴۴) اور ظاہر ہے کہ ان کو ہندو ماننے کے بعد ہی انھوں نے انھیں ہندو کوڈ کے تحت لانا چاہا۔

☆ ڈاکٹر امبیڈکر نے چھوت چھات سے نجات حاصل کرنے کی خاطر ہندو دھرم کو ترک کر کے ۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو 'وجے دشمی' کے دن بدھ مذہب قبول کر لیا (۴۵) ان کے بدھ مت قبول کرنے سے قبل ہی ہندو پرسنل لا، ہندو کوڈ ۵۶-۱۹۵۴ء جاری اور نافذ ہو چکا تھا، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے لیکن بدھ دھرم قبول کرنے کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر [illegible] دستور [illegible] ان کے واسطے الگ "لا" اور پرسنل لا کی مانگ کی اور نہ ہی ان کے لیے کوئی الگ پرسنل لا بنایا، بلکہ اپنے واسطے بھی اس ہندو پرسنل لا اور ہندو کوڈ کا سہارا لیتے رہے۔ (۴۶)

☆ آئین کی شیڈولڈ کاسٹ ریزرویشن دفعہ کا نفاذ ۱۹۳۵ء میں ہوا تھا [illegible] کے تحت [illegible] (SC) کی مراعات سماج کے دبے کچلے حصے کو دے کر انھیں برابری میں لانے کی ایک زبردست پہل تھی۔ اس پہل میں مذہب کا فرق نہیں رکھا تھا، جس کی وجہ ایک طرف اس وقت ملک میں انگریزوں کی موجودگی تھی اور دوسری طرف یہ سماج۔ اس طرح تمام مذاہب کے استحصال زدہ لوگ اس دفعہ (شیڈول کاسٹ) کی سہولیات سے مستفید ہو رہے تھے؛ لیکن انگریزوں کی جلا وطنی کے بعد ۱۹۵۰ء میں ایک صدارتی آرڈر کے ذریعہ اس آرٹیکل (دفعہ) پر مذہبی قید لگا کر اسے صرف ان دلتوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا جو ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور اقلیتوں کو اس حق سے نہ صرف بے دخل کر دیا گیا۔ بلکہ یہ بھی شرط لگا دی گئی کہ اقلیتی فرقے سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی فرد ۱۹۵۰ء کے بعد اگر دوبارہ یہ مراعات چاہتا ہے تو اسے ہند مذہب قبول کرنا ہوگا اور اس طرح تمام مذہب کے ساتھ بدھ دھرم بھی اس دفعہ ۳۴۱ سے باہر کیا جا چکا تھا؛ لیکن ۱۹۹۰ء میں سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ اور چندر شیکھر کے زمانہ میں بودھ مت کو اس دفعہ ۳۴۱ میں شامل کرا لیا گیا۔ (۴۷)

بدھ مذہب کو شیڈولڈ کاسٹ ریزرویشن ایکٹ میں شامل کیا جانا اس لیے آسان ہو گیا کہ ہندتو کی علمبردار تنظیمیں اس دھرم کو ہندو دھرم کا حصہ ہونے کا نہ صرف اعلان کرتی ہے بلکہ عملاً اس کو کرتی بھی ہے۔ اگر اس کی کڑی کو مسلمان پس کردہ طبقات کے دلت لسٹ میں شامل کیے جانے کی مانگ کو رد کیے جانے سے ملا کر دیکھیں تو بات مزید واضح ہو جائے گی اور وہ یہ ہے کہ مسلم پس کردہ طبقات جو معاشی اور تعلیمی اعتبار سے ہندو دلتوں کی سطح کے بلکہ بعض حالات اور مقامات میں ان سے بھی نیچے ہیں، ایک طویل

ت سے اپنے کو دلت لسٹ میں شامل کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، لیکن تا حال ان کی مانگ تسلیم نہیں کی گئی۔ مزید براں یہ کہ جب سکھ اور بدھ دلتوں کو شیڈولڈ کاسٹ ریزرویشن کا زمرہ میں شامل کیا گیا تو کسی نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی، لیکن جب مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور تعلیمی حالت جاننے کے لیے وزیر اعظم کی جانب سے بٹھائی گئی اعلی سطحی کمیٹی ''سچر کمیٹی'' نے جب نومبر ۲۰۰۶ء میں اپنی رپورٹ کے اندر حکومت سے شفارش کی کہ مسلم دلتوں کو بھی دلت ریزرویشن کے زمرہ میں شامل کر لیا جائے تو ہندتو کی علمبردار تنظیموں نے آسمان سر پر اٹھا لیا، نیز آر ایس ایس نے شیڈولڈ کاسٹ کمیشن کو ہی اس کی مخالفت میں کھڑا کر دیا، چنانچہ مسلم دلتوں کو اس دفعہ میں شامل کرنے کا اس نے علی الاعلان مخالفت کی۔ (۴۸)

☆ گوتم بدھ نے خدا کے وجود کا انکار کیا۔ وہ کسی بھی دھرم کے معبود کو نہیں مانتے ہیں، لیکن برہمنیت نے خود انھیں شیو کا اوتار مان کر ان کی پوجا شروع کر دی۔ ان کی اتباع کرتے ہوئے آج تمام بدھسٹ ان کو خدا مانتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں (۴۹) نہ صرف عوام بلکہ بدھسٹ دانشوران بھی۔ (۵۰)

☆ ۶/ دسمبر ۱۹۹۸ء میں جب بی جے پی کی مرکزی حکومت کے وزیر اعظم جناب اٹل بہاری واجپائی جی نے ایٹم بم کا تجربہ کیا تھا تو اس وقت انھوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ''اس تجربہ سے بھگوان بدھا مسکرائے۔'' (۵۱)

منوواد یت کے علم برداروں نے بدھسٹوں کا قتل عام کیا، ان کے مندروں کو مسمار کیا، جس کا تفصیلی ذکر اوپر آ چکا ہے؛ لیکن آج یہی حضرات ان کی ہر طرح سے مدد کر رہے ہیں، ان کو پناہ دے رہے ہیں، ان کے واسطے مندر تعمیر کر رہے ہیں؛ کیونکہ ان کے نزدیک بدھ مذہب بھی ہندو دھرم کا ایک حصہ ہے اور انھوں نے اسے اپنی اندر ضم کر رکھا ہے۔ چناں چہ:

☆ ڈاکٹر امبیڈکر کے بدھ دھرم قبول کرنے سے چھ سال قبل ۳۱/ مارچ ۱۹۵۰ء کو مشہور صنعت کار جی. ڈی. برلا (G.D.Birla) کے سب سے بڑے بھائی ''جوگل کشور برلا'' (Jugal kishor Birla) ان سے ملاقات کرنے آئے اور دوران گفتگو انھوں نے ڈاکٹر امبیڈکر سے کہا کہ وہ بدھ دھرم اور ہندو مذہب میں کچھ فرق نہیں سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دونوں مذاہب ایک ہی ہیں، اسی لیے انھوں نے بدھ مندر نہ صرف دہلی میں؛ بلکہ تمام مرکزی بدھ زیارت گاہوں پر بنائے ہیں۔ (۵۲)

☆ آر. ایس. ایس غیر ہندو مذہب کی کٹر دشمن ہے؛ لیکن اس نے بدھسٹوں کو ہر طرح سے سہولیات اور چھوٹ دے رکھی ہے، حتی کہ ان کے عالمی مذہبی رہنما ''دلائی لاما'' کو آر ایس ایس کی سیاسی پارٹی بی جے پی کی سابق مرکزی حکومت ہند نے ہندستان میں پناہ دیا تھا جو آج بھی یہیں مقیم ہیں۔ دلائی لاما، آر. ایس. ایس کی طرفداری میں مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ وہ گائے کا گوشت کھانا چھوڑ

دیں اور بابری مسجد کو ہندوؤں کے حوالے کر دیں۔

☆ ہندوؤں کے کمبھ میلہ الہ آباد ۹ رجنوری تا ۲۱ رفروری ۲۰۰۱ء میں دلائی لاما بھی شریک تھے؛ چناں چہ ٹائمس آف انڈیا (انگریزی) نئی دہلی، نے ۲۶ رجنوری ۲۰۰۱ء بروز جمعہ کے شمارہ میں صفحہ ۴ پر متعدد لوگوں کے ساتھ دلائی لاما کی تصویر شائع کی تھی۔ پھر اس کے نیچے لکھا تھا:

"Tibet's spritual leader, the Dalai Lama,greets well-wishers at one of the camps in Kumbh Nagar on Thursday."

''تبتیوں کے روحانی رہنما دلائی لاما کمبھ نگر کے ایک کیمپ میں خیر خواہوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے۔''

☆ دلائی لاما صاحب کے ہندتو کے علم برداروں سے قربت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ یہ بھی ہندوؤں کے دھرم پر یورتن (تبدیلی مذہب) کے خلاف ہو گئے ہیں، چناں چہ ہندوؤں اور دلتوں کے تبدیلی مذہب سے پریشان ہو کر نومبر ۲۰۰۱ء میں ہندتو کی علمبردار تنظیموں کے ذریعہ ''دھرم پریورتن'' کے خلاف دہلی کے اندر سہ روزہ ایک اجتماع منعقد کیا گیا تھا اور اس کا نام رکھا گیا تھا ''مذہبی رنگارنگی''۔ اس اجتماع میں دلائی لاما بھی شامل تھے، ان کے علاوہ اس میں شامل مشہور لوگوں میں سے تھے: سابق صدر جمہوریہ مسٹر وینکٹ رمن جی، سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی جی (انھوں نے ہی اس جلسہ کا افتتاح کیا تھا) کیرالہ کے سوامی دیانند سرسوتی جی۔ (۵۳)

جب کوئی ہندو اور ہندو دلت اسلام یا عیسائیت قبول کرتا ہے تو ہندتو کی علمبردار تنظیمیں فساد کر دیتی ہیں؛ لیکن جب کوئی بدھ، جین، سکھ، یا لنگایت وغیرہ مذہب اختیار کرتا ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتی ہے، فساد کرنا تو دور کی بات ہے۔ کیوں کہ ان کو معلوم ہے کہ یہ دھرم بھی ہمارے ہی حصے ہیں، پہلے بھی یہ ہمارا غلام تھا اور ان مذاہب میں داخل ہونے کے بعد بھی یہ ہمارا ہی غلام رہے گا، کیوں کہ ان دھرموں کو ہم نے اپنے اندر ضم کر رکھا ہے، ہاں اگر یہ اسلام (یا عیسائیت) قبول کرتا ہے تو پھر ہمارے چنگل سے نکل جائے گا۔ (۵۴)

ان تمام میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ بدھ دھرم قبول کرنے کے بعد بھی دلتوں کی سماجی حالت نہیں بدلتی ہے۔ چنانچہ ایس. سی. دوبے (S.C.Dobe) لکھتے ہیں کہ:

"The neo-Buddhists find it difficult to de-link themselves from their earlier Jati status."(۵۵)

''نیو بدھسٹوں کو اپنی پرانی حالت سے باہر نکلنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔''

حواشی

(۱) سہ روزہ دعوت، نئی دہلی، ۲۲ / مارچ ۱۹۹۳ء جلد: ۴۱، شمارہ: ۲۷- ہندستانی مذاہب نمبر- عنوان: قدیم ہند کی تاریخ و تہذیب، از: جاوید عالم

(۲)My Memories and Experiences of Babasaheb Dr.B.R.Ambedkar. Ch.vii Topic,Codification of Hindu Law.p.75

(۳) سہ روزہ دعوت، نئی دہلی ۱۶ / فروری ۱۹۹۵ء جلد: ۴۳ شمارہ: ۱۶- ہندستانیات نمبر، عنوان: جین دھرم ایک تعارف، از ڈاکٹر [illegible] جنس چوبے ص ۱۲۱

(۴)فصول فی ادیان الہند، المذکور اعلاہ- ص:۱۳۹

(۵)My Memories and Experiences of Babasaneb Dr.B.R.Ambedkar. p 75

(۶) قدیم ہندستان میں شودر، محولہ بالا۔ باب ۴، ص:۱۶۲

(۷) ڈاکٹر رام شرن شرما: فرقہ وارانہ تاریخ اور رام کی اجودھیا، مشمولہ: خدا بخش لائبریری جنرل (۹۶) دسمبر ۱۹۹۴ء، ص:۱۲۵

(۸) شردھے پرکاش دیوجی: بدھ جی کی سوانح عمری اور بدھ دھرم کا بیان- حصہ چہارم، ص:۴۱-۴۲، بحوالہ اسلام کا تصور مساوات محولہ بالا، باب اول: پس منظر- عنوان: بدھ مت، ص:۴۱-:

(۹) حوالہ سابق، ص:۴۴، بحوالہ حوالہ سابق، باب اول: پس منظر- عنوان: بدھ مت، ص:۴۲

(۱۰) حوالہ سابق، ص:۴۴-۴۵، بحوالہ حوالہ سابق ص:۴۲، بحوالہ

(۱۱)V.R.Narla:The Truth About Geeta اردو ترجمہ: سید شاہد: گیتا حقیقت کے آئینہ میں- عنوان: تنہا گیتا پر ہی الزام کیوں؟ ص:۱۳۷-۱۴۰

(۱۲) حوالہ سابق- عنوان: دو بھگوان، ص:۱۵۶

(۱۳) भारत आघोष, मई-जून १९९८ उद्धृत: मान० शीतल मरकाम और उनके साथी: त्रि-इष्लिसी शोषण-व्यूह विध्वंस, बिन्दु: शैतानी गठबंधन का लक्ष्य, इस्लाम का ब्राह्मण-धर्म में रूपान्तरण करना, भाग १ पृ० : ३१९,

(۱۴) Kosambi D.D.The Culture and Civilization of Ancient India in Historical outline. اردو ترجمہ: بالمکند عرش ملسیانی: قدیم ہندستان کی ثقافت وتہذیب- تاریخی پس منظر میں، باب ۵، قبیلے سے سماج کی طرف، عنوان: ۵-۳ بدھ اور اس کا سماج، ص:۱۶۷

(۱۵) حوالہ سابق- باب ۷، جاگیرداری کی طرف- عنوان: ۷-۲ بدھ مذہب کا ارتقاء، ص:۲۷۶

(۱۶) چچ نامہ الیت، ۱۵۲، ۱۴۲/۱، بحوالہ عرب ہند کے تعلقات محولہ بالا، ص:۲۱

(۱۷) دویا ودان، ۲۵واں یا ۲۹واں - اودان - سچدانند ترپاٹھی - شنگ کالین بھارت - شائع کردہ بنارس یونیورسٹی ۱۹۷۷ء، ص:۱۳، بحوالہ ڈاکٹر اوم پرکاش: اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر، عنوان: اورنگ اور اس کا نظریہ، ص:۱۰- اردو ترجمہ: فیضان رشید

(۱۸) فرقہ وارانہ تاریخ اور رام کی اجودھیا، مشمولہ: خدا بخش لائبریری جنرل (۹۶) دسمبر ۱۹۹۴ء، ص:۱۲۷

(۱۹) حوالہ سابق: ۱۳۷-۱۳۸

(۲۰) قدیم ہندستان کی ثقافت وتہذیب، تاریخی منظر میں، محولہ بالا، باب جاگیرداری کی طرف-عنوان: ۲-۷ بدھ مذہب کا ارتقاء، ص: ۲۷۷

(۲۱) महात्मा फुले पृ० : १६६ उदधृत: त्रि-इब्लिसी शोषण-व्यूह विश्वंस बिन्दु: ब्राहमणवादी-प्रानकाति, १/९८

(۲۲) डॉ० अम्बेडकर बौद्ध क्यों बने ? बिन्दु: अम्बेडकर बौद्ध क्यों बने ? पृ० : १५०

(۲۳) वही, बिन्दु: बोद्ध धर्म के पगायव का कारण पृ० : ५०

(۲۴) प्रदीप कुमार मौर्य पृ० : ६१ उदधृत: त्रि इबलीशी शोषण व्यूह विध्वंस, बिन्दु: ब्राहमण वादी प्रातंक्रांति 1/92

(۲۵) वही S.K. Biswas P. 354 उदधृत बिन्दु: मुस्लिम आकमण हम ब्राहम्णों पर अहसान 1/113

(۲۶) स्वपन के बिसवास P-330-उदधृत: वही 1/113

(۲۷) Influence of Islam on Indian Culture اردو ترجمہ: چودھری رحیم علی الہاشمی: اسلام کا ہندستانی تہذیب پر اثر، عنوان: جنوبی ہند کے مصلحین (۱)، ص: ۱۲۲

(۲۸) ''یہ ساتویں صدی میں تجور ضلع کے شمالی گاؤں میں پیدا ہوئے ان کے والدین برہمن تھے'' حوالہ سابق، ص: ۱۱۶

(۲۹) حوالہ سابق، ص: ۱۱۷

(۳۰) فرقہ وارانہ تاریخ اور رام کی اجودھیا، مشمولہ: خدابخش لائبریری جرنل (۹۶) دسمبر ۱۹۹۴ء، ص: ۱۳۸-۱۳۹

(۳۱) حوالہ سابق

(۳۲ Ancient India.Ch:1 Introduction, Topic: Effect of Geography on History of India, P.6

(۳۳) قدیم ہندستان کی ثقافت وتہذیب- تاریخی پس منظر میں، محولہ بالا باب ۷، جاگیرداری کی طرف-عنوان: ۲-۷ بدھ مذہب کا ارتقاء، ص: ۲۷۶

(۳۴) کمبھ میلہ الہ آباد ۹ر جنوری تا ۲۱ر فروری ۲۰۰۱ء کے دوران بی. بی.سی لندن (ہندی) نے ناگا سادھوؤں کے بارے میں اپنے لکھنؤ کے نمائندہ رام دت تر پاٹھی کی یہ رپورٹ رخبر خودان کی آواز میں براڈکاسٹ کی تھی جس کو انھوں نے الہ آباد یا لکھنؤ سے براہ راست پیش کی تھی۔

(۳۵)Weekly Out Look ,New Delhi. January 22,2001.Vol.xLi.No.2. Topic: Maha Kumbh-Roar of the sublime, Pp.18-21, Weekly India Today-New Delhi, January 16-22.2001 Vol.xxvi, No. 4,calunm: Religion/ Maha Kumbh, Topic: Jai Ganga. Pp. 48-49.

(۳۶) منشی پریم چند-قرون وسطی میں ہندستانی تہذیب-باب پہلی تقریر-مذاہب اور معاشرت-بودھ دھرم پر ہندو دھرم کا اثر اور مہایان فرقہ کی ابتداء، ص: ۲، جدید ہندستان میں ذات پات محولہ بالا، دوسرا باب، عنوان: سنسکرت تہذیب کا مطالعہ قدیم وجدید طرز زندگی-ص: ۶۵ رگیارہواں باب ص: ۲۰۳، سہ روزہ دعوت، نئی دہلی-۲۲ر مارچ ۱۹۹۳ء جلد: ۴۱، شمارہ: ۲۷- ہندستانی مذاہب نمبر، عنوان: قدیم ہندستان کی تہذیب، ص: ۱۲، ۱۶ر فروری ۱۹۹۵ء جلد: ۴۳ شمارہ: ۱۶، ہندستانیات نمبر، عنوان: بودھ دھرم ایک تعارف، از: حسین احمد الیاس، ص: ۱۷-۱۸

(۳۷) The Truth About Geeta گیتا حقیقت کے آئینہ میں محولہ بالا-عنوان: کرشن کی حقیقت، ص: ۵۰،

گیتا- زمانہ تصنیف ص: ۸۸

مہابھارت اور رامائن کی حقیقت

جناب وی. آر. نارلا فرماتے ہیں کہ:

''رامائن اور مہابھارت کا دور گوتم بودھ سے بہت پہلے کا ہے تعصب اور نفرت کی یہ مثالیں بھی اس بات کی غماز ہیں کہ رامائن اور مہابھارت دونوں فرضی کہانیاں ہیں اور بودھ مذہب کے بعد کی اختراع ہیں، جن کا بنیادی مقصد بودھ اور جین مذاہب کی اثرات کو ختم کرنا، انھیں بدنام کرنا اور ان کی مقابلہ میں ویدک مذہب کی عظمت کو اجاگر کرنا ہے۔''

حوالہ سابق، ص ۵۰-۵۱، مزید دیکھئے ص: ۸۸-۸۹

(۳۸) پنڈت ادی شنکراچاریہ کی ماں ذات سے خارج کیوں کی گئی؟:

''ادی شنکراچاریہ مالابار [کیرلہ] میں یکم محرم ۳۰۰ھ مطابق ستمبر ۹۱۲ء کو پیدا ہوے۔ ''کیرل اتپتی'' میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ:

''وہ مالابار کے ایک برہمن کا بیٹا تھا۔ شنکراچارج کی ماں شری مہادیوی کی نسبت مرقوم ہے کہ وہ کسی شرمناک گناہ کے سبب برادری اور ذات سے خارج کردی گئی تھی اور اسی لیے مہادیوی کی وفات پر اس کے جلانے کے لیے شنکراچارج کو کسی نے آگ بھی نہ دی''۔

(کیرل اتپتی بحوالہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: آئینہ حقیقت نما (مسلم سلاطین ہند حقیقت کے آئینہ میں) باب مقدمہ، عنوان: شنکراچاریہ کی تحریک، ص: ۶، ۷، ۸، تحقیق و تخریج: عبدالرشید بستوی قاسمی

(۳۹)Golwalkar: Bunch of thoughts Pp. 66-77, صلاح الدین عثمان Qouted in آر ایس ایس تعلیمات و مقاصد، باب ۱۰- گرو گولوالکر کی تعلیمات-عنوان: بودھ فرقہ ص: ۲۰۵-۲۰۶

(۴۰)My Memories and Experiences of Babasaheb Dr.B.R. Ambedkar.

(۴۱)ibid: ch.xvii .Topic: Perferred Budhism to other religions, p.175

(۴۲)Ibid

(۴۳) Ibid,Ch.vii Topic:Codification of Hindu Law.p.75

(۴۴) مسلمان اور عیسائی اس میں اس لیے شامل نہیں کیے جاسکتے ہیں کہ ان کے پاس خود اپنا پرسنل لا پہلے سے موجود تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ یہاں بات صرف ہندو کوڈ کی تھی نہ کہ کسی اور کی۔

(۴۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کا باب دہم: اشاعت اسلام کی راہ میں نئی رکاوٹیں- زیر عنوان: شودر پھر اسلام کے زیر سایہ۔

(۴۶) اپنی دوسری برہمن بیوی ڈاکٹر سویتا کبیر کو طلاق دینے کے واسطے اسی قانون کا سہارا لیتے رہے۔

(My memories and Expriences of Baba Saheb Dr. B.R. Ambedkar, op.cit. ch,xiii, 2nd Dec. 1956, H.H. Dalai Lama and Prediction of his death, p.142,

(۴۷)Jaurnal of Muslim minority Affairs, vol.21, No.2, 2001, Topic: A New Indian Muslim Agenda: The Dalit Muslims and the All-India

Backword Muslim Morcha by yoginder sikand, p.290, Qouted in http://tay lorand francis: metapress.com/media/0883/eunrqdrul8duwin/contributions/k/y/e/xkyedfilenaamxmw.pdf, Economic and Political weekly, Bombay, October 28, 2000, Topic: Movments in History of Reservation by Bhagwan Das, p. 3832-33, suchar Justice Rajender, Social: Ecomonic and Education Status of the Muslim community of India A Report (Sacher committee Report) ch.x.p.201)

روز نامہ راشٹریہ سہارا - اردو، نئی دہلی ۹ رنومبر ۲۰۰۱ء جلد: ۳، شمارہ: ۸۸۶- کالم: مراسلات، عنوان: تبدیلی مذہب اور مسلمان- از: ڈاکٹر ایم اعجاز علی ص: ۳۰، سہ ماہی السلام، نئی دہلی، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء جلد: ۶، شمارہ: ۱، عنوان: تبدیلی مذہب اور دلت، ص: ۱۳: ۶۴۔

(۴۸) راشٹریہ سہارا اردو، نئی دہلی ۳ رفروری ۲۰۰۷ جلد ۸ شمارہ ۲۷۰۴ ٹ عنوان دلتوں کو مسلمانوں کے خلاف کرنے کی کوشش از حسن کمال ص ۳

(۴۹) اس کا مشاہدہ بدھسٹ عوام اور خواص میں کیا جا سکتا ہے۔

(۵۰-۵۱) واجپئی جی کی تقریر پر تنقید کرتے ہوئے ایک بدھسٹ دلت (مذہبی) رہنما نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ان (اٹل بہاری واجپئی جی) کا بھگوان تو ہتھیاروں سے مسلح ہوتا ہے۔ ہمارا بھگوان بدھ تو شانتی ہی شانتی ہے۔ لہذا ہمارا بھگوان ایٹم بم کے تجربہ پر کیوں مسکرائے گا (دونوں حوالوں کے لیے دیکھیے) डाकुमेन्ट्री फिलम: वार एण्ड पीस (war and peace) डायरेक्टर: आनन्द पटवरधन ۲۵ ردسمبر ۲۰۰۳ء کو منوسمرتی جلانے کے لیے جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی کے اندر بدھسٹ کمیونسٹ لیڈران جناب سوبھاش گناڑے، محترم انجلی اور جناب مدرا راکھش، محترمہ رمینگا گپتا تشریف لائی تھیں، اس پروگرام کا انعقاد جواہر لال نہرو یونیوسٹی کی ایک طلبہ تنظیم پی ایس یو (PSU-Progressive Students Union) اور یونیورسٹی کے باہر کی ایک تنظیم استری ادھیکار سنگھٹن نے کیا تھا۔ تقریر اور خطاب کا پروگرام ٹفلاس ٹی وی روم میں اور منوسمرتی دہن کا پروگرام گنگا ڈھابہ پر ہوا تھا، مذکورہ بالا صاحبان میں سے جناب مدرا راکھش نے گوتم بدھ کو اپنی تقریر میں بھگوان ہی کہا تھا۔

(۵۲)My Memories and Experiences of Babasaheb Dr.B.R.Ambedkar. Ch.vi Topic:Meeting with Jugal Kishor Birla .p.69.

(۵۳) سہ روزہ دعوت، نئی دہلی، ۲۵ رنومبر ۲۰۰۱ء جلد: ۴۹ شمارہ: ۱۰۷، عنوان: دھرم پریورتن کے واقعات سے پریشان لوگوں کا اجتماع ص: ۳

(۵۴) پوری تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کا باب دہم: اشاعت اسلام کی راہ میں نئی رکاوٹیں، زیر عنوان: تبدیلی مذہب پر قانونی بندشیں۔

(۵۵)Indian society, op.cit, ch.iii varna and Jati, p. 62

باب سوم

ہندستان میں
اسلام کی آمد اور اس کی اشاعت

ہندستان میں اسلام کی آمد

جب دنیا کے تمام خطوں میں ذات پات اور اونچ نیچ کا دور دورہ تھا، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کہیں بھی مساوات کا نام ونشان نہ تھا، خواص کو چھوڑ کر عام لوگوں کی حالت جانوروں سے بدتر تھی، سسکتی، بلکتی، چیختی چلاتی انسانیت کا کوئی پرسان حال اور ان کے دکھوں کا کوئی مسیحا نہ تھا، ایسی صورت حال میں عرش والے کو انسانیت پر رحم آیا، اس نے کراہتی اور جاں بلب انسانیت کے آنسو پوچھنے کے لیے صحرائے عرب میں محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور {قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ} [1] ("آپ (ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ) وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات وصفات میں) ایک ہے") کے علاوہ {إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ} [2] ("اور اللہ کے نزدیک تم سب میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو") اور "لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَىٰ عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَىٰ عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَبْيَضَ عَلَىٰ أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَىٰ أَبْيَضَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ. اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ"۔ [3] ("نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر، نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر برتری حاصل ہے مگر تقویٰ کی بناء پر، تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی") کو بنیاد بنا کر تبلیغ دین کا حکم دیا۔ چند ہی برسوں میں اسلام جزیرۃ العرب کا مذہب بن گیا اور محمد ﷺ کے متبعین فارس وروم کو اسلام کی تعلیمات سے منور کرتے ہوئے برصغیر کی طرف بڑھے۔ شروع شروع میں باقاعدہ ہندستان پر چڑھائی نہیں ہوئی؛ بلکہ اہل ہند شروع میں صرف عرب تاجروں کے ذریعہ ہی اسلام سے متعارف ہوئے، لیکن سندھ کے راجاؤں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ ہی سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی۔ چناں چہ ان کے دور خلافت میں جب حکم بن عمرو تغلبیؓ اسلامی لشکر لے کر "مکران" جا رہے تھے تو راستہ میں ایرانی فوج سے مقابلہ ہوا۔ ایرانیوں نے اپنی مدد کے لیے سندھ کے راجہ سے فوج منگائی تھی جو مسلم فوج کے خلاف صف آراء ہوئی تھی۔ اگر چہ اس جنگ میں اللہ نے مسلمانوں کو کامیابی سے ہم کنار کیا تھا۔ [4] لیکن مسلمان اس وجہ سے ناخوش تھے، چناں چہ جب ۱۵ھ مطابق [illegible] میں حضرت عمر فاروقؓ نے بحرین وعمان کی امارت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ کے سپرد کی تو انھوں

نے سب سے پہلے اسی کی طرف توجہ کیا اور اپنے بھائی حَکم بن ابی العاص کو امیر البحرین بنانے کے بعد ہند پر حملہ کا حکم دیا۔ وہ کشتیوں کے ذریعہ نہایت ہی مشکل سفر طے کر کے گجرات کے ساحل پر لنگر انداز ہوے اور اس پر حملہ کیا۔ اس کے بعد بھروچ جسے عربی میں ''بروج یا بروص'' (۵) کہا جاتا ہے- پر حملہ کیا۔ ان دونوں حملوں میں ان کو کامیابی ملی، (۶) لیکن چوں کہ یہ حملے حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر ہوے تھے اور حضرت عمرؓ کو ہندستان کے سلسلہ میں جو رپورٹ (۷) ملی تھی، اس پہلو سے نیز سمندری خطرات کی وجہ سے وہ بحری جنگ کے خلاف تھے، اس لیے انھوں نے فتوحات کے اس سلسلے کو فوراً بند کرا دیا اور کہا کہ جو کوئی اس طرح کا حملہ بغیر اجازت کرے گا اس کو سزا دی جائے گی۔

عہد عثمانیؓ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ، سجستان اور کابل فتح کرتے ہوے ''مکران'' کے شمال میں واقع سندھ کے علاقہ ''دوار'' کی حدود تک آچکے تھے۔ (۸) اور ۳۳ھ مطابق ۵۴-۶۵۳ء میں عہد عثمانی ہی میں حضرت ربیع بن زیاد حارثی نے اس (دوار) کو فتح کر لیا، (۹) نیز اسی زمانہ میں حکم بن جبلہ ہندستان کے متعلق تحقیقات کر کے واپس گئے، عہد علوی میں سرحد اور سندھ کے مفتوحہ علاقے مہلب کے زیر نگرانی رہے۔ (۱۰) حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں بغاوت رفع کرنے اور نئی فتوحات کی خاطر تقریباً دسوں حملے ہوے، ۶۵ھ مطابق ۸۵-۶۸۴ء میں جب عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوے تو اس دور میں کئی ایک بغاوتیں ہوئیں، جن میں سے ایک ابن اشعث کی بغاوت تھی۔ لیکن جب یہ شکست کھا گئے تو وہ اور ان کے متعدد ساتھی بھاگ کر سجستان، مکران اور سندھ میں راجہ رتبیل وغیرہ کے یہاں پناہ گزیں ہو گئے، نیز راجہ رتبیل نے سجستان کا علاقہ نگل لیا۔ راجہ نے اسلامی حکومت کے باغیوں کو پناہ دے کر مسلمانوں کو تو برہم کر ہی دیا تھا، پھر اسلامی حکومت کے ایک حصہ کو ہڑپ کر کے عربوں کی دشمنی میں مزید اضافہ کر لیا تھا، لیکن اس وقت مسلمانوں نے کوئی ایکشن (Action) لینے کے بجائے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔

۷۰ھ مطابق ۶۹۰ء (دوسری روایت میں ۷۵ھ مطابق ۹۵-۶۹۴ء) میں حجاج بن یوسف ثقفی نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور سندھ کا گورنر بنا کر بھیجا، تو علافیوں نے ان کو قتل کر دیا (۱۱) اور جب حجاج نے ۸۹ھ مطابق ۹۹-۶۹۸ء میں مجاعہ بن سعر کو علافیوں کی شورش رفع کرنے کے لیے بھیجا تو علافی ان کے ڈر سے بھاگ کر راجہ داہر کی پناہ میں چلے گئے۔ ہندستانی راجاؤں کی طرف سے دوسری مرتبہ اسلامی حکومت کے باغیوں کو پناہ دی گئی تھی، ظاہر ہے کہ اس سے عبدالملک بن مروان اور حجاج نے اچھا تاثر نہ لیا ہوگا۔ کیوں کہ یہ بات ہر زمانہ میں مسلّم رہی ہے کہ کوئی حکومت دوسری حکومت کے باغیوں کو پناہ نہ دے گی، طرفہ یہ تماشہ ہے کہ جب راجا داہر سے باغیوں کو واپس کرنے کو کہا گیا تو انھوں نے واپس

کرنے سے انکار کر دیا (۱۲) ایسے نازک حالات میں کسی بھی حکومت کا جو ردعمل ہو سکتا ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، لیکن اس وقت بھی پہلے کی طرح ''فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا'' (''معاف کر دو اور درگزر کرو۔'') کا رویہ اپنایا گیا۔

محمد بن قاسم ثقفی کی راجہ داہر کے خلاف مہم جوئی

مگر ایک دل شکن واقعہ نے منظم اور زبردست طریقے سے ہندستان پر حملہ کے لیے مجبور کر ہی دیا، ہوا یہ کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان متوفی ۸۶ھ مطابق ۵-۷۰۴ء کے آخری ایام ۸۵ھ کے آخر یا ۸۶ھ کے شروع میں سراندیپ (لنکا) کے راجہ نے مسلمانوں سے دوستی کی غرض سے تحائف سے بھرا ہوا ایک جہاز عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کو بھیجا۔ اس جہاز میں چند حاجی اور ان مسلمان تاجروں کی بیوائیں اور بیٹیاں تھیں جن کا سراندیپ (لنکا) میں انتقال ہو گیا تھا، لیکن بادمخالف جہاز کو دیبل (۱۳) کے بندرگاہ پر لے آیا، جہاں ''مید'' لوگوں نے اس کو لوٹ لیا، عورتوں اور مردوں کو قید کر لیا، (۱۴) ان عورتوں میں سے قبیلہ یربوع کی ایک خاتون نے حجاج کو دہائی دی ''یا حجاجاہ'' (اے حجاج! کہاں ہو؟) اور اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کے خون سے خط لکھ کر روانہ کیا۔

حجاج بن یوسف ثقفی حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کی طرح اسلام کے پابند نہ تھے، لیکن مسلم خواتین کی بے عزتی اور مسلمانوں کی توہین سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور فوراً لبیک کہا اور راجہ داہر کو لکھا کہ جس طرح بھی ہو، ان کو واپس کرائے، حتیٰ کہ ان کو اسلامی فوج کا سپہ سالار بھی بنایا، تاکہ وہ اس کی رہنمائی کرے اور مقید عورتوں کو واپس کرائے، چناں چہ یاقوت حموی نے اس کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:

''فَأَرْسَلَ إِلَىٰ دَاهِر مَلِكِ الدَّيْبُلِ وَأَمَرَهُ عَلَىٰ الْغَزْوِ لِهٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ سَبُوْا النِّسْوَةَ'' (۱۵)

''پس راجہ داہر کو لکھ بھیجا اور ان کو ان لوگوں سے جنھوں نے عورتوں کو قید کر لیا تھا، جنگ کرنے کے لیے سپہ سالار مقرر کیا۔''

لیکن راجہ داہر نے طاقت کے نشہ میں مدہوش اور مسلمانوں کے آپسی نزاع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حجاج کو لکھ بھیجا کہ یہ کام بحری ڈاکوؤں کا ہے اور ان کو گرفتار کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ (۱۶) حجاج بن یوسف نے راجہ داہر کا خشک اور غیر ذمہ دارانہ جواب سن کر خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان سے ہندستان پر ایک بڑی فوجی مہم کی اجازت چاہی؛ لیکن خلیفہ نے اندرون ملک کے حالات کی وجہ سے اجازت نہ

دی۔[۱۷] اوپر مذکورہ خاتون کی فریاد سن کر پوری خلافت اسلامیہ اور مسلمانوں کے اندر ایک طرح کی بے چینی پیدا ہوگئی، خطیبوں نے جم کر تقریریں کیں اور شعراء نے عوام کو جگانے کی خاطر قصیدے لکھے۔(۱۸)

خلیفہ عبدالملک بن مروان کے انکار کے بعد حجاج بن یوسف نے خود اپنے تئیں عبیداللہ بن نبہان سلمی اور بدیل بن طہفہ بجلی کو ایک لشکر کے ساتھ قیدیوں کو چھڑانے کے لیے بھیجا، انھوں نے ڈاکوؤں کو گھیرنے کے لیے نیرون اور دیبل دونوں ساحلی مرکزوں پر فوج کشی کی، لیکن جب داہر کو ''ارو'' میں اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے اپنے بیٹے ''جے سیہ'' کو چار ہزار فوج دے کر مقابلہ کے لیے بھیجا جس کے نتیجے میں دونوں بزرگ شہید ہو گئے، حجاج کو بدیل کی شہادت کی اطلاع ملی تو ان کو بہت افسوس ہوا اور انھوں نے یہ اشعار کہے:

دَعَا الْحَجَّاجَ فَارِسُهُ بُدَيْلٌ
وَقَدْ مَالَ الْعَدُوُّ عَلَى بُدَيْلِ
وَشَمَّرَ ذَيْلَهُ الْحَجَّاجُ لَمَّا
دَعَاهُ اَن يُّشَمِّرَهُ بِذَيْلِ
فَدَيْتُ الْمَالَ لِلْغَارَاتِ حَثْوًا
بِلَا عَدٍّ يُعَدُّ وَلَا بِكَيْلِ (۱۹)

''جس وقت دشمن بدیل کی طرف لپکے، بدیل نے حجاج بن یوسف کو پکارا، جس وقت بدیل نے تیاری کے لیے حجاج کو پکارا تو حجاج نے پوری تیاری کر لی اور اس میں بلا حساب و کتاب مال خرچ کیا۔''

۸۶ھ مطابق ۵-۷۰۴ء میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ان کے بعد ولید بن عبدالملک خلیفہ بنتے ہیں۔ حجاج نے حضرت عبیداللہ اور حضرت بدیل کی شہادت سے ہمت نہ ہاری۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے عرب کی اندرونی حالات کی وجہ سے ہندستان پر ایک بڑی فوجی مہم کی اجازت نہ دی تھی، لیکن ان کے انتقال کے بعد حجاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے اس بڑی فوجی مہم کی اجازت حاصل کر لی اور فیصلہ کن جنگ کے لیے اپنے سترہ سالہ چچازاد بھائی اور داماد[۲۰] محمد بن قاسم ثقفی کو چنا اور خلیفہ ولید بن عبدالملک نے کہا کہ آپ مصارف جنگ سے نہ گھبرائیے، جتنا اس جنگ میں مال خرچ ہوگا اس کا دوگنا لا کر بیت المال میں رکھ دوں گا۔ خلیفہ سے اجازت لینے کے بعد ہر طرح سے فوج کو مسلح کیا حتیٰ کہ سرکہ کو روئی میں ڈبو کر سکھایا تا کہ بوقت ضرورت پانی میں گھول کر کام نکالا جا سکے۔ بری فوج کے علاوہ بحری بیڑے کا بھی نظم کیا۔ فارس میں محمد بن قاسم کی اپنی فوج تھی ہی مزید انھوں نے چھ ہزار

شامی فوج ساتھ کر دی، محمد بن قاسم نے شیراز میں رک کر تمام انتظامات مکمل کیا۔ پھر ۹۲ھ مطابق ۷۱۰-۱۱ء میں افغانستان کے راستے میں مکران کی طرف بڑھے اور اس کو فتح کرنے کے کچھ دنوں بعد ارمائیل کو فتح کیا، (۲۱) پھر چار دن کے بعد رمضان المبارک بروز جمعہ ۹۳ھ مطابق ۷۱۲-۱۱ء دیبل آئے اور اس کو فتح کیا۔ راجہ داہر شکست کھا کر راجہ راسل کے پاس بھاگ آئے، لیکن انھوں نے ان کا یہاں تک پیچھا کیا، آخر کار ایک گھمسان کی جنگ ہوئی، جس میں ایک مسلمان کے ہاتھ سے وہ مارے گئے۔ (۲۲) جب دیبل، ارو، وغیرہ یعنی سندھ فتح ہو گیا تو راجہ داہر کے وزیر ''سسکار'' (Siskar) یا ''سی ساگر'' نے قیدیوں کو دیبل (الور) کے قلعہ سے لا کر محمد بن قاسم کے حوالہ کیا، (۲۳) اس طرح امت کے ایک جواں سالہ نوجوان نے ایک لمبے عرصہ سے مقید اپنی ماں، بہنوں اور بھائیوں کو رہا کرایا۔

اشاعت اسلام

پیچھے یہ بات آ چکی ہے کہ منوواد یت کے علمبرداروں نے بدھ دھرم کو ہندو مذہب میں ضم کر لیا اور ان کی حکومت کا خاتمہ بھی کر دیا۔ بدھ مذہب کو ختم کرنے کے بعد ان کی کھوئی ہوئی عظمت پھر عود کر آ گئی تھی۔ ان کو بہت سی زمین کے قطعات دیئے گئے۔ انھوں نے ذات پات کو خوب ترقی دی تھی، کیوں کہ ان کی عظمت وجلالت، حکومت وسیادت کی بنیاد ہی اسی اونچ ونیچ کے تصور پر ہے، شودروں کی حالت دوبارہ بد سے بدتر ہو گئی تھی۔ Preaching of Islam (پریچنگ آف اسلام) کے مصنف T.W.Arnald (ٹی.ڈبلیو.آرنالڈ) شودروں کی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

> "....in Travancore certain of the lower castes may not come nearer than seventy-four paces to a Brahman, and have to make a grunting noise as they pass along the road, in order to give warning of their approach" (۲۴)

> ''ٹراونکور میں بعض نیچ ذاتوں کے لیے ضروری ہے کہ برہمن سے ۷۴ قدم کے فاصلے پر رہیں اور جب سڑک پر چلیں تو پکارتے چلیں تاکہ لوگوں کو ان کی آمد سے آگاہی ہو۔'' (۲۵)

شمبھورتن ترپاٹھی اپنی کتاب ''بھارتیہ سنسکرتی اور سماج'' (ص: ۱۷۰-۱۷۱) میں لکھتے ہیں:

> ''نایادی'' ذات کا آدمی دو سو ہاتھ کی دوری پر آ جائے تو بھی ناپاک ہو جاتے ہیں۔ اس ناپاکی سے بچنے کے لیے کچھ جگہوں میں اچھوتوں کے لیے کچھ گزرگاہوں پر پابندی لگائی گئی تھی۔'' (۲۶)

شیخ زین الدین معبری متوفی ۹۲۸ھ مطابق ۲۲-۱۵۲۱ء "تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتگالیین" میں اہل ہند کی ذات پات اور رسم و رواج کا نقشہ کھینچتے ہیں:

"إعلَمْ أنّ فِي كفرةِ مليبار عاداتٍ غريبةً ليستْ فِي غيرِها مِنَ الأقطارِ...... وَمِنها أنّهم التزموا بتكليفاتٍ كثيرةٍ لَايَعدِلُونَ عنها لأنّهم مُنقسِمونَ علىٰ أجناسٍ عديدةٍ، مِنهم الأعلىٰ وَالأدنىٰ وَمَا بينهما، وَإذَا وَقعَ التماسّ بينَ الأعلىٰ وَالأدنىٰ، وَكذا القربُ إلىٰ حدٍّ معلومٍ عِندهم بِالنِّسبةِ إلىٰ الدّنيّين فلا بُدّ لِلأعلىٰ مِن الغُسلِ وَلايُجوّزُونَ لهُ أكلَ الطّعامِ قبلَ الغُسلِ فلو أكلهُ قبلهُ إنحطّ عن مرتبةٍ فلا يدخلونَ معهم فِي مرتبتِهم العُليا وَلا خلاصَ لهُ إلّا بالهربِ إلىٰ موضعٍ لايعرفُ أهلُهُ بحالِهِ وَإلّا أخذهُ راعِي البلدِ وَباعهُ لِمَنْ هُوَ أدنىٰ مِنهُ مرتبةً. إنْ كانَ صبيًّا أوْ إمرأةً وَإلّا جاءَ إلينا وَأسلمَ أوْ صارَ جُوكِيًّا(جوغيا) أوْ نصرانيًّا. وَكذا لَايجوزُ لِأعلىٰ أنْ يأكلَ طعامَ طبخةِ الأدنىٰ فإنْ أكلَ يترتّبُ عليهِ ماذُكرَ آنِفاً......وَإذَا وَقعَ الوطئُ بينَ عليٍّ وَدنيٍّ أوْ بِالعكسِ، فينحطُّ العليُّ عنْ مرتبتِهِ، فَلا قرارَ لهُ إلّا بِاحدِ الأمورِ المذكورِ. (۲۷)

"تم جان لو! [سنو] مالا بار کے کفار میں بعض ایسی عجیب وغریب عادات (مراسم) ہیں جو کہ دوسرے علاقوں کے لوگوں میں نہیں پائی جاتیں...... ان میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو بہت سی رسم ورواج کا پابند بنالیا ہے، جن کو وہ کسی صورت میں ترک نہیں کرتے ہیں۔ وہ متعدد طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ، ادنیٰ، متوسط- اگر اعلیٰ ذات کا آدمی ادنیٰ ذات کے آدمی سے چھو جاتا یا اس سے مقررہ حد سے قریب ہو جاتا تو اعلیٰ ذات کے لیے غسل ضروری ہوتا اور وہ لوگ [بڑی ذات والے] بغیر غسل کے اس کے لیے کھانا کھانا جائز قرار نہیں دیتے۔ اگر بغیر غسل کے کھالیتا تو وہ اپنی ذات سے باہر ہو جاتا اور بڑی ذات والے اس کو اپنی ذات میں داخل نہیں کرتے۔ اس کے لیے اس سے خلاصی کا ایک ہی راستہ تھا وہ یہ کہ وہ کسی ایسی نامعلوم جگہ بھاگ جائے جہاں اس کو کوئی نہ جانتا ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو راجہ اس کو پکڑ کر نیچ ذاتوں کے ہاتھوں بیچ دیتا، اگر چہ اس جرم کا مرتکب بچہ اور عورت ہی کیوں نہ ہوں [ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا]۔ اگر وہ بھاگتا نہیں تو مسلمانوں کے پاس آکر اسلام قبول کر لیتا یا جوگی یا نصرانی [عیسائی] بن جاتا۔ اسی طرح اعلیٰ ذات والوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ادنیٰ ذات کے لوگوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا

کھائے اور اگر کھا لیتا تو اس کے اوپر بھی وہی حکم لاگو ہوتا جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے اور اگر اعلیٰ ذات کی عورت اور ادنیٰ ذات کا مرد یا ادنیٰ ذات کی عورت اور اعلیٰ ذات کا مرد زنا کر لے تو اعلیٰ ذات والا [والی] اپنی ذات سے باہر ہو جاتا [ہو جاتی] اور اس کے لیے اس سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہ تھا، سوائے ان راستوں کے جن کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے۔''

جناب محمود علی خاں ''تاریخ جنوبی ہند'' میں تھیونو (Thevenal) سیاح کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مالا بار میں دو قومیں آباد ہیں: ایک نائر، دوسرے پولیے۔ اگر نائر کسی پولیے کے اس قدر قریب ہو جائے کہ اس کی سانس اس تک پہنچ سکے تو نائر سمجھتا ہے کہ وہ ناپاک ہو گیا ہے اور مجبوراً اس پولیے کو قتل کر دیتا ہے۔ اگر وہ نائر اس پولیے کو قتل نہ کرے اور راجہ کو معلوم ہو جائے تو راجہ نائر کو مروا دیتا ہے۔ جب کبھی پولیے گھروں سے باہر کھیت میں نکلتے ہیں تو اس اتفاق سے بچنے کے لیے متواتر پولو پکارتے ہیں کہ نائر موجود ہو تو ہٹ جائے اور جب نائر اس آواز کو سن لیتا ہے تو چلا کر ''کو کو'' کہہ دیتا ہے، اس سے پولیا سمجھ لیتا ہے کہ وہاں نائر موجود ہے اور راستہ چھوڑ کر ہٹ جاتا ہے۔'' (۲۸)

مزید برآں یہ کہ:

''ادنیٰ ذات کے لوگ جوتیاں پہن کر گاؤں میں داخل نہیں ہو سکتے، ان کی عورتوں کو ساڑی کا پلو دائیں ہاتھ کی طرف چھوڑنے کی اجازت نہیں، ساڑی کا پلو دائیں ہاتھ کی طرف صرف اعلیٰ ذات کی ہندو عورتیں چھوڑ سکتی ہیں۔ مالا بار میں یہ بھی رواج ہے کہ نیچ ذات کی عورتیں اپنا سر اور سینہ اونچی ذات والوں کے سامنے چھپا نہیں سکتیں، اس لیے یہ عورتیں صرف ایک کپڑا سینہ سے نیچے باندھتی ہیں۔'' (۲۹)

ہند کے مایہ ناز مورخ ڈاکٹر تارا چند، برہمن راجہ داہر کے باپ راجہ چچ کے متعلق لکھتے ہیں:

''چچ بڑا متعصب راجہ تھا۔ اس نے اپنی رعایا کے بعض فرقوں کے لیے سخت ظالمانہ قانون جاری کیے۔ ان کو ہتھیار باندھ کر چلنے اور ریشمی پوشاک پہننے کی، زین لگا کر گھوڑوں پر بیٹھنے کی قطعی ممانعت تھی، ان کو حکم تھا کہ وہ کتوں کو ساتھ لے کر ننگے سر اور ننگے پاؤں چلیں۔'' (۳۰)

خلاصہ یہ کہ ہندو دھرم کے تصور ذات پات کو بدھ مذہب نے کسی حد تک کم کیا تھا لیکن اس مت کے زوال کے بعد، ذات پات، اونچ نیچ اور چھوا چھوت کا نظام نئے تانے بانے کے ساتھ نمودار ہوا، شودروں پر ہر طرح کے مظالم کو روا رکھا جانے لگا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ

شب ہندی غلاماں را سحر نیست   بایں خاک آفتاب را گزر نیست   (علامہ اقبال)

(ہندستانی غلاموں [شودروں] کی رات [کی] کوئی صبح نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سرزمین پر کبھی سورج نہیں نکلے گا۔)

لیکن جب عرب مسلمان [تاجر] اور مسلمان فاتح اس ملک میں آئے تو انھوں نے اچھوتوں کو گلے لگایا، انسان اور بنی آدم کی اولاد ہونے کے ناطے ان کے ساتھ اسلامی مساوات کا رویہ اپنایا۔ ان کو اپنے یہاں ملازم رکھا۔ جو والدین غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو فروخت کرتے، ان بچوں کو خرید کر اچھی طرح ان کی نشو ونما کرتے، ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے۔ مسلمانوں کے عمدہ رویہ اور اسلامی تعلیمات سے اچھوتوں کا طبقہ بہت متاثر ہوا اور بہت تیزی سے دائرہ اسلام میں شامل ہونے لگا۔ مسلمانوں نے ان کی عورتوں سے شادی کر کے ان کو اور ہی بلند مرتبہ پر فائز کر دیا۔ فتح سندھ کے بعد ہاشمی خاندان کے سینکڑوں لوگ یہاں آئے انھوں نے بھی یہاں کے باشندوں کی عورتوں سے شادی بیاہ کیا۔ موپلا، نوائط، لبّی (Labbas) وغیرہ انھی لوگوں کی اولاد ہیں۔ [۳۱] صرف نیچ قوم کے لوگوں نے ہی اسلام قبول نہیں کیا؛ بلکہ ان لوگوں نے بھی جو ذات پات کی رسم ورواج کی وجہ سے ذرا ذرا سی بات پر ذات سے نکال باہر کیے جاتے تھے، [۳۲] اسلام قبول کیا۔ اور کیوں نہ کرتے؟ ذات سے نکال باہر کیے جانے کے بعد ان کے سامنے تین ہی راستے ہوتے تھے، یا تو وہ کسی نامعلوم جگہ چلا جائے جہاں اس کو کوئی نہ جانتا ہو، یا خودکشی کر لے، [۳۳] یا اسلام قبول کر کے سماجی اور دینی لحاظ سے عزت کا مقام بلند حاصل کر لے۔ ظاہر ہے کہ تینوں راستوں میں سب سے آسان قبول اسلام ہی تھا، اس لیے ذات سے نکالے ہوئے لوگوں نے اس تیسری راہ کو اختیار کیا۔ اس کے ساتھ ہی تبلیغ اسلام میں صالح اولیاء اللہ اور صالح صوفیائے کرام کا بھی بڑا کارنامہ رہا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی اس ضمن میں ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ جنوری ۱۹۲۴ء میں رقم طراز ہیں:

''مالابار اور اس کے اطراف میں جو پرانی قوم آباد ہیں، اس کو نائر کہتے ہیں یہ عام ہندوؤں سے بالکل مختلف ہیں اور ان میں قدیم وحشت و بربریت کے بہت سے اثرات پائے جاتے ہیں اور ان میں کوئی صحیح اور با نظام مذہب ایسا نہ تھا جو اسلام کا مقابلہ کر سکتا۔ ان کو عام برہمن نہایت ذلیل سمجھتے ہیں اور ان سے چھوا چھوت کرتے ہیں، تاریخ ''تحفۃ المجاہدین'' میں ہے کہ ...ایک کنویں سے دوسرا [یعنی شودر و برہمن اور بڑی ذات کے ہندو] پانی نہیں پی سکتا تھا، پاس بیٹھ نہیں سکتا تھا...... الغرض جب مسلمان تاجر ادھر آئے [تو] مظلوم [قوموں] کو اچھا خاصا ایک امن کا سایہ ہاتھ آیا۔ مسلمان تاجروں نے ان کو نوکر رکھا، ان [سے تعلقات] بڑھائے، ان کی عورتوں سے شادیاں کیں۔ نیچ قوم کے لوگ اور نیز

ذات سے خارج لوگوں نے بھاگ بھاگ کر اسلام کے دامن امن میں پناہ لینی شروع کی اور یہی لوگ جب مسلمان ہو کر دوسرے مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل کر لیتے تھے تو دوسرے ہندو بھی اس کی عزت میں کمی نہیں کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر یہاں کی ادنیٰ قوموں کو اور بھی اسلام کی طرف رغبت ہوئی ......اسلام اپنی سادگی مساوات اور حقانیت سے اپنا راستہ خود صاف کرتا چلا گیا......اور نیچ ذات اور معمولی لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرتا ہوا بادشاہوں اور راجاؤں کے دلوں پر قابض ہو گیا......ان عرب تاجروں اور درویشوں کے ہاتھ میں محمود [غزنوی] اور [اورنگ زیب] عالمگیر کی تلوار نہ تھی۔ ان کے ذریعہ جو اشاعت اسلام ان اطراف میں ہوئی اس کے طریقے حسب ذیل تھے:

(۱) عرب تاجروں نے خود آ کر اپنی نو آبادیاں قائم کیں۔ یہاں کی نومسلم عورتوں سے انھوں نے شادیاں کیں۔

(۲) نیچ ذات کے ہندو اور نابرہمن [غیر برہمن] جو برہمنوں کے دباؤ، ظلم اور ترفع اور غرور سے نالاں تھے، انھوں نے اسلام میں آ کر عزت پائی۔

(۳) تاجروں کی فیاضی اور انسانیت نوازی نے غریبوں اور محتاجوں کو اپنے دامن میں پناہ دی۔

(۴) جو لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر اپنی ذات سے خارج کر دیے جاتے تھے، وہ اسلام کی برادری میں داخل ہوتے گئے۔

(۵) بہت سے لوگ اپنے بچوں کو غربت کے مارے عربوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ وہ ان کو لے کر اسلام کی تربیت دے کر اپنی اولاد کی طرح پال پوس کر جوان کرتے تھے۔

(۶) اسلام کی روحانی طاقت کی عجیب وغریب نشانیاں ان کی نگاہوں سے گزریں جس نے ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

(۷) ''علماء اور درویشوں نے اپنی روحانی کشش کے جلوے بھی دکھائے۔''(۴۴)

شیخ محمد اکرام نے اپنی تالیف ''آب کوثر'' میں صفحہ ۱۹۶ سے صفحہ ۲۸۵ تک اشاعت اسلام اور اس کے علل ووجوہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور اس بحث کا اختتام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس قدرتی نشوونما کے علاوہ اسلام کی توسیع کا ایک بہت بڑا سبب اسلامی مساوات تھی جو بالخصوص نیچ ذاتوں کے لیے آزادی اور ترقی کا پیغام تھی......اگر نیچ ذاتوں کے ان افراد کی فہرست مرتب کی جائے جو اسلام لانے کے بعد فوجوں کے سردار یا صوبوں کے حاکم ہوئے اور جن کی اصلی ذات طویل فارسی خطابوں اور ناموں میں چھپ گئی ہے تو اسلام کی اشاعت

کی ایک اور اہم وجہ معلوم ہو جائے گی۔" (۳۵)

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے غیر مسلم بھی قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ "وَالْحَقُّ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ" (حق تو وہ ہے جس کی شہادت دشمن بھی دے۔) سر ایڈورڈ میکلیگن نے مختلف قبائل کی نسبت جو تفصیلات دی ہے، ان پر مسٹر بورن اور مسٹر ڈیس نے، جنھوں نے منٹگری کا گزیٹر مرتب کیا ہے۔ بعض باتوں کا اضافہ کیا ہے، جن سے اسلام کی اچھائیوں اور مساوات انسانی پر روشنی پڑتی ہے، اس گزیٹر کی رپورٹ میں اچھوت ذاتوں کے سلسلہ میں درج ہے:

> "مسلی اگر چہ اب کی مردم شماری سے اچھوت قوم میں شمار نہیں ہوتے، لیکن ان کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا کیوں کہ ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ہندو چوہڑے تھے جو مسلمان بن کر مسلی بن گئے۔ ان کی تعداد اس ضلع میں ۴۶ ہزار سے زیادہ ہے، دیہات میں تو وہ خاک روبی اور کھیتوں میں مزدوری کرتے ہیں لیکن شہروں میں وہ مختلف اقسام کے کئی پیشے، جنھیں ہندو چوہڑے اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ اختیار کر لیتے ہیں اور یہ جولاہوں، باورچیوں بھشتیوں، رنگ سازوں کا کام بھی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ چوہڑے اور اس طرح کے دوسرے پس ماندہ طبقے جن پر ہندو ہونے کی صورت میں ذلیل ترین پیشوں کے علاوہ باقی سب اقتصادی دروازے بند تھے، مسلمان ہو کر تمدنی لحاظ سے اس طرح ترقی کر سکتے تھے تو پھر ان کے لیے مسلمان ہونا کس قدر آسان اور دنیوی نقطۂ نظر سے بھی کس قدر مفید ہوگا"۔ (۳۶)

بنگال میں صالح صوفیوں کے ذریعہ تو اسلام پھیلا ہی؛ لیکن ان لوگوں کی کوشش سے زیادہ اشاعت اسلام کا سبب، اسلام کا تصور مساوات بنا۔ ایک غیر مسلم انگریز مورخ ٹی. ڈبلیو. آرنلڈ (T.W.Arnald) بنگال میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں Sir W.W.Hunter کی کتاب The Religions of India اور ایک دوسری کتاب Wise(p.32) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

> "To these poor people,fishermen ,hunters pirates, and low-caste tillers of the soil, Islam came as a revelation from on high .It was the creed of the ruling race, its missionaries were men of zeal who brought the Gospel of the unity of God and the equality of men in its sight to a despised and neglected population.....It brought in a higher conception of God,and a nobler idea of the brotherhood of man. It offered to the teeming low castes of Bengal,who had sat for ages abject on the outermost pale of the Hindu Community. a free entrance into a new social organisation.(۳۷)

”ان مفلس لوگوں کے لیے جن میں ماہی گیر، شکاری، سمندری ڈاکو اور نیچ ذات کے کاشتکار شامل تھے، اسلام ایک نعمت عظمیٰ تھی جو ان پر عرش بریں سے اتری۔ اسلام حکمراں قوم کا مذہب تھا اور اس کے پر جوش مبلغ خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا مژدہ لے کر ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جس کو سب لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے اور جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا ......اسلام نے ان کو خدا کی ذات کا ایک اعلیٰ تصور دیا۔ انسانی اخوت اور مساوات کے ایک اشرف تخیل سے آشنا کیا۔ بنگال میں نیچ ذات کے لاکھوں آدمی صدیوں سے ہندو سماج کے رحم و کرم پر ذلت و خواری کے دن کاٹ رہے تھے (بلکہ اس سے تقریباً خارج تھے) لیکن اسلام نے ان کے لیے ایک نئے معاشرے میں داخل ہونے کا راستہ کھول دیا۔“ (۳۸)

وہ مزید رقم طراز ہیں:

"It is this absence of class prejudices which constitutes the real strength of Islam in India, and enables it to win so may converts from Hinduism."(۳۹)

”اسلام ذات پات کی تمیز اور طبقاتی منافرت کو روا نہیں رکھتا، ہندستان میں اسلام کو اسی بات سے حقیقی قوت حاصل ہوئی ہے اور اسی کی بدولت اس نے ہندوؤں کو اس کثرت سے اپنا حلقہ بگوش بنایا۔“ (۴۰)

اس سلسلہ میں جواہر لال نہرو صاحب رقم طراز ہیں:

"The impact of the invaders from the north-west and of Islam on India had been considerable. It had pointed out and shown up the abuses that had crept into Hindu society -the petrifaction of caste, untouchability, exclusiveness, carried to fantastic lengths. This idea of brotherhood of Islam and of the theoretical equality of its adherents made a powerful appeal, especially to those in the Hindu fold who were denied any semblance of equal treatments. From this ideological impact grew up various movements aiming at a religious synthesis. Many conversions also took place but the great majority of these were from the lower castes, especially in Bengal. Some individuals belonging to the higher castes also adopted the new faith, either because of a real change of belief or more often, for political and economic reasons. There were obvious advantages in accepting the religion of the ruling power."(41)

”شمالی مغرب سے آنے والے حملہ آوروں اور اسلام کی آمد ہندستان کی تاریخ میں کافی

اہمیت رکھتی ہے۔ اس نے ان خرابیوں کو جو ہندو سماج میں پیدا ہوگئی تھیں یعنی ذات کی تفریق، چھوت چھات اور انتہا درجہ کی خلوت پسندی کو بالکل آشکارا کردیا۔ اسلام کے اخوت کے نظریے اور مسلمانوں کے نظری مساوات نے ہندوؤں کے ذہن پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ خصوصاً وہ لوگ جو ہندو سماج میں برابری کے حقوق سے محروم تھے، اس سے بہت متاثر ہوئے۔ اس نظریاتی اثر کی وجہ سے مذہبی عنصر کو ہدف بناتے ہوئے بہت سی تحریکات پیدا ہوئیں۔ بہت سے لوگوں نے اسلام قبول بھی کیا، لیکن ان کی بڑی اکثریت نیچ ذاتوں خاص طور سے بنگال کی نیچ ذاتوں کے لوگوں کی تھی۔ اونچی ذاتوں کے بعض اشخاص نے بھی اس نئے مذہب [اسلام] کو قبول کیا، [لیکن] یا تو ان کا مقصد عقیدہ کی حقیقی تبدیلی تھی یا عام طور سے سیاسی اور معاشی وجوہات کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا۔ حکمراں طبقہ کے مذہب کو قبول کرنے میں واضح فوائد موجود تھے۔‘‘

حواشی

(۱) سورۃ اخلاص: آیت: ۱

(۲) سورۃ الحجرات: آیت: ۱۳

(۳) امام احمد بن حنبل: المسند، ۴۱۱/۵۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھیے: امام ابن قیم الجوزیۃ: المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ص: ۱۶۲، امام ابن قیم الجوزیۃ: زاد المعاد فی ھدیۃ خیر العباد۔ فی حکمہ ﷺ فی الکفاءۃ فی النکاح۔ ۱۵۸/۵ حاشیہ

(۴) محمد بن جریر الطبری: تاریخ الرسل والملوک (تاریخ الطبری) العنوان: فتح مکران ۱۸۱/۴۔۱۸۲۔ تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم۔

(۵) امام شہاب الدین یاقوت حموی: معجم البلدان، ب۔ بروج ۱/۴۰۴

(۶) امام احمد البلاذری: فتوح البلدان، باب: فتوح السند ۱/۵/۲۰۷

(۷) حکم بن عمرو التغلبی کے قاصد: ’’صحار العبدی‘‘ نے ہندستان کے متعلق جو خبر حضرت عمرؓ کو دی تھی وہ یہ ہے:

"یا امیر المؤمنین! أرضٌ سَهلُها جبلٌ وماءُها وشَلٌ وتمرُها دقلٌ، وعدوُّها بطلٌ وخيرُها قليلٌ وشرُّها طويلٌ، والكثير بها قليلٌ والقليلُ بها ضائعٌ، وماوراءَها شرٌّ منها"

(تاریخ الرسل والملوک، باب: فتح مکران ۱۸۲/۴)

’’اے امیر المومنین! وہ ایک ایسی سرزمین ہے جس کے نشیبی علاقے بھی پہاڑی کے مانند ہیں اور وہاں پانی بہت کم ہے اور اس کی کھجوریں بھی اچھی نہیں ہیں اور وہاں جو دشمن ہیں وہ بہادر ہیں، وہاں بھلائی کم اور برائی

زیادہ ہے، اگر وہاں بڑی فوج بھیجی جائے تو کم ہو جائے اور اگر چھوٹی فوج بھیجی جائے تو ضائع ہو جائے اور ہندستان کے آگے جو علاقے ہیں وہ تو اور ہی برے ہیں۔"

(۸) مولانا قاضی اطہر مبارک پوری: خلافت بنوامیہ اور ہندستان، عنوان: علاقہ ہند کی پہلی فتح ارمائیل، ص:۵۴

(۹) حوالہ سابق، عنوان: دوار کی فتح، ص:۶۵

(۱۰) عرب ہند کے تعلقات، محولہ بالا، ص:۱۳-۱۴، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی: ہندستان کی کہانی، ص:۵، مولانا سید ابوظفر ندوی: مختصر تاریخ ہند، عنوان: سندھ پر عربوں کی حکومت، ص:۳۳

(۱۱) امام احمد الیعقوبی: تاریخ الیعقوبی –باب ایام عبدالملك بن مروان، ۲۸/۳، امام عزالدین ابوالحسن علی المعروف بابن الاثیر: الکامل فی التاریخ، باب ۷۵، ثم دخلت سنة خمس وسبعین ۳۸۰/٤، امام عبدالرحمن ابن خلدون: التاریخ (کتاب العبر و دیوان المبتدا و الخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن معاصرهم من ذوی السلطان الاکبر) باب ولایة الحجاج علی العراق ۹٤/۳، فتوح البلدان –باب فتوح السند ۶۰۷/۵/۱

(۱۲) خلافت بنوامیہ اور ہندستان–محولہ بالا عنوان: مجاعہ بن سعر کے ہاتھوں علافیوں کی سورش کا خاتمہ ص:۹۳-۹۴

(۱۳) "دیبل" موجودہ کراچی (پاکستان) سے تھوڑی دور مملکت سندھ کی بڑی بندرگاہ تھی۔ (شیخ محمد اکرام: آب کوثر–باب العرب والہند و پاکستان–قدیم تعلقات، عنوان: فتح سندھ، ص:۱۳

(۱۴) مسلمانوں کی کشتیاں کس نے لوٹیں؟

محمد قاسم فرشتہ نے "مید" لوگوں اور بحری ڈاکوؤں کے بجائے لکھا ہے کہ:

"جب یہ کشتیاں عجم کی نواح میں پہنچیں تو "لومک" کے ان باشندوں نے جو حاکم دیبل کے حکم سے سمندر میں گشت لگایا کرتے تھے ان کشتیوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔"

(محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، باب: سندھ میں اسلام کی ترویج و اشاعت، عنوان: راجہ سراندیپ کی اسلام دوستی ۸۸۵/۲-۸۸۶، اردو ترجمہ: عبدالحئی خواجہ)

ظاہر ہے کہ حاکم دیبل راجہ داہر کا گورنر تھا۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی رقم طراز ہیں کہ:

"بحری ڈاکوؤں کو پرتگیزوں کے بحر ہند میں آنے سے پہلے کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ نہ بحر عرب میں پہلی صدی ہجری کے اندر کسی بحری ڈاکہ زنی کا کہیں ذکر آتا ہے، نہ اس زمانے میں یہ ممکن تھا کہ محض ڈاکو جو کسی سلطنت کے ملازم نہ ہوں اتنا بڑا اور طاقتور جہازوں کا بیڑا لیے ہوئے سمندر میں گھومتے پھریں کہ نہ صرف ایک جہاز، بلکہ آٹھ جہازوں کے بیڑے کو آسانی مغلوب کر سکیں۔ یہ بحری ڈاکوؤں کی کہانی بارہویں صدی عیسوی کے بعد کی ایجاد ہے، اگر اس کہانی کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو وہ عورتیں اور بچے جوان جہازوں پر سے قید کیے گئے تھے دارالسلطنت الور کے قید خانے سے برآمد ہوئے۔"

(آئینہ حقیقت نما محولہ بالا، باب اول، عنوان: حجاج بن یوسف کی درخواست اور داہر کا مغرورانہ رویہ ۱۱۰/۱/۱

(۱۵) خلافت بنوامیہ اور ہندستان–محولہ بالا، ص:۹۶

(۱۶) راجہ داہر کا جواب

فرشتہ نے راجہ داہر کا جواب یوں نقل کیا ہے کہ:

''جن لوگوں نے یہ جرم کیا ہے، ان کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ اس لیے میں ان کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ تمام لوٹا ہوا مال واپس کر دیں اور مسلمان قیدی عورتوں کو رہا کر دیں۔''

(تاریخ فرشتہ محولہ بالا باب: سندھ میں اسلام کی ترویج و اشاعت، عنوان: راجہ داہر کے نام حجاج کا خط اور اس کا جواب ۲/۸۸۶)

راجہ داہر کی بات مناسب نہیں ہے، کیوں کہ جہازوں کے مسافر قیدی، حجاج کا خط راجہ داہر کے پاس پہونچنے سے پہلے دارالسلطنت الور (دیبل) میں پہنچے ہوئے جیل خانہ میں موجود تھے۔ جب محمد بن قاسم نے الور (دیبل) کو فتح کیا تو راجہ داہر کے وزیر ''سسکار (Siskar) یا سی ساگر'' نے ان قیدیوں کو اپنی زیر حفاظت رکھا اور جب قلعہ راور سے جے سیہ کے ہمراہ برہمن آباد آیا تو ان قیدیوں کو بھی اپنے ساتھ لایا۔ جب اس کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ محمد بن قاسم برہمن آباد کو بھی فتح کر لیں گے تو اس نے ان کو لکھ بھیجا کہ اگر آپ مجھے امان نامہ لکھ دیں تو مسلمان قیدیوں کو آپ کے حوالے کر دوں گا۔ انھوں نے فوراً اس کے لیے امان نامہ لکھ دیا اور جب اسلامی لشکر برہمن آباد کے قریب پہنچا تو وہ وزیر چپکے سے مع مسلمان قیدیوں کے برہمن آباد سے نکل کر ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ نیز جب عبیداللہ اور بدیل نے دیبل پر حملہ کیا تاکہ مسلم قیدیوں کو ڈاکوؤں سے رہا کرائے تو راجہ نے اپنے بیٹے کو فوج دے کر بھیجا، جس کی وجہ سے ان دونوں بزرگوں کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ ان واقعات سے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تمام چیزیں راجہ داہر ہی کے اشارے پر ہوئیں۔

(آئینہ حقیقت نما محولہ بالا، باب اول، عنوان: سندھ پر حملہ ۱/۱/۱۱۱-۱۲۴، آب کوثر، محولہ بالا، باب: العرب والہند و پاکستان-قدیم تعلقات-عنوان: فتح سندھ، ص: ۲۳-۲۴

(۱۷) معجم البلدان ۸/۲۰۲، بحوالہ: مولانا قاضی اطہر مبارک پوری: خلافت بنی امیہ اور ہندستان-عنوان: ڈاکوؤں کا اسلامی جہاز اور مسلم خواتین پر یلغار اور داہر کی پشت پناہی ۹۶-۹۷،

(۱۸) خلافت بنو امیہ اور ہندستان، محولہ بالا، ص: ۹۶-۹۷

(۱۹) حوالہ سابق، ص: ۱۰۰

(۲۰) عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ محمد بن قاسم، حجاج بن یوسف کے چچازاد بھائی اور داماد تھے نیز سندھ پر حملہ کرتے وقت ان کی عمر سترہ سال کی تھی۔ لیکن عظیم تاریخ داں مولانا قاضی اطہر مبارک پوری ان تمام باتوں کا رد کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ تو لکھا ہے کہ محمد بن قاسم، حجاج بن یوسف کے حقیقی چچازاد بھائی نہیں ہیں، البتہ رشتے اور خاندان میں چچازاد بھائی ضرور ہیں، مگر وہ محمد بن قاسم کو حجاج بن یوسف کے داماد ہونے اور حملہ کے وقت ان کی عمر سترہ سال ہونے کا رد کرتے ہیں۔ (مولانا قاضی اطہر مبارک پوری: اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، ص: ۹۷، ۱۰۷، حاشیہ: ۱، ناشر: ندوۃ المصنفین دہلی، بحوالہ: آئینہ حقیقت نما محولہ بالا-باب اول، عنوان: محمد بن قاسم کی سندھ کی جانب روانگی ۱/۱/۱۱۳

(۲۱) تاریخ یعقوبی، المذکورہ اعلاہ باب: ایام الولید بن عبدالملک ۳/۳۴

(۲۲) فتوح البلدان، المذکورہ اعلاہ باب: فتوح السند ۱/۵/۶۱۵

(۲۳) اس کی تفصیلات پیچھے حاشیہ میں گزر چکی ہیں۔

(۲۴) T.W.Arnald:Preaching of Islam.Ch.ix.The Spread of Islam in India p.269

(۲۵) Preaching of Islam.op.cit–اردو ترجمہ: ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ: دعوت اسلام، باب نہم: ہندستان میں اشاعت اسلام ص: ۲۶۸

(۲۶) दलित समस्या जड़ में कौन? op.cit अध्याय:2, अलगाव बिन्दु: अस्पृश्यता का अभिशाप पृ०: 64

(۲۷) الشیخ زین الدین المعبری: تحفة المجاهدين في بعض أخبار البرتغاليين – القسم الثالث في ذكر نبذة يسيرة من عادات كفر مليبار الغربية ص: ۱۸–۲۱

(۲۸) تاریخ جنوبی ہند – عنوان: جنوبی ہند میں اسلام، ص: ۵۷–۵۸

(۲۹) حوالہ سابق، ص: ۵۸

(۳۰) اہل ہند کی مختصر تاریخ – محولہ بالا، باب چہارم عہد وسطی، عنوان: عہد وسطی کا پہلا دور – راجپوت سلطنتوں کا رواج – فتوحات ص: ۱۵۱

(۳۱) آب کوثر محولہ بالا، ص: ۴۱، تاریخ جنوبی ہند محولہ بالا، ص: ۵۸–۵۹

(۳۲) ''جاتکیہ'' میں ہے کہ سولہ ہزار برہمن اس وجہ سے کہ انھوں نے لاعلمی میں وہ کھانا کھالیا جو کسی چنڈال کے چھوڑے ہوے کھانے سے مس ہونے کے باعث نجس ہو گیا تھا، اپنی ذات سے محروم ہو گئے' جاتکیہ (۶) ۳۶۷ بحوالہ: قدیم ہندستان میں شودر محولہ بالا، ص: ۱۴۸

(۳۳) ''جاتکیہ میں ایک برہمن کی ایسی مثال بھی ہے، جس نے بھوک کی حالت میں کسی چنڈال کا چھوڑا ہو کھانا کھالیا اور پھر اپنی پچھلی ذات کے لوگوں کے طعنوں سے بچنے کے لیے خودکشی کرلی۔''

(جاتکیہ (۳) ۸۲–۸۴، بحوالہ: قدیم ہندستان میں شودر محولہ بالا، ص: ۱۴۸)

(۳۴) ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ – جنوری ۱۹۲۴ء جلد: ۱۳، شمارہ: ۱، عنوان: ہندستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی۔ از: علامہ سید سلیمان ندوی ص: ۱۳–۱۴، ۳۰

(۳۵) آب کوثر، ص: ۳۸۵

(۳۶) حوالہ سابق – باب: مغربی پنجاب میں اشاعت اسلام، ص: ۲۸۹–۲۹۰

(۳۷) The preaching of Islam, op. cit. Topic: In Bengal, Pp.279-80

(۳۸) دعوت اسلام، محولہ بالا، عنوان: بنگال میں اسلام کی اشاعت، ص: ۲۷۷

(۳۹) The Preaching of Islam, op. cit. Topic: Circumstances Facilitating the Progress Islam:the oppressiveness of Hindu caste system, p.291

(۴۰) دعوت اسلام محولہ بالا، عنوان: بنگال میں اسلام کی اشاعت، ص: ۲۸۸

(۴۱) Nehru, Jawaharlal, The Discovery of India, ch.vi, New Problems, Topic: Development of a Common culture, p.265.

باب چہارم

مسلم دور حکومت میں ذات پات کی جدوجہد

اسلام اپنے فلسفۂ مساوات انسانی کی وجہ سے ہندستان کے اندر دن بدن ترقی کرتا رہا، لیکن اس کی مساوات منووادیت کے علمبرداروں کو ذرا بھی نہ بھائی، کیوں کہ سماج میں ان کا نفوذ چھوا چھوت پر مبنی نظام کے ذریعہ تھا، اب ان کو اپنا اونچ نیچ پر قائم شیش محل منہدم ہوتا ہوا نظر آیا؛ چناں چہ ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر ہندو مذہب کو زندہ کرنے کے لیے نئے سرے سے کام نہیں کیا گیا اور اشاعت اسلام کو روکنے کے لیے مہم نہیں چلائی گئی، تو ہندو مت ہندستان کی سرزمین سے ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا۔ چناں چہ اسلامی لہر کو دفع کرنے کے لیے انھوں نے کئی ایک طریقے اختیار کیے۔

مسلمانوں کی اونچ نیچ میں تقسیم

چوں کہ مسلمان بہادر، دلیر اور نڈر تھے، ان کی حکومت جینیوں اور بدھوں کی طرح محدود نہیں تھی، بلکہ دنیا کے تقریباً اکثر خطوں پر ان کا قبضہ تھا، ان کے اندر اخوت و بھائی چارگی تھی، ایک مسلمان کے درد کو دوسرا مسلمان محسوس کرتا تھا، دنیا کے کسی خطہ میں ایک بھی مسلمان پر زیادتی ہوتی تو دنیا کے تمام مسلمان یہ محسوس کرتے کہ ان پر ہی ظلم ہوا ہے اور وہ اس کا بدلہ ضرور لیتے۔ سندھ پر بھی حملہ چند مسلم بہنوں اور مسلم بھائیوں کی بے حرمتی کے نتیجہ میں ہوا تھا، جس کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے۔ برہمنیت کے علمبردار اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے، اس لیے وہ جینیوں اور بدھوں کی طرح مسلمانوں کا قتل عام کرنے کی سوچ بھی نہیں سکتے تھے، لہذا انھوں نے ''اسلام کا بھارتی کرن'' کرنے کی سازش کی اور وہ سازش یہ تھی کہ مسلمانوں کے اندر بھی ذات پات پر مبنی کش مکش پیدا کرادی جائے۔ چناں چہ اس کے لیے انھوں نے بھرپور کوشش کی تاکہ اشاعت اسلام کا سرچشمہ خشک ہو کر رہ جائے، لیکن وہ سچے مسلمان تھے، ان کے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان مساوات کی رمق باقی ہی نہیں؛ بلکہ رواں دواں تھی، اس لیے انھوں نے اس قباحت کو اپنے نزدیک پھٹکنے بھی نہیں دیا۔ (۱)

مسلمانوں کو ملیچھ قرار دینا

جب برہمنیت کو اپنی سازش میں منہ کی کھانی پڑی تو وہ چولا بدل کر مسلمانوں سے اپنی سیاسی و مذہبی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے میدان میں آئی۔ اب اس نے نفرت کا دروازہ کھولا تاکہ جب یہاں

کے باشندوں کے قلوب اہل اسلام کے سلسلے میں نفرت وکراہت بغض وعناد سے بھر جائیں گے تو وہ خود بخود اسلام قبول کرنے سے رک جائیں گے۔انھوں نے اپنے معاشرہ کو چار خانوں میں بانٹ رکھا تھا، اپنے علاوہ تمام کو وہ رذیل وکمین سمجھتے تھے۔انھوں نے مسلمانوں کے لیے پانچواں ورن 'ملیچھ' یعنی ناپاک طبقہ کا انتخاب کیا۔ چناں چہ السٹریٹیڈ ویکلی (Illustrated weekly) کے مضمون نگار مسٹر آر.جی.کے. (R.K.G) کے مطابق [مفروضہ] اونچی ذاتوں کے ہندو اپنے مذہبی تقدس کی وجہ سے عیسائیوں اور مسلمانوں کو آج بھی ملیچھ سمجھتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

> "Caste Hindus, because their of obsesson with purity, could not in any case have much social inter- course with either of them (Christian and Muslim). Indeed, many of them tended to regard Muslims and Europeans,as Mlechchss." (۲)

> ''ہندو برادری [خود ساختہ بڑی ذاتوں کے ہندو] کبھی بھی کرسچین [عیسائیوں] اور مسلمان سے مل جل کر نہیں رہ سکتے ہیں۔کیوں کہ وہ اپنے غلط عقیدے کی وجہ سے اپنے کو سب سے زیادہ پاک اور طاہر سمجھتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مسلمانوں اور یورپینوں کو ملیچھ [ناپاک] سمجھتے ہیں۔''

چوں کہ اس وقت مسلمانوں کی حکومت تھی، اس لیے برہمنیت اور منوواد یت نے کھلے عام اس کا اعلان نہیں کیا، بلکہ اپنے سادھوؤں اور بھکشوؤں کے ذریعہ ملک کے گوشے گوشے میں یہ پیغام پہنچادیا کہ مسلمان ملیچھ (ناپاک) ہیں، یہی وجہ تھی کہ پورے برصغیر میں دلتوں کے علاوہ ہندومت کے پس کردہ اقوام کے لوگ بھی مسلمانوں کے ہاتھ کا چھوا ہوا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ان سے مس کیا ہوا پانی نہیں پیتے تھے۔ جس کنویں سے مسلمان پانی نکالتے تھے،اس سے پانی نہیں نکالتے تھے۔جب تک کوئی مسلمان کنویں کے منڈیر پر کھڑا رہتا تھا اس وقت تک اس سے پانی بھرنا گناہ سمجھتے تھے۔اگر مٹی کا برتن مسلمانوں سے چھوجاتا تھا تو اس کو توڑ دیا جاتا تھا اور جس علاقہ میں مسلمان کم اور کمزور ہوتے تھے وہاں اس برتن کی قیمت بھی وصول کی جاتی تھی اور یہ منظر آج بھی برصغیر کے بعض دیہاتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

برہمنت کے علمبرداروں کی عیاری اور شطرنجی چالوں کی داد دینی پڑتی ہے،اس جماعت نے مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جراثیم کو زندہ رکھنے اور پروان چڑھانے میں کبھی کوئی کسر نہ چھوڑی اور یہ کام ہر دور میں کرتی رہی ہے اور آج بھی کر رہی ہے۔اس کے لیے ان کو تاریخی حقائق کا خون کرنے اور اپنے علمی کارناموں کو بھی داغدار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تب بھی اس میں کچھ دریغ نہیں کرتی۔ بدھ

مذہب کے تنزل کی زندہ مثال موجود ہے۔ پیچھے آر ایس ایس کے سنچا لک گرو گولوالکر جی اور مشہور مورخ وی.ڈی مہاجن جی اور دوسرے مصنفین کے حوالوں سے یہ بتایا جاچکا ہے کہ بدھ مذہب کا خاتمہ منوواد یت کے علمبرداروں نے کس طرح کیا؛ لیکن جب ان کو مسلمانوں کے خلاف نفرت کی دیوار کھڑی کرنی ہوئی تو انھوں نے بدھ مذہب کے بھکشوؤں کے قتل عام اور اس کے انحطاط کا سہرا بڑی عیاری سے مسلمانوں کے سروں پر باندھ دیا۔ چناں چہ وی. ڈی. مہاجن اپنی کتاب (Ancient India) کے ص:۶۰ پر بڑے ہی منطقیانہ انداز میں اعتراف کرتے ہیں کہ جین مت اور بدھ مت کے زوال کے ذمہ دار برہمن ہیں جیسا کہ باب دوم میں پیچھے گزر چکا ہے؛ لیکن وہ ص:۱۹۲ پر بدھ مذہب کے زوال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> (5) The Muslim's conquest of India gave a death- blow to Budhism in this country. The Muslims were great inconoclests and hated those who worshipped images. The Buthists had no military traditions of martial sprit to resist the attacks of the Muslims. Under the circumstances, many of the Budhists were slaugtered, some of them embraced Islam and the others ran away to hill states in the north". (۳)

> ''ہندستان پر مسلمانوں کی فتح نے بدھ مذہب کو اس ملک میں موت کی آغوش میں سلا دیا۔ مسلمان زبردست بت شکن تھے اور بت پرستوں سے نفرت کرتے تھے۔ بدھ مذہب کے ماننے والوں میں مسلمانوں کے حملوں کو پسپا کرنے کے لیے کسی قسم کا جارحانہ عسکری جذبہ اور روایات نہیں تھیں۔ ان حالات میں لاتعداد بدھوں کا قتل عام ہوگیا، ان میں سے کچھ نے اسلام قبول کرلیا اور باقی شمال کی پہاڑی علاقوں میں بھاگ گئے۔''

بدھ مذہب کے زوال کا معاملہ قبل مسیح یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ اسلام ساتویں صدی یعنی عیسیٰ کی پیدائش کے سات سو سال بعد ہندستان میں آیا اور مسلمان صدیوں بعد ہندستان کے شمالی حصہ میں داخل ہوئے۔ یعنی بدھوں کے قتل عام کے وقت مسلمانوں کا وجود بھی نہیں تھا؛ لیکن غور کیجیے کہ اس مذہب کے انحطاط کا سبب مسلمانوں کو ٹھہرایا گیا ہے۔ حالاں کہ یہی مورخ یہ بھی کہتے ہیں:

> ''بدھ مذہب الحادی مذہب ہے جو کسی خدا کو نہیں مانتا، ان کے یہاں اوتار کا بھی کوئی تصور نہیں ہے۔ وہ ویدوں کے تقدس کے بھی منکر ہیں اور مورتی پوجا کی بھی اس مذہب میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بدھوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لیے ہندوؤں نے بدھ کا سب سے بڑا مجسمہ بنا کر اس کی پرستش کرنی شروع کی، انھی نے بدھ مذہب کو ہندو مذہب کی ایک

شکل قرار دینے کی کوشش کی اور انھی نے خدا کا انکار کرنے والے گوتم بدھ کو خدا بنایا اور بدھوں کو مذہبی رشوت کے طور پر گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ اس طرح بدھ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے اور مستقبل کے ممکنہ خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے خود ہندو مذہب کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔''(۴)

جب بدھ مذہب کے یہاں خدا کا تصور نہیں اور نہ ہی وہ مورتی پوجا کے قائل ہیں اور نہ ان کے اندر فوجی صلاحیت ہے تو مسلمانوں کا ان سے نفرت کرنے کا کیا سوال؟ بالفرض اگر مسلمانوں نے بت پرستی کی بنا پر بدھوں کا قتل عام کیا تھا تو سب سے زیادہ قتل عام ہندوؤں کا ہونا چاہیے تھا۔ کیوں کہ مسلمانوں نے انھی سے حکومت چھینی تھی اور یہی سب سے زیادہ بت پرست تھے اور آج بھی ہیں۔

اچھوت قوم (جس کو برہمنیت دنیا کی سب سے گندی، ارذل اور نجس قوم کہتی ہے) کے عظیم ہیرو شیواجی ہمیشہ برہمنیت کی سازشوں کے شکار رہے۔ ان کو اچھوت کہا گیا، ان کے راجہ ہونے کی بات کا مذاق اڑایا گیا، تنگ آ کر جب انھوں نے تاج پوشی کی رسم ادا کرنی چاہی تو اس وقت بھی اس نے ٹانگ اڑایا کہ شودر ہو کر شیواجی راجہ کیسے بن سکتا ہے؟ چناں چہ جب انھوں نے راج تلک کے لیے برہمن تلاش کیا تو پورے ہندستان میں ایک بھی برہمن ان کے راج تلک کے لیے تیار نہ ہوا۔ آخر میں بنارس کے ایک برہمن ''گاگا بھٹ'' نے نو کروڑ روپئے کے عوض میں ان کا راج تلک کیا؛ لیکن ہاتھ کے انگوٹھے سے تلک نہ لگا کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے ان کو تلک لگایا۔ بنارس واپس آنے کے بعد ''گاگا بھٹ'' نے ''گاگ بھٹی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں اپنے کیے پر برہمن سماج سے معافی مانگی اور کہا کہ مجھے پیسے کی ضرورت تھی اس لیے میں نے ایسا کیا؛ لیکن پھر بھی میں نے برہمن دھرم کی خلاف ورزی (توہین) نہیں کی۔ کیوں کہ میں نے ایک شودر راجہ کا راج تلک اپنے ہاتھ کے انگوٹھے سے کرنے کے بجائے اپنے پیر کے انگوٹھے سے کی؛ لیکن برہمنوں نے ایک شودر کا راج تلک کرنے کی وجہ سے اس کا بائیکاٹ کردیا اور آخر میں قتل بھی کرادیا۔(۵)

برہمنیت نے اسی پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ شیواجی کی اولاد کی خصلت اور اخلاق کو اتنا بگاڑ ڈالا کہ شیواجی کا بیٹا چال چلن میں [illegible] ہوگیا اور آخر کار ۱۶۸۰ء میں ان کو جان دینی پڑی۔ ان کی موت پر سب سے اچھا تبصرہ ان کے سب سے بڑے دشمن اورنگ زیب نے یوں پیش کیا:

''ایک غیر معمولی انسان نے ایک نئی حکومت ایسے وقت میں قائم کی جب کہ اس کے چاروں طرف پچھلی صدیوں سے پرانی حکومتوں کو میں تباہ کر رہا تھا۔''

ان کی موت کے بعد ان کے برہمن وزیر اعظم (پیشوا) نے ان کی حکومت ہڑپ کر لی اور ان کے وارثوں کو دور دراز مقام پر بھیج دیا۔ ایک صدی بعد جب مراٹھوں کی آنکھیں کھلیں اور حق طلبی کا مطالبہ کیا تو برہمن پیشواؤں نے احمد شاہ ابدالی کے خلاف مورچہ بندی کر دی اور ڈیڑھ سو مسلمان، مراٹھا سردار اور تین لاکھ مراٹھا اور مسلمان فوج کو احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں پانی پت کے میدان میں ۱۷۶۱ء میں کٹوادیے اور لاشوں کے انبار چھوڑ کر میدان جنگ سے رفو چکر ہو گئے اور اپنی جان بچالی۔ اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے شیواجی کو ہندوؤں کا محافظ اور مسلمان کا دشمن کے افسانے گھڑ دیے، برہمنیت کی چالوں کا شکار شیواجی برہمنی قوتوں کا محبوب بن گئے اور آج شودر مراٹھا، نازی اور ہندوتو کی علمبردار شیوسینا کے بارود بن چکے ہیں۔ (۶)

حالاں کہ برہمنیت نے کبھی بھی شیواجی اور ان کی قوم شودر مراٹھا کو عزت کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ چناں چہ شیواجی کے پٹی داروں میں ''شولاپور'' کے ''شاہو مہاراج'' ایک راجہ گزرے ہیں۔ جو ۱۸۹۵ء میں گدی نشیں ہوئے۔ جب شاہو مہاراج غسل کرتے تھے تو براہمن (پنڈت) اشلوک پڑھتا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ وید کے اشلوک کیوں نہیں پڑھتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ راجہ دلت (شودر) قوم کے ہیں، اس لیے ''پران'' کے اشلوک پڑھتے ہیں۔ وید کے اشلوک صرف برہمنوں کے لیے مخصوص ہیں۔ شاہو مہاراج کے مرنے پر بھی ویدک طریقہ پر آخری رسوم نہیں ادا کی جائے گی، کیوں کہ یہ دلت (شودر) قوم سے ہیں۔ وید کے اشلوک صرف برہمنوں کے لیے مخصوص ہیں۔ ان باتوں کی وجہ سے پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ۱۹۱۱ء میں ''مہاتما جیوتی با پھلے'' نے پوجا کے لیے برہمن پروہتوں کو بے دخل کر دیا اور مرہٹوں کو پروہت بنانے کے لیے ٹریننگ اسکول کھولا۔ (۷)

برہمنیت کی جیت

برہمنیت اور منوواد یت نے مسلمانوں کو ''ملیچھ'' اس لیے قرار دیا کہ عام ہندو ان سے نفرت کرنے لگیں گے اور اسلام کی اشاعت خود بخود رک جائے گی، لیکن یہ چیز اس کی توقع کے خلاف ثابت ہوئی۔ چوں کہ یہاں کی عام آبادی برہمنیت کے ظلم وستم سے نالاں تھی، اس لیے انھوں نے برہمنیت کی چالوں کو بھانپ لیا کہ برہمنیت نے ہمیں غلام بنائے رکھنے کے لیے نیا طریقہ اپنایا ہے، اس لیے وہ اس کے جال میں دوبارہ پھنسنے کے بجائے اس کو چاک کر کے اسلام کے آغوش رحمت میں پناہ لیتی رہی۔

برہمنیت، مسلمانوں کے اندر ذات پات کے جراثیم داخل کرنے میں پہلے ہی ناکام ہو چکی

تھی۔ جب اس کو اس میں بھی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تو وہ جھنجھلا اٹھی اور اس کے دانشوروں نے فیصلہ کیا کہ اسلام سے مقابلہ کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ''ورن آشرم'' کے جادو سے مسلمانوں کو نئے سرے سے مسحور کرنے کی سعی کی جائے۔ پیچھے یہ بات آ چکی ہے کہ عرب، خالص مسلمان تھے، مساوات اسلامی کے علمبردار تھے، اس لیے ان کے سلسلہ میں برہمنیت کا جادو نا کام تھا۔ چناں چہ منظّم طریقے اور پلاننگ کے تحت ورن آشرم یعنی ''ذات پات'' کا منتر پڑھا جانے لگا، لیکن وہ مخلص لوگ تھے، ان کو اپنے رب اور رسول ﷺ کا درس ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔''(۸) ''لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَىٰ عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَىٰ عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَبْيَضَ عَلَىٰ أَسْوَدَ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَىٰ أَبْيَضَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ۔ اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔'(۹) از بر تھا، وہ ان کو کسی بھی صورت میں بھلانے کو تیار نہ تھے، وہ مساوات کے اصول پر مضبوطی سے قائم رہے اور برہمنیت کے جادو کو دوبارہ کائی کی طرح چھانٹ کر الگ کر دیا۔ اس بار بھی برہمنیت اپنا منہ دکھانے کے لائق نہ رہی۔

مسلمان حکمرانوں کا طبقاتی رویہ

لیکن اس کے بعد بھی اس نے ہمت نہیں ہاری اور موقع کی تلاش میں رہی۔ جب تک مخلص عرب مسلمانوں کے ذریعہ اسلامی حکومت چلتی رہی، برہمنیت کے ناپاک عزائم شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے: لیکن جیسے ہی ۳۸۵ھ مطابق ۹۹۵ء میں اسلامی مساوات کے علمبرداروں کا سورج غروب ہوا،(۱۰) اور عجمیوں کی حکومت کا قیام عمل میں آیا،(۱۱) برہمنیت کی صدیوں سے جاری کوششیں کامیاب ہونے لگیں خود شروع سے ہی مفروضہ اعلیٰ ذات کے ہندو، باوجودیکہ اپنا دھرم چھوڑ کر مسلمان بنتے رہے، لیکن ان میں سے بہت نے اپنی ذات پرست ذہنیت برقرار رکھی۔ یہ عجمی حکمراں، مذہب کے لحاظ سے تھے تو مسلمان لیکن صحابہ کرامؓ کی طرح مسلمان نہ تھے، جن کی نظر میں ادنیٰ، اعلیٰ، مالک و غلام سب برابر ہوتے تھے۔ ان کے ذہنوں میں عجمی نخوت و عصبیت، اونچ نیچ کا تصور پہلے سے موجود تھا۔ ہندستان میں آنے کے بعد مزید برہمنیت کی سازشوں کے شکار ہو گئے، برہمنیت اور منوواد یت نے ان کو اپنے شیشے میں اتار لیا اور یہ بت شکن مسلمان بہت جلد ان کے اصول و نظریات کے معتقد ہو گئے۔ جس کام کو یہ لوگ عربوں کے تین سو سالہ دور میں پورا نہ کر سکے تھے، اس کو عجمیوں کے دور کی شروعات میں ہی پورا کر لیا۔

ان کے عہد میں ہندو عوام اور مسلمانوں کے پس کردہ طبقات میں فرق کرنا مشکل ہو گیا، ان پس کردہ طبقات میں اکثریت ان نومسلموں کی تھی، جنھوں نے برہمنیت کے استحصال سے بچنے کے لیے

اسلام قبول کرلیا تھا۔ یہ حکمراں ان کو بچاتے کیا وہ خود اپنے سماج کو چار کے بجائے پانچ ورن میں تقسیم کر کے موہومہ نیچی ذاتوں کا استحصال کر رہے تھے۔ سید، شیخ مغل، پٹھان کا شمار شریف اقوام میں ہونے لگا اور وہ مسلمان جو غربت کی وجہ سے صنعت وحرفت اور تجارت میں مشغول تھے وہ پانچواں ورن (ذات) خود بخود بن گئے۔ جیسے کنجڑا، قصائی، نائی، جولاہا وغیرہ۔ (۱۲) اور ان نومسلموں کو بھی جن کا تعلق موہومہ چھوٹی ذاتوں سے ہوتا تھا اسی درجہ میں رکھا جاتا تھا؛ لیکن جب خودساختہ بڑی ذاتوں سے تعلق رکھنے والا ہندو، مسلمان ہوتا تھا تو اس کو مفروضہ شرفاء کے خانے میں رکھا جاتا تھا (۱۳)

پس کردہ برادریوں کے ساتھ عدم مساوات

اس پانچویں طبقہ (ذاتوں) کے ساتھ خصوصیت سے نفرت کا رویہ اپنایا گیا۔ ان کی دعوت قبول کرنے، ان کے گھر جانے میں تو عار محسوس کی ہی جاتی تھی اس سے بڑھ کر ان کو تعلیم حاصل کرنے، (۱۴) تعلیمی ادارے بنانے، پختہ مکان بنانے، اچھے اور اسلامی نام رکھنے حتی کہ اچھے کھانے بھی پکانے کی اجازت نہ تھی؛ کیوں کہ اس سے مفروضہ شرفاء سے ہمسری اور برابری ٹپکتی ہے۔

مولانا سید احمد شہید بریلوی (۱۸۳۱ء-۱۷۸۶ء) نے سہارن پور کے علاقوں میں جو اصلاحی کام کیے اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالحسن حسنی حسینی علی ندوی اپنی کتاب "سیرت سید احمد شہید" میں رقم طراز ہیں کہ:

> "سہارن پور کے محلّہ داؤد سرا میں نور بانوں [جولاہوں/انصاریوں] کی آبادی تھی، ان کی بھی یہ تمنا ہوئی کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں، برادری نے مشورہ کر کے اپنے دو چودھریوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور اس تمنا کا اظہار کیا کہ غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ نے ان کی دعوت قبول کی، انھوں نے شہر کے دوسرے معززین وشرفاء کو بھی مدعو کیا، شرفائے شہر نے جن کو اس برادری کی دعوت میں شریک ہونے اور ان کے مکان پر جانے سے عار تھا یہ خبر سن کر کہ آپ تشریف لے گئے ہیں بادل نخواستہ دعوت میں شرکت کی اور ان کو آپ کا وہاں تشریف لے جانا ناگوار ہوا۔ اس برادری کے تمام مرد وزن بیعت سے مشرف ہوئے اور ہدیہ پیش کیا۔ ان کے ایک چودھری کا نام امام بخش تھا، آپ نے ان کا نام بدل کر امام الدین رکھا۔" (۱۵)

سید صاحب نے مولوی شاہ رمضان رڑکی والے کو خلافت عطا فرمائی تھی تا کہ اطراف و جوانب کے دیہات میں تعلیم ونصیحت کے لیے دورہ کریں وہ موضع جانکا میں گئے اور مسجد میں وعظ ونصیحت

کی۔ وہاں ایک نوسالہ ہندو بچہ بھی سن رہا تھا۔ مسلسل تین دن تک وعظ سننے کے بعد وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرکے ان کے پاس پہنچا اور اپنے ارادہ کا اظہار کیا کہ ''میں مسلمان ہوتا ہوں، مجھے آپ مسلمان کر لیجئے''۔ لہٰذا انھوں نے اسے سید صاحب کے پاس سہارن پور بھیج دیا، جہاں اس نے اسلام قبول کرلیا۔ بعدہٗ سید صاحب نے مولانا عبدالحی سے کہا کہ اس بچہ کو کلمۂ توحید کی تلقین کیجئے، نیز فرمایا کہ ''اس کا کوئی نام بھی تجویز کردیجئے''۔ مولانا کی زبان سے نکلا ''کریم الدین''۔ اس وقت مجلس میں اہل شہر کا ہجوم تھا، انھوں نے کہا کہ ''یہ نام رکھنے سے بعض لوگ ناراض ہوں گے، کیوں کہ ع ُ شہر میں سے کئی آدمیوں کا یہی نام ہے'' آپ نے فرمایا کہ ''اچھا پھر اس کا نام احمد رکھو اس لیے کہ یہ میرا نام ہے۔''

یہ نومسلم بچہ بعد میں ''حاجی شیخ احمد'' کے نام سے جانا گیا، جنھوں نے سید صاحب کے ساتھ حج کیا۔ مذکورہ بالا واقعہ کے بعد جو ہوا اس کو مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی یوں بیان کرتے ہیں:

> ''پھر آپ نے اپنے تمام ہمراہیوں اور اہل شہر میں سے جو لوگ حاضر تھے، نیز مولانا عبدالحیؒ و مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کو جمع کیا اور ان دونوں صاحبوں سے خطاب کرکے فرمایا کہ ''جہالت کی چند باتیں لوگوں کے ذہن میں ایسی بیٹھ گئی ہیں کہ اگر یہ باتیں دل سے نہ نکلیں تو اندیشہ ہے کہ آخر میں دین و ایمان میں خلل نہ آجائے۔......
>
> دوسرے یہ کہ کوئی غریب مسلمان اپنے بچے کا نام روسا میں سے کسی کا نہیں رکھ سکتا۔
>
> تیسرے یہ کہ دولت مند و امرا، غربا کی دعوت قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں، اور ان کو اس میں سُبکی اور ذلت محسوس ہوتی ہے۔
>
> چوتھے یہ کہ جو کھانا ہم پکاتے ہیں بیچارے غریب لوگ نہیں پکا سکتے کیوں کہ اس سے ہمسری اور برابری ٹپکتی ہے۔''(۱۶)

پس کردہ برادریوں کو اچھا کھانا نہ پکانے دینے کا رواج آزادی سے قبل تک جاری تھا۔ چنانچہ جماعت اسلامی ہند کے مدارس و مساجد ٹرسٹ کے ذمہ دار جناب جاوید اقبال شمسی (شیخ) نے ۲۸ رمارچ ۲۰۰۵ء بروز جمعرات دس بجے صبح میں جماعت اسلامی کے رکن مولانا ارشد سراج الدین خان مکی کی موجودگی میں ان کے آفس ''حرمین تورس'' ،A-1 Khajoori Road Joga Bai Ext. Batla House, Jamia Nagar, New Delhi میں بتایا کہ ''ہمارے گاؤں ''نگینہ'' ضلع بجنور، یوپی کا واقعہ ہے کہ آزادی سے قبل انصاری برادری کے ایک شخص کے گھر شادی کی تقریب ہوئی۔ اس موقع پر انھوں نے پلاؤ اور بریانی پکائی۔ جب اس کی اطلاع سادات و شیوخ کو ملی تو وہ لوگ وہاں آئے اور پلاؤ و

بریانی سے بھرا ہوا پورا دیگ زمین پر پلٹ دیا اور کہا کہ تم جولا ہے ہم لوگوں کی برابری کرنے لگے، تم پلاؤ اور بریانی نہیں بلکہ کھچڑی اور بھات پکاؤ۔"

ثقہ افراد نے راقم الحروف کو بتایا کہ آزادی سے کچھ دنوں قبل سہارن پور میں ایک انصاری (جولاہا) صاحب نے ایک چھوٹا سا مکتب بنا کر بچوں کی تعلیم شروع کی تو وہاں کے ایک "راؤ" صاحب نے اس مکتب کی عمارت گروادی کہ جولاہا ہو کر مدرسہ کھولے گا، لیکن اس کے باوجود وہ انصاری صاحب کھلے آسمان کے نیچے تعلیم دیتے رہے۔ جن ثقہ افراد نے یہ بات بتائی ان میں سے بعض کا تعلق سہارن پور سے ہے اور بعض افراد مدتوں ان علاقوں میں رہے ہیں اور آج بھی وہاں ہر ماہ ان کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ان افراد کے کہنے پر ان کا نام ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن انفرادی طور سے نام بتانے کی انھوں نے اجازت دی ہے۔

ڈاکٹر مولانا اشہد رفیق صدیقی ندوی۔ لیکچرر عربی۔ ٹین پلس ٹو (10+2) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے راقم الحروف کو بتایا کہ "میرے گاؤں 'مہوارہ' سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ یو پی کے پاس ایک جگہ 'کھروارے' ہے۔ اسی کے ایک قریبی گاؤں جہانگیر گنج میں میرا ایک بہت قریبی دوست ہے جس کا تعلق انصاری برادری سے ہے۔ آزادی سے قبل یا آزادی کے بعد زمیندارانہ نظام ٹوٹنے سے قبل کی بات ہے کہ میرے دوست کے گھر والوں نے پختہ مکان تعمیر کرنے کی غرض سے اینٹ مصالحہ وغیرہ منگوایا تو وہاں کی شیخ برادری کے لوگوں اور زمیندار حضرات نے انھیں پختہ مکان نہیں بنانے دیا کہ وہ جولا ہے ہیں۔ لیکن اب حال یہ ہے کہ اس کے یہاں انھی زمینداروں کے لڑکے جنھوں نے پختہ مکان نہیں بنانے دیا تھا نوکریاں کرتے ہیں۔ (۱۷)

مسلم دورِ حکومت میں کسی کو کنجڑا، قصائی، نائی اور جولاہا کہہ دینا ایک شریفانہ گالی بن گیا۔ جس کے معنی بے عقل، بے وقوف اور رذیل وغیرہ سمجھا جاتا تھا۔[۱۸] اور دوسری برادریوں کو عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا، ان میں بھی سادات کو سب سے افضل قرار دیا گیا؛ چوں کہ شیعوں نے سادات کو حضور ﷺ کی نسل مشہور کر رکھا تھا۔[۱۹] نیز شیعہ مسلک اور عباسی تحریک کی اشاعت نے سادات کی اخلاقی حالت کو حد سے زیادہ بڑھا کر خاص و عام کے دلوں کو پہلے ہی سے ان کی محبت کے لیے موجزن کر رکھا تھا۔[۲۰] اس لیے جب منگولوں کے حملہ کے خوف سے انھوں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہندستان کا رخ کیا تو سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔[۲۱] جاہل عوام کب پیچھے رہنے والے تھے، انھوں نے بھی بڑھ چڑھ کر ان کی عزت کی۔ ان کو متقی، بہادر، پرہیز گار، ہر طرح کی سہولیات کا حقدار، تمام صفات کا مختار، حتیٰ کہ علم غیب اور مافوق الفطرت اسرار و رموز کا جانکار سمجھا جانے لگا، ظالم سے

ظالم اور مغرور سے مغرور حکمراں بھی ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں فخر محسوس کرتا، ان کو معمولی عہدوں پر مامور کرنا گناہ نہیں تو ناشائستگی ضرور سمجھی جاتی تھی۔ (۲۲) چناں چہ تمام بادشاہوں خصوصاً علاء الدین خلجی (۲۳) اور فیروز شاہ تغلق (۲۴) کے دور میں ان کو بڑے بڑے عہدے اور مناصب ملے۔ ''ایک ایسی سرزمین میں جہاں برہمن مذہبی پیشواؤں کو خصوصی حقوق حاصل رہے تھے [اور وہ صدیوں سے بھودیوتا یعنی زمین کے خدا بنے بیٹھے تھے] اس قدر مبالغہ آمیز عزت وتوقیر کا حاصل ہونا کوئی تعجب خیز بات نہ تھی ...... تیمور کے حملے کے بعد ۱۳۹۸ء (۲۵) میں سید ایک قلیل عرصے کے لیے حکومت دہلی پر حکمرانی کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ (۲۶) بدقسمتی سے وہ اہل نہ تھے، اس لیے کامیاب ثابت نہ ہوئے اور ان کا آخری حکمراں خاموشی کے ساتھ حکومت سے دست بردار ہوگیا اور بڑے توہین آمیز طریقے سے بدایوں کے اقطا [اقطاع] پر صابر وشاکر ہوکر بیٹھ رہا لیکن سیاسی اقتدار ختم ہوجانے سے سیدوں کی سماجی توقیر پر بحیثیت مجموعی کوئی برا اثر نہ پڑا اور افغان جانشینوں نے حد سے زیادہ بلکہ اپنی ضعف الاعتقادی [اور کچھ برہمنیت کی سازش کی وجہ] سے سیدوں کے خصوصی حقوق اور رعایت کو [بعینہ] بحال رکھا۔'' (۲۷) چناں چہ واقعات مشتاقی میں ہے کہ:

> ''کوئل کے سید...... پر سرکاری رقم کے غبن کرنے کا الزام تھا اور اس کے خلاف بڑی مضبوط شہادتیں تھیں۔ اسے سلطان سکندر لودھی [متوفی ۷/ذی قعدہ ۹۲۳ھ مطابق ۲۲/نومبر ۱۵۱۷ء] کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے نہ صرف اسے الزام سے بری کیا، بلکہ وہ رقم رکھنے کی اجازت دے دی۔'' (۲۸)

ڈاکٹر کنور محمد اشرف، تیمور لنگ متوفی ۷/فروری ۱۴۰۵ء جو شیعت کی طرف مائل تھے کی سید پرستی کے متعلق رقم طراز ہیں کہ:

> ''سیدوں کے لیے تیمور کی رائے بعض لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے۔ ہندستان پر ہونے والے حملوں کی جملہ تفصیلات کے مطابق اس نے پورے راستے میں یکساں طور پر سیدوں اور مذہبی طبقہ سے تعلق رکھنے والے دیگر جملہ افراد کی جان بخشی کی، جب کہ دوسرے سب لوگوں کو بلا امتیاز اور بڑے وحشیانہ ڈھنگ سے قتل کیا۔ درحقیقت یہ بات بڑے سنجیدہ طریقے سے بیان کی گئی ہے [دیکھیے ملفوظات تیموری، ص:۵] کہ جب ماوراء النہر کے ایک حاکم عبداللہ کو تیمور کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے نماز جنازہ ادا کرنے میں تامل ہوا کیوں کہ وہ اسے بے دین وحشی تصور کرتا تھا جس کے ہاتھ انسانی خون سے رنگے ہوئے

تھے تو رسول خدا نے بذات خود خواب میں اسے بشارت دی اور اسے بتایا کہ اس کے شبہات بے بنیاد ہیں؛ کیوں کہ جہاں ایک طرف اس نے اللہ کی خدمت کے لیے انسانوں کا خون کیا ہے دوسری طرف اس نے سیدوں کی زندگیوں کی حفاظت بھی کی ہے۔ مذہبی طبقہ کے لیے تیمور کے دل میں بڑی محبت تھی اور وہ عموماً روحانی زندگی کا قائل تھا۔ اسی سے متاثر ہو کر اس کے واقعہ نگار نے چند بڑی دلچسپ نظمیں کہی ہیں جو ایک عام مسلمان سلطان کے مذہبی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتی ہیں۔ وہ گوشہ نشیں اور تارک الدنیا اور بزرگوں کی روحانی طاقت اور ماہرین کے مذہبی مراقبے میں پورا اعتقاد رکھتا تھا اور اسی طرح سیدوں کی دعاؤں پر بھی یقین رکھتا تھا۔''(۲۹)

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی متوفی ۹ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰ مئی ۱۹۳۸ء تیمور لنگ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

''تیمور شیعیت کی طرف بے حد مائل اور سادات کے ساتھ حد سے زیادہ رعایت کرتا تھا۔''

اس کا تذکرہ اس نے خود بھی اپنی تاریخ ''توزک'' میں کیا ہے۔ تیموری خاندان کا مشہور مورخ محمد ہاشم المخاطب بہ خافی خاں اپنی ''منتخب اللباب'' میں تیمور کی نسبت لکھتا ہے کہ:

''حسن عقیدت و کمالِ اخلاص کہ صاحبقران رانسبت بہ اہل بیت بودہ اشہر واظہر تر از اں است کہ بشرح و بیاں محتاج (نہ) باشد، چناں چہ گویند کہ ای بیت اکثر در زبانِ او بود ؎

فردا کہ ہر کسے بہ شفیع زنند دست　　ما ایم دست و دامنِ آل عبا بہ ست

[تیمور کو اہل بیت سے جتنی عقیدت تھی، اس کے بیانؒ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ چناں چہ اس کی زبان پر ہمیشہ یہ اشعار رہتے تھے کہ کل قیامت کے دن جب ہر ایک کسی سفارشی کے دامن سے وابستہ ہوگا تو ہم بھی اہل بیت کا دامن ہاتھ سے پکڑے ہوے ہوں گے۔]

''تیمور کے مفصل حالات تاریخوں میں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سادات نوازی اور پیر پرستی کی شہرت نے بڑے بڑے تاریخی تغیرات ایشیائی ممالک میں پیدا کیے ہیں۔''(۳۰)

ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ ''منتخب التواریخ'' میں ہے کہ:

''شاہ محمد، شیر شاہ [سوری متوفی ۹۶۰ھ مطابق ۱۵۵۲-۳ء] کے زمانے میں ولایت سے

ہندستان آیا اور اپنے آپ کو سید کہتا تھا۔ مگر لوگوں کو اس کی سیادت میں کچھ کلام تھا۔ اس نے اپنی وضع اور ڈھنگ مشائخ کے سے بنائے تھے اور حقیقت میں بالکل مکر تھا۔ مگر شیر شاہ اس کی ولایت کا قائل تھا۔ سلیم شاہ بھی ایام شاہزدگی سے اس کا بڑا معتقد تھا اور اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے لیے سلطنت کی فال لیا کرتا تھا اور یہاں تک ارادت رکھتا تھا کہ اس کی جوتیاں اٹھاتا تھا۔ مشہور ہے کہ ایک روز ایک ٹوکرا خربوزوں کا بھرا ہوا کوئی شخص شاہ محمد کے واسطے لایا تھا، اتفاقاً اسی وقت سلیم شاہ بھی پہنچ گیا۔ شاہ محمد نے اس سے کہا کہ اس ٹوکرے کو چتر (تیری) بادشاہی اعتبار کر کے ہم نے تجھ کو دیا، اٹھ سر پر رکھ اور چل۔ سلیم شاہ نے اس کو بے تکلف اٹھایا اور اپنے لیے نیک فال سمجھا۔" (۳۱)

شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر (اکبر اعظم) متوفی جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۴/اکتوبر ۱۶۰۵ء کے نزدیک بھی سید واجب الاحترام اور قتل کی سزا سے بری تھے۔ چناں چہ محمد قاسم فرشتہ ان کے تخت نشینی کے فوراً بعد کی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ابھی شیخ جولی پہنچے ہی تھے کہ ہمایوں کی وفات کی اطلاع پہنچ گئی۔ امیروں نے تعزیت کے بعد اتفاق رائے سے شہزادہ اکبر کو دوسری ربیع الثانی ۹۶۳ھ [مطابق ۱۳/فروری ۱۵۵۶ء] میں کلانور میں تخت پر بیٹھایا۔ اکبر کی عمر اس وقت تیرہ برس کی تھی۔

بیرم خان ترکمان سپہ سالاری اور اتالیقی کی عہدے پر پہلے ہی فائز تھا۔ اب اسے وکیل السلطنت بھی بنادیا گیا...... [اس نے] شاہ ابوالمعالی کو جو مخالفت پر اترا ہوا تھا، گرفتار کر لیا۔ بیرم خاں کا ارادہ تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ مگر اکبر سیدزادے کے قتل پر راضی نہ ہوا؛ چناں چہ اس کو قید کرنے کا حکم دیا گیا۔ اکبر نے ابوالمعالی کو لاہور کے کوتوال گل گیر کے پاس بھیج دیا۔ ابوالمعالی کچھ دنوں بعد قید خانے سے فرار ہو گیا۔ گل گیر نے پشیمان ہو کر خودکشی کر لی۔" (۳۲)

جس طرح ہندو سماج میں برہمنوں کے بعد کشتریوں کا مقام و مرتبہ ہے یہی حال مسلم سماج کا بھی تھا (اور ہے)۔ سیدوں کے بعد شیخ کی کافی عزت کی جاتی تھی، تیسرے اور چوتھے درجے میں مغل اور پٹھان کو رکھا گیا تھا (اور رکھا گیا ہے)۔ (۳۳)

سلطان شمس الدین التمش

اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کرنے والے اور ذات پات کے حامی حکمرانوں نے ایک طرف تو ان لوگوں کو جو بلا واسطہ یا بالواسطہ مختلف طریقوں سے ان کی حکومت کو مضبوط و مستحکم کرنے میں لگے تھے،

اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا کیا، ان کے تمام ناز نخرے برداشت کرتے تھے، لیکن مسلمانوں کے غریب طبقات، دوسرے لفظوں میں موہومہ نیچی ذاتوں کے لوگوں کو حکومت کے کسی بھی عہدہ (۴۴) پر فائز نہیں کرتے تھے۔ چناں چہ "تاریخ فیروز شاہی" میں ہے کہ سلطان شمس الدین التتمش متوفی ۲۰ رشعبان ۶۳۳ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۲۳۶ء اور سلطان غیاث الدین بلبن جو خاندان غلاماں سے ہیں۔(۴۵) کے دور میں موہوم نچلے طبقہ کے کسی مسلمان کا **خواجگی، مشرفی یا مدبری** کے عہدوں پر تقرر نہیں ہوسکتا تھا یہی نہیں بلکہ یہ معلوم ہونے پر کہ فلاں عہدہ دار مزعومہ نیچی برادری کا ہے، اس کو برطرف کردیا جاتا تھا۔ سلطان شمس الدین التتمش اور سلطان غیاث الدین بلبن بذات خود نہ صرف غلام بلکہ غلام در غلام تھے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے پس کردہ برادریوں کے ساتھ ایسا رویہ کیوں اپنایا؟ قابل غور ہے۔ "تاریخ فروز شاہی" میں مزید ہے کہ سلطان شمس الدین التتمش کے زمانہ میں نظام الملک جنیدی نے قنوج کی خواجگی کے لیے جمال مرزوق عہدہ دار 'دارالضرب' کو تخت (یعنی بادشاہ) کے سامنے پیش کیا، عین پائے بوسی کی حالت میں خواجہ عزیز بن بہروز وزیر نے یہ شعر پڑھا ؎

بہ دست دوں نہ دہ خامہ کہ گردوں را مجال افتد

سیہ سنگے کہ در کعبہ است، سارد سنگ استنجا

کمین کے ہاتھ میں قلم مت دے، اس لیے کہ اگر کمین کو مجال ہو تو اس سیاہ پتھر کو جو کعبے میں ہے، استنجے کا ڈھیلا بنالے گا۔)

اس نے یہ شعر پڑھ کر جمال الدین مرزوق کی طرف اشارہ کیا۔ سلطان سمجھ گیا کہ عزیز نے یہ شعر اس کے کم ذات ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے۔ چناں چہ اس نے نظام الملک جنیدی کو طلب کرکے جمال مرزوق کی اصل کے بارے میں تفتیش کی، بعد تفتیش معلوم ہوا کہ واقعتاً وہ موہومہ نیچ ذات سے تعلق رکھتا ہے۔

> "وزیر [نظام الملک جنیدی] نے اس کی صفائی میں کہا کہ اس کا خط عمدہ ہے اور تحریر میں نہایت ہوشیار ہے۔ سلطان شمس الدین التتمش وزیر سے رنجیدہ ہوا کہ کم اصلوں کی ہنرمندی کی وجہ سے میری حکومت میں ان کا تقرر کرکے اس کو رسوا کرتے ہو۔ اس روز شمس الدین التتمش بہت ہی ناراض رہا اور اس نے کوئی کام نہیں کیا اور حکم دیا کہ دفاتر کے عہدے داروں میں سے خواجہ، متصرف، مشرف اور برید کے عہدوں تک جو لوگ ملازم ہیں، تمام شہروں میں معلوم کریں کہ ان میں کتنے کم اصل اور بخیل (لئیم زادہ) برسرکار ہیں۔ تلاش وجستجو کے بعد تینتیس [۳۳] آدمی ایسے نکالے گئے اور ان کے نام بادشاہ

[تخت] کے سامنے پیش کیے گئے۔ اسی وقت وہ سب معزول کر دیے گئے۔ ابھی تفتیش ہو ہی چکی تھی کہ ملک اعز الدین سالار اور ملک قطب الدین حسن غوری نے جن میں ایک بار بک اور دوسرا وکیل در تھا۔ تخت شمسی کے سامنے عرض کیا کہ فرمان کے بموجب متصرفوں اور مشرفوں کی کم اصلی کے سلسلے میں تفتیش کی گئی اور وہ معزول کر دیے گئے ہیں؛ لیکن اب خداوند عالم کو وزیر کی اصلیت کی بھی تفتیش کرانا چاہیے کہ اس میں کم اصلی کی کوئی رگ نہ ہوتی تو کبھی کم اصلوں کو ملازمت (دفتر) نہ دیتا اور کوئی عہدہ اور ذمہ داری سپرد نہ کرتا۔ اس لیے کہ اصالت [یعنی اچھی نسل اور خاندان سے ہونا] بزرگی اور بزرگ زادگی کی پہچان یہ ہے، [کہ] ایک اچھے خاندان کا شخص کسی کم اصل کو معمولی خدمت گاروں (حشم) میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ایسی حالت میں کسی عہدہ یا منصب پر اس کا تقرر اور حکومت میں اس کی موجودگی کا کیوں کر روادار ہوگا؟ چناں چہ جب وزیر کے نسب کی اچھی طرح تفتیش کی گئی اور اس میں بے حد کوشش کی گئی تو معلوم ہوا کہ نظام الملک کا دادا جولاہا تھا۔"(۳۶) چناں چہ اس کو بھی حکومت کے عہدہ سے الگ کر دیا گیا۔

"..........he also lost the confidence of the sultan" (۳۷)

سلطان غیاث الدین بلبن

اسی طرح سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک بار درباریوں کو حکم دیا کہ "ایک لائق **متصرف** جو خاندانی بھی ہو اور تجربہ کار بھی، اقطاع امروہہ کی **خواجگی** کے لیے تلاش کر کے دربار میں پیش کریں۔"(۳۸) چناں چہ ملک علاء الدین کشلی خاں، امیر حاجب اور ملک نظام الدین بزغانہ نے کمال مہیار کا انتخاب کیا، جس وقت کمال مہیار زمین بوسی کر رہا تھا، سلطان غیاث الدین بلبن نے درباریوں سے کہا کہ اس سے پوچھو کہ یہ مہیار کیا لفظ ہے۔ اس نے کہا مہیار میرا باپ تھا جو ہندو غلام تھا، تو بادشاہ مارے غصہ کے خلوت میں چلا گیا۔

اور "...... کچھ دیر بعد عادل خاں شمسی، تمر خاں، ملک الأمراء فخر الدین کوتوال اور عماد الملک راوت عرض کی مجلس خلوت میں طلبی ہوئی۔ اس کے بعد ملک علاء الدین کشلی خاں، ملک نظام الدین بزغانہ، نائب امیر حاجب نائب وکیل در، خاص حاجب حسامی، ان پانچوں کو طلب کیا اور حکم دیا کہ پانچوں کارکن بیٹھیں اور ان کے سامنے ان چاروں بزرگوں سے جن کو پہلے بلایا گیا تھا، کہا کہ میں نے آج اس برادر زادہ اور نظام الدین بزغانہ وکیل در کے ساتھ اس قدر تحمل کا برتاؤ کیا ہے کہ اتنا تو اپنے باپ کیساتھ بھی نہ کرتا۔ ان لوگوں نے

ایک کم اصل اور نا اہل غلام زادہ کو منتخب کر کے میرے سامنے پیش کیا کہ امروہہ کی خواجگی اس کو دے دوں؛ اس لیے کہ وہ ہنر مند اور لکھا پڑھا آدمی ہے۔ اس کے بعد عادل خاں اور تمر خاں سے کہا کہ تم دونوں میرے عزیز ساتھی ہو اور خواجہ تاش [یعنی ایک ہی آقا کا دوسرا غلام] ہو تم نے اچھی طرح سنا ہے اور تحقیق کر لیا ہے کہ میں ''افراسیاب'' کی اولاد سے ہوں اور میرے اجداد کا نسب افراسیاب تک پہنچتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ کو ایک خصوصیت بخشی ہے اور وہ یہ ہے کہ میں کسی کم اصل، کمینے رذیل اور ذلیل کو کسی شغل، مرتبے یا عزت کی جگہ پر نہیں دیکھ سکتا اور جوں ہی اس قسم کے لوگ میرے سامنے آتے ہیں، **میرے جسم کی تمام رگیں حرکت میں آجاتی ہیں** [یعنی میرا خون کھولنے لگتا ہے "My blood begin to boil"] (۳۹) اور جب حال یہ ہو جیسا کہ میں نے تم سے ذکر کیا ہے، تو میں کسی کمین یا نا اہل کے لڑکے کو حکومت میں جو مجھ کو خدا کی طرف سے ملی ہے، شریک نہیں کر سکتا اور کوئی خدمت، اقطاع یا تصرف ایسے شخص کو نہیں دے سکتا۔ آج میں نے ان دونوں کارکنوں کی یہ حرکت برداشت کر لی ہے لیکن اب میں تم چاروں کو گواہ بناتا ہوں کہ اگر اس کے بعد کسی خدمت، اقطاع، خواجگی، مشرفی، یا مدبری پر تقرر کے سلسلے میں کسی کمینے، بداصل یا ذلیل زادہ کا ان کارکنوں نے میرے سامنے ذکر کیا چاہے وہ ہزار ہنر مند ہو تو میں ان کے ساتھ وہ برتاؤ کروں گا کہ جس سے دنیا کے لوگ عبرت حاصل کریں گے...... جب تک سلطان بلبن زندہ رہا، کسی کارکن یا مقرب کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ کسی کمین یا بداصل کا کسی خدمت یا ذمہ داری کے سلسلے میں اس کے سامنے ذکر کر سکے۔

اس مجلس میں سلطان نے عادل خاں اور تمر خاں سے کہا کہ...... اگر میں جو خود کو افراسیاب کی اولاد سے کہلواتا ہوں، کم اصلوں اور نا اہلوں کی اولاد کا تقرر اپنی حکومت میں روا رکھوں گا تو گویا خود اپنی کم اصلی پر اپنے ہاتھ سے مہر لگا دوں گا۔'' (۴۰)

سلطان شمس الدین التتمش کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انھوں نے بھی حکومتی افسروں اور عہدہ داروں کے نسب کی تحقیق و تفتیش کے لیے ماہر انساب حضرات کی ایک کمیٹی تشکیل دی تا کہ معلوم ہو سکے کہ کون لوگ مفروضہ بڑی ذاتوں کے ہیں اور کون لوگ موہوم رذیل برادریوں کے۔ چناں چہ پروفیسر خلیق احمد نظامی شعبۂ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ اپنی کتاب "Some Aspetcs of Religion and Politics in India During the Thirteen century." میں مکتوبات اشرفی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"SayyidAshrafJahangirSamnani(d.1405 A.D.)writes in one of his letters that Balban had made very thorough enquiries about the families of all his officers and government servents. Expert genealogists had assembled in Dehli from all parts of the country to help him in determining the family status of the persons." (۴۱)

''سید اشرف جہانگیر سمنانی (متوفی ۱۴۰۵ء) اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ بلبن نے اپنے تمام افسروں اور سرکاری ملازمین کے خاندان [نسب] کی بہت مکمل تحقیقات کرائی تھی اوران لوگوں کے خاندان کی حیثیت کے تعین میں مدد کے لیے ملک کے تمام حصوں سے ماہر انساب کو دہلی میں جمع کیا گیا تھا۔''

ان مظالم پر بھی بس نہیں ہوا بلکہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے غریب طبقہ کا مقام ذات پات کے حامی سلاطین کے نزدیک جانوروں سے بھی بدتر تھا۔ ان کو دربار سے دور ہی رکھتے تھے۔ اگر کبھی کسی رعایا اور عوام (جو نچلے درجے کے ہندوؤں اور نچلے درجے کے مسلمانوں کے متعدد طبقات پر مشتمل ہیں۔) (۴۲) کو اپنے یہاں باریابی کا شرف بخشتے بھی تھے ''تو فرد مذکور اپنے منہ پر رومال باندھ لیتا تھا، تاکہ اس کے سانس سے مقدس دیوان خانہ شاہی ناپاک نہ ہو اور پردے سے آگے بڑھ کر سجدہ ریز ہو جاتا تھا اور اس وقت تک نہیں اٹھتا تھا جب تک اسے شاہی حکم نہ ملے۔'' (۴۳)

ذات پات ختم کرنے والے کا قتل

اکثر حکمراں طبقہ اور امراء ذات پات میں اس طرح غوطہ زن تھے کہ اگر کوئی بادشاہ ذات اور برادری کا لحاظ کیے بغیر کسی مزعومہ رذیل ذات کے کسی فرد کو کوئی عہدہ عطا کر دیتا تھا تو اس کی حکومت ہی بغاوت اور سازش کر کے ختم کر دی جاتی تھی۔ چناں چہ کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندستان میں ذات پات کے اصل بانی غلام درغلام سلطان شمس الدین التتمش کی تعلیم یافتہ، امور مملکت میں تجربہ کار، بہادر اور ماہر جنگ بیٹی، سلطانہ رضیہ متوفی ۲۵ ربیع الاول ۶۳۸ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۲۴۰ء نے جمال الدین یاقوت نامی غلام کو امیر الامراء کا عہدہ عطا کیا تو بڑے بڑے ترک، افغان امراء، جو اس غلام کو اپنی نگاہ میں کمتر سمجھتے تھے اس کی امیر الامرائی سے برافروختہ ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور امرائے لشکر نے موقع پا کر یاقوت حبشی کو قتل کر دیا، نیز رضیہ سلطانہ کو گرفتار کر کے ''ملک التونیہ'' جو بھنڈارہ کے حاکم تھے اور رضیہ سلطانہ کے باغی تھے کے پاس بھیج دیا۔ ادھر شمس الدین التتمش کے بیٹے معز الدین بہرام کو تخت پر بٹھا دیا۔ ملک التونیہ نے رضیہ سلطانہ سے نکاح کر لیا اور دونوں نے فوج لے کر دہلی پر حملہ کیا لیکن شکست کھا کر گرفتار ہو گئے۔

گرفتاری کے بعد معزالدین بہرام شاہ نے دونوں کو قتل کرا دیا۔ (۴۴)

سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی متوفی ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ مطابق ۳ جون ۱۳۲۱ء نے دیوگیر جاتے وقت دہلی میں ملک شاہین نام ایک غلام کو وفاء الملک (یا وفا بیگ)(۴۵) کا خطاب دے کر اپنا قائم مقام بنایا اور دیوگیر فتح کرنے کے بعد ایک نو مسلم خسرو خاں جو گجرات کی "بروایا برواری (چمار، دلت)" ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ کو دیوگیر میں وزارت کا عہدہ دے کر دکن کا انتظام سپرد کیا نیز ان کو چتر و درباش عطا کر ملک کافور کی تمام املاک کا مالک قرار دیا اور ملک دکن کے تمام ماتحت راجاؤں کی نگرانی اور ان سے خراج وصول کرنے کا اہتمام ان کے سپرد کیا اور ان کے بھائی حسام الدین (۴۶) کو گجرات کی حکومت عطا کی۔

امراء نے اسے سلطان کی سفلہ پرستی قرار دیا اور ان سے بددل ہو گئے۔ جب سلطان دیوگیر سے دہلی واپس آ رہے تھے تو دیوگیر اور اجین کے درمیان بعض امراء نے یہ سازش کی کہ ان کو قتل کر کے سلطان علاء الدین خلجی کے چچا زاد بھائی ملک اسدالدین کو بادشاہ بنایا جائے۔ جب اس سازش کا حال سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کو معلوم ہوا تو انھوں نے مقام "ساگون گھٹی" میں ملک اسدالدین اور بعض امراء کو قتل کرا دیا۔ (۴۷)

مسلم ذات پات اور ہندو ذات پات

اگر تمام واقعات پر غور کریں تو ہندو ذات پات اور مسلم ذات پات میں بہت حد تک مماثلت ملے گی، صرف جزئیات میں فرق دکھے گا۔ چنانچہ ڈاکٹر کنور محمد اشرف "امپیریل گزیٹر آف انڈیا" جلد دوم، ص: ۳۲۹ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"ہندستان میں بہر حال، ذات پات کا رواج پوری طرح پھیل چکا ہے، اس کا متعدد اثر مسلمانوں میں بھی سرایت کر چکا ہے اور اس کا ارتقاء بھی ہندو ذاتوں کے خطوط پر ہوا ہے۔ دونوں قوموں میں غیر ملک سے آ کر بسنے والے بلند ترین سماجی رتبے کے دعوے دار ہیں، دونوں اقوام کے بزرگ مغربی ممالک سے آئے ہیں۔ جو مرتبہ ہندوؤں کی آرین نسل کو حاصل ہے، وہی مرتبہ مسلم دام میں، عربی، ایرانی، افغانی اور مغل نسل کے مسلمانوں کو حاصل ہے اور جس طرح اعلیٰ ذاتوں کے ہندو، ادنی ذات [ذاتوں] کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں لیکن اس کے برخلاف شادی نہیں ہو سکتی، اسی طرح مسلمانوں کے اعلیٰ طبقوں میں ایک سید، شیخ کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے لیکن اپنی لڑکی کی شادی کسی شیخ سے نہیں

کرے گا، اعلیٰ طبقے کے غیر ملکی (Soi-disant) مسلمانوں اور ہندستانی مسلمانوں کے مابین شادی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ البتہ یہ بات صرف ان علاقوں میں ممکن ہے جہاں دولت مند طبقہ کو اپنی تعداد کم ہونے کی وجہ سے شادی کا مسئلہ بہتر طریقے پر حل کرنا پڑتا ہے۔ ادنی طبقہ کی پیشہ ور اقوام مستقل ذاتوں کی حیثیت سے منظم ہیں، ان کی اپنی پنچایتیں اور عہدے دار ہیں، جو حقہ پانی بند کرنے کے قدیم رواج کے ذریعہ ذاتوں کے قواعد کی پابندی کراتے ہیں۔'' (۴۸)

مشہور دراوڑ تاریخ داں ''ڈاکٹر ایشورٹوپا'' لکھتے ہیں کہ:

''مسلمانوں کے طبقۂ شرفاء کے افراد خود کو ترک، عرب، یا فارسی تارکین وطن کی نسل سے سمجھتے تھے جیسا کہ ان کے اضافی ناموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان غریب مسلمانوں کے لیے جو یہ حقیقت چھپانے میں ناکام رہے کہ وہ مقامی آبادی کے نچلے طبقے سے مسلمان ہوئے ہیں۔ ان شرفاء کے پاس جذبہ نفرت کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔'' (۴۹)

حواشی

(۱) بصراحت یہ بات راقم الحروف کی نگاہ سے کسی تاریخ کی کتاب میں نہیں گزری ہے کہ برہمنیت، کے علمبرداروں نے مسلمانوں میں ذات پات پھیلانے کی کوششیں کیں اور مسلمانوں میں جو ذات پات ہے وہ انھی سازشوں کا ساختشانہ ہے۔لیکن برہمنیت، منوواویت کے علمبرداروں نے جس طرح شروع سے لے کر آج تک مسلمانوں اور اسلام کے خلاف نفرت پھیلا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہا ہے، اگر اس پر معمولی سا بھی غور وخوض کرلیا جائے تو یہ بات دو دو چار کی طرح واضح ہوجائے گی کہ مسلمانوں میں ذات پات کا بانی کون ہے؟ انھی سازشوں پر غور وفکر اور قیاس کر کے یہ بات لکھی گئی ہے۔ذات پات کو باقی رکھنے اور دوسرے دھرم سماج میں اس کو پھیلانے کی سازشوں کے متعلق اس کتاب میں جگہ جگہ تاریخی واقعات اور مسلم وغیر مسلم دانشوروں کے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں۔یہ تمام چیزیں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور خاص طور سے ذات پات کے سلسلے میں سازشوں کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوں گی۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ذات پات کو پھیلانے کے سلسلہ میں ان منوواویت کے علمبرداروں کی سازشوں کی ایک معمولی سی جھلک کو دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو: عمر حیات خاں غوری: ہندستان میں ملی مسائل، اور مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: آئینہ حقیقت نما (مسلم سلاطین ہند حقیقت کے آئینہ میں) تحقیق: عبدالرشید قاسمی بستوی۔

(۲) Illustrated weekly june15, 1980 بحوالہ ہندستان میں ملی مسائل محولہ بالا عنوان: مسلمان ملیچھ ہیں ص:۱۰۶

(۳) Ancient India, op.cit. Ch-xv Buddhism Topic:Causes of decline and fall of Buddhism.P.192

(۴) ڈاکٹر عمر حیات خاں غوری: ہندستان میں ملی مسائل ص:۳۶۔یہ پورا مضمون وی، ڈی، مہاجن (V. D. Mahajan) کی کتاب Ancient India میں مختلف جگہوں پر بکھرا ہوا ہے چوں کہ ڈاکٹر عمر حیات خاں غوری صاحب نے اس کو مختلف جگہوں سے لے کر اکٹھا کردیا ہے لہذا انھی کی کتاب سے نقل کردیا گیا ہے۔وی، ڈی مہاجن کی کتاب میں مختلف مندرجہ ذیل مقامات پر اسے دیکھا جاسکتا ہے مثلاً:

Ch-xv Buddhism, Topic:Causes of decline and fall of Buddhism ,p.192,topic:legacy of Buddhism,p.195.topic:Debt of Buddhism to Hinduism Pp.197-200,Topic: Differences between Buddhism and Hinduism,p.200.Ch:xxvi,Social religious Economic and cultural conditions in post-Mauryan times(187to320 A.D.) Topic:Brahmanism ,Pp.375-376,Topic:Buddhism ,Pp.377-78 ,Ch: xxxiv,India during the Gupta age, Topic:Revival of Hinduism, Pp.536-38, Ch:ix,Social and cultural conditions of Northern India 650-1000 A.D.,Topic:Religious condition ,p.663,Topic;Buddhism ,p.663-64

(۵) बहुजन साप्ताहिक दि० 19 जुलाई 1999 उद्धृत: त्रि-इल्लिसी शोषण-व्यूह विध्वंस बिन्दु: ब्राह्मण धर्म के शोषण का प्रतिकार: बहुजन संतों का मानवता-धर्म 1/40&41

(۶) ماہنامہ اسلامک مومنٹ، نئی دہلی۔مئی ۱۹۹۸ء جلد: ۱۷، شمارہ: ۵، عنوان: برہمنیت اس کا طریقہ واردات۔

(۷) سہ روزہ دعوت، نئی دہلی۔ ۲۵ رنومبر ۱۹۹۵ء

(۸) سورۃ الحجرات آیت: ۱۳[اور اللہ کے نزدیک تم سب میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔]

(۹) امام احمد بن حنبل: المسند ۵ر۴۱۱۔ نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر، نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر برتری حاصل ہے، مگر تقوی کی بنا پر، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔]

(۱۰) آئینہ حقیقت نما بحوالہ بالا، باب اول، عنوان: مسلمانوں میں فرقہ بندی اور اسلامی اقتدار کا زوال ۱ر۱ر۱۷۱

(۱۱) ذات پات کا رواج کس کے عہد میں شروع ہوا؟

عربوں کی اسلامی حکومت کے خاتمے کے بعد سلطان امیر ناصر الدین سبکتگین، سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کی ہندستان کے ہندوراجاؤں (خود ان ہندوراجاؤں کی شرارت اور بلاوجہ ان تینوں سلطانوں پر فوج کشی کی وجہ سے) کے درمیان ۳۸۵ھ مطابق ۹۹۵ء سے ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۴ء تک لڑائیاں ہوتی رہیں اور مسلمانوں کی فتوحات ہوتی رہیں۔ لیکن انھوں نے بذات خود باقاعدہ ہندستان پر حکمرانی نہ کی۔ سلطان محمود غزنوی متوفی ۲۳ ربیع الآخر ۴۲۱ھ مطابق ۱۸ راپریل ۱۰۳۰ء نے خود یہاں کے ہندوراجاؤں کو دوبارہ سازش اور جنگ نہ کرنے اور ٹیکس ادا کرنے کی شرط پر حکومت ان کے ہی ہاتھوں میں رہنے دی۔ لیکن ہندوراجاؤں نے پھر بدعہدی کی۔ لہذا جب سلطان شہاب الدین غوری متوفی ۳ ر شعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۶ رمارچ ۱۲۰۶ء نے ہندستانی علاقوں کو فتح کیا تو حکومت ہندوراجاؤں کے ہاتھوں میں دینے کے بجائے اپنے غلام قطب الدین ایبک متوفی ۶۰۷ھ مطابق ۱۲ را کتوبر ۱۲۱۰ء کو ۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۴ء میں تمام مقبوضات ہند کا حاکم اور وائسرائے بنا کر خود غزنی کی طرف واپس چلے گئے۔ پھر ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۴ء میں انھوں نے پنجاب، ملتان پر حملہ کیا، کیوں کہ ''ملاحدہ'' نے وحشی قبائل کھکڑ وغیرہ سے ملکر جگہ جگہ مسلمانوں کے خلاف فساد برپا کر رکھا تھا، یہاں قطب الدین ایبک بھی پہنچ گئے، لیکن فتح کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے قطب الدین ایبک کو دہلی کی طرف روانہ کیا اور خود غزنی چلے گئے۔ پھر ۳ ر شعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۶ رمارچ ۱۲۰۶ء کو ملاحدہ کے ہاتھوں سلطان شہاب الدین غوری نے جام شہادت نوش کی۔

سلطان کی وفات کے بعد ان کے بھتیجے سلطان محمود نے دار السلطنت فیروزہ سے قطب الدین ایبک کو فرمان لکھ کر بھیج دیا کہ آپ اپنے کو سلطان کے لقب سے مخاطب کریں اور عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کریں؛ لہذا قطب الدین ایبک نے ذی قعدہ ۶۰۲ھ مطابق ۱۵ رجون ۱۲۰۶ء میں مراسم تخت نشینی ادا کی۔ یہاں سے باضابطہ ہندستان پر عجمی حکومت قائم ہوتی ہے۔

سلطان محمود غزنوی، سلطان شہاب الدین غوری اور سلطان قطب الدین ایبک تک ہندستانی مسلمانوں میں ذات پات کے وجود کا ثبوت نہیں ملتا، بلکہ ان تینوں نے اپنے اپنے غلاموں کو حکومت اور گورنری عطا کی تھی۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنے غلام ''ایاز'' کو پنجاب کا والی بنایا تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو تمام فتوحات ہند کا گورنر بنایا۔ قطب الدین ایبک نے اپنے غلام شمس الدین التمش کو ''گوالیار'' (بران ...) کا حاکم پھر بدایوں کا ناظم بنایا، بلکہ انھیں غلامی سے آزاد کر کے اپنی بیٹی سے شادی بھی کر دی۔ سلطان

محمود غزنوی نے تو ایک ہندو حجام ''تلک'' تک کو راجہ کا خطاب دے کر فوج کا سپہ سالار بنایا تھا۔ **ہندی مسلمانوں میں ذات پات کی شروعات غلام در غلام شمس الدین التمش متوفی ۲۰ رشعبان ۶۳۳ھ مطابق ۱۰/اپریل ۱۲۳۶ء کے ہاتھوں سے ہوتی ہے**۔ جس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔ (ملاحظہ ہو۔ آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا۔ باب اول، دوم، سوم اور پنجم۔ عنوان: نو مسلموں کی ہمت افزائی ۱/۲/۹/۷۵)

(۱۲) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر محمد عمر: ہندستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، باب: ذات پات کے علاقوں میں اسلام کا ورود، ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل، مرتب: ڈاکٹر اشفاق محمد خان (مرتب) عنوان: ہندستانی مسلم سماج میں اونچ نیچ۔ از ابو خالد بن سعدی انورص ۳۳۹، سہ ماہی اسلام اور عصر جدید، نئی دہلی، جنوری ۱۹۷۵ء جلد: ۷، شمارہ: ۱، عنوان: مسلمان اور روح جمہوریت، از: ڈاکٹر سید عابد حسین، ص: ۶-۷

(۱۳) خود راقم الحروف کی بھاوج (بھابی) جو صوبہ یوپی کے ایک مشہور علمی، صنعتی اور ترقی یافتہ شہر مئو ناتھ بھنجن کی رہنے والی ہیں، ان کے آباء و اجداد ٹھاکر (راجپوت) سے مسلمان ہوئے تھے، لیکن ان کی زمینداری، جاگیرداری اور جائداد کے کاغذات پر ذات ''شیخ'' لکھی ہوئی ہے۔

(۱۴) اس کی تفصیلات اس کتاب کے باب پنجم، ہفتم اور نہم میں ملاحظہ ہو۔

(۱۵) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید، پانچواں باب: دہلی کا تیسرا سفر اور دوآبے کا تبلیغی دورہ۔ عنوان: سہارن پور اور اس کے نواح میں اصلاح و تبلیغ کی رو۔ ۱/۱۶۵-۱۶۶

(۱۶) حوالہ سابق: ۱/۱۶۷-۱۶۸، آج بھی بعض جگہوں پر بڑے نام کے باقیات دیکھنے کو مل جائیں گے۔

(۱۷) مولانا اشہد رفیق صدیقی ندوی صاحب نے یہ بات ۷/اکتوبر ۲۰۰۴ء بروز جمعرات کو اپنے دولت خانہ ''اقرا کالونی'' نیو سرسید نگر علی گڑھ پر ۸ سے ۹ بجے صبح کے درمیان بتائی۔

(۱۸) آج بھی اکثر مقامات پر ان برادریوں کو رذیل اور نیچ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی تفصیلات باب نہم میں زیر عنوان: ''اکیسویں صدی کے مسلمانوں میں ذات پات'' دیکھیں۔

(۱۹) کیا سادات کو رسول ﷺ کی اولاد کہنا جائز ہے؟

سادات کو رسول اللہ ﷺ کی نسل اور اولاد بتانا قرآن و سنت کی روشنی میں غیر مناسب ہے، کیوں کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ نسل بیٹے سے چلتی ہے، بیٹی سے نہیں؛ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اُدْعُوْهُمْ لِآبَائِهِمْ'' (الاحزاب: ۵) ''تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ''۔ لڑکا صاحب فراش (شوہر) کا ہوگا اور زانی کو رجم کر دیا جائے گا۔

(امام محمد بن اسماعیل بخاری الصحیح: كتاب في الخصومات باب ٦، دعوى الوصي للميت ٢/٣/٩١، كتاب الوصايا باب (٤) قول الموصي لوصيه، تعاهد ولدي مايجوز للوصي من الدعوى ٢/٣/١٨٧، كتاب الفرائض باب (١٨) الولد للفراش حرة كانت أو أمة ٤/٨/٩، باب (٢٨) من إدعى أخا أو ابن أخ ٤/٨/١١٦، كتاب الأحكام باب (٢٩) من قضى له بحق أخيه فلا يأخذ فإن قضاء الحاكم لا يحل

حراماً ولا یحرم حلالا ۱۱۶/۸/٤، کتاب المغازی باب(٥٣)۔وقال اللیث حدثنی یونس عن ابن شھاب أخبرنی عبداللہ بن ثعلبہ بن صُعیرو کان النبی ﷺ وقد مسح وجھه عام الفتح ٩٦/٥/٣، امام ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی، جامع الترمذی مع تحفة الأحوذی۔ أبواب الوصایاباب (٤)ماجاء لاوصیة لوارث ٢٥٩/٦،رقم الحدیث: ٢٢٠٣، ٢٢٢/٦،رقم الحدیث:٢٢٠٤،ابواب الرضاع، باب(٨) ماجاء أن الولد للفراش ٢٦٩/٤، رقم الحدیث:١١٦٧، سنن ابی داؤد۔کتاب الطلاق باب الولد للفراش ٣٠٩/١، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث: ألسنن امام احمد بن شعیب نسئی: السنن ۔ کتاب الطلاق باب الحاق الولد بالفراش إذا لم ینفه صاحب الفراش ١٨٠/٦/٣۔١٨١، امام محمد بن یزید قزوینی معروف ب ابن ماجه: السنن ابواب النکاح، باب(٢٩) الولد للفراش وللعاھر الحجر ٣٧٠/١۔٣٧١ رقم الحدیث: ٢٠١٤-٢٠١٧، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی: سنن الدارمی۔کتاب النکاح باب الولدللفراش ٢٨٨/١۔٢٨٩، کتاب الفرائض باب فی میراث ولدالزنا ٤٠٥/١، المؤطا لامام مالك :کتاب الأقضیة، باب (٢١)القضاء بالحاق الولد بابیه ٧٣٩/٢رقم الحدیث ٢٠، المسند لامام أحمد بن حنبل: ٢٥/١، ٥٩، ٦٥، ٦٩، ١٠٤، ١٧٩/٢، ٢٠٧، ٢٣٩، ٢٨٠، ٣٨٦، ٤٠٩، ٤٦٦، ٤٧٥، ٤٩٢، ١٨٦/٤-١٨٧، ٢٣٨-٢٣٩، ٢٦٧/٥، ٣٢٦، ٢٠٠/٦، ٢٢٦، ٢٣٧)

ایک دوسری حدیث میں ہے: "مَنْ إدَّعیٰ إلیٰ غَیرِ أبِیہِ وَھُوَیَعْلَمُ أنَّهُ غَیرُ أبِیہِ فَالْجَنَّةُ عَلَیهِ حَرَامٌ۔" جس شخص نے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف کی، حالاں کہ اس کو معلوم ہے کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے، تو اس پر جنت حرام ہے۔"

(الصحیح للبخاری ۔ کتاب الفرائض باب (٢٩)۔من ادعی إلی غیرأبیه ١٢/٨/٤، سنن الدارمی :کتاب الفرائض باب من ادعی إلی غیرأبیه ٣٨٥/١)

مذکورہ بالا آیت میں لڑکے (بچے) کی نسبت باپ کی طرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اوران دونوں احادیث میں بھی لڑکے (بچے) کی نسبت باپ کی طرف ہی کی گئی ہے، نہ کہ ماں کی طرف، اس لیے نسب میں اعتبار باپ کا ہوگا نہ کہ ماں کا۔ دنیا ہی میں نہیں بلکہ قیامت کے دن بھی لوگوں کو ان کے باپ کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا، چناں چہ امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں ایک باب اس عنوان سے باندھا ہے۔

"بَابُ مَا یُدْعَی النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِآبَائِهِمْ"۔ اس چیز کا بیان کہ قیامت کے دن لوگ اپنے باپ کے نام کے ساتھ پکارے جائیں گے۔"

(الصحیح للبخاری: کتاب الأدب، باب٩٩، ١١٤/٧/٤)

ان دلائل اور نصوص کی وجہ سے علماء کرام نے بھی نسب کا اعتبار باپ سے کیا ہے۔ چناں چہ علامہ شامی حنفی ،اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"أنَّ مَنْ کَانَتْ أُمُّھَاعَلَوِیَّةً مَثَلًا وَأبُوھَاعَجَمِیًّایَکُونُ الْعَجَمِیُّ کُفُوًا لَھَا وَإنْ کَانَ لَھَا شَرَفٌ مَا لِأنَّ النَّسَبَ لِلآبَاءِ ،وَلِھٰذَا جَازَ دَفْعُ الزَّکٰوةِ إلَیْھَا ،فَلَا یُعتبرُ التَّفَاوُتُ بَیْنَھُمَامِنْ جِھَةِ شَرَفِ الأمِّ" اگر کسی لڑکی کی ماں علویہ ہو اور اس کا باپ عجمی، تو عجمی اس (لڑکی) کا کفو ہوسکتا ہے۔ اگر چہ اس کو

[ماں کے علویہ ہونے کی وجہ سے] ایک طرح کا شرف حاصل ہے، کیوں کہ نسب کا اعتبار باپ کی جانب سے ہوتا ہے۔ اسی لیے اس [لڑکی] کو زکوۃ دینا بھی جائز ہے، لہٰذا ماں کے شرف کی وجہ سے ان دونوں [عجمی مرد اور علویہ کی بیٹی] کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا۔"

(شیخ محمد امین ابن عابدین شامی: ردالمختار علی الدرالمختار۔ کتاب النکاح باب الکفاءۃ ۸۷/۳)

علامہ محمد نجیب مطیعی شافعی جنھوں نے امام ابواسحاق ابراہیم الشیرازی کی کتاب "المھذب" کے بعض اجزاء کی شرح لکھی ہے فرماتے ہیں:

"فَأَمَّا إِذَا وَطِىَ الرَّجُلُ أَمَتَهُ، فَأَوْلَدَهَا وَلَدًا كَانَ كُفُوًا لِمَنْ أُمُّهُ عَرَبِيَّةٌ، لِأَنَّ الْوَلَدَ يَتْبَعُ الْأَبَ فِي النَّسَبِ دُونَ الْأُمِّ بِدَلِيلِ أَنَّ الْهَاشِمِيَّ لَوْ تَزَوَّجَ أَعْجَمِيَّةً كَانَ وَلَدُهُ مِنْهَا هَاشِمِيًّا وَلَو تَزَوَّجَ الْأَعْجَمِيُّ هَاشِمِيَّةً فَإِنَّ وَلَدَهُ مِنْهَا أَعْجَمِيٌّ"۔ اگر [عربی] آدمی نے اپنی باندی سے مباشرت کی اور اس سے لڑکا پیدا ہوا تو وہ [لڑکا] اس کا کفو ہے جس کی ماں عربیہ ہو، کیوں کہ لڑکا نسب میں باپ کے تابع ہوتا ہے نہ کہ ماں کے۔ مثلاً اگر ہاشمی کسی عجمیہ سے نکاح کرلے اور اس سے لڑکا پیدا ہو تو وہ ہاشمی ہوگا اور اگر عجمی کسی ہاشمیہ سے شادی کرلے اور اس سے لڑکا پیدا ہو تو وہ عجمی ہوگا۔

(الامام محیی الدین بن شرف النووی: کتاب المجموع شرح المھذب للشیرازی، کتاب النکاح۔ باب مایصح به النکاح۔ فصل۔ الکفاءۃ فی الدین والنسب والحریۃ والصفۃ...... ۲۸۵/۱۷، تحقیق: محمد نجیب المطیعی)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی متوفی ۲۴ر اکتوبر ۱۹۲۱ء ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"شریعت مطہرہ میں نسب باپ سے لیا جاتا ہے، جس کے باپ دادا پٹھان یا مغل یا شیخ ہوں وہ انھی قوموں سے ہوگا، اگرچہ اس کی ماں، دادی اور پردادی سب سیداں ہوں" (مولانا احمد رضا خاں بریلوی: احکام شریعت، ص: ۱۸۲، بحوالہ: ڈاکٹر [سید] مظہر معین: اسلام اور ذات پات۔ باب اقوال اکابرامت...... ۷۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ ص: ۳۰۲)

مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی لکھتے ہیں:

"نسب میں اعتبار باپ کا ہے، ماں کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر باپ سید ہے تو لڑکا بھی سید ہے اور اگر باپ شیخ ہے تو لڑکا بھی شیخ ہے۔ ماں چاہے جیسی ہو، اگر کسی سید نے کوئی باہر کی عورت گھر میں ڈال لی اور اس سے نکاح کرلیا تو لڑکے سید ہوئے اور درجہ میں سب سیدوں کے برابر ہیں......"

(مولانا اشرف علی تھانوی: بہشتی زیور: نکاح کا بیان۔ عنوان: کون کون لوگ اپنے برابر کے اور میل کے ہیں اور کون کون برابر کے نہیں ۱۴/۴ر۱۰۔ مولانا تھانوی: دین کی باتیں۔ نکاح کا بیان، عنوان: کون کون آدمی اپنے میل کے ہیں اور کون نہیں۔ ص: ۱۴۴)

مفتی کفایت اللہ سلمانی دہلوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"نسب کا شمار باپ سے ہوتا ہے، ماں نومسلمہ ہے اور باپ قدیم الاسلام تو یہ لڑکی غیر کفو نہیں ہے......"

(مفتی کفایت اللہ: کفایت المفتی۔ کتاب النکاح۔ بارھواں باب کفاءت۔ جواب ۳۴۶، ۲۱۲/۵)

مفتی صاحب ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"زوجہ کے شریف نہ ہونے سے نسب میں کوئی خرابی نہیں آتی لأن النسب للآباء......

(حوالہ سابق، جواب:۳۵۳، ۲۱۷/۵)

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اوّل، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

"زید کا غیر کفو میں نکاح کر لینے سے زید کی اولاد کے نسب میں کچھ فرق نہیں ہوا، کیوں کہ نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے......"

(مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔ کتاب النکاح۔ چھٹا باب مسائل و احکام کفاءت سوال: ۱۱۶۱، ۲۱۷/۸، مرتب مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی)

جب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ نسل بیٹے سے چلتی ہے، بیٹی سے نہیں تو سادات کو رسول ﷺ کی اولاد بتانا اور خود سادات کا یہ دعویٰ کرنا کہ وہ رسول ﷺ کی اولاد ہیں اور مذکورہ حدیث "مَنْ ادَّعىٰ إلىٰ غيرِ أبيه......" کی روشنی میں صحیح نہیں ہے، قرآن و سنت سے قطع نظر مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی (مفتی محمد شفیع: نہایات الارب فی غایات النسب۔ مصدقہ بہ: مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی۔ عنوان: الانتساب الی غیر الانساب، ص: ۲۴-۲۳) اور مولانا اشرف علی تھانوی (مولانا اشرف علی تھانوی: بوادر النوادر، عنوان: رسالۃ الاختلاف للاعتراف در قبح افراط و تفریط در انساب ۲/ ۸۲۰) جنھوں نے سادات کو سب سے اونچا مقام عطا کیا ہے۔ کے یہاں بھی ایسا (غیر نسب کی طرف انتساب) کرنا حرام اور آخرت میں عذاب کا سبب ہے۔ کیوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، جس کی صراحت اللہ نے خود ہی کر دی ہے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِن رِّجَالِكُمْ" (الاحزاب: ۴۰) محمد ﷺ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔

اور جب آپ ﷺ کے پاس کوئی اولاد نرینہ نہ تھی تو پھر آپ ﷺ کی نسل کس طرح چلی؟ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضور ﷺ کی بیٹی سے حضور ﷺ کی نسل چلنا ان کی خصوصیات میں سے ہے۔ تو اس خصوصیت کی صریح دلیل ہونی چاہیے۔ بالفرض اگر حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو آپ ﷺ کی نسل مان بھی لیا جائے تو زیادہ عزت و فضیلت کے حق دار صرف امام حسنؓ اور امام حسینؓ ہی ہوں گے۔ ان کے بعد کے لوگ یعنی امام زین العابدین علی بن حسینؓ اور ان کی اولاد نہیں ہوگی؛ کیوں کہ مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی کے نزدیک:

"......اگر کسی سید نے کوئی باہر کی عورت گھر میں ڈال لی اور اس سے نکاح کر لیا تو لڑکے سید ہوئے اور درجہ میں سب سیدوں کے برابر ہیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ جس کے ماں باپ دونوں عالی خاندان ہوں، اس کی زیادہ عزت ہے، لیکن شرع میں سب ایک ہی میل کے کہلاویں گے۔"

(بہشتی زیور۔ محولہ بالا ۱۰۴/۴، دین کی باتیں: محولہ بالا، ص: ۲۴۴)

اور یہ بات مسلم الثبوت ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے امام زین العابدین علی بن حسینؓ جو امام حسین کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے سادات حضرات اپنا سلسلۂ نسب امام حسینؓ تک پہنچاتے ہیں کی ماں اور

بیوی دونوں لونڈی اور ام ولد تھیں۔(عبدالله بن مسلم ابن قتيبة الدينوري :كتاب المعارف ۔ كتاب اخبار علي بن ابي طالب رضي الله عنه ۔ ولد علي رضي الله عنه) ص: ۲۱۴-۲۱۵۔ الامام محمد بن سعد: الطبقات الكبرى :باب بقية الطبقة الثانية من التابعين علي بن الحسين ۲۱۱/۵، ۲۱۴۔ العلامة شمس الدين احمد ابن خلكان ۔:وفيات الاعيان و انباء ابناء الزمان ۔العنوان: تذكره زين العابدين ۲۶۷/۳-۲۶۸،رقم الاسم: ۴۲۲ ۔محي الدين عبدالقادر العيد روسي :تاريخ النور السافر عن اخبار القرن العاشر سنة سبع و سبعين بعد التسع مائة، ص: ۳۳۰-۳۳۱، خلافت بنوامیہ اور ہندستان، محولہ بالا۔ باب اسلامی علوم وفنون ۔عنوان شیعی تحریک کے اثرات ونتائج ،ص ۴۴۸)۔اتنا ہی نہیں؛ بلکہ سید خاندان میں امہات الاولاد کی ایک لمبی فہرست ہے؛ چناں چہ حضرت علیؓ کی نسل سے تعلق رکھنے والے محمد بن عبداللہ المعروف بہ نفس زکیہ نے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے خلاف بغاوت کردی تھی۔ اس بغاوت کو ختم کرانے کے واسطے خلیفہ منصور نے ان کو خط لکھا تھا، ان کے اس خط کے جواب میں نفس زکیہ نے لکھا:

"خلافت دراصل ہمارا حق ہے .... ہمارے باپ علیؓ وصی اور امام تھے، پھر تم ہمارے یعنی ان کی اولاد کے ہوتے ہوئے کیسے وارث ہوگئے، تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ کسی ایسے شخص نے جس کا نسب اور شرف خاندانی تمھارے جیسا ہو۔ خلافت کا دعویٰ نہیں کیا، ہم ملعونوں، مطرودوں اور آزاد کردہ غلاموں کی اولاد میں نہیں ہیں [غالباً اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جنگ بدر میں حضرت عباسؓ مشرکوں کے ساتھ نکلے تھے اور ان کی شکست کے بعد گرفتار ہوگئے تھے اور فدیہ دے کر رہائی حاصل کی تھی] ہم کو قرابت رسول، سبقت فی الاسلام اور دوسرے فضائل جو مفاخر اسلام حاصل ہیں وہ بنو ہاشم میں کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کی ماں فاطمہ بنت عمرو کی اولاد ہم تھے نہ کہ تم اور اسلام میں ان کی لڑکی فاطمہؓ کی اولاد ہم تھے نہ کہ تم، خدا نے ہمارے لیے بہترین نسب منتخب کیا، ہمارے والد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں میں تھے اور علیؓ سب سے پہلے مسلمان تھے، ازواج النبی میں سب سے افضل ہماری نانی خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا تھیں، جنھوں نے سب سے پہلے قبلہ رخ نماز پڑھی، لڑکیوں میں سب سے بہتر فاطمہؓ خواتین جنت کی سردار ہیں، اسلام میں پیدا ہونے والوں میں سب سے بہتر حسنؓ وحسینؓ نوجوانان جنت کے سردار ہیں، علیؓ کو ہاشم سے دوہرا شرف ابنیت حاصل ہے [حضرت علیؓ کے والد حضرت ابوطالب ہاشم کے پوتے تھے اور علیؓ کی ماں فاطمہ بنت اسد ہاشم کی پوتی تھیں، اس لیے حضرت علیؓ ہاشم کے پرپوتے بھی تھے اور پرنواسے بھی] حسنؓ کو عبدالمطلب سے دوہرا شرف ابنیت حاصل ہے [اسی طرح حضرت حسنؓ عبدالمطلب کے پرپوتے بھی تھے اور پرنواسے بھی) مجھے حسنؓ وحسینؓ کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوہرا شرف ابنیت ہے (نفس زکیہ حضرت امام حسنؓ کے پر پوتے تھے اور حضرت امام حسینؓ کے پرنواسے، اس لیے وہ ننہال اور ددھیال دونوں جانب سے اہل نبوی میں تھے] میں نسباً بنی ہاشم کا خلاصہ ہوں، میری رگوں میں امہات اولاد کا عجمی خون نہیں ہے [یہ منصور پر طنز ہے، وہ لونڈی کے بطن سے تھا] اللہ تعالیٰ نے نسب کے لحاظ سے میرے لیے بہترین ماں باپ منتخب کیے

اور یہ امتیاز دوزخ میں بھی قائم رکھا، میں اس کی اولاد ہوں جس کا درجہ جنت میں سب سے بلند ہوگا [یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم]۔ میں اس کی اولاد ہوں جس کو دوزخ میں سب سے کم عذاب ملے گا [روایات میں ہے کہ ابو طالب پر سب سے کم عذاب ہوگا] پس نیکوں میں سب سے بڑے نیک اور بروں میں سب سے کمتر برے اور جنت اور دوزخ کے سب سے بہتر مکیں کا فرزند ہوں۔ میں خدا کا واسطہ دے کر وعدہ کرتا ہوں کہ تم میری دعوت مان کر میری اطاعت قبول کر لو تو خدا کے حدود، مسلمانوں اور معاہد کے حقوق کے علاوہ جن کا بار تمہاری گردن پر ہے، تمہاری جان، تمہارا مال اور تمہارے تمام محدثات کو معاف کر دونگا ۔ میں خلافت کا تم سے زیادہ حقدار اور ایفائے عہد کا تم سب سے زیادہ پابند ہوں......"

(مولانا شاہ معین الدین ندوی: تاریخ اسلام۔ باب خلافت عباسیہ، حصہ اول۔ عنوان: نفس زکیہ کا جواب ۳/۳۵-۳۶)

نفس زکیہ کے اس خط کا جواب دیتے ہوئے خلیفہ منصور نے لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ! امابعد۔ تمہاری گفتگو میں نے سنی اور تمہاری تحریر دیکھی، تم عوام و جہلا اور جفا کاروں کو گمراہ کرنے کے لیے عورتوں کی قرابت کا صور پھونکتے ہو، [یعنی حضرت فاطمہؓ کی اولاد ہونے کا] حالاں کہ خدا نے عورتوں کا درجہ چچا، باپ، عصبہ اور اولیاء کے برابر نہیں رکھا ہے، خدا نے چچا کو باپ کا رتبہ دیا ہے [یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ منصور کے جد اعلیٰ حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے]اور اپنی کتاب میں بھی اسی سے شروع ہے...... تمہارا یہ لکھنا کہ تم بنو ہاشم کا خلاصہ ہو، والدین کی طرف سے تمہارا نسب زیادہ خالص ہے، تم میں امہات اولاد کا خون نہیں ہے، کتنی بڑی جسارت ہے، اس سے تم پورے بنو ہاشم کے مقابلہ میں فخر کر رہے ہو، دیکھو کل تم خدا کو کیا جواب دو گے، تم اپنے دعویٰ میں اپنے حدود سے اتنا آگے بڑھ گئے ہو کہ جو مسلمہ طور پر تم سے ہر اعتبار سے افضل ہے، اس کے مقابلہ میں فخر کرتے ہو۔ گویا تم اپنے کو رسول اللہ (ﷺ) کے صاحبزادے حضرت ابراہیم سے افضل سمجھتے ہو، جو ام ولد کے بطن سے تھے اس مثال کو جانے دو خود تمھارے باپ کے بھائی کی بہترین اور افضل ترین اولاد ام الولد ہی کے بطن سے تھی [یعنی حضرت امام زین العابدین بن حسین] یہ تم بھی مانتے ہو کہ رسول اللہ (ﷺ) کی وفات کے بعد تمھارے خاندان میں علی بن حسین سے افضل کوئی نہیں پیدا ہوا، وہ بھی ام ولد کے بطن سے تھے اور تمھارے دادا حسن بن حسین سے افضل تھے، پھر ان کے بعد تمھارے خاندان میں محمد بن علی سے بہتر کوئی نہیں ہوا، ان کی دادی بھی ام ولد تھیں وہ تمھارے باپ سے افضل تھے، ان کے بعد ان کے لڑکے جعفر کی دادی بھی ام ولد تھیں اور تم سے تھی، ان کھلی ہوئی مثالوں کے بعد بھی کیا تمھیں فخر کا حق ہے؟ تمہارا یہ دعویٰ کہ تم لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے لڑکے ہو، قرآن کے سراسر خلاف ہے۔ خدا فرماتا ہے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ" [محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں]ہاں تم آپ ﷺ کی لڑکی کی اولاد البتہ ہو اور یہ بھی قریبی قرابت ہے، لیکن اس کے لیے میراث جائز نہیں [اس سے یہ مراد ہے کہ عصبات کی موجودگی میں نواسہ وارث نہیں ہوتا یا آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد کی طرف ہے کہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی] نہ لڑکی کی ولایت کا حق ہوتا ہے، نہ امانت کا، پھر تمھیں کیوں کر

اس کا حق پہنچ گیا"(حوالہ سابق، عنوان: منصور کا دوسرا خط ۳ / ۳۷-۳۹)

(۲۰) سادات کی شہرت کا بانی کون؟

چناں چہ شیعہ حضرات غیر سادات سے سیدات کا نکاح ان کی اور ان کے اولیاء کی رضامندی کے ساتھ بھی حرام قرار دیتے ہیں"وَفِي البَسِيطِ ذَهَبَ الشِّيعَةُ إِلَى أَنَّ نِكَاحَ العَلَوِيَّاتِ مُمْتَنِعٌ عَلَى غَيْرِهِمْ مَعَ التَّرَاضِي"(أبو محمد محمود بن أحمد: البناية في شرح الهداية ـ المشهور ب:عيني شرح الهداية، كتاب النكاح باب في الاولياء والأكفاء فصل في الأكفاء ٢ / ١٠٢)۔

سادات کو شہرت دلانے میں عباسی تحریک کا جو ہاتھ ہے، اس کا اعتراف حضرت علیؓ کی نسل سے تعلق رکھنے والے محمد بن عبداللہ المعروف بہ نفس زکیہ نے بھی اپنے ایک خط میں کیا ہے، جس کو انھوں نے خلیفہ منصور کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"خلافت دراصل ہمارا حق ہے۔ ہمارے ہی ذریعہ تم نے اس کا دعویٰ کیا ہے، ہمارے شیعوں کو لے کر تم اس کے حصول کے لیے نکلے اور **ہماری ہی فضیلتوں** کے طفیل میں تمھیں یہ اعزاز حاصل ہوا ہے۔"

(تاریخ اسلام، محولہ بالا، باب خلافت عباسیہ، حصہ اول۔ عنوان: نفس زکیہ کا جواب ۳ / ۳۵)

خود خلیفہ منصور کہا کرتے تھے کہ ہم (بنوعباس یا عباسی تحریک) نے خاندان سادات یعنی اولاد حضرت فاطمہؓ کی شہرت اور فضیلت عام کی؛ چناں چہ جب انھوں نے نفس زکیہ کے خط کا جواب دیا تو لکھا:

"......پھر تم لوگ بنوامیہ کے مقابلہ میں اٹھے، بنوامیہ نے تمھارے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا، تمھیں قتل کیا، تمھیں سولیوں پر لٹکایا، آگ میں جلایا، جلاوطن کیا، حتی کہ یحییٰ بن زید غریب الوطنی میں خراسان میں قتل ہوے، بنوامیہ نے تمھارے مردوں کو قتل کیا، عورتوں اور بچوں کو قید کر کے بے پردہ کشاں کشاں شام لے گئے، تا آنکہ ہم ان کے مقابلہ کے لیے اٹھے اور ان سے تمھارا پورا پورا بدلہ لیا اور تمھیں ان کے ملک کا وارث بنایا، **تمھارے اسلاف کی فضیلت کا ڈنکا بجا کر ان کا نام روشن کیا**۔ ہماری اس فضیلت کو تم ہمارے ہی خلاف حجت قرار دیتے ہو، اور سمجھتے ہو کہ تمھارے اجداد کا نام ان کی برتری کی وجہ سے لیتے تھے کہ وہ حمزہؓ و عباسؓ اور جعفرؓ سے افضل تھے۔"(حوالہ سابق ۳ / ۴۰)

(۲۱) ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی۔ باب السلطان غیاث الدنیا والدین بلبن۔ عنوان: عہد بلبنی کے علماء و مشائخ، سادات ص: ۱۹۲۔ اردو ترجمہ: سید معین الحق

(۲۲) کنور محمد اشرف: ہندستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں، حصہ اول۔ سیاسی حالات علماء اور دیگر مذہبی افراد پر مشتمل طبقہ۔ سید، ص: ۱۳۸-۱۳۹، اردو ترجمہ: قمر الدین

(۲۳) تاریخ فیروز شاہی محولہ بالا۔ باب السکندر ثانی السلطان الاعظم علاء الدنیا والدین۔ عنوان: سادات عہد علائی...... ص: ۵۰۸-۵۱۱

سلطان علاء الدین خلجی نے سادات وغیرہ کو تو بہت زیادہ عہدے دیے ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ کچھ مزعومہ رذیل ذاتوں کے افراد کو بھی مناصب دیے۔ جیسے قاضی ممالک دہلی کا عہدہ اپنے گھریلو نوکر ملک التجار حمید

الدین ملتانی کو دیا جس کا ذکر باب پنجم: علماء کا کردار میں مولانا سید ضیاء الدین برنی کا غیر اسلامی طرزِ عمل کے زیرِ عنوان آ رہا ہے، لیکن ضیائے برنی کہتے ہیں کہ وہ عہد علائی کے آخر کا واقعہ ہے جب سلطان کے مزاج میں استقامت نہیں رہتی تھی۔ دوسرے ملک کافور نو مسلم جو مزعومہ رذیل ہندو ذات بروا یعنی چمار تھے کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔

(آئینہ حقیقت نما محولہ بالا باب چہارم، عنوان: سلطان علاء الدین خلجی ۱/۱/۳۹۰، ملک کافور کی جانب سے علاء الدین کی خدمت گزاری، ۱/۲/۴۰۵-۴۰۶، باب پنجم سلطان محمد تغلق کی وفات، تبلیغ اسلام اور ہندو نوازی، ۱/۲/۴۴۷، تاریخ فرشتہ: محولہ بالا باب علاء الدین خلجی، عنوان: گجرات کی فتح ۱/۱/۳۴۹،

(۲۴) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، باب سلطان العصر والزمان والواثق بنصرۃ الرحمٰن فیروز شاہ۔ عنوان: سادات پر فیروز شاہ کی عنایات ص: ۸۱۰-۸۱۱

(۲۵) جناب ڈاکٹر کنور محمد اشرف کو یہاں مغالطہ ہو گیا ہے یا غلط طباعت ہو گئی ہے کہ سلطنت سادات کی بنیاد ۱۳۹۸ء میں پڑی، حقیقت یہ ہے کہ ۱۳۹۸ء میں تیمور لنگ نے دہلی پر حملہ کیا اور ۱۴۱۳ء میں سلطنت سادات کے بانی خضر خاں تخت نشین ہوئے۔

(۲۶) کیا سلطنت سادات کے بانی سید تھے؟

۱۴۱۳ء میں ہونے والے حکمران ہند کو بہت سے مورخ سید مانتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس خاندان کے بانی ایک خان تھے جو اپنے آپ کو سید کہنے اور کہلوانے لگے۔ چناں چہ ہندستان کے مایہ ناز مورخ، مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی رقم طراز ہیں:

> ''ہندستان میں بھی ایک حکمران خاندان گزرا ہے، جس کو خاندان سادات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر یہ حقیقت عالم آشکارا ہے کہ وہ خضر خاں حاکم ملتان جو اس خاندان کا مورث اعلیٰ تھا، ہرگز سید نہ تھا، اس کے سید مشہور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ایک بزرگ صوفی نے اس کو ''سید'' (سردار) کہہ کر پکارا تھا، آج کل بھی لوگ مغل پٹھان سردار کو ''سید'' کہہ کر مخاطب کر لیتے ہیں۔'' (مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: تاریخ اسلام، باب خلافت بنوامیہ، عنوان: تمہید ۲/۲۲)۔

وہ اپنی ایک دوسری مشہور کتاب ''آئینہ حقیقت نما (مسلم سلاطین ہند حقیقت کے آئینہ میں) میں لکھتے ہیں کہ:

> ''خضر خاں اور اس کی اولاد کی سلطنت کو عام طور پر سلطنت سادات کہا جاتا ہے، لیکن یہ بات حقیقت واصلیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ سلطان فیروز تغلق کے زمانہ میں ملک مردان دولت الملخاطب بہ نصیر خاں ملتان کا صوبہ دار تھا۔ اس نے ایک مجہول النسب لڑکے کی پرورش کر کے اپنا بیٹا بنایا، جس کا نام سلیمان تھا۔ نصیر خاں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک شیخ ملتان کا حاکم ہوا، اس کے مرنے کے بعد سلیمان کو ملک سلیمان بنا کر ملتان کی حکومت سپرد کی گئی۔ اس ملک سلیمان کا بیٹا خضر خاں تھا، جو دہلی کا بادشاہ ہوا'' (باب ہشتم، عنوان: خضر خان ابن ملک سلیمان ۱/۲/۶۷۶)

پھر وہ آگے لکھتے ہیں کہ:

تیمور لنگ کی سادات پرستی سے فائدہ اٹھانے کی خاطر خضر خاں نے ان کے سامنے اپنے آپ کو سید ظاہر کیا۔

(حوالہ سابق ص:۱/۲/۶۷۹)

(۲۷) ہندستانی معاشرہ عہد وسطی میں محولہ بالا، حصہ اول۔ سیاسی حالات، عنوان: علماء اور دیگر مذہبی افراد پر مشتمل طبقہ۔ سید، ص:۱۴۰

(۲۸) واقعات مشتاقی ص:۲۶، بحوالہ: حوالہ سابق، ص:۱۴۰، حاشیہ:۱

(۲۹) ہندستانی معاشرہ عہد وسطی میں محولہ بالا۔ حاشیہ:۳، ص:۱۳۹-۱۴۰

سیدوں کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے مذکورہ بالا واقعہ کے گھڑنے والے نے کس طرح حضور ﷺ پر ایک عظیم تہمت اور الزام لگایا ہے کہ حضور ﷺ کو صرف سادات کی فکر ہے دوسرے مسلمانوں کی کوئی حیثیت ان کے نزدیک نہیں ہے۔ جب کہ رسول ﷺ کا قول و عمل واقعہ نگار کی بات سے بالکل ہی الگ ہے۔ جس کے ثبوت سے احادیث، سیرت، مغازی اور تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

واقعہ نگار کو ذرا سا بھی خوف نہیں ہوا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

"مَن كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" (جس نے میری طرف نسبت کر کے عمداً جھوٹی بات بیان کی، اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔) (الصحيح للبخاري: كتاب العلم باب إثم من كذب على النبي ﷺ ۱/۱/۳۵، الصحيح لمسلم مع شرحه النووي: باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ ۱/۱/۶۷)

(۳۰) آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب ششم۔ عنوان: خضر خاں ابن ملک سلیمان ۱/۲/۶۷۸-۶۷۹

(۳۱) عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ۔ عنوان: ذکر سلیم شاہ بن شیر شاہ کا ۱۶۳-۱۶۴، اردو ترجمہ احتشام الدین

(۳۲) تاریخ فرشتہ، محولہ بالا۔ باب شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر ۱/۶۸۰

(۳۳) شیخ برادری میں بھی مختلف گوتر ہیں۔ مثلاً صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی اور انصاری (انصار مدینہ) وغیرہ جو بالترتیب ایک دوسرے سے اونچے اور نیچے مانے جاتے ہیں۔ یعنی صدیقی کا درجہ سب سے بلند ہے، اس کے بعد فاروقی کا نمبر آتا ہے، پھر عثمانی کا، پھر علوی کا اور سب سے آخر میں انصاری شیخ کا۔ (Prof. Imtiaz Ahmed (ed) Cast and Social stratification among Muslims in India.)

(۳۴) خصوصاً بڑے اور اونچے عہدوں پر مزعومہ نیچی ذاتوں کے افراد کو فائز نہیں کیا جاتا تھا۔

(۳۵) شمس الدین التمش، قطب الدین ایبک (یہ سلطان محمد غوری کے غلام تھے) کے غلام تھے، تو غیاث الدین بلبن، شمس الدین التمش کے غلام تھے اور دونوں ترکی النسل / تاتاری النسل تھے (آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب چہارم سلطنت غلامان۔ عنوان: شمس الدین التمش ۱/۱/۳۳۹-۳۴۰، سلطان غیاث الدین بلبن ۱/۱/۳۵۶، ابو عمر منہاج الدین عثمان معروف بہ منہاج سراج: طبقات ناصری، اردو ترجمہ: غلام رسول مہر)

(۳۶) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، باب السلطان المعظم غیاث الدنیا والدین بلبن، عنوان: بادشاہی کا وقار، ص:۹۰-۹۲

(۳۷) Khaliq Ahmad Nizami: Some Aspects of Religion and Politics in India During the Thirteen Century, Topic: Two classes, p.107

(۳۸) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، باب السلطان المعظم۔ غیاث الدنیا والدین بلبن، عنوان: بادشاہی کا وقار، ص:۸۸

(۳۹)Some Aspects of Religion and Politics in India During the Thirteen Century, op.cit., p.107

(۴۰) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، عنوان: بادشاہی کا وقار، ص:۷۹-۹۲

(۴۱) Maktubat-i-Ashafi,(MS)f.76a., Quoted in: Some Aspects of Religion and Politics in India During the Thirteen Century: op. cit., p.107.

(۴۲) ڈاکٹر کنور محمد اشرف نے رعایا میں نچلے درجے کے مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کو شامل کیا ہے (ہندستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں محولہ بالا۔ حصہ اول سیاسی حالات۔ دربار، خصوصی حقوق یافتہ اور دیگر سماجی طبقات، ص:۱۱۶) لیکن تمام ہندوؤں کو رعایا میں شامل کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ مزعومہ بڑی ذاتوں کے ہندو اس دور میں بڑے بڑے عہدے اور مناصب مسلم بادشاہوں سے حاصل کیے ہوئے تھے۔ لہٰذا قیاس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح نچلے درجے کے مسلمان رعایا تھے اسی طرح صرف نچلے درجے کے ہندو ہی رعایا رہے ہوں گے۔

(۴۳) ہندستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں۔ محولہ بالا، ص:۱۱۶

(۴۴) آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب چہارم۔ عنوان: رضیہ سلطانہ ۱/۱/۳۴۸-۳۴۹، تاریخ فرشتہ، محولہ بالا، باب: رضیہ سلطانہ، عنوان رضیہ کا قتل ۱/۲۶۲

(۴۵) تاریخ فرشتہ، محولہ بالا، باب: قطب الدین مبارک شاہ خلجی۔ عنوان: دیوگیڑھ پر حملہ ۱/۴۰۴

(۴۶) ضیائے برنی، خسرو خاں کے بھائی حسام الدین کو مرتد لکھتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

''خسرو خان کا یہ بھائی ایک خبیث، بدنصیب مرتد براد و بچہ تھا..... یہ ولد الزنا مرتد ہو گیا تھا''

وہ خسرو خاں کو گالیاں دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''وہ [خسرو خان] غدار، حرامزادہ (سلطان کے) اغلام کرنے (طمث) کی حالت میں جو ایک عجیب حالت ہوتی ہے ان مخالف ملاک کی شکایت کرتا تھا..... غافل اور مست سلطان نے اس ولد الزنا کی گذارش کو لاکھ (جولک) کی طرح نگل لیا اور اس کو اجازت دے دی..... اس حرامزادے کی بغاوت کا وقت قریب آ گیا تھا..... براد وں اور ہندوؤں کے زور کی وجہ سے ایک غلام بچہ اور براد و بچہ تخت علائی کی قطبی پر بیٹھ گیا۔ اور اس غدار نابکار زمانہ نے یہ گوارا کر لیا کہ ایک لومڑی کی نسل والا گیدڑ بچہ خوفناک شیروں کی جگہ پر بیٹھے۔ اس نے سور کے بچے کو جو کتوں کی خاصیتیں رکھتا ہے، پیلان صف شکن اور پہلوانوں کے تخت پر بیٹھا ہوا پسند کیا ہے۔'' (تاریخ فیروز شاہی، باب: السلطان شہید قطب الدنیا والدین مبارک شاہ، ص ۵۴۲، ۵۷۶، ۵۸۳، ۵۸۸)

(۴۷) آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب چہارم۔ عنوان: سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی سے امراء سلطنت کی کبیدگی ۱/۱/۴۰۹-۴۱۰

(۴۸) ہندستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں، محولہ بالا۔ حصہ اول: سیاسی حالات۔ عنوان: مسلم عوام، ص:۱۴۸-۱۴۹

(۴۹) ڈاکٹر ایشوری ٹوپا: ہمارا ثقافتی ورثہ، ص:۵۷، بحوالہ ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل۔ محولہ بالا

باب پنجم

علماء کا کردار

محمد تغلق کا اسلامی کردار

عربوں کی اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد تقریباً پانچ صدیوں تک اکثر مسلم حکمراں، اسلام کے نام پر برہمنیت کے قوانین ذات پات پر سختی سے عمل پیرا رہے۔(۱) اس عرصہ میں مسلمانوں کے پس کردہ طبقات کی حالت بالکل ابتر رہی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہندوؤں کی مزعومہ چھوٹی ذاتوں کے لوگ جو اسلام کے مساوات کی وجہ سے اس کی طرف کھنچے چلے آرہے تھے، حکمراں طبقہ کے نظریۂ ذات کے سبب اسلام قبول کرنے سے گریز کرنے لگے اور ان کا گریز کرنا حق بجانب تھا، کیوں کہ ہندومت میں رہتے ہوئے برہمنیت ان کا استحصال کررہی تھی اور اسلام لانے کے بعد برہمنیت کی ذات پات کے حامی مسلم حکمران یہ خدمت انجام دے تھے۔ گویا ذات پات کے حامی حکمراں طبقہ نے اسلام کا دائرہ وسیع کرنے کے بجائے تنگ سے تنگ کردیا تھا، لیکن ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء میں ایک انقلاب آیا۔ ہوا یہ کہ یکم ربیع الاول ۷۲۵ھ مطابق ۱۵ رفروری ۱۳۲۵ء میں محمد تغلق تخت نشین ہوئے۔ یہ حافظ قرآن، عالم دین اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔ یہ بہت عادل منصف اور رعایا پرور بادشاہ تھے۔ شروع شروع میں انھوں نے بھی اپنی خواہش کے علی الرغم غیر ملکیوں اور خاندانی مسلمانوں (موہوم شرفا) کو بڑے بڑے عہدوں اور مناصب پر فائز کیا اور بڑی بڑی جاگیریں اور قطعات عطا کیے، چناں چہ ملا محمد قاسم فرشتہ اپنی تاریخ ''تاریخ فرشتہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''محمد تغلق نے اپنی حکومت کے ابتدائی عہد میں اپنے امیروں اور مددگاروں کو جو اس کی رائے پر چلتے تھے ہمیشہ حسب دل خواہ عہدے اور جاگیریں عطا کیں۔ اپنے چچازاد بھائی ملک فیروز کو باربک کا نائب مقرر کیا اور شاہ ناصرالدین کی وفات کے بعد ملک بیدار خلجی کو قدر خاں کا خطاب دے کر لکھنوتی کا حاکم مقرر کیا اور وکیل داری کا عہدہ اپنے استاد قتلغ خاں کو دیا جنھوں نے اس کو قرآن شریف حفظ کرایا تھا اور کچھ فارسی کتابیں پڑھائی تھیں۔ ملک مقتول کو عماد الملک کا خطاب دے کر وزیرالمما لک کا عہدہ دیا۔ گجرات کا سپہ سالار احمد ایاز کو مقرر کیا اور خواجہ جہاں کا خطاب بھی دیا۔ ملک مقبل خاں (۲) کو ''خاں جہاں'' کا خطاب دیا۔ گجرات کی وزارت سپرد کی اور گجرات کے ایک حصہ کا جاگیردار بنایا۔ قتلغ خاں کا

بیٹا محمد خاں ''الپ خاں'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ ملک شہاب الدین ''ملک افتخار'' کے نام سے نوساری کا صوبہ دار بنایا گیا۔'' (۳)

ڈاکٹر کنور محمد اشرف نے غیر ملکی امراء کے عروج وزوال کو مختصراً مگر جامع انداز میں بیان کیا ہے کہ کس طرح سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ان کا عروج ہوا، ان کی تنظیم ''امیران چہل گامی'' بنی، سلطان غیاث الدین بلبن نے ان کے وجود کو اپنی حکومت کے لیے خطرہ محسوس کر کے ان کا بڑی بے دردی سے استیصال کیا، لیکن پھر بھی ان کے خصوصی حقوق کی حفاظت کو فراموش نہیں کیا، بلکہ اپنے بیٹے تک کو ان کی عزت کرنے کی تلقین کی کہ بغیر امراء کے حکومت نہیں چل سکتی۔ بلبن کے عہد کی سیاسی رکاوٹ کے بعد امراء نے اپنے سیاسی نظام کو دوبارہ منظم کیا اور اتنے طاقت ور ہو گئے کہ سلاطین کو اپنی حکومت برقرار رکھنے کے لیے ان کی اعانت کی ضرورت پڑنے لگی۔ علاء الدین خلجی نے تخت نشین ہونے کے بعد ان کے وجود کو اپنی حکومت کے لیے شگون بد سمجھ کر اس میں ہندستانی عناصر کو بھی شامل کیا تا کہ ان کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس کے بعد وہ سلطان محمد تغلق کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''محمد تغلق نے تخت نشین ہونے کے بعد ٹھنڈے دل سے پورے حالات کا مطالعہ کیا، جن میں سے ایک میں وہ پہلے خود رول ادا کر چکا تھا۔ تجربہ سے اسے معلوم ہوا کہ غیر ملکی ترکی امراء اور ان کے ہندستانی جانشین ہی غلطی پر ہیں، اس لیے اس نے ابتدائی دور حکومت میں بیرون ہند کے مسلم ممالک سے غیر ملکیوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ ہندستانی امراء اور ترکی نژاد ہندستانی باشندوں کے مطالبات کو دیدہ ودانستہ نظر انداز کیا۔ سلطان نے ہر قیمت پر غیر ملکی امراء کو بلایا، انتہائی ذمہ داری کے حامل اور اہم ترین عہدے انھیں عطا کیے۔ مثال کے طور پر وزیر، دبیر، فوجی کمانڈر، قاضی، دینیات کے عالم یا شیخ الاسلام وغیرہ کے عہدے معمولی علم کے حامل غیر ملکیوں کو عطا کیے۔ ہندستان آنے والے غیر ملکی لوگ مجموعی طور پر ''اعزا'' کہلاتے تھے۔ جو غیر ملکی افراد ان مواقع سے استفادہ نہ کر سکے یہ ان کی اپنی کوتاہی تھی۔'' (۴)

لیکن سلطان محمد تغلق آخر میں مذکورہ بالا تمام طبقوں کے جانی دشمن ہو گئے۔ ڈاکٹر کنور محمد اشرف، مولانا سید ضیاء الدین برنی کی کتاب تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۰۱ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

''اس [محمد تغلق] نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ روئے زمین پر کسی غیر ملکی کو زندہ نہ چھوڑے گا'' (۵)

وجہ یہ تھی کہ چوں کہ غیر ملکی، ہندستان میں اچھی نیت سے نہیں آتے تھے، وہ صرف مال وزر اکٹھا کرنے آتے تھے اور مقصد بر آتا تھا تو آنا فانا واپس چلے جاتے تھے، اس سے سلطان محمد تغلق کو بہت

دھکا لگا۔ جناب ڈاکٹر کنور محمد اشرف اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ یہ غیر ملکی ہندستان میں دولت جمع کرنے اور جلد سے جلد اپنے ملک کو واپس لوٹ جانے کے لیے ہی آتے تھے۔ وہ حکومت کا ایسا کوئی پر منفعت عہدہ قبول کرنے کی بالکل پرواہ نہ کرتے تھے، جس کی بنا پر انھیں ہندستان میں زیادہ عرصہ رکنا پڑے۔ اگر ان میں سے چند ہندستان میں قیام کرنے کو ترجیح بھی دیتے تھے تو بھی وہ ہر ممکن طریقے سے دولت جمع کرنے کے زیادہ متمنی رہتے تھے بہ نسبت اس کے کہ وہ زرعی پیداوار بڑھانے یا سرکاری امور میں بہتر کارکردگی دکھانے کے سلطان کی انتظامی معاملات میں اعانت کریں۔''(۶)

دوسری بات یہ ہوئی کہ محمد تغلق، حافظ قرآن، عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ پکے موحد اور روشن خیال بھی تھے۔ ہمیشہ قرآن شریف اور کتب احادیث اپنے پاس رکھتے تھے، اس کے برخلاف کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے تھے، انھوں نے انفصال خصومات اور اجراء احکام شرعیہ کے لیے قاضی اور مفتی ہر شہر اور ہر قصبہ میں حسب دستور قائم رکھا، لیکن وہ قبر، پیر، مراسم پرستی، ذات پات، اونچ نیچ اور چھوت چھات کے جانی دشمن تھے، گمراہ صوفیوں، بدعتی مولویوں، علماء اور مفتیان کے اقتدار کو بالکل ناپسند کرتے تھے، انھوں نے ان تمام چیزوں کی اصلاح کرنی شروع کی۔ اس طرح کے مولوی، مفتی اور صوفی جو ہر جگہ پہلے سے موجود تھے ان سے اپنے طور طریقے پر نظر ثانی کرنے کو کہا، لیکن جب یہ لوگ سیدھے طریقے سے نہ مانے تو پرانے نظام قضا کو تبدیل کر کے قاضی کمال الدین۔ جو سلطان کی طرح روشن خیال اور متبع کتاب وسنت بزرگ تھے۔ کو کمال الملک صدر جہاں کا خطاب دے کر مہتمم اور امور شرعیہ کا عہدہ عطا کیا۔ خواجہ جہاں ملک احمد ایاز۔ جو ایک موحد صوفی حضرت نظام الدین اولیاء متوفی کیم ربیع الاول ۷۲۵ھ مطابق ۱۵ رفروری ۱۳۲۵ء[۷] سے خرقہ خلافت حاصل کیے ہوئے تھے، حضرت نظام الدین اولیاء نے انھیں اپنا دستار مبارک بھی عنایت کیا تھا نیز وہ بھی سلطان محمد تغلق کی طرح روشن خیال اور کتاب وسنت کے پیروکار تھے، کو سلطان نے اپنا وزیر اعظم بنایا۔ شیخ الاسلام مولانا رکن الدین ملتانی، مولانا علم الدین، ملک سعدالدین وغیرہ لوگ جو حضرت نظام الدین اولیاء کے مخصوص دوستوں اور مریدوں میں سے تھے اور سب کے سب کتاب وسنت پر چلنے والے تھے کو سلطان نے اپنے دربار میں جگہ دی۔ مزید برآں یہ کہ انھوں نے صالح اور موحد علمائے کرام کی دینی خدمات کی وجہ سے ان کے لیے وظیفے مقرر کیے، جس کی وجہ سے مراسم پرست، صاحب قبر کو خدا ماننے والے، علماء اور صوفیاء کا گروہ ان سے بدظن ہو گیا۔

قحط سالی (۶-۷۳۵ھ-۷۲۹ھ مطابق ۳۶-۱۳۳۴ء-۲۹-۱۳۲۸ء) کی مصیبتوں سے فارغ ہونے کے بعد جب سلطان محمد تغلق کو ملک کی بہبودی اور زراعت کی ترقی کے کاموں میں مصروف ہونے کا پر اطمینان موقع ملا تو ساتھ ہی ساتھ انھوں نے خصوصیت سے مراسم پرستی اور بدعت کو ختم کرنے کی طرف توجہ دی۔ مراسم پرست طبقہ اور تنگ نظر مولویوں کی ٹولی پہلے ہی سے سلطان سے کبیدہ خاطر اور رنجیدہ تھی۔ سلطان کے دوبارہ اقدام سے ان کے سینے جہنم کی آگ کی طرح بھڑک اٹھے مخالفتوں، سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں طاقت و توانائی اور انرجی (Energy) صرف کرنا شروع کر دی۔

ایک بات اور پیش آئی کہ سلطان نے غیر ملکیوں اور ہندوؤں کو عہدے دیئے جس کی وجہ سے پرانے اور بے کار رہنے والے ہندستانیوں کی آتش حسد کے شعلے بعض ان بڑے بڑے سرداروں اور عہدے داروں کے قلوب تک پہنچے جو کسی مذہبی اختلاف اور ترک مراسم کی تحریک سے متاثر نہ ہوئے تھے۔

ایک اہم حادثہ یہ بھی ہوا کہ سلطان محمد تغلق کے اکثر خاندانی (مزعومہ طبقہ شرفاء) امراء اور عمال (۸) نے جگہ جگہ بغاوتیں کرنی شروع کر دیں۔ فتویٰ گر مولوی گروہ اور صوفیاء جو بے کار بیٹھے تھے، نے دل کھول کر ان باغیوں کی سرپرستی کی۔ بلکہ سلطان کے آخری عہد میں ملک میں جس قدر بغاوتیں ہوئیں، چاہے وہ امیران صدہ کی بغاوت ہو چاہے ملک طغی کی، خواہ ہندوؤں نے سر اٹھایا، یہ تمام اس فتنہ پرور گروہ کا ساختشانہ تھا۔ (۹)

ان تمام وجوہات کی وجہ سے سلطان کو مذکورہ بالا طبقوں سے سخت نفرت اور مایوسی ہوگئی۔ مشہور مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادیؒ اپنی مشہور کتاب ''آئینہ حقیقت نما (مسلم سلاطین ہند حقیقت کے آئینہ میں) کے اندر لکھتے ہیں کہ:

> ''دہلی اور ملتان کی بغاوتیں ایسی نہ تھیں کہ سلطان محمد تغلق ان سے متاثر نہ ہو کر اور معمولی واقعہ قرار دے کر تحقیق و تفتیش کے درپے نہ ہوتا۔ اس نے ملتان سے دہلی آ کر باغیوں اور باغیانہ خیالات پھیلانے والوں کا کھوج لگایا تو بہت سے **علماء وسادات وشیوخ** مجرم ثابت ہوئے، جن کو بغاوت کی سزائیں علی قدر مراتب دی گئیں۔ جو قتل کے مستحق تھے، بے دریغ قتل کیے گئے، یہی وہ قتل ہے، جس کی شکایت ضیائے برنی [مولانا سید ضیاء الدین برنی] بار بار کرتا ہے۔ مگر اس موقع پر یہ بات صاف اڑا جاتا ہے اور مطلق نہیں بتاتا کہ اس کے احباب و رشتہ دار کون کون جرم بغاوت میں قتل ہوئے؟''

دوسرے موقع پر کہتا ہے کہ:

"خونِ مسلمانانِ سنّی و مومنانِ صافی اعتقاد چوں جوئے آب بر طریق سیاست پیش واخولِ سلطانی رواں گر داند وآں چناں بسیاریؑ سیاست اہل اسلام کہ قطرۂ خونِ ایشانِ عند اللہ عزیز تر از دنیا و مافیہا است دل او نہ ہراسد۔"

["سنی مسلمانوں اور عمدہ عقیدہ رکھنے والے مومنوں کا خون سزا دینے کے سلسلہ میں پانی کی نہر کی طرح اپنے محل کے سامنے بہاتا تھا، اور اہل اسلام کو جن کے خون کا قطرہ اللہ کے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ عزیز ہے، اس کثرت سے سزا کے طور پر مروانے سے اس کا دل خون نہیں کھاتا تھا۔"]

مولانا سید ضیاء الدین برنی اس عبارت سے پہلے لکھتے ہیں کہ:

"......اگر میں سلطان محمد کی بلند ہمتی کی بایزید بسطامی کی بلند ہمتی سے جنھوں نے اپنی صفات کو باری تعالیٰ کی صفات میں اس طرح گم کر دیا تھا (در باختہ) کہ وہ سبحانی ما اعظم ثانی کہہ اٹھے یا حسین منصور حلاج (کی بلند ہمتی سے) جنہوں نے مقام فنا الفناء حاصل کر لیا تھا اور انا الحق کا نعرہ لگایا تھا، مثال دینا چاہوں یا مشابہ سمجھوں، تو یہ ممکن نہیں، اس لیے کہ اس کا مسلمانوں کو مروانا اور سادات، مشائخ، علماء، سنی اور فرماں بردار مسلمان)، اشراف، احرار اور دوسرے طبقوں میں سے لاتعداد لوگوں کو قتل کرانا اس رائے کو قائم کرنے سے مجھے روکتے ہیں۔" (۱۱)

مختصراً یہ کہ، امراء میں ملک بہادر نے دہلی میں اس وقت بغاوت کی جب سلطان محمد تغلق دولت آباد (دیوگیر) اور خواجہ جہاں ملک احمد ایاز دہلی میں نائب السلطنت تھے۔ بہرام ایبہ جو غیاث الدین تغلق کے زمانے میں ملتان و پنجاب کے حاکم تھے- باغی ہو گئے، صوبہ میاں دوآبہ میں- جہاں آج کل بلند شہر ہے، وہاں کے ہندوؤں نے بغاوت کی، زراعت کو آگ لگائی۔ پھر قنوج والوں نے سر اٹھایا۔ مالابار دکن میں سید احسن کیتھلی بھی باغی ہو گئے۔ سلطان اس خبر کو سنتے ہی قنوج روانہ ہوئے، کیتھلی (کیتھل) پہنچ کر سید احسن کے رشتہ داروں کو گرفتار کر لیا۔ (۱۲)

بغاوتوں کے سلسلے میں محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں:

"ادھر لکھنوتی میں پھر بغاوت کا بازار گرم ہوا اور بہرام خاں کے بعد قدر خاں کے ملازم نے سرکشی کی۔ اس کا نام ملک فخر الدین تھا، اس نے قدر خاں کو موت کے گھاٹ اتارا اور خود لکھنوتی کے خزانے کا مالک بن بیٹھا۔ ابھی بادشاہ کے ہاتھ قنوج کی رعایا کے خون سے

رنگے ہوئے ہی تھے کہ ملابار سے بغاوت کی یہ خبر آئی کہ سید ابراہیم خریطہ دار اور اس کا باپ سید حسین [احسن] سرکش اور باغی ہوگیا ہے اور امیروں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود حکمراں بن گیا، بادشاہ نے لکھنوتی کی بغاوت کو فرو کرنے کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا اور شہر پہنچ کر سید ابراہیم خریطہ دار اور سید حسین [احسن] کے تمام رشتہ داروں کو قید کر لیا پھر ایک عظیم لشکر کے ساتھ ۷۴۲ھ [مطابق ۴۲-۱۳۴۱ء] میں ملابار کی طرف روانہ ہوا......'' (۱۳)

ملا عبدالقادر بدایونی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

''۷۴۴ھ [۱۳۴۳ء] میں بادشاہ نے سنام اور سامانہ سے آگے بڑھ کر کیتھل کے سیدوں پر حملہ کیا اور سید حسن کیتھلی کے بغض اور جلن میں یہاں کے تمام سیدوں کا قتل عام کرا دیا۔ ان کے علاقہ میں پرہانوں کو بسا کر ان کو جاگیریں، خلعتیں اور زری پٹکے عطا کیے۔'' (۱۴)

سید ابراہیم خریطہ دار اور ان کے باپ سید احسن کی بغاوت و گرفتاری کا ذکر برنی بھی کرتے ہیں۔ (۱۵) سید احسن کی بیٹی اور سید ابراہیم خریطہ دار کی بہن ''حور نسب'' سے محمد بن عبداللہ ابن بطوطہ متوفی ۱۳۷۷ء نے شادی کی تھی۔ ان دونوں کی بغاوت و گرفتاری کا انھوں نے بھی ذکر کیا ہے، سید ابراہیم خریطہ دار کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں، یہاں دستور ہے کہ بادشاہ جس شخص کو قتل کرواتا ہے تو وہ تین دن تک اسی جگہ پڑا رہتا ہے۔ تین دن بعد جو کافر اس کام پر مقرر ہوتے ہیں اٹھاتے ہیں اور نعش کو شہر کے خندق کے باہر ڈال دیتے ہیں، ان لوگوں کے گھر بھی خندق ہوتے ہیں، تاکہ مقتولوں کے وارث لاش اٹھا کر نہ لے جائیں؛ چناں چہ مقتولوں کے وارث رشوت دے کر لاش اٹھا لے جاتے اور دفن کر دیتے، اسی طرح سید ابراہیم کو بھی دفن کیا گیا۔'' (۱۶)

جب کسی بھی بادشاہ کے ملک میں اس کے ہی امراء بغاوت کر کے ان کے خلاف ایسے حالات پیدا کر دیں تو بادشاہ اس کے تدارک پر ضرور کمر بستہ ہوگا۔ چناں چہ اس فطری ریکشن (Reaction) سے محمد تغلق بھی سوچنے پر مجبور ہوئے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر کنور محمد اشرف لکھتے ہیں:

''......غیر ملکیوں کے تھوڑے بہت تجربے کے بعد محمد تغلق بری طرح ان سے ناامید ہوا اور اس نے اپنی حکمت عملی پر نظر ثانی کی۔ اسے اب غیر ملکی افراد یا غیر ملکی نسل کے لوگوں سے کوئی توقع نہ تھی۔ سابقہ سلاطین ترک اور ہندستانی امراء کی جانچ پرکھ کر چکے تھے۔ خود

سلطان غیر ملکی مسلمانوں کا تجربہ کر چکا تھا۔ سلطنت کے لیے یہ سب ناکام ثابت ہوئے۔ اب صرف ایک ہی راستہ باقی تھا اور وہ یہ کہ بلا لحاظ مذہب و نسل ہندستان کے عام لوگوں کا تجربہ کیا جائے۔ اس لیے اپنے دور حکومت کے آخری حصے میں اس نے انتظامی معاملات میں انتہائی جمہوری طرز اختیار کیا۔'' (۱۷)

آخر کار مجبوراً محمد تغلق نے اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی، تمام امراء، خود ساختہ شرفاء اور غیر ملکیوں، علماء اور صوفیاء میں سے سازشی، باغی، مفاد پرست، بدعتی، مراسم، پیر پرست، ذات پات، اونچ نیچ اور چھوت چھات کے قائل لوگوں کی جاگیریں، قطعات، مراعات اور سہولیات ضبط کر لیں اور مسلمانوں کے ان پس کردہ طبقات کو جن کا شمار پانچویں ورن (طبقہ) میں ہوتا تھا، دوسرے لفظوں میں جن کو معاشرہ میں ذلیل، رذیل، اسفل اور کمینہ سمجھا جاتا تھا، انھیں سرکاری عہدے اور فوجی مناصب عطا کیے (۱۸) اور انتخاب کا معیار صرف صلاحیت اور کارکردگی رکھا۔

الف۔ محمد تغلق کے تصور مساوات کی وجہ سے اشاعت اسلام

محمد تغلق کے اسلامی کردار کی وجہ سے برہمنیت کے جال میں جکڑے ہوئے ہندوؤں کی (مزعومہ) چھوٹی اقوام کے لوگوں نے ایک مرتبہ پھر اسلام کو مساوات اور امن و سلامتی کا نقیب سمجھنا شروع کیا اور اس کے حلقہ بگوش ہونے لگے تو محمد تغلق نے بھی ان کو عزت بھری نگاہوں سے دیکھا اور ان کی صلاحیت کے مطابق ان کو مناصب دیے، چناں چہ:

> ''تلنگانہ کے راجہ ''رودر دیو'' کے ایک ہندو نوکر (کتو) کو جو اپنی خوشی سے مسلمان ہو گیا تھا، اول ''قوام الملک'' کا خطاب دے کر ملتان، بدایوں کا گورنر اور آخر میں ''خان جہاں'' کا خطاب دے کر صوبہ گجرات کا نائب السلطنت مقرر کیا [ان کو ملک مقبول بھی کہا جاتا ہے] ......عزیز الدین نامی نومسلم کلال (۱۹) کو اس کی دینی و دنیوی قابلیتوں کا اندازہ کر کے ''عزیز الملک'' کا خطاب دیا اور......دھار کی حکومت سپرد کی۔'' (۲۰)
>
> ''کنپلہ اور دھور سمدر[۲۱] کا علاقہ بھی ایک نومسلم راجہ کے سپرد تھا، جو رذر دیو کا رشتہ دار تھا ......ملک نصرت خاں[۲۲] [جن کا اسلامی نام شہاب سلطانی یعنی شہاب الدین تھا] نومسلم گورنر بیدر کو وہ علاقہ سپرد تھا۔ جو آج کل حکومت نظام کا جنوبی حصہ[۲۳] ہے۔'' (۲۴)

ملک عین الملک ماہ زو [نومسلم][۲۵] کو ظفر آباد اور اودھ کا حاکم بنایا،[۲۶] اس کے علاوہ بہت سے نومسلم ہیں جن کو عہدے اور مناصب ملے، جن کا ذکر آگے ''مولانا سید ضیاء الدین برنی کا غیر

اسلامی طرز عمل' کے زیر عنوان آ رہا ہے۔

نومسلموں کو اس طرح نوازے جانے سے دن بدن اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، سنام، سامانہ اور کیتھل کے علاقہ میں ہندوؤں نے بغاوت اور لوٹ مار کی تو سلطان محمد تغلق وہاں خود گئے۔

"اور ان سرداروں کو گرفتار کر کے دہلی لے آیا۔ یہاں لا کر ان کو دہلی میں آباد کیا اور ان کی وحشت دور کرنے کے لیے ان کی عزتیں بڑھا کر زمرۂ امراء میں شامل کیا؛ چناں چہ ان لوگوں کی کچھ کچھ اصلاح ہوئی۔ بعض ان میں سے **خود ہی مسلمان بھی ہو گئے۔**" (۲۷)

"ہندوؤں نے منوسمرتی کی رو سے شودر قوموں کی جو مٹی پلید کی ہے، معلوم عوام ہے۔ تین اونچی ذاتوں کے علاوہ باقی تمام اقوام شودروں میں شامل اور کسی ترقی کی آرزو ہی نہیں کر سکتی تھیں۔ محمد تغلق نے ہندوؤں کی کئی شودر قوموں کو ترقی دے کر حکومت کے مرتبے تک پہنچایا اور ہندستان کی مشہور و قابل تذکرہ اقوام میں شامل ہو جانے کا ان کو موقع دیا۔ گکھڑ، میواتی، مینے وغیرہ اگرچہ چوری، ڈکیتی اور راہ زنی میں ممتاز تھے، لیکن حکومت و سرداری اور امارت و سروری ان میں کبھی نہیں پائی گئی تھی۔ محمد تغلق نے ان لوگوں کو باقاعدہ حکومتیں عطا کر کے مہذب و شائستہ بنایا۔ بعد میں خاندان تغلقیہ کے آخری بادشاہوں کے لیے یہ لوگ اگرچہ باعث تکلیف ہوئے، مگر بہت جلد اپنی حاصل کی ہوئی شائستگی کی بدولت اسلام میں داخل ہو گئے۔" (۲۸)

علماء حقانی اور غیروں نے بھی سلطان کے اس کارنامہ کی بھرپور تعریف و تائید کی، لیکن وہ لوگ جن کے خاندان میں امارت و سیادت، حکومت و قیادت صدیوں سے چلی آ رہی تھی اور سرکاری۔ دوسرے لفظوں میں عوامی، خزانے پر ناگ بنے بیٹھے تھے، ان کے دل کا چین، ذہن کا سکون سب غارت ہو گیا، دل جل بھن کر کباب ہو گیا۔ اسلامی حکومت کی بقاء کا ذرہ برابر بھی خیال نہ کیا اور ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ ان لوگوں کو کس طرح دربار سے نکالا جائے، ان کے ساتھ ہر طرح کی تنگ نظری اور تعصب کو روا رکھا گیا۔ صرف حکمراں طبقہ کا یہ حال نہ تھا، بلکہ اس دور میں بہت سے علماء اور صوفیاء کی حالت ان سے ابتر تھی، عوام الناس ان سے بہتر تھے۔ (۲۹) عوام تو ذرا غیرت مند بھی تھے، لیکن یہ بالکل بے غیرت ہو چکے تھے، ہمیشہ حکمراں طبقہ کی چاپلوسی کرتے رہتے تھے، تاکہ ان کو مال و زر سے نوازا جائے۔ اتنے لالچی اور حریص ہو گئے تھے کہ حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے مفہوم و مطالب کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے

تھے اور وہی مطلب و مفہوم بتاتے تھے جو حکمرانوں کو خوش کردے۔(۳۰)

مولانا سید ضیاء الدین برنی کا غیر اسلامی طرز عمل

چناں چہ مولانا سید ضیاء الدین برنی،(۳۱) حکمراں طبقہ کو خوش کرنے کے لیے اپنی کتاب ''فتاویٰ جہاں داری'' اور ''تاریخ فیروز شاہی'' میں ان لوگوں کو جو اپنی مرضی سے مسلمان ہو چکے تھے اور غریب تھے، گالیاں دیتے ہیں، ان کو رذیل کہتے ہیں، لیکن اپنے خاندان کو شریف بتاتے ہیں۔ چناں چہ وہ اپنے خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''عہد علائی میں **سادات کیتھل کا خاندان بھی موجود تھا**۔ یہ حضرات نہایت معزز، محترم اور باوقار تھے۔ سید مغیث الدین اور ان کے بڑے بھائی سید مجیب الدین سیاہ دستار تھے۔ ایسی عدیم المثال ہستیاں تھیں کہ **سارا جہاں ان کے وجود سے آراستہ تھا**۔ دونوں بھائیوں کا علم اور زہد اور ان کا تقویٰ اور فضیلت بیان سے باہر تھے۔ **سادات کیتھل کی صحیح النسبی اور بزرگی مشہور ہیں**۔ مؤلف کا باپ، سید جلال الدین کیتھل کا نواسہ (نسبیہ دختریں) ہے اور اس ضعیف کا باپ شریف تھا اور **اس ضعیف کی دادی صاحب کشف و کرامات تھیں۔ کتنی ہی پاک باز عورتیں تھیں جنھوں نے ان کی کرامتیں دیکھی تھیں۔**''(۳۲)

وہ فتاویٰ جہاں داری ''نصیحت:۱۳ میں لکھتے ہیں:

''زمانے کی ابتدا ہی سے انسانوں کی خوبیاں اور خامیاں تقسیم کردی گئی ہیں اور انھیں ان کے نقوش کے لیے مقرر کردیا گیا ہے۔ انسانوں کے اعمال وافکار، احکام الٰہی سے سرزد ہوتے ہیں۔ جب قادر مطلق خداوند قدوس کسی انسان میں اچھائی یا برائی، نیکی یا بدی پیدا کرتا ہے تو اس کی قدرت بھی عطا کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ اچھائی یا برائی، نیکی یا بدی کا اظہار کرسکے...... یہ قابلیت موروثی ہے اور چوں کہ فضیلتیں ان لوگوں کے اندر پیدا کی گئی ہیں جو عمدہ پیشہ اختیار کرتے ہیں، لہٰذا انھی کو عالی رتبہ، پیدائشی آزاد، نیک، دیندار، عالی نسب اور نجیب الطرفین کہا گیا ہے۔ صرف یہی افراد اور گروہ، مسلمانوں کی حکومت کے عہدوں اور منصبوں کے مستحق ہیں، رذیلوں اور کم اصلوں کو ترقی دینے سے اس دنیا میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ چوں کہ خالق کائنات کی حکمت عملی کے خلاف کام کرنا ناعاقبت اندیشانہ ہے [اس لیے] کم اصلوں اور کمینوں کی فریب کاری اور مستعدی پر فریفتہ نہ ہو؛ کیوں کہ ان کی فضیلتیں نقلی ہیں، اصلی نہیں......''

برنی، سورہ حجرات کی آیت: ۱۳ ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [اللہ کے نزدیک تم سب میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو] کی غلط تفسیر کرتے ہوئے اس کو اپنی موہوم و مزعوم اشراف اور ذات پات سے جوڑ دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''تقدس، اشراف کا حق ہے، لہٰذا بالفرض اگر کوئی پرہیز گار ہے تو اس کے اجداد میں ضرور اشراف کے عناصر ہوں گے، لیکن اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ کم اصل ہے تو پھر اس کا تقدس محض تصنع ہے۔ اگر اللہ کی نظروں میں ''خانوں' اور 'امیروں' کے مقابلہ میں قصائیوں، جولاہوں اور دوکان داروں کے بیٹوں کی زیادہ عزت ہے تو ایک شرم ناک بات ہے۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

''سلطان، صوفیاء اور مشائخ، سب سے بالاتر ہیں اور ان کا رتبہ انبیاء کے برابر ہے، جب کہ سلطان کے عالی نسب مشیر، ان رازوں کو سمجھ سکتے ہیں، جو خدا نے اپنی لوح محفوظ میں پوشیدہ رکھے ہیں''۔

برنی صاحب کے بقول تعلیم کے ذریعہ 'موہوم ارذل' کو بھی شرفاء سے برابری کا موقع مل جاتا ہے، اس لیے سلطان کو چاہیے کہ کم اصلوں اور رذیلوں کو تعلیم حاصل کرنے سے روکے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''حکومت، کم درجے سے آنے والے مسلمان لڑکوں کو تعلیم سے باز رکھے اور جو شخص بھی انھیں تعلیم دینے کی جسارت کرے، اسے سزا دینی چاہیے، یہی نہیں بلکہ اسے جلاوطن کر دینا چاہیے''۔

نصیحت: ۲۲ میں لکھتے ہیں:

''ہر شخص کو اپنے اجداد کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔'' (۳۳)

محمد تغلق کے ذریعہ مسلمانوں کے پس کردہ طبقات کو عہدے اور مناصب دیے جانے پر مولانا سید ضیاء الدین برنی محمد تغلق اور مسلمانوں کے پس کردہ طبقات کو لعن طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلطان نے عزیز خمار بد اصل کو دھار کی ولایت دی اور تمام مالوہ اس کے سپرد کر دیا۔ اس کو باقوت و شوکت بنانے کے لیے کئی لاکھ تنکے (یعنی روپے) مرحمت کیے۔ اس بدبخت اور بے سعادت کی روانگی کے وقت اس سے کہا کہ تمام فتنہ و فساد کی جڑ امراء صدہ ہیں۔ لہٰذا دھار کے امیران صدہ میں سے جس پر تجھ کو شک ہو، ختم کر دینا؛ چناں چہ یہ کمینہ انتہائی

غرور (تمشیت) کے ساتھ ان چند رذیلوں کے ہمراہ جو اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے تھے اور اس کے کارکن بن گئے تھے۔ دھار کے لیے روانہ ہو گیا اور (وہاں پہنچ کر) مادرزاد شریر، جاہلوں کے ساتھ دھار کے معاملات سرانجام دینے میں مصروف ہو گیا۔ ایک روز اس بداصل، زانیہ کی اولاد کے دل میں آیا اور اس نے اسّی (۸۰) سے زیادہ (ہشتاد واند) امیران صدہ اور لشکر دھار کے دوسرے سرداروں (معارف) کو پکڑوایا اور ان سے کہا کہ ہر فتنہ جو اطراف میں اٹھتا ہے، وہ دیوگیر کے امیران صدہ کی وجہ سے اٹھتا ہے۔ اس کو ان کے قتل کی علت قرار دے کر سب کی یک بارگی محل کے سامنے گردنیں اڑوا دیں...... اس نابکارہ زادہ کی اس تباہ کن حرکت سے ایک عظیم فتنہ مملکت میں برپا ہو گیا۔ عزیز خمار نے دھار کے امیران صدہ کو یک بارگی اس طرح قتل کرا دینے کا حال تخت کو لکھ کر بھیجا تو سلطان نے اس کو اپنے فرمان کے ساتھ خلعت خاص روانہ کیا؛ چوں کہ حکومت کا زوال قریب آ گیا تھا۔ [اس لیے] سلطان کے مقربوں اور بزرگوں کو حکم دیا گیا کہ ہر شخص عزیز خمار کو شفقت آمیز خط لکھے اور اس تباہ زادہ کے تباہ کرنے والے فعل کی تعریف کرے اور (اس کے علاوہ) اس کو خلعتیں اور تنگ بست گھوڑے بھیجیں''۔ (۳۴)

''نجیا مطرب بچہ، بداصل کو اس [محمد تغلق] نے اتنا اونچا اٹھایا کہ اس کا مرتبہ بہت سے ملکوں کے مرتبے سے بھی بڑھ گیا اور گجرات، ملتان اور بدایوں اس کو دے دیے (یعنی اس کو حاکم مقرر کیا)۔ اسی طرح عزیز خمار اور اس کے بھائی کو، فیروز حجام، مینکا طباخ، مسعود خمار، لدھیا باغبان اور بہت سے کمینوں کو اونچا اٹھایا اور عہدے اور اقطاع ان کو عطا کیے۔ شیخ بابو نائک بچہ جولاہے کو اپنا قرب عطا کیا اور ایسے لترے کو بڑے بڑے لوگوں کے درمیان بلند مرتبہ دیا اور پیرا مالی کو جو ہندوسندھ کے اسفلوں میں سفلہ ترین اور رذیلوں میں رذیل ترین شخص تھا، دیوان وزرات دے دی اور اس طرح اس کا مرتبہ ملوک، امراء اور والیوں اور مقطعوں، سب سے بلند کر دیا۔ کشن بازران اندری کو جو رذیلوں میں رذیل ترین شخص تھا، اودھ کا علاقہ دے دیا۔ احمد ایاز کے غلام مقبل کو صورت اور معنی دونوں لحاظ سے سب غلاموں کے لیے باعث ننگ تھا، گجرات کی وزارت سپرد کی، جو خانان کبار اور وزیران نامدار کی جگہ تھی...... [محمد تغلق] اپنے عہد کے بزرگ جمہروں اور عالی نسبوں کو اپنے درگاہ میں حاضری (خدمت) کے لائق نہیں سمجھتا تھا، لیکن عام لوگوں میں سے بداصلوں کو

عہدے اور اقطاع دیتا تھا۔'' (۳۵)

سلطان محمد تغلق کے ذریعہ ان نومسلموں اور مزعومہ رذیل ذاتوں کے لوگوں کو عہدے دیئے جانے کی وجہ سے مولانا سید ضیاء الدین برنی کا دل بہت پریشان ہو رہا ہے وہ اندرونی طور پر بہت ہی زیادہ غصہ اور ناراض بھی ہیں، لیکن مجبور ہیں کہ وہ کچھ کر نہیں سکتے، چناں چہ مذکورہ بالا عبارت کے بعد کی ان کی عبارت ہے کہ:

''اور میں بے چارہ ایسے بادشاہ کی متضاد صفتوں پر جو دنیا کے لوگوں کا ولی نعمت اور محسن تھا، متعجب اور سراسیمہ رہتا تھا۔ اگر میں اس بادشاہ کے عظیم عہدوں اور اقطاعات کو نالائقوں اور نالائقوں کے بیٹوں کو سپرد کرنے اور اس کے رذیلوں اور رذیل زادوں [زانیوں اور اولاد الزنا] (۳۶) کو سرداری و امارت دینے اور دنیا کو ان کے حکم کا محتاج اور ان کے در کا نیاز مند بنانے کو اس کے خدائی کے دعوے اور یہ سمجھنے پر کہ میں تمہارا رب ہوں، محمول کرتا ہوں...... تو اس کے اوصاف بندگی اور صفات عبودیت کا التزام مانع آتے ہیں۔'' (۳۷)

سلطان محمد تغلق کی وفات ''ٹھٹھ کی قریب ۲۱ محرم ۷۵۲ھ مطابق فروری ۱۳۵۱ء کو ہوئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی وفادار مغل فوج، ہندستانی افسروں کی بے وفائی اور محسن کشی کی وجہ سے اپنے وطن جانے لگی اور جاتے وقت جو سامان ملا لوٹ لیا۔ اس ہنگامہ میں بہت سے لوگوں کا پتہ نہ چل سکا کہ ان کا کیا ہوا، سلطان محمد تغلق کے وزیر اعظم خواجہ جہاں ملک احمد ایاز کے غلام ''ملیح تون تون'' سیدھا ٹھٹھ سے دہلی آئے اور ان کو پوری حالت بتائی اور یہ بھی بتایا کہ تاتارخاں اور ملک حاجب یعنی فیروز شاہ تغلق دونوں لاپتہ ہیں، معلوم نہیں کہ یہ دونوں مارے گئے یا کیا ہوا نیز بہت سے امراء مارے گئے ہیں۔ ان حالات سے نپٹنے کے لیے فوراً خواجہ ملک احمد ایاز نے سلطان محمد تغلق کی سات سالہ بیٹے کو تخت نشیں کر دیا اور ''تھوسودھل نائک'' کو اس کا حاجب خاص بنا دیا۔ ''تھوسودھل نائک'' کے متعلق برنی صاحب لکھتے ہیں:

''جب [سلطان فیروز شاہ تغلق کے] لشکر میں لوگوں نے سنا کہ تھوسودھل **نائک بچہ** خاص حاجب بنا دیا گیا ہے اور احمد ایاز کے سامنے مردان مرد کی طرح لڑنے کا دعویٰ کرتا ہے تو خداوند عالم کے فتح مند لشکر کے تیر اندازوں نے اس **بداصل نائک بچہ** کو طفل شیرخوار سمجھا اور اس کی **داڑھی** پر جو اودھ کے نائکوں میں خود کو **اسفندیار اور یار ستم** کہلواتا تھا ہنس ہنس کر یہ شعر پڑھتے تھے:

ہر شیر خوارہ رانہ رساند بہ ہفت خواں
نام سفند یار کہ بابا ترا نہاد

(ہر شیر خوار بچے کو اس کے باپ کا رکھا ہوا نام اسفندیار ہفت خواں تک نہیں پہنچا سکتا'') (۳۸)

مولانا ضیاء الدین برنی کی ذات پات اور مفاد پرستی کے ضمن میں چند مزید باتوں کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا وہ یہ ہے کہ نو مسلم ملک مقبول المخاطب بہ قوام الملک جو تلنگانہ کے راجہ رڈر دیو کے نوکر تھے اور جن کا ہندو نام ''کنو''(۳۹) تھا کو سلطان محمد تغلق عہدے اور مناصب عطا کرتے ہیں تو برنی صاحب انھیں ''نجیا مطرب بچہ بد اصل'' کے الفاظ سے گالیاں دیتے ہیں، لیکن جب یہی شخص محمد تغلق کی وفات کے بعد فیروز شاہ تغلق سے مل جاتے ہیں اور سلطان محمد تغلق شاہ کے تمام سابق سازشی اور باغی امراء کے سردار بن جاتے ہیں اور فیروز شاہ تغلق ان کو اپنا وزیر اعظم بناتے ہیں تو یہی مولانا سید ضیاء الدین برنی ان کے گن گاتے اور ان کی اچھائیاں گنواتے نہیں تھکتے ہیں، کیوں کہ فیروز شاہ تغلق کو سازش کر کے تخت نشیں کرانے والوں میں برنی صاحب بھی شامل تھے جس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں- ملک مقبول کے سلطان فیروز شاہ تغلق کے پاس آ جانے کے سلسلہ میں مولانا ضیائے برنی لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ اقدام ان کی حلال خوری اور نمک حلالی پر محمول کیا گیا اور لشکر کے تمام سپاہیوں نے بھی ان پر آفرین بھیجی۔'' (۴۰)

مولانا ضیائے برنی سلطان فیروز شاہ تغلق کے ملوک اور امراء کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''الغ قتلغ اعظم ہمایوں خان جہاں وزیر ممالک مقبول سلطانی یدیم اللہ معالیہ..... میں حق شناسی اور حق گزاری کے فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ وہ خود کو درگاہ [دربار] کے کمترین غلاموں سے بھی کمتر سمجھتا ہے- اپنے انتہائی خلوص و خدمت گزاری کی وجہ سے اس کی یہ خواہش رہتی ہے کہ اپنے خاندان والوں کو بادشاہ کے غلاموں میں سے کسی ایک غلام پر نثار کر دے۔ دیوان وزارت سے متعلق امور کا اس طرح انتظام کیا جاتا ہے کہ بیت المال کی رقوم اس انتظام کی وجہ سے تمام و کمال خزانے میں پہنچ جاتی ہیں اور ساتھ ہی (محصولات) ادا کرنے والوں کو مطالبے کے سلسلہ میں تکالیف نہیں پہنچتیں۔'' (۴۱)

[نو مسلم](۴۲) ملک عین الملک [ماہ رو، ماہرو] جن کو سلطان محمد تغلق نے ظفر آباد اور اودھ کا حاکم بنایا تھا ایک عالم فاضل اور روشن خیال شخص تھے- ان کی اسی روشن خیالی کے سبب مولانا سید ضیاء الدین برنی ان سے خوش نہیں ہیں(۴۳) ان کو برے القاب سے نوازتے ہیں، چناں چہ جب ایک غلط فہمی(۴۴) کی وجہ سے ملک عین الملک [ماہ رو، ماہرو] نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر سلطان محمد تغلق کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تو مولانا سید ضیاء الدین برنی ان کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اپنی انتہائی ناتجربہ کاری اور بیوقوفی سے باغیوں نے بانگرمئو کے قریب دریائے گنگا کو عبور کیا اور آگے کی طرف بڑھے اور اس غلط فہمی میں کہ سلطان محمد [تغلق] کی سزائیں اتنی زیادہ حد سے گزر چکی ہیں اور لوگ اس سے اس قدر متنفر ہو چکے ہیں کہ لشکر اپنے ولی نعمت یعنی سلطان سے جو اس کا سالوں سے ولی نعمت زادہ بھی تھا، پھر جائے گا اور ان **منشیوں اور بقالوں [سبزی فروش، کنجڑا، راعین]** کے ساتھ مل جائے گا **جن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ لگام کیا ہے دم کیا ہے**۔ عین الملک اور اس کے بھائی جنگ کے لیے لشکر سلطان کے مقابلے میں آ گئے۔ **یہ بزدل اور بدنصیب لوگ** رات کے آخری حصے میں لشکر کے سامنے آئے اور تیر باری شروع کر دی۔'' (۴۵)

مگر جب یہی عین الملک سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور میں امیر بنائے جاتے ہیں تو برنی صاحب ان کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

''جن لوگوں کے شاہ جہاں پناہ نے مرتبے بلند کیے ہیں، ان میں ایک اور [امیر] ملک عین الملک ماہ رو (مابرو) ہے، اس پر سلطان نے مختلف طریقوں سے نوازشات اور مہربانیاں کی ہیں اور اقطاع ملتان عطا کیے ہیں۔ **وہ ہنر مندی، اوصاف حمیدہ سے متصف ہے اور مناسب حد تک کفایت اور صحیح طور پر معاملات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ علوم میں اس کو کامل مہارت ہے۔ پاکیزہ اخلاق واشفاق میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جن کی پرورش اور نوازش لوگوں کو یہ یاد دلاتی ہے کہ ہر کام کو مناسب موقع پر کرنا چاہیے - وہ حسب ونسب دونوں کے لحاظ سے بلند مرتبہ رکھتا ہے.....''** (۴۶)

جب سلطان علاء الدین خلجی (تخت نشین ۳۰ رستمبر ۱۲۹۶ء) تمام عہدے ومناصب مولانا سید ضیاء الدین برنی کے اہل خاندان [۴۷]، سادات [۴۸] اور مزعومہ طبقہ شرفاء [۴۹] کو دیتے ہیں تو مولانا سید ضیاء الدین برنی اس کو بڑے اچھے انداز میں پیش کرتے ہیں، سلطان اور ان کے دور کی تعریف کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں (۵۰) لیکن جب وہ اپنے ایک نوکر ملک التجار حمید الدین ملتانی کو ان کی اور ان کے باپ کی خدمت کی وجہ سے قاضی ممالک کا عہدہ دے دیتے ہیں تو سید ضیاء الدین برنی، ملک التجار حمید الدین ملتانی کے ساتھ ساتھ سلطان علاء الدین خلجی کو بھی برا بھلا کہہ ڈالتے ہیں، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''عہد علائی کے آخری زمانہ میں جب کہ سلطان علاء الدین کے مزاج میں استقامت نہیں رہتی تھی، ''قاضی ممالک دہلی'' کا جو ایک اہم عہدہ (مسند بزرگ) ہے اور ایسے بزرگوں اور بزرگ زادوں کے علاوہ کسی کو نہ ملنا چاہیے جو علم، اعلیٰ نسبی، تقویٰ اور شرافت سے آراستہ ہوں، اس نے ملک التجار حمید الدین ملتانی کو دے دیا جو اس کا گھریلو نوکر اور پردہ دار اور محل کا کلید بردار تھا اس ملک التجار کے کردار (اوصاف) کا بیان تاریخ میں لکھے جانے کے قابل نہیں۔ سلطان علاء الدین نے اس ملتانی بچے کو قاضی ممالک کا عہدہ دیتے وقت اس کے حسب ونسب کو نظر انداز کر دیا؛ بلکہ اس کی اور اس کے باپ کی قدیم خدمت کا لحاظ کیا۔'' (۵۱)

ملا محمد قاسم فرشتہ کا رویہ

رضیہ سلطانہ نے ایک حبشی غلام، قطب الدین یاقوت حبشی کو وزیر اعظم بنایا تھا۔ ان کے امراء نے اسے ان کی سفلہ پرستی قرار دے کر ان کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخران کا قتل ہو گیا۔ جس کی تفصیلات اوپر باب چہارم میں گزر چکی ہیں۔ ان کے زوال پر تبصرہ کرتے ہوئے مغل دور حکومت کے ایک مورخ ملا محمد قاسم ہندوشاہ معروف بہ محمد قاسم فرشتہ لکھتے ہیں کہ:

''رضیہ کے زوال کے اسباب پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں، ہر صاحب عقل شخص بڑی آسانی سے اس کا پتہ چلا سکتا ہے۔ تھوڑے سے غور وفکر کے بعد یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یاقوت حبشی کا حد سے بڑھا ہوا اقتدار واختیار ہی رضیہ کے زوال کا اصل سبب تھا۔ یہ پوری طرح واضح ہے کہ **ایک حبشی دہلی کا امیر الامراء ہونے کا کیا حق رکھتا ہے۔ ایک ادنیٰ شخص کا ہندستان کی سب سے بڑی شخصیت سے خاص تعلقات رکھنے کا [کے] کیا معنی ہیں؟''** (۵۲)

ملا محمد قاسم فرشتہ سلطان محمد تغلق کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں کہ:

''عزیز خمار'' نام کے ایک ذلیل اور نیچ قوم کے آدمی کو [محمد تغلق] نے مالوے کا سردار بنا دیا۔ اس کو مالوہ بھیجتے وقت بادشاہ نے کہا کہ وہاں کے تمام نئے نئے فسادات کی ذمہ داری امراء صدہ پر ہے۔ لہٰذا ان امیروں کی سرکشی کو ختم کرنے کی پوری پوری ہدایت کی،...... غرض کہ عزیز خمار بادشاہ سے رخصت ہو کر دھار پہنچا اور ملک کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے میں مشغول ہو گیا۔ عزیز خمار نے ایک دن امرائے صدہ کی ضیافت کی اور تقریباً ستر امراء کو اپنے دستر خوان پر کھانا کھلایا۔ پھر اس نا معقول حکمراں نے تمام امرائے صدہ کو کسی بہانے

سے موت کے گھاٹ اتارا اور اس کارنمایاں کی انجام دہی کی اطلاع بادشاہ کی نیاز میں بھیجی۔ بادشاہ نے عزیز خمار کی اس بزدلانہ حرکت اور جلد بازی سے قتل کرنے کی مثال کو شاہی وفاداری کا اعلیٰ نمونہ سمجھتے ہوئے اسے خلعت شاہانہ اور اسپ خاص مرحمت فرمایا اور اس طرح اپنی خوشنودی ظاہر کی اور اس کی ہمت افزائی کی۔

عزیز خمار کو بادشاہ نے خود بھی خلعت اور انعام واکرام دیا تھا اور ہر حکمراں کو ہدایت کی کہ تمام امراء عزیز خمار کی لائق خدمت کے صلہ میں اس کو انعامات، تحفہ تحائف بھیجیں اور ہمت کوفی الامکان بڑھائیں۔عزیز خمار کے اس کارنمایاں نے بادشاہ کی نگاہوں میں رذیلوں اور نیچ لوگوں کو بڑھا دیا اور ان کی تربیت پر فریفتہ ہوگیا اور سفلہ لوگ جو بادشاہ کے احکام سے ذرا پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے، اب مشیر خاص بن کر دربار میں جگہ پانے لگے اور سلطنت کے اہم امور پر مقرر کیے گئے اور خاندانی امیروں سے بھی ان کا مرتبہ بڑھ گیا۔نجیا گوتے کا بیٹا تھا، یہ گجرات، ملتان اور بدایوں کا امیر بنایا گیا اور مالی کا بیٹا جس سے زیادہ بدطینت آدمی دارالسلطنت میں نہ تھا، اسے وزارت کے عہدے پر رکھا گیا۔اس کے علاوہ سلطنت کے اہم کاموں پر ایسے لوگوں کو مامور کیا گیا اور انھیں قربت شاہی حاصل ہوئی مثلاً فیروز حجام، میکا نانبائی اور شیخ بابو نا یک جولاہا۔اس کے علاوہ گجرات کا وزیر مقبل نامی ایک غلام کو بنا یا گیا جو شکل وصورت اور سیرت دونوں میں اپنے گروہ کا سردار تھا اور سب سے خراب آدمی تھا۔ بادشاہ کے اس کمینہ پروری کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ چوں کہ شریف امراء اس کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے تھے......لہذا اس کے دل میں سفلہ پروری کے جذبات جڑ پکڑ تے گئے، بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ یہ شریف زادے ہیں لہذا بادشاہ کے احکامات کی قدر نہیں کرتے اور ان کمینوں کی فطرت ہی چوں کہ غلامانہ ہوتی ہے لہذا وہ بادشاہ کے احکام کو حکم خداوندی سمجھ کر بجالانے لگے۔'' (۵۳)

جمہور علماء کا برتاؤ

عہد دہلی سلطنت کے صرف چند علماء ہی ذات، برادری کی بنیاد پر سماج کی تقسیم کے حامی اور تعصب کے شکار نہ تھے؛ بلکہ ان کی اکثریت اس میں غوطہ زن تھی۔بعض مورخین نے تو بلا امتیاز تمام علماء کو نسلی امتیاز کا حامی قرار دیا ہے؛ چناں چہ شعبۂ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ریڈر ڈاکٹر محمد عمر اپنی کتاب ''ہندستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر'' میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سلاطین دہلی کے عہد سے ہندستان میں ایک نئے مسلم سماج کی تشکیل کے باب کا آغاز ہوتا ہے؛ چوں کہ **اس زمانے کے مسلم مفکر نسلی بنیاد پر سماج کی تقسیم کے حامی تھے اور لوگ کسی بھی صورت میں اس خیال کے موید نہیں تھے کہ مساوات کے اسلامی تصور کا نفاذ ہندستان میں مہاجرین اور دیسی مسلمانوں کے لیے یکساں طور پر کیا جائے۔**" (۵۴)

مشہور ورادڑ تاریخ داں ڈاکٹر ایشوری ٹوپا اپنی کتاب "ہمارا ثقافتی ورثہ" میں علماء کے رول کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اسلامی احکامات کو شہنشاہی سیاست پر قربان کر دیا گیا..... علمائے اسلام معاشرتی سیاست کے قوانین کو عام فہم بنانے میں بری طرح ناکام رہے؛ کیوں کہ ان میں ہندستان اور اس کے مسائل کی فہم نہیں تھی، وہ اسلامی آئیڈیل کو لفظی مبالغہ آرائی سے پیش کرتے تھے؛ لیکن وہ اسلام کو حقیقی انسان ساز طاقت کے روپ میں ترقی دینے والے لوگ نہیں تھے، وہ تو اسلام کے برہمن تھے۔ جنہوں نے اسلام کی تعبیر پر اجارہ داری حاصل کر رکھی تھی۔ **یہی نہیں بلکہ انھوں نے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو عوام کی نظروں سے اوجھل رکھا۔ وہ اسلام کو ایک ایسی تعمیری قوت کے روپ میں پیش کرنے میں ناکام رہے جو (ذات پات میں تقسیم) ہندستانی عوام کو زندہ و متحرک بھائی چارے کی لڑی میں پرو دیتی، اسلام کے مبلغین کی حیثیت سے وہ انسانیت کے ادنیٰ ترین نمونے تھے۔" (۵۵)**

مولانا سید ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ محمد تغلق کے زمانہ کے بعد جو ۲۱ محرم ۷۵۲ھ مطابق فروری ۱۳۵۱ء سے شروع ہوتا ہے اور محمد قاسم فرشتہ نے تاریخ فرشتہ، اکبر بادشاہ کی وزارت کے خاتمہ کے بعد تصنیف کی جس کی ابتدا یکم جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۴/ اکتوبر ۱۶۰۵ء سے ہوتی ہے۔ دونوں کے زمانہ میں ۲۶۲ سالوں کا فرق ہے، لیکن محمد تغلق کے اسلامی کردار کی ٹیس اتنی سخت ثابت ہوئی کہ ذات پات کے حامی دونوں مورخین کی عبارتوں میں حقارت آمیز کلمات اور نفرت انگیز جملے گھٹنے کے بجائے بڑھتے ہی گئے، دونوں نے اسلامی حکومت کے خاتمہ کے لیے بغاوت کرنے والے باغی امراء کو نجیب الطرفین اور اشراف الاقوام ٹھہرایا، لیکن جن لوگوں کی جدوجہد اور سعی وکوشش سے اسلامی حکومت کا سقوط ہوتے ہوتے بچ گیا، ان کو رذیل، کمینہ، گھٹیا، بد اصل اور سفلہ کہا جب کہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ وہ لوگ انتہائی معزز، شریف اور بھلے مانس لوگ تھے۔ محمد قاسم فرشتہ اور مولانا سید ضیاء الدین برنی نے صرف قومی عصبیت، نسلی امتیازات اور ذاتی دشمنی کی وجہ سے ان لوگوں کو اور بادشاہ کو لعن طعن کیا۔

محمد تغلق مورخین کی نظر میں

الف: ابن بطوطہ

دنیا کا مشہور ترین سیاح محمد بن عبداللہ بن بطوطہ متوفی ۱۳۷۷ء (۵۶) جو محمد تغلق کے زمانہ میں دہلی کے قاضی، ان کے ذریعہ چین بھیجے گئے ہندستانی وفد میں شامل تھے (۵۷) اور جنھوں نے ان کو بہت قریب سے دیکھا تھا وہ ان کے اخلاق و کردار، نیک بختی و دینداری، بیدار مغزی و ہوشیاری رعایا پروری وانصاف پرستی اور سخاوت و شجاعت کی ترجمانی اس طرح کرتے ہیں:

"وَهٰذَا الْمَلِكُ أَحَبُّ النَّاسِ لِإِسْدَاءِ الْعَطَايَا وَإِرَاقَةِ الدِّمَاءِ، فَلَا يَخْلُو بَابُهُ عَن فَقِيرٍ يُغْنٰى، أَوْ حَيٍّ يُقْتَلُ۔ وَقَدْ شُهِرَتْ فِي النَّاسِ حِكَايَاتُهُ فِي الْكَرَمِ وَالشُّجَاعَةِ، وَحِكَايَاتُهُ فِي الْفَتْكِ وَالْبَطْشِ بِذَوِي الْجِنَايَاتِ۔ وَهُوَ أَشَدُّ النَّاسِ مَعَ ذَالِكَ تَوَاضُعًا، وَأَكْثَرُهُمْ إِظْهَارًا لِلْعَدْلِ وَالْحَقِّ، وَشَعَائِرُ الدِّينِ عِنْدَهُ مَحْفُوظَةٌ، وَلَهُ اشْتِدَادٌ فِي أَمْرِ الصَّلَاةِ وَالْعُقُوبَةِ عَلٰى تَرْكِهَا.

وَهُوَ مِنَ الْمُلُوكِ الَّذِيْنَ أَطْرَدَتْ سَعَادَتُهُم، وَخَرَقَ الْمُعْتَادِ يُمْنُ نَقِيبَتِهِم، وَلٰكِن الأَغْلَبُ عَلَيْهِ الْكَرَمُ." (۵۸)

"یہ بادشاہ خونریزی اور جابجا سخاوت میں مشہور ہے، کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ کوئی فقیر امیر نہیں بن جاتا اور کوئی زندہ آدمی قتل نہیں کیا جاتا، اس کی سخاوت اور شجاعت، سختی اور خونریزی کی حکایات عوام الناس کی زبان زد ہیں۔ **باایں ہمہ میں نے اس سے زیادہ متواضع اور منصف کسی اور کو نہیں دیکھا، شریعت کا پابند ہے اور نماز کی بابت بڑی تاکید کرتا ہے، جو نہیں پڑھتا اسے سزا دیتا ہے، من جملہ ان سلاطین کے ہے، جن کی نیک بختی اور مبارک نفسی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔**" (۵۹)

ابن بطوطہ آگے تحریر فرماتے ہیں:

"میں اس کے احوال بیان کرنے میں بعض باتیں بیان کروں گا جو عجائب معلوم ہوں گی، لیکن خدا اور رسول اور ملائکہ کو گواہ کرتا ہوں کہ جو کچھ میں فوق العادات سخاوت و کرم سے بیان کروں گا وہ سب درست ہے۔

اس کے مآثر کے سلسلے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا، وہ

اسے مبالغہ خیال کرتے ہیں، لیکن جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ یا تو میری چشم دید ہے یا میں نے اس کی صحت کی طرف سے اطمینان کرلیا ہے یا خود میرے سامنے گزرا ہے اور اس کی روایت تمام مشرق میں حد تواتر کو پہنچ گئی ہے۔''(۶۰)

اس کے بعد مصنف نے محمد تغلق کی سوانح حیات کو مختصراً ذکر کیا ہے، جس میں ان کی جود و سخاوت، حق وانصاف (حکومت کے باغیوں اور سازشی (۶۱) گروہ کا) قتل وقصاص کا ذکر شامل ہے۔ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ایک ہندو امیر نے بادشاہ پر دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اس کے بھائی کو بلا سبب مار ڈالا۔ بادشاہ بالکل غیر مسلح اور پا پیادہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا، وہاں جا کر سلام اور تعظیم کی، قاضی کو پہلے حکم دے دیا تھا کہ جب میں آؤں تو قاضی تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہو اور نہ کسی طرح کی حرکت کرے۔ بادشاہ قاضی کے سامنے کھڑا ہوا، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ مدعی کو راضی کرلے ورنہ قصاص کا حکم ہوگا۔ بادشاہ نے اسے راضی کرلیا۔

ایک دفعہ ایک مسلمان نے اس پر مال کا دعویٰ کیا۔ جھگڑا قاضی کے سامنے پیش ہوا، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ اس کا مال دے دے۔ بادشاہ نے دے دیا۔

ایک دفعہ ایک امیر کے لڑکے نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب مجھے مارا ہے، قاضی نے حکم دیا کہ یا تو لڑکے کو راضی کر۔ ورنہ قصاص کے لیے تیار ہو جائے۔ میں نے دیکھا کہ اس نے دربار میں آ کر لڑکے کو بلایا اور اس کو چھڑی دیکر کہا کہ اپنا بدلہ لے لے اور اس کو اپنے سر کی قسم دلائی کہ جیسا میں نے تجھ کو مارا تھا، تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں چھڑی لے کر اکیس چھڑیاں بادشاہ کو لگائیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ اس کی کلاہ [تاج/ٹوپی] بھی سر سے گر پڑی۔

بادشاہ نماز کے بارے میں بہت تاکید کرتا، اس کا حکم تھا کہ جو شخص جماعت کی ساتھ نماز نہ پڑھے اسے سزا دی جائے، ایک روز اس نے نو آدمی [نو آدمیوں کو] اس بات پر قتل کر ڈالے، ان میں سے ایک مُطرِب [گویا، قوال] بھی تھا۔ اس کام پر بہت سے آدمی لگائے ہوئے تھے کہ جماعت کے وقت جو شخص بازار میں مل جائے اسے پکڑ کر لاؤ، یہاں تک کہ سائیس لوگ جو دیوان خانہ کے دروازے پر گھوڑے لیے رہتے تھے، ان کو بھی پکڑنا شروع کیا۔ حکم تھا کہ ہر شخص فرائض نماز وشرائط اسلام سیکھے۔ لوگوں سے سوال کیے جاتے تھے اور

اگر کوئی اچھی طرح سے جواب نہیں دے سکتا تھا تو سزا ملتی تھی۔ تمام لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے تھے اور کاغذوں پر لکھواتے تھے۔

احکام شرع کی پابندی کی بھی سخت تاکید کرتا تھا۔ اپنے بھائی مبارک خاں کو حکم دیا تھا کہ دیوان خانہ میں قاضی کے ساتھ بیٹھ کر انصاف کرائے...... ۷۴۱ھ [مطابق ۴۱-۱۳۴۰ء] میں بادشاہ نے حکم دیا کہ سوا زکوۃ اور عشر کے اور سب محصول اور ڈنڈ معاف کر دیے جاویں اور خود ہفتے میں دو دفعہ پیر اور جمعرات کے دن دادرسی کی غرض سے دیوان خانہ کے سامنے ایک میدان میں بیٹھتا تھا...... جب ہندستان اور سندھ میں قحط پڑا، یہاں تک کہ گیہوں چھ دینار فی من ہو گئے، تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دہلی کے کل باشندوں کو بلا تمیز چھوٹے بڑے یا غلام و آزاد کے بحساب ڈیڑھ رطل مغربی روزانہ فی کس چھ مہینے کا ذخیرہ سرکاری گودام سے دے دو۔ فقیہ اور قاضی محلّہ کی فہرست تیار کرتے تھے اور لوگوں کو حاضر کرتے تھے، ہر شخص کو چھ مہینے کی خوراک دی جاتی تھی۔" (۶۲)

ب: ملا محمد قاسم فرشتہ

ملا محمد قاسم ہندوشاہ معروف بہ محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ "تاریخ فرشتہ" میں سلطان محمد تغلق در مزعومہ چھوٹی برادریوں سے تعلق رکھنے والے ان کے وزراء پر جم کر طعن و تشنیع کی ہے۔ ان کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، لیکن سلطان محمد تغلق کے بلند کردار کی شان ایسی ہے کہ ان تمام طعن و تشنیع کے باوجود خود ان (محمد قاسم فرشتہ) کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ چناں چہ انھوں نے جہاں ان کی سفاکیت، قتل و غارت گری اور مشائخ و سادات، صوفی و قلندر، اہل علم اور سپاہی کو سیاسی حکمت عملی (۶۳) کے تحت قتل کرنے کا تذکرہ کیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے:

"محمد تغلق، بہت ہی بلند ہمت حکمراں تھا...... وہ بہت زیادہ سخی تھا۔ ایک معمولی فقیر کو اپنا شاہی خزانہ دے کر مطمئن نہ ہوتا اور یہی سمجھتا کہ ابھی کچھ نہیں دیا ہے۔ حاتم کی سخاوت اس کے سامنے بے حقیقت نظر آتی تھی۔ جب وہ سخاوت پر آتا تو امیر، غریب، ادنیٰ، اعلیٰ، اپنے اور پرائے کا امتیاز نہ کرتا...... فہم و ادراک کی تیزی اور ذکاوت میں اپنے تمام ہم عصر حکمرانوں میں امتیاز رکھتا تھا۔ مردم شناس اتنا کہ صورت دیکھتے ہی اچھائی اور برائی بتا دیتا تھا ...... اسلام کے قوانین اور احکامات پر پوری طرح عمل کرتا، مسکرات [نشہ آور چیزوں] سے دور بھاگتا تھا، فسق و فجور سے ہمیشہ الگ رہتا، حرام چیزوں کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ

دیکھتا...... بخشش وکرم میں حاتم ومعن سے بھی آگے بڑھ جاتا۔" (۶۴)

ت: مولانا سید ضیاء الدین برنی

مولانا سید ضیاء الدین برنی جو سلطان محمد تغلق اور موہومہ رذیل ذاتوں سے تعلق رکھنے والے ان کے عہدے داران کو گالیاں دینے کے بانی ہیں۔ وہ بھی سلطان محمد تغلق کی نیک نیتی اور دینداری کو بیان کرنے سے اپنے آپ کو روک نہ سکے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"وہ پانچوں وقت کی فرض نماز ادا کرتا تھا، منشی اشیاء [نشہ آور چیزوں] میں کوئی بھی اس نے کبھی نہیں چکھی۔ زنا یا لواطت، حرام پر نظر ڈالنے یا اس قسم کی کسی اور خباثت میں وہ کبھی مبتلا نہیں ہوا۔ کسی طرح کا جوا نہیں کھیلا، فسق وفجور کی مروجہ شکلوں سے احتراز واجتناب کرتا تھا۔" (۶۵)

"اگر سلطان محمد کی فیاضی اور اس کے عطیوں اور بخششوں کے بیان میں دفتر بھر دیئے جائیں اور اس کے انعامات واکرامات کی کثرت اور بلند ہمتی کے ذکر میں کتابیں بھی لکھ دی جائیں، تب بھی وہ ناکافی ہوگی، اس لیے کہ سلطان محمد کی وہ فیاضی اور سخاوت جو اس کی فطرت میں تھی ہر اندازے اور حد سے زیادہ تھی۔ اس شاہ جہاں بخش کے عطیات کی کوئی حد اور انتہا نہ تھی وہ چاہتا تھا کہ قارون کا خزانہ ایک ہی شخص کو دے دے اور کیانی شہنشاہوں کے دفینے ایک ہی دفعہ میں بخش دے، اس کی بخشش کے آئینہ جہاں نما میں مستحق وغیر مستحق، واقف کار وغیر واقف کار، قدیم اور جدید، مقیم اور مسافر، غنی اور فقیر سب ایک ہی رنگ میں نظر آتے تھے۔ اس کے شاہانہ عطیات سوال اور گزارش سے پہلے ہی دے دئے جاتے۔ وہ پہلی ہی ملاقات اور پہلی ہی مجلس میں وہ بخشش کرتا جو کسی کے وہم وگمان میں نہیں آتا تھا۔ وہ اتنا دیتا کہ لینے والا بھی حیرت میں رہ جاتا اور اس کی اور اس کی اولاد کی ضروریات کی رسی کٹ جاتی۔ سلطان محمد کی کثرت انعامات سے فقیر قارون بن جاتے اور مسکین اور بے نوا دولت مند اور متمول ہو جاتے۔ مشہور اور معروف سخی بزرگوں نے جیسے حاتم، برامکہ اور معن زائدہ وغیرہ نے جو بخششیں سالوں میں کیں اور شہرت حاصل کی وہ سلطان محمد ایک دفعہ میں کر دیتا تھا۔ اگر دوسرے بادشاہوں نے خزانوں میں سے مال بخشا ہے اور ان میں سے سونا اور چاندی عطا کی ہے تو سلطان محمد خزانہ سب کا سب بخش دیتا تھا اور بھرا ہوا خزانہ عطا کر دیتا۔" (۶۶)

"سلطان کی ذہانت اور سمجھ تحریر وتقریر سے باہر ہے، پہلی ہی ملاقات اور مجلس میں وہ آنے

والوں کی خوبیاں اور برائیاں اور ان کے کمالات ونقائص معلوم کر لیتا، بلکہ ان کے پچھلے کمالات اور نقائص کا بھی اندازہ لگا لیتا۔" (٦٧)

"جیسے ہی اذان کی آواز آتی وہ کود کر کھڑا ہو جاتا اور اس وقت تک کھڑا رہتا جب تک کہ اذان ختم [نہ] ہوتی۔ نماز فجر کے بعد بہت دیر تک وظائف [اوراد] پڑھتا رہتا تھا۔ جب [سلطان محمد تغلق] حرم میں جاتا تو پہلے خواجہ سراؤں [زنان خانے میں کام کرنے والے مخنثوں] کو اندر بھیج دیتا تاکہ نامحرم عورتیں پردے میں چلی جائیں اور بادشاہ کی نظر کسی نامحرم پر نہ پڑ جائے۔" (٦٨)

ث: مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

ہند کے مایہ ناز مورخ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اپنی کتاب "آئینہ حقیقت نما" میں تفصیل سے مولانا سید ضیاء الدین برنی کا سلطان محمد تغلق سے ناراضگی کا سبب بیان کیا ہے کہ برنی شرک وبدعت اور قبر پرستی کو اسلام کہتے تھے؛ لیکن سلطان اس کے خلاف تھے۔ آگے "ضیائے برنی کی ناراضگی کا دوسرا سبب" اور "ضیائے برنی کا خاندان" کے زیر عنوان لکھا ہے کہ عہد غلاماں میں برنی کا خاندان انتہائی پستی میں تھا، سلطنت خلجیہ میں اس کو عروج حاصل ہوا، (٦٩) لیکن سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ان کے خاندان کی شان وشوکت ماند پڑ گئی، جس کی وجہ سے وہ سلطان سے بہت زیادہ ناراض ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں برنی کے خاندان کے عروج کے بارے میں خود مولانا ضیاء الدین برنی کی کتاب "تاریخ فیروز شاہی" سے متعدد اقتباسات نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"ان اقتباسات سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ ضیائے برنی کے خاندان کو خلجیوں کے عہد میں بڑا عروج حاصل تھا، لیکن سلطان محمد تغلق کے عہد میں اس کے خاندان کی عزت وشوکت پر اوس سی پڑ گئی اور یہ خاندان گمنامی کی تاریکی میں روپوش ہو گیا۔ ایسی حالت میں ضیائے برنی کے دل پر کیسے کیسے سانپ لوٹتے ہوں گے اور وہ کس طرح دوسرے لوگوں کو صاحب اقتدار اور اپنے آپ کو معمولی حالت میں دیکھ کر پیچ وتاب کھاتا ہوگا؟ چناں چہ اس نے اپنی تاریخ میں سلطان محمد تغلق کا حال لکھتے ہوئے اس طرح اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔" (٧٠)

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے آگے "ضیائے برنی کے دل کا بخار" کے عنوان کے تحت کئی صفحات پر تفصیلات لکھی ہیں کہ مولانا سید ضیاء الدین برنی کس طرح نو مسلموں کو اور مزعومہ رذیل برادریوں کو گالیاں دیتے ہیں، ان تفصیلات لکھنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:

''جن لوگوں کو ضیاء الدین برنی اس طرح دل کھول کر گالیاں دے رہا ہے، وہ سب **شریف اور ذی علم لوگ تھے۔ ان سے بہتر مدبر اور گرامی منش لوگ اس زمانے میں نہیں مل سکتے تھے۔** محمد تغلق سے زیادہ مردم سناش، شاید ہی کوئی بادشاہ ہندستان کے تخت پر بیٹھا ہو۔ اس نے ہر شخص کی قابلیت اور استحقاق کے موافق عہدے اور مرتبے عطا کیے تھے۔'' (۷۱)

ج: ڈاکٹر تارا چند

مشہور مورخ جناب ڈاکٹر تارا چند بھی محمد تغلق کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کے معترف ہیں؛ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''وہ [محمد تغلق] اپنے مذہب کی پوری پیروی کرتا اور اس کی خانگی زندگی بے عیب تھی۔ وہ متعصب ہرگز نہ تھا، تنگ نظر فقہاء کی رائے کو بہت اہمیت نہ دیتا تھا۔'' (۷۲)

ح: سید صباح الدین عبدالرحمٰن

سید صباح الدین عبدالرحمٰن جو فن تاریخ میں بے مثال مہارت اور دقیق نظر رکھتے ہیں، وہ بھی اپنی کتاب ''ہندستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک'' میں مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی صاحب کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''برنی نے اس [محمد تغلق شاہ] کی سفاکی کے ذکر میں مبالغہ کیا ہے۔ برنی کو سلطان سے شاید اس لیے نفرت ہوگئی تھی کہ اس نے علماء کے ساتھ جن میں برنی بھی تھا، اچھا سلوک نہیں کیا اور پھر سلطان نے اس کے وطن ''برن'' [بلند شہر] پر فوج کشی کی۔'' (۷۳)

سلطان محمد تغلق کو قتل کر کے فیروز شاہ تغلق کو تخت نشیں کرنے کی سازش

سلطان محمد تغلق کی سلطنت کے معزول شدہ، بدعتی، مراسم پرست، قبر پرست، ذات پات پر ایمان رکھنے والے فتویٰ گر اور معزول و محروم امراء و عمال سلطان سے تو پہلے ہی سے بدظن تھے، طرح طرح سے سازشیں کر بھی رہے تھے، اب دوسرے سازشی امراء اور عمال کو معزول کیے جانے اور ان کی جگہ نومسلموں اور مزعومہ رذیل برادریوں کے افراد کو متعین کیے جانے سے اس سازشی گروہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ یہ سب ہنگامے صرف اس وجہ سے ہوتے رہے کہ پانچویں ورن (طبقہ یعنی موہومہ نیچ ذاتوں) کو مناصب اور عہدے کیوں دیئے گئے، کیوں نہ ان کو سابقہ حالت پر باقی رہنے دیا گیا؟ یہ معاملہ اتنا طول پکڑا کہ ہر شہر، ہر گاؤں حتیٰ کہ گھر گھر اس کا چرچا ہونے لگا، حالات انتہائی خراب اور نازک ہو گئے، مولانا

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں کہ:

''اب جب کہ ۷۴۷ھ [۴۷-۱۳۴۶ء] میں قتلغ خاں اور اس کے ماتحت صوبہ دار وہاں سے معزول کیے گئے تو امیران صدہ میں۔ جن کو موجودہ زمانے کے تحصیل داروں یا تھانیداروں کا ہم رتبہ اہل کار سمجھنا چاہیے۔ بڑی ہلچل پیدا ہوئی اور مالوہ و مرہٹ سے لے کر گجرات تک کے صوبہ داروں کا یکلخت اور یکایک معزول ہو جانا ان صوبوں کے امیران صدہ کی انتہائی تشویش کا موجب ہوا؛ کیوں کہ ان معزول ہونے والے گورنروں کے ساز باز میں شریک اور نئے آنے والے گورنروں سے نامانوس، بلکہ متنفر تھے۔ ان مقرر ہونے والے صوبہ داروں میں چوں کہ عزیز الملک [نومسلم کلال] بھی تھا، ادھر گجرات کی نیابت پر قوام الملک [نومسلم۔ تلگانہ کے راجہ رڈر دیو کے نوکر کنو] کو پہلے بھیج دیا گیا تھا، لہٰذا نہ صرف دہلی، بلکہ دہلی کے ذریعہ تمام ملک میں اس مخالف جماعت نے جس کی سرپرستی قتلغ خاں [شیعہ] اختیار کر چکا تھا، **اس بات کو شہرت دی کہ سلطان نے سفلہ پرستی پر کمر باندھ لی ہے اور ایک کلال کو دھار کی گورنری عطا کی ہے۔** سلطان کو جس طرح اور باتوں کی اصلاح کا خیال تھا، اسی طرح وہ اس قومی امتیاز کی ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کو بھی مراسم پرستی ہی کا ایک جز سمجھتا تھا، جس کا وہ جانی دشمن تھا۔'' (۷۴)

آخر کار ذات پات کے حامی، مراسم پرست مولویوں اور صوفیوں کا جتھا، حضرت نظام الدین اولیاء کے اکثر معتقدین اور انھی سے خرقہ خلافت حاصل کیے ہوئے، **حضرت شیخ خواجہ نصیر الدین اودھی المعروف بہ چراغ دہلی، تاریخ فیروز شاہی کے مصنف مولانا سید ضیاء الدین برنی اور سلطان محمد تغلق کے استاد قتلغ خاں** اور دوسرے امراء نے مل کر سلطان محمد تغلق کو برخاست یا قتل کر کے فیروز شاہ تغلق کو تخت نشیں کرنے کی سازش رچی۔ جو ان لوگوں کے اندھے معتقد، مقلد، شرابی، گمراہ، قبر پرست تھے اور جنھوں نے اپنے باپ کی سنت ادا کرتے ہوئے ''حصار'' شہر کی ایک ہندو گوجر عورت سے شادی کی تھی۔ (۷۵)

ملا عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش میں خود فیروز شاہ تغلق شریک تھے۔ ان کے اس سازش میں شامل ہونے کو تقویت اس سے بھی ملتی ہے کہ انھوں نے تخت نشیں ہو کر اس سازشی گروہ کو خوب خوب نوازا۔

اس سازشی گروہ کے سربراہ قتلغ خاں تھے، انھوں نے بظاہر شیخ خواجہ نصیر الدین اودھی کو اس کا رہنما بنا دیا اور اس کے سرگرم رکن مولانا سید ضیاء الدین برنی تھے۔ قتلغ خاں کی وفات کے بعد اس سازشی

گروہ نے پورے طور سے شیخ خواجہ نصیر الدین اودھی ہی کی طرف رجوع کیا۔ اس گروہ نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے ہندو راجاؤں سے بھی ساز باز کر لی۔ چناں چہ ان تمام گروہ نے جگہ جگہ سلطان کے خلاف بغاوتیں کرنی شروع کر دیں گویا کہ دلی سے لے کر ملک کے ہر کونے میں سازشی گروہ کے کارندے موجود تھے، حتیٰ کہ سلطان کی فوج کے ایک بڑے حصہ کی وفاداری کو بھی ان گمراہ مولوی، صوفی اور سازشی گروہ نے متزلزل کر دیا۔ جس کی وجہ سے سلطان کو مغلوں کی پانچ ہزار مغل فوج منگوانی پڑی؛ جن کی تفصیلات اوپر اسی باب میں حاشیہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کے زیر عنوان گزر چکی ہیں۔

جب سلطان محمد تغلق گجرات کی طرف باغیوں کی سرکوبی کے لیے گئے تھے تو اس سازشی گروہ نے سلطان کے ایک غلام "ملک طغی" کو اسلام کی حفاظت اور شہادت کا جھانسہ دے کر فدائی کی حیثیت سے سلطان پر حملہ کرنے کے لیے گجرات بھیجا۔ ان کے ساتھ فریب خوردہ فدائیوں کا ایک گروہ بھی تھا جو غازی یا شہید ہونے کی تمنا لے کر موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ جب ملک طغی گجرات پہنچے تو ہندو راجاؤں- جن سے پہلے ہی ساز باز ہو چکی تھی- نے بھی ان کی بھرپور مدد کی۔ ادھر مولانا سید ضیاء الدین برنی بھی اس مہم کو کامیاب کرنے کی غرض سے سلطان کے پاس دہلی سے گجرات پہنچ گئے تاکہ سلطان سے جنگی راز معلوم کر کے اپنے گروہ تک پہنچا سکے۔ جب سلطان نے ملک طغی کا پیچھا کیا تو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتے رہے اور ہر جگہ سازشی گروہوں، باغیوں اور ہندو راجاؤں سے ان کو مدد ملتی رہی۔ ادھر دہلی کو سلطان اور ان کے کسی معتمد خاص سے خالی پا کر یہاں **شیخ خواجہ نصیر الدین نے فیروز شاہ تغلق کو تخت نشین کرنے کی تیاری مکمل کر لی**۔ جب سلطان کو اس کی اطلاع ملی تو فوراً اپنے معتمد خاص خواجہ جہاں ملک احمد ایاز وزیرِ مملکت کو دہلی بھیجا اور ان سے کہا کہ فیروز شاہ تغلق، شیخ خواجہ نصیر الدین، خداوند زادہ بنت غیاث الدین تغلق شاہ (سلطان محمد تغلق کی بہن) خسرو ملک (خاوندِ خداوند زادہ) اور بعض علماء اور مشائخ کو لشکر سلطانی میں روانہ کرو، چناں چہ یہ لوگ لشکر میں بھیجے گئے، سلطان محمد تغلق، فیروز شاہ تغلق اور شیخ خواجہ نصیر الدین کو قتل کراتے؛ لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی، جس دن یہ لوگ لشکر میں پہنچے اسی دن سلطان کا انتقال ہو گیا۔ (۷۶)

جب مذکورہ بالا سازش میں ناکامی ہوئی تو سلطان محمد تغلق کو زہر دے کر راستہ صاف کر لیا گیا اور اپنے من پسند کا حکمراں فیروز شاہ تغلق کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ مولانا سید ضیاء الدین برنی اور ان کے مقلد و ہم خیال اور ہم عصر مؤرخین میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں لکھی ہے کہ سلطان کو زہر دے کر مارا گیا۔ آخر برنی صاحب کیوں لکھیں گے کیوں کہ وہ تو خود سازش میں شریک تھے، لیکن دوسرے مؤرخین مثلاً **مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی** (۷۷) اور **ڈاکٹر مہدی حسن** (۷۸) **کی تحریروں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ**

ان کو زہر دے کر مار اگیا۔ مولانا سید ضیاء الدین برنی، شمس عفیف (جن کی کتاب کا بھی نام تاریخ فیروز شاہی ہے) خواجہ نظام الدین احمد اور محمد قاسم فرشتہ وغیرہ تو اس بات کا بھی اقرار نہیں کرتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق کی زندگی ہی میں انھیں معزول یا قتل کرنے اور فیروز تغلق کو بادشاہ بنانے کی کوشش یا سازش میں کسی مولوی یا کسی صوفی نے حصہ لیا تھا؛ لیکن عہد اکبری کے ایک مورخ ملا عبد القادر بدایونی صاف لکھتے ہیں کہ:

> ''عام طور سے مشہور ہے کہ اس [فیروز شاہ تغلق] کی تخت نشینی میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی اور مخدوم زادہ عباسی بغدادی کی کوششیں بھی شامل تھیں۔ عوام میں اس کا عام چرچا تھا کہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے بادشاہ [سلطان محمد تغلق شاہ] کی زندگی ہی میں فیروز شاہ کو برسر اقتدار لانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔
>
> ...... بادشاہ کو بھی ان حضرات کی کوششوں کا علم ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ ان پیر و مرید [شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی، فیروز شاہ] دونوں کو دہلی سے قید کر کے ہمارے لشکر میں لے آؤ۔ شاہی کارندے حسب الحکم ان دونوں کو قید کر کے لے چلے، لیکن جب ہانسی کے قریب پہنچے تو ملک فیروز نے محافظوں کو کسی نہ کسی طرح راضی کر کے حضرت شیخ بدر الدین بیرہؒ، حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ کی خدمت میں حاضری کی مہلت لے لی۔ جب وہ ان بزرگ کی خدمت میں پہنچا تو اسے دیکھتے ہی ان کی مبارک زبان سے یہ کلمہ نکلا ''ایک کو قید کر کے بادشاہت کے لیے لیے جاتے ہیں اور خود کو اس کی خبر نہیں''۔ غرض جب بادشاہ کے لشکر میں یہ قیدی پہنچے تو بادشاہ نے اسی وقت ان دونوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس کے حکم کے بعد ہی وہ حالت نزاع میں مبتلا ہو گیا۔ محافظوں نے بادشاہ کا یہ حال دیکھ کر دونوں کو چھوڑ دیا۔
>
> اتفاق کی بات یہ ہے کہ اسی دن بادشاہ کا بیٹا کہیں شکار پر گیا ہوا تھا اور باپ کے آخر وقت موقع پر موجود نہ تھا۔ جب بادشاہ کا انتقال ہو گیا تو فیروز ارا کین سلطنت کی تائید و اتفاق سے تخت پر بیٹھ گیا اور بادشاہ کے بیٹے کو علاحدہ کر دیا۔
>
> جب فیروز شاہ ٹھٹھ سے دہلی آیا تو اس نے حضرت شیخ بدر الدین کی خانقاہ اور لنگر کے ہانسی کے ماتحت ضلع چوراسی کو وقف کر دیا۔
>
> عام طور سے یہ دلچسپ واقعہ بھی مشہور ہے کہ سلطان محمد تغلق نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو اپنی جامہ داری کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ ایک دن آپ نے اس کے کپڑے میں گرہ لگا کر فرمایا ''نصیر الدین بند و خدا کشاید'' [نصیر الدین باندھتا ہے اور خدا کھول

یہ بات سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد ۲۶۲ سالوں سے زیادہ دنوں عہد اکبر کے خاتمہ کے بعد تک لوگوں میں مشہور اور عام زبانوں پر جاری تھی لہذا اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس روایت کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے اور فیروز تغلق کے طرف دار مؤرخین کے ڈالے ہوئے تمام پردے جنھوں نے اصل واقعات کو سخت پیچیدہ و ژولیدہ بنا رکھا ہے اٹھ جاتے ہیں۔ خود مولانا سید ضیاء الدین برنی کی ایک عبارت سے اس بغاوت میں علماء، صوفیوں، امراء اور عوام کے شریک ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جب سلطان فیروز شاہ تغلق (ٹھٹھ) سے دہلی کی طرف آ رہے تھے اس وقت اہل دہلی، صوفیوں، علماء اور مشائخ کی کیا حالت تھی اس کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> "جب رایات سلطانی دہلی سے تیس کوس کے فاصلے پر پہنچے تو اس **انتہائی جذبۂ دولت خواہی کی وجہ سے جو برسوں سے دہلی کے باشندوں کے دلوں میں جاگزیں ہو چکا تھا، خواص و عوام، علماء و مشائخ، صوفی، قلندر، حیدری، دوکاندار، سوداگر، مہتر، شاہو، صراف اور برہمن** شہر سے جوق در جوق اور گروہ در گروہ درگاہ میں حاضر ہوتے اور شرف خاک بوسی حاصل کرتے تھے اور سلطان کی مخصوص نوازش سے مستفیض ہوتے تھے۔ میں نے کہ مؤلف تاریخ فیروز شاہی کا ہوں، معتبر اور ثقہ لوگوں سے تواتر کے ساتھ ایک عجیب حکایت سنی ہے کہ ان چند ماہ کے دوران جب کہ احمد ایاز کی بغاوت کے سبب شہر کے لوگ اس سے خلعتیں اور تنکہ وجیتل وصول کرتے تھے، تو یہی لوگ جب یہ انعام و اکرام لے کر محل کے دروازے سے باہر آتے تھے تو اس پر لعنت بھیجتے تھے اور اس کے زوال اور موت کی دل سے خواہش کرتے تھے۔ **وہ فیروز شاہی رکاب دولت کے پہنچنے کے لیے چشم براہ رہتے اور کھلم کھلا خداوند عالم کی بقائے دولت کی دعا کرتے** اور کوئی شخص بھی ان کاموں سے جو احمد ایاز کرتا تھا متاثر نہیں ہوتا تھا۔" (۸۰)

ایک طرف خواجہ جہاں ملک احمد ایاز جو سلطان محمد تغلق کے دایاں ہاتھ، انھی کی طرح شرک و بدعت کے دشمن، مسلمانوں اور عوام کے خیر خواہ تھے، جن کی کوششوں سے سلطان محمد تغلق نے فیروز شاہ پر مہربانی کرنی شروع کی تھی، جن کی بیوی نے فیروز شاہ کو اپنا لے پالک (متبنٰی اور منھ بولا بیٹا) بنایا تھا، جنھیں فیروز شاہ تغلق ہمیشہ باپ کہتے تھے۔ ان کا اور سلطان محمد تغلق سے تعلق رکھنے والے دوسرے راسخ العقیدہ مسلمانوں (۸۱) کا فیروز شاہ کے تخت نشیں ہوتے ہی قتل کیا جانا صاف نظر آتا ہے تو دوسری طرف سلطان محمد تغلق کا حادثۂ وفات ہی بہت مشتبہ اور مشکوک ہو جاتا ہے اور خواہ مخواہ ذہن اس طرف منتقل

ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق کو زہر دے کر قتل کیا گیا اور اس واقعہ کو چھپانے کے لیے کئی دوسری باتیں بنالی گئیں۔(۸۲)

۱۰ر محرم ۷۵۲ھ فروری ۱۳۵۱ء کو مچھلی کھانے کی وجہ سے سلطان محمد تغلق بخار میں مبتلا ہو گئے، ایک دو روز کے بعد بالکل تندرست ہو گئے، لیکن ۲۱ر محرم کو ان کی طبیعت اچانک متغیر ہوگئی اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آخر وہ کون سی وجہ تھی جس سے سلطان کی طبیعت اچانک خراب ہوئی، مولانا ضیائے برنی اور ان کے مثل مؤرخین اس کا کچھ پتہ نہیں دیتے ہیں۔ جس طرح سے اس سازشی گروہ نے ملک میں جگہ جگہ بغاوتیں کرائیں، ہندوؤں تک کو بغاوت کرنے پر اکسایا، سلطنت کے ایک بڑے حصہ کو ہندو راجاؤں سے قبضہ کروادیا اور سلطنت اسلامیہ کو کمزور ہونے کی ذرا بھی پرواہ نہ کی، سلطان کو معزول کرنے کی مکمل تیاری کرلی، متعدد معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کا ناحق خون بہایا، ان کے ہاتھوں سلطان کا قتل کیا جانا کچھ بعید نہیں ہے۔ ضیاء برنی اور ان کے مقلد مؤرخین نے سلطان محمد تغلق کے بیٹے کا وجود بھی تسلیم نہیں کیا ہے، لیکن شمس سراج عفیف سلطان محمد تغلق کے بیٹے کا موجود ہونا تسلیم کرتے اور دلیل میں قاضی کمال الدین کا بیان پیش کرتے ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی کی روایت میں سلطان کے ایک بیٹے کا سلطان کے ہمراہ لشکر میں موجود ہونا بیان کیا گیا ہے جو سلطان کے حادثۂ وفات کے وقت شکار میں گئے ہوئے تھے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جوان اور بادشاہت کے قابل تھے، ان کو یقیناً قتل کر کے فیروز تغلق کو تخت نشیں کیا گیا ہوگا۔ سلطان محمد تغلق کے دوسرے سات سالہ بیٹے ''محمود'' - جسے ملک احمد ایاز نے قوام الملک خان جہاں (ملک مقبول) سید جلال الدین ترمذی، ملک حمید الدین کچھی، مولانا نجم الدین، ملک حسام ازبک وغیرہ کے مشورے سے اس وقت بادشاہ بنایا تھا جب فیروز تغلق کے قتل اور لاپتہ ہونے کا انھیں علم ہوا تھا - کا بھی مولانا سید ضیاء الدین برنی اور ان کے مقلد مؤرخین کچھ بھی پتہ نہیں دیتے ہیں، لیکن دوسرے قتلوں کے مدنظر یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اسے بھی قتل کرنے کے بعد فیروز شاہ کو تخت نشیں کیا گیا۔(۸۳) سلطان محمد تغلق کی وفات خواہ کسی طرح (جس کا صحیح علم اللہ کو ہی ہے اور وہی اس کا بدلہ لینے والا ہے) بھی ہوئی ہو، لیکن ان کی وفات کے بعد فتنہ پرور اور سازشی گروہ نے اطمینان کی سانس لی۔

حواشی

(۱) رضیہ سلطانہ اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی، ذات پات کے خلاف تھے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل اوپر باب چہارم "مسلم دور حکومت میں ذات پات کی جدوجہد" میں گزر چکی ہے۔

(۲) ایک کنفیوزن اور اس کا ازالہ

گجرات کی وزارت اور "خواجہ جہاں" کا خطاب کسے ملا، مورخین اس سلسلے میں مختلف نام بتاتے ہیں۔ مثلاً قوام الملک مقبول، ملک مقبل اور (خواجہ احمد ایاز کے غلام) مقبل۔ محمد قاسم فرشتہ، ملک مقبل اور مقبل غلام، مولانا ضیائے برنی، مقبل غلام اور قوام الملک مقبول (نجیا مطرب بچہ بداصل) دونوں کا نام گناتے ہیں، لیکن آگے چل کر مقبل غلام کو نائب وزیر گجرات لکھا ہے۔ ابن بطوطہ نے ملک مقبل کو نائب گجرات دنہروالہ کہا ہے۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے گجرات کی وزارت اور "خاں جہاں" کے خطاب کو قوام الملک مقبول کی طرف منسوب کیا ہے چوں کہ یہاں تفصیلات کی گنجائش نہیں ہے اس لیے مختصراً یہ کہ چاروں مورخین کے دیئے ہوئے واقعات کے مطالعہ اور ان کا آپس میں تقابل کے بعد یہ بات اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے کہ قوام الملک مقبول کو گجرات کی وزارت اور خانجہاں کا خطاب ملا اور ملک مقبل کو نائب وزیر گجرات بتایا گیا۔ یا دونوں کو کچھ ہی دنوں کے اندر اندر یکے بعد دیگرے گجرات کا حاکم بنایا گیا، جس کی وجہ سے مورخین کو مغالطہ ہو گیا۔ ملک مقبل اور مقبل غلام دونوں ایک ہی شخص ہیں، "ملک" لگانے کی وجہ سے کنفیوزن (confuson) ہوا ہے۔

گجرات کے وزیر خواہ ملک مقبل ہوں چاہے قوام الملک مقبول، دراصل بات یہ کہنی ہے کہ اول الذکر خواجہ جہاں ملک احمد ایاز کے غلام ہیں تو ثانی الذکر تلنگانہ کے راجہ "رڈردیو" کے ہندو نوکر "کتو"۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے ہاتھ پر انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ برنی اور فرشتہ انھیں "نجیا مطرب بچہ بداصل" "نجیا گویے کا بیٹا" اور اول الذکر کو "صورت اور معنی (سیرت) دونوں لحاظ سے سب غلاموں کے لیے باعث ننگ" شکل وصورت اور سیرت دونوں میں اپنے گروہ کا سردار......اور سب سے خراب آدمی" کہتے ہیں۔

سلطان محمد تغلق انھیں اپنی سلطنت کے ابتدائی ایام میں نہیں؛ بلکہ آخری ایام۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی کے مطابق ۷۴۶ھ مطابق ۶-۱۳۴۵ء میں گجرات کا وزیر اور حاکم بنایا۔ خود فرشتہ نے آگے چل کر اس کا اعتراف کیا ہے۔ سلطان کے آخری ایام میں مراسم پرست مولویوں، صوفیوں اور امراء نے سلطان کے خلاف سازش کر کے جگہ جگہ بغاوتیں کرا دیں۔ ان بغاوتوں کا سب سے زیادہ اثر گجرات اور دولت آباد میں تھا، کیوں کہ ان کے سردار قتلغ خاں حاکم دولت آباد، دولت آباد ہی میں تھے۔ سلطان نے ۷۴۷ھ مطابق ۱۳۴۶ء میں قتلغ خاں اور ان کے مقرر کردہ امراء اور دوسرے باغیوں کو برخاست کر کے نئے سرداروں کو ان کی جگہوں پر بھیجا۔ ان نئے عمال میں "عزیز الملک نومسلم کلال (عزیز خمار بداصل) بھی تھے، انھوں نے دھار پہنچنے کے بعد بے شمار امیران صدہ کو قتل کر دیا جس سے بغاوت کا طوفان تھم گیا۔ ان کے اس حسن عمل سے سلطان بہت خوش ہوئے کہ بغاوت فرو ہو گئی۔ فرشتہ لکھتے ہیں کہ عزیز خمار کے اس کارنامہ سے سلطان سفلہ پرستی پر اتر آیا اور بہت سے رذیلوں کو عہدے اور مناصب دیئے، پھر ان عمال کے نام گناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس کے علاوہ گجرات کا وزیر مقبل نامی ایک غلام کو بنایا گیا......اسی عرصہ میں ملک مقبل جس کا خطاب "خان جہاں" تھا اور اس زمانہ میں گجرات کا وزیر مقرر کیا گیا تھا۔"

تاریخ فیروز شاہی، بحولہ بالا، باب السلطان المجاہد ابوالفتح محمد شاہ السلطان ابن تغلق شاہ، ص: ۴۴۹، معبر کی بغاوت، ص: ۶۸۶، ورنگل کی بغاوت......ص: ۶۸۹، دیوگیر وغیرہ علاقوں......ص: ۷۱۱-۷۱۲، سلطان کے کردار کی خصوصیات ص: ۷۱۶-۷۱۷، امیران صدہ کی بغاوت کا آغاز ص: ۷۱۸-۷۱۹، سلطان محمد تغلق کو برنی کی نصیحت، ص: ۷۲۵۔ سلطان العصر والزمان......فیروز شاہ تغلق، ص: ۷۴۵-مقدمہ دوم-عنوان: فیروز شاہ فتح آباد میں، ص: ۷۶۶، مقدمہ ہفتم-عنوان: خان جہاں، ص: ۸۰۸، محمد بن عبداللہ المشہور بابن بطوطہ-رحلۃ ابن بطوطہ، المسملۃ بہ تحفۃ النظار فی غرائب الامصار وعجائب الاسفار العنوان: ذکر خلاف القاضی جلال ص: ۳۳۲-۳۳۳، تاریخ فرشتہ بحولہ بالا، باب: سلطان محمد شاہ تغلق عنوان: علم نوازی ۱/۴۲۷، بہرام ایبہ کی بغاوت ۱/۴۳۲، قوانین امیر کوئی ۱/۴۳۲-۴۳۵، آئینہ حقیقت نما بحولہ بالا، باب ششم-عنوان: فرشتہ کا مغالطہ ۱/۲/۵۲۷، سپہ سالار ملتان کا قتل......۱/۲/۵۵۴، محمد تغلق کے خلاف سازشیں اور مسلسل بغاوتیں ۱/۲/۵۷۷-۵۷۸، نومسلموں کی عزت افزائی ۱/۲/ ۵۷۹، عزیز الملک کی بے احتیاطی ۱/۲/۵۸۳، باب ہفتم: عنوان: ناکردہ گناہ کی سزا، ۱/۲/۶۰۶ ہتنگ نظر مراسم پرستوں کا دور دورہ، ۱/۲/۶۰۹

(۳) تاریخ فرشتہ بحولہ بالا-باب: سلطان محمد شاہ تغلق-عنوان: علم نوازی ۱/۴۲۷

(۴) ہندستانی معاشرہ عہد وسطی میں، بحولہ بالا-باب اول سیاسی حالات-عنوان: طبقہ امراء اور سلاطین دہلی ص: ۱۲۸

(۵) حوالہ سابق ص: ۱۲۸

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولانا سید ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی کے صفحہ ۵۰۱ پر "دیوگیر وغیرہ علاقوں کا بندوبست" کے زیر عنوان لکھا ہے کہ سلطان کو خبر ملی کہ دیوگیر اور مرہٹی علاقوں میں قتلغ خاں کے کارکنوں کی چوری کی وجہ سے بہت بڑا غبن ہو گیا ہے اور وہاں کا خراج (محصول) کروڑوں اور لاکھوں سے گھٹ کر ہزاروں تک پہنچ گیا ہے۔ اس کے بعد سلطان نے وہاں کا خراج ساٹھ، ستر کروڑ مقرر کر دیا اور ان علاقوں کو مختلف شقوں میں تقسیم کر کے مختلف لوگوں جیسے ملک سردوات دار، ملک مخلص الملک، یوسف بغرہ (نومسلم کلال) عزیز خمار بد اصل کو وہاں کا عامل بنا دیا۔ برنی اس کے بعد لکھتے ہیں:

> "سلطان نے ان [عمال] کو حکم دے دیا تھا کہ امیران صدہ اور دوسرے سربرآوردہ لوگ، نیز مقاطعہ گروں، اور منشیوں میں سے جو وہاں موجود ہیں اور جنہوں نے بغاوت کی ہو یا فتنہ بپا کیا ہو اور ان تمام لوگوں میں سے جو ہماری حکومت وسلطنت کی وہاں رہ کر مخالفت کر رہے ہیں، ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں اور اس علاقے میں صرف ان ہی لوگوں کو رہنے دیں اور ان ہی سے اظہار ہمدردی کریں جو سلطان کے اسالیب پر عمل کر سکتے ہیں اور سلطان کی مقرر کی ہوئی شرح کے مطابق خراج وصول کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں" (تاریخ فیروز شاہی، بحولہ بالا: السلطان المجاہد ابوالفتح محمد شاہ السلطان ابن تغلق شاہ-عنوان: دیوگیر وغیرہ علاقوں کا بندوبست ص: ۷۱۱-۷۱۲)

اگر مولانا سید ضیاء الدین برنی کی اس عبارت سے ڈاکٹر کنور محمد اشرف صاحب کی مراد، غیر ملکی، ترکی نژاد امراء، ان کے ہندستانی جانشین اور وہ تمام لوگ جو اپنی نسبت کسی غیر ملکی قبیلہ کی طرف کرتے تھے اور سلطان کے باغی تھے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے صرف غیر ملکی مراد لینا مناسب نہیں معلوم ہوتا، کیوں کہ سلطان جب اپنی زندگی کے بالکل آخری ایام محرم ۷۵۲ھ مطابق فروری ۱۳۵۱ء میں اپنے باغی 'ملک طغی' پر حملہ کرنے جارہے تھے جو ''ٹھٹھ'' (گجرات) میں مقیم تھے تو انھوں نے امیر قرغن جو مغلوں کے چغتائی سلطان بیان قلی خاں برادر زادہ ترمشیرین خاں کا وزیر اعظم تھے کو لکھا کہ مغلوں کی ایک امدادی فوج بھیج دو؛ چناں چہ امیر قرغن نے پانچ ہزار مغلوں کی ایک فوج التون بہادر نامی سردار کی ماتحتی میں روانہ کی۔ مغلوں کی یہ فوج سلطان کی خدمت میں اس وقت پہنچی جب کہ وہ ''کوندل'' سے روانہ ہو کر ٹھٹھ پہنچنے کے لیے دریائے سندھ کو عبور کر رہے تھے۔ مغلوں کی اس فوج کے پہنچنے سے سلطان بہت خوش ہوئے اور مہمان فوج کی خوب خاطر و مدارات کی۔

سلطان نے مغلوں کی یہ فوج احتیاطاً منگوائی تھی، کیوں کہ ان کی فوج کے ایک بڑے حصہ کی وفاداری کو صوفیوں اور بدعتی شریروں کے سازشی گروہ نے متزلزل کر دیا تھا۔ اس فوج کے علاوہ سلطان کے ساتھ ان کے پرانے دوست ترمشیرین خاں (نومسلم) کے داماد امیر نوروز پہلے سے تھے، انھوں نے سلطان کے ساتھ کبھی بے وفائی نہ کی تھی اور وہ سلطان کے مخصوص تربیت یافتہ لوگوں میں سے تھے۔

(آئینہ حقیقت نما محولہ بالا، باب ہفتم۔عنوان: محمد تغلق کی وفات ۱/۲/۵۹۵ خواجہ جہاں ملک احمد ایاز کا قتل ۱/۲/۶۰۲)

(۶) ہندستانی معاشرہ عہد وسطی میں، حصہ اول، سیاسی حالات۔عنوان: طبقہ امراء وسلاطین دہلی، ص: ۱۲۸-۱۲۹

(۷) ''۶۸۵ھ سے ۷۲۵ھ [مطابق ۱۲۸۶ء سے ۱۳۲۵ء] تک چالیس سال کا زمانہ ہندستان پر ایسا گزرا کہ الحاد و بے دینی اور شرک و بدعت کو شائع ہونے اور رواج پانے کا خوب موقع ملا۔ اس تاریکی میں اگر کسی جگہ دین وملت کی روشنی موجود تھی تو وہ دہلی میں حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے تربیت کردہ بزرگوں کے طفیل تھی یا ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے خاندان اور ان کے مریدوں کے ذریعہ موجود پائی جاتی تھی۔ انھی دونوں مرکزوں سے جو لوگ وابستہ تھے وہ جہاں کہیں بھی تھے صراط مستقیم سے نہیں بھٹکتے تھے'' (آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب پنجم، عنوان: اباحیت پسندی اور شیعیت کی ملی بھگت ۱/۲/۴۷۳-۴۷۴)

(۸) کیا سلطان محمد تغلق کے تمام خاندانی امراء باغی؟

سلطان محمد تغلق کے تمام خاندانی (مزعومہ طبقہ شرفاء) اور امراء ان کے باغی نہ تھے۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

> ''مذکورہ حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ سلطان محمد تغلق کو نومسلم [مزعومہ رذیل ذاتوں کے] سرداروں پر جو اس سازشی جماعت میں زیادہ رسوخ نہ رکھنے کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے تھے۔ زیادہ اعتماد اتھا۔ بعض خاندانی [مفروضہ طبقہ شرفاء] مسلمان سردار بھی محمد تغلق کے ہم خیال اور معتمد تھے۔'' (آئینہ حقیقت نما محولہ بالا، باب ششم، عنوان: محمد تغلق کے خلاف سازشیں اور مسلسل بغاوتیں ۱/۲/۵۷۸)

(۹) حوالہ سابق، جلد دوم

(۱۰) حوالہ بالا، باب ششم، عنوان: فرشتہ کا مغالطہ، ۱/۲/۵۲۸۔ مولانا سید ضیاء الدین برنی کی فارسی عبارت کا ترجمہ

تاریخ فیروز شاہی محولہ بالا، اردو ایڈیشن صفحہ ۶۵۶ سے لیا گیا ہے۔

(۱۱) تاریخ فیروز شاہی محولہ بالا، السلطان المجاہد ابوالفتح محمد شاہ السلطان ابن تغلق شاہ، عنوان: سلطان محمد بن تغلق کا کردار اور اس کی متضاد خصوصیات، ص: ۶۵۵۔

(۱۲) آئینہ حقیقت نما محولہ بالا، باب ششم، عنوان: گرشاسپ اور بہرام ایبہ کی بغاوت، ۱/۲/۵۲۵-۵۲۶-فرشتہ کا مغالطہ ۱/۲/۵۲۶، آدمیوں کے شکار کا افسانہ، ۱/۲/۵۳۱، شکار کی مٹی پلید، ۱/۲/۵۳۴، دکن کا سفر اور وہاں کا انتظام، ۱/۲/۵۳۵-۵۳۶، باغیانہ سرگرمیوں کی آبیاری، ۱/۲/۵۳۶-۵۳۸

(۱۳) تاریخ فرشتہ محولہ بالا، باب سلطان محمد تغلق، عنوان: فخر الدین کی بغاوت، ۱/۴۳۵

(۱۴) ملا عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ، باب: خاندان تغلق، سلطان محمد عادل بن تغلق شاہ۔ عنوان: کھوکھروں کی بغاوت، ۱/۱/۳۴۲۔ اردو ترجمہ: محمد احمد فاروقی، ناشران: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۶۲ء

(۱۵) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، باب: السلطان المجاہد ابوالفتح محمد شاہ السلطان ابن تغلق شاہ، عنوان: معبر کی بغاوت، ص: ۶۸۵

(۱۶) رحلة ابن بطوطه، المذكور اعلاه: العنوان: ذكر ما هم به الشريف ابراهيم من الثورة و مآل حاله، ص: ۳۲۵-۳۲۶ (اردو) سفر نامہ ابن بطوطہ، از: مولانا رئیس احمد جعفری ندوی- باب: ابوالمجاہد سلطان محمد شاہ تغلق- تصویر کے دورخ، دوسرا رخ- عنوان: ابن بطوطہ کے سالے سید ابراہیم کی بغاوت اور قتل ۱/۲/۶۳۸

(۱۷) ہندستانی معاشرہ عہد وسطی میں، محولہ بالا حصہ اول، سیاسی حالات، عنوان: طبقہ امراء اور سلاطین دہلی، ص: ۱۲۹

(۱۸) ''مثلاً مغنی، شراب کشیدہ کرنے والے، رقاص، نائی، باورچی، سبزی فروش [راعین، کنجڑا] جولاہا [انصاری] باغبان، چھوٹے دوکاندار، غلام اور ہر قسم کے بد اصل لوگ، تانک، لودھا، پیرا، کشن وغیرہ ہندو نام بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔'' (حوالہ سابق، ص: ۱۲۹ حاشیہ: ۳)

(۱۹) مولانا سید ضیاء الدین برنی انھیں عزیز خمار بداصل کہتے ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی محولہ بالا، عنوان: عزیز خمار امیران صدہ کو قتل کراتا ہے، ص: ۷۱۴-۷۱۵

(۲۰) آئینہ حقیقت نما محولہ بالا، باب ششم، عنوان: نو مسلموں کی ہمت افزائی ۱/۲/۵۷۹

(۲۱) ''کنپلہ اور دھور سمدر کو کرناٹک میں موجود ریاست میسور اور صوبہ مدراس کا جنوبی حصہ شامل سمجھنا چاہئے۔'' حوالہ سابق عنوان: تبصرہ ۱/۲/۵۴۰

(۲۲) مولانا ضیاء الدین برنی ان کو بقال (راعین، کنجڑا، سبزی فروش) بتلاتے ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی محولہ بالا۔ عنوان: شہاب سلطانی کی بغاوت، ص: ۶۹۵

(۲۳) اب حکومت نظام حیدرآباد ختم ہو چکی ہے۔ جس وقت مصنف نے کتاب لکھی اس وقت حکومت نظام حیدرآباد موجود تھی۔

(۲۴) آئینہ حقیقت نما محولہ بالا- عنوان: تبصرہ ۱/۲/۴۱-۵۴۰

(۲۵) ملک عین الملک ماہرو کے متعلق تاریخ فیروز شاہی اور آئینہ حقیقت نما میں اس بات کی صراحت نہیں پائی جاتی کہ وہ نو

مسلم تھے؛ لیکن ابن بطوطہ نے ان کو ہندی الاصل لکھا ہے اور مولانا ضیاء الدین برنی نے ان کو 'بقال' (راعین، کنجڑا، سبزی فروش) لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی نو مسلم تھے۔ (ملاحظہ: رحلة ابن بطوطة، المذكور اعلاه، العنوان: ذكر انتقال السلطان الى نهر الكنك وقيام عين الملك ص: ۳۲۸۔ اردو ترجمہ: سفر نامہ ابن بطوطہ، باب: ابوالمجاہد سلطان محمد شاہ تغلق۔ تصویر کے دو رخ۔ عنوان: عین الملک کی بغاوت۔ بیوی کی وفاداری نے باغی کی جان بچالی۔ ۱/۲/۶۴۲، تاریخ فیروز شاہی۔ محولہ بالا، عنوان: عین الملک کی بغاوت ص: ۶۹۷

(۲۶) تاریخ فیروز شاہی محولہ بالا، ص: ۶۹۷

(۲۷) آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب ششم، عنوان: ہندوؤں کی بغاوت اور رہزنی ۱/۲/۵۴۷

(۲۸) حوالہ سابق باب پنجم۔ عنوان: محمد تغلق کی ہندو نوازی ۱/۲/۴۵۴

(۲۹) امیر خسرو جو ایک کٹر مسلمان تھے وہ علماء کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سماج میں علماء کی عزت قطعاً رسمی تھی...... اگر سماجی وقار کا انحصار محض انسان کی ذاتی صفات پر ہے تو یہ بلا خوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں طبقہ علماء کے مقابلے میں عوام الناس ہزار درجہ بہتر تھے۔''

(ہندستانی معاشرہ عہد وسطی میں، محولہ بالا حصہ اول، سیاسی حالات، عنوان: علماء اور دیگر مذہبی افراد پر مشتمل گروہ۔ ۱۔ علماء، ص: ۱۳۸)

وہ تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

> ''قاضی، اسلامی قانون سے بالکل نابلد تھے اور کسی بھی ذمہ دار سرکاری عہدے پر کام کرنے کے اہل نہ تھے...... ان لوگوں میں نہ علم ہے اور نہ ہی کسی طرح کی صلاحیت۔ جب کوئی ظالم سلطان برسر اقتدار ہوتا ہے تو اس کی مدد کرتے ہیں، انفرادی زندگیوں میں مذہبی احکام کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں...... ۔'' (حوالہ سابق، ص: ۱۳۷۔ ۳۸)

(۳۰) بغرا خاں کے بیٹے کیقباد کو پیسے کے لالچ میں رمضان شریف کے روزے رکھنے سے باز رکھا، جب بغرا خاں کو معلوم ہوا تو انھوں نے بیٹے کو سخت سست کہا اور حکم دیا کہ ایسے فاجر و فاسق علماء کی صحبت اختیار نہ کرے اور نہ ہی ان کی بات قبول کرے۔ وہ ''ان علماء کو لالچی شیطان کہا کرتا تھا جن کا سب سے بڑا خدا آخرت نہیں، بلکہ یہ دنیا تھی۔''

(حوالہ سابق، ص: ۱۳۷)

(۳۱) برنی کا اعتراف جرم

مولانا سید ضیاء الدین برنی کا خود اپنا بیان ہے کہ انھوں نے خود دوسرے علماء کے ساتھ مل کر سلطان کی خواہشات کی تکمیل کی اور مال و زر کے حصول کے لیے قرآنی آیات کی جان بوجھ کر اپنی مرضی کے مطابق تاویل کی اور مجہول روایتیں بیان کی۔ اس طرح اسلامی شعائر کی واضح اور کھلی خلاف ورزی کرنے میں اس کی مدد گار رہوئے۔ برنی پچھتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

> ''...ہم چند کافر نعمت جنھوں نے کچھ پڑھا تھا اور علم کا جو عزت و شرف کا باعث ہوتا ہے کچھ حصہ حاصل کیا

تھا، دنیا کے لالچ اور طمع کی وجہ سے نفاق کا شکار ہو چکے تھے۔ ہم سلطان کے مقربوں میں سے تھے، لیکن خلاف شرع سزائیں دینے کے سلسلے میں ہم لوگ سلطان کے سامنے حق بات نہیں کہتے تھے اور جان کے خوف سے جو جانے والی ہے اور اس دولت کی وجہ سے جو ختم ہونے والی شے ہے ہم اس سے ڈرتے تھے اور اسی میں اپنی سہولت سمجھتے تھے کہ اس کے سامنے سچ بات نہ کہیں اور خلاف شرع سزاؤں کے مسئلے میں تنکہ وجیتل کی طمع اور قرب ومنزلت حاصل کرنے کے لالچ میں اس کے ساتھ ہو جاتے تھے اور احکام دین کی خلاف ورزی میں اس کی مدد کرتے تھے اور اس کے سامنے مجہول روایتیں بیان کرتے تھے۔ دوسروں کا حال میں نہیں جانتا کہ میری ہی طرح ہوا ہوگا۔ میں تو اس کے نتیجے میں جو میں نے کہا ہے اور کیا ہے اس بڑھاپے میں ذلیل وخوار اور مصیبت زدہ اور بے مددگار ہو گیا ہوں، دردر کا محتاج اور رسوا ہوا ہوں۔ دنیا میں تو یہ حال ہے، عقبیٰ کا معلوم نہیں کہ کیا حالت ہوگی اور مجھے کیا کیا سزائیں بھگتنا پڑیں گی۔"

(تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، عنوان: برنی کا خود اپنی کمزوری کی طرف اشارہ کرنا، ص:۶۶۴)

(۳۲) حوالہ سابق، باب: سکندر ثانی السلطان الاعظم علاء الدنیا والدین محمد شاہ خلجی، عنوان: سادات کیتھل، ص:۵۱۰

(۳۳) ضیاء الدین برنی: فتاوی جہاں داری، بحوالہ: مولانا عبدالحمید نعمانی: مسئلہ کفو اور اشاعت اسلام، عنوان: ضیاء الدین برنی کا نظریہ نسل، ص:۵-۶

(۳۴) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، عنوان: عزیز خمار امیران صدہ کو قتل کراتا ہے، ص:۷۱۴-۷۱۵

(۳۵) حوالہ سابق، عنوان: سلطان کے کردار کی خصوصیات، ص:۷۱۶-۷۱۷

(۳۶) تاریخ فیروز شاہی کے اصل الفاظ ہیں: "زانی داشتے وزنازادگاں ورزالہ بچگان"۔ ان الفاظ کی رعایت کر کے قوسین کے الفاظ لکھے گئے ہیں (تاریخ فیروز شاہی (فارسی)- ذکر یافتن ملک عزیز خمار بداصل خطہ دھار ومالوہ ورفتن...... ص:۵۰۶، مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۸۶۲ء، بحوالہ: آئینہ حقیقت نما محولہ بالا، باب پنجم: عنوان: ضیائے برنی کے دل کا بخار ۱/۲/۵۰۱

(۳۷) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، عنوان: سلطان کے کردار کی خصوصیات، ص:۷۱۷

(۳۸) حوالہ سابق- باب سلطان العصر والزمان الواثق بنصرہ الرحمٰن فیروز شاہ تغلق- عنوان: مقدمہ دوم- احمد ایاز کی بغاوت ص:۷۶۲-۷۶۳

(۳۹) ملک مقبول المخاطب بہ قوام الملک کی تفصیلات اسی باب کے حاشیہ میں گزر چکی ہیں۔

(۴۰) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، مقدمہ دوم، عنوان: دیپال پور میں قیام شیخ فریدالدین کے مزار پر حاضری، ص:۷۶۶

(۴۱) حوالہ سابق، مقدمہ ہفتم- عنوان: ملوک فیروز شاہی- خان جہاں، ص:۸۰۸-۸۰۹

(۴۲) ملک عین الملک (ماہ رو) کو نو مسلم کیوں کہا گیا ہے اس کی تفصیلات پیچھے اسی باب کے حاشیہ میں گزر چکی ہیں۔

(۴۳) آئینہ حقیقت نما محولہ بالا، باب ششم- عنوان: عین الملک اور اس بھائیوں کی بغاوت ۱/۲/۵۵۴

(۴۴) چوں کہ غلط فہمی کی وجہ سے بغاوت کا ظہور ہوا تھا، اس لیے سلطان محمد تغلق نے عین الملک کے معافی نامہ سے پہلے ہی انھیں معاف کر دیا تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو حوالہ سابق۔

(۴۵) تاریخ فیروز شاہی، بحوالہ بالا، باب السلطان المجاہد ابوالفتح محمد شاہ ابن تغلق شاہ۔عنوان، ملک عین الملک کی بغاوت، ص:۶۹۷

(۴۶) حوالہ سابق: باب سلطان العصر والزمان الواثق بنصرہ الرحمٰن فیروز شاہ تغلق: مقدمہ ہفتم، عنوان: ملک عین الملک ماہ رو، ص:۸۱۵

(۴۷) **برنی کے خاندان کا عروج کب ہوا؟**

ضیائے برنی کے خاندان اور ان کے بزرگوں کا کوئی ذکر خاندان غلاماں کے عہد حکومت میں نہیں آتا۔اس زمانہ میں ان کا خاندان غالباً بہت ہی معمولی حالت میں ہوگا؛ لیکن سلطنت خلجیہ کے شروع ہوتے ہی ان کے خاندان کو ترقی نصیب ہوئی۔

''ضیائے برنی کے باپ کو جلال الدین خلجی نے اپنے مجھلے بیٹے ارکلی خاں کی نیابت پر معمور کر کے مؤید الملک کا خطاب دیا،ضیائے برنی کا چچا علاء الملک کے خطاب سے مخاطب ہو کر سلطان جلال الدین کے بھتیجے علاء الدین خلجی کی نیابت پر فائز ہوا۔

غرض سلطنت خلجیہ کے شروع ہوتے ہی ضیائے برنی کے خاندان میں امارت شروع ہوئی۔جب علاء الدین خلجی نے دیو گیر کا قصد کیا تو وہ اپنی غیر موجودگی کے ایام میں ضیائے برنی کے چچا علاء الملک کو کٹرہ اور اودھ کی حکومت سپرد کر دیا تھا۔جب علاء الدین خلجی ہندستان کا بادشاہ ہوا تو اس نے تخت نشین ہوتے ہی کٹرہ اور اودھ کا علاقہ جس پر وہ خود عہد جلالی میں مامور تھا،علاء الملک کو بطور جاگیر عطا فرمایا اور ضیائے برنی کے باپ مؤید الملک کو برن[بلند شہر] کا علاقہ جاگیر میں دیا۔یہ وہی برن ہے جو سلطان جلال الدین خلجی کی جاگیر رہ چکا تھا۔علاء الملک کے ساتھ علاء الدین خلجی کو بڑی محبت تھی۔اسے دہلی سے باہر نہیں جانے دیا۔کٹرہ اور اودھ کا انتظام اس کے نائب کرتے تھے اور اس [علاء الملک] کو دہلی کی کوتوالی کا عہدہ جو بڑی عزت اور ذمہ داری کا عہدہ تھا اعزازی طور پر عطا گیا تھا۔علاء الملک موٹاپے کی وجہ سے زیادہ چل پھر نہیں سکتا تھا،اس لیے دربار سلطانی میں وہ مہینہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوتا تھا''۔

(آئینۂ حقیقت نما،بحوالہ بالا،باب پنجم۔عنوان: ضیائے برنی کی ناراضگی کا دوسرا سبب،ص:۲/۱/۲۹۶-۲۹۷)

(۴۸) تاریخ فیروز شاہی،بحوالہ بالا،باب سکندر ثانی السلطان الاعظم علاء الدنیا والدین محمد شاہ خلجی،عنوان: سادات عہد علائی ص۵۰۸-۵۱۲

(۴۹) مولانا سید ضیاء الدین برنی،سلطان علاء الدین خلجی کے ذریعہ لوگوں کو عہدے اور مناصب دینے کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

''ان کے علاوہ اہم عہدے اور بڑے بڑے اقطاع دوسرے نیک اور نیک نام تجربہ کار اور کارگزار لوگوں کے سپرد کیے گئے''۔

(تاریخ فیروز شاہی،بحوالہ بالا،اسکندر ثانی السلطان الاعظم علاء الدنیا والدین محمد شاہ خلجی،عنوان: علاء الدین کی تخت نشینی،ص ۳۷۲)

(۵۰) مولانا برنی لکھتے ہیں کہ: ''دہلی اور ملک کے تمام علاقے باغ اور چمن کی طرح کھل گئے۔'' (حوالہ سابق، ص۳۷۲)

(۵۱) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، عنوان: عہد علائی کے قضات ممالک، ص: ۵۱۲-۵۱۳، علاء الدین خلجی نے ملک کافور نومسلم جو مزعومہ رذیل ہندو ذات بروایتی چمار تھے کو بھی اپنا وزیر اعظم بنایا۔ (آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، عنوان: ملک کافور کی جانب سے علاء الدین کی خدمت گزاری ۲/۱/۲۰۵-۲۰۶)

(۵۲) تاریخ فرشتہ، محولہ بالا، باب رضیہ سلطان-عنوان: رضیہ کا قتل ۲۶۲/۱

(۵۳) حوالہ سابق باب سلطان محمد شاہ تغلق-۱/۴۴۳-۴۴۴

(۵۴) ہندستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، دوسرا باب-سماجی تنظیم-عنوان: ذات پات کے علاقوں میں اسلام کا ورود ص: ۸۷

(۵۵) ڈاکٹر ایشور ٹوپا: ہمارا ثقافتی ورثہ، ص: ۹۷-۹۸، بحوالہ: ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل، محولہ بالا، ص: ۳۳۰۔

(۵۶) ابن بطوطہ مورخ نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک معروف و مشہور سیاح ہیں؛ لیکن چوں کہ ان کے اقوال اور بیانات کو عام طور پر تاریخی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، اس لیے ان کا تذکرہ یہاں کر دیا گیا ہے۔

(۵۷) رحلۃ ابن بطوطہ، المذکور اعلاہ، ص: ۳، ۱۱، ۱۲

(۵۸) حوالہ سابق: باب۔ ذكر السلطان ابى المجاهد محمد شاه ابن السلطان غياث الدين تغلق شاه ملك الهند والسند ذكر و صفه، ص: ۲۹۴

(۵۹) رحلۃ ابن بطوطہ۔ مترجم: رئیس احمد جعفری ندوی: سفر نامہ ابن بطوطہ۔ حصہ دوم۔ ابوالمجاہد سلطان ابن محمد شاہ تغلق۔ تصویر کے دو رخ۔ پہلا رخ۔ بادشاہ والا جاہ۔ عادات و خصائل اور اخلاق و شمائل کا ذکر، ص: ۵۶۵

(۶۰) حوالہ سابق (عربی) ص: ۲۹۴ (اردو) ص: ۵۶۵-۵۶۶

(۶۱) سلطان نے صرف حکومت اسلامیہ کے باغیوں اور سازشی گروہ کا قتل کرایا تھا۔ جس کی تفصیلات اوپر آ چکی ہیں۔

(۶۲) حوالہ سابق (عربی)۔ حكاية في تواضع السلطان وانصافه، حكاية مثلها، حكاية مثلها، ذكر اشتداده في اقامة الصلاة، ص: ۳۱۲، ذكر اشتداده في إقامة أحكام الشرع، ذكر رفعه للمغارم والمظالم وقعوده لإنصاف المظلومين، ذكر إطعامه في الغلاء، ص: ۳۱۳۔ (اردو) عنوان: دین دار بادشاہ۔ ایک ہندو کا بادشاہ پر دعوی، مظلوم کی دادرسی، قحط زدگوں کی مدد، باجماعت نماز نہ پڑھنے والوں پر بادشاہ کا عتاب، ص: ۷۰۳-۷۰۵

(۶۳) محمد قاسم فرشتہ کے اپنے الفاظ ہیں: ''کوئی ہفتہ ایسا نہ جاتا کہ جس میں مشائخ و سادات، صوفی، قلندر، اہل علم اور سپاہی اس کی سیاسی حکمت عملی کا شکار نہ ہوتے ہوں''، تاریخ فرشتہ، محولہ بالا، باب سلطان محمد شاہ تغلق-عنوان علم نوازی-۱/۴۲۷) اوپر آ چکا ہے کہ سلطان نے صرف حکومت کے باغیوں، سازش کرنے والوں کا ہی قتل کرایا۔

(۶۴) حوالہ سابق-عنوان: سلطان محمد تغلق کا کردار-علم نوازی-۱/۴۲۵-۴۲۷

(۶۵) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، السلطان المجاہد ابوالفتح محمد شاہ السلطان ابن تغلق شاہ-عنوان: سلطان محمد بن تغلق کا

کردار اور اس کی متضاد خصوصیات، ص:۶۵۵

(۶۶) حوالہ سابق-عنوان: سلطان کی فیاضی، ص:۶۵۶-۶۵۷

(۶۷) حوالہ سابق-عنوان: دیگر خصوصیات، ص:۶۵۹

(۶۸) حوالہ سابق-عنوان: سلطان کے کردار کی خصوصیات، ص:۷۱۷-۷۱۸

(۶۹) اس کی تفصیلات پیچھے ''مولانا سید ضیاء الدین برنی کا غیر اسلامی طرز عمل'' کے زیر عنوان حاشیہ میں ''برنی کے خاندان کا عروج کب ہوا؟'' کے عنوان کے تحت گزر چکی ہیں۔

(۷۰) آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب پنجم، عنوان: ضیائے برنی کا خاندان، ۱/۲/۴۹۹

(۷۱) حوالہ سابق-عنوان: ضیائے برنی کے دل کا بخار ۱/۲/۵۰۱

(۷۲) Dr.Tara Chand:A Short History of Indian People.p.172-73، بحوالہ: شیخ محمد اکرام: آب کوثر، ص:۴۰۱

(۷۳) سید صباح الدین عبدالرحمٰن: ہندستان کے عہد وسطی کی ایک جھلک-عنوان: دسویں جھلک: محمد شاہ تغلق، ص:۲۱۲

(۷۴) آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب پنجم-عنوان: نومسلموں کی عزت افزائی ۱/۲/۵۸۰

(۷۵) **فیروز شاہ تغلق کا عقیدہ اور ان کی ماں و بیوی کا مذہب:**

''ہندو مذہب کا اثر قبول کرنے کی وجہ سے گور پرستی اس [فیروز شاہ] میں موجود تھی...... وہ جب کسی مہم پر روانہ ہوتا تھا تو اول قبروں پر جاتا، قبروں کو سجدہ کرتا اور اپنے آپ کو بجائے خدا کے ان صاحب قبر بزرگوں کی پناہ میں دے دیتا، شاید اسی شرک اور گور پرستی کا نتیجہ تھا کہ اس کو کسی بڑی لڑائی میں کوئی نمایاں فتح حاصل نہ ہوئی۔''

[حوالہ سابق باب ہفتم عنوان: فیروز تغلق کی قبر پرستی ۱/۲/۶۴۷]

فیروز شاہ تغلق کے والد ''سالار رجب'' کی پہلی بیوی مسلم تھی اور اس سے کئی بیٹے بھی تھے۔ فیروز شاہ تغلق، سالار رجب کی دوسری ہندو بیوی کے بیٹے ہیں، جس کا نام ''نائلہ'' یا ''نالہ دیوی'' تھا اور سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کا نام ''بی بی کدبانو'' رکھا تھا۔ یہ ابوہر علاقہ دیپال پور کے ایک ہندو راجپوت زمیندار ''رانامل بھٹی'' کی بیٹی تھی۔

فیروز شاہ تغلق کی ہندو بیوی شہر حصار کے ایک ہندو گوجر برادری سے تھی۔ اس کے لیے فیروز شاہ نے ایک عظیم الشان محل ''گوجری محل'' تعمیر کرایا۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی فیروز شاہ تغلق کی ہندو گوجری بیوی کے دونوں بھائیوں، سادھو اور سہارن کے قبول اسلام کا تذکرہ تو کرتے ہیں، لیکن ان کی بیوی اور ماں دونوں کے قبول اسلام کے سلسلہ میں کچھ نہیں کہتے ہیں، بلکہ ایک جگہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے بالکل آخری ایام، ۷۸۹ھ مطابق ۱۳۸۷ء کے آخری ایام یا ۷۹۰ھ کے شروع کے دنوں (کیوں کہ شعبان ۷۸۹ھ میں حکومت سے گوشہ نشینی اختیار کی تھی اور ۱۸ر رمضان ۷۹۰ھ ۲۳ر اکتوبر ۱۳۸۸ء میں ان کا انتقال ہوا) کے حالات لکھتے ہیں کہ:

''اپنے بیٹے فتح خاں [جو ہندو گوجری بیوی سے تھا] کے مرنے [فیروز شاہ تغلق کے گوشہ نشینی شعبان ۷۸۹ھ میں اختیار کرنے کے بعد ان کا لڑکا محمد خاں المخاطب بہ ناصر الدین محمد شاہ جو مسلم بیوی سے تھا تخت نشین ہوا، لیکن کچھ مہینوں کے بعد فیروز شاہ تغلق کی ہندو بیوی کے بھائی وجیہہ الملک [سہارن] نے

دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر ناصرالدین محمد شاہ کو برطرف کر کے اپنے بھانجے فتح خاں کو بادشاہ بنایا] پر بہرائچ جا کر سرمنڈ وانا صریح اس بات کا نتیجہ تھا کہ اس کی ماں ہندو خاندان کی عورت تھی، اس کی ہندو بیوی موجود تھی"

بہرحال خواہ ان دونوں عورتوں نے بعد میں اسلام قبول کیا ہو یا نہ کیا ہو، لیکن شادی کے وقت دونوں کی دونوں ہندو تھیں۔

(ملاحظہ ہو۔ حوالہ سابق باب پنجم۔ عنوان: ہندوؤں کے ساتھ رشتہ داری ۱/۲/۴۴۸-۴۴۹، ایک غلط فہمی کا ازالہ ۱/۲/۴۴۹-۴۵۱۔ باب ہفتم عنوان: تنگ نظر مراسم پرستوں کا دور دورہ، ۱/۲/۶۱۰، فیروز شاہ تغلق کی ہندو بیوی ۱/۲/۶۱۶-۶۱۷، فیروز شاہ تغلق کی ایک گوجر عورت سے شادی کا پس منظر ۱/۲/۶۱۹-۶۲۱، فیروز شاہ کی قبر پرستی ۱/۲/۶۴۷)

(۷۶) ملاحظہ ہو: حوالہ سابق، جلد دوم، باب پنجم، ششم اور ہفتم

(۷۷) حوالہ سابق، باب ہفتم، عنوان: سلطان محمد تغلق کی وفات کا سبب بہت مشکوک ہے ۱/۲/۶۰۸

(۷۸) ڈاکٹر مہدی حسین، ص: ۲۰۹-۲۱۰، بحوالہ: تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، سلطان العصر والزماں الواثق بنصرہ الرحمن فیروز شاہ السلطان ص: ۴۷، حاشیہ: ۲

(۷۹) ملا عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ، محولہ بالا، باب: سلطان فیروز شاہ تغلق، عنوان: حضرت چراغ دہلوی ۱/۱۴۶-۱۴۷، ترجمہ: محمود احمد فاروقی

(۸۰) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، مقدمہ دوم، عنوان دیپال پور میں قیام شیخ فخر الدین کے مزار پر حاضری، ص: ۶۸-۷

(۸۱) بہت سے مسلمان بے گناہ قتل کیے گئے، لیکن مولانا سید ضیاء الدین برنی صرف اور صرف سات لوگوں کے قتل کی خبر دیتے ہیں، مثلاً احمد ایاز تھو سودھل، حسن، حسام، ادھنک اور ایاز کے بیٹے کے دو غلام، (حوالہ سابق عنوان، فیروز شاہ کی تخت نشینی، ص: ۷۷)

(۸۲) آئینۂ حقیقت نما، محولہ بالا، باب ہفتم عنوان، خواجہ جہاں ملک احمد ایاز کا قتل ۱/۲/۶۰۳، سلطان محمد تغلق کی وفات کا سبب بہت مشکوک ہے ۱/۲/۶۰۸

(۸۳) حوالہ سابق۔ عنوان: ناکردہ گناہ کی سزا، ۱/۲/۶۰۸، سلطان محمد تغلق کی وفات کا سبب بہت مشکوک ہے ۱/۲/۶۰۸-۶۰۹

☆☆

باب ششم

برہمنی تحریکات کا ظہور

سلطان محمد تغلق کے اسلامی کارنامہ کی وجہ سے جس قدر ہنگامے اور شور وشغب ہوئے، سلطان علیہ الرحمہ اور ان کے منتخب کردہ امراء اور ان کی برادریوں کو جس طرح طعن و تشنیع اور گالم گلوج کا ہدف بنایا گیا، اس کے پیچھے بھی برہمنیت اور منوواد یت کا ہی ہاتھ تھا؛ چوں کہ سلطان علیہ الرحمہ کے تصور مساوات کی وجہ سے ہندو دھرم کی مزعومہ چھوٹی برادریاں تیزی سے اسلام قبول کرنے لگی تھیں اس لیے برہمنیت اور منوواد یت نے ان کے ذریعہ روشن کیے گئے چراغ مساوات کو گل کروانا چاہا، لیکن اس وقت اس کی ایک نہ چلی۔

مسلم سماج میں احیائے ذات پات

مگر سلطان کی وفات کے بعد اس نے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کی کوشش پھر شروع کر دی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کو علم وفضل میں وہ درجہ حاصل نہ تھا جو سلطان محمد تغلق کو حاصل تھا۔ نہ ان کی نظر علوم دینیہ میں وسیع تھی، نہ ہی وہ سلطان محمد تغلق کی طرح قوی القلب اور عالی حوصلہ تھے۔ سلطان محمد تغلق شریعت کی پابندی کا خاص خیال اور اہتمام رکھتے اور غیرت دینی کا ہمیشہ اظہار کرتے تھے، فیروز شاہ تغلق اس معاملے میں بہت کمزور اور امرائے سلطنت سے مرعوب تھے، ان کے منشا کے خلاف کسی کام کے کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ قبر، پیر، ذات پرست، شرابی، ہندو بیوی رکھنے والے تھے، گمراہ، ذات پات پر ایمان لانے والے صوفیوں، مولویوں کے اندھے طرفدار، مقلد ومعتقد اور سلطان محمد تغلق کے باغی امراء کے حمایتی تھے۔ چوں کہ فیروز شاہ تغلق کو تمام قدامت پسند، مراسم پرست علماء، صوفیاء، ذات پات کے حامی حضرات اور سلطان محمد تغلق کے باغی امراء کی حمایت حاصل تھی، انھی کی وجہ سے وہ تخت نشیں ہوئے تھے، سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد بھی جب تخت نشینی کے مسئلہ پر اختلاف ہوا تو اس وقت بھی سلطان محمد تغلق کے باغیوں کے سردار شیخ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کی کوششوں سے وہ بادشاہ بن سکے۔ اس لیے ان حضرات کے اس غیر اسلامی اور حرام احسان کے صلہ میں انھوں نے تخت نشیں ہوتے ہی ان لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ان کے کہنے پر خواجہ جہاں ملک احمد ایاز[1] اور ان کے جیسے محمد تغلق کے تمام مصاحبین جو راسخ العقیدہ مسلمان، شرک وبدعت، ذات پات اور مراسم پرستی کے خلاف تھے کو چن چن کر قتل کرا دیا۔

اب سلطنت اسلامیہ کے باغی ان تنگ نظر، مولویوں، صوفیوں امراء اور ذات پات پر ایمان

رکھنے والی جماعت کو ہر طرح سے نوازا گیا، عہدے اور مناصب عطا ہوے سید حسین جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت جیسے ذات پات، اونچ نیچ اور چھوت چھات کے قائل شخص، جن کی ذات پرستی کا ذکر آگے آرہا ہے، کو شیخ الاسلامی دی گئی جس طرح سے بدھ مذہب اور بدھ حکومتوں کے زوال کے بعد برہمنوں اور پنڈتوں کا دور دورہ ہو گیا، ان کی کھوئی ہوئی عظمت عزت اور جاگیریں وغیرہ واپس مل گئیں بالکل وہی صورت حال سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد یہاں بھی پیش آیا کہ عام طور پر محمد تغلق اور ان کی اسلامی سلطنت کے باغیوں اور مزعومہ طبقۂ شرفاء سے تعلق رکھنے والے افراد کو عہدے مناصب ملے۔ گویا کہ ان لوگوں کے بھاگ کھل گئے۔(۲) مولانا سید ضیاءالدین برنی کے الفاظ میں تو:

"تمام سادات کو نئی زندگی مل گئی۔"(۳)

اس سلسلے میں مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

"ملک احمد ایاز اور اس کے ہم خیال سب قتل کر دیے گئے۔ قتلغ خاں کے بیٹے کو الپ خاں کا خطاب دے کر زمرۂ امرائے کبار میں شامل کیا گیا۔ قتلغ خاں کے بھائی نظام الملک امیر حسین کو گجرات کی حکومت سپرد کی گئی، قوام الملک خان جہاں نو مسلم، ملک احمد ایاز کو دھو کہ دے کر اور فیروز تغلق کے پاس پہلے پہنچ کر اپنی سرخروئی کا سامان کر چکا تھا اور وہی ان تمام امراء کا سرگروہ بنا، جنہوں نے ملک احمد ایاز کے قتل پر فیروز تغلق کو مجبور کیا۔

اس طرح خان جہاں کے لیے وزات عظمیٰ کا عہدہ خالی ہوا۔ باقی تمام امراء قتلغ خاں کی سازش میں شریک، یا کم از کم بہ دل اس سازش کے ہمدرد اور بظاہر سلطان محمد تغلق کے خیر خواہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیروز تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی ان تمام مولویوں، مفتیوں، قاضیوں اور پیروں کے بڑے بڑے روزینے مقرر کر دیئے جو سلطان محمد تغلق کے زمانے میں معزول و مطرود و بے شغل ہو گئے تھے محمد تغلق کے زمانے کا تمام انتظام درہم برہم کر دیا گیا۔ مولانا قاضی کمال الدین قاضی القضاۃ کو معزول کر کے سید جلال الدین کرمانی کو نیا قاضی القضاۃ بنایا گیا اور اس کو صدر صدور جہاں کا خطاب دے کر تمام شرعی محکموں کا مطلق العنان حاکم بنایا گیا...... اسی طرح مخدوم جہانیاں شیخ جلال الدین [سید حسین جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت] کو شیخ الاسلام کی سند دی گئی اور حضرت ابوالفتح شیخ رکن الدین ملتانی کو شیخ الاسلام سے اس لیے برطرف کیا گیا کہ وہ شرکیہ و بدعیہ مراسم کے دشمن اور سلطان محمد تغلق کے ہم خیال و مؤید تھے، فیروز تغلق نے

۷۴۹ھ [مطابق ۹-۱۳۴۸ء] میں جب کہ وہ سلطان محمد تغلق کی غیر موجودگی میں بطور نائب السلطنت دہلی میں مقیم تھا۔ ایک ہندو گوجر کی لڑکی سے شادی کر کے اپنے باپ کی سنت کو پورا کیا تھا۔ اس ہندو خاندان کے اکثر افراد اس کی مصاحبت میں داخل تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بتدریج ان خیالات اور ان بدعات و مراسم کی طرف مائل ہو گیا تھا، جو اس ملک کی آب و ہوا سے نشو نما پا کر مسلمانوں میں داخل اور رائج ہو چکے تھے اور جن کو محمد تغلق نے مٹانے کی زبردست کوشش کی تھی۔

غرض سلطان فیروز کی کمزوری سمجھ لو یا اس کی کم علمی قرار دے لو کہ اس کے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلا اور سب سے **بڑا تغیر یہ ہوا کہ عالم نما جاہلوں، شکم پرور کاہلوں، نام نہاد صوفیوں اور مشائخ زادوں کے بھاگ کھل گئے اور کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت کا نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔"**

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ:

"ایک صاحب نے جن کا نام مولانا داؤد تھا، ہندی زبان میں ایک مثنوی لکھی، جس میں ایک عشقیہ قصہ بیان کیا گیا تھا۔ عہد فیروزی کے ایک دوسرے مولانا جن کا نام تقی الدین واعظ تھا، اس ہندی مثنوی کو [مسجد کے] منبر پر پڑھا کرتے تھے، کسی عالم نے ان سے پوچھا کہ ہندی مثنوی کے منبر پر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو واعظ صاحب نے جواب دیا کہ اس کا مضمون اقوال تصوف کے موافق ہے۔" (۴)

فیروز شاہ تغلق کی مراسم، قبر، ذات پرستی، محمد تغلق اور ان کی اسلامی حکومت کے باغی، سازشی علماء، صوفیاء اور امراء کو نوازنے کو مولانا سید ضیاء الدین برنی نے فیروز شاہ تغلق کے عظیم کارنامہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ ان کی چند عبارتیں نقل کی جائیں۔ فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی کے بعد "ٹھٹھ" سے روانگی کے بعد کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"سلطان العہد و الزماں السلطان فیروز شاہ متواتر کوچ کرتا ہوا سیوستان پہنچ گیا...... لشکر کے عام لوگوں پر نوازش کی، **ملوک و امراء معارف و اکابر نے خلعتیں اور انعامات حاصل کیے، علماء و مشائخ کی خدمت میں فتوحات پیش کی گئیں**...... شاہ اسلام نے سیوستان کے لوگوں پر نوازش کی۔ ان کے وظائف و انعامات اور گاؤں اور زمینیں جو کلیۃً

منسوخ ہوگئی تھیں اور خالصہ قرار دی گئی تھیں، پہلے بادشاہوں کے فرمان (امثلہ) کے مطابق سب **بحال کردیں**...... اور نئے وظائف و ادرارات ان پر مزید اضافہ کر دیئے گئے۔ سلطان نے سیوستان کے **بڑے مزارات کی زیارت کی** اور فقراء، مسافروں اور غربا ومساکین کو صدقات دیئے۔" (۵)

"..... خداوند عالم سیوستان سے روانہ ہوئے اور متواتر کوچ کرتے ہوئے بھکر پہنچے۔ بھکر کے لوگوں پر بھی نوازشیں کیں وہاں کے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی **اور قدیم وظائف وانعامات ازسرنو بحال کیے**...... بھکر سے روانہ ہوا اور اُچھ پہنچا۔ اچھ کے لوگوں پر بھی نوازش کی اور ان کے **وظائف اور زمینیں وغیرہ جو برسوں پہلے واپس لے لی گئی تھیں دوبارہ ان کے حق میں بحال کردی گئیں**، جن لوگوں کے پاس وظائف وغیرہ نہ تھے ان کو عطا کیے شیخ جمال الدین کی خانقاہ جو تقریباً ختم ہو چکی تھی (حکم اندراس گرفتہ) اس کو ازسرنو زندہ کیا اور وہ **گاؤں اور باغات وغیرہ جو خالصہ میں لے لیے گئے تھے ان کے بیٹوں کے حق میں بحال کردیئے**۔ ان کو وظائف وغیرہ بھی عطا کیے اور اس خانوادہ کی، جو ختم ہوا جا رہا تھا، بنیادیں مستحکم کردیں، جب کہ خداوند عالم بھکر سے اچھ آرہے تھے، اس وقت ملتان کے علماء ومشائخ، اکابر ومعارف اور مقدم زمیندار اور جاگیردار (الکیان) درگاہ اعلی میں حاضر ہوئے۔ ان کی گزارشات منظور ہوئیں اور ان کے وظائف وغیرہ پھر سے بحال کردیئے گئے، ان کو نئے فرمان عطا کردیئے گئے......" (٦)

"...... [بھکر سے دیپال پور آئے وہاں چند دن قیام کیا پھر دارالحکومت دہلی کی طرف روانہ ہوئے اور راستہ میں] خداوند عالم حضرت شیخ فرید الدنیا والدین کے (مزار) کی زیارت کے لیے اجودھن گئے اور اس بزرگ خانوادہ کو جو کلیۃً ابتر اور پریشان ہوگیا تھا، اس کو ازسرنو منتظم ودرست کردیا اور **شیخ علاءالدین کے پوتوں کو خلعت وانعامات عطا کیے اور زمینیں اور گاؤں املاک کے طور پر ان کے حق میں مسلم کردیں**۔ اجودھن کے باشندوں کو صدقات عطا کیے اور جن لوگوں کے متعلق اس نے سنا کہ ان کو نان یا وظیفہ ملتا تھا اس کی تجدید کردی۔...... بادشاہ اسلام نے ہانسی کے پیروں کی زیارت کی اور فقراء کو صدقات دیئے۔" (۷)

مولانا ضیائے برنی آگے لکھتے ہیں کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی کے بعد ہی سے خاص

طور پر شروع کے دو تین سال لوگوں پر خوب نوازشیں کی گئیں۔ پھر لکھتے ہیں:

''بہت سے نئے مستحق لوگوں کو وظائف و ادرارات اور گاؤں اور زمینیں عطا کی گئی ہیں۔ ...... یہ کس کی مجال ہے کہ فیروز شاہ کی نوازشات تمام و کمال (مقادیر و موازین) تحریر کر سکے، اس لیے کہ وہ تمام مثالوں کو جو پچھلے **ایک سو ستر برس میں بادشاہوں نے سادات علماء، مشائخ اور دیگر مستحقین کے حق میں وظائف و انعامات اور گاؤں زمینوں کے لیے جاری کی گئی تھیں اور جو بعد میں خالصہ میں شامل ہو گئی تھیں وہ سب ان لوگوں کی اولاد کے حق میں بحال کر دی گئیں اور ان کو نئی دیوان کی مثالیں اور طغرا والے فرامین مل گئے۔** ان لوگوں کو بھی جن کے پاس قدیم مثالیں موجود نہیں تھیں، لیکن وہ نان ونفقہ کے لیے محتاج تھے، نئے وظائف و انعامات اور گاؤں اور زرخیز زمینیں اتنی دے دی گئیں جو ان کی ضروریات سے زیادہ تھیں...... بہت سے علم قرأت کے استاد، حافظ، مذکر، خطاط، قاری، مؤذن، بکران، فراش، اور **مجاور** جن میں سے ہر ایک بغیر وظیفے کے تھا اور فقر و فاقہ میں مبتلا اور **دشمن کی خوشی کا باعث بن گیا تھا**، اب سلطان عالم فیروز شاہ کی نوازشوں کی بدولت ان میں سے ہر ایک کے لیے ہزار، پانچ سو، تین سو یا دو سو تنکے وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اب وہ معاش اور ترقی کے لحاظ سے آسودہ ہیں۔...... **شہر و حوالی اور چار پانچ کوس تک کے قصبوں میں جو خانقاہیں** برباد ہو چکی تھیں، جہاں پرندہ پر نہیں مارتا تھا اور کسی پیاسے کو پانی نہیں ملتا تھا، وہ اب سلطان فیروز شاہ کی نوازشات کی بدولت آستانہ داروں، صوفیوں، عابدوں، قلندروں، حیدریوں، مسافروں اور مسکینوں سے پر ہیں۔ یہ فیروز شاہ کی روز افزوں دولت کا اقبال ہے کہ ان خانقاہوں کو آباد گاؤں اور قابل کاشت زمینیں دے دی گئیں اور صوفیہ کی خانقاہوں کے اخراجات اور مسافروں کے آرام و آسائش کے لیے دس دس، پانچ پانچ، بیس بیس اور تیس تیس ہزار تنکے وظائف کے طور پر مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ **شیخ فرید الدین، شیخ بہاء الدین، شیخ نظام الدین، شیخ رکن الدین اور شیخ جمال الدین اُچھ اور کتنے ہی اور قدیم مشائخ کے خاندانوں کو گاؤں، زمینیں اور باغ مل گئے ہیں۔**''(۸)

مولانا ضیائے برنی آگے ''سادات پر فیروز شاہ کی عنایات'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ:

''سلطان العصر والزمان فیروز شاہ السلطان، متع اللہ المسلمین رسول رب العالمین کے **اہل**

بیت کے ساتھ خلوص میں اور خاتم النبیین کے ساتھ محبت میں دنیا کے دوسرے بادشاہوں سے سبقت لے گیا ہے اور اس کا یہ خلوص اور محبت انتہائی حد تک پہنچ گئی ہے۔ اس لیے کیا صدر صدور جہاں کے حق میں اور کیا دوسرے سادات فاطمہ کے حق میں وہ بے حد مہربانی و نوازش کرتا ہے۔ **یہ خاندان سادات کے ساتھ اس کی محبت ہی کی نشانی ہے** کہ خداوند خاں یعنی خداوند زادہ قوام الدین ترمذی مرحوم کو اس نے چتر، دور باش اور امارت باد شاہی عطا کی اور اس کا بھتیجا ملک سیف الملک جو رسول پاک کی اولاد میں ہے، بادشاہ جہاں پناہ کا امیر شکار ہے اور ملک السادات والامراء، اشراف الملک کا جو فاطمۃ الزہرا کا نور چشم اور اسد اللہ (یعنی حضرت علیؓ) کا چشم و چراغ ہے، بادشاہ اسلام کے عہد میں ایک محترم مقام رکھتا ہے اور اس کو وکیل در کے عظیم عہدے پر فائز کیا گیا ہے اور گاہ بگاہ عواطف خسروانہ سے اس کو نوازا جاتا ہے۔

سید السادات علاء الدین سید سول داد کو درگاہ کے مقربوں میں شامل کرلیا گیا ہے۔ سلطان فیروز شاہ کی اس پر خاص نظر عنایت ہے اور اس پر مخصوص نوازشات کی جاتی ہیں۔ **کمال حسن عقیدت اور مراحم سلطانی کی وجہ سے دارالحکومت دہلی اور بلاد ممالک کے جملہ سادات کو اشغال وانعام اور اکرامات، گاؤں اور زمینیں دے کر مفتخر و محترم کیا گیا ہے۔ اس طرح تمام سادات کو نئی زندگی مل گئی ہے اور وہ خداوند عالم کی درازی عمر کے لیے دعا میں مشغول ہیں۔**" (۹)

سلطان فیروز شاہ تغلق کو سادات سے اس قدر عقیدت و محبت تھی کہ ان کی ہلاکت کے خوف سے سلطنت کے باغیوں تک پر حملہ نہیں کرتے تھے، چناں چہ لکھنوتی کے حاکم "الیاس" ۔ جو پہلے ان کے نوکروں میں سے تھے۔ نے لکھنوتی پر قبضہ کر کے "اکدالہ" میں اپنی فوج کے ساتھ پناہ لے رکھی تھی۔ اکدالہ پر فیروز شاہ کے حملہ نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے برنی لکھتے ہیں کہ:

"خداوند عالم کے دل میں ان کے جذبۂ ایمانی کے باعث یہ خیال آیا...... کہ اس ہجوم [حملہ] میں گناہ گاروں کے ساتھ بڑی تعداد میں بے گناہوں کی تہ تیغ [تیغی] ہو جائے گی اور باغی الیاس کی غاصبانہ حرکت کے نتیجے میں کتنے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہہ جائے گا اور سنی مسلمانوں کی عورتیں بدمعاشوں، پائکوں دھانکوں، مشرکوں اور کافروں کے ہاتھ آجائیں گی اور کھلم کھلا ان کی آبروریزی ہوگی اور سادات، علماء، صوفیہ،

درویش، گوشہ نشیں، غریب اور مسافر بڑی تعداد میں ہلاک ہو جائیں گے۔"(۱۰)

مولانا ضیائے برنی کا صرف "سادات" کا ذکر کرنا اور دوسری برادریوں کا ذکر نہ کرنا فیروز شاہ کی سادات سے شدت محبت اور عقیدت کی دلیل ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو صرف "مسلمان" کا لفظ استعمال کر دینا کافی تھا کیوں کہ اس میں تمام لوگوں کے ساتھ سادات بھی آ جاتے۔ فیروز شاہ کی سادات سے یہی عقیدت تھی کہ تین سیدوں کے قتل کے عوض میں کنتھر (کٹھر) کے بے شمار گھروں کو تباہ و برباد کیا، ہزاروں لوگوں کا قتل کیا، حتیٰ کہ اس کے باشندوں کے قتل کے واسطے باضابطہ حاکم (گورنر) کو حکم دیا اور خود کئی سالوں تک یہاں آ کر اپنے ہاتھوں سے یہ کام بدانجام دیتے رہے۔ محمد قاسم فرشتہ نے پورا واقعہ یوں لکھا ہے:

"کنھٹر [کھٹر] کے چودھری کھر کو [رائے کھر کو یا رائے لکھوکر، کٹھر کا ہندو راجہ](۱۱) نے سید محمود [محمد] (۱۲) جو بدایوں کا حکم راں تھا، اس کے بھائی سید علاء الدین اور سید محمود تینوں سرداروں کو اپنے گھر مہمان بلایا اور اس حیلہ سے قتل کر دیا۔

بادشاہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو تن بدن میں آگ لگ گئی، نہایت طیش کی حالت میں سامان سفر درست کر کے بدایوں کی طرف چل پڑا۔ ۷۸۲ھ [مطابق ۱۳۸۰ء] میں فیروز شاہ کا لشکر کنہر کے قرب و جوار میں پہنچا۔ شاہی فرمان کے مطابق فوجی، سپاہ ہر گھر کو تباہ و برباد کرنے لگے، شہر کے باسیوں [باشندوں] کو تہ تیغ کیا اور اس قدر زیادہ تعداد میں ہندو مارے گئے کہ **خوان سادات کی روحیں** ان کی سفارش کرنے لگیں۔ "کھر کو" فرار ہو کر کمایوں کی پہاڑوں میں جا چھپا۔ شاہی سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اور وہاں کے لوگ بھی شاہی فوجیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے اور اندازاً تیس ہزار ہندو گرفتار کیے گئے، "کھر کو" پہاڑوں کے غاروں میں ایسا چھپا کہ یہ تک پتہ نہ چل سکا کہ زندہ ہے یا ختم ہو گیا۔

برسات کا موسم بھی نزدیک آ گیا تھا اور بادشاہ نے واپسی کا عزم کر لیا اور دہلی کے لیے روانہ ہو گیا، چلتے وقت ملک داؤد افغان کو سنبھل کا حکمراں بنا کر بلند درجہ پر پہنچا دیا اور **اس کو ہدایت کر دی کہ وہ ہر سال کٹھرہ [کنہر یا کٹھر] آئے اور یہاں کے باشندوں اور ملک کو تاراج کرے۔ فیروز شاہ خود بھی ۷۸۷ھ [مطابق ۱۳۸۵ء] تک ہر سال شکار کے لیے دہلی سے سنبھل آتا اور داؤد افغان سے جو کمی تباہ و برباد کرنے میں رہ جاتی اس کی تکمیل بادشاہ خود کرتا۔**

مؤرخین تحریر کرتے ہیں کہ اس غیظ و غضب کے دور میں گجرات میں پہلیک -

جریب زمین پر بھی کھیتی باڑی نہ ہوسکی اور عرصہ دراز تک شہر کے باسی [باشندے] چین و آرام کی نیند نہ سو سکے۔ **غرض کہ تین سیدوں کی موت ہزاروں ہندو کے قتل کے باعث ہوئی۔**" (۱۳)

یہاں پر یہ کہنا کہ فیروز شاہ تغلق نے سیدوں سے عقیدت کی وجہ سے نہیں بلکہ بے گناہ لوگوں اور بے گناہ مسلمانوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے ایسا کیا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے، اوپر کے واقعہ میں اگر برنی کی اس تاویل کو صحیح تسلیم کرلیا جائے کہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے اکدالہ پر حملہ اس لیے نہیں کیا کہ بے گناہ عوام اور بے گناہ مسلمان مارے جائیں گے تو 'چودھری کھرکو' کے جرم کے بدلے میں ہزاروں بے گناہ لوگوں کا نہ صرف قتل کرنا، بلکہ اس قتل عام کو ہمیشہ جاری رکھنے کے لیے اپنے حاکم کو حکم دینا اور حتیٰ کہ کئی سالوں تک خود آکر اس خدمت بد کو انجام دینا سمجھ میں نہیں آرہا ہے، آخر ان عوام کی کیا غلطی تھی کہ بے دردی سے قتل کیے گئے۔ خود قرآن میں ہے کہ:

﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (۱۴)

"اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔"

اگر بے گناہوں کے قتل کا بدلہ ہی لینے کے لیے انھوں نے ہزاروں لوگوں کا قتل کیا تو خود انہوں نے تخت نشین ہوتے ہی سلطنت اسلامیہ اور اس کے حاکم سلطان محمد تغلق کے باغیوں کے کہنے پر راسخ العقیدہ، معتبر اور بے گناہ مسلمانوں کا کیوں قتل کرایا؟ اگر محمد قاسم فرشتہ کی عبارت کی آخری سطر پر غور کریں تو معاملہ بالکل واضح اور صاف ہوجاتا ہے کہ اس قدر بے گناہ لوگوں کے قتل کرانے کے پیچھے کیا وجہ تھی۔ "تین سیدوں" کے بجائے "تین مسلمانوں" بلکہ "تین بے گناہوں" کے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ فرشتہ نے تاکید کے ساتھ "تین سیدوں" کا ہی لفظ استعمال کیا؟ اگر مذکورہ بالا تمام واقعات کو سامنے رکھا جائے پھر اس پر غور کیا جائے تو پھر اس قتل عام کی وجہ سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

سلطان فیروز شاہ تغلق، ان کے امراء، عمال، علماء اور صوفیاء کی ذات پات کی ذہنیت کے تذکرہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے سب سے بڑے بزرگ مانے جانے والے اور جن کو آج بھی ایک عظیم بزرگ مانا جاتا ہے کی ذات پرستی، چھوت چھات اور اونچ نیچ کے متعلق بھی کچھ بیان کردیا جائے۔ سید حسین جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیان جہاں گشت متوفی یکم ذی الحجہ ۷۸۵ھ (مطابق ۲۵ رجنوری ۱۳۸۴ء) کو سلطان فیروز شاہ تغلق نے سلطنت کی "شیخ الاسلام" جیسا عظیم عہدہ عطا کیا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ:

”قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تعلِقُوا الْجَوَاهِرَ فِي أَعْنَاقِ الْخَنَازِيْرِ“ یعنی میاموزید ناکساں را علم مگر مقدارے کہ احکام شریعت و نماز و صوم بداند فحسب ۔ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَطْرَحُوا الدُّرَرَ فِي أَفْوَاهِ الْكِلَابِ ۔ یعنی میند ازید گوہر با دہن سگا ۔ یعنی نا اہلاں را علم جزء مقصود تعلیم مکنید تا از حد خویش نگذرند و اہانت اشراف و اسلاف نکنند ۔“(۱۵) [نبی ﷺ نے فرمایا کہ خنزیر کے گردنوں میں ہیرے جواہرات ۔ کے ہار ۔ نہ ڈالو] یعنی نا اہل [موہومہ نیچی ذاتوں] کو زیادہ علم نہ دے صرف اس حد تک تعلیم دے کہ احکام شریعت نماز، روزہ، جان لے ۔ یعنی [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کتوں کے منھ میں موتی نہ ڈالو] یعنی نا اہلوں [مزعومہ رذیل اقوام] کو اتنی تعلیم نہ دے کہ اپنی حد سے گزر جائے اور اشراف و اسلاف کی توہین کرے ۔“

آگے مزید رقم طراز ہیں کہ:

”قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَأْكُلُوا مَعَ تِسْعَةِ نَفَرٍ مِنَ النَّاسِ، اَلْحَجَّامِ وَالْغَسَّالِ وَالدَّبَّاغِ وَالنَّعَّالِ وَالْقَوَّاسِ وَالنَّبَّالِ وَالْقَصَّارِ وَمَعَ شَارِبِ الْخَمْرِ وَمَعَ آكِلِ الرِّبَا، معنی حدیث رسول علیہ السلام چناں باشد طعام مخورید برابر نہ نفر از مرداں یکے حجام و دوم مردہ شوئے و سوم رنگرز و چہارم کفش دوز و پنجم کمنگر و ششم تیرگر و ہفتم گازرو ہشتم شراب خوار و نہم ربا خوار“(۱۶)

”رسول ﷺ کی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ کھانا ایسے لوگوں کے برابر بیٹھ کر نہ کھائیں وہ ہیں: حجام، مردوں کو غسل دینے والے، رنگریز، دباغ، چمڑے وغیرہ کی دباغت کرنے والے، موچی [نعل بند] کمان گر [کمان بنانے والے]، تیر ساز [تیر بنانے والے] دھوبی، شرابی اور سود خوار ۔“

حالاں کہ مذکورہ بالا تینوں روایات ضعیف اور موضوع ہیں؛ کیوں کہ اسلام کے صریح احکامات اور اس کی واضح اور بین تعلیمات سے متصادم ہیں ۔ اول الذکر حدیث کو تو خود اس کتاب کے مرتب جناب قاضی سجاد حسین نے ہی ضعیف قرار دیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

”لا تعلقوا الجواهر ۔ کتاب العلم ابن ماجہ و در تنزیہ الشریعہ، جلد: ۱، ص: ۲۶۲، مذکور است ایں حدیث ضعیف است“(۱۷)

لا تعلقوا الجواهر ۔ یہ حدیث ابن ماجہ کے کتاب العلم میں ہے اور تنزیہ الشریعۃ جلد اول صفحہ ۲۶۲ پر ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے ۔

یہ تمام واقعات تو سلطان فیروز شاہ تغلق متوفی ۱۸ / رمضان ۷۹۰ھ مطابق ۲۳ / اکتوبر ۱۳۸۸ء

کے زمانہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ سلطان سکندر لودھی متوفی ذی قعدہ ۹۲۳ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۵۱۷ء کے دور میں تو سادات کو "حد شرعی" اور "سزائے شرعی" تک سے بری رکھا گیا۔(۱۸) جس کی تفصیلات اوپر باب چہارم مسلم دور حکومت میں ذات پات کی جدوجہد میں گذر چکی ہیں۔

منوواد یت اور برہمنیت کو مسلمانوں میں ذات پات پھیلانے میں کامیابی تو ملی لیکن خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی کیوں کہ محمد تغلق کی کوشش کی وجہ سے بہت سے علمائے حق کے اندر اسلامی مساوات کی کرن پھوٹ پڑی تھی اور انھوں نے بھی اس کو بنیاد بنا کر اسلام کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ خود سلطان نے علماء کے وفود دکن میں بھیجے تاکہ وہاں رہ کر اسلام کی تبلیغ کریں۔(۱۹)

فیروز شاہ تغلق کے بعد کے ایک بادشاہ ناصر الدین محمود تغلق شاہ (م۔ ۱۷ ربیع الاول ۷۹۶ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۳۹۴ء) ماہ جمادی الاول ۷۹۶ھ مطابق ۴ مارچ ۱۳۹۴ء میں تخت نشین ہوئے۔ تخت نشین ہوتے ہی انھوں نے ذات پات کو توڑ کر ایک ہندو وزیر "ملک سرور" کو جو فیروز شاہی غلاموں میں سے تھے تو خواجہ جہاں کا لقب دیکر اپنا وزیر اعظم بنایا۔ اب ان کا نام خواجہ جہاں ملک سرور ہو گیا اور یہی وہ خواجہ جہاں ملک سرور، سلطنت شرقیہ جون پور کے بانی ہیں۔(۲۰)

جب برہمنیت کو اپنی سازش میں پوری کامیابی نہ مل سکی تو اس نے چولا بدلا اور برہمنیت کے احیاء، اسلام کے خاتمہ اور شودروں کی غلامی کی تجدید کے لیے تحریکات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔

بھکتی تحریک

چناں چہ ہندو جوگیوں، فقیروں، شعبدہ بازوں، مفکروں اور فلسفیوں نے اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے، اسلامی تہذیب کی انفرادیت، اس کی خودی اور تشخص کو ملیامیٹ کرنے، اشاعت اسلام کو مسدود کرنے نیز شودروں کو غلام بنائے رکھنے کے لیے سب سے پہلے جس تحریک کی بنیاد رکھی، اسے بھکتی تحریک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ تحریک لودھیوں (لودھی سلطنت ۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ-۹۳۲ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۴۵۱ء-۱۳ مئی ۱۵۲۶ء) کے عہد میں جنوبی ہند کے تمل علاقے میں شروع ہوئی تھی۔ اس کے اصل بانی تو جنوبی ہند کے دو برہمن: "الور جی (ALVAR) اور اڈیار جی (ADIYAR)"[۲۱] ہیں، لیکن اس کے قابل ذکر نمائندہ اور ترجمان ایک برہمن "رامانج جی" ہیں اور اس کو وسیع پیمانے پر مقبول کرانے میں ایک دوسرے برہمن "رامانند جی" کا[۲۲] بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ویسے تو اس تحریک میں بہت سے بھکشو اور سنت تھے لیکن سنت کبیر داس جی (۲۳) کو اس کا سب سے بڑا مبلغ اور نقیب سمجھا جاتا ہے اور یہی وہ شخص

ہیں جن سے گرونانک جی سب سے زیادہ متاثر ہوئے اس تحریک میں متعدد ذہن رکھنے والے لوگ تھے، نانک جی صلح پسند تھے، تلسی داس جی دوسرے مذاہب سے بے تعلق تھے۔ چیتنیہ جی (۲۴) اوران کے جانشین مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔

اس تحریک نے اسلام کی اشاعت کو بہت نقصان پہنچایا۔ سنتوں نے فنافی اللہ، وحدت الوجود اور وحدت ادیان کی تعلیم تو دی ہی؛ لیکن ساتھ ہی ساتھ اشاعت اسلام کی راہ کا روڑا بننے کے لیے اپنی برادری سے ذات پات اور چھوا چھوت کی تفریق بھی مٹادی، جس کی وجہ سے شودر، اسلام قبول کرنے کے بجائے، اسی بھگتی تحریک میں شامل ہونے لگے۔ سنتوں نے ایک دوسرا کام یہ کیا کہ اپنی برادری میں شامل ہونے کے لیے ہندو مسلم کی بھی قید اٹھادی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتقدین میں ہی نہیں بلکہ ان کے خلفاء میں بھی مسلمان نظر آتے ہیں۔ کبیر پنتھی اور داؤد پنتھی (۲۵) وغیرہ اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ (۲۶)

دوسری دلیل یہ ہے کہ رام نج جی، جن کا شمار اس تحریک کے اہم رہنماؤں میں ہوتا ہے، چھوا چھوت کے قائل تھے اور برہمن کو سب سے اعلیٰ سمجھتے تھے؛ چناں چہ ڈاکٹر تاراچند ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''رام نج، کھانے پینے میں چھوت چھات کے قائل تھے،(۲۷) ''رام نج نے اگرچہ اب تک اونچی ذات کے قدیم حقوق قائم رکھے، لیکن شودر اور ذات باہر لوگوں کے لیے بھی ایک راستہ نکالا۔ انھوں نے انتظام یہ کیا کہ سال کے ایک مقررہ دن بعض مندروں میں ذات باہر لوگ جاسکیں اور انھوں نے 'ستبلوں' کو تعلیم دی جو شودروں کی ایک جماعت تھی اور جنھیں انھوں نے سمپر دائے سے متعلق کرلیا تھا۔'' (۲۸)

جناب وی. آر. نارلا نے تو بالکل واضح الفاظ میں ''رامانج جی'' کو ہندومت کے نشأۃ ثانیہ کا ایک اہم رکن کہا ہے؛ چناں چہ وہ اپنی مشہور کتاب "The Truth about Geeta" (گیتا حقیقت کے آئینہ میں) کے اندر لکھتے ہیں کہ:

> ''کالا دی کے اس [برہمن] اچاریہ [ادی شنکراچاریہ] نے جب گیتا کی راہ دکھائی تو باقی تینوں اچاریوں یعنی رامانج، مادھو، اور ولبھ نے بھی گیتا کو اپنے گروہی مقاصد میں استعمال کرنا شروع کردیا۔ ہندو مذہب کا پہلا احیا پتن جلی کے دور میں ہوا تھا، دوسرے احیا کے ذمہ دار مذکورہ بالا چار [وں] اچاریہ ہیں۔ ان کے متعلق عجیب حقیقت یہ ہے کہ چاروں جنوبی ہند سے تعلق رکھتے تھے اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ چاروں چار مختلف علاقوں ~~سے تھے~~ شنکر کیرلا کے تھے، رامانج تمل ناڈو کے تھے، مادھو کرناٹک کے اور ولبھ

آندھرا کے۔ چاروں ویدانت کے اپنے اپنے مکتب خیال کے مبلغ تھے اور مشترکہ طور پر چاروں ہندستان کے اس تاریک دور کے چار ستون تصور کیے جاتے ہیں۔ جو آٹھویں صدی سے اٹھارہویں صدی عیسوی تک بلکہ ہنوز جاری ہے۔ آزادی کے بعد ہندستان میں ان کا اثر و نفوذ جو کبھی ناپید نہیں تھا، تیزی سے بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ ان چاروں نے گیتا کو اپنے ذاتی مفاد کے لیے پوری طرح استعمال کیا ہے۔ شنکر نے اسے ادوتیا کا صحیفہ بنایا، رامانج نے اسے وشسٹ ادوتیا کا درجہ دیا۔ مادھو نے اسے دوتیا کے معنی پہنائے اور ولبھ نے اسے ویدانت کا حقیقی معیار یا علامت بنا دیا۔" (۲۹)

تیسری دلیل یہ ہے کہ اس تحریک کے بانیوں اور علمبرداروں نے جس کتاب کو محور و مرکز اور اس کی تعلیمات کو رہنمائے اصول مان کر اس کا آغاز کیا وہ "شری مد بھگوت گیتا" ہے (۳۰) اور "گیتا" میں نہ صرف ایک دو جگہوں پر بلکہ متعدد مقامات مثلاً ۳:۳۵، ۴:۷-۸، ۱۳:۱۶-۱۶، ۹:۳۲-۳۳، ۱۸:۴۱-۴۸ پر ذات پات، چھوت چھات کو بڑھاوا دیا گیا ہے۔ کانچی کے ایک برہمن، ادی شنکر اچاریہ جی نے اپنی گیتا کی شرح "شنکر بھاشے" میں ان تمام اشلوکوں کا ترجمہ اور تشریح و تفسیر الگ الگ کی ہے؛ لیکن چوں کہ انھوں نے ان تمام کے مفہوم کو ۴:۱۳ کے ترجمہ و تفسیر میں تقریباً یکجا کر دیا ہے لہذا طوالت سے بچنے کی غرض سے صرف اسی کو لکھا جاتا ہے:

चातुर्वर्ण्यं मया सृष्टं गुणकर्मविभागशः।
तस्य कर्तारमपि मां विद्ध्यकर्तारमव्ययम्॥ 4/13

"میں نے یعنی ایشور نے چار ذاتوں کی تخلیق کی ہے اور یہ تخلیق اعمال (گنوں) کی خصوصیات کے مطابق ہے۔ یہ خصوصیات تین ہیں: ستیہ (اچھی صفات)، راجسو (گندگی) اور تمس (تاریکی)۔ برہمن میں ستیہ حاوی ہوتا ہے اس لیے اس کے اعمال میں سکون و استقامت، ضبط نفس اور زہد و سادگی شامل ہے۔ ایک چھتری میں راجسو حاوی ہوتا ہے اور ستیہ راجسو کا ذیلی ہوتا ہے اس لیے اس کے اعمال کی خصوصیت شجاعت اور جواں مردی ہے۔ ایک ویش (تاجر) میں راجسو حاوی ہوتا ہے اور تمس راجسو کا ذیلی ہوتا ہے اس کے عمل کی خصوصیت ہے زراعت اور تجارت وغیرہ، ایک شودر [غلام] میں تمس ہوتا ہے اور راجسو اس کا ذیلی ہوتا ہے اس لیے اس کی خصوصیت ہے صرف خدمت گزاری۔ اس طرح میں نے چار ذاتیں بنائی ہیں جو ان کے فرائض کی انجام دہی کے مطابق ہیں۔ ان کے چار ذاتوں کا نظام صرف اسی دنیا تک ہے، دوسری دنیا میں نہیں ہے۔

اس پر ارجن نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ''اے کرشن! جب تم نے ہی چار ذاتیں قائم کی ہیں اور تم ان کے اثرات اور خصوصیات کے پابند ہو تو پھر تم نہ تو بھگوان ہو اور نہ دائمی طور پر آزاد ہو' اس پر کرشن کا جواب ہے: مایا کے نقطہ نظر سے دیکھو تو یہ کام میرا ہی کیا ہوا ہے لیکن تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں حقیقت میں قوت عاملہ نہیں ہوں، اس لیے سنسار کا پابند نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی نے پیدا کیا ہے نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے۔ بحیثیت وشنو میں بے شک ذات پات کا خالق ہوں لیکن بحیثیت برہمان نہیں ہوں۔'' (۳۱)

بات صرف ذات پات تک ہی محدود نہیں ہے؛ بلکہ'' گیتا'' میں شودروں کے ساتھ ویشیہ اور عورت تمام کی پیدائش پاپ یونی سے بتائی گئی ہیں۔ کرشن جی، ارجن جی سے فرماتے ہیں:

मां हि पार्थ व्यपाश्रित्य येजयि स्यु: पापयानय:।
स्त्रियो वैश्यास्तथा शूद्रास्तेजयि यान्ति परां गतिमू।। 9/32

ادی شنکر اچاریہ جی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''مجھ میں جو ملجا و ماوی پاتے ہیں، خواہ وہ گناہ کی پیداوار [پاپ یونی والے] ہوں جیسے عورتیں، ویش اور شودر وغیرہ سب سے بلند مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔'' (۳۲)

شنکر اچاریہ جی نے گیتا کی اس رذالت اور گندگی پر پردہ پوشی کی خاطر صرف اس اشلوک کا ترجمہ کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے شعوری طور سے اس کی تشریح اور تفسیر کو نظر انداز کیا ہے۔ اس اشلوک میں ہندو سماج کے ۹۵٪ عوام کو گناہ کی پیداوار کہا گیا ہے اور صرف ۵٪ افراد کو ہی مقدس بتلایا گیا ہے۔ (۳۳)
اس اشلوک کی کوئی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ اس کی رذالت اس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب ہم اس کا اگلا اشلوک پڑھتے ہیں، جس میں برہمن کو نہ صرف پنیہ یونی والے/مقدس بلکہ مہان رشی بھی کہا گیا ہے۔

कि पुनर्ब्राह्मणा: पुण्या भक्ता राजर्षयस्तथा।
अनित्यमसंख लोकमिमं प्राप्य भजस्व मामू।। 9/33

شنکر اچاریہ جی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''مقدس [پنیہ یونی والے] برہمن اور مہان رشی اس عارضی اور فانی دنیا میں جہاں مسرت عنقا ہے، میری عبادت کرتے ہیں۔'' (۳۴)

پہلے اشلوک میں ویشہ، شودر اور عورت کے لیے ''پاپا یونیہ'' [گناہ کی پیداوار] اور دوسرے اشلوک میں برہمن کے لیے ''پنیہ یونی'' [مقدس] کے الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ اب تو کسی طرح کی تاویل کی کوئی گنجائش بھی باقی نہ رہی۔

گیتا نے اپنے متعدد اشلوکوں ۔۳:۳۵، ۱۸:۴۵-۴۸۔ میں واضح کیا ہے کہ ذات کی تبدیلی ناممکن ہے، نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہر فرد اپنے معینہ فرض، پیشہ ادا کرتا رہے، اگر کوئی اپنا مفوضہ پیشہ اور فرض ادا نہیں کرے گا تو اس کے دوزخ میں جانے کا اندیشہ ہے؛ چناں چہ واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ:

श्रेयान्स्वधर्मो विगुणः परधर्मात्स्वनुष्ठतात्।
स्वधर्मे निधनं श्रेयः परधर्मे भयावह ॥:11, 3/35

جناب وی. آر. نارلا نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

”ہر فرد کے لیے اپنا معینہ فرض ادا کرنا ہی بہتر ہے، خواہ وہ اس فرض کو ٹھیک طرح سے انجام دے سکے یا نہ دے سکے۔ دوسری ذات کا فرد خواہ وہ اسے بحسن وخوبی ہی کیوں نہ انجام دے ادا نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ دوسرے کے فرض کی ادائیگی خطرناک ہوتی ہے۔“ (۳۵)

اس اشلوک کی تشریح وتفسیر میں شنکراچاریہ جی نے لکھا ہے:

”ایشور نے جس فرد کو اس کی ذات کے مطابق جو فرض تفویض کیا ہے (یعنی برہمن کو پوجا اور مذہبی رسوم کی ادائیگی کا، چھتری کو جنگ اور آلات حرب کی مہارت کا، ویش کو تجارت اور کاشتکاری کا اور شودر کو سب کی خدمت گزاری کا)، اس تفویض شدہ فرض کو اسے مرتے وقت تک ادا کرنا چاہیے اسے تبدیل نہیں کرنا چاہیے، خواہ اس کام میں اسے کوئی مہارت حاصل نہ ہو۔ اسے کسی بھی حالت میں دوسری ذات کا تفویض شدہ کام اختیار نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ اس کام کو کرنے کی اہلیت ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ ہر حال میں فرض کی تبدیلی ممنوع ہے، کیوں کہ ایسا کرنے سے دوزخ میں جانے کا اندیشہ ہے۔“ (۳۶)

اگر ان تمام انذار وتبشیر کے بعد بھی کوئی اپنا جاتی (آبائی) فرض اور پیشہ چھوڑ کر دوسری ذات کا کام اپنا لیتا ہے تو کرشن جی اس کو ہلاک کرنے کے لیے جنم لیتے ہیں۔ چناں چہ کرشن جی فرماتے ہیں:

यदा यदा हि धर्मस्य ग्लानिर्भवति भारत।
अभ्युत्थानमधर्मस्य तदात्मानं सृजाम्यहम्॥ 4/7
परित्राणाय साधूनां विनाशाय च दुष्कृताम्।
धर्मसंस्थापनार्थाय सम्भवामि युगे युगे॥ 4/8

ان اشلوکوں کا ترجمہ ادی شنکراچاریہ جی نے اس طرح کیا ہے:

”اے بھارت [ارجن]! ورن آشرم وغیرہ جس کی نشانی ہے اور مخلوق کی ترقی اور فلاح و بہبود کا جو ذریعہ ہے، اس دھرم کو جب جب نقصان پہنچتا ہے اور ادھرم [بدمذہبیت] پھلتا پھولتا ہے، تب تب ہی میں مایا سے اپنے روپ کو بدل کر آتا ہوں۔

صراط مستقیم پر قائم سادھوؤں کی حفاظت کرنے کے لیے، پاپ کرم [گناہ کا کام] کرنے والے بدکاروں کو ہلاک کرنے کی غرض سے اور دھرم کو صحیح طریقے سے قائم کرنے اور نافذ کرنے کے واسطے میں ہر ہر دور میں یعنی سبھی زمانہ میں پرکٹ [ظاہر] ہوا کرتا ہوں۔" (۴۷)

ان دونوں اشلوکوں میں شری کرشن جی نے صاف صاف کہا ہے کہ ورن آشرم کا دوسرا نام ہی دھرم ہے۔ جب کوئی ورن آشرم کو چھوڑتا ہے تو وہ ادھرم (گناہ، بدمذہبیت) کرتا ہے اور دھرم کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو میں دھرم یعنی ورن آشرم کو صحیح طور پر نافذ کرنے اور اس میں پہلے سے قائم سادھوؤں کی حفاظت کرنے اور ادھرمیوں یعنی ورن آشرم چھوڑنے والوں کو ختم کرنے کے واسطے ہر ہر زمانہ میں جنم لیتا ہوں۔

منوسمرتی اور رامائن میں بھی ورن آشرم کو چھوڑنا اور اس کی خلاف ورزی کرنے کو ادھرم (پاپ، گناہ) کہا گیا ہے۔ جس کی تفصیلات پیچھے باب اول میں گزر چکی ہیں۔

گیتا کے مذکورہ بالا اشلوکوں سے معلوم ہوا کہ ذات پات، چھوا چھوت اور اونچ نیچ بھگوان کا بنایا ہوا ہے اس سے چھٹکارا ممکن نہیں، اسی پر عمل کر کے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی اپنے مفوضہ فرض کو چھوڑتا ہے تو وہ جہنم رسید ہوگا اور اس کا قتل تک جائز ہے۔ (۴۸) جناب وی. آر. نارلا نے لکھا ہے:

"ہندستانیوں کی عقل اور فکر و فہم پر ہمیشہ سے صرف دو کتابوں کا غلبہ رہا ہے، مہابھارت اور رامائن۔ ان میں پیش کردہ تصورات سے وہ ابھر بھی نہیں سکتے۔ نہ وہ ان کے فلسفہ سے منھ موڑ سکتے ہیں۔ اس لیے وہ آسمانی گیت یعنی بھگوت گیتا کے اس اصرار کے پابند ہیں کہ ذات پات بھگوان کی پیدا کردہ ہے، اس کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور ذات کا یہ فرض ہے کہ اس کے تحفظ اور بقا کے لیے وہ خون بہائیں اور پوری سنگ دلی و بے رحمی سے قتل و خون ریزی کریں کیوں کہ یہ ان کا مذہبی فریضہ ہے۔" (۴۹)

یہی مصنف آگے لکھتے ہیں:

"مذکورہ بالا چار اشلوکوں کے علاوہ بھی گیتا میں اور بہت سے اشلوک ہیں، جو گیتا کو ذات پرستی کا گہوارہ ثابت کرتے ہیں۔ اس کی ابتدائی اشلوک کو ہی لے لیجیے۔ ارجن کا جنگ سے انکار اور آہ و زاری اس لیے نہیں ہے کہ اس کو اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیزوں، دوستوں اور بزرگوں کا خون بہانے کا اندیشہ ہے۔ حقیقت میں اس کے اسباب خود غرضی پر مبنی ہے کیوں کہ اس کو اندیشہ ہے کہ اس جنگ کی وجہ سے جو تباہی و بربادی آئے گی اس سے

لاقانونیت پھیل جائی گی ،عورتوں میں آوارگی بڑھ جائے گی اور ذاتوں پرمبنی معاشرہ میں اتھل پتھل مچ جائے گی۔اگر یہ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ سے دوچار ہو گیا تو ذاتوں اور خاندانی وجاہتوں کے محلات کھنڈر بن جائیں گے۔یہی وہ غم ہے جو ارجن کے لیے اس وقت اپنے عزیزوں کی اموات سے بھی زیادہ شدید اور سوہان روح بنا ہوا تھا۔چناں چہ گیتا کی جو کچھ بھی سوشیالوجی ہے وہ اپنے تمام تر درندگی کے ساتھ صرف ذات پرستانہ اور خودغرضانہ مفادات کی سوشیولوجی ہے۔"(۴۰)

این۔جے۔شنڈے نے اپنی کتاب ''مہابھارت کی تصنیف وتالیف'' میں لکھا ہے:

''مہابھارت میں جتنے واقعات اور حالات بیان کیے گئے ہیں وہ سب کے سب برہمنی مذہب کی مدح سرائی سے متعلق ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ایسا قصداً شعوری طور پر کیا گیا ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ مہابھارت کو برہمنیت کی انسائیکلو پیڈیا کہا جائے۔چناں چہ فی الواقع گیتا غلامی کا صحیفہ ہے۔''(۴۱)

پریم ناتھ بزاز اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں:

''......اس [گیتا] نے ہمیں سماجی عدم مساوات اور انسانی مصائب اور مسائل کی جانب سے بے حس بنا دیا ہے۔......اس لیے جتنا جلد کرشن کی ذہنی غلامی اور گیتا کے اثرات سے ہم نجات حاصل کرلیں اتنا ہی ہمارے لیے،ملک کے لیے، ہماری تہذیب کے لیے اور ہمارے معاشرے کے لیے مفید ہوگا۔''(۴۲)

گیتا کی ذات پرستی ایک ایسی حقیقت ہے کہ ''اپادھیائے'' جیسے گیتا پرست کو بھی کہنا پڑا:

''گیتا پر اپنشدوں کے اثرات نمایاں ہیں......برہمنوں کی عظمت و بزرگی اور اس کے منفی اثرات اور متضاد پہلو......اپنشدوں سے لے کر گیتا میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔''(۴۳)

چوتھی بات اور دلیل یہ ہے خود دلت اور غیر مسلم دانشوران نے ''گیتا کی تالیف'' کو برہمنیت اور منوادیت کی چالوں میں سے ایک چال بتایا ہے۔چناں چہ دلت مفکر ایس۔ایل۔ساگر جی لکھتے ہیں:

''گیتا ہندو دھرم کی کتاب کہی جاتی ہے......برہمنوں نے اہیروں [یادو] کو برہمن واد کا غلام بنانے کے لیے سازش کے تحت گیتا کی تالیف کی۔'' (۴۴)

اس کتاب کے سلسلہ میں ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے نومبر ۱۹۴۴ء میں کہا تھا:

''گیتا ایک سیاسی کتاب ہے جس نے ویدوں کی تعلیمات کی تبلیغ کرکے برہمن کی بلند

مقامی کو قائم رکھا ہے۔" (۴۵)

انھوں نے مزید کہا:

"....the Geeta was not a religious book; but a political book.It upheld the caste and degraded the non-Brahmins in the eyes of humanity. The propagation of this political book must be stopped. It should be discared with immediate effect. It had already done a great harm to the solidarity and the unity of country"(۴۶)

" گیتا ایک مذہبی نہیں بلکہ سیاسی کتاب تھی اس نے ذات پات کی تائید کی اور اس کو برقرار رکھا نیز اس نے غیر برہمنوں کو انسانیت کی نگاہ میں گرادیا اس سیاسی کتاب کا پرچار بند ہونا چاہیے، اسے فوراً پھینک دینا چاہیے اس نے ملک کی اتحاد و سالمیت کو پہلے ہی کافی نقصان پہنچادیا ہے۔"

جناب وی.آر. نارلا نے اپنی کتاب The Truth about Geeta (گیتا حقیقت کے آئینہ میں) میں مختلف مقامات پر مہا بھارت اور گیتا کے حوالوں اور مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ گیتا کی تصنیف کا واحد مقصد بدھ مذہب کو نیست و نابود کر کے برہمن واد اور منوواد کا احیا کرنا تھا۔ (۴۷) وہ ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

" حقیقت یہ ہے کہ گیتا کی تصنیف کا بنیادی مقصد بدھ مذہب کے طوفانی پھیلاؤ اور زبردست مقبولیت سے ویدک مذہب یا برہمن ازم کی بقا کے لیے بڑھتے ہوئے خطرہ کا مقابلہ کرنا تھا۔ اور یہ خطرہ صرف بدھ مذہب سے ہی نہیں بلکہ جین مذہب اور لوک آیات سے بھی تھا۔" (۴۸)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

" شنکراچاریہ کے دور میں بدھ اثرات ہندستان پر غالب تھے جن کو ختم کرنے کی عام برہمن مہم کے تحت شنکراچاریہ نے گیتا پر جمی ہوئی صدیوں کی دھول صاف کی اور اس کی شرح لکھی۔" (۴۹)

سکھ مت

برہمنیت کی خواہشات کے مطابق بھکتی تحریک کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کو نقصان تو ضرور پہنچا لیکن پورے طور سے اس کا خاتمہ نہیں ہوا، بلکہ اسلام کی اشاعت ہوتی رہی، برہمنیت مکمل طور

سے اسلام کی جڑ کاٹ دینا چاہتی تھی، لہٰذا اس نے بھکتی مت کے ہی تربیت اور فیض یافتہ گرونانک جی کے ذریعہ ۱۵۰۷ء میں ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھوائی اور اپنی شازش کو پوشیدہ رکھنے کے لیے گرونانک جی ہی کی زبانی اس دھرم کے قیام کا سبب بیان کروایا کہ:

"بادشاہ لوگ قصاب ہو گئے تھے، ظلم ان کی چھری تھی، احساس ذمہ داری نے پر تول لیے تھے اور...... ناپید ہو گیا تھا اور سچائی کا چاند کہیں نظر نہیں آتا تھا۔" (۵۰)

چناں چہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس نظام کو بدل دیا جائے۔ اس لیے ایک نئے مذہب کی تاسیس کی ضرورت پڑی۔

غیر مسلم اسکالروں کے ساتھ ساتھ کچھ مسلم اسکالر بھی یہ کہتے ہیں کہ گرونانک جی ایک سچے مسلمان تھے اور انھوں نے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر ایک نئے دھرم کی بنیاد رکھی، شاید ان لوگوں کو مغالطہ اس وجہ سے ہوا کہ گرونانک جی کے بہت سے دوہوں میں توحید، انسانی مساوات، قرآن، رسولؐ اللہ کی تعریف، حمد اور دوسری اسلامی تعلیمات کا ذکر ہے۔ (۵۱) نیز ان کے متعدد عرب ملکوں کا سفر اور مکہ معظمہ کی ایک مسجد میں ایک سال تک ان کی امامت کرنے کا تذکرہ مختلف کتابوں خاص طور سے "سکھ مت" کی ایک اہم کتاب "ساکھیاں" میں ہے۔ (۵۲) لیکن بات ایسی نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں کا کہنا ہے، بلکہ مسلمانوں کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے کچھ اسلام کے عقائد اور تعلیمات کو اپنانا ضروری تھا، اس لیے گرونانک جی نے کچھ اسلامی اصولوں اور قوانین کو بھی اختیار کیا، حقیقتاً اس دھرم کی تاسیس کے وہی محرکات تھے جو بھکتی تحریک کے تھے، یعنی ہندومت کے عدم مساوات کے قوانین کی وجہ سے اس کی تنزلی اپنے عروج پر تھی، بھکتی تحریک نے بھی اطمنان بخش فائدہ نہیں پہنچایا تھا۔ (مزعومہ) چھوٹی اقوام کے ہوش مند لوگ آئے دن اسلام کی دامن میں پناہ لے رہے تھے، ایسی صورت حال میں ضرورت اس بات کی تھی کہ ہندو دھرم سے ذات پات چھوا چھوت کی لعنت کو ختم کر کے اس کو ملیامیٹ ہونے سے بچایا جائے اور اسلام کی اشاعت روک دی جائے۔ اکثر مغربی مصنفین جیسے ڈی. کنگھم (D. Kingham) (۵۳)، وائی مسیح (Y. Masih) (۵۴) اور ایچ. ایس. سنگھا (H.S.Singha) کا بھی یہی خیال ہے کہ گرونانک جی اور سنت کبیر داس کے پیغامات کا ماخذ ایک ہی قسم کے جذبات ہیں اور یہ دونوں ہی بھکتی تحریک سے منسلک تھے۔ آخر الذکر مصنف نے تو کھلے لفظوں میں لکھا ہے کہ:

"تاریخی اعتبار سے بات کی جائے تو سکھ ازم کو اس بھکتی تحریک کی مختلف شاخوں کا تا ہنوز باقی

ماندہ رشتہ شمار کیا جا سکتا ہے جو عہد متوسط میں ہندستان کے مختلف علاقوں میں نمودار ہوئی تھی۔ سکھ ازم دوسروں کے مقابلے میں اس لیے زندہ باقی رہ سکا کہ یہ اپنے لیے موزوں اداروں کے قیام میں کامیاب ہو گیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سماجی ذمہ داریوں سے وابستہ تھا اور اسے ان تاجروں اور زراعت پیشہ طبقات کی حمایت حاصل تھی، جو سکھ ازم میں مذکورہ سماجی برابری کا سہارا لیتے ہوئے سماج میں اوپر اٹھنا چاہتے تھے"۔(۵۵)

جموں وکشمیر کے سابق ریجینٹ (Regent)، مرکزی کیبینیٹ کے سابق ممبر، جموں وکشمیر یونیورسٹی اور بنارس ہندو یونیورسٹی کے سابق شیخ الجامعہ (V.C) اور بہت سے کتابوں، خاص طور سے مذاہب سے متعلق متعدد کتابوں کے مؤلف ڈاکٹر کرن سنگھ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"Kabir had many disciples but two teachers who were greatly influenced by him deserve special mention. The first was Nanak (1469-1538)who went on to found the Sikh faith." (۵۶)

"کبیر کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے، لیکن دو گروجوان سے کافی متاثر ہوئے، قابل ذکر ہیں [ان میں] ایک نانک (۱۵۳۸ء-۱۴۶۹ء) تھے جنھوں نے سکھ مذہب کی بنیاد ڈالی۔"

آریہ سماج کے مسلمہ رہنما لالہ ہنس راج جی بھی گرونانک کو ہندو مانتے تھے اور انھوں نے اسلام کی اشاعت کو جو متاثر کیا تھا، اس کارنامہ پر فخر کرتے ہوئے لاہور کی آریہ سماج کی سال گرہ کے موقع پر اپنی تقریر میں کہا تھا:

"اسلامی دور حکومت کے عروج کے دنوں میں بھی ہندوؤں نے کبھی اپنے مسلم فاتحوں سے فکری یا اخلاقی اعتبار سے شکست قبول نہ کی تھی، ایک مسلمان بابر نے ایک ہندو رانا سانگا کو ہرا کر اس کے علاقہ پر تو قبضہ کر لیا لیکن اسے بھی ہندو نانک کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنا پڑا۔"(۵۷)

ڈاکٹر تاراچند اپنی کتاب "A Short History of Indian People" (اہل ہند کی مختصر تاریخ) میں لکھتے ہیں:

"پندرہویں صدی میں مسلمانوں کے ساتھ میل جول کے اثر سے ہندستان میں کئی ایک مذہبی مصلحین پیدا ہوئے جنھوں نے ہندو مذہب کی اصلاح کی کوشش کی، ان میں سے ایک گرونانک تھے۔"(۵۸)

مولانا سید حامد علی اپنی کتاب "سکھ مت اور توحید" میں رقم طراز ہیں:

''گرونانک جی کے بہت سے دوہوں میں توحید، انسانی مساوات اور دوسری اسلامی تعلیمات کا ذکر ہے اور کچھ دوہوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعریف وتوصیف بھی ہے۔ اس سے لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے کہ [وہ مسلمان یا اسلام سے متاثر تھے] ورنہ ان کی جملہ تعلیمات کے مطالعہ کے بعد اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ ایک نئے مذہب کے بانی تھے۔'' (۵۹)

''کم سے کم اسلام کے بارے میں گرونانک جی کا مطالعہ براہ راست نہ تھا۔'' (۶۰)

''ان تمام ممالک کی سیاحت کا ثبوت کسی مستند ذریعہ سے نہیں ملتا، نہ گرونانک جی ان ملکوں کی زبانوں سے واقف تھے۔ خصوصاً عرب [حجاز] کا سفر تو بالکل ہی ثابت نہیں ہے۔'' (۶۱)

ڈاکٹر گوپال سنگھ جنھوں نے پندرہ سال کی سخت محنت کے بعد گروگرنتھ صاحب کا انگلش میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ مصدقہ ہے، چار ضخیم جلدوں میں ہے اور ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا ہے۔ انھوں نے بھی گرونانک جی کے مسلمان ہونے کی تردید کی ہے وہ لکھتے ہیں:

''......سکھ مت دنیا کا جدید ترین مذہب ہے، اس کے باوجود وہ تمام مذاہب سے زیادہ غلط طور پر سمجھایا گیا ہے...... قادیانی۔ مسلمان کا ایک فرقہ (۶۲) گرنتھ صاحب کے باب اور دوہے یہ ثابت کرنے کے لیے نقل کرتا رہا ہے کہ سکھ مت کے بانی گرونانک جی سچے اور پرجوش مسلمان تھے۔'' (۶۳)

ایک بات بہت ہی قابل غور یہ ہے کہ اگر گرونانک جی نے ہندو دھرم کی مخالفت اور اسلام سے متاثر ہو کر سکھ مذہب کی بنیاد ڈالی تو انھوں نے اپنے ماننے والوں کے لیے ہندو پرسنل لا، ہندو کوڈ کے علاوہ کوئی دوسرا پرسنل لا اور کوڈ کیوں نہیں بنایا، کیوں اپنے متبعین کو ہندو پرسنل لا پر ہی عمل کراتے رہے؟۔ بات صرف گرونانک جی تک ہی محدود نہیں رہتی ہے؛ بلکہ سکھوں کے دس گروؤں میں سے ایک نے بھی سکھوں کے واسطے ہندو پرسنل لا اور ہندو کوڈ کے علاوہ الگ سے کوئی بھی قانون نہیں بنایا اور آج بھی ان کا اپنا الگ سے کوئی بھی پرسنل لا نہیں ہے۔ وہ ہندو کوڈ پر ہی عمل کرتے ہیں۔ (۶۴)

گرونانک جی نے منصوبہ کے تحت ذات پات کی خوب تردید کی، ان کے بعد دوسرے گروؤں نے بھی اس منصوبہ پر عمل کیا: (۶۵) چناں چہ (موہومہ) چھوٹی برادریوں کی ایک بڑی تعداد نے اس نئی ملت میں شمولیت اختیار کی، (۶۶) چونکہ اس مذہب کا مقصد بھی وہی تھا جو بھکتی تحریک کا تھا یعنی شودروں کو

مطمئن کر کے ہندو مذہب میں بطور غلام برقرار رکھنا، اس لیے منصوبہ کے تحت اس کو ہندو مذہب میں ضم ہو جانا تھا لیکن جب اس کی تعداد کافی ہوگئی تو اس نئے ازم نے اس میں شامل ہونے کے بجائے حقیقی طور سے ایک نئے دھرم کا روپ دھارن کر لیا، اس وقت برہمنیت کی نیند حرام ہوگئی اور اس نے اپنے ہی پیدا کردہ تحریک کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرنی شروع کر دی تا کہ کسی طرح ہندو مذہب میں شامل ہو جائے۔ کامیابی کا نصف حصہ پانچویں گرو، گرو ارجن کے دور ہی میں مل گیا۔ جب دسویں گرو گوبند سنگھ نے پاہل کے پانی سے تمام لوگوں کو سیراب کیا تو ذات پات کے حامی برہمن اور ہندو راجہ ان کے سخت دشمن ہو گئے، کیوں کہ ان کے اس اقدام کی وجہ سے اونچ نیچ اور چھوا چھوت کا فرق مٹ گیا یعنی اب شودروں اور برہمنوں میں کوئی فرق نہ رہا (٦٧)؛ چناں چہ منوواد یت کے علم برداروں نے ایک نئے اور منظم طریقے سے اس دھرم کے خلاف سازشیں کرنی شروع کر دیں، لہٰذا دسویں گرو کے زمانے ہی میں وہ کامیابی کے آخری کنارے پر پہنچ گئے، اور جو کسر رہ گئی تھی ان کے بعد کے ادوار میں پوری ہوگئی اور آج تو وہ ہندومت کا ہی ایک جزء اور فرقہ نظر آتا ہے۔ چناں چہ:

☆ سکھ مذہب میں توحید کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس بات کی صراحت خود گرو گرنتھ صاحب کے اندر ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس (گرو گرنتھ) میں ہندو دیو مالا کہانیاں یعنی ہندوؤں کے معبودوں کے قصے کہانیاں درج ہیں جن کی بنیاد نہ صرف شرک پر ہے؛ بلکہ اس کے رگ و پے میں شرک سرایت کیے ہوئے ہے۔ گرنتھ صاحب میں گرونانک جی فرماتے ہیں کہ:

"برہما وشنو کے ناف کے کنول سے نکلا اور اپنے گلے کا سر ٹھیک کرتے ہی ویدوں کا بھجن شروع کر دیا، پھر بھی وہ خدا کی انتہا کو نہ پہنچ سکا اور آواگون کی تاریکی میں رہ گیا۔" (٦٨)

چپ جی گرنتھ صاحب کا ایک بہت ہی اہم حصہ ہے، یہ پورے گرنتھ صاحب کی بنیاد ہے، اس کو یاد کرنا ہر سکھ کے لیے ضروری ہے اور صبح سویرے اس کا ورد کرنا ہر سکھ پر لازم ہے، اس میں زیادہ تر حمد و ثنا کی گئی ہے۔ اس کے باوجود ہندو دیویوں اور دیوتاؤں کی کہانیاں موجود ہیں، گرونانک جی "جپ جی" میں فرماتے ہیں کہ:

"وہ [خدا] شیو ہے، وہ وشنو ہے اور برہما ہے، وہ پاروتی اور لکشمی ہے جو ماں ہے۔" (٦٩)

"..........شیو اگاتا ہے، برہما گاتا ہے، دیوی پاروتی گاتی ہے جو عمدہ نظر آتی ہے (بہت سے) اپنے تخت ہائے حکومت پر گاتے ہیں، بہت سے دیوتا اپنے مجمعوں میں گاتے ہیں"۔ (٧٠)

☆ شروع میں سکھ مذہب میں نہ اوتار کا تصور تھا اور نہ ہی الوہیت گرو کا، گرو کو صرف رسول کا درجہ حاصل تھا؛ لیکن بعد میں نہ صرف اوتار واد کا تصور آیا بلکہ گروؤں کو خدا کا درجہ دیا گیا۔ گرو گرنتھ صاحب میں موجود بھاٹوں کے کلام۔ جن کو پانچویں گرو، گرو ارجن جی نے گرو گرنتھ صاحب میں شامل کیا۔ میں گرو نانک جی کے متعلق ہے کہ:

> "اے نانک گرو! تم مقدس ہو......ست یگ میں بھی تم راج یوگ کی حالت میں لطف اندوز ہوئے، جب کہ تم نے بلی کو دھوکا دیا......اور تریتا یگ میں بھی جب کہ تم نے راگھو خاندان کے رام کے نام سے پکارے جاتے تھے اور دواپر یگ میں بھی کرشن کے روپ میں جب کہ تم نے کنس سے نجات دلائی......اور کل یگ میں تم نانک، انگد، امرداس کے نام سے پکارے گئے۔" (۷۱)

دسویں گرو "گرو گوبند سنگھ جی" نے خود ہندوؤں کی کتاب مثلاً رامائن، مہابھارت اور پرانوں وغیرہ میں پائے جانے والے بہادری کے قصوں اور درگا دیوی کے چوبیس (۲۴) اوتاروں کے جنگی کارناموں کو اپنے لوگوں میں بہادری پیدا کرنے کے واسطے "دسم گرنتھ" میں شامل (۷۲) کر کے بعینہ ہندوؤں کے اوتار واد کو تسلیم کر لیا اور اس طرح ہندو دیویوں اور دیوتاؤں کو بھی خدا مان لیا، مزید برآں یہ کہ انھوں نے اپنی خودنوشت سوانح "بچھیتار ناٹک" (BichhitarNatak) میں کہا ہے کہ تمام دسوں گرو بھگوان رام کی اولاد ہیں۔

"All the 10 grus were Lord Ram's descendants" (۷۳)

خود سکھوں کا بیان ہے کہ گرو نانک جی یکے بعد دیگرے تمام گروؤں کی شخصیت کا روپ دھارن کرتے رہے۔ (۷۴)

گرو نانک جی کو گرو ارجن جی نے صاف صاف خدا کہا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

> "نانک گرو ہے اور نانک خدا ہے۔" (۷۵)

اسی طرح گرو گرنتھ صاحب میں پائے جانے والے بھاٹوں کے کلام۔ میں گرو انگد جی، گرو امرداس جی اور گرو رام داس جی کو صریح الفاظ میں خدا قرار دیا گیا ہے۔ (۷۶) اور نہ صرف سکھ گروؤں کو خدا مانا گیا ہے بلکہ ہندو دیویوں اور دیوتاؤں کو بھی خدا تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر گرو گوبند سنگھ جی کے تعلق سے گزر چکا ہے۔

☆ سکھوں کے نزدیک گرنتھ صاحب کو پہلے صرف ایک مقدس کتاب ہونے کا درجہ حاصل تھا، لیکن

جب گرو گوبند سنگھ جی نے اسے گرو کا درجہ عطا کیا تو سکھوں نے اس کی پوجا شروع کر دی اس کو سجدہ کرنے لگے۔ ڈاکٹر شیرا سنگھ لکھتے ہیں کہ:

> ''اس پوری کتاب کو اب سکھ دنیا بھر میں گرو کا زندہ مظہر خیال کر کے پوجتے ہیں جیسا کہ گرو گوبند سنگھ کی طرف سے ہدایت ہے۔''(۷۷)

☆ ہندوؤں کے یہاں موسیقی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، سکھوں کے رگ وپے میں بھی یہ چیز بسی ہوئی ہے، خود گرو نانک جی نے اپنے خیالات کا اظہار موسیقی کے ذریعہ ہی کیا وہ گاتے تھے اور ان کے ساتھی 'مردانہ جی' رباب بجاتے تھا۔ نیز دوسرے گرو بھی موسیقی کے عاشق تھے۔(۷۸) گرو گرنتھ صاحب کی ترتیب نہ تو موضوع کے مطابق ہے، نہ گروو ارانہ اور نہ ہی زمان ومکان کے لحاظ سے، بلکہ اس کی تدوین بھی راگوں کی ترتیب پر کی گئی ہے، جتنے کلام جس راگ پر آ گئے ان کو مرتب کر دیا گیا، گرنتھ صاحب کے راگوں کی تعداد اکتیس ہے۔(۷۹)

☆ ہندوؤں کی طرح سکھوں کے یہاں بھی حلول (۸۰) اور آواگمن (۸۱) کا عقیدہ ہے۔

☆ ہندوؤں کے یہاں جانوروں کو جھٹکا کرنے کا رواج ہے- دسویں گرو گوبند سنگھ جی نے سکھوں کو حلال گوشت کھانے سے روک دیا اور جھٹکا کھانے کا حکم دیا۔(۸۲) نہ صرف انھوں نے ہی حرام گوشت (جھٹکا) کھانے کا حکم دیا؛ بلکہ خود گرو نانک جی نے گرو انگد کو مردار کھانے کا حکم دیا تھا۔(۸۳) گرو نانک مردہ کو دفن کرنے کے حامی تھے (۸۴) لیکن بعد میں سکھ ہندوؤں کی طرح اسے جلانے لگے۔

☆ ہندو دھرم میں عورتوں کے پردہ کا کوئی تصور نہیں ہے، قریبی نامحرم اور، رشتہ داروں سے کیا عام لوگوں سے بھی پردہ نہیں کیا جاتا - یہی صورتحال سکھ مت میں بھی ہے- خود گرو امرداس جی نے ''ہری پور'' کی رانی پر اپنی خفگی کا اظہار کیا تھا کیوں کہ وہ سنگت (ایک مذہبی مجلس) میں پردے سے آئی تھیں (۸۵)

☆ آج اکثر سکھ گھروں اور دوکانوں میں ہندو، دیویوں اور دیوتاؤں کی تصویریں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

☆ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ سکھ دھرم کے دس گروؤں میں سے کسی ایک نے بھی سکھوں کے واسطے ہندو پرسنل لا نہیں بنایا اور ہندو پرسنل لا کو بعینہ بحال رکھا اور سکھ اسی پر عمل کرتے رہے۔(۸۶) ۱۸۵۰ء سے قبل ہی ''پریوی کونسل'' مستشار دولت (Privy council)(۸۷) نے حکم دے رکھا تھا کہ سکھوں کے مسائل ہندو پرسنل لا کے مطابق ہی حل کیے جائیں۔(۸۸) اوپر آ چکا ہے کہ جب آزادی کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر نے حالات حاضرہ کے مطابق ہندو پرسنل لاء میں کچھ

ترمیمات کرنی چاہی تو ہندو عوام کے ساتھ سکھوں نے بھی مخالفت کی۔ (۸۹) اگر سکھ مذہب ہندو دھرم سے الگ ہے تو ان کو ہندو پرسنل لا میں تبدیلی کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے تھی؟ اوپر یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ جب ۵۶-۱۹۵۴ء میں ہندو پرسنل لا نافذ ہوا تو اس میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ بدھ جین، لنگایت اور سکھوں کو بھی اس میں شامل کیا گیا۔ یعنی جو پرسنل لا ہندوؤں کا ہوا وہی پرسنل لا ان تمام مذاہب کے ماننے والوں کا ہوا اور عدالتیں بھی اسی کے مطابق فیصلہ کریں گی۔ (۹۰) اس وقت بھی سکھوں نے اس کی مخالفت نہیں کی اور نہ اپنے واسطے الگ قانون بنانے کی مانگ کی اور آج بھی ان کے عائلی معاملات کے فیصلے ہندو پرسنل لا کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔ اس طرح ہندو کوڈ یعنی ہندستانی قانون کی نظر میں سکھوں کو بھی ہندو مانا گیا اور سکھوں نے اس قانون کی مخالفت نہ کر کے ہندوؤں کو انھیں ہندو کہنے کا عملاً جواز فراہم کر دیا ہے۔ اگر ہندو مذہب سے سکھ دھرم الگ تھلگ ہے اور اس سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے تو ۵۶-۱۹۵۴ء میں جب یہ قانون پاس ہوا تو سکھوں نے اس کی مخالفت کرنی چاہیے تھی اور اپنے واسطے الگ پرسنل لا بنانا چاہیے تھا۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ادھر چند سالوں قبل سکھوں نے اپنے واسطے الگ پرسنل لا بنانے کی مانگ اٹھائی تھی، (۹۱) لیکن اب اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں۔ یہاں ایک بات اور قابل غور ہے کہ ۱۹۹۸ء تا ۲۰۰۱ء میں آر ایس ایس نے سکھ مت کو ہندو دھرم کا حصہ اعلانیہ قرار دینے کے واسطے بڑی جانفشانی کی تھی اور اس غرض سے "راشٹریہ سکھ سنگت" بنائی تھی: لیکن جب جنوری ۲۰۰۱ء میں آر ایس ایس نے گرو گرنتھ صاحب کو ہندو مندروں میں پڑھنے کا اعلان کیا تو بعض سکھ تنظیموں جیسے اکال تخت اور شیرومنی گرودوارا پربندھک نے اس کی مخالفت کی، وارننگ دی اور آر ایس ایس کے ذریعہ نکالے گئے پوسٹروں کو جلایا۔ (۹۲)

☆ ۱۹۵۰ء کے ایک صدارتی آرڈر کے ذریعہ سکھ دھرم آئین کی شیڈولڈ کاسٹ کی مراعات والی دفعہ سے باہر کیا جا چکا تھا اور شرط رکھ دی گئی تھی کہ اگر دوبارہ یہ مراعات حاصل کرتا ہے تو ہندو مذہب قبول کرنا پڑے گا؛ لیکن اس حکم کے نفاذ کے صرف چھ سال بعد ۱۹۵۶ء ہی میں اسے اس دفعہ میں شامل کر لیا گیا، (۹۳) سکھ دھرم کو دفعہ میں شامل کیا جانا اس لیے آسان ہو گیا کہ ہندتو کی علمبردار تنظیمیں اس مذہب کو ہندو دھرم ہونے کا نہ صرف اعلان کرتی ہے بلکہ باضابطہ اس کے لیے تحریک چلاتی ہے۔ اگر اسے مسلم پس کردہ طبقات کے مطالبہ شیڈولڈ کاسٹ ریزرویشن کے رد کیے جانے سے ملا کر دیکھیں تو بات اور بھی صاف ہوتی نظر آئے گی۔ مسلم پس کردہ طبقات ہی نہیں بلکہ عام

مسلمان کسی بھی طرح سے تعلیمی، معاشی، صنعتی، اور سیاسی سطح پر سکھوں کے پاسنگ بھی نہیں ہیں، ہزاروں مسلم فقیر سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر آئیں گے، لیکن ایک بھی سکھ ایسا کرتا ہوا نہیں دکھے گا۔ مگران تمام کے باوجود سکھوں کو دفعہ ۳۴۱ (شیڈولڈ کاسٹ ریزرویشن) میں تو مذکورہ بالا صدارتی آرڈر کے چھ سال بعد ہی شامل کر لیا گیا، لیکن مسلم پس کردہ طبقات کے مطالبات جو شروع سے آج تک کر رہے ہیں، ان کو تادم تحریر قبول نہیں کیا گیا۔

☆ ایک اور قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہندو، بطور خاص کر دلت (ہندو) اسلام یا عیسائیت قبول کرتا ہے تو ہندتو علمبردار تنظیمیں قتل و غارت گری پر اتر آتی ہیں، لیکن اگر کوئی سکھ (اور بدھ، جین، لنگایت وغیرہ مذاہب) قبول کرتا ہے تو بالکل خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

سکھوں کے اندر ذات پات خوب پھیلائی گئی ہے۔روز نامہ راشٹریہ سہارا اردو۔نئی دہلی۔ کے ایک مراسلہ نگار جناب رام پرکاش کپور گڑ گاؤں، ہریانہ کے بقول:

"ذات پات تو ہندستان میں یونیورسل ہے، حالاں کہ سکھ مذہب کے بانی گورونانک دیوجی نے ذات پات اونچ نیچ کی سخت مذمت کی تھی، لیکن سکھوں میں بھی دلت ہیں جنھیں "مذہبی سکھ" کہا جاتا ہے اور جن کے لیے آئین میں شیڈولڈ کاسٹ والا ریزویشن بھی ہے۔ یہی نہیں اونچی ذات والے سکھوں میں بھی مختلف ذاتیں ہیں، جن کے مختلف درجے ہیں۔ دلت سکھ دھرم میں آنے کے بعد بھی اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں، اور اونچی ذات والے ان کو اپنے برابر نہیں سمجھتے۔" (۹۴)

"شوشت سماج جاگروکتا مہم ناگپور" (शोषित समाज जागरूकता मुहिम-नागपुर)

نے "تری ابلیسی شوشن ویوہ ودھونس" (त्रि-इब्लिसी शोषण-व्यूह विध्वंस)

نام سے ایک کتاب شائع کیا ہے۔اس کے پہلے حصہ میں ہے کہ:

"سکھوں میں بالمیکی سماج جو بنیادی طور سے صفائی کارکن ہیں، انھیں سکھ قوم اپنا حصہ تسلیم کرنے میں شرم محسوس کرتی ہے، رام داسیا اور مذہبی سکھوں سے اونچی ذات کے جاٹ، کھتری، اروڑا وغیرہ سکھ، جاتی [ذات پات کا] بھید بھاؤ رکھتے ہیں۔سپریم کورٹ کے وکیل جناب بھگوان داس نے جنیوا میں اقوام متحدہ کے حقوق انسانی سب کمیشن کے سامنے کہا کہ سکھ [حضرات] خود کو ترقی پسند اور مساوات کا حامی مشہور کرتے ہیں، لیکن وہ اپنے سماج کو

ذات پات اور چھوا چھوت سے آزاد [الگ] نہیں رکھ پائے ہیں۔ برطانیہ جیسے ملک میں وہ ورن نظام نیز رام داسیا اور مذہبی سکھوں کے خلاف چھوا چھوت پر شدت سے عمل کرتے ہیں۔ بالمیکی اور رام داسیا سکھوں کے ہوٹل، باروں میں اونچی ذات کے سکھ جانا پسند نہیں کرتے ہیں نہ ہی ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ جاٹ، کھتری، اروڑا وغیرہ اونچی ذات کے تاجر سکھ ذاتیں دلت سکھوں کو ان کے جاتی ناموں سے پکار کر کے [انھیں] ذلیل کرتے ہیں۔ (Dalit voice, May 16-31-2000) جناب وی.ٹی. راج شیکھر کے مطابق صفائی کارکنوں کا کام کرنے والے، اچھوت سمجھے جانے والے سکھوں کے الگ گرودوارا بنے ہیں۔ ''گرونام سنگھ مکتسر'' کے مطابق اونچی ذات کے سکھ دلت سکھوں سے نفرت کرتے تھے، اس لیے دلت سکھوں کو اپنے گرودوارے الگ بنانے پر مجبور ہونا پڑا اونچی ذات کے سکھوں نے سارے سکھ اداروں پر قبضہ جما کر برادری واد کو بڑھاوا دیا ہے، جب بھارت سرکار نے ''سکھ لگار'' نام سے جانے جانیوالے اچھوت سکھوں کے لیے فوج میں الگ رجمنٹ بنائی تو سکھ لیڈر شپ نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ فوج میں بھی دلت سکھوں کی پہچان اونچی ذات والے سکھوں سے الگ مان لی گئی ہے۔''

(दलित व्हाईस 1-15 अगस्त 1999 पृ० : 7-8) (۹۵)

نئی دہلی سے شائع ہونے والا ہفت روزہ انگریزی رسالہ The Front Line نے اپنے ۲۶ / اپریل۔۹ / مئی ۲۰۰۳ء کے شمارہ میں سکھ اکثریت والے صوبہ پنجاب کے اندر دلت سکھوں پر ہو رہے مظالم کی نقاب کشائی کی ہے۔ مضمون نگا جناب پروین سوامی (Praveen Sawami) نے ایک مضمون "Dalit battle in a Punjab Village" (پنجاب کے ایک گاؤں میں دلت لڑائی) لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جالندھر (پنجاب) کے قریب دوآبہ (Doaba) علاقہ جہاں کے لاکھوں لوگ دولت کی تلاش میں یورپ اور امریکہ گئے ہیں۔ کے ایک گاؤں ''تلہن'' (Talhan) کے [سکھ] دلت دوسری جگہوں کی اپنی برادری کے مقابلہ میں کافی خوشحال ہیں۔ ان کی خوشحالی کا راز غیر مقیم ہندستانی (NRIS) کی مالی مدد اور گرین انقلاب (Green Revolution) ہے۔ وہاں کے بہت سے دلت سرکاری نوکریوں میں ہیں یا تاجر ہیں یا پھر ان کی اپنی دوکانیں ہیں۔ گاؤں کی پنچایت کے ۹ ممبران میں سے ۶ دلت ہیں۔ تقریباً تمام دلت بچے اسکول جاتے ہیں، ان کے مکانات پختہ ہیں، جہاں بجلی کی سہولت ہے۔ لیکن ان تمام کے

باوجود جاٹ سکھ ان کے ساتھ بھید بھاؤ کا رویہ اپناتے ہیں۔ جنوری ۲۰۰۳ء میں تو باضابطہ انھوں نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ جاٹ انھیں دودھ فروخت نہیں کر سکتے، جاٹوں کو ان سے چارہ خریدنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی وہ [جاٹ] انھیں اپنے کھیتوں میں مزدور رکھ سکتے ہیں۔ بے عزتی کی حد تو یہ ہے کہ دلت کھیتوں میں۔ جو گاؤں میں عام رواج ہے۔ رفع حاجت کے لیے نہیں جا سکتے، انھیں سر عام لب سڑک رفع حاجت کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔...... جاٹوں کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر انھوں نے دلتوں کو اپنے کھیتوں میں داخل ہونے کی بھی اجازت دی تو انھیں دس ہزار روپیہ جرمانہ دینا ہوگا۔

اس بائیکاٹ کی اہم وجہ یہ تھی کہ گاؤں میں بڑھئی، ذات کے ایک صوفی سنت بابا نہال سنگھ کا مزار ہے جہاں ملک اور بیرون ملک سے لوگ آتے ہیں۔ اس مزار کی انتظامیہ کے الیکشن میں حصہ لینے کی جرأت دلت سکھوں نے بھی کی تھی، اس واسطے عدالت نے ان کے حق میں دوبار فیصلہ دیا تھا۔ اس بات کو لیکر وہاں لڑائی بھی ہوئی، پولیس نے بھی دلت سکھوں کی پیٹائی کی، جاٹ سکھوں نے سنت روی داس [ریداس (۹۶)] جن کی دلت سکھوں کے یہاں کافی اہمیت حاصل ہے۔ کی مورتی توڑ دی، مزار کا بورڈ نکال کر اس پر نیا بورڈ لگا دیا کہ یہ گرودوارا ہے، لیکن اس کے خلاف بھی کچھ نہیں ہوا۔ ستمبر ۲۰۰۲ء میں مونڈ کھیرا (Moond Khera) گاؤں کے (سکھ) دلتوں کا بھی تلہن گاؤں کے طرز پر بائیکاٹ ہوا تھا۔ اگست ۲۰۰۲ء میں ''اور ذات'' (Aur Caste) کا بھی بائیکاٹ صرف اور صرف اس وجہ سے کیا گیا تھا کہ انھوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا تھا جس میں تھا کہ وہ ''بھاٹنڈا'' (Bhatinda) کے قریب ''برج'' (Burj) گاؤں کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء میں ایک نابالغ دلت [سکھ] لڑکی کی عصمت دری کی گئی۔ اس کی ماں نے اس کے لیے 'اونچی ذات' والوں کو مورد الزام ٹھہرایا۔ بہار کے طرز پر یہاں [سکھ] دلتوں کا قتل عام تو نہیں ہوتا ہے، لیکن تشدد کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء میں ایک [سکھ] زمیندار نے ''منسا'' (Mansa) کے قریب ''موجو کھر'' (Mojo Khar) گاؤں میں ایک بدھوا [سکھ] دلت مزدور ''بلبیر سنگھ'' کا قتل کر دیا تھا۔

دلت سکھوں کے اپنے علاحدہ مکاتب فکر ہیں جیسے 'ادھرم (Ad-Dharm)' اوداسی (Udasi) روی داسیا Ravidasia [ریداسیا Raidasia]، رام داسیا (Ramdasia)۔ ان کے یہاں دوسرے سکھ گروہوں کے بالمقابل گرو رام داس، سنت روی داس [ریداس] اور صوفی شاعر کبیر [داس] کی زیادہ اہمیت ہے۔ یہ ان کی پوجا پاٹ میں اہم شخصیات (Key-figures) ہیں۔ اگرچہ سکھ مذہب ذات پات کے خلاف ہے لیکن پنجاب میں مختلف ذاتوں کے مختلف الگ الگ گرودوارے ہیں۔ یہ اختلافات

نئے نہیں ہیں، بلکہ زمانہ قدیم سے چلے آ رہے ہیں۔ ایک مالدار چمار (دلت) منگورام جنھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ برطانیہ میں گزارا اور غدر تحریک میں حصہ لیا، ۱۹۲۵ء میں ہندستان واپس آنے کے بعد ہندو احیاء پرست تنظیم آریہ سماج کی مدد سے ایک علاحدہ اسکول [سکھ] دلت بچوں کے لیے کھولا۔ دلت سکھ کانگریس آئی کی حمایت کرتے ہیں تو جاٹ سکھ شیرومنی اکالی دل (جو درحقیقت زمینداروں کی پارٹی ہے) کی۔ اس کے باوجود دونوں پارٹیوں (کی لیڈرشپ) میں جاٹ سکھ اکثریت میں ہیں۔' (۹۷)

لودھیانہ سے شائع ہونے والا اخبار ''دی ٹری بیون آن لائن (Ludhiana Tribune Online کے مطابق ضلع فیروز پور کے پتری والا (Patriwala) گاؤں میں [سکھ] دلتوں کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی (Anand Karaj) کی رسم [سکھ] گرودوارا کے اندر بتھنڈا (Bathinda) کے پاس کریں۔ ان کو گرودواروں کے اندر کھانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ (۹۸)

لدھیانہ کے بہوجن سماج وادی پارٹی کے جنرل سکریری پرکاش سنگھ کے لڑکے ہرپریت سنگھ (Harpreet Singh) نے آسٹریلیا میں مقیم ایک سکھ کی لڑکی امان دیپ کور سے شادی کر لی۔ لڑکی بابا جسونت سنگھ ڈینٹل کالج میں طالبہ تھی۔ لڑکی جاٹ سکھ (دھالی والا) برادری سے تعلق رکھتی تھی جب کہ لڑکا رام داسیا سکھ (دلت سکھ) تھا۔ برادری یکساں نہ ہونے کی وجہ سے لڑکی کے گھر والے شادی کے لیے راضی نہ تھے؛ لہٰذا دونوں نے خفیہ طور سے شادی کر لی اور لدھیانہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے شادی رجسٹر بھی کروایا۔ لڑکی والوں نے پہلے تو دونوں کو بہت مارا؛ لہٰذا دونوں ان سے چھپ کر رہنے لگے، کچھ دنوں بعد لڑکی کے والدین نے دونوں سے کہا کہ انھوں نے لڑکے کو قبول کر لیا ہے؛ لہٰذا اب دونوں بے خوف زندگی بسر کریں، نیز انھوں نے کرن وِہار میں ایک مکان بھی ان کو فراہم کرادی؛ لیکن یہ سب انھوں نے ایک سازش کے تحت کیا تھا؛ لہٰذا لڑکی کے باپ اور رشتے داروں نے دونوں کو قتل کرنے کے لیے کرایے کے غنڈے لیے۔ ۹ رجنوری ۲۰۰۵ء کو لوہے کی راڈ سے انھیں پیٹا گیا اور پھر دونوں کا گلا کاٹ دیا گیا۔ لڑکی کے والدین اپنے بیٹے کے ساتھ ایک ہفتہ پہلے آسٹریلیا چلے گئے۔ قتل کے بعد لڑکی کا کوئی رشتہ دار دیکھنے تک نہیں آیا۔ (۹۹)

سکھ دھرم کے ہندو مذہب میں مدغم ہو جانے کے سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی سکھ مفکر کا قول نقل کر دیا جائے۔ کناڈا سے ایک سکھ میگزین ''سکھ ورسا'' (Sikh Versa) نکال رہے سکھ دانشور ''ہرچرن سنگھ'' نے دلت وائس (انگریزی انڈیا) کے مدیر جناب وی. ٹی. راج شیکھر کو لکھا تھا کہ:

"We get Dalit Vice journal regularly in Canada. We are

aware about Developments and problems within the Sikh Community. I know we are not doing much; we have lots of problems to write truth. We can write on the real issues but whatever we are writing is not acceptable to the community. We are running this magazine [Sikh Versa] from last 10 years, there is not a single Sikh organization or Sikh gurdwara from the globe who is supporting us because **the whole structure is Hinduised or Brahminised.** On the other hand there are so many Sikh organizations and grudwaras who are not only opposing the Sikh Versa but also not allowing the Sikh Versa to put in the Grudwaras. **Now the Sikh Grudwaras are nothing more than Hindu temples.** In such a Situation with very limited resources we are trying our best to save Sikhism and bring it back to real revolutionary way.

Our religious and political leaders made the Sikh religion as an other ritualistic or traditional religion of puja-path. I agree with your opinion that the true spirit (revolutionary) of Guru Nanak is dead in Sikhs. **If Brahminised organization are saying Sikhs are Hindu they are right because in practice Sikhs are absolutely Hindus, only different in physical appearance**"(۱۰۰)

''کناڈا میں ''دلت وائس'' رسالہ ہمیں مسلسل مل رہا ہے، ہم سکھ سماج کی اندرونی نئی صورت حال اور مسائل سے واقف ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم زیادہ کچھ نہیں کر رہے ہیں، سچائی لکھنے میں ہمیں کافی مشکلوں کا سامنا ہے۔ ہم اصل مسائل پر لکھ سکتے ہیں؛ لیکن جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں وہ [سکھ] سماج کو قابل قبول نہیں ہے۔ ہم اس میگزین [سکھ ورسا] کو دس سالوں سے نکال رہے ہیں، عالمی پیمانے پر ایک بھی سکھ تنظیم یا سکھ گرودوارا ایسا نہیں ہے جو ہماری مدد کر رہا ہو؛ **کیوں کہ پورا ڈھانچہ ہندو وادی یا برہمن وادی بنا دیا گیا ہے۔** دوسری طرف بہت سی ایسی سکھ تنظیمیں اور گرودوارے ہیں جو نہ صرف سکھ ورسا کی مخالفت کر رہے ہیں؛ بلکہ وہ سکھ ورسا کو گرودواروں میں رکھنے کی اجازت تک نہیں دے رہے ہیں۔ **اب سکھ گرودوارے ہندو مندروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں رہے۔** ایسی صورت حال میں محدود وسائل کے ساتھ ہم حتی المقدور سکھ مت کو بچانے اور اس کے اصل انقلابی طریقہ پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہمارے مذہبی اور سیاسی لیڈروں نے سکھ مذہب کو ایک دوسرا رسمی یا روایتی پوجا پاٹھ کا دھرم بنا دیا ہے۔ میں آپ کے خیال سے متفق ہوں کہ گرونا نک جی کی اصل روح (انقلابی) سکھوں میں ختم ہو چکی ہیں۔ **اگر برہمنی تنظیمیں کہہ رہی ہیں کہ سکھ ہندو ہیں تو ان کا کہنا صحیح ہے کیوں کہ عملاً سکھ مکمل طور سے ہندو ہیں صرف جسمانی ظہور میں فرق ہے۔"**

ویشنو تحریک

چونکہ گرونا نک جی صلح پسند آدمی تھے اور ان کا رویہ جارحانہ ہونے کے بجائے مدافعانہ تھا، اس لیے ان سے بھی برہمنیت کو اس تیزی سے فائدہ نہیں پہنچ رہا تھا جتنی تیزی سے وہ چاہتی تھی۔ لہٰذا اس نے انھی کے ہم عصر اور انھی کی طرح بھگتی تحریک کے پروردہ چیتنیہ جی ۱۵۵۳ء-۱۴۸۵ء کو اس کام پر متعین کیا کہ شودروں کو اپنی تحریک میں شامل کریں۔ دوسرے لفظوں میں شودروں کو ہندومت میں باقی رکھنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی زبردستی اپنی برادری میں شامل کریں؛ چناں چہ انھوں نے مغربی بنگال میں "ویشنو تحریک" کی تجدید کی[۱۰۱] اس تحریک کو جے پور کے راجپوت خاندان سے کافی مدد ملی، بنگالہ کے مغل فرماں روا "مان سنگھ" نے بھی اس کی ایک کروڑ روپے سے مدد کی،[۱۰۲] چیتنیہ جی بہت چالاک اور تعلیم یافتہ شخص تھے۔ انھوں نے بڑے ولولے اور جوش وامنگ کے ساتھ اس تحریک کا کام شروع کیا، وہ اسلام کے تصور مساوات سے واقف تھے، لہٰذا انھوں نے بھی اپنی تنظیم میں شریک ہونے کے لیے ذات برادری کی قید اٹھا دی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورے ہندستان اور بطور خاص بنگالہ میں ہندوؤں کے اندر زندگی پیدا ہوگئی اور اچھوت اقوام اسلام قبول کرنے کے بجائے ویشنو دھرم قبول کرنے لگیں۔ اس المیہ اور سانحہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"چیتنیہ کی تحریک کا جو اثر بنگالہ کے باہر ہوا، اس سے کہیں زیادہ بنگالہ کے اندر تھا۔ اس علاقہ میں اس نے اشاعت اسلام کا سلسلہ روک دیا۔ اسلام کی اشاعت کا بڑا راز یہ تھا کہ آبادی کا بہت بڑا حصہ اچھوت سمجھا جاتا تھا اور ان لوگوں کے لیے سوسائٹی میں معزز جگہ نہ تھی، اس لیے انھوں نے اسلام کا خیر مقدم کیا لیکن ویشنو تحریک نے ان لوگوں کے لیے ہندو سوسائٹی میں باعزت جگہ بنا دی اور یہ تعلیم دی کہ جو کرشن کا سچا بھگت ہوگا اسی کی مکتی ہوگی، خواہ وہ چنڈال ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے علاوہ اس تحریک اور اس کے مختلف مظاہر نے ہندو قوم میں نئی زندگی پیدا کر دی۔ اس نے اسلامی مبلغین کی کامیابی نامکمل بنا دی چناں چہ جس علاقہ میں یہ تحریک کامیاب ہوئی وہاں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے، وہی قبیلے اور

ذاتیں جن کے بھائی مشرقی بنگال میں مسلمان ہو گئے تھے، مغربی بنگال میں ہندو رہے، اس کا بڑا سبب ویشنو اثرات تھے۔'' (۱۰۳)

اس تحریک کے مجدد اور پرچارک نے برہمنیت کے علمبرداروں کے حکم پر مسلمانوں میں بھی کام شروع کیا اور ان پڑھ غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اپنا شکار بنانے لگے؛ چناں چہ 'غور' کے حسین شاہ کا سکریٹری اعلی (Chief Scribe) میر منشی اور بجلی خان نیز پٹھانوں کی ایک جماعت ان کی تبلیغ پر ویشنو تحریک میں شامل ہو گئی۔ اسی طرح انھوں نے ۱۵۱۶ء میں دو برہمن: 'روپ' اور 'سناتن'۔ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ کو ویشنومت میں شامل کر لیا اور دعاۃ ونقباء کے ذریعہ بے شمار مسلمانوں کو بہت جلد اپنے جال میں پھنسا لیا، ان کا رویہ اور برتاؤ صرف مدافعانہ ہی نہ تھا؛ بلکہ انھوں نے اس کے لیے جارحانہ طریقہ بھی اپنایا؛ چناں چہ انھوں نے راجہ نارائن گڑھ سے کہا کہ جو مسلمان مزدور ویشنو تحریک قبول نہ کریں ان کو کام نہ دیا جائے۔ انھوں نے مسلمانوں میں کام کرنے کے لیے کئی جماعتیں بھی بنائیں جن میں ''سناتن'' اور ''باوَل'' فقیروں کا فرقہ کافی مشہور تھا، اس تحریک نے ایک طرف مسلمانوں کو ادب کے ذریعہ تو دوسری طرف کرشن بھگتی کے موثر اشعار کے ذریعہ متاثر کیا اور وہ مسلمان بھی جو ویشنو نہ تھے ان پر مضامین لکھے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ چشتی پیروں کی مجالس سماع میں ''ویشنو پد'' ''ویشنو گیت'' گائے جانے لگے تھے اور اہل حال ان پر وجد کرتے تھے۔ (۱۰۴)

حواشی

(۱) شہادت کے وقت خواجہ جہاں نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت نظام الدین کی دستار سر سے باندھ کر سجدہ میں سر رکھا اور کلمہ طیبہ پڑھا اسی حالت میں سر تن سے جدا کیا گیا۔ (آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا۔ باب ہفتم، عنوان: خواجہ جہاں ملک احمد ایاز، کا قتل ۱/۲/۶۰۲)

(۲) حوالہ سابق باب ہفتم، عنوان: خواجہ جہاں ملک احمد ایاز کا قتل، ملک احمد ایاز کا اپنے فیصلے پر افسوس، نا کردہ گناہ کی سزا، ۱/۲/۶۰۲-۶۰۹ تنگ نظر مراسم پرستوں کا دور دورہ ۱/۲/۶۰۹-۶۱۱

بعض وہ نو مسلم یعنی مزعومہ رذیل برادریوں کے افراد جنھوں نے اپنا تعلق کسی نہ کسی طرح سے فیروز شاہ تغلق سے جوڑ لیا تھا انھیں بھی حکومت فیروز شاہی میں جگہ ملی۔ مثلاً قوام الملک خاں جہاں وزیر اعظم بنائے گئے کیوں کہ وہ ملک احمد ایاز خواجہ جہاں کو دھوکہ دے کر فیروز شاہ تغلق کے پاس ان سے پہلے آچکے تھے۔ ملک عین الملک ماہ رو کو اقطاع ملتان عطا ہوا، کیوں کہ وہ غلط فہمی ہی میں سہی محمد تغلق کے خلاف بغاوت کر چکے تھے۔ وجیہ الملک (ہندو سہارن) اور اس کے خاندان کے دوسرے لوگوں کو بادشاہ کی مصاحبت ملی، کیوں کہ وہ فیروز شاہ تغلق کی ہندو گوجر بیوی کے بھائی اور رشتہ دار تھے۔ (ملاحظہ ہو حوالہ سابق۔ ۱/۶۰۹-۶۱۱، عنوان: فیروز تغلق پر ایک نظر ۱/۲/۶۴۳، تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، باب سلطان المجاہد ابوالفتح محمد شاہ السلطان ابن تغلق شاہ، عنوان: عین الملک کی بغاوتیں، ص: ۶۹۶-۶۹۷، باب سلطان العصر والزمان الواثق بنصرہ الرحمٰن فیروز شاہ السلطان مقدمہ ہفتم، عنوان: ملک عین الملک ماہ رو، ص: ۸۱۵

(۳) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، باب سلطان العصر والزماں الواثق بنصرہ الرحمٰن فیروز شاہ السلطان عنوان، سادات پر فیروز شاہ کی عنایت ص: ۸۱۱

(۴) آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب ہفتم تنگ نظر مراسم پرستوں کا دور دورہ ۱/۲/۶۰۸-۶۱۱

(۵) تاریخ فیروز شاہی، محولہ بالا، باب سلطان العصر والزماں الواثق بنصرہ الرحمٰن فیروز شاہ تغلق، مقدمہ اول عنوان: مغلوں اور مفسدوں کے فتنے کا فرو ہونا، ص: ۷۵۷

(۶) حوالہ سابق مقدمہ دوم ص: ۷۵۸-۷۵۹

(۷) حوالہ سابق عنوان: دیپال پور میں، شیخ فرید الدین کے مزار پر حاضری، ص: ۷۶۴-۷۶۷

(۸) حوالہ سابق مقدمہ چہارم ۷۸۳-۷۸۶

(۹) حوالہ سابق، مقدمہ ہفتم۔ عنوان: سادات پر فیروز شاہ کی عنایات ۸۱۰-۸۱۱

(۱۰) حوالہ سابق مقدمہ ہشتم، عنوان: اکدالہ، ص: ۸۲۳

(۱۱) آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، باب ہفتم عنوان: خان جہاں نو مسلم اور متفرق حالات، ۱/۲/۶۳۹

(۱۲) حوالہ سابق ۱/۲/۶۴۰

(۱۳) تاریخ فرشتہ، محولہ بالا، باب فیروز شاہ تغلق، عنوان: فتح خاں کی تعلیم و تربیت ۱/۶۴۴

(۱۴) سورہ بنی اسرائیل آیت: ۱۵

(۱۵) حسین المعروف بجلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت : سراج الھدایہ ملفوظات حسین المعروف بجلال الدین مخدوم جہانیان جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ، مرتب: قاضی سجاد حسین، ص: ۷۷

(۱۶) حوالہ سابق، ص: ۸۸

(۱۷) حوالہ سابق، ص: ۷۷، حاشیہ: ۱

(۱۸) واقعات مشتاقی، ص: ۲۶، بحوالہ ہندستانی معاشرہ عہد وسطی میں، محولہ بالا۔ حصہ اول سیاسی حالات عنوان۔ سید، ص: ۱۴۰،

(۱۹) ڈاکٹر خلیق احمد نظامی: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ باب دہم: سلطان محمد تغلق، عنوان: اشاعت اسلام کا جزبہ ص: ۳۳۸-۳۳۹

(۲۰) آئینہ حقیقت نما، محولہ بالا، عنوان: ناصر الدین محمود شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ تغلق ۲/۱، ۶۵۷-۶۵۸

(۲۱) Aziz Ahmed; Studies in Islamic culture in Indian environment, chapter: v. popular syncretism. Topic: The Bhakti Movement: its Response and Resistance to Islam. P. 140

(۲۲) ''یہ پریاگ [الہ آباد] کے ایک کانیکبج [kanyakubja] کے برہمن خاندان میں پیدا ہوئے'' Dr.Tara chand: Influence of Islam on Indian culture. Topic: Ramanand and Kabir, p. 144, اردو ترجمہ: چودھری رحیم علی الهاشمی: اسلام کا ہندستانی تہذیب پر اثر، عنوان: رامانند اور کبیر، ص: ۱۸۱

(۲۳) ''کبیر ایک برہمنی بیوہ کے لڑکے تھے جس نے اپنی شرم چھپانے کے لیے انھیں بنارس کے ایک تالاب کے کنارے ڈال دیا تھا، وہاں انھیں ایک جلاہے نیرو اور اس کی بیوی نعیمہ نے پایا اور اپنا لڑکا بنالیا۔'' ''اس [کبیر] نے ''لوئی'' نام کی لڑکی سے شادی کی جس سے وہ ایک بیراگی کی کٹی میں ملا تھا۔'' (حوالہ سابق اردو ترجمہ، ص: ۱۸۴-۱۸۷

(۲۴) ان کے متعلق تفصیلات آگے ''وشنو تحریک'' کے زیر بحث آرہی ہیں۔

(۲۵) ماہنامہ زندگی نو کے سابق نائب مدیر مولانا عبدالحق فلاحی اس فرقہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''داؤد پنتھی المعروف بہ دادو پنتھی، یہ فرقہ محمد داؤد کی طرف منسوب ہے۔ امتداد زمانہ سے یہ داؤد دادو ہو گیا اور اب اسی نام سے لوگ جانتے ہیں۔ گجرات کے علاقہ میں اس فرقہ کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔''

(ماہنامہ زندگی نو- نئی دہلی، ستمبر ۲۰۰۱ء جلد: ۲۷، شمارہ: ۹، عنوان: برہمنی تحریکات کا ظہور۔ از: مسعود عالم فلاحی، ص: ۲۰، حاشیہ از: عبدالحق فلاحی۔

(۲۶) ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی: تاریخ دعوت و جہاد، ص: ۶۷، فصول فی ادیان الہند، ص: ۱۶۷-۱۶۹، میجر بلبیر سنگھ: سکھ مت، ص: ۱۶، شیخ محمد اکرام: آب کوثر، ص: ۱۶۵-۱۶۶، شیخ محمد اکرام: رود کوثر، باب عہد اکبری، ص: ۹۷، شبیر احمد حکیم: حیاکت کی حکایت، ص: ۱۷۳-۱۷۴، یہ کتاب (حیاکت کی حکایت) جناب مولانا اخلاق احمد شاگرد رشید مولانا حبیب الرحمن اعظمی (مئوناتھ بھنجن) نے فراہم کی، میں ان کا بہت مشکور ہوں]

عماد الحسن آزاد فاروقی: دنیا کے بڑے مذاہب، ص: ۱۹۹-۲۰۰، محمد رفیق خان: سکھ مذہب، ص: ۱۵-۳۱

(۲۷) اسلام کا ہندستانی تہذیب پر اثر، محولہ بالا، عنوان: رامانند اور کبیر، ص: ۱۸۲

(۲۸) حوالہ سابق، عنوان: جنوبی ہند کے مصلحین، ص: ۱۳۲

(۲۹) V.R. Narla:The Truth About Geeta اردو ترجمہ: سید شاہد: گیتا حقیقت کے آئینہ میں، عنوان: کیا گیتا صحیفہ آسمانی ہے؟ ص: ۹۲-۹۳

(۳۰) صرف شری مد بھگوت گیتا ہی اس تحریک کی رہنمائے اصول نہ تھی، بلکہ اس کے علاوہ ہندو دھرم کی دوسری مستند کتابیں بھی تھیں (Studied in Islamic culture in the Indian enviroment, op.cit P. 140) اوران کتابوں میں ذات پات اور اونچ نیچ کا بہت ہی زیادہ تذکرہ ہے۔

(۳۱) अदी शंकर अचार्य : शंकर भाष्य, हिन्दी-अनुवाद,सहित-अनुवादक : श्रीहारकृष्णदास गोयन्दका 4/13 पृ० : 112-13

شنکر اچاریہ کی اس عبارت کا ترجمہ جناب وی. آر. نارلا جی کی کتاب The Truth About Geeta) اردو ترجمہ سید شاہد: گیتا حقیقت کے آئینہ میں، عنوان: گیتا کی عمرانیات، ص ۱۲۲-۱۲۳ سے لیا گیا ہے۔

(۳۲) शंकर भाष्य हिन्दी-op.cit. 9/32 पृ० : 243

اشلوک کا اردو ترجمہ وی- آر- نارلا جی کی کتاب: گیتا حقیقت کے آئینہ میں، عنوان: گیتا کی عمرانیات، ص: ۱۲۵ سے لیا گیا ہے اور ''پاپ یونی والے'' بعینہ شنکر بھاشے کا لفظ ہے۔

(۳۳) مذکورہ بالا اشلوک پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب وی.آر.نارلا لکھتے ہیں:

''شنکر اچاریہ ایک بہت چالاک شخص تھا اس نے اس اشلوک کی تفسیر نہیں لکھی بلکہ محض ترجمہ پر اکتفا کیا ''عورتیں گناہ کی پیداروار ہیں ادر شودر بھی گناہ کی پیداورا ہیں''۔ یہ بے ہودہ اور مخرب اخلاق بات ہندو سماج کے ۹۵ فی صد سے بھی زیادہ طبقہ کے لیے ایک کلنک کا نشان ہے۔ ہندو سماج میں کم وبیش ۵۰ فی صد عورتیں ہیں اور باقی پچاس فی صد میں کم سے کم ۴۰ فی صد ویش اور شودر ہیں۔ برہمن اور چھتری مرد بمشکل ۵ فی صد ہیں [کیا] ان ۵ فی صد کے علاوہ باقی سب گناہ کی پیداوار ہیں؟ یہ کتنی اہانت آمیز ہے ؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ایک انتہائی گندی اور رکیک، توہین آمیز تصور ہے۔...... ۹۵ فی صد انسان گناہوں کی پیداور ہیں۔ پانچ فی صد افراد نہ صرف مقدس بلکہ رشی بھی ہیں۔''

(گیتا حقیقت کے آئینہ میں، محولہ بالا، ص: ۱۲۵-۱۲۶)

(۳۴) शंकर भाष्य op.cit. 9/33 पृ० : 243.

اس کا اردو ترجمہ گیتا حقیقت کے آئینہ میں، محولہ بالا، ص: ۱۲۶ سے لیا گیا ہے اور ''پاپنیہ یونی'' بعینہ شنکر بھاشے کا لفظ ہے۔

(۳۵) گیتا حقیقت کے آئینہ میں، محولہ بالا، ص: ۱۲۷

(۳۶) शंकर भाष्य op.cit. 3: 35 पृ० : 101.

اس کا اردو ترجمہ: ''گیتا حقیقت کے آئینہ میں'' محولہ بالا، سے لیا گیا ہے۔

(۳۷) शाकर भाष्य op.cit. 4/7-8 पृ० 101

(۳۸) گیتا ۱۰:۵ میں مساوات اور عدم تشدد کی بات کہی گئی ہے، لیکن یہ اشلوک بعد کے دور کی پیداوار ہے؛ چناں چہ وی.آر.

نارلا جی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

".....مگر عجیب بات یہ ہے کہ گیتا کے دسویں باب کے پانچویں قطعہ میں نہ جانے کیوں کرشن نے اہنسا (عدم تشدد) اور مساوات کا بھی نام لیا ہے۔! حالاں کہ مساوات اور عدم تشدد گیتا کے اصولوں کے خلاف ہے۔ میرے خیال میں گیتا میں اس قطعہ کا اضافہ ہندؤں کے اس آزاد خیال طبقہ کو لبھانے کے لیے کیا گیا تھا جو مساوات اور عدم تشدد کا حامی تھا۔"

(گیتا حقیقت کے آئینہ میں، محولہ بالا، عنوان: دو بھگوان، ص:۱۵۹)

(۳۹) حوالہ سابق، عنوان: مہابھارت کی حقیقت-ایک عظیم مجرمانہ دھوکہ، ص:۴۴

(۴۰) حوالہ سابق، عنوان: گیتا کی عمرانیات، ص:۱۳۰

(۴۱) حوالہ سابق، عنوان: دو بھگوان، ص:۱۵۹

(۴۲) حوالہ سابق، عنوان: حرف اختتام، ص:۱۶۴

(۴۳) حوالہ سابق، کیا گیتا صحیفۂ آسمانی ہے؟، ص:۹۵

(۴۴) एस०एल०सागर: हिन्दुओं के वृत-पर्व और त्यौहार, बिन्दु : गीता एक ब्राह्मणवादी साजिश पृ०: 30

(۴۵) शंकरानन्द शास्त्री: युग पुरूष बाबा साहब अम्बेडकर, पृ०: 154 उदधृत: दलित समस्या जड़ में कौन ? अध्याय: 7 आक्रोश, बिन्द: गीता एक राजनैतिक पुस्तक पृ०: 217

(۴۶) My Memories and Experiences of Babasaheb, Dr. B.R. Ambedker. op.cit. ch: Death Suspected xvii. p.181

(۴۷) گیتا حقیقت کے آئینہ میں، عنوان: مہابھارت کی حقیقت-ایک عظیم مجرمانہ دھوکا، ص:۴۲-۴۳، عنوان: گیتا زمانہ تصنیف، ص:۸۸،۸۹

(۴۸) حوالہ سابق، عنوان: گیتا زمانہ تصنیف، ص:۸۸-۸۹

(۴۹) حوالہ سابق، عنوان: عرض مصنف، ص:۱۹

(۵۰) محسن عثمانی: مطالعہ مذاہب، عنوان: سکھ مت-ایک مطالعہ، از: کے۔ایس۔گل، جے ڈی کنگھم وینلس ودیگر، ص:۴۲

(۵۱) اسلام، اسلامی توحید، اسلامی مساوات، اسلامی تعلیمات، قرآن، اللہ و نبی کریم ﷺ کی تعریف، حمد، مسلمانوں کے متعلق اچھے خیالات اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت وغیرہ کے سلسلہ میں سکھ مت، گرونانک جی اور گرو ارجن کی تفصیلی تعلیمات کی وضاحت کے واسطے ملاحظہ ہو:

گرنتھ صاحب جنم ساکھی فلاں، گرنتھ صاحب ساکھی بھائی بالا، بحوالہ: سیارہ اردو ڈائجسٹ، لاہور (پاکستان)، نومبر ۱۹۶۹ء، جلد:۱۳، شمارہ:۵۔قرآن نمبر، جلد اول ص:۳۰۴، باب: قرآن اور مذہبی کتب، عنوان: قرآن-بابا نانک-اور گرنتھ صاحب، از: مہاشے عبدالکریم نظامی اکبرآبادی، گرنتھ صاحب، راگ گوڑی کی دارشلوک محلہ ۵، ص:۳۱۹، ۱۳۸۱، -راگ بار محلہ ۵، بحوالہ: ابوالامان امرتسری: سکھ مسلم تاریخ حقیقت کے آئینے میں، ابوالامان

امرتسری: گرنتھ صاحب اور اسلام-تاریخ-تعلیم اور اسلامی عناصر، مولانا سید حامد علی: سکھ مت اور توحید، متین طارق باغپتی: مذاہب عالم اور اسلام۔

(۵۲) ماہنامہ زندگی نو-نئی دہلی، نومبر ۲۰۰۱ء، جلد: ۲۷، شمارہ: ۱۱، عنوان: رسائل و مسائل، مراسلہ از: عبدالمجید خان، ص: ۷۲-۷۳

(۵۳) History of sikhs، بحوالہ: سہ روزہ دعوت-نئی دہلی، ۱۶ر فروری ۱۹۹۵ء، جلد: ۴۳، شمارہ: ۶۱، ہندستانیات نمبر، عنوان: سکھ مت ایک تعارف، ص: ۳۶

(۵۴) A comprative study of Religions، بحوالہ: سہ روزہ دعوت، محولہ بالا،

(۵۵) Concised Encyclopedea of Sikhism، بحوالہ: سہ روزہ دعوت، محولہ بالا،

(۵۶) Dr. Karan Singh, Religions of India; ch: Hinduism by: Dr. Karan Singh, Topic: The Bhakti Movement,p.52.

(۵۷) لالہ لاجپت رائے: آریہ سماج کی تاریخ، ساتویں باب، مذہبی عقائد، عنوان۔ ہند میں عیسائیت کی تبلیغ، ص: ۱۳۳، نظر ثانی و اضافہ و تدوین: سری رام شرما، اردو ترجمہ: کشور سلطان۔

(۵۸) اہل ہند کی مختصر تاریخ، محولہ بالا، باب: چہارم، عہد وسطی، عنوان: ہندستان میں مغلوں کی حکومت سکھ اور مرہٹے، ص: ۳۱۸

(۵۹) سید حامد علی: سکھ مت اور توحید، محولہ بالا، ص: ۷، حاشیہ-۱

(۶۰) حوالہ سابق۔ص: ۱۵ حاشیہ: ۱

(۶۱) حوالہ سابق، ص: ۲۵ حاشیہ: ۱

(۶۲) علمائے امت نے قادیانیوں کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔لہذا اس فرقہ کو مسلمان سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

(۶۳) ڈاکٹر گوپال سنگھ: گرنتھ صاحب کا انگریزی ترجمہ۔جلد اول، دیباچہ، ص: ۱۹ ، بحوالہ: سکھ مت اور توحید، محولہ بالا، ص: ۶-۷

(۶۴) My Memories and Experiences of Baba Saheb Dr. B.R Ambedker op.cit. p.75 Ch:xvii Topic: Preferred Buddhism to other religion, P.175

(۶۵) پروفیسر رفیق احمد خان: سکھ مذہب، ص: ۳۹، ۴۹، ۵۴، ۵۸، ۸۵

(۶۶) صرف شودروں نے ہی اس دھرم کو قبول نہیں کیا؛ بلکہ بہت سے مسلمان بھی مرتد ہو کر اس میں شامل ہو گئے، حتی کہ مغلیہ خاندان کی ایک خاتون نے بھی اس مذہب کو قبول کر کے اس مت کے ایک گرو سے شادی کر لی۔[ملاحظہ ہو -پروفیسر رفیق احمد خاں: سکھ مذہب]

(۶۷) حوالہ سابق، ص: ۹۹-۱۰۰

(۶۸) گرنتھ صاحب، راگ گوجری، سکھ ریلیجین جلد اول، ص: ۳۲۳، بحوالہ۔ سکھ مت اور توحید، ص: ۳۶

(۶۹) گرنتھ صاحب کا انگلش ترجمہ جلد اول، ص: ۲، سکھ ریلیجین جلد اول، ص: ۳۰۰، بحوالہ۔ سکھ مت اور توحید، محولہ بالا، ص: ۳۶

(۷۰) گرنتھ صاحب کا انگلش ترجمہ، جلد: اول ص:۸، بحوالہ: سکھ مت اور توحید بحولہ بالا، ص:۳۷

(۷۱) گرنتھ صاحب کا انگلش ترجمہ جلد چہارم، ص:۱۳۱۹، بحوالہ: سکھ مت اور توحید بحولہ بالا، ص:۷۶-۷۷

(۷۲) گرنتھ صاحب کا انگلش ترجمہ جلد اول دیباچہ: عنوان: سکھ گروؤں کی تاریخ ص: ۴۵، سکھ ریلیجن، حصہ اول تعارف ص:۵۲، بحوالہ: سکھ مت اور توحید بحولہ بالا ص:۹۰-۹۲

(۷۳)Weekly out look ,New Delhi: January 09-15 2001, Vol:XLI, No: I, Topic: RSS is just like Aurangzeb P.38

(۷۴)Influence of Islam on Indian Culture oc.pit., p. 176 Our heritage 63-64، بحوالہ: سکھ مت اور توحید ص:۸۱-۸۲

(۷۵) Our heritage p. 39، بحوالہ: سکھ مت اور توحید، ص:۷۱-۷۲، بحوالہ: گرودارجن راگ کونڈ، گرنتھ صاحب، بحوالہ: سکھ مت اور توحید بحولہ بالا ص:۷۱-۷۲

(۷۶) گرنتھ صاحب کا انگلش ترجمہ- حصہ چہارم، ص:۱۳۲۱-۱۳۲۶، بحوالہ: حوالہ سابق ص:۷۸-۷۹،

(۷۷) حوالہ سابق- حصہ اول، عنوان: دیباچہ، ص:۱۷، بحوالہ: حوالہ سابق ص:۱۰۷

(۷۸) حوالہ سابق، حصہ اول- دیباچہ، عنوان: گرنتھ صاحب کی تدوین، ص:۱۷، بحوالہ: حوالہ سابق ص:۳۹

(۷۹) حوالہ سابق ص:۱۷، بحوالہ: حوالہ سابق ص:۴۰

(۸۰) حوالہ سابق- جلد چہارم ص:۱۲۳۲، بحوالہ: حوالہ سابق ص:۳۵ حلول کا مطلب یہ کہ خدا ہر چیز کے اندر ہے اور ہر چیز خدا ہے چاہے وہ پیڑ، پودا ہو، چاہے کتا، بلی، سور یا انسان۔

(۸۱) حوالہ سابق، جلد اول- دیباچہ، ص:۲۵، بحوالہ: حوالہ سابق ص:۲۶-۲۹ آواگمن کا مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان نروان اور نجات حاصل نہیں کر لیتا تب تک وہ اپنے اعمال کے مطابق مختلف چیزوں جیسے عورت سور، کتا، بلی، کیڑے مکوڑے، پیڑ پودے کی ''یونی'' کا چکر لگا تا رہیگا یعنی ان چیزوں کی شکل میں جنم لیتا رہے گا، ان جنموں کی تعداد چوراسی لاکھ سال ہے۔

(۸۲)sir John J.H.Gorden. K.C.B: The sikhs.xiii. The Granth:The sacred book,Religious observation p.196

(۸۳) سکھ مذہب- بحولہ بالا، عنوان. کرتار پور آشرم کی زندگی، ص:۵۱

(۸۴) عبداللہ صاحب گیانی: ہندو دھرم گرونانک کی نظر میں، ص:۱۰۰-۱۰۵

(۸۵) Dr. Rattan Singh (ed.) Essays in sikhism.Edited ch./Topic: women in sikhism by: Principal teja singh pp. 54-56

(۸۶)My memories and Experiences of Babasaheb Dr.B.R.Anbedkar. op.cit. Ch.: vii, Topic: Codification of Hindu law. p.75

(۸۷)Privy council: chosen body of the Biritish sovereign'scouncellors acting also as the highest court of appeal (برطانوی اقتدار اعلیٰ کے کونسلرس کی منتخبہ مجلس جو عدالت مرافعہ کے اعلیٰ ترین ادارے کا کام بھی کرتی ہے) (Advance Twentieth century Dictionary-English into Englis in to Urdu. Compiled by: prof Bashir

Ahmad Qreishi, Revised and enlarged by:Dr,Abdul Haq.P523.

(۸۸)My Memories and Experiences of Babasaheb Dr.B.R.Ambadkar p.75

(۸۹) ibid. p.175

(تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کا باب دوم آریہ کے خلاف تحریکات کا ظہور- زیر عنوان: جین مت بدھ مت، زوال ومغلوبیت۔)

(۹۰)Ibid P. 175

(۹۱)ibid.p.175

(۹۲)Out look weekly, New Delhi January 9-15.2001op.cit. PP. 37-38

(۹۳) روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو- نئی دہلی، ۱۹رنومبر ۲۰۰۱ء، ص:۱۳، اس کی پوری تفصیلات مع حوالہ جات اس کتاب کی باب دوم آریہ کے خلاف تحریکات کا ظہور- زیر عنوان جین مت، بدھ مت- زوال ومغلوبیت گزر چکی ہیں۔

(۹۴) روزنامہ راشٹریہ سہارا- اردو- نئی دہلی- ۲۸رفروری ۲۰۰۳ء جلد:۴، شمارہ:۱۳۵۶ کالم- مراسلات- عنوان: ذات پات تو ہندستان میں یونیورسل ہے، ص:۳

(۹۵) बिन्द: सिख धर्म का ब्राह्मण धर्म मे परिवरत 1/217

(۹۶) **دلت سنت ریداس کا مزعومہ اونچی ذات بتایا جانا**

سنت ریداس ۱۴۶۰ اوکرمی (۱۴۰۴ء) میں بنارس کے اندر ایک اچھوت بستی میں چمڑے کا کام کرنے والے رگھورام اور رگھورانی کے گھر میں پیدا ہوے۔ یہ جوتے گانٹھ کر اپنی روزی روٹی کا انتظام کرتے تھے۔ انھوں نے برہمن واد، منوواد اور ان کے علمبرداروں کے خلاف خوب آواز اٹھائی، جس کا ثبوت ان کے اشلوک میں ملتا ہے۔ اب وشو ہندو پریشد نے نومبر ۲۰۰۵ء میں آل انڈیا آدی دھرم مشن بنارس کے مہنت میوداس اور بھاجپا نیتا ڈاکٹر وجے سونکر شاستری کے ذریعے ''سنت گرو روی داس چیتنا یاترا ون سماجی سمرستا ابھیان'' چتوڑ گڑھ سے بنارس تک نکالی۔ وشو ہندو پریشد کے تبلیغی لٹریچر میں سنت ریداس کو ''سوریہ نسل کے چھتری سلسلہ کے ''چنونسل'' میں بتایا گیا ہے۔ یعنی انھیں مفروضہ بڑی ذات ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دلت اور مسلمانوں کے بیچ نفرت پھیلانے کی غرض سے یہ جھوٹ پھیلایا جارہا ہے کہ سنت ریداس کی ''سدنا قصائی'' اور ''سکندر لودھی'' سے عداوت تھی، سکندر لودھی نے ان کو دشمنی میں مردہ جانور ڈھونے اور چمڑے کا کاروبار کرنے کا کام ان پر جبراً سونپا۔ حالاں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ خود سنت ریداس نے اپنے اشلوکوں میں اپنے کو چمار ذات کہا ہے۔ ان تمام پروپیگنڈے کا واحد مقصد ہے دلتوں کو ہندتو کی تحریک سے جوڑا جائے اور اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کرائی جائے۔

(डायमंड इंडिया भीम राजिस्थान: जनवरी 2006, वर्ष 6, अंक 1, बिन्दु: दलित चेतना को पलट देने की साजिश: लेखक: भंवर मेगवशी: पृ०: 38-40)

(۹۷) The Front line new Delhi, April 26, May 9, 2003. vol. 20. No.9, pp: 93-95

(۹۸)Ludhiana Tribune,Online edition.Monday,January 2005, Chandigar-India www.tribuneindia.com/2005/20050110/idh/ htn+ caste+ murder+

insikh+ community, Topic :Dullo condemns atrocities on Dalits.

(بصراحت یہ موجود نہیں ہے کہ یہ واقعہ سکھ سماج کا ہے؛ لیکن آخر میں گرودوارا اور لنگر کے الفاظ دلالت کررہے ہیں کہ یہ واقعہ سکھ سماج کا ہی ہے، نیز www.google.com میں جب caste murder in sikh community لکھ کر تلاش کیا گیا تو مذکورہ بالا عنوان کمپیوٹر اسکرین پر آیا۔)

(۹۹)Ibid, Topic: inter-caste marriage leads to couple's murder.

(۱۰۰)Fortnightly Dalit Voice, Bangalore December 1-15, 2004, vol.23 No, 23 Topic: Sikh editor agrees with DV, P.7

(۱۰۱) **ویشنومت کی بنیاد اور تجدید کیوں ہوئی؟**

چتنیہ جی دراصل ویشنو تحریک کے مجدد تھے اس تحریک اور مت کی بنیاد ان سے تقریباً پانچ سو سال پہلے پڑ چکی تھی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کی بنیاد بھی مسلمان اور اسلام کے خلاف ڈالی گئی اور اس کی تجدید بھی مسلمان اور اسلام ہی کے خلاف ہوئی۔ اس مت کی تاریخ اس طرح ہے کہ لاہور کے راجہ جے پال دو مرتبہ سلطان محمود غزنوی کے والد امیر ناصرالدین سبکتگین متوفی ۳۸۷ھ (۹۹۷ء) جو غزنی کے حکمراں تھے پر غزنی جاکر حملے کرچکے تھے، لیکن دونوں بار شکست کھائی تھی پہلی لڑائی میں تو شکست کے بعد جان بخشی کی درخواست کرکے اپنی جان بچائی۔ جب سلطان محمد غزنوی تخت نشیں ہوئے تو انھوں نے ۳۹۱ھ (۱۰۰۱ء—۱۰۰۰ء) میں پھر غزنی پر حملہ کردیا لیکن شکست کھا گئے اور قیدی بنالیے گئے۔ ان کے لڑکے انند پال جان بچا کر لاہور بھاگ آئے اور حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ راجا جے پال کے معافی نامے اور اقرار کے بعد کہ وہ کبھی غزنی پر دوبارہ حملہ آور نہ ہوں گے اور سالانہ خراج بلا عذر وحیلہ سلطان کو غزنی بھیجتے رہیں گے، سلطان محمود غزنوی نے انھیں آٹھ ماہ بعد رہا کرکے لاہور کی جانب رخصت کردیا، جب وہ لاہور واپس آئے تو اپنے بیٹے کو تخت نشین پایا۔ بیٹے نے والد کے لیے تخت خالی کرنا چاہا، مگر جے پال نے انکار کیا اور انند پال کو سلطان محمود غزنوی کی مخالفت نہ کرنے اور سالانہ خراج بھیجنے کی وصیت کی اس کے بعد انھوں (راجہ جے پال) نے ۳۹۲ھ (۱۰۰۲ء) کے آخر یا ۳۹۳ھ (۱۰۰۳ء) کے شروع میں اپنے ایک مذہبی عقیدہ- کہ اگر راجہ دو مرتبہ دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہوجائے تو اس کو آگ میں جل کر مرجانا چاہیے- کے مطابق آگ میں جل کر مرگئے- اس کے بعد مذہبی پیشواؤں یعنی برہمنوں نے انھیں شہید کا مرتبہ دیا۔ سلطان محمود کے خلاف نفرت وعداوت اور انتقام کی جذبات مشتعل ہوئے اور راجہ جے پال کے جانشین انند پال سے محبت وہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا۔ راجہ جے پال کی خودکشی کے بعد ہندستان میں فوراً ایک ایسے مذہب ''ویشنومت'' کی بنیاد رکھی گئی جس میں بودھ اور برہمنی مذاہب کے ماننے والے دونوں شریک کیے جاسکتے تھے؛ چناں چہ تو زائیدہ برہمنی مذہب اور پرانے مسخ شدہ بودھ مذہب کے مناقشات کو دونوں مذہبوں کے پنڈتوں نے فراموش کرکے اپنی تمام تر توجہ اتفاق واتحاد اور دونوں مذہبوں کے درمیان ایک مشترک راہ ''ویشنومت'' اختیار کرکے تمام باشندگان ہند کو سلطنت غزنی کے خلاف آمادہ ہوجانے کی کوشش کی۔ پنجاب کی بدھ حکومت کے برباد ہونے پر بدھ مذہب کے اکثر پیروکار اس جدید مذہب میں جذب ہوگئے۔ سلطان محمود غزنوی کے انتقال یکم ربیع الثانی ۴۲۱ھ مطابق ۸/ اپریل ۱۰۳۰ء کے صرف سولہ سال بعد ۴۳۷ھ مطابق ۱۰۴۵ء میں ''وشنو پران'' لکھی گئی۔

''ویشنومت کی خصوصیت اور سب سے زیادہ قابل تذکرہ بات یہ تھی کہ اس میں انسان کو خودکشی کرنے اور اپنی جان کو قربان کر دینے کی تربیت دی جاتی تھی اور جو لوگ مرنے سے ڈرتے تھے ان کی تحقیر کی گئی تھی جو دلیل اس بات کی ہے کہ جے پال کی خودکشی کے بعد ہی یہ مذہب ایجاد ہوا تھا۔ جو در حقیقت ایک سیاسی تحریک تھی اور بودھ و برہمنی مذہب کے سنگھٹن سے پیدا ہوئی تھی جس کا مقصد اصلی یہ تھا کہ تمام ملک کو لڑنے اور سلطنت غزنی کے برباد کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ بعد میں جب حالات تبدیل ہو گئے اور اس تحریک کا منشائے اصلی حاصل ہونے سے مایوسی ہو گئی تو اس مذہب کی شکل بہت کچھ تبدیل ہو گئی۔ مگر وہ ایک مستقل مذہبی فرقہ کی حیثیت سے ہندستان میں باقی رہا۔''

جب اس مت کے قیام اصلی کا مقصد پورا نہ ہونے کی وجہ سے اس کی شکل تبدیل ہو گئی تو خودکشی کا طور وطریقہ اور مقصد بھی بدل گیا۔ چناں چہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اڑیسہ پر انگریزوں کے قابض ہونے کے بعد تک لوگ موکش حاصل کرنے کی غرض سے ''جگن ناتھ جی'' کی سواری کے نیچے اپنے آپ کو کچل کر جان دے دیتے تھے۔

(آئینہ حقیقت نما محولہ بالا، باب دوم۔عنوان: ویشنومت کی ایجاد، ویشنومت کی ایجاد سیاسی سازش کا شاخسانہ ۱/۱/۲۰۹-۲۱۴)

(۱۰۲) رود کوثر محولہ بالا، ص: ۴۹۳-۴۹۸- The story of sangh.By:A swayamsewak.
Topic: A welcome message to Hindus' Home coming P.11

(۱۰۳) رود کوثر محولہ بالا، ص: ۴۹۶

(۱۰۴) حوالہ سابق ص: ۴۹۳-۴۹۸، حیاکت کی حکایت محولہ بالا ص: ۱۷۳-۱۷۴
Studies in islamic culture in Indian enviroment. op.cit. p. 150

باب ہفتم

مسلم سماج
پھر ذات پات کے دلدل میں

ویشنو تحریک سے اشاعت اسلام کا عمل ضرور متاثر ہوا تھا لیکن اس کا بالکل خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ اللہ کے دیندار بندے اور صالح صوفیاء کرام، برہمنیت کے ان ہتھکنڈوں کے علی الرغم اسلام کی اشاعت میں مشغول تھے؛ اس لیے برہمنیت کے علمبردار بہت پریشان رہتے تھے اور اسلام کی مخالفت کے لیے نئے نئے ہتھکنڈے اختیار کرتے رہتے تھے۔

جلال الدین اکبر کا رویہ

چناں چہ ان کو اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کا موقع مغل دور حکومت اور سوری خاندان میں مل گیا۔ سوری خاندان (شیر شاہ سوری) کے زمانے میں مفروضہ طبقہ شرفاء خصوصاً سادات کو کافی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، ان کو ہر طرح کی سہولیات بہم پہنچائی جاتی تھیں۔(۱) مغلیہ دور میں سب سے سنہری موقع اکبر متوفی جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۴/ اکتوبر ۱۶۰۵ء کے عہد میں ملا۔ بادشاہ کا دل تو شروع سے ہی سادات کی تعظیم سے موجزن تھا وہ ان کو قتل کی سزا سے بری رکھے ہوئے تھے، جس کی تفصیلات اوپر باب چہارم میں آچکی ہیں۔ پہلے تو بادشاہ کو قابو میں کرنے کے لیے ہندو، برہمن (۲) راج پوت شہزادیوں اور خوبصورت ہندو لڑکیوں کو شاہی حرم میں داخل کیا گیا اور موقع ملتے ہی بادشاہ کو دین اسلام سے ہی بے دخل کر دیا گیا۔ عربی تعلیم اور اسلامی تہذیب پر پابندی لگوادی۔ (۳) تمام ہندو رسومات اور پوجا پاٹ محل میں شروع کروادیا اور ہندو رانیوں کے لیے شاہی حرم کے اندر مندر تعمیر کروادیا۔ ایس. سی. دوبے (S.C.Dube) لکھتے ہیں کہ:

"Brahman converts claimed that their syed status was confirmed by Emperor Akbar"(۴)

"اسلام قبول کرنے والے برہمنوں نے اپنے کو سید کا درجہ دیے جانے کا مطالبہ کیا تو بادشاہ اکبر نے انہیں دے دیا۔"

جب برہمنیت کو توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوگئی تو فوراً اس نے مسلم سماج کو اونچ نیچ کی آگ میں جھونکنے کے لیے تمام اہم امور سلطنت اور مناصب پر ہندو راجاؤں غیر ملکیوں اور ذات پات کے ماننے والوں کو بٹھوادیا اور مسلمانوں کے پس کردہ طبقات کو ایک طرف سے نظر انداز کروادیا، جس سے

ان کی معاشی حالت دن بدن خراب ہوتی چلی گئی اور معاشرہ میں ان کی عزت بھی کم ہونے لگی، لیکن جو لوگ علم کے زیور سے آراستہ ہو جاتے تھے تو ذات پات کے حامی سرکاری عہدے دار اور ذات پات کے حامی علماء نہ سہی، عوام ان کی عزت ضرور کرتے تھے اور وہ کسی نہ کسی جگہ روزی روٹی سے ضرور لگ جاتے تھے۔ برہمنیت نے ان کو مزید پریشان کرنے کی خاطر بادشاہ اکبر سے یہ حکم نافذ کروادیا کہ پانچواں ورن یعنی موہومہ نیچی اقوام کا کوئی بھی فرد علم حاصل نہ کرے۔ چناں چہ حسب ذیل شاہی فرمان جاری ہوا:

''اراذل را از خواندن علم در شہرہا مانع آیندہ کہ فساد ہا ازیں قوم می خیزد'' (۵)

''شہروں میں نیچی قوم کے لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روک دیں [روک دیا جائے] کیوں کہ ان قوموں [کے حصول علم] سے فساد برپا ہوتا ہے۔''

چوں کہ حصول علم کے بعد پس کردہ اقوام کو بھی موہوم شرفاء اور حکمراں طبقہ کے برابر ہونے کا موقع مل جاتا تھا اس لیے اس کو فساد سے تعبیر کیا گیا۔ اس بندش سے پہلے ہی پانچواں ورن (طبقہ) کی حالت غربت وافلاس کی وجہ سے خراب تھی؛ کیوں کہ یہ وہ لوگ تھے جو ہندوؤں کے پس طبقات سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے، جن کی جان ومال کا منوواد یت کے علم بردار پہلے ہی استحصال کر چکے تھے۔ جن لوگوں کو حالت تعلیم کی وجہ سے ذرا اچھی تھی، اب وہ بھی پریشان حال ہو گئے۔ مجبوراً ان بیچاروں کو زندہ رہنے کے لیے ہر طرح کے کام کرنے پڑے، حتی کہ ان کی باعزت اور معزز خواتین کو بھی شہر کی گلیوں، کوچوں، بازاروں اور ہاٹوں میں حصول رزق کے لیے جانا پڑا۔

یہ بندش صرف اکبر کے زمانہ ہی میں نہیں تھی بلکہ مشہور اسکالر جناب پروفیسر یوگیندر سکند کے الفاظ میں:

"While madrasas were open to all Muslims, in general it appears that the leading 'ulama, as well as Sufis, were drawn almost entirely from the ashraf, Muslims of Iranina, central and west Asian extraction, who considered themselves superior to the indigenous converts. Access to the Islamic scriptual tradition was saught to be kept a closely guarded preserue of the ashraf, for it was a crucial means to guarantee their own claims to higher social standing."(۶)

''مدرسوں کا دروازہ تمام مسلمانوں کے لیے کھلا تھا، لیکن عموماً یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ تقریباً تمام بڑے علماء اور صوفیاء کا تعلق مغربی اور سنٹرل ایشیا کے عربی النسل نیز ایرانی اشراف مسلمانوں سے تھا، جو کہ ہندستانی مسلمانوں سے اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھتے تھے۔

اسلامی خدائی تعلیمات کے تشریح اس طرح کی جاتی تھی جو کہ اشراف کے مفاد کی محافظ ہو
یعنی ان کے اعلی ہونے کے دعوے کی تائید کرے۔"

ابوالفضل کی روش

صرف بادشاہ سلامت ہی برہمنیت کے جال میں گرفتار نہ تھے بلکہ اس دور کے بہت سے علماء بھی موہوم شرافت نسبی کے نشہ میں سرشار تھے۔ ابوالفضل سے کون واقف نہیں ہے؟ اتنے بڑے علم ہونے کے باوجود کسی شخص سے کسی معاملہ میں وہ جب حجت کرتے اور مدمقابل شخص کسی مجتہد کا قول پیش کرتا، اگر وہ مجتہد موہومہ نیچی ذات سے تعلق رکھتا تو وہ (ابوالفضل) مدمقابل کا جواب یوں دیا کرتے:

"فلاں حلوائی، فلاں موچی اور فلاں چرم فروش کا قول ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔" (۷)

غرض کہ ذات پات اور اونچ نیچ کا نظام اتنا پختہ اور سخت ہو گیا تھا کہ پس کردہ طبقات پر کھلے ظلم ہوتا تھا، مغلیہ دور حکومت میں زمیندارانہ سسٹم نے اس اونچ نیچ کو اور بھی فروغ دیا۔ پنجاب کو چھوڑ کر پورے ہندستان میں صرف خود ساختہ شرفاء کو چن چن کر زمینداری دی گئی، لیکن اس کے برعکس مزعومہ نیچی اقوام کو اس کا حق دار تو کیا، اس کے لائق بھی نہیں سمجھا گیا۔ (۸) اگر موہوم نیچی ذاتوں کے بعض افراد کو زمینداری ملی بھی تو اس وقت موہومہ شرفاء کہلانے کی وجہ سے ملی، بھلے ہی بعد میں وہ مزعومہ چھوٹی ذات شمار کیے جانے لگے ہوں۔

"عالمگیر [اورنگ زیب عالمگیر] کے زمانے میں تھوڑا انقلاب پیدا ہوا، مگر وہ انقلاب زیادہ تر سیاسی تھا، جاہل [غیر تعلیم یافتہ] اور نادار لوگوں کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ علم، دولت اور جائداد وغیرہ صرف انھیں لوگوں کے حصہ میں رہا جو با اقتدار تھے اور جن کو امور سلطنت میں دخل تھا۔" (۹)

نیز ان کے دور میں اکبر کے دور سے بھی زیادہ ہندوؤں کو مناصب اور عہدے ملے۔ ہندو مندروں اور پنڈتوں و پجاریوں کو جاگیر اور فرامین عطا ہوئے۔ ان کی ہندو راجپوت بیوی 'بائی اودے پوری' تو تھی ہی، انھوں نے اپنے بیٹے شہزادہ معظم کی شادی بھی بڑے دھوم دھام سے راجہ روپ سنگھ کی ہندو بیٹی سے کی اور ان دونوں خواتین (بیوی اور بہو) پر مسلمان ہونے کے لیے تاحیات دباؤ نہ ڈالا۔ (۱۰) لیکن کیا پس کردہ مسلم برادریوں کی ترقی کے لیے الگ سے کچھ کیا گیا ہو اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ ایک قابل غور بات یہ ہے کہ ان کے دور میں انھی کے حکم پر "فتاوی عالمگیری" کی ترتیب عمل میں آئی، جس میں مرجحہ مسئلہ کفو جو اونچ نیچ پر قائم ہے، پر بڑی تفصیل سے بحث کی گئی: (۱۱) لیکن اس کے خلاف ان کی

صدائے احتجاج کہیں نظر نہیں آتی۔

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر (۱۸۶۲-۱۷۷۵ء جن کی ماں ''لال بائی Lal Bai'' ہندو تھیں) بے شمار مصیبتوں میں گھرے ہوئے تھے۔ان کی اپنی حکومت باقی نہ رہ گئی تھی، وہ انگریزوں کے رحم وکرم پر تھے۔مگر ان حالات کے باوجود ذات پات پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ چنانچہ جب ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ/غدر/جہاد (جس میں سرسید احمد خان کے بقولہ سب سے زیادہ انصاری/جولاہا سرگرم تھے۔جس کی تفصیلات اس کتاب کے باب نہم میں آرہی ہیں) شروع ہوا تو بادشاہ نے نواب سید حامد علی خان (جن کا ایک لاکھ روپیہ اور اس کے سود کی ایک بڑی رقم بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے یہاں باقی تھی) (۱۲) کو ۲۹/ رمضان ۱۲۷۳ھ مطابق ۲۴/ مئی ۱۸۵۷ء میں حکم دیا کہ پانچ سو آدمیوں کی بھرتی کریں۔اس کی خبر دہلی اردو اخبار میں اس طرح شائع ہوئی:

> ''سنا گیا کہ جناب نواب اعتماد الدولہ سید حامد علی خاں بہادر مشرف دربار گہر بار سلطانی ہوئے۔از روئے مرحمت خسروانی حکم قضا شیم صادر ہوا کہ پانسو آدمی کی بھرتی کریں اور زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ اس بھرتی میں شیخ، سید، مغل اور پٹھان قوم شریف جلیل اور جری۔ نیچ قوم نہ ہوں۔'' (۱۳)

جناب عبداللطیف کی کتاب ''۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ'' مرتبہ: خلیق احمد نظامی میں ہے کہ:

> ''جس وقت بادشاہ مجرائیوں کا سلام لے رہے تھے، قاضی فیض اللہ کو کوتوال بننے کی ہوس پیدا ہوئی۔ان کی خواہش پوری ہوئی۔ان کا حسب ونسب معلوم کر کے مرزا مغل کو اشارہ کیا گیا کہ منصب کوتوالی پر انہیں متعین کر دیا جائے۔'' (۱۴)

راشٹریہ سہارا اردو، نئی دہلی مورخہ ۱۸/اپریل ۲۰۰۶ء میں خبر آئی تھی کہ بہادر شاہ ظفر کے کے پوتے جناب بیدار بخت مرحوم کی بیوی سلطانہ بیگم اور ان کی بیٹیاں کلکتہ کے اندر ہاوڑہ کے ایک چھوٹے سے محلہ شعوپہ میں ایک کمرہ کے چھوٹے سے مکان میں گزارہ کرنے پر مجبور ہیں۔ان کی رزق کا ذریعہ ایک چائے کی دوکان ہے جسے ۵۲ سالہ سلطانہ بیگم چلاتی ہیں۔ان کی نوجوان بیٹیوں کو غنڈے اور اوباش قسم کے لوگ پریشان کرتے رہتے ہیں۔

دوسرے علماء اور شاہ ولی اللہ فاروقی دہلوی کا طرز عمل:

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ-۹۵۸ھ مطابق ۱۶۴۲ء-۱۵۵۱ء) جو اکبر بادشاہ کے زمانہ میں تھے انھوں نے ذات پات اور پیشہ کی رذالت کے تصور کو غلط قرار دیا۔ پیشہ اور پیشہ ور

برادریوں خصوصاً انصاری (جولاہا) کی مذمت میں جو احادیث نقل ہوئی ہیں۔ جن میں سے بعض احادیث کا تذکرہ اس کتاب کے باب نہم ''ذات پات اور معاصر علماء وزعماء'' زیر عنوان مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی آ رہا ہے۔ تمام احادیث کی تحقیق کر کے سب کو موضوع قرار دیا۔ (۱۵)

امام محمد بن یعقوب اللغوی الفیروز آبادی صاحب القاموس ۸۱۷ھ - ۷۲۹ھ مطابق ۱۳۲۸-۲۹ء نے اپنی کتاب سفر السعادۃ میں لکھا ہے کہ کسب (پیشہ) اور مال کی مذمت میں کسی طرح کی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے ''بَابُ ذَمِّ الْكَسْبِ وَالْمَالِ مَا ثَبَتَ فِيهِ شَيْئٌ'' (۱۶)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''ودر باب ذم کسب وفتنہ مال چیزے ثابت نہ شدہ ودر فتنہ مال فی الجملہ احادیث صحیحہ واقع شدہ ونص قرآن بداں ناطق است، وچوں در مدح کسب حلال وترغیب درآن احادیث صحیحہ ورود یافتہ آنچہ در ذم مطلق آں واقع شدہ باشد ضعیف بود یا موضوع۔'' (۱۷)

''کسب [حلال] کی مذمت اور مال کی فتنہ ہونے کے سلسلے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے، فتنۂ مال کے متعلق کچھ صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور نص قرآن بھی اس کے ساتھ ناطق ہے، مگر چوں کہ کسب حلال کی تعریف اور اس کی ترغیب میں صحیح حدیثیں وارد ہوئی ہیں؛ اس لیے جو مطلق کسب کی برائی میں حدیثیں واقع ہوئی ہیں، وہ ضرور ضعیف ہیں یا موضوع۔''

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل ۲رفروری ۱۷۰۳ء میں شاہ ولی اللہ فاروقی دہلوی پیدا ہوے جو آگے چل کر ایک معتبر اور مستند عالم شمار کیے گئے۔ لیکن انھوں نے ذات پات اونچ نیچ پر قائم مروجہ وفقہی کفو کی مخالفت کے بجائے موافقت کی اور اس کے لیے انھوں نے ایک صحیح حدیث۔ جس میں صرف دینداری دیکھ کر شادی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کی بھی تاویل کر ڈالی اور اپنی تاویل کو مدلل کرنے کے لیے انھوں نے حضرت عمرؓ کے ایک منقطع قول (اثر) کا سہارا لیا، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ اِنْ لَا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ.'' (۱۸)

''جب تمھارے پاس کوئی ایسا شخص شادی کا پیغام لائے جس کی دینداری اور اخلاق تمھارے نزدیک پسندیدہ ہو تو اس کے ساتھ شادی کر دو اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا۔''

''میں کہتا ہوں، اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نکاح کے اندر کفو کا اعتبار نہیں ہے اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے حالاں کہ ہر قسم کے لوگوں کی سرشت میں کفو کا ہونا داخل ہے اور کبھی کفو میں عیب لگانا قتل سے زیادہ [سخت] ہوتا ہے۔ لوگ مختلف مرتبوں کے ہوتے ہیں اور شریعت اس قسم کی باتوں کو نظر انداز نہیں کرتی۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

''لَأَمْنَعَنَّ النِّسَاءَ اِلَّا مِنْ اَكْفَائِهِنَّ''(۱۹) .

''میں عورتوں کو ان کے کفو کے لوگوں کے سوا سب سے [شادی کرنے سے] منع کروں گا۔''

بلکہ اس حدیث سے رسول ﷺ کی مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی دینداری اور اخلاق پسند کرنے کے بعد اس کی کمتر باتوں کو نہ دیکھے کہ مثلاً وہ قلیل المال اور پریشان حال ہے اور وہ بدصورت ہے یا باندی کا لڑکا ہے اور اس قسم کے دیگر اسباب۔ کیوں کہ تدبیر منزل کا سب سے بڑا مقصد خوش خلقی میں موافقت اور اس کے سبب سے دین کی اصلاح کا ہونا ہے۔(۲۰)

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ شاہ ولی اللہ فاروقی دہلوی کو یہ علم نہ تھا کہ ذات پات ختم کرنے اور اسلامی مساوات اپنانے سے اسلام کی اشاعت ہوتی ہے۔ ان کو یہ نہ صرف پتہ تھا بلکہ خود ان کا تجربہ بھی تھا، لیکن ان سب کے باوجود انھوں نے اشاعت اسلام کے سرچشمہ انسانی مساوات پر غیر اسلامی چیز ذات پات کو ترجیح دی؛ چناں چہ ایک مرتبہ وہ اپنے گھر سے بیل گاڑی کے ذریعہ دہلی جارہے تھے گاڑی بان (مزعومہ) چھوٹی ذات کا ہندو تھا، شاہ صاحب نے اس کو اپنے دسترخوان پر بیٹھا کر کھانا کھلایا۔ وہ ان کے کردار اور اسلام کے تصور مساوات سے اتنا خوش اور متاثر ہوا کہ دہلی پہنچ کر گھر واپس جانے کے بجائے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرلیا۔(۲۱)

شاہ ولی اللہ فاروقی دہلوی کے برعکس ان کے ہمعصر مشہور عالم دین، صاحب مالا بدمنہ، والتفسیر المظہری، علامہ قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی حنفی (۱۲۲۵ھ-۱۱۴۳ھ مطابق ۱۸۰۱ء-۱۷۲۲ء) نے ذات پات، تفاخر بالانساب اور مروجہ فقہی مسئلہ کفو کی سخت مخالفت کی، اس کو اسلام کے منافی قرار دیا اور شادی بیاہ میں صرف دین وتقویٰ کے اعتبار کرنے کو ہی اسلامی کفو بتایا۔ اپنی مشہور کتاب ''مالا بدمنہ''- جو آج بھی اکثر مدارس نظامیہ کے نصاب میں شامل ہے- میں لکھتے ہیں:

''در حدیث آمد کہ طلب حلال فرض است بعد فرائض و بہترین کسب عمل دست خود است۔ داؤد علیہ السلام عمل دست می کرد و می خورد، زرہ می ساخت، دیگر بیع مبرور بہتر است یعنی بیع کہ پاک باشد از فساد و کراہیت۔''(۲۲)

”حدیث میں آیا ہے کہ فرائض کے بعد حلال (کسب) روزی کی طلب فرض ہے۔ بہترین کمائی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کسب کرتے تھے اور کھاتے تھے، زرہ بناتے تھے۔ دیگر پاک خرید وفروخت بہتر ہے۔ یعنی ایسی خرید وفروخت جو کراہیت اور فساد سے پاک ہو۔“

وہ تفاخر انساب کے متعلق لکھتے ہیں:

”مسئلہ: تفاخر بانساب حرام است و نیز تکاثر بمال و جاہ حرام است، کریم تر نزد خدا متقی تر است۔“ (۲۳)

”نسبوں پر باہمی فخر کرنا [تفاخر بالانساب] حرام ہے۔ نیز مال اور جاہ پر فخر کرنا حرام ہے۔ اللہ کے نزدیک شریف تر وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔“

شادی بیاہ میں کفو وغیرہ کے سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں:

”مصلحت دینی و دنیوی آں است کہ در مناکحت دینداری را منظور دارد، چوں دریں زمانہ دریں شہر مذہب روافض بسیار شیوع یافتہ است و شرفاء بیشتر بر علو نسب یا رفاہ معیشت نظری دارند، اول رعایت دین باید کرد، دختر بکسے رافضی یا متہم برفض اگرچہ صاحب دولت و عالی نسب باشد، نباید دارد، روز قیامت سوائے دین و تقوی، ہیچ بکار نخواہد آمد و نسب راں نخواہد پرسید

کہ ایں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست“ (۲۴)

دینی و نیوی مصلحت اس میں ہے کہ نکاح میں دینداری کا لحاظ کرے۔ جب کہ اس زمانہ میں، اس شہر میں مذہب روافض [شیعہ مذہب/مسلک] بہت زیادہ فروغ پا گیا ہے اور بیشتر شرفاء اعلی نسبی اور کثرت مال پر نظر رکھتے ہیں۔ [حالاں کہ] اول دین کو ترجیح دینا چاہیے [دین کی رعایت کرے] رافضی، شیعہ یا جو شیعت کے اتہام سے ملوث ہو اگرچہ صاحب دولت اور عالی نسب ہو سے کسی لڑکی کا نکاح نہ کرنا چاہیے۔ قیامت کے دن سوائے دین و تقوی کے کوئی چیز کام نہ آئے گی، اس سے نسب وغیرہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا کیوں کہ اس راہ میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے۔“

انھوں نے اپنی مشہور عربی تفسیر ”التفسیر المظہری“ میں بھی مرجبہ اور فقہی کفو کا رد کیا اور علم و دینداری کی وجہ سے دوسری برادری کے لوگوں کو ہر علوی اور مزعومہ شریف النسب کا کفو قرار دیا۔ (۲۵)

جس کی تفصیل باب دہم، اشاعت اسلام کی راہ میں نئی رکاوٹیں۔ زیر عنوان: نومسلموں کے مسائل اور ان کا حل، آرہی ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی تو ذات پات پر مبنی مروجہ اور فقہی مسئلہ کفو کے حامی تھے؛ لیکن ان کے برعکس ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے پیشہ اور پیشہ ور برادریوں کی توہین اور مذمت میں وارد احادیث کو موضوع قرار دیا اور کہا کہ یہ سب بعد کی پیداوار ہیں۔ پہلی صدیوں میں ان کا وجود تک نہ تھا۔ (۲۶) اس کی تفصیل باب نہم "ذات پات اور معاصر علماء وزعماء" زیر عنوان: مولانا مفتی محمد شفیع، آرہی ہے۔

مغلیہ حکومت کے زوال کے بعد اسلام کے احیاء کی خاطر بنگال میں "فرائض تحریک" اٹھی۔ اس تحریک کے بانی اور روح رواں مولانا شریعت اللہ (۲۷) (۱۸۴۰ء-۱۷۸۱ء) نے ذات پات کی سخت مخالفت کی۔ انھوں نے جہاں ایک طرف انگریزوں سے جہاد کیا اور مسلم سماج کی شرکیہ مراسم کو مٹایا وہیں دوسری طرف مسلمانوں کے درمیان پھیلے اونچ نیچ کے تصور کو بھی ختم کیا؛ چناں چہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) میں ہے:

حاجی صاحب کی تعلیم یہ تھی کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ غیر اسلامی رسوم ورواج ترک کردے۔ خدائے واحد کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ مانے، احکام شریعت پر عمل کرے اور ارکان دین کی پابندی کرے اور **تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھے**...... تحریک کی مقبولیت کے بعد اس میں بعض ایسی تعلیمات بھی شامل ہوگئیں جن سے اس کے معاشرتی وسیاسی مقاصد کا سراغ ملتا ہے، **مساوات اور اخوت کی اسلامی تعلیم سے کاشتکاروں میں جرأت پیدا ہوگئی۔**" (۲۸)

اس اصلاح ذات پات کے ضمن میں ڈاکٹر عبید اللہ فہد خان فلاحی ریڈر شعبہ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں:

"فرائضی تحریک نے ذات پات، چھوت چھات اور طبقاتی امتیازات کے خلاف اعلان جہاد کیا اور اسے روح قرآنی کے منافی بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ کسانوں، انصاریوں، تیلیوں اور دوسرے پچھڑے ہوئے طبقات میں یہ تحریک تیزی سے پھیلی۔" (۲۹)

مولانا شاہ اسماعیل شہید فاروقی (۳۰) (۱۸۳۱ء-۱۷۷۹ء) اور مولانا سید احمد شہید بریلوی (۳۱) (۱۸۳۱ء-۱۷۸۶ء) نے بھی شیخ عبدالحق محدث دہلوی، قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی حنفی، شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مولانا شریعت اللہ کی طرح ذات پات کی سخت تردید کی۔ متعدد آیات واحادیث پیش

کر کے ثابت کیا کہ یہ بالکل غیر اسلامی چیز ہے۔ اس ذات پات کے تصور کو دل و دماغ سے نکال دینا ہی اصل اسلام ہے۔ ذات پر فخر کرنا اپنے آپ کو ہلاکت کے بھنور میں ڈالنا ہے وغیرہ۔ مزعومہ رذیل اقوام کی دعوت قبول کرنے ان کے مکان پر جانے میں مفروضہ طبقہ شرفاء کے (ذات پات کے حامی) افراد کو عار محسوس ہوتی تھی۔ موہومہ نیچی برادریوں کو اچھے نام رکھنے حتی کہ انھیں اچھے کھانے تک نہیں پکانے دیا جاتا تھا۔ مولانا سید احمد شہید نے لوگوں کو جمع کر کے (جن میں مولانا عبدالحی اور مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید بھی تھے) ان چیزوں کے خلاف تقریر کی، انھیں جہالت کی باتیں قرار دیا اور کہا کہ اگر یہ باتیں دل سے نہ نکلیں تو اس کا اندیشہ ہے کہ آخر میں دین وایمان میں خلل نہ آ جائے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کو ان چیزوں کے خلاف وعظ کا حکم دیا (۳۲) جس کی تفصیلات باب چہارم میں آ چکی ہیں۔ مولانا شاہ اسماعیل شہید نے مسلک حنفی اور خود اپنے مورث اعلی شاہ ولی اللہ دہلوی کی مخالفت اور دین اسلام اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع کرتے ہوے یہاں تک لکھ دیا کہ:

> ''......اگر عورت بالغہ اپنا نکاح کسی غیر کفو [مروجہ وفقہی کفو کے اعتبار سے مزعومہ رذیل ذات] سے آپ کر لے تو اس پر کسی کو اختیار نہیں کہ فسخ کرے۔'' (۳۳)

حواشی

(۱) منتخب التواریخ بحولہ بالا۔ عنوان: ذکر سلیم شاہ بن شیرہ شاہ کا، ص: ۱۶۳-۱۶۴، اردو ترجمہ۔ اس کی تفصیلات اوپر باب چہارم میں گزر چکی ہیں۔

(۲) یہ بات محتاج بیان نہیں کہ اکبر نے ہندو راجپوت شہزادیوں سے شادیاں کیں؛ لیکن جناب راجندر نے لکھا ہے کہ اکبر کی بیوی برہمن تھی۔ دیکھیے Rajendar: Muslim failure to see through brahminical tricks, foreward by V.T. Rajshekar. topic: Brahamin girls marry Muslims p.4. اردو ترجمہ: اقبال احمد شریف ایڈوکیٹ۔ پیش لفظ: وی.ٹی. راج شیکھر: برہمنی عیاری سے مسلمانوں کی غفلت۔ عنوان: برہمن لڑکیوں کی مسلمانوں سے شادیاں، ص: ۲

(۳) عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، عنوان: حکم ترک علوم عربیہ، ۲/۱، ۳۶۳ حکم بترک کتب وتفسیر واحادیث ۲/۱، ۳۰۶، ۳۰۷

(۴) Dube, S.C.: Indian society, ch.iii, varna and jati, p.61

(۵) منتخب التواریخ۔ عنوان: احکام ۲/۱، ۳۵۶-۳۵۷

(۶) Yogender Sikand: Bastions of the Believers, (Madrasas and Islamic Education in India), ch.2, Madrasas in India: Historical Evdution, Topic: Women and the Low, castes, p.36

(۷) منتخب التواریخ عنوان: شیخ ابوالفضل کی بازیابی ۲/۱، ۳۳۴۔ (اردو)

(۸) میاں محمد زین العابدین: واقعات راعین، عنوان: عہد مغلیہ میں راعین کی حالت، ص: ۴۵

(۹) حوالہ سابق، ص: ۴۵

(۱۰) اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر، باب ۳۔ مرکز سے مخالفت۔ عنوان: مغل افواج میں ہندوؤں کی تعداد کی تقابلی فہرست ص ۲۶-۲۷، ۱۵، ۲۲۔ شوکت علی فہمی: ہندستان پر مغلوں کی حکومت، ص: ۳۲۲، ماہنامہ حیات نو۔ بلریا گنج اعظم گڑھ۔ جنوری وفروری ۱۹۹۹ء، جلد: ۱۵، شمارہ: ۱-۲، عنوان: تاریخ ہند کا المیہ، از: مختار احمد مکی، ریڈر شعبہ سیاسیات کریم سٹی کالج جمشید پور (بہار) ص: ۳۳

मौलाना अताउर्रहमान कासमी: हिन्दू मन्दिर और औरंगजेब के फरामीन:

(۱۱) العلامة الهمام مولانا الشيخ نظام و جماعة من علماء الهند العلام: الفتاوى الهندية (الفتاوى العالمكيرية) كتاب النكاح۔ الباب الخامس في الاكفاء ۲/۱۲، ۱۴-

(۱۲) خلیق احمد نظامی عبداللطیف کا ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، عنوان: اشخاص۔ حامد علی خاں بہادر، ص: ۱۷۶

(۱۳) دہلی اردو اخبار ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء، ۲۹ رمضان ۱۲۷۳ھ بروز یکشنبہ بحوالہ عتیق احمد صدیقی: ۱۸۵۷ء کے اخبارات اور دستاویزیں۔ ص: ۱۰۰

(۱۴) عبداللطیف کا ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ۔ عنوان: ۲۲ رمضان [۱۲۷۳ء] ۱۷ مئی [۱۸۵۷ء] ص: ۱۲۴-۱۲۵

(۱۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی: شرح سفر السعادۃ، بحوالہ: مولانا محمد حیات سنبھلی: رفع اللقب عن النسب واللکسب معروف بہ بہار صنعت وحرفت عنوان: موضوع احادیث درمذمت پارچہ بافان، ص: ۶۹-۷۳

(۱۶) امام محمد بن یعقوب اللغوی الفیروز آبادی: کتاب سفر السعادۃ باب خاتمۃ الکتاب، ص:۱۱۶

(۱۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی: کتاب شرح سفر السعادۃ بحولہ بالا، در باب ذم کسب وفتنہ مال، ص:۲۰۷

(۱۸) اس حدیث کی تخریج ترمذی (سنن الترمذی: کتاب النکاح، باب ماجاء اذا جاء کم من ترضون دینہ فزوجوہ ۳۸۶/۳ حدیث رقم:۱۰۸۳،) ابن ماجہ (سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح باب:۴۶، الاکفاء ۶۳۲/۱ حدیث رقم:۱۹۷۵)، حاکم: (المستدرك علی الصحیحین ،کتاب النکاح ۱۶۵/۲) اور عبدالرزاق: (المصنف، کتاب النکاح باب الاکفاء تحقیق: حبیب الرحمٰن الاعظمی ۱۵۳/۶، حدیث رقم:۱۰۳۲۵) نے کی ہے، امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے (سنن الترمذی حوالہ مذکور) جامع الاصول فی احادیث الرسول، کے محقق علامہ عبدالقادر الارناووط نے اس کو حسن کہا ہے (امام مجدالدین ابن اثیر: جامع الاصول فی احادیث الرسول، کتاب النکاح باب الفرع الثالث فی الکفاءة ۴۶۶/۱۱) امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی تائید کی ہے (المستدرك علی الصحیحین، المذکور اعلاہ)

محدثین اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس شخص سے لڑکیوں کا نکاح نہیں کرو گے، جس کے دین واخلاق تمھیں پسند ہوں اور تم صرف حسب ونسب حسن وجمال کے چکر میں پڑے رہو گے تو فتنہ فساد برپا ہوگا؛ کیوں کہ یہ چیز باعث فتنہ وفساد ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ اگر تم صاحب مال اور صاحب جاہ کی تلاش میں رہو گے تو بہت سی عورتیں اور مرد بے شادی کے پڑے رہ جائیں گے، پھر اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زنا وبدکاری عام ہو جائے گی اور اولیاء واقرباء کو غیرت وحمیت اور ننگ وعار لاحق ہوگی، پھر قتل وخون ریزی کا بازار گرم ہو جائے گا۔ اس حدیث میں جمہور فقہاء کے مقابلہ میں امام مالک کے لیے حجت ہے کیوں کہ اس میں دین میں کفاءت [کفو] کی بات کہی گئی ہے اور امام مالک بھی صرف دین کا ہی اعتبار کرتے ہیں۔ (جامع الترمذی مع تقریر العلامہ شیخ الھند محمود الحسن، ابواب النکاح عن رسول ﷺ. باب ماجاء من ترضون دینہ فزوجوہ، حاشیہ ۱۲۸/۱۔ مطبوعہ کتب خانہ رشید یہ دھلی، علامہ عبد الرحمن مبارك پوری: تحفة الاحوذی کتاب النکاح باب ماجاء من ترضون دینہ فزوجوہ ۲۰۵/۴)

(۱۹) اس اثر (روایت) کی تخریج عبدالرزاق (المصنف، کتاب النکاح باب الاکفاء۔ ۱۵۲/۶ حدیث رقم:۱۰۳۲۴) امام محمد (کتاب الآثار، کتاب النکاح، باب: تزویج الاکفاء وحق الزوج علی زوجه، ص:۸۷) دارقطنی (السنن کتاب النکاح، ۳۱۵/۲/۱) اور بیہقی (السنن الکبری، کتاب النکاح، باب اعتبار الکفاءة ۱۳۳/۷) نے کی ہے۔ امام دارقطنی (معرفته السنن والاثار، کتاب النکاح ......، حاشیہ، ۲۴/۱۰) اور علامہ البانی نے اس اثر کو منقطع کہا ہے کیوں کہ اس کی سند میں ابراہیم بن طلحہ ہیں اور حافظ مزنی کا کہنا ہے کہ اس کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں۔ حافظ ابن حجر نے تھذیب التھذیب (ج:۲/۶۵) میں ان کی تائید کی ہے۔ علامہ البانی مزید لکھتے ہیں کہ اس میں دوسرا راوی عبداللہ بن رواد ہے اور علماء اسماء الرجال نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ عبداللہ ابن رواد لم اجد له ترجمة اس لیے یہ مجہول ہوا۔ اس کے ساتھ الفاظ کی روایت میں جعفر بن عون نے ان کی مخالفت کی ہے۔ جعفر ثقہ ہیں اور شیخین [امام بخاری، امام مسلم] کے رجال میں سے ہیں: لیکن چوں کہ علت پہلے سے قائم ہے اس لیے سند منقطع ہونے کی وجہ سے ہر حال میں یہ (اثر، روایت) ضعیف ہوئی۔

فھو ضعیف علی کل حال (علامہ محمد ناصر الدین البانی: ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل ۲/۲۶۶، حدیث رقم: ۱۸۶۷ ہے۔) امام محمد کی روایت میں حضرت عمرؓ سے روایت کرنے والے راوی کا نام معلوم نہیں ہے، صرف ''رجل'' (ایک شخص) مذکور ہے۔ اس کی سند یہ ہے: ''محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن رجل عن عمر بن الخطاب (امام محمد: کتاب الآثار، محولہ بالا، ص: ۷۸) چوں کہ حضرت عمرؓ سے جو شخص روایت کر رہا ہے وہ مجہول ہے لہٰذا یہ روایت مرسل اور ضعیف ہوئی اور جب روایت ضعیف ہوئی تو اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲۰) امام شاہ ولی اللہ دہلوی: حجة اللہ البالغة۔ من ابواب تدبیر المنزل، الخطبة و ما یتعلق بھا ۱/۲/۲۷، حجة اللہ البالغة، اردو ترجمہ: علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی: نعمة اللہ البالغة، تدبیر منزل کے ابواب کا بیان۔ عنوان: پیغام نکاح اور اس کے متعلقات ۲/۳۶۲۔ مزید ملاحظہ ہو: شاہ ولی اللہ دہلوی: فقہ عمر۔ رسالہ در مذہب فاروق اعظم کتاب النکاح، ص: ۱۸۹۔ اردو ترجمہ: امام خان نوشہروی

(۲۱) متین طارق باغپتی: دعوت حق اور غیر مسلم، ص: ۲۱-۲۲

(۲۲) قاضی ثناء اللہ پانی پتی: مالا بدمنہ۔ فصل در کسب و تجارت و اجارہ، ص: ۱۰۷، مع حاشیہ اردو: مولانا کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی مفتی دارالعلوم دیوبند

(۲۳) حوالہ سابق۔ کتاب التقوی۔ فصل در متفرقات و آداب معاشرت، ص: ۱۲۱

(۲۴) حوالہ سابق۔ وصیت نامہ جناب قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص: ۱۴۹-۱۵۰

(۲۵) قاضی ثناء اللہ پانی پتی عثمانی حنفی، التفسیر المظہری، سورۃ: الاحزاب، آیت: ۳۶، ۷/۳۴۵

(۲۶) مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی: انساب و کفائت کی شرعی حیثیت، عنوان: بعض پیشہ وروں کی مذمت کی حدیثیں، ص: ۵۹

(۲۷) مولانا شریعت اللہ، صوبہ بنگال کے ضلع فرید پور کے ایک گاؤں بندر کھولہ میں پیدا ہوئے۔ وہ اہلحدیث تھے۔

(۲۸) ف۔ الغیوم۔ عنوان: فرائض فرقہ ۱۵/۲۲۳

(۲۹) ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی: تاریخ دعوت و جہاد، برصغیر کے تناظر میں۔ پانچواں باب۔ فرائض تحریک، ص: ۱۴۷

(۳۰) مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید: تقویۃ الایمان۔ تذکرۃ الاخوان بقیہ تقویۃ الایمان۔ الفصل السابع فی ذکر رد الرسوم۔ دوسری رسم۔ افتخار بالانساب، ص: ۱۷۲ تا ۱۷۹

(۳۱) مولانا شاہ اسماعیل شہید: صراط مستقیم (اردو۔ مترجم غیر معلوم) عنوان: دوسرا فائدہ، ف، ص: ۷۵-۷۶ اس کتاب پر مصنف کی حیثیت سے مولانا شاہ اسماعیل شہید کا نام درج ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبدالحئی اور مولانا شاہ اسماعیل شہید نے مولانا سید احمد شہید بریلوی ہی کے اقوال و ارشادات کو فارسی میں منضبط کر کے اس کا نام صراط مستقیم رکھا۔ (شیخ محمد اکرام: موج کوثر، باب: حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کے کارنامے، عنوان: سید احمد بریلوی، ص: ۲۰)

(۳۲) سیرت سید احمد شہید، محولہ بالا، پانچواں باب عنوان: دہلی سے سہارنپور ۱/۱۰۷-۱۱۹

(۳۳) مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید: تقویۃ الایمان۔ تذکرۃ الاخوان بقیہ تقویۃ الایمان۔ الفصل السابع فی ذکر رد الرسوم عنوان: دوسری رسم افتخار بالانساب، ص: ۱۷۴ مطبع مجتبائی دہلی۔

باب ہشتم

برہمنی تحریکات نئے بھیس میں

جب علماءِ حق نے ذات پات سے اوپر اٹھ کر اسلام کی تبلیغ کی کوشش کی اور اس کے نتیجے میں اسلام کی اشاعت از سرِ نو شروع ہوئی تو برہمنیت اور منوواد یت کی نیند حرام ہوگئی۔ اس نے دیکھا کہ مسلمانوں کے درمیان ہماری قائم کردہ اونچ نیچ کی خلیج پٹ رہی ہے اور ذات پات کی نفرت کم ہو رہی ہے تو اس نے ایک بار پھر اسلام کے وجود کو ختم کرنے کے لیے تحریکات کا سلسلہ شروع کیا۔

برہمو سماج

اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے موضع رادھا نگر ضلع مرشد آباد (بنگال) کے ایک برہمن راجہ رام موہن رائے جی، نے ۱۸۱۶ء میں ایک انجمن ''آتمیا سبھا'' (आत्मीय सभा روحانی سوسائٹی) کے نام سے قائم کی جس کے ممبر دوار کا ناتھ ٹیگور جی بھی تھے۔ انھوں نے ۱۸۲۸ء میں کلکتہ میں ''چیت پور روڈ'' پر اس انجمن کے لیے ایک وسیع و عریض مکان خریدا اور اس انجمن کا باقاعدہ افتتاح ۲۳ر جنوری ۱۸۳۰ء کو کیا اور اپنی جماعت کا نام ''برہموسماج'' (ब्रहमो समाज) رکھا انھوں نے لوگوں کو اپنی برادری میں شامل کرنے کے لیے اپنی برادری کا دروازہ تمام طبقوں اور ذاتوں کے لیے کھلا رکھا؛ لیکن ان کا مقصد ہندومت کے مدمقابل دوسرا دھرم قائم کرنا نہ تھا اور وہ اس کا اظہار اپنے سماج کے لوگوں کے سامنے بھی کیا کرتے تھے؛ چناں چہ انھوں نے ایک بار لوگوں کے سامنے کہا:

''ان کے ذہن میں کسی نئے فرقے کی بنیاد رکھنے کا خیال نہیں ہے۔'' (۱)

وہ صرف ایک ہندو مصلح تھے جو ہندو دھرم کی غلط رسوم کو مٹا کر ہندوازم کا احیاء چاہتے تھے اور برہمن کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں کو باقی رکھنا چاہتے تھے؛ چناں چہ انھوں نے مذکورہ بالا عمارت میں ایک کمرہ برہمنوں کے لیے خاص کر دیا تھا جس میں صرف وہی عبادت کر سکتے تھے۔ انھوں نے خود اپنا باورچی ایک برہمن کو ہی مقرر کیا تھا۔ انھوں نے اپنا جنیو (زُنّار) بھی باقی رکھا تھا اور موت کے وقت تک وہ زنار ان کے جسم پر رہا۔ ان کی تدفین میں ان کے برہمن ملازم نے تمام ہندوانہ رسوم ادا کیے جو ایک برہمن کے لیے مخصوص ہیں۔

ان کی وفات کے بعد دوار کا ناتھ ٹیگور جی کے فرزند ارجمند مہرشی دیوندر ناتھ ٹیگور جی نے اس تحریک کی باگ ڈور سنبھالی اور ۱۸۴۴ء میں اسے نئے سرے سے منظم کیا نیز اس کا نام تبدیل کر کے ''آدی

برہموسماج'' (आदि ब्रह्मो समाज) رکھا؛ لیکن ان کا بھی وہی مقصد تھا جو راجہ رام موہن رائے جی کا تھا، یعنی برہمن کی فضیلت اور بلند مقامی کی حفاظت کرنا؛ چناں چہ آریہ سماج کے ایک مشہور لیڈر لالہ لاجپت رائے جی نے اپنی کتاب ''آریہ سماج کی تاریخ'' میں لکھا ہے:

''کلکتہ میں دیانند کی ملاقات رابندر ناتھ ٹیگور کے والد مہرشی دیوندر ناتھ ٹیگور سے ہوئی، **جن کا برہمو سماجی عقیدہ برہمو سماج کے دوسرے لیڈروں کے مقابلے میں سوامی دیانند کے عقیدے سے قریب تر تھا۔**'' (۲)

یہ بات بالکل عیاں اور ثابت شدہ ہے کہ برہمن ذات کے سوامی دیانند سرسوتی جی برہمنوں کی برتری وفضیلت کے حامی اور ذات پات چھوت چھات پر قولاً وعملاً سختی سے کاربند وعمل پیرا تھے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ شاید اسی (ذات پات اور چھوت چھات میں) یکسانیت کی وجہ سے برہمو سماجیوں نے سوامی دیانند سرسوتی سے درخواست کی تھی کہ وہ اس تحریک (برہموسماج) کے کام میں تعاون کریں۔ جیسا کہ مصنف مذکور لکھتے ہیں:

''کلکتہ میں برہموسماج نے دیانند کا پرتپاک خیر مقدم کیا، برہموسماج کے کئی لیڈروں نے بھی اپنی تحریک کے لیے ان کا تعاون حاصل کرنے کے لیے ان سے تبادلہ خیال کیا؛ لیکن ویدوں کی الہامی حیثیت اور مسئلہ تناسخ کے بارے میں سوامی دیانند اپنا عقیدہ ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوسکے اور یہی دونوں اصول آریہ سماج اور برہموسماج کو ایک دوسرے سے ممیز کرتے ہیں۔'' (۳)

برہموسماج کے قیام کا جو مقصد تھا یعنی ہندوؤں خصوصاً شودروں، دلتوں اور مزعومہ چھوٹی ذاتوں کے ہندوؤں کو تبدیلی مذہب سے روکنا۔ اس میں یہ تحریک اور جماعت کامیاب رہی؛ چناں چہ سوامی دیانند سرسوتی جی جہاں ایک طرف ''برہموسماج'' اور ''پرارتھنا سماج'' پر ان کی بظاہر اصلاح ذات پات اور چھوت چھات کی وجہ سے تنقید کرتے ہیں، وہیں دوسری طرف اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ انھوں نے ہندوؤں کو تبدیلی مذہب سے بچایا؛ چناں چہ وہ رقم طراز ہیں:

''...... برہم [برہمو] سماج اور پرارتھنا سماجیوں نے عیسائی مذہب میں شامل ہونے سے تھوڑے لوگوں کو بچایا۔'' (۴)

اوپر یہ آچکا ہے کہ برہموسماج کے بانی راجہ رام موہن رائے جی کی طرح ان کے جانشین دیوندر ناتھ ٹیگور جی کا مقصد بھی ذات پات اور برہمن کی برتری اور فضیلت کو باقی رکھنا تھا؛ اس لیے ان کے اور

اس سماج کے ایک سرکردہ رہنما بابو کیشب چندرسین جی کے درمیان شدید اختلاف ہوگیا۔ کیوں کہ کیشب جی ذات پات کی تفریق کو جڑ سے ختم کرنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد برہمنوں کی فضیلت کو برقرار رکھنا نہ تھا؛ بلکہ تمام لوگوں کو برابری کا حق دینا تھا۔ اس لیے انھوں نے کہا کہ جو لوگ بھی سماج کے مندر میں آئیں وہ زنار اتار دیں تاکہ اونچ نیچ کا امتیاز جو زنار سے ظاہر ہوتا ہے، وہ باقی نہ رہے۔ دیوندر ناتھ جی نے اس تحریک سے اپنا زنار تو اتار دیا لیکن دوسرے لوگوں کو اپنی حالت پر برقرار رہنے دیا پھر کیشب جی نے اگست ۱۸۶۴ء میں دو مختلف ذات کے ہندوؤں میں شادی کرادی۔(۵) تو دیوندر ناتھ ٹیگور جی کو یہ بدعت پسند نہ آئی؛ کیوں کہ اس شادی سے علی الاعلان برہمنیت کے خاتمے کے آثار جھلک رہے تھے۔

لٰہذا دونوں نے ایک ہی سال بعد ۱۸۶۵ء میں جدائی اختیار کرلی۔ کیشب جی نے ۱۸۶۶ء کے بعد ہندستان کے برہمو سماج (بھارت ورشیہ برہمہ سماج भारतवर्षीय ब्रहमो समाज) کے نام سے اپنی ایک نئی تحریک کی داغ بیل ڈالی۔ انھوں نے شروع میں ہندومت کی بہت سی قبیح رسوم اور خاص طور سے ورن آشرم کی اصلاح کی۔ لیکن چوں کہ انھوں نے برہمو سماج کے مؤسس راجہ رام موہن رائے جی اور ان کے جانشینوں کے مقصد کے خلاف برہمنوں کی فضیلت کو نظر انداز کرتے ہوئے تمام انسانوں کو برابری کا درجہ دینے کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کردیا تھا اس لیے منووادیت و برہمنیت ان کے بھی پیچھے پڑگئی۔

آریہ سماج

چناں چہ گجرات کے ایک برہمن ''امبا شنکر جی'' کے بیٹے ''مول شنکر جی'' نے جو ''سوامی دیانند سرسوتی جی'' (۱۸۸۳ء۔۱۸۲۴ء) کے نام سے معروف ہیں، برہمنیت کا بول بالا کرنے اور اچھوت اقوام کو ہندو دھرم پر مطمئن کرکے اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ۱۰/اپریل ۱۸۷۵ء کو بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد رکھی اور دھیرے دھیرے کیشب جی کی تنظیم میں پھوٹ ڈلوا کر اس کو بے اثر کرنا شروع کیا۔ اس مقصد میں آریہ سماج کو مکمل کامیابی ۱۹۱۰ء میں ملی۔(۶) سوامی جی نے ذات پات اور اونچ نیچ کی بھرپور تردید کی اور شودروں کو بھی وید پڑھنے کی اجازت دی۔ نیز انھوں نے یہ بھی کہا کہ جو شودر کے گھر میں پیدا ہوا اور اچھے اعمال سے متصف ہے، وہ بالترتیب برہمن، کشتری، ویش ہوجاتا ہے اور اسی طرح جو برہمن کے گھر میں پیدا ہوا اور اچھا کام کچھ بھی نہیں کرتا ہے، وہ شودر ہوجاتا ہے۔

شاید سوامی جی نے سوچا ہو کہ اس طرح کی باتوں سے شودر مطمئن ہوجائیں گے اور دھرم تبدیل نہیں کریں گے؛ لیکن یہ محض ان کی خوش گمانی تھی۔ وہ اپنی بات میں سچے نہ تھے۔ وہ اونچ نیچ کے

دائرہ سے الگ نہیں ہو سکتے ہیں؛ کیوں کہ وہ خود منوسمرتی کو مستند تسلیم کرتے تھے؛ چناں چہ بنارس میں ''پنڈت تاراچون [چرن] جی'' سے سوامی جی نے مناظرہ کیا تو پنڈت تاراچون جی نے جب ''پران'' وغیرہ کا حوالہ دیا تو سوامی جی نے ان سے کہا:

''وہ صرف منوسمرتی اور شاریرکا سوتروں وغیرہ کو ہی مستند مانتے ہیں جو ویدوں پر مبنی ہیں۔''(۷)

جب سوامی جی منوسمرتی کو مستند اور معتبر تسلیم کرتے ہیں تو ذات کی تبدیلی کس طرح ممکن ہے؟ کیوں کہ منوسمرتی میں چند اشلوکوں کو چھوڑ کر سارے کے سارے اشلوک ذات پات، اونچ نیچ، چھوت چھات اور برہمن کی فضیلت اور شودر کی تذلیل پر مشتمل ہیں اور اچھوتوں کے استحصال کا حکم دیتے ہیں۔ ان قوانین کو تسلیم کرتے ہوئے کسی شودر کو وید کی تعلیم کیسے دی جا سکتی ہے اور اس کی ذات اعمال کی بنیاد پر کیسے تبدیل کی جا سکتی ہے؟ اسی منوسمرتی میں ان کی شادی بیاہ اور سماجی مقام کے قوانین بھی بیان ہوئے ہیں۔(۸) خود سوامی جی نے ستیارتھ پرکاش میں منوسمرتی کے حوالہ سے ہی چاروں ورن کے فرائض بیان کیے ہیں اور شودروں کے حصہ میں تینوں ذاتوں کی خدمت رکھی ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ:

''تمام ورنوں یعنی جماعات مدنی کو اپنے اپنے حقوق کے مطابق فرائض کی تکمیل پر تعینات کرنا راجہ وغیرہ کا فرض ہے۔''(۹)

حقیقت تو یہ ہے کہ چھوت چھات، سوامی جی کے یہاں بھی پائی جاتی ہے، وہ خود ہی شودر اور چنڈال وغیرہ سے نفرت کرتے ہیں۔ چناں چہ وہ رقم طراز ہیں:

''جو متوسط درجہ کے تموگنی (तमोगुणि) یعنی بدکردار ہیں، وہ ہاتھی، گھوڑے، **شودر، ملیچھ**، افعال ذمیمہ کے کرنے والے، شیر، چیتے اور سور کا قالب اختیار کرتے ہیں۔''(۱۰)

''جو شخص جسم کے ذریعہ (چوری، زنا، نیک اشخاص کا قتل وغیرہ) برے اعمال کرتا ہے، اسے درخت وغیرہ غیر متحرک انواع کا، زبان کے ذریعہ اعمال بد کرنے والے کو پرند وغیرہ کا اور فقط دل سے گناہ کرنے والے کو **چانڈال وغیرہ کا قالب ملتا ہے۔**''(۱۱)

''باورچی کا کام شودر کرے۔''

معترض: کیا تعلیم یافتہ جماعت (برہمن، کشتری اور ویش) اپنے ہاتھ کی پکائی ہوئی رسوئی (طعام) کھائیں یا شودر کے ہاتھ کی تیار کی ہوئی؟

مجیب: شودر کے ہاتھ کی پکائی ہوئی کھائیں۔ برہمن، کشتری اور ویش جماعتوں کا زن و مرد

بالترتیب تعلیم دینے، سلطنت کا انتظام کرنے اور زراعت و تجارت کا کام کرنے میں مستعد رہیں۔ البتہ شودر کے برتن اور گھر کی پکائی ہوئی رسوئی (طعام) سوائے وقت مصیبت (عام حالات میں) نہ کھائیں۔ مگر ان کے جسم اور لباس وغیرہ صاف رہیں۔ جب آریوں کے گھر میں کھانا تیار کریں تب منہ بند کر کے کریں، کیوں کہ منہ سے نکلی ہوئی جوٹھ بلکہ سانس تک بھی کھانے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ آٹھویں دن حجامت کرائیں اور ناخن کٹوا دیں۔ غسل کر کے کھانا تیار کیا کریں۔ پہلے آریوں کو کھلائیں پھر آپ کھائیں۔" (۱۲)

چند صفحات کے بعد فرماتے ہیں:

"**کھانا کون تیار کرے؟ معترض:** کہو جی، کسی بھی انسان کی تیار کی ہوئی رسوئی (طعام) کھانے میں کیا عیب ہے؟ کیوں کہ برہمن سے لے کر چنڈال تک کے اجسام، ہڈی، گوشت اور چمڑے کے بنے ہوتے ہیں۔ جیسا خون برہمن کے جسم میں ہوتا ہے ویسا ہی چنڈال کے جسم میں۔ اس حالت میں کسی بھی انسان کی پکائی ہوئی رسوئی (طعام) کھانے میں کیا عیب ہے؟"

مجیب: عیب ہے، کیوں کہ جن عمدہ اشیاء کے کھانے پینے سے برہمن اور برہمنی کے جسم میں بدبو وغیرہ نقائص سے پاک مادۂ تولید پیدا ہوتا ہے ویسا چنڈال اور چانڈالنی کے جسم میں نہیں ہوتا۔ چنڈال کا جسم بدبودار ذرات سے پر ہوتا ہے، اس لیے برہمن وغیرہ کو اعلیٰ جماعتوں کے ہاتھ کا کھانا چاہیے اور چنڈال وغیرہ رذیل بھنگی چمار وغیرہ کے ہاتھ کا نہیں۔" (۱۳)

سوامی دیانند سرسوتی ایک طرف جہاں شودروں کو ہندو دھرم میں باقی رکھنے کی غرض سے برہمنوں کو خوب الٹی سیدھی سناتے ہیں، حتیٰ کہ انھیں پوپ (مکار و عیار)[۱۴] تک کہہ ڈالتے ہیں، وہیں دوسری طرف فوراً فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ اب کوئی اچھا برہمن ہے ہی نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگر کوئی بھی اچھا برہمن یا سادھو نہ ہوتا تو وید وغیرہ سچے شاستروں کی کتابوں کا سور سہت [علم قرأت] پڑھنا، پڑھانا (کس طرح ہو سکتا) اور جین، مسلمان، عیسائی وغیرہ کے جال سے بچ کر آریوں کی وید وغیرہ سچے شاستروں میں محبت (کیسے رہ سکتی) اور ان کو ورن آشرم میں سوائے (اچھے) براہمن یا سادھوؤں کے کون قائم رکھ سکتا"؟ (۱۵)

سوامی جی نیوگ (۱۶) تک میں فرماتے ہیں کہ عورت کو اپنے ورن یا اپنے سے اعلیٰ ذات کے مرد سے نیوگ کرانا چاہیے؛ چناں چہ فرماتے ہیں کہ:

معترض: نیوگ اپنے ورن (جماعت مدنی) میں ہونا چاہیے یا مختلف ورنوں (جماعت مدنی) میں بھی؟

مجیب: اپنے ورن (جماعت مدنی) یا اپنے سے اعلیٰ ورن کے مرد کے ساتھ یعنی ویش عورت، ویش، کشتری یا برہمن مرد سے، کشتری عورت کشتری مرد یا برہمن مرد سے اور برہمن عورت فقط برہمن مرد سے نیوگ کر سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ نطفہ اپنے یا اپنے سے اعلیٰ ورن کا (جماعت مدنی) کا ہونا چاہیے۔ اپنے سے ادنیٰ ورن کا نہیں، صنفین یعنی عورت اور مرد کے باہم مختلف پیدا کیے جانے کا یہی مدعا ہے کہ احکام الٰہی یعنی ہدایت وید کے مطابق شادی یا نیوگ کے ذریعہ اولاد پیدا کریں۔''

سوامی جی نیوگ کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''شادی اور نیوگ سے کئی برائیاں رکتی ہیں۔ مثلاً ادنی درجہ کے مرد سے اعلیٰ درجہ کی عورت یا بیوہ وغیرہ ادنیٰ درجہ کی عورت سے اعلیٰ درجہ کے مرد کا ناجائز تعلق......''

سوامی جی شادی کے قوانین میں بھی شودر کے لیے الگ حکم لگاتے ہیں؛ چناں چہ ان سے پوچھا گیا:

''**معترض:** مرد کو نیوگ کرنے کی کیا ضرورت ہے؛ کیوں کہ اس کا نکاح ثانی ہو سکتا ہے؟''

مجیب: ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ تعلیم یافتہ یعنی براہمن، کشتری، ویش جماعات کے افراد کا ایک ہی دفعہ بیاہ ہونا وید وغیرہ کتب حقہ کی ہدایت کے مطابق جائز ہے، دوسرے دفعہ بیاہ ہونا جائز نہیں......'' (۱۷)

اوپر اسی باب میں حاشیہ: میں زیر عنوان: ''سوامی دیانند جی کے نزدیک نیوگ کی تعریف'' سوامی جی کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ اولاد کی تعداد کے سلسلے میں بھی انھوں نے شودر کو دوسرے طبقوں سے الگ رکھا ہے۔

سوامی جی برہمو سماج اور پراتھنا سماج پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''(برہم [برہمو] سماجیوں اور پراتھنا سماجیوں نے) انگریز، مسلمان، چنڈال وغیرہ کے ساتھ کھانے پینے کی تمیز نہیں رکھی، انھوں نے یہی سمجھا ہوگا کہ **کھانے پینے اور ذات پات کی تمیز توڑنے** سے ہم اور ہمارا ملک سدھر جائے گا لیکن ایسی باتوں سے سدھار [اصلاح] تو کجا، الٹا بگاڑ ہوتا ہے۔'' (۱۸)

سوامی دیانند سرسوتی جی برہمو سماج وغیرہ پر صرف تنقید ہی نہیں کرتے: بلکہ اگر ان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ کسی برہمو سماجی کے یہاں (مزعومہ) نیچی قوم کے مرد یا عورت کے ہاتھوں کھانا تیار ہوتا ہے تو اس کے یہاں کھانا تک نہیں کھاتے تھے۔ اگر لاعلمی اور نادانستگی میں دعوت قبول کر لیتے تو علم ہو جانے

کے بعد دعوت مسترد کر دیتے تھے؛ چناں چہ ایک ایسا ہی واقعہ ۱۸۷۹ء میں دہرہ دون میں پیش آیا۔ انھوں نے ایک برہمو سماجی کی دعوت قبول کرنے کے بعد رد کر دی تھی۔ پوری تفصیل ان کے سوانح نگار پنڈت لیکھ رام کی زبانی ملاحظہ ہو:

''ایک روز بابو کالی موہن گھوش، برہم سماج کے ممبر سوامی جی کے پاس گئے۔ میں اس وقت موجود نہیں تھا مگر میرے بڑے بھائی ہر گلال جی اور پنڈت مکند لال تحصیل دار موجود تھے، انھوں نے سوامی جی سے درخواست کی کہ آپ کل ہمارے یہاں بھوجن کریں، سوامی جی نے کہا کہ مجھے بھوجن کرنے میں کوئی عذر نہیں مگر سنا جاتا ہے کہ برہمو سماج کے یہاں **اَنتیج** [مہا نیچ، ارذل] **لوگ بھی بھوجن پکانے کا کام کرتے ہیں، اس واسطے ان کا بھوجن کرنے میں میری رُچی** [دلچسپی] **نہیں**۔ اس کے بعد کھانے کے مسئلہ پر باہمی چرچا ہوتا رہا۔ آخر کار **بابو صاحب نے کہا: بے شک یہ بات صحیح ہے کہ ہم کسی کے ہاتھ سے کھانے کو برا نہیں سمجھتے۔ مگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں۔ سوامی جی نے کہا کہ اگر آپ دل سے مانتے ہیں اور کرتے نہیں تو ہم کھا لیں گے**۔ دوسرے دن کھانے کے وقت میرے بھائی نے مجھ سے کہا کہ آج سوامی جی نے کالی موہن کے یہاں دعوت قبول کی ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے ایک تھالی میں کھانا سوامی جی کے واسطے پرسوا [نکلوا] کر فوراً ان کے ڈیرہ [قیام گاہ] پر پہنچا دیا اور خود بھی جا پہنچا۔ سوامی جی نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: یہ آپ کے واسطے کھانا ہے اور آپ نے بڑی بھول کی جو کالی موہن کے یہاں کا کھانا قبول کیا ہے کیوں کہ میری چشم دید بات ہے کہ ان کے یہاں ایک **بھنگن** کھانا پکایا کرتی تھی۔ فرمایا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ ہم نے ابھی ان کی روٹی سے ساگ کی ترکاری [سبزی] الگ نکال رکھی ہے۔ میں نے کہا کہ ''آپ اس کا کھانا واپس کیجیے۔ فرمایا کہ انھوں نے ہمارے ساتھ دغا کیا۔ تمھارے بھائی اور پنڈت مکند لال کے سامنے باتیں ہوئیں۔ انھوں نے بھی ہم کو نہ کہا؛ چناں چہ وہ تھالی واپس کر کے میرے لائے ہوئے کھانے سے تناول کرنا شروع کیا، تھوڑی دیر بعد وہ [کالی موہن] بھی آ گئے۔ میں موجود تھا۔ کہا: بڑے افسوس کی بات ہے کہ کل آپ نے قبول کیا تھا اور آج انکار کر دیا؛ سوامی جی نے جواب دیا کہ جو کل آپ نے بیان کیا تھا، وہ بات خلاف معمول ہوئی۔ ہم نے سنا ہے کہ تمھارے پاس **بھنگن** کھانا پکایا کرتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے کہہ دیا تھا کہ ہم ہر ایک کے ہاتھ کا کھانا کھالیا

کرتے ہیں۔ میرے اس کہنے پر آپ نے بھی مان لیا تھا، سوامی جی نے کہا: مکندلال اور ہرگلال موجود تھے، آپ نے صاف کہا تھا کہ **ہم صرف کہتے ہیں، کرتے نہیں ہیں۔**" (۱۹)

ان اقتباسات کے بعد مزید کسی طرح کے تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ ان سے خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ سوامی دیانند جی نے آریہ سماج کی تحریک، شودروں کی بھلائی کی خاطر نہیں؛ بلکہ انھیں اندھیرے میں رکھ کر ہندو دھرم میں باقی رکھنے کے لیے اور اسلام سے دور رکھنے کے واسطے قائم کی تھی۔ تفصیلات میں جائے بغیر دوٹوک الفاظ میں آریہ سماج کے قیام کا مقصد، اس سماج کے ایک سرگرم رکن لالہ لاجپت رائے جی کی زبانی سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

"آریہ سماج ان پسماندہ طبقوں کو ہندوؤں کے حقوق و مراعات دے کر انھیں **ہندو دھرم میں رکھنا چاہتا ہے۔** آریہ سماجی ان لوگوں میں سے چیدہ اشخاص کو گائتری منتر ورد سکھاتے ہیں انھیں جنیو یعنی دھاگا پہناتے ہیں۔ انھیں ہون کرنے کا حق دیتے ہیں اور کچھ حالتوں میں تو بین طبقاتی شادیاں بھی کی جاتی ہیں، یہ سب باتیں ہندوؤں کو چونکا دینے والی ہیں۔" (۲۰)

وہ آگے مزید تحریر فرماتے ہیں:

"صوبہ جات متحدہ میں جو قدامت پرستی کا گڑھ ہے، سدھار [اصلاح] کا کام کرنا بہت مشکل ہے، لیکن گزشتہ سال قدامت پرستی کے قلعہ میں ایک بڑا شگاف اس طرح ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میں نے بہت بڑی تعداد میں **ڈوم ذات** کے افراد کو (جو صوبہ جات متحدہ میں اچھوتوں کی کمترین ذاتوں میں سے ایک ہے) آریہ سماج میں شامل کر لیا۔

"میں **اعلیٰ ذات** کے آریہ سماجی کارکنوں کے ہمراہ پہاڑی علاقوں کے اندرونی حصوں میں ان لوگوں کے گھروں میں گیا اور **وہاں ان لوگوں کے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا کھایا اور ان کا لایا ہوا پانی پیا۔**" (۲۱)

شودروں کا مذہب تبدیل کرنا، ہندو دھرم اور اس کے متبعین کے لیے قیامت اور کسی عظیم مصیبت سے کم نہیں ہے۔ اسی لیے ان کو ہندو دھرم میں باقی رکھنے کی خاطر مجبوراً لالہ لاجپت رائے جی نے ان شودروں کے برتن اور ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا کھایا اور ان کا لایا ہوا پانی پیا۔ یہ بات پیچھے آ چکی ہے کہ وقت مصیبت شودروں کے برتن اور گھر پکائی ہوئی رسوئی (طعام) کو کھانے کی اجازت خود سوامی دیانند سرسوتی جی نے بھی دی ہے۔ (۲۲)

پنڈت جواہر لال نہرو نے تو واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ آریہ سماج کا قیام اسلام، عیسائیت اور

ان میں بھی خاص طور سے اسلام کے اثر کا ردعمل تھا، وہ لکھتے ہیں:

"The Arya samaj was a reaction to the influence of Islam and christianity, more especially the former.It was a crusading and refoming movement from within, as well as a defensive organization for protection against external attacks. It introduced proselytization into Hinduism and thus tended to come into conflict with other proselytizing religions. The Arya samaj, which had been a close approach to Islam, tended to become a defender of everything Hindu, against what it considered as the encroachments of other faiths." (۲۳)

''آریہ سماج [کا قیام] اسلام اور عیسائیت اور خاص طور سے اول الذکر [اسلام] کے اثر کا ردعمل تھا۔ اندرونی طور پر یہ ایک اصلاحی اور اقدامی تحریک تھی اور اسی طرح بیرونی حملوں کے جواب میں ایک دفاعی اور حفاظتی تنظیم تھی۔ اس نے ہندودھرم میں تبدیلی اور توسیع کا تصور پیدا کیا اور اس طرح وہ دوسرے تبلیغی مذاہب سے متصادم ہوگئی۔ آریہ سماج جس کو اسلام سے قریبی راہ ورسم تھی ہندودھرم کی ہر اس چیز کی دفاع میں کھڑی ہوگئی جس پر ہندو کا اطلاق ہوتا تھا اور جسے وہ دوسرے مذاہب کی بے جا مداخلت تصور کرتی تھی۔''

آر ایس ایس کے ایک رکن نے ''The story of the sangh'' (سنگھ کی کہانی/تاریخ) نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں "A welcome Message to Hindus's Home coming" (ہندوؤں کے گھر واپسی کے لیے ایک خوشخبری) کے عنوان کے تحت ہندوؤں کے ہندودھرم چھوڑنے کی وجوہات پر تبصرہ کرنے کے بعد ہندو گروؤں، مبلغوں اور جماعتوں، مثلاً ''دیوال رشی جی (Devalrishi) چیتنیہ جی اور ان کے متبعین، مہاپر بھوجی، ساورکر جی، مسورش رام جی (Masurashram)، راجستھان کے کچھ راجاؤں، ہندومہا سبھا اور آریہ سماج کے ذریعہ مسلمانوں کے ہندو بنائے جانے کو بڑے فخر سے لکھا ہے۔ ان تمام میں آریہ سماج کی جو خدمت رہی ہے اس کا سب سے زیادہ گن گایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"All Bharat leaders of the Arya samaj such as swami shraddhanand had to sacrifice their lives for this very cause."(۲۴)

''آریہ سماج کے تمام ہندستانی لیڈر جیسے شردھانند اس مقصد کی خاطر اپنی زندگی قربان

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر آریہ سماج کے قیام کی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"Dayanand sarsawati established the Arya Samaj only save the Brahminism from its true death. He tried to interpret the Hidu scriptures to suit the need of the time and thus he killed the rising sprit of the Backward castes. His interpretation of the Vedas was not recognized by anyone so for, including the Brahmins. He did not abolish the caste but said that anybody could become a Shudra or Brahmin or vice-versa by his action. He misled the intellectuals of backward castes so that those who are outside the Hindu varna system were co-opted and made better slaves. The Arya Samaj thus killed the ambitions and the aspirations of the SCs. The same was the story of the Radha Swamy's cult...Arya Samaj or the Radha Swamy cult only put the old wine in new bottle with a new label."(۴۵)

"دیانند سرسوتی نے برہمن واد کو حقیقی موت سے بچانے کے واسطے آریہ سماج کی بنیاد رکھی. انھوں نے ہندو مذہبی کتابوں کی ایسی تشریح کرنے کی کوشش کی جو وقت کی ضرورت کے مناسب حال ہوا اور اس طرح انھوں نے پسماندہ برادریوں کے ابھرتے جذبہ کو ختم کر دیا۔ ان کے ویدوں کی تشریح اور شرح کو کسی نے حتی کہ برہمنوں نے بھی تسلیم نہیں کیا۔ انھوں نے ذات پات کو بالکل ختم نہیں کیا؛ بلکہ کہا کہ کوئی اپنے عمل کی بنیاد پر شودر یا برہمن یا اس کے برعکس ہوسکتا ہے انھوں نے پسماندہ ذاتوں کے دانشوران کو گمراہ کیا تاکہ وہ لوگ جو ہند ونظام سے باہر تھے انھیں ہندو دھرم میں شامل کیا جاسکے اور اچھی طرح غلام بنایا جاسکے۔ اس طرح آریہ سماج نے درج فہرست ذاتوں کی آرزو اور امنگوں کو کچل دیا۔ بالکل یہی کہانی رادھا سوامی مسلک کی بھی ہے. آریہ سماج یا رادھا سوامی مسلک نے پرانی شراب کو نئے بوتل میں نئے لیبل کے ساتھ پیش کیا۔"

عیسائی مشنریاں

اس دور میں جہاں ایک طرف ہندو دانشوران مختلف تنظیم بنا کر اور تحریکات چلا کر دلتوں کے قبول اسلام کی راہ میں روڑہ بن رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو بھی ہندو بنا رہے تھے وہیں دوسری طرف ہندستان میں انگریزی/ عیسائی حکومت کے قیام کے ساتھ ساتھ عیسائی مبلغین پر مشتمل عیسائی مشنریوں نے بھی ہندستان میں قدم رکھا۔ دلتوں سے تو یہ کہا کہ ہمارے دھرم اور سماج میں ذات پات، اونچ نیچ اور نسلی امتیازات نہیں ہیں نیز انگریزی حکومت کی مدد پا کر مسلمانوں کو بھی عیسائی بنانا شروع کر دیا۔ یہ

عمل ۱۸۵۷ء کے بعد سے مزید تیز ہو گیا۔ ان عیسائی مشنریوں نے دلتوں سے جو کہا کہ عیسائی دھرم میں نسلی امتیازات نہیں ہیں صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس مذہب کی مقدس کتابیں تورات و انجیل نسلی امتیازات سے پر ہیں۔ مولانا سید حامد علی نے اپنی کتاب ''نسلی امتیازات مختلف سماجوں میں'' کے اندر اس دھرم کے نسلی امتیازات پر بڑی اچھی گفتگو کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے من وعن نقل کر دیا جائے۔ چناں چہ مولانا لکھتے ہیں:

مسیحی سماج کا حال

''اب آیئے، دیکھیں، نسلی امتیازات کے پہلو سے مسیحی سماج کا کیا حال ہے، اس پر غور کرنے کے سلسلے میں ایک رکاوٹ یہ ہے کہ آج دنیا میں کوئی ایک سماج، مسیحی سماج موجود نہیں ہے، قوم پرستی (Nationalism) نے عیسائی سماج کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، اب انگریز، جرمن، فرانسیسی، امریکی وغیرہ مختلف قومیں ہیں، بہر حال ان قوموں کے حالات پر نظر ڈالنے سے پہلے ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلہ میں بائبل کی کیا تعلیمات ہیں۔

تورات اور نسلی امتیازات

عیسائیوں کی کتاب مقدس ''بائبل'' (Bible) کے دو حصے ہیں، پہلے حصہ کا نام ''پرانا عہد نامہ'' (Old Testament) ہے جسے یہودی اور عیسائی دونوں خدائی کتاب تسلیم کرتے ہیں، اس میں حضرت موسیٰ کی طرف منسوب پانچ صحیفوں کے علاوہ، جن کے مجموعہ کو ''تورات'' کہا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ سے پہلے کے مختلف انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے اور بنی اسرائیل کی تاریخ ہے، دوسرا حصہ ''نیا عہد نامہ'' (New Testament) ہے اسے صرف عیسائی مانتے ہیں۔

''پرانا عہد نامہ'' میں خدا کا تذکرہ اس طرح ہے:

> ''بعد اس کے موسیٰ اور ہارون آئے اور فرعون سے کہا کہ **خدا اسرائیل** کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تا کہ وہ بیابان میں **میرے لیے عہد کریں**۔'' (خروج، ۵-۱)
>
> ''اور میں بنی اسرائیل کے درمیان سکونت کروں گا اور **میں ان کا خدا ہوں گا اور وہ جانیں گے کہ میں خداوند ان کا خدا ہوں** جو انھیں مصر کے ملک سے نکال لایا تا کہ میں ان کے درمیان سکونت کروں، **میں خداوند کا خدا ہوں**۔'' (خروج، ۲۹-۴۵، ۴۶)
>
> **''تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو..... کیوں کہ تو خداوند اپنے خدا کے لیے مقدس**

قوم ہے اور خداوند نے تجھ کو چن لیا ہے تا کہ سب قوموں کی بہ نسبت، جو زمین پر ہیں، تم اس کے لیے خاص قوم ہو۔" (استثنا-۱۴-۱، ۲)

"تورات" کی ان آیات سے واضح ہے کہ خدا، ایک خاص نسل، اسرائیل کا خدا ہے اور "اسرائیل" اس کی خاص قوم، اس کی اولاد اور چہیتی قوم ہے۔

یہی نہیں، خدا بنی اسرائیل کے دشمنوں کا دشمن ہے اور وہ انھیں ہلاک کر دے گا:

"پر اگر تو سچ مچ اس (فرشتہ) کا کہا مانے اور وہ سب کچھ جو میں کہتا ہوں کرے تو میں تیرے دشمنوں کا دشمن اور تیرے بیریوں کا بیری ہوں گا، میرا فرشتہ تیرے آگے چلے گا اور تجھے اموریوں اور حتیوں اور فرزیوں اور کنعانیوں اور حویوں اور یبوسیوں کے بیچ میں لائے گا اور میں ان کو ہلاک کر دوں گا۔" (خروج ۲۳-۲۲، ۲۳)

اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ ان قوموں پر رحم نہ کریں، بے دریغ انھیں قتل کر دیں:

"جب کہ خداوند تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں، جس کا وارث تو ہونے جاتا ہے، داخل کرے اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو دفع کرے یعنی حتیوں اور جرجامیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو سات [۷] بڑی اور قوی تجھ سے ہیں اور جب کہ خداوند تیرا خدا انھیں تیرے حوالے کر دے تو تو انھیں ماریو اور ختم کیجیو، نہ تو ان سے کوئی عہد کریو اور نہ ان پر رحم کریو....." (استثنا ۷-۱، ۲)

نہ صرف ان آیات سے بلکہ پورے "پرانے عہد نامہ" سے یہ واضح ہے کہ خدا اسرائیل کا خدا ہے اور اسرائیل اس کی چہیتی قوم ہے اور خدا کی نظرِ عنایت صرف اسرائیل کے لیے ہے، غیر اسرائیلی خدا کی رحمت کے نہیں، ہلاکت کے مستحق ہیں۔ نسلی امتیاز "پرانے عہد نامہ" کی بنیادی خصوصیت ہے۔

نسلی امتیازات اور انجیلیں

اب "نیا عہد نامہ" کو لیجیے، "متی کی انجیل" کے آغاز ہی میں ہے:

"جب یسوع، ہیرودولیس بادشاہ کے زمانے میں بیت لحم میں پیدا ہوا تو دیکھو کئی مجوسی پورب سے یروشلم میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا ہے کہاں ہے، کیوں کہ پورب میں اس کا ستارہ دیکھ کر ہم اسے سجدہ کرنے آئے ہیں، یہ سن کر ہیرودولیس بادشاہ اور یروشلم کے سب لوگ گھبرا گئے اور اس نے قوم کے سب سرداروں اور فقیہوں کو جمع کر کے

ان سے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہیے، انھوں نے اس سے کہا کہ یہودیہ کے بیتِ لحم میں کیوں کہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے:

''اے بیتِ لحم! یہوداہ کے علاقے! تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں کیوں کہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت، اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔''

(باب ۲-۱ تا ۶)

یعنی اسرائیل خدا کی خاص قوم ہے اور یسوع مسیح اس کی رہنمائی کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

یسوع مسیحؑ نے اپنے بارہ شاگردوں کو، جنھیں اس نے اپنا جانشین بنایا، حکم دیا کہ وہ غیر قوموں کے پاس نہ جائیں، صرف اسرائیل کے لوگوں کے پاس جائیں:

''ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور **انھیں حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔**'' (متی،۱۰-۵،۶)

''پھر یسوع وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقے کو روانہ ہوا اور دیکھو، ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہا، اے خداوند، ابن داؤد! مجھ پر رحم کر، ایک بدروح میری بیٹی کو بری طرح ستاتی ہے مگر اس نے کچھ جواب اسے نہ دیا اس کے شاگردوں نے اس کے پاس آ کر عرض کیا کہ اسے رخصت کر دے کیوں کہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے، اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا مگر اس نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا، اے خداوند! میری مدد کر، اس نے جواب میں کہا کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینی اچھی نہیں......۔''

(متی ۱۵-۲۱ تا ۲۶)

ان آیات سے واضح ہوا کہ حضرت مسیحؑ صرف اسرائیل کے لیے بھیجے گئے تھے، دوسری قوموں کے لیے نہیں اور یہ کہ ان کی نگاہ میں غیر اسرائیلیوں کی کیا حیثیت تھی اور اسرائیلیوں کی کیا؛ لیکن ''متی'' ہی کے آخر میں ہے:

''پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ......۔'' (۲۸-۱۹)

اور انجیل اور ''لوقا'' کے آخر میں ہے کہ یسوع نے جی اٹھنے کے بعد شاگردوں سے کہا:

''ایسا ہی .... یوں لکھا ہے کہ مسیح دکھ اٹھائے گا اور تیرے دن مردوں میں سے جی اٹھے گا

اور یروشلم سے شروع کر کے ساری قوموں میں توبہ اور گناہوں کی معافی کی منادی اس کے نام سے کی جائے گی۔'' (لوقا، ۲۴: ۴۶-۴۷)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کا پیغام سب قوموں کے لیے ہے لیکن اوپر خود حضرت مسیحؑ کے صریح الفاظ گزر چکے ہیں کہ ''میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔'' انھیں ملحوظ رکھا جائے تو ''سب قوموں'' سے مراد اسرائیل کے سب قبیلے ہوں گے۔ ورنہ انجیلوں میں تضاد ماننا پڑے گا۔

اوپر ایک کنعانی عورت کا واقعہ گزر چکا ہے، انجیل یوحنا میں اس کے برعکس ایک واقعہ ہے:

''سامریہ کی ایک عورت پانی بھرنے آئی، یسوع نے اس سے کہا، مجھے پانی پلا کیوں کہ اس کے شاگرد شہر میں کھانا مول لینے گئے تھے، اس سامری عورت نے اس سے کہا کہ تو یہودی ہو کر مجھ سامری عورت سے پانی کیوں مانگتا ہے (کیوں کہ یہودی سامریوں سے کسی طرح کا برتاؤ نہیں رکھتے تھے) یسوع نے اس سے کہا: اگر تو خدا کی بخشش کو جانتی اور یہ بھی جانتی کہ وہ کون ہے جو تجھ سے کہتا ہے، مجھے پانی پلا، تو تو اس سے مانگتی اور وہ تجھے زندگی کا پانی دیتا۔''
(۴-۷ تا ۱۰)

آگے چل کر اس سلسلہ بیان میں ہے:

''اور اس شہر کے بہت سے سامری اس عورت کے کہنے سے، جس نے گواہی دی کہ اس نے میرے سب کام مجھے بتا دیے، اس پر ایمان لائے، پس جب وہ سامری اس کے پاس آئے تو اس سے درخواست کرنے لگے کہ ہمارے پاس رہ، چناں چہ وہ دو روز وہاں رہا اور اس کے اپنے کلام کے سبب اور بھی بہتیرے ایمان لائے......'' (۴-۳۹ تا ۴۱)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دعوت غیر اسرائیلیوں کے لیے بھی تھی اور ان پر کچھ غیر اسرائیلی بھی ایمان لائے، بہر حال انجیلوں سے یہ واضح ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دعوت اصلاً اسرائیل کے لیے تھی، انھوں نے اپنا سارا وقت اسرائیل کے لوگوں میں گزارا، ان کے شاگرد بھی ان کی زندگی میں صرف اسرائیل کی اصلاح اور انھیں دعوت دینے میں لگے رہے۔ غیر اسرائیل کے لیے حضرت مسیحؑ کی دعوت ایک استثنائی واقعہ ہے اور انھوں نے سامریوں میں صرف دو دن گزارے۔

رسولوں کے اعمال اور نسلی امتیازات

چار انجیلوں کے بعد ''نیا عہد نامہ'' میں ''رسولوں کے اعمال'' کی کتاب ہے، اس میں حضرت مسیحؑ کے بعد ان کے شاگردوں (رسولوں) اور سینٹ پُولُس (جو حضرت مسیحؑ کے بعد دینِ مسیحی کے علم بردار بنے) کی دعوتی مساعی کا ذکر ہے۔ اس میں ''پسدیہ'' کے، انطاکیہ کے عبادت خانے میں ''پولُس کا وعظ'' کے عنوان کے تحت ہے:

''اے اسرائیلیو! اے خدا ترسو! سنو! اس امت اسرائیل کے خدا نے ہمارے باپ داداؤں کو چن لیا اور جب یہ امت مصر کے ملک میں پردیسیوں کی طرح رہتی تھی، اس کو سر بلند کیا اور زبردست ہاتھ سے انھیں وہاں سے نکال لایا اور کوئی چالیس برس تک بیابان میں ان کی عادتوں کو برداشت کرتا رہا اور کنعان کے ملک میں سات قوموں کو غارت کر کے ان کا ملک ان کی میراث کر دیا...... اس داؤد کی نسل میں سے خدا نے اپنے وعدے کے مطابق بنی اسرائیل کے پاس ایک منجی یعنی یسوع کو بھیج دیا۔'' (۱۳-۱۷ تا ۱۹، ۲۳)

معلوم ہوا کہ خدا اسرائیل کا خدا ہے، اسرائیل اس کی برگزیدہ قوم اور یسوع اسرائیل کے منجی و رہنما۔ ''غیر قوموں کو بھی کلام سنانا اور رسولوں کا نکالا جانا'' کے عنوان کے تحت ہے:

''دوسرے سبقت کو تقریباً سارا شہر خدا کا کلام سننے کو اکٹھا ہوا مگر یہودی اتنی بڑی بھیڑ دیکھ کر حسد میں بھر گئے اور پولس کی باتوں کی مخالفت کرنے اور کفر بکنے لگے، پولس اور برنباد لیر ہو کر بولے کہ ضروری تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمھیں سنایا جائے؛ لیکن چوں کہ تم اس کو رد کرتے ہو اور اپنے آپ کو ہمیشہ کی زندگی کے ناقابل ٹھہراتے ہو تو دیکھو، ہم ''غیر قوموں'' کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔'' (۱۳-۴۴ تا ۴۶)

معلوم ہوا کہ پہلے ''خدا کی اپنی قوم'' اسرائیل کو خدا کا پیغام سنایا گیا؛ لیکن چوں کہ انھوں نے اس دعوت کو رد کر دیا اس لیے سینٹ پولس غیر قوموں کی طرف متوجہ ہوئے، گویا اسرائیل کا امتیازی مقام اب بھی باقی تھا، ''رومیوں کے نام پولس رسول کے خط'' میں ہے:

''پس میں کہتا ہوں، کیا خدا نے اپنی امت کو رد کر دیا؟ ہرگز نہیں، کیوں کہ میں بھی اسرائیلی، ابراہیم کی نسل اور بنیامین کے قبیلہ سے ہوں، خدا نے اپنی اس امت کو رد نہیں کیا جسے اس نے پہلے سے جانا...... پس میں کہتا ہوں کہ کیا انھوں نے ایسی ٹھوکر کھائی کہ

گر پڑیں، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ ان کی لغزشوں سے غیر قوموں کو نجات ملی تا کہ انھیں غیرت آئے۔" (۱۱-۱، ۲، ۱۱)

اسی خط کے آغاز میں ہے:

"پس میں تم کو بھی، جو روما میں ہو، خوش خبری سنانے کو حتی المقدور تیار ہوں کیوں کہ میں انجیل سے شرماتا نہیں، کیوں کہ وہ ہر ایک ایمان لانے کے واسطے، پہلے یہودی، پھر یونانی کے واسطے نجات کے لیے خدا کی قدرت ہے۔" (۱-۱۵، ۱۶)

معلوم ہوا کہ (یہودی) قوم کو دوسروں پر فوقیت ہے لیکن اسی خط کے بعض حصوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہودیوں کو کوئی فوقیت نہیں:

"پس یہودی کو کیا فوقیت ہے اور ختنہ سے کیا فائدہ...... پس کیا ہوا؟ کیا ہم کچھ فضیلت رکھتے ہیں، بالکل نہیں کیوں کہ یہودیوں اور یونانیوں دونوں پر پیشتر ہی یہ الزام لگا چکے ہیں کہ وہ سب کے سب گناہ کے ماتحت ہیں۔" (۳-۱، ۹)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ کہ بائبل کے ایک حصہ۔"پرانا عہد نامہ" کی بنیاد اور اس کا پورا ڈھانچہ۔منوسمرتی کی طرح۔نسلی امتیاز پر قائم ہے، خدا، اسرائیل کا خدا ہے اور اسرائیل اس کی اپنی اور چہیتی قوم، دوسری قومیں "غیر قومیں" ہیں جن کے لیے مختلف قوانین ہیں اور جن کے لیے ہلاکت مقدر ہے۔ انجیلوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دعوت صرف اسرائیل کے لیے تھی اور وہ صرف اسرائیل کے لیے مبعوث ہوئے تھے، البتہ استثنائی طور پر غیر اسرائیلیوں کو دعوت دینے اور ان کے ایمان لانے کا ایک آدھ واقعہ بھی ملتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے بعد ان کے شاگردوں اور ان سے بھی زیادہ سینٹ پولس نے مسیحی دعوت کو "غیر اقوام" میں عام کیا، لیکن "اسرائیل کا امتیازی مقام ان کی نگاہ میں بھی باقی تھا۔ وہ "اسرائیل" کو خدا کی اپنی امت قرار دیتے تھے اور دوسری قوموں کو "غیر قومیں" البتہ سینٹ پولس کے بعض بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ "اسرائیل" کے لیے فوقیت کے قائل نہ تھے اور سب کو برابر سمجھتے تھے۔

مسیحی اقوام اور نسلی تعصبات

اب آیئے، مسیحی اقوام کو دیکھیں، اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے مابین امتیاز کا مسئلہ مسیحی سماج میں کچھ عرصہ کے بعد عملاً ختم ہوگیا؛ کیوں کہ اسرئیلوں کے بجائے بالعموم غیر اسرائیلیوں ہی نے مسیحیت کو قبول کیا، البتہ عیسائیوں میں بہت سے فرقے پیدا ہوتے رہے اور ان کے مابین خونی جھگڑے جاری

رہے مگر یہ چیز ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے۔

وحدتِ انسانیت کے سلسلے میں مسیحی تعلیمات میں واضح اور موثر ہدایات نہ ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیوں کا رویہ غیر مسیحی افراد اور سماجوں کے ساتھ عموماً غیر انسانی اور ظالمانہ رہا، صلیبی جنگوں کے دوران انھوں نے مفتوح مسلمان بستیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے، غلاموں کے ساتھ ان کا رویہ وحشیانہ اور ظالمانہ رہا تا آں کہ غلامی کا رواج ختم ہوا۔

لوتھر کی پروٹسٹنٹ تحریک کے مقبول ہونے اور بعض دوسرے اسباب کے نتیجہ میں جب رومن کیتھولک چرچ کا تسلط مسیحی قوموں پر سے ہٹایا کمزور پڑا تو مسیحی سماج نسلی امتیازات وتعصبات کا بری طرح شکار ہوگیا۔ ''قوم پرستی'' کی وبا نے ہر مسیحی قوم کے لیے جائز کردیا کہ وہ ہر دوسری مسیحی یا غیر مسیحی قوم کو غیر سمجھے، اس کے ساتھ امتیازی سلوک کرے اور اپنے قومی مفاد کے لیے جو غیر انسانی اور بہیمانہ طرزِ عمل ضروری سمجھے، اختیار کرے۔ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء نے مسیحی یورپ میں اس تصور کو اور بھی مدھم یا ختم کردیا کہ سب انسان ایک خدا کے پیدا کیے ہوئے اور ایک جوڑے- آدم وحوا کی اولاد ہیں۔ ان مختلف اسباب وعوامل کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کی مسیحی اقوام ایک دوسرے کی دشمن ہوگئیں اور نسلی اور قومی بنیاد پر ان کے مابین خوں ریز جنگیں ہوئیں۔ دوسری طرف ان مسیحی اقوام نے ایشیا اور افریقہ کی اقوام پر ہلّہ بول دیا۔ جنگ کے دوران اور حالتِ امن، دونوں میں مشرقی اقوام پر بے شمار مظالم ڈھائے، ان کی جان، مال، آبرو، تہذیب، مذہب، ہر چیز کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور مشرقی اقوام کو اپنے مقابلے میں حقیر وذلیل سمجھا۔ ہندستان میں انگریز تجارت کرنے آئے تھے مگر انھوں نے مکروفریب، جوڑتوڑ اور فوج کشی سے پورے ملک پر قبضہ جمالیا۔ کروڑوں ہندستانی ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے، یہی سلوک مسیحی اقوام نے ایشیا اور افریقہ کی دوسری قوموں کے ساتھ کیا۔ قوم پرستی کی سب سے بھیانک شکل ''نازی ازم'' تھی جو جرمن قوم میں ابھری، جرمن قوم کو سب سے برتر سمجھا گیا اور دوسری تمام اقوام کو حقیر وکم تر اور ہٹلر کی قیادت میں جرمن قوم دنیا کی اقوام پر غالب ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بہت سے علاقوں کو زیروزبر اور بہت سی قوموں کو تباہ وبرباد کردیا، جنگِ عالم گیر دوم میں، جو ''نازی ازم'' کے اسی جنون کا نتیجہ تھی، کروڑوں انسان ہلاک ہوگئے، خود جرمنی کے لاکھوں یہودیوں پر جرمنوں نے جو لرزہ خیز مظالم ڈھائے، جس طرح ان کا قتل عام اور انھیں ملک بدر کیا، اس کی مثال تاریخِ انسانی میں مشکل ہی سے ملے گی۔ پھر یہی مغرب کی اقوام تھیں جنھوں نے عربوں میں ''عرب نیشنلزم'' کی روح پھونک کر

ان میں اور ترکوں میں نسلی امتیاز اور قومی عصبیت کو ابھارا اور عربوں کو ترکوں سے بغاوت پر آمادہ کیا، جس کے نتیجہ میں ''خلافت عثمانیہ'' کا سقوط ہوا اور خود ترک ''ترک نیشنلزم'' کا شکار ہو کر عربوں اور مسلم ملت سے کٹ گئے۔ ادھر عربوں کو ان کی وفاداری کا یہ صلہ ملا کہ مغرب کی مسیحی اقوام نے انھیں اپنا غلام بنا لیا یہودیوں کو مکر و فریب جبر و استبداد سے عربوں کے درمیان لا بسایا اور پھر عرب سرزمین پر بالکل ناجائز طریقے پر ''اسرائیل'' کی ریاست قائم کر دی جس نے تمام اخلاقی اصولوں، انسانی حقوق اور بین الاقوامی قوانین کے پرخچے اڑا دیے ہیں اور جو نہ صرف مشرقِ وسطی بلکہ پوری مسلم دنیا کے لیے سنگین مسئلہ اور امن عالم کے لیے خطرہ بنی ہوئی ہے، اسرائیل کی اس روش کی بڑی وجہ امریکہ اور برطانیہ کی اسرائیل کی ناروا حمایت ہے، امریکہ تو اس معاملہ میں سب حدود کو پار کر گیا ہے اور وہ اپنے عرب حلیفوں کی بھی پرواہ نہیں کر رہا ہے۔ یہ ہے مختلف قوموں اور نسلوں کے ساتھ مغرب کی مسیحی اقوام کی روش!

پھر خود امریکہ کے اندر مسیحیوں کا کیا حال ہے؟ مسیحی وہاں دو قسم کے ہیں، ایک کالے، جو نیگرو کہلاتے ہیں، دوسرے سفید فام۔ یہ دونوں مسیحی ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے ہیں، سفید فام امریکی، کالے امریکنوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں، وہ ان کے ساتھ ایک محلّہ میں رہنے کو تیار نہیں، ایک سینما گھر میں ایک ساتھ بیٹھ کر تفریح نہیں کر سکتے، ان کے بچے اُن کے بچوں کے ساتھ ایک اسکول میں پڑھ نہیں سکتے۔ نیگرو بالعموم انتہائی پس ماندگی اور غربت کی زندگی گزارتے ہیں، ایسی خوں خوار تنظیمیں بھی موجود ہیں جو نیگرووں کی جان، مال، آبرو ہر چیز کو بے رحمی کے ساتھ نشانہ بناتیں، نیگرووں کو مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، نیگرووں کا حال ہندستان کے ہریجنوں [دلتوں] جیسا بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔ [نیگرو دراصل افریقہ کے باشندے تھے، امریکہ کے سفید فام مسیحی انھیں نہایت بے دردی کے ساتھ پکڑ پکڑ کر امریکہ لے آئے۔ افریقہ سے امریکہ لانے اور پھر امریکہ میں ان سے کام لینے میں جو لرزہ خیز اور وحشیانہ مظالم ان پر توڑے گئے، تاریخ میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے، ادھر کچھ مدت سے نیگرووں میں اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے، اس کی ایک وجہ سفید فام مسیحیوں کا نسلی امتیاز اور ظلم و تشدد ہے۔] جنوبی افریقہ کے گورے وہاں کے اصل باشندوں - کالوں - کو برابر کا درجہ دینے کو تیار نہیں، وہ انھیں نیچا دکھانے اور اذیت پہنچانے کے تمام طریقے اختیار کرتے ہیں، برطانیہ بھی نسلی امتیاز کا شکار ہے، وہاں کے مہذب گورے ایشیائی اور افریقی ''کالوں'' کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مسیحی مشنریوں نے دنیا کے بہت سے علاقوں میں خدمتِ خلق کے بہت

سے کام انجام دیے ہیں، وحشی، جاہل اور پس ماندہ قوموں کو معاشی اور سماجی اعتبار سے اوپر اٹھایا ہے، اسکول اور اسپتال کھولے ہیں اور مسیحی حکومتوں اور قوموں نے اس غرض کے لیے مسیحی مشنریوں کو بے دریغ مالی امداد دی ہے؛ لیکن شاید اس مالی امداد ہی کا نتیجہ نکلا ہے کہ مسیحی مشنریاں بالعموم مسیحی حکومتوں کے سیاسی ومعاشی مقاصد کا آلۂ کار بن گئی ہیں۔ ''خدمتِ خلق'' کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ دراصل مسیحیت کی راہ ہموار کرنے کے لیے ہے اس لیے توفیق صرف ان اداروں کو ہوتی ہے جو مسیحیت کی تبلیغ کا کام کرتے ہیں ورنہ مسیحی اقوام عام طور پر کمزور قوموں پر سیاسی ومعاشی تسلط قائم کرنے اور ان پر ظلم وستم ڈھانے میں لگی رہتی ہیں۔

برصغیر میں مسیحیت کو پس ماندہ اور اچھوت افراد میں نفوذ کا موقع ملا ہے اور اس کے نتیجہ میں ان کی حالت کچھ بہتر ضرور ہوئی ہے مگر جہاں تک نسلی امتیاز اور اونچ نیچ کا تعلق ہے۔ صورتِ حال اچھی نہیں، کالے اور گورے کا امتیاز تو ہے ہی، ذات پات اور اونچ نیچ کے امتیازات بھی ہیں، تامل ناڈو، کیرلا، آندھرا پردیش اور کرناٹک، بھی جنوبی ریاستوں کے مسیحیوں کا حال اس پہلو سے ابتر ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے اور تامل ناڈو کے ہندو ہریجنوں کے ساتھ مسیحی ہریجن بھی اسلام قبول کررہے ہیں یا سرگرمی سے اس پر غور کررہے ہیں۔

حال ہی میں ایک مسیحی فاضل E.D.DEVASON کا ایک کتابچہ A Study on conversion and its after math کے نام سے ایک مسیحی ادارہ The christian literature society Madras نے شائع کیا ہے، مصنف کتابچہ کے پانچویں باب میں ''مسیحی اور ذات پات'' Christians and casteism کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> ''جنوبی ہند کے حالیہ تبدیلی مذہب کے واقعات کے ذیل میں سب سے زیادہ برے رنگ میں مسیحی سامنے آئے ہیں، جن مقامات پر تبدیلی مذہب کے واقعات ہوئے، وہاں مسیحی بڑی تعداد میں پائے جاتے تھے، جو لوگ سماجی ظلم وجبر سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے، انھوں نے عیسائیت، جو جنوبی ہند کے عیسائیوں میں پائی جاتی ہے، کی محسوس کی، انھوں نے عمداً اسلام کا انتخاب کیا۔ ان کا یہ فیصلہ قابلِ فہم ہے کیوں کہ تبدیلی مذہب کے باوجود مسیحیوں کے اندر ذات پات کی تقسیم باقی رہتی تھی...... تامل ناڈو ہی نہیں، پورے جنوبی ہند، خصوصاً کیرلا، کرناٹک، آندھرا پردیش اور تامل ناڈ میں ذات پات اور زبان کے مسئلہ نے

چرچ کے ارتقا کو بری طرح متاثر کیا ہے...... بدقسمتی سے ذات پات کے امتیازات کسی ایک قسم کے چرچ کے ساتھ محدود نہیں ہیں، وہ جنوبی ہند کے تمام اقسام کے چرچوں میں پائے جاتے ہیں...... تامل ناڈ میں چرچ کے اندر ذات پات کے امتیازات نئے نہیں ہیں، وہ اس صدی کے آغاز سے موجود رہے ہیں، سترہویں صدی عیسوی کے اوائل ہی میں ان کے نشانات ڈھونڈے جاسکتے ہیں...... مثال کے طور پر بالکل اولین دور میں رومن کیتھولک عیسائیوں کے ایک طبقہ نے، جو خود کو اونچی ذات کا تصور کرتا تھا، بشپ، چرچ کے منتظم اور نام نہاد نیچی ذات کے عیسائیوں کے خلاف مقدمہ دائر کردیا تھا، معاملہ اس وقت ٹھنڈا ہوا جب چرچ میں ایک دیوار کھڑی کردی گئی تاکہ چرچ کا ایک حصہ کلیۃً اونچی ذات کے مسیحیوں کے لیے مخصوص ہو اور نیچی ذات کے عیسائیوں کو اس میں آنے سے روکا جاسکے...... جنوبی ہند کے مسیحی سماج اور چرچوں میں نسلی امتیازات کی وبا اب تک پھیلی ہوئی ہے، وہاں زیادہ تعلیم یافتہ اور مالدار ہونے کے ساتھ ذات پات کے امتیازات زیادہ شدید اور جارحانہ ہوگئے ہیں...... بدقسمتی سے جو افراد چرچ کے بشپ، منتظم اور پادری مقرر کیے جاتے ہیں وہ بھی ذات پات کے امتیازات سے اوپر نہیں اٹھ سکے ہیں۔" (۵۳-۵۴)

یہ ہے نسلی امتیازات اور اونچ نیچ کے سلسلے میں مسیحی سماج کا حال!" (۲۶)

ایس.سی ڈوبے (S.C.Dobe) لکھتے ہیں کہ اونچی ذات کے عیسائی اپنے کو برہمن عیسائی یا نسر عیسائی کہتے ہیں۔ ضرورت رشتہ کے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ برہمن کیتھولک یا سرسوت گوتر عیسائی دولہا چاہیے۔ جو دلت [شیڈولڈ کاسٹ] عیسائی بن گئے ہیں ان کے علاحدہ قبرستان ہیں۔ ان کی میت کے لیے نہ تو چرچ کی گھنٹی بجتی ہے اور نہ ہی پادری میت کے گھر جاکر اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ میت کو آخری رسومات کے لیے گرجا گھر میں نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں بین برادری شادی نہیں ہوتی "اونچی ذات" اور "نیچی ذات" کے عیسائیوں میں ایک ساتھ اپنی قسمت سدھارنے کے لیے جدوجہد کررہے ہیں۔ گرجا گھر ان کی مدد کررہا ہے لیکن اب تک صرف معمولی سی معنی خیز تبدیلی ہوئی ہے۔ حتی کہ اونچی ذاتوں کے عیسائیوں میں بھی ذات پات کا وجود ہے اور کم سے کم ڈھکے چھپے ہیں وہ سماجی تعلقات کو بناتے ہیں۔ (۲۷)

دفاعِ اسلام اور علماء:

آریہ سماج نے نہ صرف دفاعی محاذ کھولا؛ بلکہ اس نے اقدامی پہلو بھی اپنایا۔ اسلام کے خلاف جگہ جگہ جلسے جلوس کرنا شروع کیا اسلامی تعلیمات پر بے جا اعتراضات سے بھری کتابیں اور رسائل و جرائد شائع کرنے لگے۔ ''شدھی سنگٹھن'' قائم کر کے مسلمانوں کو ہندو بنانے لگے۔ حکومت برطانیہ کی مدد سے یہی کام عیسائی مشینریوں نے بھی شروع کیا تھا، دلتوں اور ہندوؤں کو تو عیسائی بنا ہی رہی تھیں مسلمانوں کو بھی عیسائی بنانے کا عمل شروع کر دیا تھا، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کتابیں لکھنا اور ان سے مناظرے کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ حالات انتہائی خراب ہو چکے تھے لیکن ایسی نازک حالات میں بھی مسلمانوں نے ہمت نہیں ہاری اور علماء جن میں پیش پیش مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمود دیوبندی، مولانا فخر الاسلام گنگوہی، (۲۸) مولانا میر شاہ صاحب، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی (۲۹) اور نو مسلموں (۳۰) میں جناب غازی محمد دھرم پال، ڈاکٹر غلام محمد صاحبان وغیرہ نے جگہ جگہ ان (آریہ سماجیوں) سے مناظرہ کیا، ان کی کتابوں کے رد میں کتابیں تحریر کیں۔ مولانا میر شاہ اور ڈاکٹر غلام محمد نے آریہ سماج سے مناظرہ کی خاطر دار العلوم دیوبند کے طلبا، اساتذہ اور علماء کے ایک گروپ کی باضابطہ تربیت کرنی شروع کی اور اپنا مرکز آگرہ کو بنایا۔ آریہ سماج سے مقابلہ کرنے کے لیے ''جمعیت علماء ہند'' نے بھی اپنا دفتر آگرہ میں کھولا جو بعد میں دار العلوم دیوبند کے مبلغین کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔ (۳۱) عیسائی مبلغین سے مناظرے کے سلسلے میں جن علماء نے لوہا لیا ان میں نمایاں شخصیات ہیں: مولانا محمد قاسم نانا توی، مولانا الٰہی بخش رنگین، مولانا محمود الحسن، مولانا رحیم اللہ بجنوری، مولانا فخر الاسلام، مولانا ابو المنصو ر دہلوی، مرزا موجد جالندھری، میر حیدر علی دہلوی، مولوی احمد علی دہلوی اور مولوی لقمان بن نعمان۔

پادری بازاروں، میلوں اور عام مجمعوں میں اسلام اور آں حضرت ﷺ پر اعتراضات کرتے تھے جب مولانا نانا توی نے دہلی کے قیام کے دوران یہ صورت حال دیکھی تو اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ وہ بھی اسی طرح کھڑے ہو کر بازاروں میں وعظ کیا کریں اور پادریوں کا رد کیا کریں ایک مرتبہ خود بھی بغیر تعارف اور اظہار نام مجمع میں پہنچے اور پادری تارا چند سے مناظرہ کیا اور انھیں شکست دی۔ ۸ رمئی ۱۸۷۶ء کو شاہ جہاں پور یوپی میں ایک جلسہ ''میلہ خدا شناسی'' منعقد ہوا اس میں مولانا نے عیسائیت کا ایسا رد کیا کہ موافقین اور مخالفین سبھی کو اسلام کی خوبیاں تسلیم کرنی پڑیں۔ (۳۲)

علماء کی ان کوششوں اور جانفشانیوں کے بعد آریہ سماج اور عیسائی مشینریوں کی ہمت پست

ہوئی اور عوام پر ان کی حقیقت آشکارا ہوئی۔ میوات کے علاقے میں ارتداد کی جو لہر چلی تھی مولانا محمد الیاس (۳۳) نے اس کو روکنے کے لیے ۱۹۲۶ء میں تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھی اور دور دراز علاقوں میں تبلیغی وفود بھیج کر لوگوں کو ارتداد سے بچایا۔ وہ مسلمانوں کے درمیان پھیلی ذات پات کی تفریق کو بھی جڑ، بنیاد سے مٹانا چاہتے تھے۔ اس کو سراسر 'غیر اسلام' کہا کرتے تھے؛ چناں چہ جب مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کو میوات کے سلسلہ میں خط لکھا تو اس میں تحریر فرمایا:

"زیادہ زور اس امر پر دیا جائے کہ قوم اپنی پنچائتیں اور سب اپنے کاروبار اور سب فیصلے شریعت کے مطابق کرنے ہی کو اسلام سمجھے ورنہ اسلام نہایت ناقص ہے۔ بلکہ بسا اوقات احکام شرعیہ کی بے وقعتی اور بے رخی اور توہین کی بدولت اسلام جاتا رہتا ہے اور یقیناً کفر ہو جاتا ہے۔

اس میں سے باہمی نکاح کا استنکاف معیوب سمجھنا اور اس سے عار آنا ہے۔ جس کو پہلے تو سنا ہے کہ حرام اور کفر سمجھتے تھے، اب زبان سے تو جائز کہتے ہیں، مگر معاملہ وہی ہے؛ چناں چہ موضع اٹور تحصیل نوح [صوبہ ہریانہ] کے ایک مرد و عورت نے باہمی راضی بہ رضا ہو کر اس خیال سے کہ اگر یہاں نکاح ہو گیا تو قوم سخت سزا سنا دے گی، [علاقہ] سے نکل کر نکاح کر لیا اور ضلع گوڑگاؤں [صوبہ ہریانہ] میں بود و باش اختیار کر لی تھی، مگر افسوس کہ جاہل قوم نے دولہا کو (جس کا نکاح رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ہوا تھا) عید کے تیسرے دن جمعہ کے روز قتل کر کے ہاتھ پیر توڑ کر مٹی کے تیل سے جلا کر راکھ کو کسی دریا میں بہا دیا۔ یہ مضمون بہت زور سے بیان کرنے کے قابل ہے کہ کفر و شرک کو، زنا کو اور کسی اکبر الکبائر کو ایسا معیوب اور قبیح نہ سمجھیں اور اللہ کے حلال کردہ کو اتنا معیوب سمجھیں۔ آپ ضرور بیان فرما دیں کہ کس طرح ایمان ان کا باقی رہا اور کیا سبیل ان کے ایمان کے باقی رہنے کی ہو سکتی ہے۔" (۳۴)

ادھر مولانا محمد علی اور شوکت علی نے غیر مسلمین کو مسلمان بنانے کی بہت کوششیں کیں۔ اس کے لیے اسلام کے تصور مساوات کا سہارا لیا۔ گاندھی جی کو بہت سمجھایا کہ آدھے اچھوت کو مسلمان اور آدھے کو ہندو بنا دیجیے، کیوں کہ جب ان کا وجود ہی نہیں رہے گا تو کوئی ان کو نفرت بھری نگاہوں سے نہ دیکھے گا؛ لیکن گاندھی جی نے اس کو مسترد کر دیا۔ (۳۵) ایک مہتر جو مولانا محمد علی کے یہاں آیا کرتا تھا، اس سے دو

بہت محبت سے پیش آیا کرتے تھے۔ایک روز اتفاقاً وہ کھانے کے وقت پہنچ گیا،مولانا کو گوارا نہیں ہوا کہ اس کے بغیر کھانا کھالیں۔

"چناں چہ آپ نے اس سے فرمایا: مہر چند بھائی! کھانے کا وقت ہے، ہاتھ دھولو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ وہ پہلے تو بہت جھجکا مگر مولانا کے اصرار سے تیار ہوگیا۔ مولانا نے خود اس کے ہاتھ دھلائے اور پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا اور فرمایا: اسلام میں اونچ نیچ نہیں ہے' انسانیت کے رشتے سے تم بھی ہمارے بھائی ہو۔ اس بات سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔"(۳۶)

مولانا محمد علی جب ۱۹۲۳ء میں جبل پور کے جیل میں تھے اس وقت انگریزی زبان میں اسلام کے موضوع پر ایک کتاب Islam The Kingdom of God کے نام سے لکھی، اس میں دعوت وتبلیغ کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"انگریزی ترجمۃ القرآن کے نسخوں کا پہنچنا میرے حق میں "سرود بہ مستاں یاد دہانیدن" کا مضمون ہوگیا۔ جن کرم فرما نے یہ تحفہ عنایت کیا تھا، انھیں میں نے خط لکھا ہے کہ "سب سے بڑھ کر مسرت کا دن اور کون سا میرے لیے ہوگا کہ اس قید و بند سے رہائی پاتے ہی یورپ پہنچ جاؤں اور وہاں کے ہر شراب خانے سے نہ سہی تو کم از کم ہر ہر پارک اور ہر ہر چوار ہے سے ان جنگ کے دیوانوں پر اس دین کی تبلیغ کروں جو اسلام کی آشتی اور امن کے اندر قومی جنگ وجدل کے نعروں کو یکسر فراموش کردیتا ہے۔ اسلام کی حکومت اس عصبیت وتنگ نظری کی دشمن ہے جو قوم کو خلق کرتی رہتی ہے اور انسانوں کا کام تمام کرتی رہتی ہے، ہمارا اللہ، رب العالمین ہے۔ اس کے یہاں تفریق نہ عرب وعجم کی ہے، اور نہ آریائی وسیماطیقی نسلوں کی اور نہ اینگلوسیکشن اور ٹیوٹن قوموں کی۔"(۳۷)

آر ایس ایس:

"علماء کی کوششوں سے آریہ سماج کی اصلیت عوام پر واضح ہونے لگی جس کے نتیجے میں دھیرے دھیرے اس کا زور کم ہونے لگا تو تحریک خلاف کے سرد پڑ جانے کے بعد ہندو مہا سبھا نے ہندو دھرم کے احیاء کے لیے دوبارہ دوسرے انداز میں کام کرنا شروع کردیا۔ چناں چہ سوامی شردھانند جی جو تحریک خلاف کے چوٹی کے رہنماؤں میں شمار کیے جاتے تھے، آریہ سماج کے شدھی سنگھٹن کے رہنما بن

گئیے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی کے مؤسس و بانی پنڈت مدن موہن مالویہ جی نے بھی ۱۹۱۶ء میں ہندو مہا سبھا میں شمولیت اختیار کر لی جس کی وجہ سے اس کے مردہ جسم میں نئی جان پڑ گئی۔ ان لوگوں نے اپنے پورو جوں (اسلاف) کی طرح اسلام کی اشاعت کا خاتمہ کرنے کے لیے ظاہراً شودر کو بھی ہندو تسلیم کرانے کی مہم چھیڑی۔ چناں چہ اگست ۱۹۲۳ء میں بنارس میں ہندو مہا سبھا کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں ۔پنڈت مدن موہن مالویہ جی نے۔ جو یوپی میں احیاء پرستی کے ترجمان بن چکے تھے۔ اپنے صدارتی خطبہ میں کہا کہ ہندو مت کے احیاء کے لیے ضروری ہے کہ

''اونچی ذات کے ہندو، اچھوتوں کو سچا ہندو تسلیم کریں۔'' (۳۸)

اور جب گاندھی جی نے دلتوں کو ہندو مذہب میں باقی رکھنے کے لیے بمبئی کے اندر ۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء میں ہریجن سیوک سنگھ بنائی تو اس کی پہلی میٹنگ کی صدارت خود پنڈت مدن مالویہ جی نے کی۔ (۳۹)

چناں چہ اسی مقصد کے تحت انہی ہندتو کے علمبرداروں کی مدد سے مہاراشٹر کے ایک متعصب برہمن ''کیشو ربلی رام ہیڈگوار جی'' نے اپنے چار دوستوں ڈاکٹر بی ایس مونجے جی، ڈاکٹر ایل وی پر جیئے جی، ڈاکٹر بی بی تھالکر جی اور بابو راؤ ساورکر جی کے ساتھ ۱۹۲۵ء میں وجے لکشمی کے دن آر ایس ایس کی بنیاد رکھی، اس کے قیام کی وجہ اور مقصد ہیڈگوار صاحب کے الفاظ میں یہ تھا کہ:۔

> ''برہمن اور غیر برہمن کے مابین کشمکش عروج پر تھا کوئی تنظیم متحد و متفق نہیں تھی۔ تحریک عدم تعاون کے دودھ پر پلنے والے زہریلے سانپ (مسلمان) اپنی زہریلی پھنکار سے ملک میں فساد پھیلا رہے تھے''۔ (۴۰)

آر ایس ایس نے اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر اور شودروں کو منوواد یت کے علمبرداروں کا غلام بنائے رکھنے کے لیے اخوت ومساوات اور بھائی چارگی کا ڈھونگ رچا اور آج تک اسی نہج پر کام کر رہی ہے جس کی وجہ سے بہت سے شودر اس تنظیم میں شامل ہو گئے اور آج بھی ہو رہے ہیں۔ اس تنظیم کے پہلے سنچا لک ہیڈگوار جی چوں کہ صرف اکھاڑے کے آدمی تھے، علم سے انھیں زیادہ شغف نہ تھا، اس لیے انھوں نے اس (یعنی اونچ نیچ کے امتیاز کو بڑھانے) کے سلسلہ میں کوئی خاص پیش رفت نہ دکھائی۔ لیکن ان کے بعد مادھو سدا شیو گولوالکر جی۔ جو انھیں کی طرح مہاراشٹر کے ایک برہمن تھے۔ ۱۹۴۰ء میں سنگھ کے سنچا لک بنے تو انھوں نے چھوا چھات اور ذات پات کے نظام کو مستحکم کیا، اونچ نیچ کو بہت سراہا اور عدم مساوات کو فطرت کا غیر منقسم جزء قرار دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے فلسفے کی بنا پر **عدم مساوات قدرت کا غیر منقسم جزء ہے** (The

(Disparity is undivisible part of Nature.)اور ہمیں اس کے ساتھ بسر کرنا ہے ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اس عدم مساوات کو اس کی حدود میں رکھیں اور عدم مساوات سے جو چبھن پیدا ہوتی ہے، اسے نکال دیں۔"(۴۱)

چوں کہ ان کے نزدیک عدم مساوات، فطرت کا ایک جزء ہے، اگر اس کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ ضرور ناکام ہوگی، اس لیے وہ فرماتے ہیں:

"ایسا کوئی نظام جو **فطری عدم مساوات** کو ختم کرنے کی سطحی کوشش کرتا ہے، اس کا ناکامیاب ہونا یقینی ہے۔"(۴۲)

گرو گولوالکر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ہم پیدائش ہی سے ہندو ہوتے ہیں اور دھرم میں مقرر شدہ ذمہ داریوں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بچہ صرف انسان کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے، بعد میں ماں باپ جو چاہیں بنا دیں، تو گولوالکر جی ان کا رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"یہ دوسروں کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے مگر جہاں تک ہندوؤں کا تعلق ہے، وہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اسی وقت سے اس کو پہلا سنسکار ملتا ہے اور آخری سنسکار اس وقت جب کہ وہ شعلوں کے سپرد کیا جاتا ہے...... درحقیقت ہم ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہندو ہوتے ہیں۔ چناں چہ ہم ہندو ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے ایکتا [اتحاد] کو مضبوط کرنے کا فرض اور **سماج میں شناخت پیدا کرنے کا فرض پیدائش کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ہمارے "سہج کرم" ہیں اور جو ہمارے سہج کرم ہیں، وہ ہمیں کبھی نہ چھوڑنا چاہیے خواہ ہمیں اس میں خامیاں ہی کیوں نہ نظر آئیں یہی گیتا نے کہا ہے۔**"(۴۳)

ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ آر.ایس.ایس. کا مقصد شودر کو سماجی اعتبار سے اوپر اٹھانا نہیں تھا؛ بلکہ اسلام کے بڑھتے قدم کو روکنا تھا؛ تاکہ ان کو ایسا سماج قائم کرنے کا موقع مل جائے جس میں منوسمرتی کا قانون نافذ ہو، مزعومہ۔ چھوٹی ذاتیں شودر کی شودر بنی رہیں اور مسلمان ملیچھ ہو جائیں؛ چناں چہ گولوالکر جی برہمنوں کی فضیلت کا قصہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"جنوبی ہندستان میں ایک انگریز افسر تھا، **اس کا نائب ایک ہندستانی افسر تھا جو غالباً نائیڈو تھا۔** ایک دن یہ انگریز افسر سڑک پر پیدل جا رہا تھا۔ **اس کا چپراسی جو ذات کا برہمن تھا** اس کے ساتھ جا رہا تھا۔ اتفاق نائیڈو افسر بھی سڑک پر آ رہا تھا۔ وہ ان [انگریز افسر اور برہمن چپراسی] سے راستے میں مل گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور **پھر**

نائب افسر نے جھک کر چپراسی کے پیر چھوئے۔ انگریز افسر نے بڑی حیرت سے پوچھا کہ تم نے مجھے صرف سلام کیا اور چپراسی کے پیر چھوئے؟ نائب افسر نے کہا: آپ میرے افسر ہو سکتے ہیں **مگر آپ ملیچھ ہیں یہ چپراسی ضرور ہیں مگر ان کا اس طبقہ سے تعلق ہے جس کی ہمارے لوگ صدیوں سے تعظیم کرتے آئے ہیں اور جس کے سامنے جھکنا ہمارا فرض ہے۔**" (۴۴)

اس قصہ سے انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ برہمن، ان پڑھ کیوں نہ ہو، مگر وہ پوجنے کے لائق ہے۔ کیوں کہ اس قصہ میں برہمن چپراسی ہے اور ظاہری بات ہے کہ اگر وہ غیر تعلیم یافتہ نہ ہوتا تو چپراسی کیوں بنتا؟

مشہور دلت لیڈر اور دانشور شنکرانند شاستری جی دلتوں کے فلاح و بہبود اور ان کی نجات کے واسطے ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کے ساتھ ۱۹۳۵ء سے ان کی وفات تک رہے؛ حتی کہ ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کی لاش کو دلی سے بمبئی وہی لے کر گئے۔ ۱۹۴۸ء میں جب گاندھی جی کو قتل کرنے کی وجہ سے آر.ایس.ایس. پر پابندی لگی تو اس پابندی کو ختم کرانے کے واسطے گروگوالکر جی نے ڈاکٹر امبیڈکر صاحب سے ملاقات کر کے اس سلسلہ میں ان سے مدد کی اپیل کی۔ اس ملاقات کے وقت شنکرانند شاستری بھی موجود تھے۔ شاستری جی آر.ایس.ایس. کے متعلق اپنی کتاب "My Memories and Experiences of Baba Saheb Dr. B.R.Ambedkar" میں رکھتے ہیں:

> "The Brahmins started the Rastriya swayam sevak sangh(RSS) in 1927.[1925] (۴۵) to defend and promote the interests of the Brahminism and the caste hierarchy. The membership of RSS ran into lakhs. The aim of this Para military organization is to recapture power in case there is any anarchy in the country at any moment, in future. Besides the Brahmins are heading every political party." (۴۶)

"۱۹۲۷ء [۱۹۲۵ء] میں برہمنوں نے برہمن واد کے مفادات اور ورن آشرم کے تاریخی نظام کی حفاظت اور ترقی دینے کے لیے راشٹریہ سیوم سیوک سنگھ کی بنیاد رکھی، آر.ایس.ایس. ممبران کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اس نیم فوجی تنظیم کا مقصد مستقبل میں ملک کے اندر کسی بھی وقت کسی بھی طرح کی انارکی پھیلنے کی صورت میں اقتدار پر دوبارہ

قبضہ کرنا ہے۔مزید برآں یہ کہ برہمن ہر ایک سیاسی پارٹی کی قیادت کر رہے ہیں۔"

شاستری صاحب آگے لکھتے ہیں کہ:

"It was a fact that the R.S.S. was established to save the caste system and the Brahmin priestly class. If the R.S.S. was really sincere in uniting of the "Hindus" under one flag, it should make first to destroy the caste.

The R.S.S. was nothing but a revival of Pushyamitra tactics to destroy the integration of the country and divide it into watertight compartments as happened in the past....

The R.S.S. has been doing the same to revive the caste hierarchy and bringing about a Brahmin- rule in India. If ever it happens the very first victims would be all those who were born in Shudra community."(۳۷)

"یہ حقیقت تھی کہ آر.ایس.ایس.کی تأسیس کا بنیادی مقصد ورن نظام اور برہمن پروہت طبقہ کی حفاظت کرنا ہے۔ ہندوؤں کو ایک جھنڈا تلے لانے میں آر.ایس.ایس اگر واقعی مخلص ہے تو سب سے پہلے اسے ذات پات کو ختم کرنا چاہیے۔

پشیہ مترا[شنگ] کی حکمت عملی کے احیاء کا دوسرا نام آر.ایس.ایس ہے۔جس کا مقصد ملک کی وحدت کو ختم کرنا اور اس کو نا قابل تبدیل اکائیوں میں تقسیم کرنا ہے جیسا کہ ماضی میں ہو چکا ہے......

آر.ایس.ایس.ورن نظام کے احیاء کا اور ہندستان میں برہمنی اقتدار کو قائم کرنے کے لیے یہی حکمت عملی اختیار کر رہی ہے۔اگر ایسا ہوا تو اس کے اولین شکار وہ تمام لوگ ہوں گے جو شودر سماج میں پیدا ہوئے ہیں۔"

چناں چہ یہی ذات پات، اونچ نیچ اور چھوا چھوت کی سوچ اور قوانین تھے جن کی وجہ سے آزادی کی مہم شروع ہونے سے قبل تک "پوری" اور برہمنیت کے علمبرداروں کی خالص ریاست "مہاراشٹر" اور بطور خاص "پونا" میں اچھوت قوم کو حکم دیا گیا تھا کہ جس راستہ سے ہندو گزرتے ہیں، اس راستہ سے آمد ورفت نہ رکھیں۔ جب باہر نکلا کریں تو نشانی کے طور پر گلے میں کالا دھاگا باندھ لیا کریں تا کہ کوئی ہندو انجانے میں اس سے مس ہو کر ناپاک نہ ہو جائے۔ گلے میں مٹی کی ہانڈی یا ڈبہ لٹکا لیا کریں

تا کہ تھوک وغیرہ سڑک پر پھینکنے کے بجائے اس کے اندر پھینکیں؛ کیوں کہ اگر اچھوت کا لعاب دہن زمین پر گرے گا اور اس پر کسی (خودساختہ) اونچی ذات کے ہندو کا پیر پڑ جائے گا تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔ ان تمام ظالمانہ اور وحشیانہ قوانین کے ساتھ ایک قانون یہ بھی تھا کہ جب اچھوت اقوام راستہ پر چلا کریں تو **کمر میں جھاڑو باندھ لیا کریں** تا کہ سڑک پر ان کے قدموں کے جو نشانات پڑیں وہ اس جھاڑو سے مٹتے چلے جائیں۔ کیوں کہ اگر ان کے قدموں کے نشانات پر (مفروضہ) اونچی ذاتوں کے کسی فرد کا قدم پڑ جائے گا تو وہ ناپاک اور نجس ہو جائے گا۔ (۴۸)

گاندھی واد:

آر.ایس.ایس. کے مکر و فریب کے باوجود شودر اسلام کی طرف لپک رہے تھے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر نے لاکھوں دلتوں کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا رجحان ظاہر کیا۔ (۴۹) ان کو روکنے کے لیے گاندھی جی اُٹھ کھڑے ہوئے (۵۰)، کیوں کہ وہ ہندوؤں کی تبدیلی مذہب کے سخت خلاف تھے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

> ''میری ہندو ذہنیت مجھے سکھاتی ہے کہ تھوڑے یا بہت معنوں میں سبھی مذاہب سچے ہیں، اس لیے ہم سب اپنے مذہب میں رہتے ہوئے اس کے مکمل پیروکار بنیں۔ مذہب کی تبدیلی جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایک باڑے سے نکل کر دوسرے باڑے میں جانا ہے اس سے کوئی اخلاقی ترقی نہیں۔ جس تبدیلی سے کوئی اخلاقی ترقی نہ ہوتی ہو اس تبدیلی سے کیا فائدہ۔'' (۵۱)

> ''میں تبدیلی مذہب کے جدید انداز کے خلاف ہوں۔ جنوبی افریقہ اور ہندستان میں عیسائی مشنریوں کے ذریعے تبدیلی مذہب کو دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا ہے کہ ایسے نئے عیسائی لوگ اوپری طور پر مغربی تہذیب کی نقل کرنے لگتے ہیں مگر عیسیٰ علیہ السلام کی بنیادی تعلیمات سے دور رہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ اس میں کچھ استثنا بھی ہوں۔ عیسائی مشنریوں کے ذریعہ چلائے جانے والے تعلیمی اداروں اور اسپتالوں کو میں بالواسطہ فائدہ [مفید] سمجھتا ہوں؛ کیوں کہ بلاواسطہ طور پر ان کا قیام تعلیم کے پھیلاؤ یا صحت کی بہتری کے لیے نہیں بلکہ تبدیلی مذہب کے اصل مقصد کو حاصل کرنے کے معاون ذریعہ کے طور پر کیا گیا ہے۔'' (۵۲)

''میری رائے میں دَیا[رحم] کے کاموں کی آڑ میں مذہب تبدیل کرنا غیر مفید ہے، دیش کے لوگوں کی نظر میں ناراضگی کا کام ہے۔ دھرم ایک ذاتی معاملہ ہے۔ اگر ایک ڈاکٹر مجھے کسی بیماری سے اچھا کردے تو میں اس کے عوض اپنا مذہب کیوں بدل لوں؟ میرے لیے یہ سمجھ پانا مشکل ہے کہ آخر کوئی ڈاکٹر مجھ سے اس طرح کی امید کیوں رکھے؟ اگر میں عیسائی تعلیمی ادارہ میں پڑھ رہا ہوں تو مجھ پر عیسائیت کیوں تھوپی جائے۔''(۵۳)

''میں اپنا مذہب تبدیل کرنے کے بجائے اپنے مذہب کو تبدیل کرنا چاہوں گا۔''(۵۴)

گاندھی جی نے شودروں کو قبول اسلام سے باز رکھنے اور انھیں ہندو دھرم میں باقی رکھنے کے لیے ان کی خاطر بظاہر بہت سے رفاہی کام کیے ان کا نام اچھوت تبدیل کرکے ہریجن (یعنی خدائی لوگ، خدا کا پجاری)(۵۵) رکھا اور اسی ہریجن نام سے اپنا اخبار جاری کیا، ۱۹۴۶ء میں بمبئی اور دلی کی بھنگی کالونیوں میں جا کر ٹھہرے اور وہاں فضلہ (پاخانہ) صاف کیا۔(۵۶) انڈین نیشنل کانگریس سے التجا کی کہ وہ چھوت چھات کا استحصال کرے۔(۵۷) بمبئی کے اندر ۲۰ ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو ہریجن سیوک سنگھ(۵۸) کی بنیاد رکھی اس کی پہلی میٹنگ کی صدارت ہندو مہا سبھا کے لیڈر پنڈت مدن موہن مالویہ جی نے کی اس کے پہلے صدر مارواڑی صنعت کار جی۔ ڈی۔ برلا صاحب (G.D.Birla) بنائے گئے اور قبائلی علاقے کے سماجی کارکن ''امرت لال وی۔ ٹھکر جی (Amritlal V.Thakkar) اس کے پہلے سکریٹری بنے۔ اس کے مرکزی بورڈ میں بہت سے دلت / اچھوت تھے جن میں سے ایک مدراس کے آنجہانی ''ایم۔ سی۔ راجہ جی (M.C.Rajah)'' بھی تھے۔

گاندھی جی نے نومبر ۱۹۳۳ء سے آخر جولائی ۱۹۳۴ء تک ۱۲۵۰۰ میل کا سفر کرکے چھوت چھات کے خلاف بیان دیا اور ''ہریجن سیوک سنگھ'' کے لیے چندہ اکٹھا کیا لیکن کروڑوں ہندؤں کے بیچ میں سے انھیں اس کام کے لیے صرف نو لاکھ روپیہ ہی ملے۔ انھوں نے اس تنظیم کے تحت، صنعتی ٹریننگ اسکول (Industrial training school) کھولا، جہاں اچھوتوں کے بچوں کو جوتا، چپل بنانے اور سلائی وغیرہ کا کام کرنے کی ٹریننگ دی جاتی تھی۔(۵۹) لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اونچ نیچ اور ذات پات کو نہ صرف مانتے تھے بلکہ اس کے بہت بڑے مبلغ اور پرچارک تھے۔ ان کے نزدیک ذات پات اور اونچ نیچ آزادی کی محافظ اور ضامن ہے۔ وہ خود ہی فرمایا کرتے تھے:

''سارے انسان اپنی پیدائش اور **خلقت** کے اعتبار سے **برابر** نہیں ہیں: **بلکہ چاروں ورنوں میں تقسیم ہیں۔**''(۶۰)

گاندھی جی مزید کہتے ہیں کہ ذات کو اپنی چاہت سے بدلا نہیں جا سکتا؛ چناں چہ محترمہ لکشمی نرسو نے گاندھی جی کا یہ قول نقل کیا ہے:

> ''**ورن آشرم** [**یعنی اونچ نیچ**] انسان کی فطرت میں شامل ہے ہندو دھرم نے اسے ہی سائنٹیفک [سائنسی] طور سے عزت دی ہے۔ **پیدائش ہی سے ذات بنتی ہے،** خواہش کر کے اسے بدلا نہیں جا سکتا۔'' (۶۱)

ذات پات کے نظام اور سسٹم کے بارے میں گاندھی جی کے خیالات کو ''نوجیون'' نامی گجراتی میگزین (رسالہ) نے شائع کیا۔ اس کے کچھ حصے کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس سے اس سلسلہ میں ان کا نقطۂ نظر مزید واضح ہو جائے گا۔

> ''میرا یہ یقین ہے کہ ورن کی تقسیم کا مدار پیدائش پر ہے۔ ذات میں پیدا ہوئے شخص کا پیشہ اس کے جنم سے پہلے ہی طے ہو جاتا ہے، میں ورن نظام میں یقین رکھتا ہوں۔ کیوں کہ ورن نظام لوگوں کے کام، پیشہ کو پہلے ہی طے کر دیتا ہے۔ ورن نظام میں فرد کو اپنے پیشہ کے انتخاب کی آزادی نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے لیے یہ کام وراثتاً پہلے ہی طے ہو چکا ہے۔'' (۶۲)
>
> ''میرا یہ یقین ہے کہ **بین برادری شادیاں اور بین برادری بھوج** [**دعوت**] ملکی اتحاد کے لیے ضروری نہیں ہے...... بھوجن کرنا [کھانا کھانا] پاخانہ کرنے کی طرح گندا کام ہے۔ جس طرح سے ہم پاخانہ بالکل تنہائی میں کرتے ہیں، اسی طرح ہمیں اپنا کھانا بھی تنہائی میں کھانا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ ورن نظام کو ختم کر کے یورپ کے سماجی سسٹم کو اپنانے کا مطلب میراث پر مشتمل نظام کے اصول کو ترک کرنا ہے جو جاتی [ذاتی] نظام کی روح ہے۔ اس اصول کو چھوڑنے کا مطلب بے نظامی پیدا کرنا ہے، یہ کتنی بے نظامی کی حالت ہو گئی کہ جب ہر دن برہمن کو شودر اور شودر کو برہمن کے روپ میں تبدیل ہونا ہو گا...... یہ ہمارا نظریہ ہے اور **جو بھی ورن نظام کو تباہ و برباد کرنے نکلے ہیں، میں ان سب کا مخالف ہوں۔**'' (۶۳)

گاندھی جی ذات پات، اونچ نیچ کو خدائی، فطری اور بین برادری شادیوں کو غلط بتاتے ہیں۔ نیز اپنی ذات اور پیشہ سے منسلک رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ لیکن کیا انھوں نے یا ان کے مریدوں نے کبھی اس پر عمل کیا؟ تاریخی اعتبار سے اس کا جواب نفی میں ہے۔ تاریخ کہتی ہے کہ **گاندھی جی نے اپنا آبائی اور ذاتی (جاتی/ آبائی) پیشہ ''بنیا گری'' ''کھیتی باڑی'' ترک کر کے وکالت پھر نیتا گری اور**

سادھوگری کرنے لگے۔ ان کے سب سے چھوٹے لڑکے جوان کے مرید وخلیفہ بھی ہیں نے صحافت کا پیشہ اپنالیا اور ایک برہمن دوشیزہ سے شادی بھی کرلی۔ ان کے اس عمل پر گاندھی جی نے کبھی بھی ان کی زجر وتوبیخ نہیں کی۔ (۶۴)

آخر گاندھی جی کے قول وفعل میں تضاد کیوں ہے۔ ان کے فلسفہ ذات پات کا مقصد کیا ہے اور کس کے لیے ہے؟ ان سوالوں کا جواب گاندھی جی کے ایک دوسرے قول میں ملتا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں:

> **"شودر جو اپنا دینی فریضہ مان کر برہمن، بنیوں کی خدمت کرتے ہیں اور جو اپنے لیے دولت کبھی بھی اکٹھی نہیں کرنا چاہتے**، جنھیں حقیقت میں کچھ بھی دولت اکٹھا کرنے کی خواہش نہیں ہے۔ وہ درحقیقت جھک کر سلامُ کیے جانے کے مستحق اور حقدار ہیں... خود ایشور [خدا] ان پر پھولوں کی بارش کریں گے۔" (۶۵)

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ گاندھی جی شودروں کو ہندو مذہب میں باقی رکھنا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ شودر اسلام قبول کریں، ان کا خیال تھا کہ اگر سارے شودر ہندو دھرم ترک کر کے اسلام قبول کرلیں گے تو ہندو دھرم ہی تباہ ہوجائے گا۔ مسلمان اکثریت میں ہوجائیں گے اور ہندستان میں اسلام غالب آجائے گا۔ (۶۶) اسی لیے انھوں نے اچھوتوں کو بہلا اور پھسلا کر ہندو دھرم میں باقی رکھنے کی خاطر مذکورہ بالا باتیں کہیں۔ اکثر دلت دانشوران حتیٰ کہ خود ڈاکٹر امبیڈکر صاحب نے گاندھی جی کی ان پالیسیوں کو برہمنی اور منووادی سازشیں اور ان کو برہمنیت کا ایجنٹ ٹھہرایا کہ انھوں نے دلتوں کو برہمنیت کا غلام بنائے رکھنے کے واسطے یہ سب حربے استعمال کیے۔ مشہور دلت لیڈر اور ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کے دایاں ہاتھ مانے جانے والے شنکرانند شاستری جنھوں نے گاندھی جی کے ان کاموں کو بذات خود دیکھا اور اس کی مخالفت بھی کی لکھتے ہیں کہ:

> "Harijan Sevak Sangh was nothing but a brahminic conspiracy to kill untouchables by lip sympathy and there by make them better Hindus, meaning thereby better slaves. The management of the Sangh deliberately allowed to pass entirely in to the hands of upper caste of the congress. Babasaheb charged that the policy of the Sangh was to exclude Untouchables from framing of its policy. Its sinister aim was to draw untouchables into the Congress, the Hindu party might, thus enslave them permanently. During the past five decades Sangh has done nothing and now it's social work is completely stopped."(۶۷)

''ہریجن سیوک سنگھ بس ایک برہمنی سازش کی پیداوار تھا جس کا مقصد لفظی ہمدردی کے ذریعہ اچھوتوں کو فنا کرنا اور انھیں بہتر ہندو یعنی بہتر غلام بنانا تھا۔ سنگھ کی انتظامیہ جان بوجھ کر اونچی ذات کے کانگریسیوں کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ بابا صاحب نے الزام لگایا کہ اچھوتوں کو اپنی پالیسی بنانے کے عمل سے دور رکھنا سنگھ کا بنیادی مقصد ہے۔ اس کا شرانگیز مقصد اچھوتوں کو ہندوؤں کی بڑی طاقت کانگریس میں شامل کرنا ہے۔ اس طرح انھیں دائمی غلام بنانا ہے۔ گزشتہ پانچ دہائیوں کے دوران سنگھ نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اور اب اس کا سماجی کام بالکل ہی بند ہے۔''

وہ اپنی ایک کتاب ''یگ پروش بابا صاحب امبیڈکر'' (ہندی) میں لکھتے ہیں:

''ہماری مفلوک الحال زندگی کو جان کر گاندھی جی کو علی بندھو [علی برادران] ۔محمد علی، شوکت علی۔ نے صلاح دی کہ اچھوتوں کو آدھا آدھا، ہندو اور مسلمانوں میں بانٹ لیا جائے جب ان کا الگ وجود نہیں رہے گا تو کوئی معاملہ بھی ان کی بابت نہیں رہے گا؛ لیکن مہاتما گاندھی جانتے تھے کہ اچھوت آدھے بھی مسلمان ہو گئے تو مسلمان اقلیت میں نہ ہو کر اکثریت میں ہو جائیں گے۔ ہندوؤں میں اچھوت صرف اچھوت ہی بنے رہیں گے۔ مسلمانوں کی مذہبی عزت، طریقہ دیکھ کر آدھے بچے اچھوت بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ تب تو ذات پات کے ماننے والے حقیقتاً اقلیت میں ہو جائیں گے۔ مسلمان دوبارہ اپنی تعداد کے زور سے بھارت کے حکمراں بن جائیں گے۔ ایسا سوچنے کے بعد گاندھی جی نے علی بندھوؤں کے مشورہ کو مسترد کر دیا کیوں کہ وہ تو صرف برہمن بنیا واد کے نگراں اور انھیں کو اس ملک کا حکمراں بنانے کے لیے اپنی سیاست چلا رہے تھے۔'' (۶۸)

مشہور دلت دانشور اور دلتوں کی ترجمان دلت وائس (Dalit voice) میگزین کے ایڈیٹر وی.ٹی.راج شیکھر جی Dialogue of the Bhoodevtas (بھودیوتاؤں کی بات چیت) میں لکھتے ہیں:

''ایم کے گاندھی جیسے برہمنی سماجی نظام کے مکار اور دھوکہ باز اراکین نے اچھوتوں کے لیے مندروں کے اندر داخلے کی سازش رچائی اور اچھوتوں کو جو نہ ہندو ہیں اور نہ کبھی تھے۔ جن کو مندروں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ہندوؤں سے جوڑ ڈالا اور الجھن اور تناؤ پیدا کر ڈالا۔'' (۶۹)

گاندھی جی کے اس غیر منصفانہ طرز عمل سے دل آزردہ ہو کر ایک دوسرے دلت دانشور ایس. ایل. ساگر اپنی کتاب ''ہندو مان سکتا'' हिन्दू मानसिकता ''میں لکھتے ہیں:

"گاندھی جیسے زشت بہروپیہ ہی آج تک اچھوتوں کو اچھوت بنائے رکھنے کے لیے جواب دہ رہے ہیں۔ گاندھی نے الگ انتخاب (पृथक निर्वाचन) کے خلاف احتجاج کر کے دلتوں کو ہندوؤں کا غلام بنائے رکھنے کی سازش کی تھی۔ دلتوں کو 'ہریجن' کہنا اور ان کے مندر میں داخلہ کی وکالت کرنا دلتوں کو ہندوؤں کا غلام بنائے رکھنے والی زنجیر کی کڑیاں ہیں جو گاندھی زندگی بھر بنتا رہا ہے۔ آج دنیا کا سب سے بڑا ملک بھارت، غلامی کا دیش ہے تو اس کے لیے گاندھی جیسے لوگ ہی ذمہ دار ہیں۔" (۷۰)

یہی مصنف اپنی ایک دوسری کتاب "ہریجن کون اور کیسے؟" "हरिजन कौन और कैसे" میں لکھتے ہیں:

"...ڈاکٹر امبیڈکر اعلان کر چکے تھے کہ وہ ہندو دھرم چھوڑ دیں گے۔ گاندھی کو معلوم تھا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کے دھرم چھوڑتے ہی کروڑوں دلت ہندو دھرم چھوڑ دیں گے اور دلتوں کے الگ ہوتے ہی بھارت ہندوؤں کے ہاتھوں سے نکل جائے گا اور اس دیش پر ہندو حکومت نہ رہ کر دوسرے دھرم کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ وہ چاہے **مسلمان** ہو سکتے ہیں یا عیسائی یا کوئی اور دھرم والے۔ **اور جب دوسرے دھرم والے مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جائے گی** [تو] اس صورت میں نہ ہندو بچیں گے اور نہ ہندو دھرم۔ اس لیے گاندھی یہ ضرور سمجھتے رہے کہ دلتوں کے لیے ایسی بات کہی جائے جس میں وہ دھرم تبدیلی کی بات ماننے سے دور رہیں۔ گاندھی نے اسی وجہ سے دلتوں کو ہندو دھرم کا جزء بنائے رکھنے کے لیے انھیں 'ہریجن' نام دے کر گمراہ کیا۔" (۷۱)

حواشی

(۱) سہ ماہی السلام۔نئی دہلی، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء، عنوان: ہندو مذہب کی چند اصلاحی تحریکیں، از: محمد عزیز، ص: ۲۰

(۲) آریہ سماج کی تاریخ، تیسرا باب، سچائی کے لیے جدوجہد۔۳۔ذات پات، ص: ۵۶

(۳) حوالہ سابق، ص: ۵۶

(۴) ستیارتھ پرکاش (اردو) حصہ دوم، باب گیارہواں: آریہ ورت کے مت متانتروں کی تردید و تائید، عنوان: برہم سماج اور پرارتھنا سماج، ص: ۳۵۹

(۵) سہ ماہی السلام نئی دہلی، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء، محولہ بالا، ص: ۲۳

(۶) حوالہ سابق، ص: ۲۷

(۷) آریہ سماج کی تاریخ محولہ بالا، ص: ۵۳

(۸) منوسمرتی کے نظریہ ذات پات کی تفصیلات اوپر باب اول۔ ہندستان پر آریوں کا حملہ اور اس کے سماجی اثرات، عنوان: ذات پات کا نظریہ اور مذہبی کتب میں گذر چکی ہیں۔

(۹) ستیارتھ پرکاش محولہ بالا، باب چہارم، فارغ التحصیل کے گھر واپس آتے شادی اور امور خانہ داری کا بیان، عناوین: تقسیم جماعت کا وقت، براہمن کے فرائض اور اوصاف، کشتری کے فرائض اور اوصاف، ویش کی فرائض اور اوصاف، شودر۔حصہ دوم، ص: ۸۸۔۹۱

(۱۰) حوالہ سابق، باب نہم: عرفان وجہل اور قید و نجات، عنوان: مختلف اعمال کا نتیجہ مختلف قالب، ص: ۲۵۲

(۱۱) حوالہ سابق، عنوان: مادہ کے تین (گنوں) جوہروں کے اثرات، ص: ۲۵

(۱۲) حوالہ سابق، باب دہم، مشروبات وممنوعات اور حلال وحرام کا بیان، عنوان: باورچی کا کام شودر کرے، ص: ۲۶۳

(۱۳) حوالہ سابق، کھانا کون تیار کرے؟ ص: ۲۶۷

(۱۴) سوامی جی نے پوپ کے اصلی معنی ''بڑے اور باپ'' اور موجودہ تعریف ''عیار و مکار'' کی ہے۔اس کی تفصیلات باب اول میں زیر عنوان: ''ذات پات کا نظریہ اور مذہبی کتابیں'' گزر چکی ہے۔

(۱۵) ستیارتھ پرکاش محولہ بالا، ص: ۲۷۶

(۱۶) **سوامی دیانند جی سرسوتی کے نزدیک نیوگ کی تعریف:**

بعض حالات میں شوہر بچہ پیدا کرنے کے لائق نہیں ہوتا تو بعض صورتوں میں عورت کے اندر کمی ہوتی ہے، بعض دفعہ جوانی کی حالت میں شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے تو کئی مرتبہ بیوی کا۔ یا کبھی کبھی شوہر کو ایک بیوی سے تشفی نہیں ہو پاتی ہے یا کسی بیماری کی وجہ سے بیوی اسے ازدواجی زندگی کا بھرپور لطف نہیں پہنچا پاتی ہے، ان حالات میں دوسری شادی کی جاتی ہے؛ لیکن سوامی جی ہر صورت میں دوسری شادی کے مخالف ہیں اسے ہندو دھرم کے خلاف بتاتے ہیں۔ دوسری شادی کے بجائے وہ نیوگ کا حکم دیتے ہیں اور اسے زنا بھی نہیں مانتے ہیں۔ سوامی جی پہلے تو بیوہ اور رنڈوے مرد کو ضبط نفس کی تلقین کرتے ہیں؛ لیکن اگر کسی کے اندر اس کی طاقت نہیں ہے تو اسے نیوگ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک نیوگ کی

پوری تفصیلات اس طرح ہے:

''معترض: نکاح ثانی اور نیوگ میں کیا فرق ہے؟

مجیب: اول شادی کی صورت میں لڑکی اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر خاوند کے (دوسرے نکاح کی صورت میں اپنے پہلے شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسرے خاوند کے) گھر چلی جاتی ہے اور باپ سے (اور دوسرے نکاح کی صورت میں سسرال سے بھی) اس کا زیادہ تعلق نہیں رہتا؛ لیکن نیوگ کی صورت میں بیوہ اپنے (پہلے) خاوند کے گھر رہتی ہے جس سے نیوگ ہوتا ہے۔ اس کے گھر نہیں چلی جاتی۔ دوسرے منکوحہ بیوی کے لڑکے اس خاوند کی جائیداد کے وارث ہوتے ہیں؛ لیکن نیوگ کرنے والی عورت کے لڑکے اس کے نیوگ کے خاوند کے نہ لڑکے کہلاتے ہیں نہ اس کا گوت قبول کرتے ہیں اور نہ ان پر اس کا کوئی اور حق ہوتا ہے برعکس اس کے وہ اپنی ماں کے متوفی خاوند کے لڑکے کہلاتے، اس کے گوت کو قائم رکھتے اور اسی کی جائیداد کے وارث بن کر اسی کے گھر رہتے ہیں۔ تیسرے منکوحہ بیوی اور اس کے شوہر پر ایک دوسرے کی (بالترتیب) خدمت اور پرورش لازم ہوتی ہے؛ لیکن نیوگ کرنے والوں پر اس طرح کی باہمی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ چوتھے منکوحہ بیوی اور اس کے خاوند کا تعلق تاحین حیات رہتا ہے مگر نیوگ کرنے والوں کا نیوگ کے وقت تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد نہیں۔ پانچویں منکوحہ بیوی اور شوہر مل کر (ایک ہی) گھر کے کام کاج کرتے ہیں مگر نیوگ کرنے والے اپنے اپنے گھروں کے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔.........

معترض: شادی اور نیوگ کے قواعد ایک سے ہیں یا مختلف؟

مجیب: قدرے فرق ہے، چند اختلافات کا ذکر تو اوپر ہو ہی چکا ہے اس کے علاوہ یہ کہ شادی شدہ میاں بیوی دس بچے پیدا کر سکتے ہیں: لیکن نیوگ کرنے والوں کو دو یا چار سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی اجازت نہیں۔ (نیوگ کے مختصراً قواعد یہ ہیں)۔ (۱) جیسے کنوارے مرد کی کنواری عورت سے شادی ہوتی ہے۔ اسی طرح نیوگ بیوہ عورت اور رنڈوے مرد کا ہونا چاہیے۔ کنواری اور کنوارے کا نہیں۔ (۲) جیسے شادی شدہ میاں بیوی ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔ ویسے نیوگ کرنے والے مرد عورت ساتھ نہ رہیں ان کی صحبت استقرار حمل کے وقت (جس کے اوقات اوپر بیان کیے جا چکے ہیں) ہونی چاہیے اس کے علاوہ اکٹھے نہ ہوں۔ (۳) اگر نیوگ عورت کے لیے ہوا ہو تو دوسرا حمل قائم ہوتے ہی ان کا تعلق قطع ہو جانا چاہیے اور اگر مرد کے لیے ہوا ہو تو بھی یہی صورت عمل میں لائی جائے۔ ہاں! نیوگ کرنے والی عورت دو تین سال تک ان لڑکوں کی پرورش کر کے نیوگ کرنے والے مرد کے حوالہ کر دے۔ اس طرح نیوگ کرنے والی عورت دو بچے اپنے لیے اور دو دو چار مردوں کے لیے (کل دس بچے) پیدا کر سکتی ہے؛ کیوں کہ وید میں (کل) دس اولاد پیدا کرنے کی اجازت ہے۔ چناں چہ فرمایا ہے:

''.....اے طاقت مردی سے مستعد قوی مرد! تو اس منکوحہ عورت (یا بیواؤں) کو بااولاد اور سہاگن کر اور گھر کا گیارہواں فرد عورت کو شمار کر۔ اے عورت! تو بھی نکاح کرنے والے شوہر یا نیوگ کرنے والے مردوں

سے دس اولاد پیدا کرا اور گیارہواں فرد خاوند کو شمار کر۔ رگ وید ۱۰-۸۵-۴۵

وید کے اس حکم کی رو سے براہمن، کشتری اور ویش مردوں اور عورتوں کو دس سے زیادہ اولاد پیدا نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے زیادہ تعداد کی صورت میں اولاد کمزور کم عقل اور کم عمر ہوتی ہے اور میاں بیوی بھی کمزور، کم عمر اور مریض ہو کر بڑھاپے میں سخت تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔"

سوامی جی آگے لکھتے ہیں کہ:

"رگ وید ۱۰-۸۵-۴۵ کے مطابق جس کا حوالہ اوپر دے آئے ہیں۔ جیسے عورت گیارہ مردوں تک سے نیوگ کر سکتی ہے، ایسے ہی مرد بھی گیارہ عورتوں سے نیوگ کر سکتا ہے۔"

[حوالہ سابق، باب چہارم: فارغ التحصیل کے گھر واپس آنے شادی اور امور خانہ داری کا بیان، عنوان: نکاح ثانی اور نیوگ، شادی اور نیوگ، ص:۱۱۲-۱۱۳، ۱۱۷]

سوامی جی نے تو صرف بیوہ اور رنڈوے مرد کو ہی نیوگ کی اجازت دی ہے؛ لیکن ہندو سماج میں دیکھا جا رہا ہے کہ اگر شوہر بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے تو بیوی اس سے اجازت لے کر یا بغیر اجازت لیے ہوئے دوسرے مرد سے بچہ پیدا کراتی ہے اور بچہ اس کے اصلی شوہر کا ہی کہلاتا ہے۔

(۱۷) حوالہ سابق، عنوان: شادی اور نیوگ، ص:۱۱۵

(۱۸) حوالہ سابق، گیارہواں باب، عنوان: برہم سماج اور پرارتھنا سماج، ص:۳۶۰

(۱۹) جیون چرتر مہرشی سوامی دیانند سرسوتی، مرتبہ: پنڈت لیکھرام، ص:۴۳۰، بحوالہ: غازی محمود دھرم پال- ایڈیٹر "المسلم" لدھیانہ- آریہ سماج اور سوامی دیانند، عنوان: سوامی دیانند کا قول و فعل، ص:۷۸-۸۰،

(۲۰) آریہ سماج کی تاریخ، بحولہ بالا، نواں باب آریہ سماج کی شدھی تحریک، پسماندہ طبقے، ص:۱۶۰-۱۶۱

(۲۱) حوالہ سابق، ص:۱۶۳

(۲۲) ستیارتھ پرکاش، بحولہ بالا، ص:۲۶۳

(۲۳)The Discory of India, op.cit., Ch : vii, The last phase consolidation of British rule and rise pf nationalist movement.Topic: Reform and other movements among Hindus and Muslims, pp.335-36

(۲۴)The story of the Sangh: by: A Swayam sevak. p.11

(۲۵)My Memories And Experiences of Baba Saheb Dr. B.R.Ambedkar. op.cit., ch xiii. Topic: Baba Saheb's honesty and his son's partnership with contractors. pp.150-51.

(۲۶) مولانا حامد علی: نسلی امتیازات مختلف سماجوں میں، عنوان: مسیحی سماج کا حال، ص:۴۸-۵۰

(۲۷)Dube, S.C.: Indian Society, ch.iii, varna and jati, pp.59,60,72

(۲۸) سید محبوب رضوی: تاریخ دار العلوم دیوبند، باب: مولانا قاسم نانوتوی، عنوان: مناظرہ رڑکی ا/۱۱۹-۱۲۰

(۲۹) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مناظرہ کبھی نہیں کیا، البتہ تحریری شکل میں ان کے اعتراضات کا جواب دیتے رہے... ان کی ایک ... مشہور کتاب "الجہاد فی الاسلام" ... غیر مسلمین میں

دعوت کے کام پر کافی زور دیا؛ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اشاعت اسلام کی تڑپ ان کے اندر بہت زیادہ تھی؛ چناں چہ مولانا ''جماعت اسلامی'' کے دستور میں لکھتے ہیں:

''اگر ہم اپنی دعوت کو مختصر طور پر صاف اور سیدھے الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو یہ تین نکات (Points) پر مشتمل ہوگی۔ یہ کہ ہم بندگان خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے رہیں......''

(مولانا سید ابوالاعلی مودودی: روداد جماعت اسلامی ہند، عنوان: دعوت اسلامی کے تین نکات ۵۹/۳)

ایک غیر مسلم امریکی خاتون نے مولانا کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا، قبول اسلام کے بعد ان کا نام ''مریم جمیلہ'' رکھا گیا، جو مستقبل میں ایک بہت بڑی اسکالر بنیں۔

(۳۰) غازی محمود دھرم پال صاحب اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب یہ دونوں حضرات پہلے آریہ سماج کے سرگرم رکن تھے؛ لیکن بعد میں اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگئے۔

(۳۱) تاریخ دار العلوم دیو بند، محولہ بالا، عنوان: شدھی سنگٹھن کے زمانے میں دار العلوم کی تبلیغی خدمات ۲۶۴/۱-۲۶۶

(۳۲) حوالہ سابق، باب: دار العلوم کے اکابر علم کے سلسلۂ اسناد۔ عنوان: مولانا محمد قاسم نانوتوی، ۱۱۷/۱-۱۱۸

(۳۳) مولانا محمد الیاس نے تبلیغی جماعت کی بنیاد باضابطہ طور پر ۱۹۲۶ء میں رکھی؛ لیکن انھوں نے اس سے پہلے ہی کام شروع کر دیا تھا۔

(۳۴) مولانا الیاس اور ان کی دعوت، ص: ۲۱۱، بحوالہ: ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی: تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی کی دعوت میں یکسانیت، عنوان: تحریک کی وسعت، ص: ۱۲-۱۳

(۳۵) एस० एल० सागर: हिन्दू मानसिकता, बिन्दु : मन्दिर प्रवेश पृ०: 9, एस० एल० सागर: हरिजन कौन और कैसे: बिन्दु: गाँधी और हरिजन, पृ०:11-14, शंकरानन्द शास्त्री : युग पुरूष-बाबा साहब अम्बेडकर पृ० 127-28 उदधृत:दलित समस्या जड़ में कौन?op.cit अध्याय: 5 दर्द पृ० 161-62

(۳۶) دعوت حق اور غیر مسلم محولہ بالا، ص: ۲۱

(۳۷) صدق، جلد اول ص: ۳، یکم جون ۱۹۳۵ء، بحوالہ: تاریخ دعوت و جہاد محولہ بالا، چھٹا باب تحریکات آزادی، عنوان: تحریک خلافت، ص: ۱۸۰

(۳۸) Bipin Chandra: Communalism in modern India. (Note. No.1) p.69 بحوالہ: صلاح الدین عثمان: آر. ایس. ایس تعلیمات و مقاصد، باب: ۴، عنوان: فرقہ پرستی کے علم بردار- آر. ایس. ایس، ص: ۲۷

(۳۹) My memories and experiences of Babasaheb Dr. B.R. Ambedkar, op.cit Ch,iii. Topic: Harijan sevak sangh, p.27

(۴۰) سہ ماہی السلام-نئی دہلی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، جلد: ۵، شمارہ: ۱، عنوان: آر. ایس. ایس...... چند جھلکیاں، از: دانش ریاض، ص: ۴۰

(۴۱) Golwalkar: Bunch of thoughts بحوالہ آر. ایس. ایس تعلیمات و مقاصد محولہ بالا، باب ۱۰، عنوان

ورن ویوستھا کی حمایت،ص:۱۹۷

(۴۲) Bunch of thoughts بحوالہ آر ایس ایس تعلیمات ومقاصد محولہ بالا،ص:۱۹۷

(۴۳) Bunch of thoughts حوالہ سابق،ص:۲۰۲-۲۰۳،[''گیتا'' کے نزدیک سچ کرم آبائی پیشہ اور ذات ہے،تفصیلات ،باب:ششم-برہمنی تحریکات کا ظہور،زیر عنوان:بھگتی تحریک میں گزر چکی ہیں-]

(۴۴) Bunch of thoughts حوالہ سابق،ص:۲۰۷-۲۰۸

(۴۵) یہاں شاستری جی کو کنفیوزن ہوگیا ہے یا غلط طباعت ہوگئی ہے؛ کیوں کہ آر.ایس.ایس کی تاسیس کی تاریخ ۱۹۲۷ء کے بجائے ۱۹۲۵ء ہے۔

(۴۶) My memories and experiences of Babasaheb Dr. B.R. Ambedkar, op.cit, Ch,iii. Topic: Budhists slaughted by Shankara, p.61

(۴۷) Ibid, Topic: Meeting with M.S. Golwalkar, RSS chief, pp.66- 67

(۴۸)हिन्दू विदेशी है, op.cit बिन्दु : आमुख पृ०:3-4 ,डा० बी०आर० अम्बेडकर : जाति भेद का उच्छेद पृ०:27, मधुलिमेय: बाबा साहब अम्बेडकर एक चिंतन पृ०:41, उदधृत:दलित समस्या जड़ में कौन, अध्याय:5 दर्द बिन्दु: पेशवाओं के शासन-काल में पृ०:148, सदियों का दर्द पृ० 151.

(۴۹) ڈاکٹر امبیڈکر کا قبول اسلام کی طرف جو رجحان تھا،اس پر تفصیلی بحث آگے باب دہم:اشاعت اسلام کی راہ میں نئی رکاوٹیں،زیر عنوان:''شودر پھر اسلام کے زیر سایہ'' آرہی ہے۔

(۵۰)हरिजन कौन और कैसे: op.cit पृ०:11-14

سہ ماہی السلام-نئی دہلی،جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء،جلد:۵،شمارہ:۱،عنوان:تبدیلی مذہب بنام شدھی کرن،از:ڈاکٹر ایم اجمل، ص:۲۵،اس پر تفصیلی بحث آگے-زیر عنوان:''شودر پھر اسلام کے زیر سایہ'' آرہی ہے۔

(۵۱) سہ ماہی السلام-نئی دہلی،جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء،محولہ بالا،ص:۲۵

(۵۲) Young India, December,17,1925،بحوالہ:حوالہ سابق

(۵۳) Young India, April,23,1931،بحوالہ:حوالہ سابق

(۵۴) این راگھون ایئر:مہاتما گاندھی کے اخلاقی وسیاسی خیالات،بحوالہ:حوالہ سابق

(۵۵) گاندھی جی کے ہریجن کا مطلب ''خدائی لوگ'' نہیں ہے۔گجراتی شاعر نرسی مہتا کے مطابق:

''مندروں کی مورتیوں کے ساتھ بیاہی ہوئی لڑکیوں کو دیوداسی اور ان دیوداسیوں کو ان کے گراہنوں کے ساتھ ہوئے جسمانی تعلقات سے پیدا شدہ بچوں کو ہریجن کہا جاتا ہے۔''

(ब्रि-इब्लिसी शोषण- व्यूह विध्वंस, op.cit बिन्दु: मनुवाद का रक्षा-कवच: ब्राह्मवादी पाखंडवाद, पृ० 1/153,

مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے:

हरिजन कौन और कैसे?:op.cit मासिक हम दलित, नई दिल्ली, अक्टूबर 2003, वर्ष 14, अंक 10, बिन्दु : हरिजन बनाम दलित, लेखक: कामता आसाद मौर्य पृ० 3)

اسی لیے ہندستانی قانون اور سپریم کورٹ نے اس لفظ کے استعمال پر پابندی لگادی ہے۔
(Fartnightly, Dalit voce, New Delhi september 1-15, 1999, Vol. 20, No.15, Topic: Who killed Babasaheb? Dalit must accept manuwadi challenge for prob. By Ramdhav Ram. p.23)

(۵۶) Religions of India, op.cit. Ch: Hinduism, By: Dr. Karan Singh, Topic: Mahatama Gandhi, p.64, My memories and experiences of Babasaheb Dr.B.R. Ambedekar,op.cit. Ch:ii,Topic: Babasaheb Ambedekar and M. K. Gandhi,p.20

(۵۷)Dr. B.R. Ambedkar, vol. 5.P.317, उदधृत: त्रि-इब्लिसी शोषण व्यूह विध्वंसop.cit. बिन्दु : मनुवाद का रक्षा-कवच, ब्राहम्णवादी पाखंडवाद 1-50

(۵۸) یہ تنظیم پہلے اس نام سے بنی Devoted to removal of Untouchability، بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے یہ رکھا گیا The servants of untouchables society، اور ہندی میں اسے کہا گیا ’’ہریجن سیوک سنگھ‘‘ (My memories and experiences of Babasaheb Dr.B.R. op.cit. Ambedekar, ,pp.26-27)

(۵۹) Ibid. pp.18-19, pp.26-27

(۶۰) سہ روزہ دعوت - نئی دہلی، ۲۲/مارچ ۱۹۹۳ء، جلد: ۴۱، شمارہ: ۲۷، ہندستانی مذاہب نمبر، عنوان: وحدت ادیان، از: مولانا سلطان احمد اصلاحی، ص: ۱۳۸

(۶۱) अचार्य क्षितिजमोहन सेन : भारत वर्ष में जाति-भेद पृ० 7 उदधृत: दलित समस्या जड़ में कौन?op.cit, अध्याय : १ आधार, बिन्दु : वर्ण-भेद जन्मगत है। पृ० २८

(۶۲) Dr. B.R. Ambedkar, vol.9.P.277-78, उदधृत: त्रि-इब्लिसी शोषण-व्यूह विध्वंस op.cit बिन्दु : मनुवाद का रक्षा-कवच ब्राहम्णवादी पाखंडवाद 1.46

(۶۳)Dr. B.R. Ambedkar, vol. 9.P.275-276,288,उदधृत: वही 1.46

(۶۴)Dr. B.R. Ambedkar, vol. i, p.90, उदधृत: वही 1.47

(۶۵)Dr. B.R. Ambedkar, vol.9, p.291,उदधृत: वही 1/147

(۶۶)हरिजन कौन और कैसे ? op.cit बिन्दु : गांधी और हरिजन पृ० 11.14

(۶۷)My Memories and Experiences of Dr. B. R. Ambedkar,p. 27-28

(۶۸)शंकरानन्द शास्त्री युग पुरूष-बाबा साहेब अम्बेडकर पृ० 187-88. उदधृत: दलित समस्या जड़ में कौन ? op.cit अध्याय : 5 दर्द बिन्दु : अछूतों के लिये कोई स्थान नहीं पृ० 161 62

(۶۹) V.T. Raj Shekar: Dialogue of the Bhoodevtas اردو ترجمہ: پروفیسر خلیل الرحمٰن ایس مجیب ایڈوکیٹ، اقبال شریف ایڈوکیٹ: بھودیوتاؤں کی بات چیت، عنوان: دیباچہ، ص ۴

(۷۰) हिन्दू मानसिकता op.cit बिन्दु: मन्दिर प्रवेश पृ० 9

(۷۱)हरिजन कौन और कैसे ? op.cit बिन्दु : गांधी और हरिजन पृ० 11-14

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾
انعام: ۱۵۲

''اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے لیے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لیے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔''

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ج
المائدہ: ۸

''اور جب تم بات کیا کرو، تو انصاف رکھا کرو گو وہ شخص قرابت دار ہو۔''

باب نہم

ذات پات اور معاصر علماء وزعماء

پیچھے یہ بات آ چکی ہے کہ ہندو گروؤں اور دانشوروں نے ہندومت کی چھوت چھات اور ذات پات کی وجہ سے دلتوں کو ہندو مذہب چھوڑ کر کے اسلام قبول کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے مذہب کو بچانے اور دلتوں کو ہندو دھرم میں باقی رکھنے کے واسطے دل سے نہ سہی اوپر کے دل سے ہی سہی، اپنی مذہبی چھوت چھات اور ذات پات۔ جس پر ہندو دھرم کی بنیاد ہی نہیں؛ بلکہ چھوت چھات اور ذات پات کا دوسرا نام ہی ہندو دھرم ہے۔ سے دست بردار ہو رہے تھے، اس واسطے باضابطہ تحریکیں چلا رہے تھے اور آج بھی اسی مقصد کے تحت ذات پات کو چھوڑ رہے ہیں اور اس کے خلاف تحریکات چلا رہے ہیں؛ **لیکن دوسری جانب مسلم سماج سے ذات پات کو ختم کرنے کے لیے شروع سے آج تک کوئی ایک بھی تحریک خالص اس واسطے نہیں اٹھی**، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ بعض مسلم معاصر اور غیر معاصر علماء کرام اور دانش وران نے انفرادی طور پر مسلمانوں کے اندر پھیلی اونچ نیچ کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اس طرح اشاعت اسلام کی راہیں ہموار کیں۔ مگر یہ امت مسلمہ کی بدقسمتی اور زوال کی انتہا کہیے یا برہمنیت کی سازش یا زمیندارانہ نظام کا جادو کہ اس کے بہت سے اونچے درجے اور اعلیٰ مقام کے حامل معاصر علمائے عظام اور دانشورانِ کرام نے ذات پات، چھوت چھات کو مسلم سماج سے خارج کرنے کے بجائے بلاواسطہ اور بالواسطہ اسے اسلامی چیز بتا کر فروغ دیا اور دے رہے ہیں اور اس طرح اسلام کی اشاعت کی راہیں مسدود کیں اور کر رہے ہیں۔

علی گڑھ تحریک

سر سید احمد خاں:

مولانا محمد قاسم صدیقی نانوتوی کے استاذ مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد۔[1] سر سید احمد خاں (۱۸۹۸ء - ۱۸۱۷ء) جنھوں نے قرآن مجید کی "تفسیر القرآن و ھو الھدی و الفرقان" کے نام سے لکھی اور علی گڑھ میں ۱۸۷۵ء میں "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (مدرسۃ العلوم)" کھولا، جو ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، میں بدل گیا۔ وہ کشتیِ تعلیمی مشن کے ملاح تھے، مگر ساتھ ہی ساتھ وہ برطانوی حکومت کے بہت بڑے وفادار بھی تھے، جس کا اعتراف انھوں نے متعدد بار کیا[2] اور مزعومہ شرفاء کو بھی انگریزی

حکومت کا وفادار بننے کی تلقین کرتے رہے۔ انھوں نے پوری مسلم قوم کی فلاح و بہبود کے لیے کبھی نہ سوچا، وہ صرف مفروضہ شریف اقوام کی رفاہ کے لیے کام کرتے رہے۔ وہ اونچ نیچ کو باقی رکھنا اور موہوم نیچ اقوام کو ہر طرح سے دبا کر رکھنا چاہتے تھے، انھیں گالی گلوچ کے الفاظ سے مخاطب کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اس میں مسلمانوں کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ ان (مسلمانوں) کو کافی جانی و مالی نقصان ہوا۔ سرسید صاحب نے انگریزوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ اس بغاوت (جہاد) میں (مزعومہ) بڑی ذاتوں کے مسلمانوں کا ہاتھ نہیں ہے وہ تو آپ کے وفادار ہیں اور موہوم شرفاء کو نصیحت بھی کرتے رہے کہ تم حکومت کے ساتھ وفاداری کرو اور حکومت کی نظر میں اپنے کو مشکوک مت بناؤ۔ ۲۸/دسمبر ۱۸۸۷ء میں لکھنؤ کے اندر ''محمڈن ایجوکیشنل کانگریس [کانفرنس]'' کے دوسرے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

> ''جو **ادنیٰ خاندان** کے لوگ ہیں وہ ملک یا گورنمنٹ کے لیے مفید نہیں ہیں اور **اعلیٰ خاندان** والے رئیسوں کی عزت کرتے ہیں اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور **انگلش قوم کی عزت اور برٹش گورنمنٹ کے انصاف کا نقش لوگوں کے دلوں پر جماتے ہیں اور ملک اور گورنمنٹ کے لیے مفید ہیں**...... کیا تم نے نہیں دیکھا کہ غدر میں کیا حالت [حالات] تھے؟ نہایت مشکل وقت تھا۔ اس کی فوج بگڑ گئی تھی۔ چند بدمعاش ساتھ ہو گئے تھے اور گورنمنٹ نے غلطی سے سمجھ لیا تھا کہ رعایا باغی ہے...... اے بھائیو! اے میرے جگر گوشو! یہ حال گورنمنٹ کا اور تمھارا ہے۔ تم کو سیدھے طور پر رہنا چاہیے نہ اس طرح شور وغل سے کہ کوے جمع ہو گئے۔
>
> اے بھائیو! میں نے گورنمنٹ کو ایسے سخت لفظوں میں الزام دیا ہے؛ لیکن وہ وقت آتا جاتا ہے کہ ہمارے بھائی پٹھان، سادات، ہاشمی اور قریشی جن کے خون میں ابراہیم کے خون کی بو آتی ہے، وہ ایک دفعہ زرق برق کی وردیاں پہنے ہوئے کرنیل اور میجر بنے ہوئے فوج میں ہوں گے، لیکن اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ ضرور گورنمنٹ متوجہ ہوگی، بشرطیکہ تم اس کو مشکوک نہ ہونے دو...... انصاف کرو کہ گورنمنٹ کی عملداری کو کَے [کتنے] دن ہوئے؟ **غدر کو کَے دن ہوئے؟ اور وہ صدمہ جو گورنمنٹ کو پہنچا، گو جاہلوں سے تھا اور رئیسوں سے نہ تھا۔** اس کو بتلایئے کہ کَے دن ہوئے؟...... میں سچ کہتا ہوں کہ جو چیز تم کو اعلیٰ درجے پر پہنچانے والی ہے، وہ صرف ہائی ایجوکیشنل [اعلیٰ تعلیم] ہے۔ جب تک ہماری

قوم میں ایسے لوگ پیدا نہ ہوں گے ہم ذلیل رہیں گے اور اوروں سے پست رہیں گے اور اس عزت کو نہ پہنچیں گے جس پر پہنچنے کا ہمارا دل چاہتا ہے۔ یہ دل سوزی کی چند نصیحتیں ہیں جو میں نے تم کو کی ہیں، مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی مجھے دیوانہ کہے یا اور کچھ۔" (۳)

The loyal Mohammadans of India (دی لائل محمڈنس آف انڈیا) نامی ہفت روزہ میگزین- جو اردو اور انگریزی میں شائع ہوتی تھی اور جس کا اردو نام "رسالہ خیر خواہان مسلم" تھا- میں سرسید صاحب نے اس بات کی وکالت کی کہ (مزعومہ) اونچی ذاتوں میں پیدا ہوئے مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف مہم میں شامل نہیں ہونا چاہیے (۴) ۱۸۶۰ء میں شائع شدہ اس میگزین میں انھوں نے لکھا:

"اس منحوس دن یا سپاہی بغاوت کے وقت اگر کسی جماعت نے انگریزوں کا ساتھ دیا تو وہ تھے مسلمان جن مسلمانوں نے باغیوں کا ساتھ دیا ان کی حمایت ہم کسی طرح بھی نہیں کر سکتے، یہی نہیں [بلکہ] ان کے برتاؤ ایسے رہے جس سے نفرت ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ جس لیے انھوں نے اس حیوانیت نما قتل عام میں حصہ لیا اس کے لیے وہ قابل معافی نہیں۔" (۵)

یہاں پر سرسید صاحب نے "مسلمان" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور ان کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مسلمان صرف خود ساختہ شرفاء ہی ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

"قیامت کے دن جب خداوند تعالی مسلمان تیلی، جولاہوں، ناخواندہ یا کم علم مسلمانوں کو سزا دینے لگے گا تو بندہ سامنے ہو کر عرض کرے گا کہ جناب باری انصاف فرمائیے۔" (۶)

یہاں انھوں نے پہلے ہی مان لیا کہ اللہ تعالی صرف مسلمان تیلی، جولاہا اور ناخواندہ حضرات کو ہی سزا دے گا۔

۱۸۵۷ء کے جہاد (غدر) کے متعلق سرسید صاحب نے "اسباب بغاوت ہند" لکھی۔ اس میں ایک جگہ انھوں نے زمینداروں اور مزعومہ طبقہ اشراف کی بغاوت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھ دیا:

"جولاہوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا تھا جو بدذات سب سے زیادہ اس ہنگامہ میں گرم جوش تھے۔" (۷)

سرسید صاحب کی کتاب "اسباب بغاوت ہند" کے بارے میں جناب علی انور اپنی کتاب "مساوات کی جنگ۔ پس منظر بہار کے پسماندہ مسلمان" میں رقم طراز ہیں:

''قابل غور بات یہ ہے کہ اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ ''سر آکلینڈ کولبن'' اور جی. ایف. آئی گراہم'' نے کیا۔ یہ کتاب ''The causes of Indian Revolt'' کے نام سے ۱۸۷۳ء میں اس لیے شائع کی گئی کہ انگریز حکمراں مسلم طبقہ شرفاء کی وفاداری اور مؤمنوں [جولاہوں] کی غداری اور بغاوت سے واقف ہوسکے..... سر سید احمد خاں انگریزوں کو یہ سمجھانے میں کامیاب بھی ہوگئے کہ بھارت [ہندستان] کی بڑی ذاتوں کے مسلمان برطانیہ حکومت کے طرفدار ہیں۔ اسٹریچ نے سرکاری طور سے کہا ہے ۱۸۹۴ء تک شمالی ہندستان کی بڑی [شریف] ذاتوں کے مسلمان انگریزی حکومت کی طاقت کے سرچشمہ تھے۔'' (۸)

۲۸ر دسمبر ۱۸۸۷ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانگریس لکھنؤ کے دوسرے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے سر سید صاحب نے لیجسلیٹو کونسل میں منتخب ممبران کو بھیجنے کی مخالفت اس لیے کی کہ چنے ہوئے ممبران عام لوگوں کے درمیان سے آئیں گے جو وائسرائے سے مخاطب ہونے یا (مزعومہ) اشراف کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھنے کے لائق نہ ہوں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ (موہومہ) اونچے خاندان میں پیدا ہوئے شخص ہی وائسرائے کی کونسل میں بیٹھنے کے قابل ہیں۔ اور کونسل ممبران کا انتخاب ذات کی بنیاد پر ہونا چاہیے نہ کہ لیاقت اور قابلیت کی وجہ سے انھوں نے کہا:

''گورنمنٹ **ہندستانی رئیسوں** میں سے جن کو وہ اس کرسی پر بیٹھنے کے قابل اور بہ **اعتبار عزت** کے مناسب سمجھتی ہے، ان کو بھی [ہی] بلاتی ہے۔ شاید اس بات پر لوگوں کو شبہ ہوا ہوگا کہ **بہ اعتبار عزت** کے کیوں بلاتی ہے؟ بہ اعتبار لیاقت کے کیوں نہیں بلاتی؟'' (۹)

اس کا سبب بیان کرتے ہوئے وہ خود فرماتے ہیں:

''وائسرائے کے ساتھ کونسل میں بیٹھنے کے لیے **واجبات** [میں] سے ہے کہ **ایک معزز شخص** ملک کے **معزز شخصوں** میں سے ہو۔ کیا ہمارے ملک کے رئیس اس کو پسند کریں گے کہ **ادنی درجے کا آدمی، خواہ اس نے بی۔ اے کی ڈگری لی ہو یا ایم. اے کی اور گو وہ لائق بھی ہو،** ان پر بیٹھ کر حکومت کرے، ان کے مال، جائیداد اور عزت پر حاکم ہو؟ کبھی نہیں۔ کوئی ایک بھی پسند نہیں کرے گا۔ (چیئرز) گورنمنٹ کی کونسل کی کرسی نہایت معزز ہے۔ گورنمنٹ مجبور ہے کہ سوائے معزز کے کسی کو نہیں بٹھا سکتی۔ اور نہ وائسرائے اس **کو ''مائی کلیگ'' یا ''مائی آنریبل کلیگ'' یعنی برادر یا معزز صاحب کہہ سکتا ہے۔ نہ**

شاہانہ ڈنروں [رات کا کھانا] میں اور نہ شہنشاہی جلسوں میں، جہاں ڈیوک اور ارل اور بڑے بڑے معززین شامل ہوتے ہیں، بلایا جا سکتا ہے۔ غرض کہ گورنمنٹ پر یہ الزام کسی طرح عائد نہیں ہو سکتا کہ رئیسوں کو کیوں منتخب کرتی ہے۔" (۱۰)

سرسید صاحب نے انگلینڈ اور ہندستان میں سول سروس کے یکساں امتحان کی مخالفت کی کیوں کہ ان کے نزدیک اگر ہندستان میں بھی یہ امتحان ہونے لگے گا تو اس میں مزعومہ رذیل برادریوں کے لوگ امتحان پاس کر کے کلکٹر اور کمشنر ہو سکتے ہیں۔ انگلینڈ میں ہر ایک چاہے وہ درزی کا بیٹا ہو یا ڈیوک کا امتحان پاس کر کے عہدہ پا سکتا ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ انگلینڈ اور ہندستان کے حالات میں فرق ہے۔ ان کے مطابق ہندستان میں خودساختہ بڑی ذات کے لوگ ہی برٹش گورنمنٹ کے وفادار ہیں عرفی نیچ قوم کے لوگ نہ تو ملک کے لیے مفید ہیں اور نہ گورنمنٹ کے لیے۔ موہومہ بڑی ذاتوں کے لوگ کبھی برداشت اور پسند نہیں کریں گے کہ کوئی مزعومہ رذیل ذاتوں کا آدمی ان پر حکومت کرے، وہ فرماتے ہیں:

"یہ امر آپ کو ظاہر ہے کہ ولایت میں ہر شخص اعلیٰ اور ادنیٰ، ڈیوک اور ارل یا کسی جنٹلمین و شریف خاندان کا بیٹا اور ایک درزی یا کسی ادنی درجے کے خاندان کا بیٹا برابر امتحان دے سکتا ہے۔ جو یورپین ولایت سے کمپیٹشن کا امتحان دے کر آتے ہیں، ادنی خاندان کے بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ خاندان کے بھی ہوتے ہیں۔ آپ سب یقین کرتے ہوں گے اور میں کہتا ہوں کہ یقین کرتے ہوں گے کہ **جو ادنی خاندان کے لوگ ہیں وہ ملک یا گورنمنٹ کے لیے مفید نہیں ہیں اور اعلیٰ خاندان والے رئیسوں کی عزت کرتے ہیں اور اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور انگلش قوم کی عزت اور برٹش گورنمنٹ کے انصاف کا نقش لوگوں کے دلوں پر جماتے ہیں اور ملک اور گورنمنٹ کے لیے مفید ہیں؛** لیکن انگلستان سے جو آتے ہیں، وہ ہماری آنکھ سے اتنی دور ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ **وہ لارڈ کے بیٹے ہیں یا ڈیوک کے یا ایک درزی کے** (چیئرز) اور اس سبب سے یہ امر کہ ہم پر ایک **ادنی آدمی حکومت کرتا ہے،** ہماری آنکھ سے چھپا ہوا رہتا ہے۔ لیکن ہندستان میں یہ خیال نہیں ہے۔ **ہندستان کی شریف قوم میں ہندستان کے ادنی درجے کے شخص کو، جس کی جڑ بنیاد سے وہ واقف ہیں، اپنی جان و مال پر حاکم ہونا پسند نہیں کریں گے (چیئرز)۔"** (۱۱)

"محمڈن اینگلو اورینٹل کالج / مدرستہ العلوم" کو قائم کرنے کے پیچھے سرسید صاحب کا کیا مقصد تھا اس کی وضاحت [illegible] ابو خالد بن سعدی انور نے اپنے ایک مضمون میں کی ہے۔ ذات پات کے غیر

اسلامی نظریہ کی مذمت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''سرسید مرحوم کی اکثر تحریروں سے ظاہر ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے طبقہ شرفاء کے غدر کے نتیجے میں تباہی کے بعد ان کی باز آباد کاری کے لیے مدرسۃ العلوم علی گڑھ قائم کیا تھا۔ چناں چہ علی گڑھ کے فارغین کے کیریکٹر سرٹی فیکیٹ میں یہ جملہ ۱۹۴۷ء تک برابر لکھا جاتا رہا کہ **''سائل اپنے ضلع کے شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔''** یہ دوسری بات ہے کہ تاریخی عوامل نے اس مرکز تعلیم کو ہندستانی مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کی واحد امید گاہ بنا دیا۔'' (۱۲)

جناب عبد الرحمٰن عابد نے اپنے ایک مضمون ''قضیہ اشراف واجلاف کا'' میں ذات پات کو سراسر غیر اسلامی بتایا ہے اور یہ چیز مسلمانوں میں کس طرح آئی اس کی نوعیت اور صورت حال پر گفتگو کی ہے۔ اس سے علماء جو متاثر ہوئے ان کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''سرسید کی علی گڑھ تحریک میں بھی ان کا مطمح نظر اشراف تھے، اشراف کے لیے ہی انھوں نے علی گڑھ کالج کی بنیاد ڈالی۔'' (۱۳)

جناب اشفاق حسین انصاری سابق ممبر پالیمنٹ (ساتویں) سابق ممبر ریاستی پسماندہ طبقات کمیشن (پہلا) کا روزنامہ راشٹریہ سہارا، اردو نئی دہلی ۱۹ ردسمبر ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں ایک مضمون ''آنکل کے میدان میں دورخی کے خانے سے'' شائع ہوا تھا۔ اس میں انھوں نے کہا تھا کہ کانگریس کے لیڈر شپ میں کسی سطح پر پسماندہ مسلمان نظر نہیں آتے ہیں۔ ہر جگہ (مفروضہ) اشراف مسلمان کا ہی قبضہ ہے۔ ان کے اس مضمون پر مشہور دانشور، سیاست داں اور سابق ممبر پارلیامینٹ سابق ریڈر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جناب ڈاکٹر سید محمد ہاشم قدوائی نے ایک تنقیدی مراسلہ ۳۰ ردسمبر ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں لکھا۔ اس میں انھوں نے مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی اونچ نیچ کی سوچ کو اسلامی تعلیمات کے رو سے غلط بتایا اور اس کو ختم کرنے پر زور دیا۔ اور لکھا کہ اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی شدید ضرورت ہے لیکن ''بد قسمتی سے اس مضمون سے مسلمانوں کے باہمی اختلافات دور نہیں ہوئے'' (۱۴)

وہ اپنے مراسلہ کا اختتام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بد قسمتی سے اشراف بنام اجلاف کا فتنہ پچھلی صدی میں شروع ہوا اور افسوس کہ **سید احمد خاں صاحب نے بھی اس فتنے کا مقابلہ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے میدان میں انھوں نے اس کے خلاف سپر ڈال دی اور انھوں نے مغربی یا انگریزی تعلیم کو صرف اشراف تک** [illegible] (۱۵)

یہ الگ بات ہے کہ اب وہ ذات پات پر مبنی مراسلات ومضامین کی بھرپور تعریف کرنے لگے ہیں۔(۱۶)

مذکورہ بالا حضرات کی بات بالکل حقیقت پر مبنی ہے، اس کا ثبوت سرسید صاحب کی اس تقریر میں جابجا موجود ہے جس کو انھوں نے ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۷ء میں۔ محمڈن ایجوکیشنل کانگریس لکھنؤ کے دوسرے جلسہ میں کی تھی جس کے کچھ اقتباسات اوپر گزر چکے ہیں۔ حتیٰ کہ انھوں نے تقریر کی شروعات میں ہی کہہ دیا تھا:

> ''میری کبھی عادت پولیٹکل امور پر لیکچر دینے کی نہیں ہے اور نہ مجھے یاد ہے کہ میں نے کبھی پولیٹیکل امور میں [پر] کوئی لیکچر دیا ہو۔ میری توجہ ہمیشہ **اپنے بھائی مسلمانوں** کی تعلیم کی طرف مائل رہی اور اسی کو میں ہندستان کے لیے اور قوم کے لیے بہت مفید سمجھتا ہوں؛ لیکن اس زمانے میں بعض حالات ایسے درپیش آئے جن کے سبب ضرور [ضروری] ہوا کہ اپنی رائے سے **اپنے بھائیوں** کو جس کو ان کے حق میں مفید سمجھتا ہوں اطلاع دوں۔'' (۱۷)

انھوں نے اس تقریر میں کہا ہے کہ میری توجہ ہمیشہ اپنے **مسلمان بھائیوں** کی تعلیم کی طرف مائل رہی ہے اور ان کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مسلمان صرف مزعومہ طبقہ اشراف ہی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ انھوں نے اس تقریر میں **''اپنے بھائی مسلمانوں'' ''اپنے بھائیوں''** کے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ان کے نزدیک ان سے کون لوگ مراد ہیں اس کی وضاحت ان کی تقریر کے اگلے حصہ سے ہو جاتی ہے جو اوپر گزر چکی ہے، جس میں تھا کہ:

> **''ہمارے بھائی پٹھان، سادات، ہاشمی اور قریشی جن کے خون میں ابراہیم کے خون کی بو آتی ہے۔''** (۱۸)

سرسید صاحب نے پنجاب میں تعلیم نسواں پر جو تقریر کی تھی اس میں صرف مفروضہ طبقہ شرفاء کی لڑکیوں کی تعلیم کی بات کہی تھی۔ اس سے ان کے علی گڑھ کالج کھولنے کا مطمح نظر کو سمجھا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اسے کن لوگوں کے لیے کھولا تھا۔ ۲۰ر اپریل ۱۸۹۴ء بمقام جالندھر پنجاب، تعلیم نسواں پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں لڑکیوں کو اسکول بھیجنے کے سخت خلاف ہوں، پتہ نہیں کس طرح کی لڑکیوں سے ان کی صحبت ہوگی۔ پھر فرماتے ہیں:

> ''مگر میں نہایت زور سے کہتا ہوں کہ اشراف لوگ جمع ہو کر اپنی لڑکیوں کی تعلیم کا ایسا انتظام کریں جو نظیر ہو پچھلی تعلیم کی جو کسی زمانہ میں ہوتی تھی۔ کوئی شریف خاندان کا

شخص یہ نہیں خیال کر سکتا کہ وہ اپنی بیٹی کو ایسی تعلیم دے [جو] ٹیلیگراف آفس میں سگنلر ہونے کا کام دے یا پوسٹ آفس میں چٹھیوں پر مہر لگایا کرے" (۱۹)

بریلی کے "مدرسہ انجمن اسلامیہ" کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے سرسید صاحب کو بلایا گیا تھا جہاں مسلمانوں کے نچلے طبقے کے بچے پڑھتے تھے۔ اس موقع پر جو اڈریس ان کو پیش کیا گیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا تھا:

"آپ نے اپنے ایڈریس میں کہا ہے کہ ہم کو دوسری قوموں کے علوم پڑھانے میں بھی عذر نہیں ہے۔ شاید اس فقرے سے انگریزی پڑھانے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ایسے مدرسے میں جیسا کہ آپ کا مدرسہ ہے انگریزی پڑھانے کا خیال ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری قوم میں انگریزی زبان اور انگریزی علوم کی تعلیم کی اشد ضرورت ہے۔ ہماری قوم کے سرداروں اور شریفوں کو لازم ہے کہ اپنی اولاد کو انگریزی علوم کی اعلیٰ درجے کی تعلیم دیں۔ مجھ سے زیادہ کوئی شخص نہ نکلے گا جو مسلمانوں میں انگریزی تعلیم وعلوم کو ترقی دینے کا حامی وخواہش مند ہو۔ مگر ہر امر کے لیے ایک موقع اور محل ہے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کے مدرسے میں مسجد کے صحن میں جس کے قریب آپ مدرسہ بنانا چاہتے ہیں پچھتر [۷۵] لڑکے پڑھ رہے ہیں۔ جس حیثیت اور جس درجے کے یہ لڑکے ہیں ان کو انگریزی پڑھانے کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہونے کا۔ ان کو اسی قدیم طریقۂ تعلیم میں مشغول رکھنا ان کے حق میں اور ملک کے حق میں زیادہ تر مفید ہے...

"مناسب حال یہ ہے کہ آپ ایسی کوشش کریں کہ ان لڑکوں کو کچھ لکھنا پڑھنا اور ضروری کارروائی کے موافق حساب کتاب آجاوے اور ایسے چھوٹے چھوٹے رسالے ان کو پڑھا دے جاویں جن سے نماز روزے کے ضروری مسائل جو روزمرّہ پیش آتے ہیں اور مسلمانی مذہب کے سیدھے سادھے عقائد ان کو معلوم ہو جاویں۔" (۲۰)

الف۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ذات کی جڑیں:

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (بعدہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) میں پس کردہ برادریوں کو حصول

ایک نمونہ مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی کی کتاب ''اشرف الجواب'' میں ملتا ہے۔اس کے اندر ہے کہ:

"ایک انگریز علی گڑھ کالج میں گیا تو وہاں دیکھا کہ رئیسوں کے لڑکے پڑھتے ہیں مگر خدمت کرنے والے نوکر دور کھڑے رہتے ہیں۔آقا کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتے اور نماز کے وقت آقا کے برابر پاس مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔اس (انگریز) نے ان رئیس زادوں سے دریافت کیا کہ نماز میں برابر کھڑے ہونے سے یہ ملازم گستاخ نہیں ہو جاتے؟ انھوں نے کہا مجال ہے جو نماز کے بعد ہماری ذرا بھی برابری کر سکیں۔اس وقت کا حق یہی ہے کہ سب برابر ہوں اور دوسرے وقت کا دوسرا حکم ہے'' (۲۱)

وہاں صرف پس کردہ برادریوں کے ساتھ ہی غیر انسانی اور غیر اسلامی رویہ نہیں اپنایا جاتا تھا بلکہ مفروضہ طبقہ شرفاء کو بھی مال و دولت کے لحاظ سے مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔سابق لیکچرر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جناب عتیق صدیقی نے اپنی کتاب ''سرسید احمد خاں ایک سیاسی مطالعہ'' میں اس سلسلہ میں مختصراً مگر بڑی اچھی گفتگو کی ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے نقل کیا جائے۔

''سرسید کے مخالف اخباروں کے شور وغل نے سرسید کو مجبور کیا کہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کو صرف بالائی طبقہ کے مسلمان بچوں اور نوجوانوں ہی کی تعلیم و تربیت کا مرکز نہ بنایا جائے بلکہ نچلے طبقے کے اگر نہیں تو کم از کم نچلے متوسط طبقے کے مسلمان نوجوانوں کی تعلیم کے لیے بھی مدرسۃ العلوم میں گنجایش نکالی جائے۔چنانچہ ہاسٹل کو طبقہ وارانہ اعتبار سے تقسیم کیا گیا اور اس کے تین طبقے قائم کیے گئے۔نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والوں میں مدرسۃ العلوم کے ابتدائی دور کے ایک طالب علم میر ولایت حسین بھی تھے،جنھوں نے تعلیم کے ختم کرنے کے بعد اپنی ساری زندگی علی گڑھ ہی میں گزاری۔مدرسۃ العلوم کی اقامتی زندگی کی جھلکیاں ان کی ''آپ بیتی'' (۲۸-۳۳) میں ملتی ہیں۔

میر ولایت حسین نے دسمبر ۱۸۸۱ء میں امتحان انٹرنس کلکتہ یونیورسٹی سے سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا تھا''اسی اثنا میں انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ میں اعلان ہوا کہ جو مسلمان طالب علم انٹرنس کلکتہ یونیورسٹی سے سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوگا اور

محمڈن کالج علی گڑھ کے فرسٹ ایر میں داخل ہوگا اس کو دس روپے ماہوار وظیفہ کالج کی طرف سے ملے گا۔ یہ وظیفہ میر ولایت حسین کو بھی مل گیا اور وسط جنوری ۱۸۸۲ء میں وہ علی گڑھ پہنچ گئے اور کالج کے فرسٹ ایر میں داخلہ لیا۔ داخلے کے بعد منیجر بورڈنگ ہاؤس نے ان سے پوچھا:

''بورڈنگ ہاؤس کی کون سی کلاس میں داخل ہوگے۔؟''

''بورڈنگ ہاؤس میں بھی کلاسیں ہوتی ہیں؟'' میر صاحب نے گھبرا کر سوال کیا۔

''یہاں بورڈنگ ہاؤس کے تین درجے ہیں'' منیجر نے ان کو سمجھایا۔ ''اور ہر درجے کے جدا جدا اخراجات ہیں۔ فرسٹ کلاس بورڈنگ ہاؤس میں بیس روپے ماہوار، سیکنڈ کلاس میں پندرہ روپے ماہوار اور تھرڈ کلاس میں دس روپے ماہوار فیس ہے۔''

''مجھ کو تھرڈ کلاس بورڈنگ ہاؤس میں داخل کر لیا جائے۔''

میر ولایت حسین نے جواب دیا ــــــ اور منیجر نے انھیں ایک کچے بنگلے کی کوٹھری میں بھیج دیا۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا اور کوٹھری صاف نہیں ہوئی تھی۔ پڑوسی طالب علموں نے رات کو انھیں اپنی کوٹھری میں رکھا اور رات کا کھانا تھرڈ کلاس کے باورچی خانے سے منگا کر کھلایا۔ میر ولایت حسین کا بیان ہے کہ:

''فرسٹ کلاس بورڈنگ ہاؤس کے طلبا پختہ پارک میں رہتے تھے۔ صبح کو چائے، توس، مکھن، نو بجے صبح کا کھانا، ایک بجے ٹفن اور چار بجے شام کو چائے اور بعد مغرب شام کا کھانا، ملتا تھا۔ فرسٹ کلاس بورڈروں کی تعداد ۲۵ یا ۳۰ سے زیادہ نہ تھی۔

''سیکنڈ کلاس بورڈنگ ہاؤس کے طلبا کو صبح کے وقت چائے اور دو بسکٹ، نو بجے صبح کا کھانا، جس میں دال گوشت روٹی ہوتی تھی، سہ پہر کو ٹفن جس میں ایک طشتری فیرنی یا پراٹھا یا اسی قسم کی کوئی اور چیز ہوتی تھی، بعد مغرب شام کا کھانا ملتا تھا، جس میں دال گوشت اور ہفتے میں دو بار پلاؤ اور ایک بار میٹھے چاول اور فیرنی ہوتی تھی۔ سیکنڈ کلاس کے بورڈروں کی تعداد اسی کے قریب تھی۔

''تھرڈ کلاس بورڈروں کو جن کی تعداد پچاس کے قریب تھی دو وقت کھانا ملتا تھا۔ جس میں گوشت اور دال ہوتی تھی۔ پلاؤ زردہ اور ناشتہ و ٹفن نہیں ملتا تھا۔ منیجر

بورڈنگ ہاؤس اس بورڈنگ کی طرف بہت کم توجہ کرتے تھے۔''

اس تفریق نے طالب علموں میں شدید طبقاتی احساس بھی پیدا کر دیا تھا:

''ایک بار منیجر بورڈنگ ہاؤس نے غلطی سے ایک سیکنڈ کلاس بورڈر کو کسی قصور پر سزا دی کہ وہ تھرڈ کلاس بورڈروں کے ساتھ کھانا کھائے۔ مولوی خلیل احمد صاحب جو سیکنڈ کلاس کے بورڈنگ ہاؤس میں رہتے تھے اس طالب علم کو تھرڈ کلاس کے بورڈنگ ہاؤس کے ڈائننگ ہال میں کھانا کھلانے لائے۔ مگر کوئی تھرڈ کلاس بورڈر ڈائننگ ہال میں کھانا کھانے نہیں گیا۔ منیجر صاحب بورڈنگ ہاؤس نے معذرت کی اور اپنا حکم واپس لے لیا۔'' (۲۲)

سرسید صاحب کی ذات پات اور اونچ نیچ کی ذہنیت آج تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پائی جاتی ہے۔ میں (راقم الحروف) نے وہاں اپنی چار سالہ (۲۰۰۳ء-۱۹۹۹ء بی. اے، بی ایڈ) تعلیمی زندگی میں دیکھا کہ یہاں ذات پات کی جڑیں کافی گہری ہیں۔ فورتھ گریڈ (کلرک، بیرا یعنی کھانا کھلانے والا، کک یعنی باورچی اور مالی وغیرہ) کے پیشے یہاں کے عرف عام میں رذیل سمجھے جاتے ہیں، کسی کو ''بیرا'' اور کک وغیرہ کہہ دینا شریفانہ گالی سمجھی جاتی ہے، حتی کہ بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بیرا اور کک تک اپنے کو اس پیشہ کی طرف منسوب کرنے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ پرووسٹ، وارڈن اور طلبا سے آئے دن ان کا ڈانٹ سننا بلکہ طلبا کے ذریعہ پٹ جانا عام سی بات ہے۔ تعارف (Introduction) کے دوران سینیر طلبا جونیر طلبا کو باضابطہ تعلیم اور حکم دیتے ہیں کہ 'فورتھ گریڈ' ففتھ گریڈ [خاک روب وغیرہ] ملازمین کو ڈانٹ ڈپٹ کر رکھنا، ان کو جب بلانا تو ان کے نام کے ساتھ ''صاحب'' کبھی نہ لگانا، بلکہ ''میاں'' لگانا۔ اگر اس کو صاحب کہہ کر پکاروگے تو وہ سر پر چڑھ جائے گا،، یہ بات خود راقم الحروف سے بھی تعارف کے دوران کہی گئی تھی۔ (۲۳)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں آج بھی کسی اہم پروفیشنل کورسیز جیسے میڈیکل، انجینیرنگ وغیرہ میں پس کردہ اقوام سے تعلق رکھنے والے طلباء کو ریزویشن نہیں دیا جاتا ہے: حالاں کہ ہندستان کی اکثر یونیورسٹیوں اور اہم سروسوں تک میں ریزرویشن کی سہولت موجود ہے؛ لیکن کھلاڑیوں (Sports) مسلم یونیورسٹی کے سابق اور موجودہ ملازمین کے بچوں؛ یہاں سے ڈگری یافتہ لوگوں کے بچوں؛ حتی کہ علی گڑھ میں ایک سال سے مقیم مرکزی حکومت (Central Government) کے ملازمین تک کے بچوں کو غیر پروفیشنل کورسیز میں ریزرویشن دیا جاتا ہے [۲۴] اور یونیورسٹی کے امتحان فارم میں ذات کا کالم

ضرور دیا جاتا ہے کہ آپ کس ذات کے ہیں۔(۲۵) حتی کہ داخلہ فارم میں بھی طلبا کی کیٹیگری (Categary) پوچھی جاتی ہے۔ چنانچہ

ایم بی بی ایس (MBBS) داخلہ فارم ۷-۲۰۰۶ء میں ہے۔

12b Please Indicate SC☐ ST☐ BC☐ BC☐

None of above ☐

۱۲ اب: براہ کرم نشان لگائیں کہ آپ کا تعلق کس سے ہے؟

ایس سی ☐ ایس ٹی ☐ بی سی ☐ او بی سی ☐ یا مذکورہ بالا میں سے کسی سے نہیں ☐

علی گڑھ میں راقم الحروف کے بعض اساتذہ جو ذات پات کے سخت مخالف ہیں بتایا کرتے تھے کہ یہاں ٹیچروں کے سلیکشن اور انتخاب کے وقت بھی ذات اور برادری اہم رول ادا کرتی ہے۔ یہاں کے ایک اسلام پسند سینئر پروفیسر جناب سید...... صاحب جو ذات پات کے انتہائی سخت مخالف ہیں ایک اسلامی پروگرام میں بتا رہے تھے کہ مسلمان کس طرح اور کیوں کر ذات پات کو ختم کریں گے۔ یونیورسٹی جو مسلمانوں کا تعلیمی قلعہ سمجھی جاتی ہے یہاں کے بعض پروفیسران کو میں نے دیکھا کہ **نماز پڑھنے کے بعد مسجد ہی میں جمع ہو کر آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ فلاں جولاہا ہے، فلاں کنجڑا اور فلاں دھنیا ہے وغیرہ وغیرہ، اب تو چھوٹی ذات کے لوگ ہر منصب پر پہنچ گئے ہیں حتی کہ مسجدوں کے امام بھی ہوگئے ہیں۔** پھر پروفیسر صاحب نے مزید کہا کہ میں نے ان پروفیسران کو سخت وست کہی کہ آپ لوگوں کے پاس اس غیر اسلامی فعل کے علاوہ کوئی اور بحث کا موضوع نہیں ہے تو تمام کے تمام خاموش ہوگئے۔ خود راقم الحروف نے یہاں کے بہت سے طلباء حتی کہ بیرا اور کک تک کو ذات پات کی باتیں کرتے اور ایک دوسروں کو نیچ ذات کہتے ہوئے پایا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تو ذات پات کا اس قدر عروج اور چلن ہے، اس کی روک تھام کے لیے شروع سے لے کر آج تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا؛ لیکن جواہر لال نہرو یونیورسٹی جو کمیونزم (دہریت) کا مرکز ہے میں ذات پات کے خلاف ایس سی/ ایس ٹی سیل قائم ہے۔ اگر کوئی کسی کو کم ذات یا اس کی برادری کے نام کو تحقیر کے ساتھ لے لے تو مظلوم شخص اس سیل میں جا کر مقدمہ دائر کر سکتا ہے؛ جرم ثابت ہونے پر مجرم کا داخلہ ختم کر دیا جاتا ہے۔(۲۶) قارئین کو یہ پڑھ کر تعجب ہوگا کہ ایس سی/ ایس ٹی سیل کے آفس ہولڈر کوئی دلت یا او بی سی نہیں؛ بلکہ ایک برہمن جناب ستیہ بھوشن جی ہیں۔ خود میں ایسے دو مقدموں

سے واقف ہوں جو سال ۲۰۰۶ء میں اس سیل کے تحت دائر کیے گئے تھے۔ دونوں مقدموں میں دلت مدعیان نے دو ہندو او بی سی مدعی علیہ پر الزام لگایا تھا کہ انھوں نے ان کی ذات کو برا بھلا کہا ہے۔

نومبر ۲۰۰۶ء میں یونیورسٹی کے اندر پائی جانے والی سیاسی طلباء تنظیموں میں سے اکثریت نے وی سی آفس (Vice-chancellor office) کے سامنے ہفتوں بھوک ہڑتال کیا ان کا مطالبہ تھا کہ جس طرح بی. اے، ایم. اے میں ایس سی/ ایس ٹی طلبہ کے لیے سیٹیں متعین ہیں اسی طرح ایم. فل اور پی. ایچ ڈی میں بھی ان کے لیے سیٹیں متعین کی جائیں۔ (واضح رہے کہ یونیورسٹی میں او بی سی طلباء کو بھی ریزرویشن ملتا ہے۔) آخر کار وی. سی صاحب (پروفیسر گوپال کرشن چڈھا) کو ان کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بھوک ہڑتال میں ہندوؤں کا مکہ کہا جانے والا شہر ''الہ آباد'' کی برہمن ذات سے تعلق رکھنے والے ''اودھیش کمار ترپاٹھی'' (جنرل سکریٹری آل انڈیا اسٹوڈینٹس ایسوسی ایشن AISA) اور مغربی بنگال کی رہنے والی آڑیائی برہمن ذات کی ''اِنا پانڈا'' (وائس پریسیڈینٹ اسٹوڈینٹس فیڈریشن آف انڈیا SFI جنہوں نے ایک دلت سے شادی کی ہے) بھی شامل تھیں۔

حکومت ہند نے اپریل ۲۰۰۶ء میں اعلان کیا تھا کہ تمام یونیورسٹیز میں ۲۷٪ ریزرویشن نافذ ہوگا، اس کا نفاذ ۸-۲۰۰۷ء کے سیشن سے ہونا طے پایا، لیکن جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے وی سی پروفیسر بی. بی. بھٹا چاریہ نے ہاسٹل اور کلاس روم وغیرہ کی کمی کا حوالہ دے کر اس سال ریزرویشن نافذ نہ کرنے کی بات کہی۔ ان کے بیان کے خلاف جواہر لال نہرو یونیورسٹی ''اسٹوڈنٹس یونین (JNUSU) نے ۱۸/ جنوری ۲۰۰۷ء اور ۳/ فروری ۲۰۰۷ء کو وی. سی. صاحب نے اسے نافذ کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی۔

ان مظاہروں میں جہاں دوسرے لوگوں نے حصہ لیا، وہیں JNUSU کے صدر اور SFI کے رکن دھنجے ترپاٹھی جی [آلہ آباد کے برہمن] JNUSU کے جنرل سکریٹری اور AISA کے رکن سندیپ سنگھ جی [یوپی کے ٹھاکر] AISA ارکان اودھیش کمار ترپاٹھی جی [آلہ آباد کے برہمن] مونا داس جی [بہار کی کاستھ] بھی تھیں۔ آر ایس ایس کی طلبہ تنظیم اکھ بھارتیہ ودیھیارتی پریشد [ABVP] نے بھی مظاہرہ میں حصہ لیا اور اس کے سکریٹری امت سنگھ جی [ٹھاکر ذات] بھی مظاہرہ میں تھے ۳/ فروری ۲۰۰۷ء کے مظاہرے میں ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ داخلہ کے لیے جب انٹرویو ہو تو فارم پر سے ریزویشن کا کالم ختم کیا جائے تاکہ کوئی ذات پات کا حامی ٹیچر کسی طالب علم کو اس کی ذات کی وجہ سے نمبر کم نہ دے۔

جب جون ۲۰۰۶ء میں ریزرویشن کی مخالفت میں یوتھ فار ایکوالیٹی [YEF] نے جے این جو کے اندر ایک مہینہ تک بھوک ہڑتال کیا تھا تو ریزرویشن کی حمایت میں AISA نے بھی ایک مہینہ تک بھوک ہڑتال

کیا۔ اس بھوک ہڑتال میں AISA کے مذکورہ بالا ارکان بھی تھے۔

یونیورسٹی کیمپس میں بہت ساری دکانیں ہیں۔ یونیورسٹی کے قوانین میں سے ہے کہ ان دکانوں کو الاٹ کرنے کے سلسلے میں ایس سی/ایس ٹی، او بی سی اور جسمانی معذور طبقات (Handicap) سے تعلق رکھنے والے افراد اور بے روزگاروں کو ترجیح دی جائے گی۔

دہلی یونیورسٹی جو ہندتو کا گڑھ ہے کے پراسپکٹس (Prospectus) میں of "Prohibition and Punishment for Ragging" (ممانعت اور سزا برائے ریگنگ) کے تحت دفعہ XV-C کے مطابق ریگنگ میں جو چیزیں شامل ہیں اس کو بیان کیا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے:

> "Violate the status,dignity and honor[honour] of students belonging to the SC/ST;"
>
> ''ایس سی/ایس ٹی طبقہ سے تعلق رکھنے والے طلباء کی عزت وعظمت اور حیثیت ومرتبہ کی بے حرمتی کرنا [بھی ریگنگ میں شامل ہے۔]''

آگے ان صورت حال سے نمٹنے کے لیے قوانین اس طرح بتائے گئے ہیں۔

> "The principal of the college is authorized under the ordinance to take immediate action on any information of the occurrence of ragging.
> Any student found raging freshers may either be expelled, rusticated for a specified period or the results of the student or the students concerned in the examination in which they appeared be cancelled." (۴۷)
>
> ''ریگنگ سے متعلق کسی طرح کی اطلاع ملنے پر [اس] قانون کے تحت کالج کے پرنسپل کو فوری اقدام کرنے کا اختیار ہوگا۔ نئے طلباء کی ریگنگ لیتے ہوئے پکڑے جانے پر طالب علم کو یا تو کالج سے نکالا جاسکتا ہے یا متعینہ مدت کے لیے معطل کیا جاسکتا ہے یا طالب علم کے نتائج امتحانات یا جس امتحان میں طلبہ شریک ہو رہے ہوں اسے منسوخ کیا جاسکتا ہے۔''

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ **شروع سے آج تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مزعومہ نیچ برادریوں سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص شیخ الجامعہ بن سکا۔** (۴۸) سرسید صاحب مزعومہ چھوٹی برادریوں کو ''ادنی قوم، رذیل برادری اور ''بدذات'' ہی کہنے اور ان کو دبا کر رکھنے، ترقی اور علم نہ حاصل کرنے دینے کی حد تک ہی نہیں جاتے ہیں بلکہ ان کی ایک تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ان کو مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتے [illegible]

ہند“ میں بغاوت کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مفلسی اور تنگی معاش ہندستان کی رعایا کو **ہماری گورنمنٹ** کی حکومت میں کیوں نہ ہوتی سب سے بڑی معاش رعایائے ہندستان کی نوکری تھی اور یہ ایک پیشہ گنا جاتا تھا اگرچہ ہر ایک قوم کے لوگ روزگار نہ ہونے کے شاکی تھے مگر یہ شکایت سب سے زیادہ **مسلمانوں کو تھی**۔ غور کرنا چاہیے کہ **ہندو جو اصلی باشندے اس ملک کے ہیں** زمانہ سلف میں ان میں سے کوئی شخص روزگار پیشہ نہ تھا بلکہ سب لوگ ملکی کاروبار میں مصروف تھے۔ برہمن کو روزگار سے کوئی علاقہ نہ تھا، بیش برن جو کہلاتے تھے وہ ہمیشہ بیوپار اور مہاجنی میں مصروف تھے، چھتری جو اس ملک کے کسی زمانہ میں حاکم تھے پرانی تاریخوں سے ثابت ہے کہ وہ بھی روزگار پیشہ نہ تھے بلکہ زمین سے اور ٹکڑہ زمین کی حکومت سے بطور بھیاچارہ علاقہ رکھتے تھے، سپاہ ان کی ملازم نہ تھی بلکہ بطور بھائی بندی کے وقت پر جمع ہو کر لشکر آراستہ ہوتا تھا جیسا کہ کچھ تھوڑا سا نمونہ روس کی مملکت میں پایا جاتا ہے۔ البتہ قوم کایت [کائستھ] اس ملک میں قدیم سے روزگار پیشہ دکھلائی دیتے ہیں۔ **مسلمان اس ملک کے رہنے والے نہیں ہیں، اگلے بادشاہوں کے ساتھ بوسیلہ روزگار کے ہندستان میں آئے اور یہاں توطن اختیار کیا۔ اس لیے سب کے سب روزگار پیشہ تھے اور کمی روزگار سے ان کو زیادہ تر شکایت بہ نسبت اصلی باشندوں اس ملک کے تھی**۔ عزت دار سپاہ کا روزگار جو یہاں کی جاہل رعایا کے مزاج سے زیادہ تر مناسب [تناسب] رکھتا ہے ہماری گورنمنٹ میں بہت کم تھی۔ سرکاری فوج جو غالباً مرکب تھی تلنگوں سے اس میں اشراف لوگ نوکری کرنی معیوب سمجھتے تھے، سواروں میں البتہ اشرافوں کو [کی] نوکری باقی تھی مگر وہ تعداد میں اس قدر قلیل تھی کہ اگلی سپاہ سوار سے اس کو کچھ نسبت نہ تھی علاوہ سرکاری نوکری کے اگلے عہد کے صوبہ داروں اور امیروں کے نج کے نوکر ہوتے تھے کہ ان کی تعداد بھی کم خیال نہیں کرنی چاہیے۔“ (۲۹)

یہاں کسی قسم کے تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ سر سید صاحب کے نزدیک ان کی اس تحریر کی روشنی میں صرف کون لوگ مسلمان ہیں؟ مزید وضاحت اور شرح صدر کے لیے ان کی تقریر کے اس ٹکڑے پر غور کرنا چاہیے جس میں انھوں نے کہا تھا:

”ہمارے بھائی پٹھان، سادات، ہاشمی اور قریشی جن کے خون میں ابراہیم کے خون

کی بو آتی ہے۔" (۳۰)

مذکورہ بالا عبارتوں کے بعد کسی کو کسی طرح کا تردد نہیں ہونا چاہیے، اگر پھر بھی کسی کو تردد ہے تو ان کا تردد سر سید صاحب کی ایک دوسری عبارت سے دور ہو جانی چاہیے، انہوں نے اظہار جرءت کرتے ہوئے "اسبابِ بغاوت ہند" میں مذکورہ بالا عبارتیں لکھنے کے بعد اس کی وضاحت تک کر ڈالی ہے۔ ان عبارتوں کے لکھنے کے بعد فوراً دوسرے صفحہ پر صنعت وحرفت سے جڑی ہوئی مسلم برادریوں کی بغاوت کے اسباب کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان کو "مسلمان" کہنے کے بجائے "اہل حرفہ" "جولاہا" اور "بد ذات" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"**اہل حرفہ** کا روزگار بسبب جاری اور رائج ہونے اشیائے تجارت ولایت کے بالکل جاتا رہا یہاں تک کہ ہندستان میں کوئی سوئی بنانے والے اور دیا سلائی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا تھا۔ **جولاہوں** کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا تھا جو **بدذات** سب سے زیادہ اس ہنگامہ میں گرم جوش تھے۔" (۳۱)

سر سید احمد صاحب نے نہ صرف مزعومہ رذیل اقوام کے ساتھ تعصبانہ رویہ اپنایا اور ان کو برے القاب سے نوازا، بلکہ اپنی ذات کی سوچ کی وجہ سے انہوں نے ان صحابہ کرامؓ تک کو نہ چھوڑا جن کو جنت کی بشارت دنیا میں ہی دے دی گئی تھی، جنہیں اصطلاح میں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شبلی صدیقی نعمانی نے جب "الفاروق" لکھنا شروع کیا تو بہت سے لوگوں نے ان کو اس سے روکنا چاہا۔ خود سر سید صاحب کو سب سے زیادہ اختلاف تھا۔ مسلم اورینٹل کالج علی گڑھ (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے ایک شیعہ ہمدرد نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی صاحب کو انہوں نے اس سلسلہ میں ۲۰ / مارچ ۱۸۸۹ء میں ایک خط لکھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے "حیات شبلی" کے صفحہ ۲۲۲-۲۲۳ پر ان کا یہ خط نقل کیا ہے، اس خط کے آخر میں ہے کہ:

"میں تو ان صفات کو جو ذات نبوی میں جمع تھیں، دو حصوں پر تقسیم کرتا ہوں، ایک سلطنت اور ایک قدوسیت، اول کی خلافت حضرت عمرؓ کو ملی، دوسری کی خلافت حضرت علیؓ، ائمہ اہل بیت [سادات] کو، مگر یہ کہہ دینا تو آسان ہے، مگر کس کی جرأت ہے کہ اس کو لکھے [کہ] حضرت عثمانؓ نے سب چیزوں کو غارت کر دیا، حضرت ابوبکرؓ تو صرف برائے نام بزرگ آدمی تھے۔ پس میری رائے میں ان کی نسبت کچھ لکھنا اور امور خانہ تحریرات کا زیر مشق بنانا نہایت نامناسب ہے، جو ہوا سو ہوا، جو گذرا سو گذرا۔"

پس کردہ اور مزعومہ نیچ اقوام کے خلاف سر سید صاحب کے اس طرح کے نظریات وخیالات کو دیکھنے کے بعد ہندوؤں میں سب سے بڑی ذات ہونے کا دعویٰ کرنے والی ''برہمن'' سے تعلق رکھنے والے پنڈت جواہر لال نہرو جی کو بھی کہنا پڑا کہ:

''سر سید اور دوسرے مذہبی نیتا حضرات دراصل [عام] لوگوں کی سیاست اور سماجی اٹھاؤ کے مخالف تھے، ان کے مطالبات کا عام لوگوں سے کوئی رشتہ نہیں تھا، ان کی مانگ صرف سماج کے اوپری طبقے کے ایک چھوٹے سے گروہ کے لیے محدود تھی۔''(۳۲)

قومی شاعر ''رام دھاری سنگھ دنکر'' لکھتے ہیں کہ سر سید کے ناقدوں میں اکبر الہ آبادی بہت اہم ہوئے ہیں۔ وہ سر سید کی انگریز بھگتی ہی کے خلاف نہیں [بلکہ] ان کے سماجی سدھاروں کے بھی معترض تھے۔ ان کے کتنے ہی شعر سر سید کو نشانہ بنا کر لکھے ہوئے دکھتے ہیں جیسا کہ:

ایمان بیچنے پر ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کے بھاؤ سے''(۳۳)

مسلم دانشوروں کے مقابلہ میں ہندو لیڈران کی دور اندیشی، دانشمندی اور معاملہ فہمی کو جہاں ایک طرف داد دینی پڑتی ہے وہیں دوسری جانب مسلم قوم کے لیڈران ودانشوران کی بداندیشی، سادہ لوحی اور ذات پرستی پر حد درجہ افسوس بھی ہوتا ہے۔ **علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی سر سید احمد خاں** نے مسلم پس کردہ طبقات کے ساتھ مذکورہ بالا رویہ اپنایا؛ **لیکن بنارس ہندو یونیورسٹی کے بانی پنڈت مدن موہن مالویہ** نے ہندو (مزعومہ) اچھوت اور چھوٹی ذاتوں کی فلاح وبہبود کے لیے بہت کچھ کیا انھیں ہندو تسلیم کرانے کے واسطے تحریکیں چلائیں جن کی تفصیلات اوپر باب ہشتم: برہمنی تحریکات نئے بھیس میں، زیر عنوان: ''آر. ایس. ایس'' اور ''گاندھی واد'' میں گزر چکی ہیں۔

سر سید نما لوگ:

سر سید صاحب کی طرح بہت سے لوگ تھے جن کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ مزعومہ بڑی ذاتوں کے لوگ ہی تعلیم حاصل کریں۔ انھوں نے پس کردہ برادریوں کے لیے تعلیم کی تحدید تک کر ڈالی تھی چناں چہ:

''مولانا عبد الکریم جن کی تقرری انگریزی حکومت میں بنگال کے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کا پتہ لگانے کے لیے کی گئی تھی، **نچلے طبقے کے مسلمانوں** کے لیے سفارش کی کہ **ان کی تعلیم پرائمری تک ہی ہونی چاہیے۔**''(۳۴)

رائٹ آنریبل سید امیر علی ۱۹۰۹ء-۱۸۴۹ء سر سید صاحب کے ہمعصر تھے۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ آپ بہت ہی اعلیٰ پایہ کے بیرسٹر تھے۔ آپ کی نظر اسلامی قانون پر بہت گہری تھی، آپ وہ شخص ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی ساری امیدیں پوری کیں، شیعہ ہوتے ہوئے بھی شیعہ وسنی اختلاف کو اپنی زندگی میں کوئی جگہ نہ دی، اسلام کی خدمت کے لیے کافی کتابیں لکھیں اور لندن میں اپنی انگریز عیسائی بیوی -جو "لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند" کی سالی تھی- کے ساتھ مقیم تھے، لیکن وہاں بھی انھوں نے اسلام کا بھرپور دفاع کیا، اس طرح وہ یورپ میں اسلام کے ترجمان تھے۔ (۳۵)

سید صاحب اتنی زیادہ خوبیوں کے مالک تھے لیکن مزعومہ رذیل برادریوں کے سلسلہ میں ان کا رویہ مذکورہ بالا خصوصیات سے بالکل ہی الگ تھا۔ "انھوں نے اونچی ذاتوں کے مسلمانوں اور نیچی ذاتوں کے مسلمانوں کے لیے یکساں تعلیم کی مخالفت کی۔ چھوٹی ذاتوں کے مسلمانوں کے لیے انھوں نے علیحدہ تعلیم کی وکالت کرتے ہوئے کہا کہ **مدرسہ اور مکتب ان کی مرکز ہونے چاہیے۔**" (۳۶)

دہلی کے ایک عالم دین خواجہ سید حسن نظامی صاحب -جو ایک ماہنامہ جریدہ "تبلیغ نسواں" نکالا کرتے تھے- نے دہلی سے شائع ہونے والے ایک جریدہ "مولوی" میں لکھا:

> "آج کل کے زمانے میں انگریزی تعلیم میں پیشہ ور قومیں جولاہا وغیرہ تعلیم حاصل کرکے سرکاری ملازمت حاصل کرتی ہیں، جس کی وجہ سے شرفاء کے لڑکے بے کار رہ جاتے ہیں۔ گورنمنٹ کو اس پر توجہ دینی چاہیے۔" (۳۷)

ہندو دھرم کو بچانے اور اچھوتوں کو ہندو دھرم میں باقی رکھنے کے واسطے منصوبہ بند سازش کے تحت مفروضہ بڑی ذاتوں کے ہندوؤں کے ذریعہ ان کو ہندو تسلیم کروانے کے لیے ہندو دانشوران ۱۹۲۵ء میں آر. ایس. ایس کی بنیاد ڈال رہے تھے، لیکن عین اسی وقت ۱۹۲۵ء میں خواجہ سید حسن نظامی صاحب نے مزعومہ رذیل ذاتوں کے مسلمانوں کے متعلق لکھا:

> "مسلمانوں کے بیچ ایسے لوگ جو رذیل [گھٹیا] پیشوں سے جڑے ہوئے ہیں جیسے حجام، دھوبی، بنکر، پانی ڈھونے والے [بھشتی] ان سے نفرت نہیں کرنی چاہیے، ان کو اونچی ذات کے مسلمانوں کے ساتھ کھانے اور بیٹھنے کا موقع دیا جانا چاہیے اور ہم مذہب سمجھنا چاہیے، لیکن اس طرح کے کاموں میں لگے ہوئے مسلمانوں کو یہ بھی نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ دولت مند اور اونچے منصب پر فائز مسلمانوں کی برابری میں ہیں۔ وہ دینی لحاظ سے تو برابر ہیں لیکن بنیادی نقطۂ نظر سے ان کی حیثیت الگ ہے۔ خدا نے [illegible] کی

ہے اور دوسرے طبقوں پر ان کی برتری خدا کی قائم کردہ ہے۔ اس لیے رذیل پیشوں سے منسلک مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اونچے مناصب پر بیٹھے لوگوں کے حکم کو مانیں۔" (۳۸)

وہ آگے مزید تحریر فرماتے ہیں:

"یوں تو اسلام میں مساوات ہے مگر خداوندِ پاک نے جولاہوں کو بڑی قوموں کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔" (۳۹)

علامہ شبلی صدیقی نعمانی:

علامہ شبلی شہر اعظم گڑھ یوپی کے ایک گاؤں 'بندول' کے رہنے والے ہیں، ان کے آباؤ اجداد نے ٹھاکر رراجپوت قوم سے اسلام قبول کیا۔ قبول اسلام کے بعد ان کا شمار شیخ ذات میں ہوا۔ علامہ اپنے دور کے بہت مشہور عالم گذرے ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "سیرت النبیؐ" پوری دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ وہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) میں ایک لمبی مدت تک درس و تدریس سے منسلک رہے۔ علامہ تمام خوبیوں کے باوجود ذات پات کی ذہنیت سے اپنے آپ کو آزاد نہ کر سکے۔ ایس ایم اکرام صاحب اپنی کتاب "یادگار شبلی" میں صفحہ ۲۹-۳۰ پر لکھتے ہیں کہ

"شبلی کے والد نے ایک شادی "غیر کفو" [مزعومہ چھوٹی ذات] میں کر لی اور اس گھر کا شیرازہ محبت درہم برہم ہو گیا۔ شبلی اور شبلی کے والدہ [جو انصاری شیوخ میں سے تھیں] پر اس واقعہ کا بڑا اثر پڑا۔ ان کی والدہ نے اس کے بعد تمام عمر روتے گزار دی۔ شیخ صاحب نے غیر کفو میں جو شادی کر لی تھی، اس سے وہ بہت دلگیر رہا کرتی تھیں اور آخر اسی غم میں ۱۸۸۶ء پہلے وفات پائی۔ شبلی کو اپنی والدہ سے بے حد محبت تھی اور باپ کا یہ فعل سخت ناگوار تھا۔ والد کی ساری زندگی میں انہوں نے سوتیلی ماں سے بات نہیں کی۔ اس کے گھر نہیں گئے اور جب باپ کی وفات کے بعد وہ اپنی سوتیلی ماں سے وہ جائداد جو اسے ان کے والد دے گئے تھے۔ بخشوانے گئے (اور وہ باہمت خاتون نہایت فیاضی سے، خاندانی مصلحتوں کی خاطر، اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئی) تب بھی اس کا ذکر خطوں میں "چھاونی" اور "ارباب چھاونی" کہہ کر نہایت کراہت سے کیا ہے۔"

علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی "حیات شبلی" کے صفحہ ۲۵۵-۲۵۷ پر علامہ شبلی کی سوتیلی ماں کے غیر کفو ہونے کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ باپ کی زندگی بھر مولانا اپنی سوتیلی ماں سے "ملنے کیا معنی، لیکن [illegible] سے بیزار تھے، ان کا ذکر سننا نہیں چاہتے تھے، مگر باپ کی وفات کے بعد یہ انقلاب

ہوا کہ وہ خود چھاؤنی میں جہاں رہتی تھیں تشریف لے گئے، ماں کی قدموں پر گرے، عمر بھر کی معافی مانگی اور ایسی سخاوت مندی دکھائی کہ اپنے بیٹے سے بھی ممکن نہیں، یہ بھی مولانا کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے... مولانا نے مظفر کو محروم و مجوبتھا اپنی جائداد میں شامل کر لیا اور اس کا نام بھی ورثہ کی رضا مندی سے حصہ داروں میں داخل کرا دیا۔ بچہ کی دادی یعنی مولانا کی سوتیلی ماں نے مولانا کا برتاؤ دیکھ کر یہ کیا کہ جائداد جو شیخ صاحب ان کو ہبہ کر گئے تھے واپس کر دی۔

علمائے بریلوی

بانی جماعت بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلوی:

مولانا احمد رضا خاں بریلوی متوفی ۲۴ر اکتوبر ۱۹۲۱ء ہندستان کے ایک مشہور عالم دین ہیں۔ یہ بریلوی جماعت (فرقہ) کے بانی اور اس کے مرشد اعلیٰ ہیں، مولانا کی نظر میں ''سید'' کا اتنا عظیم مقام و مرتبہ ہے کہ اگر وہ چوری، زنا اور قتل کا بھی مجرم ثابت ہو جائے تب بھی قاضی اس پر حد نافذ کرتے وقت حد کی نیت نہ کرے گا۔ چناں چہ ان سے پوچھا گیا:

> ''**عرض:** سید لڑکے کو اس کا استاد تادیباً مار سکتا ہے یا نہیں؟
>
> ارشاد: قاضی جو حدود الہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجود ے کہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا، لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے؛ **بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں**۔ تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اس کو تو یہ حکم ہے تا بہ معلم چہ رسد۔'' (۴۰)

حالانکہ اس طرح کا حکم قرآن کی کسی آیت اور کس صحیح حدیث میں نہیں ہے؟ بلکہ بخاری شریف میں اس کے برعکس ہے کہ رسول ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ جن سے سادات کا بے تکا[۴۱] سلسلہ نسب جوڑا جاتا ہے۔ کے سلسلہ میں کہا تھا:

> " وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْفَاطِمَةُ فَعَلَتْ ذَلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا." (۴۲)
>
> ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر [محمد کی بیٹی] فاطمہ بھی یہ [چوری] کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ لیتا۔''

مولانا کے ملفوظات میں ہے کہ:

''میں بریلوی حضرت صاحب...

دست بوس ہوئے اور یہ مسئلہ پوچھا کہ آیا شرعی امامت کبری کے لیے قریشی [سید/شیخ] شرعاً ضروری ہے کہ بے اس کے شرعی امامت کبری نہ پائی جائے گی اگر چہ عرفی ہو یا یہ کوئی استحسانی شرط ہے۔

ارشاد: یہ مذہبی مسئلہ ہے، اس میں ہمارا اور روافض وخوارج کا خلاف ہے، خوارج کچھ تخصیص نہیں کرتے اور روافض نے اس قدر تنگی کی کہ صرف ہاشمیوں سے خاص کر دی اور یہ بھی مولی علی کی خاطر، ورنہ بنی فاطمہ کی تخصیص کرتے۔ اہل سنت صراط مستقیم وطریق وسط پر ہیں۔ ہمارے تمام کتب عقائد میں تصریح ہے کہ اہل سنت کے نزدیک امامت کبری کے لیے ذکورت [مذکر] حریت [آزاد] وقریشیت [سید/شیخ ہونا] الازم ہے اور تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا اشتراط قطعی یقینی اجماعی ہے۔" (۴۳)

اس پر تبصرہ آگے علمائے تحریک اسلامی کے زیر عنوان آرہا ہے۔

مولانا نے سید کے علاوہ شیخ، مغل اور پٹھان کو بھی بڑی ذات کہا ہے اور بقیہ دوسری برادریوں کو رذیل اور چھوٹی ذات کہا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ:

"ایک شخص کا فرمان ہے کہ سید یعنی آل نبی کی دختر ہر ایک کو پہنچ سکتی ہے یعنی ہر مسلمان سے عقد جائز ہے، دوسرے نے جواب دیا کہ اگر جاروب کش [بھنگی، مہتر] مسلمان ہو جائے تو بھی جائز ہے تو اس کا جواب دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔"

مولانا اس سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

"شخص مذکور جھوٹا، کذاب اور بے ادب گستاخ ہے۔ سادات کرام کی صاحبزادیاں کسی **مغل، پٹھان یا غیر قریشی شیخ مثلاً انصاری** (انصار مدینہ)[44] کو بھی نہیں پہنچتیں جب تک وہ عالم دین نہ ہوں کہ اگر چہ یہ **قومیں شریف** گنی جاتی ہیں مگر **سادات کا شرف اعظم واعلیٰ ہے** اور غیر قریش قریش کا کفو نہیں ہو سکتا تو رذیل قوم والے معاذ اللہ کیوں کر سادات کے کفو ہو سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر بالغہ سیدانی خود اپنا نکاح اپنی خوشی ومرضی سے کسی **مغل پٹھان یا انصاری شیخ** غیر عالم دین سے کرے گی تو **نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں**......" (۴۵)

مولانا نے اس فتوی میں سید شیخ مغل پٹھان کو شریف اقوام کہا ہے اور بقیہ برادریوں مثلاً انصاری، نائی، راعین (کنجڑا) منصوری (دھنیا) مہتر وغیرہ کو ذلیل ورذیل ذاتیں۔ مولانا نے اسی پر بس

نہیں کیا ہے؛ بلکہ انھوں نے موہومہ رذیل اقوام پر تعلیم کے دریچوں کو بھی بند کرنے کا اشاروں اور کنایوں میں حکم صادر کر دیا ہے جیسا کہ کسی سائل کے جواب میں مولانا نے فرمایا:

''س: حضور مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا یہ ارشاد ہے کہ اصل سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں۔''

ج: حضور کا یہ ارشاد نہیں مگر یہ بات ہے ضرور کہ **اصل طیب میں اخلاق فاضلہ ہوتے ہیں اور رذیل اس کا عکس**، اسی واسطے عہد ماضی میں سلاطین اسلام **رذیلوں کو ضرورت سے زیادہ علم نہیں پڑھنے دیتے تھے، اب دیکھو نائیوں اور منہاروں نے علم پڑھ کر کیا کیا فتنے پھیلا رکھیں ہیں، بعض منہار تو سید اور ابن شیر بن بیٹھے۔**'' (۴۶)

مولانا مزعومہ رذیل برادریوں کو تعلیم حاصل نہ کرنے دینے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن اگر کوئی آدمی چوری چھپے یا کسی طرح علم حاصل کر بھی لے، تب بھی وہ مولانا کے نزدیک موہومہ بڑی ذاتوں کا کفو نہ ہوگا۔ حتی کہ مولانا نے ان کی امامت میں بھی قیل وقال کیا ہے۔

چناں چہ ۱۸ رمحرم ۱۳۱۱ھ مطابق ۳ راگست ۱۸۹۳ء کو ان سے فتوی پوچھا گیا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید حافظ قرآن ہے مگر نوکری خانساماں [بیرا] گیری کی کرتا ہے۔ اب اس نوکری سے اس نے توبہ کی اور اب اس کے پیچھے لوگ نماز پڑھنے سے کراہت کرتے ہیں آیا کراہت کرنا ان لوگوں کا جا ہے یا بیجا ہے صاف صاف کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ ﷺ سے فرمایئے۔ **بینو توجرو**۔''

اس کے جواب میں مولانا فرماتے ہیں:

''اگر صرف اس وجہ سے کراہت کرتے ہیں کہ اس نے وہ نوکری کی تھی اگرچہ اب توبہ کر لی تو ان کی کراہت بیجا ہے کہ کوئی گناہ بعد توبہ باقی نہیں رہتا......'' (۴۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولانا کے نزدیک کھان ساماں کا پیشہ رذیل اور حرام ہے اسی لیے توبہ کی شرط لگائی، تبھی نماز جائز ہوگی اور اگر توبہ نہ کرے تو نماز اس کے پیچھے جائز نہ ہوگی۔

ایک بار ۹ رشوال ۱۳۳۷ھ مطابق ۹ رجولائی ۱۹۱۹ء مولانا سے پوچھا گیا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حافظ قرآن پاک ہے اور امامت جامع مسجد کرتا ہے اور پابند صوم وصلاۃ کا ہے اور زوجہ اس کی پردہ نشیں ہے، مگر قوم سے شخص مذکور قصاب ہے۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟''

مولانا اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اگر اس کی طہارت ونماز صحیح ہے اور مذہب کا وہابی یا دیوبندی وغیرہ بے دین وبد دین نہیں، سنی صحیح العقیدہ ہے اور فاسق مُعلن نہیں ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا بے شک جائز ہے۔ قصاب ہونا کوئی مانع امامت نہیں۔ متعدد اکابرین نے یہ پیشہ کیا ہے۔ **ہاں اگر جماعت والے اس سے نفرت کرتے ہوں اور اس کی امامت کے باعث جماعت میں کمی پڑے اور دوسرا امام سنی صحیح العقیدہ قابل امامت موجود ہو تو دوسرے کی امامت اولی ہے۔**......'' (۴۸)

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مولانا فتوی دیتے کہ قصاب برادری کے شخص کی امامت سے لوگوں کا نفرت کرنا اسلام میں حرام ہے؛ لیکن اس کے برعکس جو فتوی دیا اس سے اس کی امامت ہی داؤ پر لگ گئی۔

فتاوی رضویہ مسئلہ ۶۳۱، ۲۰۷ میں مولانا احمد رضا خاں سے پوچھا گیا کہ دو عالم دین ہیں، ایک کا تعلق رذیل ذات سے ہے اور دوسرے کا شریف برادری سے۔ ان دونوں میں کون امامت کے لیے قابل ترجیح ہے؟ مولانا نے ترجیح امامت کی ترتیب بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:

''جب ان سب باتوں میں برابر ہوں تو اب شرافت نسب سے ترجیح ہے..... ہاں اگر رذیل اس درجہ کا ہے کہ اس کی امامت سے عالم لوگ نفرت کرتے ہیں، جماعت میں خلل پڑتا ہے تو اس کی امامت نہ چاہیے۔''

مولانا اور ان کے صاحب زادے مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری بھی بیچ مسئلہ کفو کے فرماتے ہیں:

''جولاہے اور کھال پکانے والے اور موچی اور نائی اور ان کے مثل ذلیل پیشہ ور جو اپنے ان ذلیل پیشوں کے ساتھ معروف ہوں، اگر عالم بھی ہوں جب بھی شرفاء کے کفو نہیں ہو سکتے کہ مدار کا وجود عار پر ہے، عالم ہونا اس عرفی دنائت کا دافع نہ ہوگا۔ ہمارے ان بلاد میں سیدانیاں ایسے پٹھانوں اور مغلوں سے عار نہیں کرتیں جو زیور علم وفضل سے آراستہ ہوں کہ پٹھان اور مغل یہاں اپنے کو شرفاء کے ایجاب سے شمار کرتے ہیں تو جب اس شرف نسب سے شرف علم مل جائے گا تو نسب علوی سے نسب میں جو کمی ہے اسے پورا کر دے گا بخلاف جولاہوں، نائیوں وغیرہم کے کہ ان کے علم کے سبب عار زائل نہیں ہوتی۔'' (۴۹)

ب: علامہ ارشد القادری انصاری کی مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی تائید:

مولانا احمد رضا خاں نے مزعومہ چھوٹی برادریوں سے تعلق رکھنے والے عالم دین کو بھی سیدات

کا کفو نہیں مانا ہے؛ لیکن اپنی برادری کو ان کا ہم پلہ تسلیم کیا ہے۔ بریلوی جماعت کے سب سے بڑے مناظر اور صاحب التصانیف مولانا ارشد القادری نے اس فتوی کو صحیح قرار دیا ہے۔(۵۰)

مولانا کا تعلق بھی مزعومہ رذیل ذات انصاری رجولاہا سے ہے یہ الگ بات ہے کہ ان کو سید مشہور کیا جارہا ہے۔ جس کی تفصیل آگے حاشیہ میں زیر عنوان: علامہ ارشد القادری انصاری کا سید مشہور کیا جانا، آرہی ہے۔ آخر انھوں نے اپنے اور اپنی برادری نیز پس کردہ برادریوں کے مخالف فتوی کی جو تائید کیوں کی؟ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

ت: مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک (مزعومہ) چھوٹی ذاتوں میں نکاح کا حکم:

مولانا احمد رضا خان کے مذکورہ بالا فتاووں کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر مفروضہ طبقہ اشراف سے تعلق رکھنے والی کوئی دوشیزہ، مزعومہ چھوٹی ذاتوں کے کسی لڑکے سے شادی کرلیتی ہے تو مولانا ایسے نکاح کو باطل قرار دیتے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

''عاقلہ بالغہ عورت کو اجازت نہیں کہ بے رضامندی صریح اولیاء اپنا نکاح کسی **غیر کفو [چھوٹی ذات] سے کرے، اگر کرے گی نکاح نہ ہوگا۔**''(۵۱)

ایک ماں نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک شخص سے کردیا تھا۔ اس شادی کے متعلق مولانا فرماتے ہیں:

''سائل نے بعد استفسار اظہار کیا کہ عورت پٹھان ہے اور خالد قوم کا دھنا [دھنیا، منصوری] اور اس نے اپنے آپ کو پٹھان ظاہر کرکے براہِ فریب نکاح کرلیا۔ منکوحہ مذکورہ کا وقت نکاح باپ دادا کوئی نہ تھا ہاں جوان بھائی موجود تھا مگر کسی وجہ سے جلسہ نکاح میں شریک نہ ہوا، نہ ماں نے اس کی اجازت لی۔ **پس صورت مستفسرہ میں شرعاً یہ نکاح ہوا ہی نہیں فسخ کسے کیا جائے دختر ہندہ کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔**''(۵۲)

ایک سائل نے مولانا سے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک سیدہ کے ولی کو بتایا کہ فلاں شخص سید ہے اور اس طرح اس شخص کی اس سیدہ سے شادی ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد پتہ چلا کہ وہ سید نہیں بلکہ جلاہا ہے۔ اس واقعہ کے بعد شوہر نے بیوی سے قسم کھا کر کہا کہ میں اس گاؤں میں تاحیات نہ آؤں گا اور چلا گیا نیز اسی مضمون کا خط بھی لکھ کر بھیج دیا۔ کیا اس کا نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے؟

اس کے جواب میں مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''صورت مستفسرہ میں کچھ حاجت فسخ نہیں کہ **وہ نکاح سرے سے خود ہی نہ ہوا** سائل مظہر

کہ ہندہ بالغہ ہے اور روایت مفتی بہا پر ولی والی عورت کے لیے کفاءت شرط صحت نکاح ہے۔ یا ولی اقرب پیش از عقد عدم کفاءت پر دانستہ اپنی رضا ظاہر کر دے بعد عقد راضی ہو جانا بھی نفع نہیں دیتا...... یہاں جب کہ وہ کفو نہیں ہے اور ولی کو دھوکہ دیا گیا دونوں عمل سے متحقق نہ ہوا **اور نکاح باطل محض رہا۔** ظہور حال زید کی وہ قسم و تحریر سب مہمل ہے جس پر ہندہ کے لیے **کوئی حرمت مرتب نہیں ہو سکتی۔**"(۵۳)

مولانا کے فتاوؤں کو خاطر میں نہ لا کر اگر اولیاء اپنی مرضی سے اسلام کے فائدے یا کسی مادی فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی لڑکیوں کا نکاح مزعومہ رذیل اقوام میں کرتے ہیں یا کرنے لگیں تو مولانا نے اولیاء کو بھی ایسا کرنے سے روکنے کے لیے قوانین بنائے اور ان قوانین کی پامالی کرنے پر اولیاء کے کیے ہوئے نکاح کو بھی حرام قرار دے ڈالا۔ مولانا نے نومسلم کو خاندانی مسلمان کا غیر کفو قرار دینے کے بعد اس کی شادی کی پانچ صورتیں بتائی ہیں۔ ان میں سے تیسری صورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نابالغہ کا باپ یا یتیمہ کا دادا اس [نومسلم] کے ساتھ نکاح کر دے، جب کہ اس سے پہلے کسی نابالغہ کا نکاح اپنی ولایت سے **کم قوم یا کسی طرح کے غیر کفو میں نہ کر چکا ہو۔**"(۵۴)

مولانا ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"اگر [لڑکی] نابالغہ ہے اور اس کا نکاح باپ دادا کے سوا کوئی ولی اگرچہ حقیقی بھائی یا چچا یا ماں **ایسے شخص** [غیر کفو یعنی چھوٹی/ رذیل ذات] سے کر دے تو وہ بھی محض باطل و مردود ہوگا **اور باپ دادا بھی ایک ہی بار ایسا نکاح کر سکتے ہیں۔ دوبارہ اگر کسی دختر کا نکاح ایسے شخص [غیر کفو یعنی چھوٹی/ کم ذات] سے کر دیں تو ان کا کیا ہوا بھی باطل ہوگا۔**"(۵۵)

"دختر نابالغہ ہے اور باپ برضائے خود **اس شخص** [جو لڑکی کا کفو نہیں یعنی چھوٹی اور کم قوم کا ہے] کے نکاح میں دینا چاہتا ہے تو **لازم ہے کہ اس سے پہلے اپنی کسی بیٹی کا نکاح غیر کفو [یعنی چھوٹی ذات] سے نہ کر چکا ہو ورنہ ناجائز ہوگا۔**"(۵۶)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ لڑکی اگر بالغ ہے تو علماء کہتے ہیں کہ اولیاء اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر غیر کفو یعنی مزعومہ چھوٹی ذاتوں میں کر ہی نہیں سکتے ہیں، اگر کر دیں تو وہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔

مولانا سید حشمت علی:

مولانا سید حشمت علی جن کا بریلوی جماعت میں ایک اچھا مقام ہے یہاں تک فرماتے ہیں کہ

"**جولاہا ذات کا ایک شخص** بھلے ہی وہ عالم، رحم دل و بردبار اور دولت مند کیوں نہ ہو، اسے

سید کی لڑکی سے شادی کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر اس برادری کا کوئی فرد ایسی شادی کرتا ہے تو اس نکاح کو توڑ [فسخ کر] دینا چاہیے، **نہیں تو اس جوڑے سے، پیدا اولاد حرامی/ ولدالزنا مانی جائے گی۔**" (۵۷)

صاحب بہار شریعت مولانا محمد امجد علی انصاری:

حلقہ بریلوی کے مشہور عالم دین مولانا محمد امجد علی- جن کا تعلق مزعومہ رذیل برادری انصاری/ جولاہا سے ہے- نے خود اپنے اور اپنی برادری کے خلاف ہی فتویٰ دے ڈالا، چناں چہ وہ اپنی کتاب "بہار شریعت"- جو بریلوی حلقے میں کافی اہمیت کی حامل ہے- میں لکھتے ہیں:

"کوئی غیر قریشی، قریشی کا کفو نہیں...... عجمی النسل عربی کا کفو نہیں...... جس لونڈی کے آزاد کرنے والے اشراف ہوں اس کا کفو وہ نہیں ہے جس کے آزاد کرنے والے غیر اشراف ہوں...... عورت مجہولۃ النسل سے کسی غیر شریف نے نکاح کیا بعد میں کسی قرشی [**سید، شیخ**] نے دعویٰ کیا کہ میری لڑکی ہے اور قاضی نے اس کی بیٹی ہونے کا حکم دے دیا تو اس شخص کو فسخ کرانے کا اختیار ہے" (۵۸)

مولانا نے بذات خود انصاری ہونے کے باوجود ایسا فتویٰ کیوں دیا عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔

مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی:

بدایوں (یوپی) کے رہنے والے مشہور بریلوی عالم دین مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی، اشرفی، اوجھیانوی، بدایونی نے آزادی ہند سے قبل (۵۹) رسول اللہ ﷺ کی شان میں "شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس میں وہ سورہ احزاب آیت: ۸۵ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ - نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں اور ان کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔" (ترجمہ مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی) کے تحت لکھتے ہیں:

"جس طرح حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا ادب و احترام ضروری ہے **اسی طرح حضور علیہ السلام کے سارے اہل قرابت مسلمین کا احترام ضروری ہے بلکہ ان کی اولاد امجاد حضرات سید صاحبان واجب التعظیم ہیں کہ ان کی عزت و حرمت مسلمانوں پر لازم ہے اور ان کی عیب جوئی یا دل آزاری سخت حرام ہے** اور حضور علیہ السلام کے غضب کا باعث ہے، دیکھو تمام سید صاحبان پر زکوٰۃ کھانا حرام ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ لوگوں کے مال کا میل ہے۔ تو ان کو مال کا میل دینا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ میں نے

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے شان میں عرض کیا ہے۔

ہے صدقہ میل پھر اس پاک وستھرے کو روا کیوں ہو
کہ دنیا کھا رہی ہے جس کے آلِ پاک کا صدقہ
وہ ہے خاموش قرآن اور یہ قرآن ناطق ہے
نہ ہوں جس دل میں یہ اس میں نہیں قرآن کا رشتہ

اسی طرح سادات کرام کو معمولی نوکر رکھنا ان سے ذلت کے کام لینا، ان کو برے الفاظ سے پکارنا بھی سخت جرم ہے، ان کو عزت کی جگہ دو۔ ان میں علم کی تبلیغ کرو، ان کے گھر سے تم کو کلمہ ملا، ایمان ملا، قرآن ملا، رحمٰن ملا، اسلام ملا [تو] پھر تم پر بھی ضروری ہے کہ ان کو اپنا پڑھا ہوا علم دو اور اپنا پیسہ خرچ کر کے ان میں علم و ہنر کی اشاعت کرو، اس آیت کو غور سے پڑھو: ﴿قُلْ لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبىٰ﴾: فرمادو اے محبوب کہ میں تم سے اس تبلیغ پر اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔ ایک معنی یہ بھی ہے اس آیت کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو اللہ توفیق دے۔

لطیفہ: اس آیت کے ماتحت صاحب روح البیان نے فرمایا کہ **مرید کو چاہیے کہ اپنے پیر ومرشد کی بیوی سے بعد طلاق نکاح نہ کرے اسی طرح شاگرد کو لائق ہے کہ اپنے استاد کی بیوی سے بعد طلاق نکاح نہ کرے کہ اگر چہ یہ بروئے فتویٰ جائز ہے** مگر تقوی کے خلاف اور تقویٰ فتوی سے اوپر ہے۔ اگر مرید یا شاگرد نے اپنے مرشد یا استاد کی بیوی سے نکاح کیا تو دنیا وآخرت میں بھلائی نہ دیکھے گا۔'' (٦٠)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا ذات پات پر مبنی ان چیزوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام میں کسی کی عزت اس کے نسب کی بنا پر نہیں کی جاتی ہے بلکہ اس کی انسانیت، علم وفضل اور تقویٰ کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی:

مشہور بریلوی عالم دین، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی سے عقیدت خاص رکھنے والے، مولانا ارشد القادری کے شاگرد رشید، متعدد کتابوں کے مصنف، اپنے حلقہ میں فقیہ ملت کے نام سے جانے جانے والے اور مدرسہ امجدیہ ارشد العلوم اوجھا گنج ضلع بستی یوپی کے بانی [٦١] مولانا مفتی

جلال الدین احمد امجدی نے ایک کتاب ''خطبات محرم'' لکھی ہے۔ اس کے ٹائٹل کے اوپر لکھا ہوا ہے۔ ''محرم کے لیے بارہ وعظوں کا **مستند مجموعہ**'' پھر کتاب کے اندر ''نگاہ اولیں'' کے زیر عنوان لکھا ہے:

''محرم شریف کی مجالس کا سلسلہ سال بہ سال بڑھتا ہی جا رہا کہ اب شہروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی اس طرح کے پروگرام عام ہوتے جا رہے ہیں جن میں بارہ روز مسلسل ایک ہی اسٹیج پر بیان کرنے کے لیے نئے مقررین کو سخت دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔

اس لیے عرصہ سے ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو **مستند روایات** پر مشتمل ہونے کے ساتھ بارہ وعظوں کا مجموعہ ہوتا کہ مقررین غیر معتبر روایات بیان کرنے سے بچیں اور بارہ روز مسلسل وعظ کہنے پر آسانی کے ساتھ قادر ہوسکیں۔...... جو لوگ ادبی الفاظ یا بازاری باتوں کے شائق ہیں ان کی تشنگی اس کتاب سے دور نہ ہوگی صرف **ٹھوس مضامین اور مستند روایات** وواقعات تلاش کرنے والوں کے لیے بے انتہا مفید ثابت ہوگی۔''(٦٢)

فاضل مصنف نے اس کتاب میں مستند روایات وواقعات سے استدلال کرنے کا دعویٰ کیا ہے حالاں کہ اس میں ضعیف وموضوع اور شیعی روایات ہیں غیر معتبر کتابوں کے حوالے سے صحیح اسلامی تعلیمات کو پامال کیا گیا ہے اور اہل بیت یعنی سادات کو افضل ثابت کیا گیا ہے۔ اگر اس پر تبصرہ کیا جائے تو اس کتاب سے دوگنا ضخیم کتاب ہو جائے گی، یہاں صرف مختصر اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

''......حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ مِنَن کُبریٰ میں فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالی کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میں سادات کرام کی بے حد تعظیم کرتا ہوں اگر چہ لوگ ان کے نسب میں طعن کرتے ہوں۔ میں اس تعظیم کو اپنے اوپر ان کا حق تصور کرتا ہوں اسی طرح علماء اور اولیاء کی اولاد کی تعظیم شرعی طریقے سے کرتا ہوں۔ پھر میں سادات کی کم از کم اتنی تعظیم وتکریم کرتا ہوں جتنی والی مصر کے کسی بھی نائب یا لشکر کے قاضی کی ہوسکتی ہے۔

سادات کرام کے آداب میں سے یہ ہے کہ **ہم ان سے عمدہ بستر، اعلیٰ مرتبہ اور بہتر طریقے پر نہ بیٹھیں۔ ان کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح نہ کریں اسی طرح کسی سید زادی سے نکاح نہ کریں** ہاں اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہم **ان کی تعظیم کا حق**

واجب ادا کر سکتے ہیں اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں تو پھر ان سے نکاح کر سکتا ہے۔[مولانا احمد رضا خاں بریلوی: برکات آل رسول، ص:۲۵۳]

اور یہی حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''اَلْبَحْرُ الْمَوْرُوْدُ فِی الْمَوَاثِیْقِ وَالْعُھُوْدِ'' میں فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ **ہم ہرگز سیدزادی سے نکاح نہ کریں مگر اس وقت کہ ہم اپنے آپ کو ان کا خادم تصور کریں**؛ کیوں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں جو شخص اپنے آپ کو ان کا غلام تصور کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اگر میں ان کی نافرمانی کروں گا تو میں **نافرمان غلام اور گنہ گار ہوں** گا تو وہ نکاح کرے ورنہ اسے **لائق نہیں ہے**۔ جو شخص تبرک کے لیے ان سے نکاح کرے اسے کہا جائے گا کہ **سلامتی غنیمت سے مقدم ہے یعنی یہ خطرہ بہر حال باقی رہے گا کہ ممکن ہے ان کی تعظیم کما حقہ ادا نہ ہو سکے اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے۔ رہی برکت کی بات تو وہ نکاح کے بغیر ان کی خدمت کرنے سے** بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ **اگر ہماری بیٹی یا بہن کا جہیز بے شمار ہو اور کوئی ایسے سید اس کے نکاح کا پیغام دیں جن کے پاس اس کے مہر اور صبح و شام کھانے کے علاوہ کچھ نہ ہو تو ہم ان سے نکاح کر دیں اور انھیں مایوس نہ کریں کیوں کہ** فقر عیب نہیں ہے، جس کی بنا پر پیغام نکاح رد کر دیا جائے؛ بلکہ یہ تو شرافت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آرزو کی ہے بلکہ اپنے رب کریم جل مجدہ سے دعا کی ہے کہ آپ کو قیامت کے دن فقراء اور مساکین کے گروہ میں اٹھائے اور دعا کی ہے کہ اے اللہ! میرے اہل کا قُوت بنا یعنی اتنا کھانا عطا فرما کہ صبح و شام اس سے کچھ نہ بچے۔

تو جس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور اہل بیت کے لیے پسند فرمایا ہے وہ انتہائی فضیلت والی ہے لہٰذا **جو شخص نادار سید کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کرے اس پر خدائے عزوجل کی ناراضگی کا خوف ہے۔**

اور علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب ہم راستے میں کسی **سید یا سیدہ** کے پاس سے گزریں جو لوگوں سے سوال کر رہے ہوں تو ہم انھیں اپنی طاقت کے مطابق پیسے کھانا یا کپڑے پیش کریں یا ان سے عرض کریں کہ ہمارے پاس قیام کیجیے تا کہ حسب استطاعت آپ کی ضروریات شرعیہ پوری کی جائیں۔ جو شخص رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے لیے یہ بات کس قدر بری ہے کہ وہ آپ کی اولاد کے پاس سے گزرے اور وہ راستے میں سوال کررہے ہوں مگر یہ شخص انھیں کچھ پیش نہ کرے [برکات آل رسول، ص:۲۵۶]'' (۶۳)

یہ تمام باتیں قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے بالکل ہی ثابت نہیں ہیں۔

شیران بہار و نیپال مولانا مفتی محمد اسلم صدیقی اور مولانا محمد جیش:

ذات پات کی ذہنیت آج تک علمائے بریلوی کے ذہن سے نہیں گئی ہے؛ چناں چہ راقم الحروف کے گاؤں 'ددری' سے تقریباً دس یا گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں مقصود پور، (پوسٹ: اورائی، ضلع: مظفر پور- بہار) ہے اس گاؤں میں ایک عالی شان مدرسہ ''الجامعۃ القادریہ مقصود پور ''مولانا مفتی محمد اسلم صدیقی (۶۴) کی زیر سرپرستی چل رہا ہے۔ مولانا بریلوی حلقے میں ایک معروف شخصیت ہیں، حتی کہ انھیں ''شیر بہار'' تک کہا جاتا ہے۔

مقصود پور گاؤں کے بغل کے گاؤں ''اورائی'' پوسٹ: اورائی، ضلع: مظفر پور- بہار کی رائین (سبزی فروش، کنجڑا) برادری نے اپنے گاؤں میں ایک مکتب کھولا، جس میں بطور استاد ایک بریلوی مولانا ہی کی تقرری عمل میں آئی، لیکن مولانا مفتی محمد اسلم کو راعین برادری کی یہ ترقی پسند نہ آئی اور انھوں نے اپنے جاننے والے ایک شخص ''حافظ ساجد'' کو کہا کہ جب اس مدرسہ کا چندہ لینے تمھارے پاس کوئی آئے، تو اس کا چندہ مت کرانا یہ ہمارا مخالف ہے۔ اس کی نصیحت کے باوجود جب شخص مذکورہ نے اس مدرسہ کا چندہ کروادیا تو اسے مسجد کی مؤذنی سے برخاست کرنے کے واسطے مسجد کے امام کو شوال ۱۴۱۹ھ (مطابق جنوری ۱۹۹۹ء) میں خط تک لکھا جس کی نقل (Xerox) راقم الحروف کے پاس بھی ہے۔ (۶۵)

مفتی محمد اسلم کے مدرسہ کے پڑوس میں ایک دوسرا گاؤں ''نیا گاؤں'' (پوسٹ: اوارائی، مظفر پور- بہار) ہے، یہ پوری بستی غیر مسلموں کی ہے، اس میں صرف ایک چھوٹا سا محلّہ ''پرساماں'' مسلمانوں کا ہے جس میں مزعومہ چھوٹی ذات کے تقریباً ۲۵ گھر ہیں۔ یہ محلّہ انتہائی غریب ہے اکثر لوگ پھوس کے مکان میں رہتے ہیں اور وہاں ہر طرح سے غیر مسلموں کا غلبہ ہے۔ حتی کہ یہ لوگ گائے، بھینس وغیرہ کا گوشت انتہائی چھپ کر کھاتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود اس محلے کے ایک صاحب جناب عبدالشکور مرحوم غیر مسلموں سے اپنے تعلقات اور محلّہ والوں کی مدد کی وجہ سے وہاں اپنی زمین میں مسجد بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ حالاں کہ اس گاؤں کے پڑوسی گاؤں ''اورائی'' میں مسلمانوں کی اچھی خاصی آبادی ہونے کے باوجود وہاں کے غیر مسلم حضرات مسجد میں چاند تارا والا مارکہ نہیں لگانے دے رہے تھے، ان کا

کہنا تھا کہ ایسا ہونے پر یہ گاؤں پاکستان ہو جائے گا۔ مسجد کچی اور پھونس کی تھی، جس کی وجہ سے سیلاب کے زمانے میں نماز پڑھنا مشکل ہوتا تھا لہٰذا جناب عبدالشکور مرحوم نے سعودی عرب کی ''تعمیر مسجد فنڈ'' کو اس کی پختہ تعمیر کے واسطے درخواست دی۔ گاؤں کی غربت کو دیکھتے ہوئے درخواست منظور کر لی گئی اور تین لاکھ روپے مسجد کی پختہ تعمیر کے واسطے پاس ہو گئے۔ اس پیسے سے مسجد کی تعمیر کے لیے تمام سامان آ چکے تھے حتی کہ بنیاد تک پڑ چکی تھی؛ لیکن مفتی محمد اسلم نے اس کی تعمیر رکوا کر پیسے واپس کر دیا کہ وہاں کے پیسے سے تعمیر کی ہوئی مسجد میں نماز جائز نہیں ہوگی اور اس کی تعمیر ہم کریں گے چودہ سال ہو گئے مگر آج تک انھوں نے اس کی تعمیر نہ کی۔ لوگ کھلے آسمان نیز پھونس، پلاسٹک اور چھپر کے نیچے نماز پڑھنے پر مجبور ہیں، گاؤں والوں کا کہنا ہے کہ برادری کی تعصب کی وجہ سے وہ مسجد نہیں بنوا رہے ہیں حالاں کہ انھوں نے اپنے مدرسے کی مسجد میں لاکھوں لاکھ روپیہ خرچ کیا ہے۔(٦٦)

بریلوی مکتب فکر کے ایک دوسرے عالم مولانا محمد جیش (نیپال) بھی کافی مشہور شخصیت ہیں۔ نیپال میں ان کو شیر نیپال کہا جاتا ہے۔ نیپال ہی کا واقعہ ہے کہ وہاں کسی جگہ راعین برادری سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا لوگوں نے مزار بنا لیا تو مولانا نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''کباڑی اور بزرگ؟'' کباڑی (سبزی فروش، کنجڑا) کبھی بزرگ نہیں ہو سکتا، اس کی وجہ سے جلسہ میں لوگوں نے ہنگامہ اور پتھراؤ کیا جس کی وجہ سے ان کو بھاگ کھڑا ہونا پڑا۔(٦٧)

علمائے دیوبند

ذات پات اور چھوت چھات کی تفریق سے مسلمانان ہند کی ایک بڑی جماعت ''دیوبندی'' کی قیادت کرنے والے علماء دیوبند بھی محفوظ نہ رہ سکے اور یہ بیماری شروع سے آج تک ان کے یہاں چلی آ رہی ہے۔ ایسے علماء کی تعداد کی ایک لمبی فہرست ہے۔

بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم صدیقی نانوتوی

سرسید احمد خاں کے ہمعصر، ان کے استاد مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد[٦٨] اور از ہر الہند کہے جانے والے مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے بانی (تاریخ دارالعلوم دیوبند کے مطابق)(٦٩) مولانا قاسم صدیقی نانوتوی متوفی ۱۵ر اپریل ۱۸۸۰ء کے متعلق پاکستانی مصنف غلام محمد مصطفیٰ نے اپنی کتاب ''تحریک دارالعلوم دیوبند اور مسلمانان سہارن پور'' میں لکھا ہے کہ:

''مولانا محمد قاسم نانوتوی نے روداد دارالعلوم میں لکھا ہے کہ **اللہ تعالیٰ نے چار بڑی قوموں**

کو دین کی خدمت کے لیے منتخب کیا ہے اور وہ سید، شیخ، مغل اور پٹھان ہیں۔"(۷۰)

مفتی اول دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی:

مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اول مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی متوفی ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۹-۱۹۲۸ء نے اپنے مختلف فتاووں کے ذریعہ ذات پات کی سوچ کو مضبوط سے مضبوط تر کیا ہے، کچھ برادریوں کو شریف اور کچھ کو رذیل کہا ہے اور خود ساختہ بڑی ذاتوں کی لڑکی کا نکاح موہومہ چھوٹی برادریوں میں باطل قرار دیا ہے۔

ایک مرتبہ ان سے ایک ہندیہ سیدہ کا نکاح ایک عجمی ہندی نعمانی ابنائے ابوحنیفہ سے کے متعلق پوچھا گیا تھا تو ان کا جواب تھا:

"محض ابنائے علماء ہونے کی وجہ سے عجمی کی کفاءت **عربیہ قریشیہ** [سید شیخ عورت] کے ساتھ ثابت نہ ہوگی۔"(۷۱)

ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"...... **مرد غیر قریشی** [**غیر سید و شیخ**] **عورت سیدانی** کا کفو نہیں ہے۔"(۷۲)

ایک جگہ رقم طراز ہیں:

"**سیدہ بالغہ** نے اگر **غیر کفو** [**مزعومہ رذیل ذات**] میں اپنا نکاح بلا رضائے ولی کیا ہے تو بیشک موافق روایت مفتی بہا کے **نکاح اس کا صحیح نہیں ہے** اور اگر بہ رضائے ولی کیا ہے یا اس کا ولی نہیں ہے یا **کفو** [**ہم ذات**] **میں نکاح کیا ہے تو صحیح ہے**......"(۷۳)

ولی کی اجازت سے ایک **سیدہ** کا نکاح ایک **نومسلم حجام** سے ہوا، دو ماہ تک دونوں ساتھ رہے جب اس نکاح کے منعقد ہونے کے متعلق مفتی صاحب سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ

"اگر بوقت نکاح دہندہ کو اور اس کی ماں کو جو اس کی ولی ہے خالد کے **غیر کفو** [**مزعومہ رذیل ذات**] ہونے کا علم نہ تھا تو **موافق درمختار ان کا نکاح نہیں ہوا**"۔(۷۴)

ایک سیدہ بالغہ نے اپنے والد کی عدم موجودگی میں اپنا نکاح ایک شخص سے کرلیا جس نے پہلے اپنے کو شیخ ظاہر کیا تھا؛ لیکن خلوت صحیحہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شیخ نہیں انصاری/ جلاہا ہے، جب مفتی صاحب سے اس نکاح کے بارے میں پوچھا گیا تو ان کا جواب تھا:

"نکاح مذکورہ **جو غیر کفو** [**مزعومہ رذیل ذات**] سے ہوا **موافق روایت مفتی بہا کے صحیح نہیں ہوا بلکہ باطل اور ناجائز ہوا**"۔(۷۵)

جب لڑکی مفروضہ بڑی ذات کی ہو اور لڑکا مزعومہ چھوٹی ذات کا ہو، تو مفتی صاحب مذکورہ بالا فتوے صادر کرتے ہیں؛ لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو تو ان کے فتاوے مذکورہ بالا فتووں کے بالکل برعکس ہوتے ہیں؛ چناں چہ فرماتے ہیں:

''کفاءت کا اعتبار اس میں نہیں ہے کہ کوئی **مرد شریف کسی کم نسب والی عورت** سے نکاح کرلے......''(۷۶)

ایک بیوہ پٹھان خاتون اور شیخ مرد کا نکاح بلا اجازتِ ولیِ خاتون کے تعلق سے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''**عورت پٹھانی ہے اور شوہر شیخ زادہ ہے یعنی قریش میں سے ہے، جو کہ افضل ہے عورت کی قوم سے** لہٰذا اگر واقعی یہی ہے تو **نکاح صحیح ہوگیا؛** کیوں کہ کفاءت شوہر کی جانب سے معتبر ہے کہ شوہر عورت سے **کم تر نہ ہو** اور عورت کی طرف سے معتبر نہیں۔ یعنی **اگر عورت کم درجہ کی ہو** اور شوہر **باعتبار نسب کے اعلیٰ درجے کا ہو تو نکاح ہوجاتا ہے؛** کیوں کہ اس میں **شرعاً** اور عرفاً عار نہیں ہے''۔(۷۷)

ایک خاتون اپنے والدین کی رضا مندی سے زنا کاری کا پیشہ کرتی تھی، اس کا ایک آشنا سید برادری کا تھا، بعد میں دونوں نے تائب ہوکر آپس میں نکاح کرلیا؛ لیکن لڑکی کے والدین نے اس کی اجازت نہ دی تھی کیوں کہ وہ اپنی ہی برادری میں شادی کرنا چاہتے تھے۔ جب مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ یہ نکاح صحیح ہوا یا عدم رضائے والدین کے سبب منعقد نہ ہوا تو ان کا جواب تھا کہ:

''جب کہ **زوج شریف ہے اور عورت دنیہ** [گھٹیہ] ہے تو عدم کفاءت کی وجہ سے **بطلان نکاح کا حکم نہ کیا جائے گا نسباً شوہر کا اعلیٰ ہونا ظاہر ہے۔**''(۷۸)

زانی تو عورت مرد دونوں ہیں لیکن اس کے باوجود مفتی صاحب کے نزدیک مرد سید ہونے کی وجہ سے شریف اور اعلیٰ ہے۔

مفتی صاحب ایک جگہ ایک دوسرے سوال کا جواب بھی مذکورہ بالا جوابات کی طرح ہی دیتے ہیں، سوال وجواب بعینہ نقل کیا جاتا ہے:

''سوال: ایک **عورت باکرہ قوم بافندہ [انصاری/ جولاہا] رذیل قوم** عمر ۱۸ سال نے اپنا نکاح **اپنی رضامندی سے ایسے مرد سے جو شریف قوم کا ہے بدون اجازت ورضائے ولی کے کرلیا**...... بروبرو دو گواہوں کے۔ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں نکاح عورت بالغہ عاقلہ کا جو کہ اس نے اپنی رضامندی سے شریف قوم کے مرد کے ساتھ کرلیا ہے بدون اجازت ولی کے روبرو دو گواہوں کے وہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا۔"(۷۹)

مفتی صاحب اپنی برادری شیخ کو قریش النسل بتاتے ہوئے سیدات کا کفو قرار دیتے ہیں چناں چہ وہ رقم طراز ہیں:

"......واضح رہے کہ فقہاء باب الکفاءت میں یہ تصریح فرماتے ہیں کہ قریش بعض بعض کے اکفاء ہیں، **پس شیخ صدیقی وفاروقی وعثمانی جس قدر قریشی ہیں سب سادات کے ہم کفو ہیں۔ فقط**"(۸۰)

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"**سید اور شیخ ہم کفو ہیں** غیر کفو نہیں، جیسا کہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ قریش باہم کفو ہیں اور سید وشیوخ خواہ وہ صدیقی ہو یا فارقی یا عثمانی سب **قریش ہیں، پس اگر عورت سیدانی بالغہ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، شوہر شیخ سے نکاح اپنا برضا خود کرلے تو وہ نکاح صحیح ہے باپ اس کو توڑ نہیں سکتا۔**"(۸۱)

نومسلم کی شادی کے متعلق پوچھے گئے سوالات کے جوابات میں بھی مفتی صاحب نے ذرا بھی نرمی نہیں برتی ہے اور اس کا کچھ نہیں خیال کیا کہ اس طرح کے غیر اسلامی فتووں سے اشاعت اسلام کو کتنا بڑا نقصان ہوگا؛ چناں چہ فرماتے ہیں۔

"**سوال:** زید نے **(جو کہ شیخ فارقی ہے)** اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح عمر سے **(جس کا تین پشت سے اسلام ہے)** کردیا ہے۔ یہ لڑکا اس لڑکی منکوحہ کا **کفو ہے یا نہیں؟**

جواب: وہ لڑکا زید کی دختر کا کفو نہیں ہے۔"(۸۲)

سوال: ایک شخص قوم کائستھ ہندو تھا وہ مسلمان ہوگیا نماز روزہ کا پابند ہے وہ کفو **شیخ اور سید** کی دختر کا ہے یا نہیں......؟

جواب: شیخ سید کی لڑکی کفو اس نومسلم کی نہیں ہے البتہ کوئی نومسلمہ یا دیگر اقوام کی دختر سے ہوسکتا ہے......"(۸۳)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیخ، سید برادریاں خاندانی مسلمان ہیں اور ان کے مقابلے میں دوسری برادریاں نومسلم ہیں خواہ وہ پشتہا پشت اور صدیوں سے مسلمان کیوں نہ چلی آرہی ہوں؛ نیز کوئی بھی نومسلم

اور خاندانی مسلمان شیخ اور سید کی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔

مفتی صاحب کفو/کفاءت کے سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:

''اہل عجم میں کفاءت باعتبار نسب کے معتبر نہیں ہے بلکہ پیشہ وغیرہ کے **اعلیٰ وادنیٰ** ہونے پر مدار ہے۔'' (۸۴)

''کفاءت میں نسب کا اعتبار عرب میں ہے اور عجم میں پیشہ وغیرہ کا اعتبار ہے۔'' (۸۵)

''جو قومیں عجمی ہیں ان میں کفاءت معتبر نہیں۔'' (۸۶)

اور عجمی کی تعریف یوں کی ہے:

''جو شخص منسوب الی قبائل العرب نہیں وہ عجمی ہے۔'' (۸۷) یعنی ''جو کسی عربی قبیلے کی طرف اپنی نسبت ظاہر نہ کرے۔'' (۸۸)

موجودہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صدیقی مفتاحی:

مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کی کتاب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مرتب ومحشی، دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مفتی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اساسی (Founder) ممبر اور بورڈ کی جانب سے ترتیب اور شائع کردہ کتاب ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کے اصل مرتب ومصنف مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صدیقی مفتاحی بھی ذات پات کے معاملہ میں مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی کے مؤید ہیں چناں چہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی سے فتویٰ پوچھا گیا تھا کہ:

''**سوال:** بیوہ عورت اپنا نکاح **غیر کفو** [**موہومہ چھوٹی ذاتوں**] میں بلا اجازت ولی کر سکتی ہے یا نہیں۔''

اس کا جواب انھوں نے یوں دیا۔

''**جواب:** بیوہ عورت اپنا نکاح **غیر کفو** [**مزعومہ رذیل ذاتوں**] **میں بدون رضائے ولی** کے نہیں کر سکتی: **اگر کرے گی تو موافق روایت مفتی بہا وہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ (۸۹)**

مفتی صاحب کے اس فتوے کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صدیقی مفتاحی لکھتے ہیں:

''لیکن یہ واضح رہے کہ **غیر کفو** سے یہاں مراد یہ ہے کہ لڑکا **نیچ خاندان** [**کا**] **ہو** اور اگر لڑکا عورت سے **اونچے** خاندان کا ہے تو جائز ہے۔ ظفیر'' (۹۰)

بالغ سیدہ کا نکاح غیر سید سے منعقد ہونے کے متعلق مفتی صاحب کے ایک فتویٰ کی تشریح میں

مفتاحی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ واضح رہے کہ غیر سید سے مراد، اگر شیخ ، صدیقی ، فارقی اور عثمانی ہے تو یہ نکاح درست ہے؛ کیوں کہ یہ سید کے کفو میں ہاں **عجمی النسل ہوگا تو جائز نہیں ہوگا۔''** (۹۱)

ایک دوسرے فتویٰ جو بالغ لڑکی کا بدون اجازت ولی **غیر کفو** میں بذات خود نکاح کرنے کے متعلق ہے کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

''منشا یہ ہے کہ لڑکی اونچے [سید، شیخ، مغل اور پٹھان] خاندان کی ہوتب یہ جواب ہے، ورنہ **نکاح جائز ہے** اس لیے کہ کفو کا اعتبار اسی صورت میں ہوا کرتا ہے۔'' (۹۲)

سابق صدر جمیۃ علماء ہند مولانا مفتی کفایت اللہ سلمانی دہلوی:

مزعومہ رذیل ذات سلمانی (نائی/حجام) سے تعلق رکھنے والے اور جمیۃ العلماء ہند کے سابق صدر اول مشہور عالم دین مولانا مفتی کفایت اللہ سلمانی دہلوی متوفی ۱۹۵۳ء نے ذات پات کا رد کیا، نیز اس پر مبنی مروجہ اور فقہی مسئلہ کفو کے تعلق سے اور علماء کے مقابلہ میں ذرا نرمی برتی ہے؛ لیکن بالآخر ایک جگہ انھوں نے بھی جوا ڈال دیا؛ چناں چہ انھوں نے شیخ کو تو سادات کا کفو مانا لیکن دوسری برادریوں کو نہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں:

''سوال: اہل سنت سیدزادی غیر سے منسوب ہوسکتی ہے یعنی شیخ، مغل اور پٹھان سے شادی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: **سیدزادی** نسبتاً قریش کے قبیلہ سے ہے اور قریش باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں اس لیے **سیدزادی کا نکاح صدیقیوں، فاروقیوں، عثمانیوں، عباسیوں، زبیریوں، جعفریوں اور دیگر قبائل قریش کی طرف منسوب جماعتوں کے افراد سے ہوسکتا ہے،** قریش کے علاوہ کسی دوسرے عربی یا عجمی مسلمان سے اگر خود عورت [سیدزادی] اور اس کے اولیاء راضی ہوں تو ہوسکتا ہے۔'' (۹۳)

ایک دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سوال: ایک بیوہ سیدزادی اپنی رضا ورغبت سے ایک غیر سید سے شرعاً نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: سیدزادی کے لیے تمام غیر سید غیر کفو نہیں ہیں بلکہ سیدزادی کے لیے تمام صدیقی ،فاروقی عثمانی علوی عباسی زبیری یعنی شیوخ قریشی کفو ہیں ان میں سے وہ کسی کے ساتھ

نکاح کر سکتی ہے اور سید زادی بالغہ غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی سے یا اس کے اولیاء میں کوئی نہ ہو تو اپنی مرضی سے نکاح کر سکتی ہے۔'' (۹۴)

مزعومہ رذیل ذات ''نائی رسلمانی'' سے تعلق رکھنے کے باوجود مولانا نے خود اپنے، اپنی برادری اور اسی کی طرح دوسری پس کردہ برادریوں کے خلاف فتویٰ کیوں دیا؟ سمجھ سے بالاتر ہے۔

سابق سرپرست دارالعلوم دیوبند مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی:

دارالعلوم دیوبند کے سابق سرپرست حکیم الامت مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی متوفی ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۴ر جولائی ۱۹۴۳ء فرماتے ہیں کہ سید شیخ مغل اور پٹھان وغیرہ شریف اقوام اور نجیب الطرفین ہیں اور بقیہ برادران مثلاً انصاری (جولاہا) روغن گر (تیلی) وغیرہ چھوٹی اور رذیل ذاتیں ہیں، چناں چہ ان سے فتویٰ پوچھا گیا تھا کہ:

> **سوال:** مسلمانوں میں جو تفریق ذاتوں کی ہے مثلاً شیخ، سید، مغل، پٹھان، جولاہہ، تیلی، گوجر اور جاٹ وغیرہ **معاملہ اخروی میں** اگر چہ کچھ تفریق معتبر نہیں عمل کی ضرورت ہے مگر امور دنیوی میں مثلاً نکاح وغیرہ یہ سب ایک سمجھے جاویں گے یا کچھ **تفاخر** کو اس میں دخل ہے؟ زید کہتا ہے کہ شیخ اور سید کے سوا سب ایک ذات ہے کچھ تمیز نہیں کرنی چاہیے، عمرو کہتا ہے کہ علاوہ **شیخ سید دیگر اقوام جو شریف ہیں مثلاً پٹھان مغل** وہ ہم پلہ ہرگز **ذلیل قوم مثلاً جولاہا تیلی کے نہیں** ہیں نکاح وغیرہ میں سب کا معاملہ ایک سا نہ ہونا چاہیے اور کفو غیر کفو ہونا علاوہ شیخ سید دوسری قوموں میں باعتبار پیشہ اور چال چلن ودنائت وغیرہ کے دیکھا جاوے گا اور ایسا **تفاخر اور چھوٹی** قوم سے نکاح وغیرہ میں **عار کرنا شرعاً جائز ہے۔** اب علماء شرع سے سوال ہے کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے اور نسب اور حسب میں کیا فرق ہے جیسا کہ **فخر نسب** پر ہو سکتا ہے کیا **شرعاً حسب** پر بھی جائز ہے یا نہیں؟

مولانا اس سوال کے جواب میں متعدد ضعیف وموضوع احادیث اور فقہی روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> **جواب:** ...... ان روایات حدیثیہ وفقہیہ سے ثابت ہوا کہ **قول عمرو صحیح ہے اور یہ کہ مبنیٰ اس کا عرف پر ہے** جس کا حدیث میں بھی اعتبار کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم عجم میں جو نسباً کفاءت معتبر نہ ہونا فقہا نے لکھا ہے یہ بھی مقید ہے اس کے ساتھ کہ جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب وقومیت کے معتبر ہوگا ...... اور نسب

نسبت الی الآباء ہے اور حسب لغۃً عام ہے کما فی القاموس؛ لیکن عرفاً خاص ہے شرف نفس کے ساتھ خواہ دنیوی ہو یا دینی اور کفاءت میں یہ بھی معتبر ہے مثل نسب کے؛ چناں چہ فقہاء کا دیانۃً و مالاً و حرفۃً کہنا اس کی صریح دلیل ہے اور مدار اس کا بھی عرف پر ہے۔'' (۹۵)

مولانا نے اس فتوی میں سید، شیخ، مغل اور پٹھان کو شریف، نجیب الطرفین اور دوسری برادریوں مثلاً انصاری، جولاہا اور روغن گر (تیلی) وغیرہ کو چھوٹی اور ذلیل اقوام کہنے کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی کہی ہیں:

☆ نکاح میں کفاءت کا اعتبار کرنا معاملات دنیوی میں سے ہے اور اس کا مدار عرف پر ہے لیکن فتویٰ دینے کے لیے انھوں نے دین کا سہارا لیا۔

☆ شیخ اور سید میں کفاءت کا اعتبار نسب پر ہے لیکن دیگر اقوام میں پیشہ کی بنیاد پر۔

☆ شرعی رو سے (مزعومہ) رذیل اقوام سے نکاح وغیرہ میں عار کرنا جائز ہے۔

☆ حسب ونسب دونوں پر فخر کرنا شرعاً جائز ہے۔

مولانا پیری مریدی کی خلافت دینے کے سلسلے میں اپنا اصول بیان کرتے ہیں کہ:

''میرے نزدیک تو قریب قریب ہر شخص قابل اجازت ہے اور میں تو سب کو اجازت دے دیتا؛ لیکن **مصالح دینیہ** کا مقتضا یہ ہے کہ صاحب اجازت میں کسی نہ کسی قسم کی **کچھ ظاہری وجاہت بھی ہو، دینی یا دنیوی مثلاً اہل علم ہو یا کسی معزز طبقہ کا ہو؛ تاکہ اس کی طرف رجوع کرنے میں کسی کو عار نہ آئے اور طریق کی بے وقعتی نہ ہو۔**'' (۹۶)

کمالات اشرفیہ میں ہے کہ ایک مولوی صاحب- جو مولانا تھانوی کے خلیفہ مجاز تھے- نے اپنے ملفوظات خود جمع کیے اور ملفوظات کی ابتدا لفظِ ''فرمایا'' سے کی۔ حضرت والا کو مولوی صاحب کی یہ حرکت بہت بری لگی؛ چناں چہ خوب خوب ڈانٹ ڈپٹ کی اور بیعت کرنے سے روک دیا، نیز اعلان کیا کہ اس سے کوئی بات چیت نہ کرے اگر کسی نے کی تو اس کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک کیا جائے گا، جب مولوی صاحب نے مولانا کا غصہ دیکھا تو معافی کی درخواست کی؛ لیکن مولانا کی نظر میں درخواست بے ڈھنگے طور سے کی گئی تھی اس لیے یہ سزا تجویز کی کہ بعد مغرب روزانہ اس مضمون کا اعلان کیا کیجیے کہ:

''صاحبو! چوں کہ میں فلاں قوم [جولاہا/ انصاری] (۹۷) ہوں اس لیے کم حوصلگی کے سبب اپنے مربی کی عنایتوں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا جس کی وجہ سے سزا میں گرفتار ہوں؛ لہٰذا آپ لوگوں کو چاہیے کہ تکبر سے بہت پرہیز کریں۔'' (۹۸)

کمالات اشرفیہ کے مرتب مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادی خلیفہ حکیم الامت مولانا تھانوی نے مولانا کے اس غیر اسلامی نظریہ کا رد کرنے کے بجائے اس کو اسلامی اور مولانا کا کمال ثابت کرنے کے لیے ایک فٹ نوٹ بھی لگایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس سے حضرت اقدس کی تواضع وشان تربیت اظہر من الشمس ہے۔''(۹۹)

مولانا تھانوی اپنی کتاب الرفیق فی سواء الطریق میں لکھتے ہیں:

''تین روز جولاہے نے نماز کیا پڑھ لی تو اپنے آپ کو برگزیدہ ہستی سمجھنے لگا۔''(۱۰۰)

اسی طرح مولانا نے اپنی کتاب ''رسالہ تبلیغ'' کے چودہویں وعظ ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ ۲۶/ اگست ۱۹۲۲ء (۱۰۱) کے صفحہ: ۱۵، سطر: ۹، صفحہ: ۲۵، سطر: ۱۴، صفحہ: ۳۰، سطر: ۸، خصوصاً صفحہ: ۳۶ اور ۱۴ تا ۱۷ میں قوم پارچہ باف (جولاہا/ انصاری) کے ساتھ بعض لایعنی قصے گھڑ کر بیان کیا جن سے اس قوم کی دل آزاری ہوتی ہے۔ (۱۰۲) نیز مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب کی دل آزار تصنیف ''نہایات الارب فی غایات النسب'' کو حرف بحرف (۱۰۳) پڑھنے کے بعد اس کی تصدیق کے واسطے ''وصل السبب فی فصل النسب'' نام سے جو تقریظ لکھی تھی اس میں بھی بہت سی ایسی متعصبانہ باتیں لکھ دی ہیں جن سے موہومہ رذیل اقوام خصوصاً انصاری برادری کو سخت چوٹ لگتی ہے، (۱۰۴) انھوں نے ہر طرح سے کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح بعض ذاتوں کو رذیل اور بعض کو شریف ثابت کیا جائے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''قوموں اور خاندانوں کے تفاوت مصالح کثیر ہیں، تمدنیہ بھی اور شرعیہ بھی۔''(۱۰۵)

جب مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب کے خلاف پورے ہندستان میں ہنگامہ ہوا تو مولانا تھانوی نے اس کے دفاع میں مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سابق ترجمان ماہنامہ قاسم العلوم دیوبند میں شعبان ۱۳۵۳ھ (نومبر ۱۹۳۴ء) میں ''رفع الغلط لدفع الشطط'' نام سے مضمون لکھا۔ شبیر احمد حکیم صاحب ''مساوات بہار شریعت'' کے حوالہ سے مولانا تھانوی کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

''جولاہوں اور نائیوں کو مسلمان گھرانوں میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔''(۱۰۶)

مولانا تھانوی نے اپنی کتاب دین کی باتیں (۱۰۷) اور اپنی سب سے مشہور کتاب بہشتی زیور (۱۰۸)- جو آج بھی دیہاتوں میں دلہن کو قرآن کے ساتھ ساتھ اس کو بھی بطور تحفہ یا جہیز میں دیا جاتا ہے۔ میں لکھتے ہیں:

''نسب میں برابری یہ ہے کہ شیخ سید اور انصاری (۱۰۹) [انصار مدینہ] علوی یہ سب ایک دوسرے کے برابر ہیں یعنی اگر چہ سیدوں کا رتبہ اوروں سے بڑھ کر ہے؛ لیکن اگر سید کی

لڑکی شیخ کے یہاں بیاہی گئی تو یہ نہ کہیں گے کہ اپنے میل میں نکاح نہیں ہوا بلکہ یہ بھی ایک میل ہی ہے۔...... مغل اور پٹھان سب ایک قوم کے ہیں اور شیخوں سیدوں کی ٹکر کے نہیں۔ اگر سید کی لڑکی ان کی یہاں بیاہ آئی تو کہیں گے کہ بے میل اور گھٹ کر نکاح ہوا۔ مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار فقط **مغل پٹھان قوموں** میں ہے شیخوں سیدوں علویوں اور انصاریوں میں اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ تو جو شخص خود مسلمان ہوگیا اور اس کا باپ کافر تھا وہ شخص اس عورت کے برابر نہیں جو خود بھی مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان ہے لیکن اس کا دادا دونوں مسلمان ہوں لیکن پردادا مسلمان نہ ہو تو وہ شخص اس عورت کے برابر سمجھا جاویگا جس کی کئی پشتیں مسلمان ہوں۔ خلاصہ یہ کہ دادا تک مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار ہے اس کے بعد دادا اور نگردادا میں برابری ضروری نہیں۔...... پیشہ میں برابری یہ ہے کہ **جولاہے، درزیوں** کے میل اور جوڑ کے نہیں ہیں اسی طرح **نائی دھوبی وغیرہ بھی درزی** کے برابر نہیں۔"

مولانا سے کسی نے نومسلم اور خاندانی مسلم کے کفو ہونے کے بارے میں پوچھا کہ اس کی کتاب وسنت سے کوئی دلیل بھی ہے یا اپنی خود ساختہ شریعت؟ تو مولانا نے اس کا جواب دینے کے بجائے منطقانہ انداز میں جوابی الزام لگایا، استفتاء اور فتویٰ دونوں نقل کیا جاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل کے بارے میں:

۱- قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے کہ عجم کے نومسلموں سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں اور اگر ہیں تو کون سے پارہ میں اور کون سے رکوع میں ہے؟ یا صحاح ستہ کی کتابوں میں سے اس مضمون کی حدیث بھی ہے کہ عجم کے نومسلم سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں اور اگر ہے تو کون سی کتابوں اور کون سے صفحہ میں یہ حکم ہے؟

۲- "آبائی مسلمان شریف ہیں ان نومسلموں سے جو خود مسلمان ہوے ہوں یا ان کے باپ مسلمان ہوے ہوں۔ یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا؟ کیوں کہ یہ قول کافروں اور مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے یہ قول قابل عمل ہے یا نہیں؟

۳- عجم کے آبائی مسلمانوں کے مقابلے میں کیا عرب کے نومسلم زیادہ شریف ہیں؟

الجواب: ان سوالات کے ضمن میں سائل نے چند دعوے بھی کیے ہیں ان میں سے بعض بطور نمونہ کے مع مناشی ذکر کیے جاتے ہیں:

قولہ:''قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے''الخ۔''قولہ صحاح ستہ میں اس مضمون کی حدیث بھی ہے''الخ۔''اس میں دعوی ہے کہ صرف قرآن وحدیث، خصوصاً صحاح ستہ کی حدیث حجت ہے، کتب ستہ کے علاوہ دوسری احادیث اور اجماع وقیاس حجت نہیں۔

قولہ''یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا الخ''ظاہراً معصوم سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں تب تو اس میں بھی وہی دعوی ہے جو اوپر گزرا؛ لیکن اگر معصوم میں اہل اجماع کو بھی داخل کیا ہے اس بنا پر کہ ان میں گو ہر ہر [فرد] واحد معصوم نہیں؛ لیکن مجموعہ معصوم ہے۔ لحدیث: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ [اس حدیث کی وجہ سے کہ: اللہ تعالی میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا۔] تو قیاس کی نفی کا دعویٰ اب بھی باقی ہے۔

قولہ:''کیوں کہ یہ قول مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ۔''اگر یہ محذور دونوں تقدیروں پر لازم کیا ہے خواہ وہ معصوم کا قول ہو یا علماء کا تب تو بڑا شنیع دعوی ہے کہ معصوم کے قول کا محض ایک رائے سے رد ہے، اگر خصوص معصوم سے مراد پیغمبر ہوں تو اس کی شناعت کی کوئی حد نہیں کہ نص کا انکار ہے اور اگر علماء ہی کے قول پر یہ محذور لازم کیا ہے تو نفس مسئلہ **تفاضل بالاسلام وبالعربیۃ میں کسی متبوع کا خلاف منقول نہیں، گو جزئیات میں اختلاف ہو تو مسئلہ اجماعی ہوا۔تو اجماع کا رد ہے** اور اگر اجماع بھی نہ ہوتا تب بھی اس میں علماء کے عدد کثیر کی تحمیق وتجہیل ہے کہ انھوں نے اتنی بڑی مضرت کا احساس نہیں کیا اور یہ سب لازم اور دعاوی ہیں۔ علاوہ اس کے اس میں جو مانعیت کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ قول کافروں، مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ سو یہ مانعیت **کل کفار کے اعتبار سے ہے یا بعض کے اعتبار سے؟ شق اول تو مشاہدۃً باطل ہے کیوں کہ باوجود اس مسئلہ کے مشہور ہونے کے ہر زمانہ میں ہزاروں کفار برابر اسلام قبول کرتے رہے ہیں اور جن کو بعد میں معلوم ہوتا ہے وہ بھی سب مرتد نہیں ہوتے** اور شق ثانی پر اس مسئلہ کی کیا تخصیص ہے، بعض کفار کے لیے تو دوسرے ایسے مسائل بھی مانع عن الاسلام ہو رہے ہیں جو قطعی الثبوت، قطعی الدلالۃ نصوص سے ثابت ہیں مثلاً جہاد واسترقاق وتعدد نکاح ومشروعیت طلاق وذبح حیوانات وغیرھا من الاحکام التی لاتتناھی، تو کیا سائل صاحب ان سب مسائل کے ابطال کا التزام کر سکتے ہیں؟ **بلکہ خود اس مسئلہ کا مقابل مساوات مطلقہ بعض کفار کے لیے مانع عن الاسلام ہو سکتا ہے؛ مثلاً اگر کسی ہندو رئیس**

معزز راجپورت کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں مسلمان ہو کر شرافت میں ایک نومسلم بھنگی یا چمار کے برابر سمجھا جاؤں گا اور اگر وہ میری لڑکی کے لیے پیغام دے تو خاندانی تفاضل یعنی عدم کفاءت کا عذر کرنا میرے لیے موجب معصیت وموجب عقوبت آخرت ہوگا تو کیا ممکن نہیں ہے کہ یہ سب معلوم کر کے وہ اسلام سے رک جاوے؟ تو محذور دونوں جانب برابر رہا پھر اس مانعیت کے کیا معنی؟ بہر حال یہ سولات اس عنوان سے اتنے دعووں کو مستلزم ہیں کہ اگر اب بھی اس عنوان کو باقی رکھا جاتا ہے تو ان دعووں کو ثابت کیا جاوے ورنہ عنوان بدلا جائے جس میں کسی غیر مسلم مقدمہ کا دعویٰ نہ ہو فقط، ۱۷ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ [۱۸ راکتوبر ۱۹۳۲ء]۔" (۱۱۰)

مولانا تھانوی نے اس فتوی میں مزعومہ بڑی ذاتوں اور خاندانی مسلمانوں "سید شیخ" (۱۱۱) کی دوسری مفروضہ چھوٹی اور نومسلم برادریوں جن میں انھوں نے مغل اور پٹھان کو بھی شامل (۱۱۲) کیا ہے جن کو وہ شریف ذات (۱۱۳) بھی کہتے ہیں۔ پر فضیلت اور برتری کو مسئلہ اجماعی بتایا ہے؛ لیکن کتاب وسنت سے ایک بھی دلیل پیش نہ کی اور نہ ہی مسئلہ اجماعی ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ وہ مزعومہ چھوٹی اور نومسلم برادریوں کو سید اور شیخ کا کفو تو مانتے ہی نہیں ہیں؛ لیکن جن کو وہ نومسلم، چھوٹی ذاتیں اور عجمی النسل مسلمان کہتے ہیں ان میں بھی یہاں پر ذات پات کا بیج بو دیا۔

مولانا نے مذکورہ بالا فتوی کو امداد الفتاویٰ (۱۱۴) اپنی دوسری کتاب وصل السبب فی فصل النسب (۱۱۵) جس کو انھوں نے اخیر العشرۃ الوسطیٰ من رجب المرجب ۱۳۵۱ھ (۱۱۶) (۱۹ رنومبر ۱۹۳۲ء) کو لکھا تھا، مجلہ النور مطبوعہ ۱۳۵۲ھ (۱۱۷) (۱۹۳۳ء) اور اپنی سب سے آخری کتاب بوادر النوادر (۱۱۸) میں درج کیا، جس کی طباعت کے آپ بہت شدت سے منتظر تھے، جب چھپ گئی اور جس نے طبع کرائی تھی ہدیۃً بیس نسخے آپ کے پاس آپ کی وصال ۱۶ ررجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۴ رجولائی ۱۹۴۳ء سے **ہفتہ یا عشرۃ قبل** بھیجا تو آپ ان کو دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"اور بڑی حسرت کے اظہار کے ساتھ ایک ایک کتاب پر ہاتھ رکھ کر فرما رہے تھے کہ میری جان ان کے انتظار میں اٹکی ہوئی تھی۔" (۱۱۹)

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مولانا تھانوی نے اپنے ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (۱۸ رجون ۱۹۱۱ء) ۲۳ رربیع الثانی ۱۳۳۴ھ (۲۸ رفروری ۱۹۱۶ء) اور یکم شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ (۱۲ رمئی ۱۹۱۸ء) کے تین وعظوں میں اور اپنی سب سے آخری کتاب بوادر النوادر کی ایک تحریر میں جس کو انھوں نے ۱۶ ررجب

المرجب ۱۳۵۷ھ (۱۱ر ستمبر ۱۹۳۸ء) کو لکھا تھا، ان باتوں سے رجوع کر لیا ہے؛ لیکن جو لوگ یہ بات کہتے ہیں، انھوں نے یا تو مولانا تھانوی کی تحریروں کا صحیح سے مطالعہ نہیں کیا ہے یا صحیح سے پڑھنے کے باوجود صرف فرط عقیدت میں ایسا کہہ رہے ہیں۔ مولانا تھانوی نے کبھی بھی اپنے اقوال وفتاویٰ سے رجوع نہیں کیا ہے بلکہ آخری دم تک وہ اونچ نیچ کے قائل رہے ہیں۔ انھوں نے بڑے ہی منطقیانہ انداز میں مزعومہ چھوٹی ذاتوں کو مساوات آخرت کی امید دلا کر اس اونچ نیچ کو باقی رکھنے کی کوشش کی ہے؛ چناں چہ ۲۰ر جمادی الآخریٰ ۱۳۲۹ھ (۱۸ جون ۱۹۱۱ء) کے وعظ میں مفروضہ شرفاء کو تفاخر نسب نہ کرنے کی نصیحت کرنے کے بعد فرمایا:

> ”اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ **شرف نسب** کوئی چیز نہیں ہے **آخرت** میں تو واقعی نسب کوئی چیز نہیں ہے عمل ہی کام آنے والا ہے؛ لیکن **دنیا** میں وہ بیکار بھی نہیں ہے **شریعت** نے خود اس کا **اعتبار** کیا ہے اگر نسب کوئی شی نہ ہوتی تو **غیر کفو** [**چھوٹی ذاتوں**] میں نکاح کرنے سے منع نہ کیا جاتا اور یہ قانون مقرر نہ ہوتا۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ (۱۴۰) [ائمہ یعنی خلیفہ قریش (سید، شیخ) (۱۴۱) سے ہوں گے] ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ **شرع نے بھی شرفاء میں ضرور تفاوت رکھا ہے** اور یہ بات مصالح تمدنیہ کی حفاظت کے لیے ہیں، اگر سب کے سب اس میں یکساں ہوتے تو **تمدن** ہرگز محفوظ نہ رہ سکتا نہ کوئی کام چل سکتا، مثلاً اگر کوئی گھر بنانے کے لیے کسی کو کہتا تو وہ کہتا تم ہی ہمارا گھر تعمیر کر دو، نائی سے خط بنانے کو کہتے تو وہ کہتا تم ہی میرا بنائیے، دھوبی کپڑے نہ دھوتا، غرض سخت مصیبت ہوتی اگر بڑھئی کی ضرورت ہوتی تو وہ نہ ملتا، اگر نوکر کی ضرورت ہوتی تو نوکر نہ ملتا یہ ادنیٰ واعلیٰ کا تفاوت ہی ہے جس سے لوگوں کے کام چل رہے ہیں۔“ (۱۴۲)

مولانا نے ذات پات کی تائید میں جو مثالیں دی ہیں وہ مناسب نہیں ہیں؛ کیوں کہ یہاں بات نسب کی چل رہی ہے اور مثال پیشہ کی دے رہے ہیں۔ حالاں کہ پیشہ میں کسی ذات کی قید نہیں ہے ہر ایک ذات کے لوگ جو بھی پیشہ چاہیں اختیار کر سکتے ہیں اور کرتے بھی ہیں۔ مولانا آگے مزید لکھتے ہیں کہ:

> ”......پس معلوم ہوا کہ نسب میں مصالح تمدنیہ ودیعت ہیں اس لیے وہ بیکار نہیں مگر نسب پر تکبر کرنا اور فخر کرنا ہر حالت میں حرام ہے اور آج کل کے **شرفاء میں تو نسب پر تکبر ہی ہے مگر غیر شرفاء میں دوسرے طور پر تکبر پایا جاتا ہے، کہ اپنے کو شرفاء کے برابر سمجھتے ہیں اور اپنے میں اعلیٰ میں کچھ فرق نہیں جانتے یہ بھی زیادتی ہے جو فرق اللہ نے رکھ دیا**

ہے اس کو کون مٹا سکتا ہے **غرض یہ کہ تفاخر اور کبر بھی برابر ہے** جیسا کہ مدعیان شرافت خصوصاً عورتوں میں ہے اور فرق مراتب نہ رکھنا بھی ناپسندیدہ ہے جیسا کہ دوسری قوموں نے اختیار کیا ہے۔'' (۱۲۳)

اسی طرح ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۱۶ء کے وعظ میں مفروضہ بڑی ذاتوں کو نسب پر فخر نہ کرنے کی تلقین کی، پھر فرمایا:

''**لیکن میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ نکاح کے وقت کفاءت کی تحقیق نہ کیا کرو، کفاءت کی ضرور رعایت کرنا چاہیے،** لطف نکاح میں جب ہی ہے جب کہ زوجین ہم جنس [ایک ہی ذات اور برادری کے] ہوں اور غیر کفو [مزعومہ رذیل ذات] میں ہونے سے بے لطفی کے ساتھ ذلت اور عار بھی عرفاً ہوتی ہے۔ اس افراط [یعنی نسب پر فخر کرنا] کے مقابلہ میں بعضوں کو تفریط ہوگئی ہے کہ ان کو **اس نفی نسب** میں غلو ہوگیا ہے کہ وہ **اس کو لاشی [کوئی چیز نہیں] محض بتلاتے ہیں۔**

قنوج میں ایک مولوی صاحب آئے وہ سید تھے اور منہاروں میں آکر ٹھہرے اور **انھوں نے ان کی دلجوئی اور اپنی آمدنی کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا کہ نسب کی شرافت کوئی چیز نہیں ہے اولاد آدم سب برابر ہیں،** وہاں کے شیوخ کو یہ گراں ہوا اور انھوں نے یہ شہرت دینی شروع کر دی کہ یہ مولوی صاحب اپنی لڑکی منہاروں کو دیں گے اور ایک چالاک شخص نے مولوی صاحب سے روبرو پوچھا بھی کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ اپنی لڑکی منہاروں میں دیں گے۔ مولوی صاحب غصہ میں ہوگئے اور طیش میں آکر کہتے ہیں کہ کون حرام زادہ کہتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت مولانا برا ماننے کی بات کون سی ہے؟ **سیادت اور شرافت تو کوئی چیز نہیں ہے اس روز ان مولوی صاحب کی آنکھیں کھلیں۔**

غرض نسب کے بارے میں افراط وتفریط دونوں برے ہیں نہ تو **شیخ، سید اور جولا ہے ایسے برابر ہیں کہ آپس میں ان کی مناکحت جاری ہوں** اور نہ ایسا فرق ہے کہ اس کی بنا پر نسب پر فخر کرنے لگیں اور دوسری قوموں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگیں البتہ جوشئ عرفاً سبب ذلت کا ہے اس سے بچیے لیکن حفظ کے ساتھ تواضع کو اختیار کرے۔'' (۱۲۴)

یکم شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ (مطابق ۱۲ مئی ۱۹۱۸ء) کے وعظ میں شیوخ کے دعوے شیخیت کو رد کرتے ہوئے کفو کے متعلق فرمایا:

''میں نے ایک مجمع میں کہا تھا کہ کیا ہندستان میں بھی لوگ (صدیقی وغیرہ) چھانٹ چھانٹ کر بھیجے گئے تھے اوروں کی نسلیں کہاں گئیں، شبہہ ہوتا ہے کہ لوگوں نے گڑ بڑ کر کے اپنے کو بڑوں کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ اگر یہ نسبت نہ کی جائے **تو کفو کا لحاظ** کیسے ہوگا؟ فرمایا کہ **عرفی وجاہت و موجودہ حالت پر نظر کر کے لحاظ ہوگا** گذشتہ انساب کی تحقیق پر مدار نہ ہوگا......'' (۱۲۵)

مذکورہ بالا اپنے وعظوں میں سے اول الذکر دونوں وعظوں سے ملتی جلتی باتیں انھوں نے ۱۶ر رجب المرجب ۱۳۵۷ھ (۱۱ر ستمبر ۱۹۳۸ء) کی ایک تحریر میں لکھی جس کو انھوں نے مومن کانفرنس کے انعقاد کے کل ہو کر شہر کانپور میں لکھی تھی اور جو ان کی سب سے آخری کتاب بوادر النوادر میں شائع ہوئی۔ (۱۲۶) نیز مولانا نے رذیل و شریف کے تصور کو اسلامی ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیت کریمہ کی تاویل و تفسیر تک اپنے نظریہ کے مطابق کر ڈالی؛ چناں چہ اسی (۱۶ر رجب المرجب ۱۳۵۷ھ، ۱۱ ستمبر ۱۹۳۸ء) کی تحریر میں ذات پات کا فلسفہ پیش کرنے کے بعد اس کی حمایت میں دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور یہ سب مضمون مع اجزاء آیت ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی (الی قوله تعالیٰ:) اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ [اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ ترجمہ تھانوی] میں مذکور ہے، **احکام آخرت میں مساوات** کو صراحتاً (فی قوله تعالیٰ ﴿ان اکرمکم عندالله اتقاکم﴾ پس تقوی کا مدار اکرمیت ہونے میں سب مساوی ہیں اور احکام دنیویہ میں تفاوت قریب بصراحت (فی قوله تعالیٰ ﴿وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا﴾'' (۱۲۷)

حالاں کہ ﴿وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا﴾ [اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندانوں میں بنایا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ ترجمہ تھانوی] میں ﴿لتعارفوا﴾ ...... وجعلناکم شعوبا وقبائل﴾ کی علت ہے جو دلالت کر رہا ہے کہ شعوب و قبائل کی تخلیق تفاوت و تفاضل کے لیے نہیں؛ بلکہ تعارف و تمائز کے لیے ہوئی ہے اس (مطلب و تفسیر) کی تائید اس آیت کریمہ کی شان نزول سے بھی ہوتی ہے چناں چہ ابوداؤد کی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے

بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ تم ابو ہند حجام (پچھنا لگانے والے) کو لڑکی دو اور ان سے لڑکی لو، تو انھوں نے کہا کہ ہم اپنی بیٹیاں اپنے غلاموں سے بیاہ دیں؟۔(۱۲۸)

خود مولانا تھانوی نے بھی اس ﴿لتعارفوا﴾ کو تعارف و تمائز کے لیے مانا ہے؛ لیکن پھر اپنی رائے کے مطابق اس کی تاویل کر دی۔ لکھتے ہیں:

''تقریر دلالت یہ ہے کہ اختلاف شعوب وقبائل کی **غایت، تعارف و تمائز** کو فرمایا اور ظاہر ہے کہ تعارف و تمائز احکام دنیویہ ہی سے ہے اور خود مقصود بالذات نہیں بلکہ ادائے حقوق خاصہ کے لیے مقصود ہے اور جو حقوق تعارف و تمائز پر متفرع ہوتے ہیں وہ سب احکام متعلقہ بالمصالحہ الدنیویہ ہیں پس اسی طرح یہ دلالت حاصل ہوگئی۔''(۱۲۹)

مولانا تھانوی کی باتوں میں کافی تضاد ہے ایک طرف تو وہ تفاخر بالانساب [یعنی نسب پر فخر کرنے] کو حرام کہتے ہیں؛ لیکن دوسری جگہ تفاخر بالانساب کو جائز بھی کہتے ہیں جیسا کہ اوپر آچکا ہے۔(۱۳۰) نیز کفاءت فی النسب کی بات بھی کرتے ہیں حالاں کہ کفاءت فی النسب ہی تفاخر بالانساب کی جڑ اور بنیاد ہے؛ چناں چہ فقہاء کے کفاءت فی النسب کے اعتبار کی ایک وجہ لوگوں کا اپنے نسب پر فخر وتکبر کرنا بھی ہے ''اَلْکَفَاءَۃُ تُعْتَبَرُ فِی النَّسَبِ لِاَنَّہٗ یَقَعُ بِہِ التَّفَاخُر''(۱۳۱)

فقہاء صرف مرد کی جانب سے کفاءت کی قید لگاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ شریف عورت رذیل اور گھٹیا کا بچھونا بننا پسند نہیں کرتی ہے، لیکن اگر عورت گھٹیا ہے تو مرد کو نہ تو ناپسند ہوگا اور نہ ہی عورت اور اس کے اولیاء کو عار لاحق ہوگا۔

''کَوْنُ الْمَرْأَۃِ اَدْنٰی ...... لِاَنَّ الشَّرِیْفَۃَ تَابٰی اَنْ تَکُوْنَ مُسْتَفْرِشَۃً لِلْخَسِیْسِ بِخِلَافِ جَانِبِھَا لِاَنَّ الزَّوْجَ مُسْتَفْرِشٌ فَلَا یَغِیْظُہٗ دِنَاءَۃُ الْفِرَاشِ'' ''اِنَّ الشَّرِیْفَ لَا یَاْبیٰ اَنْ یَّکُوْنَ مُسْتَفْرِشًا لِلدَّنِیَّۃِ کَالْاَمَۃِ وَالْکِتَابِیَّۃِ لِاَنَّ ذٰلِکَ لَا یُعَدُّ عَارٌ فِیْ حَقِّہٖ بَلْ فِیْ حَقِّھَا لِاَنَّ النِّکَاحَ رِقٌّ لِلْمَرْأَۃِ وَالزَّوْجُ مَالِکٌ۔'' ''فَاِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَۃُ رَجُلًا خَیْرًا مِنْھَا فَلَیْسَ لِلْوَلِیِّ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَھُمَا فَاِنَّ الْوَلِیَّ لَا یَتَعَیَّرُ بِاَنْ یَّکُوْنَ تَحْتَ الرَّجُلِ مَنْ لَا یُکَافِوْہُ''(۱۳۲)

پیچھے مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کا فتوی گزر چکا ہے کہ:

''کفاءت کا اعتبار اس میں نہیں ہے کہ کوئی مرد شریف کسی کم نسب والی عورت

سے نکاح کرے......" (۱۳۳)

یہاں، "الشریفة، الشریف، الخسیس، الدنیئة، شریف، اور کم نسب" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

مزید براں یہ کہ مولانا تھانوی مزعومہ نیچی ذاتوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو مفروضہ بڑی ذاتوں کے برابر نہ سمجھو بلکہ ان سے کمتر اور گھٹیا سمجھو ان کے تابع رہو تمھارا اپنے آپ کو ان کے برابر سمجھنا تکبر ہے اور تکبر حرام ہے۔

اتنی وضاحت کے بعد کسی کو یہ کہنے کا حق باقی نہیں رہتا ہے کہ مولانا تھانوی نے اپنے سابقہ اقوال و فتاوی سے رجوع کر لیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کسی بھی تحریر یا تقریر میں اونچ نیچ، رذیل و شریف کے اپنے نظریہ سے رجوع نہیں کیا بلکہ اس کو آخر وقت تک تقویت پہنچاتے رہے۔

سابق مفتی دار العلوم دیو بند مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی:

مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی مفتی اعظم پاکستان متوفی ۱۱ر شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۶ ر اکتوبر ۱۹۷۶ء نے دار العلوم دیو بند کے شعبہ افتاء پر فائز ہونے کے بعد شعبان ۱۳۵۱ء مطابق نومبر ۱۹۳۲ء "نہایات الارب فی غایات النسب" نام کی کتاب لکھی تھی اس کتاب میں کچھ ضمیمے بھی شامل تھے مثلاً مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی کا کتابچہ "وصل السبب فی فصل النسب"، "مولانا قاری محمد طیب صدیقی کی تقریظ"، "انساب وقبائل کا تفاضل" اور سہارن پور کی شیخ برادری کے صدر احمد عثمانی صاحب- جو مولانا اشرف علی تھانوی کے رشتہ دار (۱۳۴) تھے- کا مضمون۔

اس کتاب میں مفتی صاحب نے ضعیف و موضوع اور باطل احادیث کو لے کر اور ان میں بھی اپنے مطلب کے مطابق کاٹ چھانٹ کر کے تفاخر بالانساب کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا ہے اور ذات پات کے سلسلہ میں ایسی ایسی باتیں اور موضوع احادیث لکھیں ہیں جن کے پردہ میں پیشہ ور اقوام کو گالیاں دی جائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> **"نسبی شرفاء کے سب گناہ قیامت کے دن بلاشبہ نسبی شرافت کے سبب معاف کر دیے جائیں گے۔" (۱۳۵)**

> "انساب وقبائل میں انسان کی تقسیم و تفریق خداوند عالم کی عظیم الشان نعمت ہے...... ایک تیسرا طبقہ وہ ہے جو سرے سے **تفاضل انساب** ہی کو مٹانا چاہتا ہے اور دینی اور اخروی امور سے گزر کر معاملات دنیویہ میں بھی یہی چاہتا ہے کہ کوئی **امتیاز** باقی نہ رہے اور اس کا

نام مساوات اسلام رکھا ہے اور یہ بات بھی چوں کہ نصوص شرعیہ اور احادیث صریحہ کے خلاف ہے اور حدود شرعیہ سے تجاوز ہے اس لیے یہ بھی ایک مستقل مرض قابل اصلاح بن گیا ہے۔

دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کی خدمت جب سے اس ناکارہ وآوارہ کے سپرد ہوئی تو آخر الذکر معاملات مساوات (یعنی تفاضل الانساب کی نفی) کے متعلق اطراف ملک سے سوالات کثرت سے ہوئے، نکاح کے معاملات میں کفاءت کے بارکوان حضرات نے بالکل چھوڑ دینا چاہا اور مساوات اسلام کے سچے اور صحیح عنوان کا معنون یہ غلط صورت بنادی اس لیے خیال ہوا کہ اس بحث کو ایک مستقل رسالہ کی صورت میں لکھ دیا جائے۔" (۱۳۶)

مفتی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"بعض مغرب کے دلدادہ نئی روشنی میں (جس کوئی اندھیری کہنا زیادہ موزوں ہے) پرورش پانے والوں نے اس خاص امتیاز اسلامی اور مساوات محمودہ کو بھی ایک غلط معنی پہنائے اور مغربی دہریت آزادی و بے قیدی کا اسلامی مساوات نام رکھ دیا...... معاملات دنیویہ نکاح وغیرہ میں بھی انساب اور اکفاء کی رعایت کو جو ٹھیک شرعی قانون ہے (معاذ اللہ) لغو وبے کار بلکہ مضر بتلایا الغرض اسلامی مساوات کو اندھیری نگری کی کہانی بنادیا اور موجودہ بالشویزم اصول سے جاملایا۔ (۱۳۷)

آگے مفتی صاحب نے "انساب اور پیشوں کا باہمی تفاضل" کے عنوان کے تحت عزت وذلت کے دو اقسام "شرعی عزت اور شرعی ذلت، عرفی عزت اور عرفی ذلت" بتلائے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"عزت وذلت ایک عرفی ہے اور ایک شرعی۔" (۱۳۸)

عرفی عزت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ مرد عورت سے عرب [بڑی ذاتیں یعنی سید وشیخ] عجم یعنی چھوٹی ذاتوں سے اور ان میں بھی سادات کی دوسری عرب یعنی شیخ اور تمام عجم یعنی چھوٹی ذاتوں پر فضیلت ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

"عرفی عزت میں ان تمام چیزوں کا تفاضل معتبر ہے۔" (۱۳۹)

مفتی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"انساب شریفہ اپنی طبیعت اور جبلت سے اخلاق حسنہ کے باعث بنتے ہیں اور اس پر

اعمال صالحہ بطور ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔...... دنیوی اور عرفی اعزاز میں قطع نظر تقویٰ سے بھی انساب اور پیشوں کا تفاضل اعتبار کیا گیا ہے اور جن معاملات کا مدار عرف ورواج اور باہمی معاشرت پر ہے ان میں شریعت اسلامیہ نے بھی اس تفاضل وتفاوت کا اعتبار فرما کر اس پر احکام فقہیہ کے ایک بڑے حصہ کی بنیاد پُرکی ہے۔" (۱۴۰)

مفتی صاحب نے انساب اور پیشوں کا باہمی تفاضل کے ذیلی عنوان اور پیشوں اور صنعتوں کا باہمی تفاضل وتفاوت کے تحت مردے کو غسل دینے، قبر کھودنے، گوشت بیچنے اور خاکروب پیشہ (ہندستان کے بعض علاقوں میں خاکروب مسلمان ہیں) کے سلسلہ میں انتہائی غیر مناسب باتیں لکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"جو شخص مُردوں کے نہلانے اور دفن کرنے وغیرہ کا پیشہ اختیار کرے عموماً تجربہ سے ثابت ہے کہ اس کا قلب سخت ہو جاتا ہے کسی کی موت سے اس پر آثار عبرت ظاہر نہیں ہوتے اس طرح جو شخص ذبح کرنے اور گوشت بیچنے کا پیشہ بنالے قساوت قلب اس کے خواص لازمہ کی طرح اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح ایسے پیشے جن میں نجاسات کا تلوث یا غلاظت وبدبو کی چیزوں کا زیادہ استعمال رہتا ہے وہ **فرشتوں کے بُعد کا سبب بن کر بہت سے اخلاق حسنہ سے انسان کو محروم کر دیتی ہے۔" (۱۴۱)**

مذکورہ بالا عنوان کے تحت مفتی صاحب پیشہ ور برادریوں اور پیشوں کے ضمن میں موضوع احادیث نقل کرتے ہوئے آگے مزید لکھتے ہیں:

"آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے جس کو حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے دیلمی (مجموعہ حدیث) نے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

(۱) اَكْذَبُ النَّاسِ الصَّبَّاغ (کنز العمال، کتاب البیوع، ج:۲، ص:۲۱۰)

سب لوگوں سے زیادہ جھوٹے رنگریز (نیلگر) ہیں۔"

ارشاد: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(۲) اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَادَى مُنَادٍ: اَيْنَمَا خَوَنَةُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ؟ فَيُوتٰى بِالنَّحَاسِيْنَ وَالصَّيَارِفَةِ وَالْحَاكَةِ (کنز العمال، بروایۃ دیلمی عن ابن عمر ج:۲:۲۰۱)

"جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی آواز دے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے زمین میں بستے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی؟ اس پر ٹھٹھیرے (پیتل، تانبے وغیرہ کے برتن

بنانے یا بیچنے والا) [گھوڑا وغیرہ بیچنے والے]۔ (۱۴۲) اور صراف اور جولا ہے حاضر کیے جائیں گے"۔

ارشاد: محدث فریابی حضرت انسؓ کی روایت سے حسب ذیل نقل کرتے ہیں:

(۳) شَرَارُ أُمَّتِي الصَّائِغُونَ الصَّائِغُونَ (کنز: ج:۲: ص:۲۰۱)

"میری امت میں سب سے زیادہ بدتر لوگ دستکاری کرنے والے اور سنار ہیں۔

ارشاد: اور طبرانی نے حضرت جابر سے الفاظ ذیل روایت کیے ہیں:

(۴) وَهَبْتُ خَالَتِي فَاخِتَةَ بِنْتَ عَمْرٍو غُلَامًا فَأَمَرْتُهَا أَنْ لَا تَجْعَلَهُ جَازِرًا وَلَا صَائِغًا وَلَا حَجَّامًا (کنز: ج:۲: ص:۲۰۱)

"میں نے اپنی خالہ فاختہ بنت عمرو کو ایک غلام ہدیہ پیش کیا اور یہ نصیحت کی کہ اس کو قصائی اور سنار اور حجام نہ بنانا۔"

ارشاد: آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

(۵) مَنْ كَانَتْ تِجَارَتُهُ الطَّعَامَ بَاتَ وَفِي صَدْرِهِ غِلٌّ لِلْمُسْلِمِينَ (رواہ ابونعیم عن ابن عمر، کنز)

"جس شخص کی تجارت غلہ کی ہوتی ہے اس کے دل میں مسلمانوں کی دشمنی سمائی رہتی ہے کہ وہ ہمیشہ گرانی کا خواستگار رہتا ہے۔" (۱۴۳)

اس کتاب اور مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی کی کتاب رسالہ تبلیغ کے چودہویں وعظ ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ [۲۶/ اگست ۱۹۲۲ء] کے خلاف پورے ہندستان میں موہومہ چھوٹی ذاتوں خصوصاً انصاری اور قریشی برادریوں نے مظاہرہ کیا۔ سہارنپور کی مومن کانفرنس نے بذریعہ خط مولانا تھانوی سے وضاحت طلب کی اور محولہ بالا کتاب سے اس طرح کی عبارتوں کو نکالنے کا مطالبہ کیا جن سے مزعومہ پنچ اقوام خصوصاً انصاریوں (جولاہوں) کی دل آزاری ہوتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی ان عبارتوں کو نکالنے کا نہ تو حکم صادر کیا اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی معقول عذر ہی پیش کیا، بلکہ ادھر ادھر کی بات کر کے خاموشی اختیار کر لی؛ (۱۴۴) لیکن مولانا مفتی محمد شفیع نے مولانا تھانوی کی عبارتوں پر جو حاشیہ لگایا وہ پہلے سے بھی زیادہ بغض وعناد اور تذلیل وتحقیر سے بھری عبارتیں ہیں۔ مومن کانفرنس جمعیۃ الانصار سہارن پور نے اپنے سالانہ اجلاس پنجم منعقدہ ۲۴-۲۵/ اگست ۱۹۳۲ء میں قرار داد منظور کرتے ہوئے مولانا تھانوی سے ان کی کتاب رسالہ تبلیغ محولہ بالا کی دلخراش عبارتوں اور کہانیوں کو نکالنے کا جو مطالبہ کیا اس کا

اور مومن کانفرنس جمعیۃ الانصار کا مفتی محمد شفیع صاحب نے مذاق اڑایا اور مزید مذاق اڑانے کی غرض سے انصاریوں رجولاہوں کو ''جدید انصاریوں'' لکھا پھر آگے مذکورہ بالا حدیث :۲،کو دوبارہ نقل کیا نیز امام شہاب الدین احمد الشبھی کی کتاب ''المستطرف فی کل فن مستظرف جلد دوم، ص:۵۴ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت مجاہد سے آیت کریمہ ''وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ''کی تفسیر میں منقول ہے:

''قِیْلَ ھُمُ الْحَاكَةُ وَالْاَسَاكِفَةُ بعض لوگوں نے کہا کہ ارذل لوگ وہ جولاہے اور موچی ہیں۔''

حضرت کعب سے مروی ہے:

''قَالَ كَعْبُ لَاتَسْتَشِيْرُوا الْحَاكَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ سَلَبَ عُقُوْلَهُمْ وَنَزَعَ الْبَرَكَةَ مِنْ كَسْبِهِمْ لِاَنَّ مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ مَرَّتْ بِجَمَاعَةٍ مِنَ الْحِيَا كِيْنَ فَسَأَلَتْهُمْ عَنِ الطَّرِيْقِ فَدَلُّوْهَا عَلىٰ [غَيْرِ] الطَّرِيْقِ، فَقَالَتْ نَزَعَ اللّٰهُ الْبَرَكَةَ مِنْ كَسْبِكُمْ''

''جولاہوں سے مشورہ نہ لو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عقلیں سلب کر لی ہیں اور ان کی کمائی سے برکت دور کردی ہے اس لیے کہ حضرت مریم علیہا السلام جولاہوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزریں تو ان سے راستہ پوچھا، انھوں نے غلط راستہ بتادیا تو مریمؑ نے بددعا کی کہ خدا تعالیٰ تمہاری کمائی سے برکت سلب کر لے......۔''(۱۴۵)

مفتی صاحب نے جو کچھ اوپر احادیث اور تفسیر کے نام پر پیش کی ہیں سب کی سب موضوع اور بے اصل ہیں خود راقم الحروف نے اول الذکر احادیث پر اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون ''ہندستانی علماء اور ذات پات'' میں کلام کیا ہے، ان کی تخریج کر کے ان کے راویوں کی حیثیت واضح کی ہے اور جن کتابوں سے یہ احادیث منقول ہیں ان کی بھی حیثیت محدثین کے کلام کی روشنی میں بیان کی ہے، پہلی اور دوسری حدیث کو خود کنز العمال کے مصنف محدث عارف باللہ علی متقی نے ضعیف کہا ہے۔(۱۴۶) جن کی کتاب کنز العمال سے مفتی صاحب نے احادیث نقل کی ہیں۔ پہلی اور چوتھی احادیث میں فرقد سنجی، عبدالرزاق، معمر کدیمی (محمد بن یونس بن موسی ابوالعباس البصری) بکہ بن عبداللہ بن شرود، عثمان بن مقسم، ابوسلمہ الرازی، ابوماجد یا ابن ماجد راوی ہیں اور محدثین کے نزدیک تمام کے تمام غیر ثقہ، غیر حجت، ضعیف، کذاب اور حدیث گھڑنے والے ہیں۔ حدیث:۲، ۳، ۴ اور ۵ کے متعلق جستجوئے بسیار کے بعد بھی معلوم نہ ہوسکا کہ کن محدثین نے ان کی تخریج کی ہے: چوں کہ یہاں تفصیل کا مقام نہیں ہے لہذا مفتی صاحب کی

بطور دلیل اور حجت پیش کردہ مذکورہ بالا احادیث کے متعلق محدث کبیر علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی کا ریمارک (جو انھوں نے مفتی صاحب کی کتاب کے جواب میں لکھا ہے) ہی نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''اور یہ حضرات جن حدیثوں کی تقویت امر کے درپے ہیں نہ ان کی سند کا پتہ ہے نہ کسی محدث نے ان کے یسیر الضعف ہونے کی تصریح کی ہے؛ بلکہ اس کے برعکس وہ ایسی کتابوں سے منقول ہیں۔ جن کی حدیثوں کی نسبت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ''عجالہ نافعہ'' (ص: ۷-۸) میں لکھتے ہیں کہ:

''ان کا نام ونشان قرون سابقہ [پہلی صدیوں] میں موجود نہ تھا صرف پچھلے محدثین نے ان کو روایت کیا ہے، پس دو حال سے خالی نہیں یا تو اگلے محدثین نے بحث وتفتیش کے بعد اس کی کوئی اصل نہ پائی کہ ان کی روایت میں مشغول ہوں یا کچھ اصل تو ملی؛ لیکن اس میں کوئی علت اور خرابی دیکھی کہ ان حدیثوں کے چھوڑ دینے کا باعث بنی- بہر حال یہ حدیثیں اعتماد اور بھروسہ کے لائق نہیں ہیں کہ ان سے کسی عقیدہ یا عمل کو ثابت کیا جائے'' یہ حمایتی حضرات اس بات کو بھی نظر انداز کر جاتے ہیں۔'' (۱۴۷)

﴿وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ﴾ کے متعلق حضرت مجاہد کی مروی تفسیر پر مولانا سلطان احمد اصلاحی رکن جماعت اسلامی ہند رفیق ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ نے تفصیلی گفتگو کی ہے اور اس کو غلط ثابت کیا ہے، (۱۴۸) اور لکھا ہے:

''تفسیر وفقہ کی یہ پوری گفتگو نظر ثانی کی طالب اور قابل اصلاح ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے بیان میں اگر ارذلون کی یہ تفسیر درست بھی ہو کہ اس سے مراد بنکر اور موچی ہیں، تو سوال یہ ہے کہ بعد میں عذاب الٰہی کا شکار ہونے والی قوم نوحؑ کے کفار ومشرکین کے اس بیان کو یہ اعتبار کب سے حاصل ہو گیا کہ اس کی بنیاد پر کسی پیشے کی عزت اور ذلت کا فیصلہ کیا جائے؟ اگر اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر کہا بھی گیا ہے کہ قرآن نے برسر موقع اس کی تردید نہیں کی تو یہ تردید ہر جگہ دوسرے پیغمبروں کے علاوہ اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ کے سلسلے میں بھی برسر موقع نہیں ہے جہاں عرب کے کفار ومشرکین کی طرف سے آپ ﷺ کو ساحر اور مجنون کہا گیا ہے۔ برسر موقع اس تردید کے نہ ہونے سے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ آپ ﷺ خاک بدہان آں جہلاء پاگل اور جادوگر نہیں ہو گئے تو قوم نوحؑ کے اس

بیان سے ان کے بنکر اور موچی پیروکاروں کا ذلیل اور پست ہونا کیوں مسلّم ہو۔ اس تفسیر کی دوسری کمزوری اس کے علاوہ ہے۔ حضرت نوحؑ تو خود قرآن کی صراحت سے نجاری کے پیشے سے وابستہ تھے۔ اشراف وارذال کی روایتی بحث میں یہ پیشہ بھی کوئی استثنائی اور قابل اعزاز واکرام نہیں تو ان لوگوں نے ان کو کیوں معاف کر دیا اور ان کی پستی کا اعلان کیوں نہیں کیا۔" (۱۴۹)

محدث کبیر علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی نے بھی مذکورہ بالا آیت کی حضرت مجاہد سے منقول تفسیر پر لمبی چوڑی گفتگو کی ہے اور اس کو غیر مستند بتایا ہے۔ (۱۵۰) وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ثانیاً اگر مجاہد کی یہ تفسیر کہیں اور سے بسند معتبر ثابت بھی ہو تو مجاہد نے ارذلون کی تفسیر جولا ہے اور موچی کر کے جولاہوں اور موچیوں کو خود رذیل نہیں کہا ہے؛ بلکہ یہ تفسیر کر کے انھوں نے یہ بتایا اور سمجھایا ہے کہ حضرت نوحؑ کی کافر قوم نے جولاہوں اور موچیوں کو رذیل قرار دے کر حضرت نوحؑ سے یہ کہا ہے کہ ﴿وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ﴾ [یعنی رذیلوں نے آپ کی پیروی کی] لہذا جولاہوں اور موچیوں کو رذیل سمجھنے اور کہنے والے ان کافروں کے مقلد اور ان کا یہ خیال کافرانہ خیال ہے، مولوی شفیع اس نکتہ کو بھی نہیں سمجھ سکے اور بے سوچے سمجھے بول اٹھے کہ مجاہد نے اس قوم کی تذلیل کی ہے۔" (۱۵۱)

مفتی محمد شفیع عثمانی کی پیش کردہ آخر الذکر دلیل حضرت کعب کے قول کے تعلق سے محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی لکھتے ہیں:

"کعب کا جو قول صاحب مستطرف نے نقل کیا ہے اس کے اول حصے کو بعض لوگوں نے حدیث نبوی کہہ کر اور اخیر حصے کو حضرت علیؓ کا مقولہ بنا کر پیش کیا ہے علامہ سیوطی نے دونوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ (دیکھو اللآلی المصنوعة ص:۱۰۴، ج ا ص:۱۰۵، ج ا، اور تذکرۃ الموضوعات ص:۱۳۷)...... پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کعب کے قول کی بنیاد ایک اسرائیلی واقعہ پر رکھی گئی ہے اور اس واقعہ کی بھی کوئی سند نہیں ہے۔" (۱۵۲)

جب مولانا تھانوی اور مفتی صاحب کے ان غیر اسلامی نظریات پر اعتراض ہوا تو دونوں حضرات نے یک زبان ہو کر کہا ہے اگر ہماری کتاب کی عبارتوں پر اعتراض ہے تو سب سے پہلے ان لوگوں پر اعتراض کرنا چاہیے جن کی کتابوں کے حوالے سے ہم نے لکھا ہے۔ (۱۵۳) ان دونوں حضرات کی دلیل بالکل کمزور ہے کیونکہ "مستطرف" اور اس قسم کی دوسری کتابوں میں صدہا لایعنی باتیں بلکہ بہت

سے بیہودہ امور صحابہ کرام کی نسبت مذکور ہیں۔" (۱۵۴) تو کیا صرف کسی کتاب میں ہونے کی بنیاد پر اس کو بھی صحیح تسلیم کر لیا جائے گا؟ "المستطرف فی کل فن مستظرف" کے شارح اور محقق ڈاکٹر مفید محمد قیمہ بھی لکھتے ہیں کہ اس میں بعض ایسی عجیب وغریب احادیث اور واقعات ہیں جن کو تجربہ اور علم کی بنیاد پر عقل بھی تسلیم نہیں کرتی ...... الخ۔ (۱۵۵) حتی کہ خود مصنف امام شہاب الدین احمد نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ میں نے اس میں بعض لطیفے اور مزاحیہ قصے، کہانیاں، درج کی ہیں۔' (۱۵۶)

اگر مولانا تھانوی اور مفتی صاحب کی دلیل صحیح تسلیم کر لی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر انھوں نے کتابوں اور بطور خاص کنز العمال سے صرف انھی احادیث کو کیوں نقل کیا جن سے پیشہ ور اقوام کی تذلیل ہوتی ہے اور ان احادیث کو کیوں چھوڑ دیا جو پیشہ ور اقوام کو اعلیٰ درجہ کی فضیلت (۱۵۷) اور مزعومہ شرفاء کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں۔ کنز العمال میں ایک دو نہیں بلکہ بے شمار احادیث موجود ہیں جن میں بنو عباس، بنو امیہ، بنو حکم، بنو العاص، بنو المغیرہ، بنو مخزوم، حجاج بن یوسف ثقفی کی سخت مذمت ان کا فتنہ وفساد پھیلانا، قریش (سید اور شیخ) کے نوجوانوں کے ہاتھوں امت اسلامیہ کی بربادی اور افراد مضر کا لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنا اور قتل عام کرنا مذکورہ ہے۔ (۱۵۸) اسی طرح ایک حدیث ہے کہ:

"لَا تَسْتَشِيْرُوا الْحَاكَةَ وَلَا الْمُعَلِّمِيْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى سَلَبَ عُقُوْلَهُمْ وَنَزَعَ الْبَرَكَةَ مِنْ اَكْسَابِهِمْ"

"مت مشورہ کرو جلاہوں سے اور نہ **معلمین** سے کیوں کہ حق تعالیٰ نے ان کی عقلیں چھین لیں اور ان کے سینوں [کمائیوں] سے برکت نکال لی۔" (۱۵۹)

مفتی محمد شفیع عثمانی نے ان احادیث کو کیوں نقل نہیں کیا؟ قابل غور ہے۔

مفتی صاحب اپنی اور مولانا تھانوی کی برادری "شیخ" کو سادات کا کفو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سادات کرام اور شیوخ خواہ صدیقی، فاروقی ہوں یا عثمانی وعلوی یا دوسرے قبائل ان میں سے ان کا کفو وہ شخص نہیں ہو سکتا جو ان تمام انساب میں سے نہ ہو بلکہ عجمی النسل ہو خواہ کوئی پیشہ رکھتا ہو اور عجمیوں کے کسی خاندان کا ہو۔ ہاں یہ قبائل **سادات وشیوخ** باہم ایک دوسرے کے اکفاء ہیں کیوں **یہ سب قریشی ہیں** ان میں باہمی ازدواج ومناکحت **بلاشرط جائز وصحیح ہے۔**" (۱۶۰)

مفتی صاحب آگے مزید لکھتے ہیں:

[illegible]

شخص عالم یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، یہی صحیح ہے...... **جولاہا درزی کا کفو نہیں؛ بلکہ اس سے ادنی** ہے اور درزی بزاز کا کفو نہیں اور بزاز وتاجر، عالم وقاضی کے کفو نہیں...... اگر کوئی لڑکی عاقلہ بالغہ اپنا نکاح **غیر کفو [رذیل چھوٹی ذاتوں]** میں بغیر اجازت ولی کر لے تو یہ نکاح قول مفتی بہ کے مطابق **باطل اور بالکل ناقابل اعتبار ہے** اسی طرح اگر کوئی ولی نابالغہ لڑکی کا نکاح **غیر کفو [رذیل اور چھوٹی ذاتوں]** میں کر دے تو وہ بھی **شرعا باطل اور ناقابل اعتبار ہے** البتہ اگر ولی باپ یا دادا ہو تو اگر غیر کفو [رذیل اور چھوٹی ذاتوں] میں اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کر دیں تو جائز وصحیح ولازم ہو جائے گا۔'' (۱۶۱)

مفتی صاحب نے آگے **خاندانی مسلمان اور نومسلم کو باہم غیر کفو قرار دیا ہے**۔ (۱۶۲)

مفتی صاحب موہومہ رذیل ذاتوں اور برادریوں کے سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں کہ:

''عجمی مسلمانوں کی ہر قوم اور ہر جماعت کو اس کی فکر ہے کہ اپنا نسب کسی بڑے درجہ کے صحابی سے یا عرب کے مشہور خاندان سے جا ملائیں اس کے لیے جلسے اور انجمنیں منعقد کی جاتی ہیں کانفرنسیں ہوتی ہیں، مستقل رسائل واخبارات اسی مقصد کے لیے شائع کیے جاتے ہیں۔'' (۱۶۳)

''معاملہ انساب میں دوسری بے اعتدالی یہ ہے کہ بعض لوگ اپنا نسب آبائی چھوڑ کر اپنے کو دوسرے انساب کی طرف منسوب کرتے ہیں، ایک قوم اس میں سرگرم ہے کہ اپنے آپ کو **انصاری** ثابت کرے اور اپنا نسب انصار سے جا ملائے تو دوسری اس کے درپے ہے کہ اپنے کو **قریش** میں داخل کر لے تیسری یہ چاہتی ہے کہ **راعی** بن کر عرب میں داخل ہو جاوے کوئی اس فکر میں ہے کہ اپنے آپ کو **شیخ، صدیقی یا فاروقی یا عثمانی، علوی** ظاہر کرے تو کوئی سید بننے کے درپے ہے۔...... بعض نسب بدلنے والوں کا عذر لنگ کہ ہم انصاری بہ حیثیت پیشہ ہیں۔ لیکن انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ انصاری جو ایک خاص خاندان کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس معنی میں شہرت پا چکا ہے اس کو اپنا لقب قرار دینا عرف عام کے لحاظ سے اسی نسب کا مدعی بننا ہے اور یہ احادیث صحیحہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر نسب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا سخت حرام ہے اور وعید شدید کا موجب ہے اور اگر بالفرض کسی کی نیت ادعاء نسب کی نہ ہو بلکہ پیشہ کے لحاظ سے نسبت کرنا مقصود ہو تو کم از کم التباس اور مغالطہ سے خالی نہیں جیسے کوئی نبی یا رسول اپنے آپ کو کہنے لگے اور معنی یہ مراد لے کہ میں خبر دینے والا

قاصد ہوں تو شرعاً اس معنی میں اپنا لقب ''نبی'' اور ''رسول'' کہنا حرام ہے کیوں کہ التباس کا سبب ہے۔...... ایسے ہی لایعنی حیلے اور قرینے جمع کر کے کوئی انصاری بنتا ہے کوئی قریشی اور کوئی راعی جب کہ عزت وتفوق کی چیز علم اور حسن اخلاق واعمال فاضلہ ہیں ہمیشہ عزت کا مدار یہی رہے ہیں۔...... **شرافت نسب خداوند عالم کی ایک نعمت ہے مگر غیر اختیاری ہے**...... اس لیے نہ اس کا غم کرے کہ مجھے **شرافت نسب** حاصل نہیں اور نہ اس غلطی میں مبتلا ہو کہ خواہ کسی کی طرف اپنی نسبت جوڑے یا ایسے لقب ڈھونڈے جو کسی **شریف نسب** کے ساتھ اشتراک پیدا کر دے یا اس کا موہوم ہو۔'' (۱۶۴)

مولانا تھانوی نے مفتی صاحب کی تائید تو کی ہی بذات خود انھوں نے بھی اسی طرح کی باتیں لکھیں۔ (۱۶۵) عجیب بات ہے مزعومہ چھوٹی ذاتوں سے کہا جا رہا ہے کہ تمھارا اپنے کو انصاری، راعی اور قریشی وغیرہ لکھنا غیر مستند اور الانتساب الی غیر الانساب (غیر نسب کی طرف اپنی نسبت کرنا) ہے اور کسی غیر نسب کی طرف اپنی نسبت کرنا حرام ہے: لیکن مزعومہ اونچی برادریوں کے دعوی نسب کو بغیر کسی دلیل کے صرف تسامع اور تواتر کہہ کر تسلیم کر لیا جاتا ہے، چناں چہ مولانا تھانوی لکھتے ہیں:

''بعض لوگ **مشہور شریفوں** پر اعتراض کرتے ہیں کہ تمھارے ہی نسب پر کون سی دلیل قائم ہے؟ جواب یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ثبوت نسب میں **تسامع وتواتر کافی ہے،** سو یہ حاصل ہے اور **جدید دعویدار اس دلیل** سے بھی محروم ہیں۔'' (۱۶۶)

مولانا تھانوی اپنے نسب کے ثبوت کے لیے صرف تسامع اور تواتر کو کافی مانتے ہیں: حالاں کہ تاریخی اعتبار سے حقیقت یہ ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچتا ہے۔ (۱۶۷) مفتی صاحب نے اونچ نیچ کی جو دیوار کھڑی کی ہے اس کو وہ شرعی حکم اور اسلامی مساوات کا نام دیتے ہیں۔ اسلام نے شریف ورذیل، ادنیٰ واعلیٰ، تعلیم یافتہ وغیر تعلیم یافتہ، امیر وغریب، مریض وتندرست اور قوی وناتواں کو ایک ہی پلڑے میں رکھا ہے۔ اگر کسی کو فضیلت وبرتری دی ہے تو تقویٰ کی بنا پر مگر مفتی صاحب، اسلام کے اس تصور مساوات کو اندھیر نگری کی مساوات بتاتے اور اسے فطرت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ نکاح میں انساب واکفاء کی رعایت کرنے کو عین اسلام اور شرعی قانون بتانے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''اس سے آگے جس کسی نے قدم رکھا **سخت ٹھوکر** کھائی اور طرح طرح کی **آفتوں** کے دروازے کھول دئے۔ سنئے یہ بات کچھ زیادہ غور طلب نہیں کہ **مساوات کی یہ اندھیری**

نگری کے حاکم ومحکوم، خاوند، بیوی، باپ بیٹا، مرد وعورت، محرم وغیر محرم، مہذب و غیر مہذب، شریف ورذیل سب ایک پلہ میں تلنے لگیں اور ایک لاٹھی سے ہانکے جائیں اور سب کے سب تمام حقوق اور معاملات میں برابر سمجھے جائیں۔ اس سے نہ صرف دین ومذہب کی بنیادیں اکھڑ جاتی ہیں بلکہ دینداری کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں اور زندگی وبال ہوجاتی ہے اس لیے وہ مساوات جو مطلوب ومحمود ہے کسی ذی ہوش کے نزدیک اس اندھیر کا نام نہیں ہوسکتا۔" (۱۶۸)

مفتی صاحب اپنی کتاب کے آخر میں مزید لکھتے ہیں:

"معاملات نکاح وغیرہ نسب اور پیشے کی کفاءت کو **شرعی حکم** اور مصالح اور حکمتوں کا مجموعہ سمجھے اس کو **مساوات اسلامی کے خلاف نہ جانے کہ یہ اندھیری نگری کی مساوات کہ جس میں ادنیٰ واعلیٰ اور کھرے کھوٹے اور چھوٹے بڑے میں کوئی امتیاز نہ ہو، محض بے عقلی کی مساوات ہے۔** جو فطرت کے خلاف ہے عقل کے موافق مساوات وہی ہے جو اسلام نے اختیار فرمائی ہے۔" (۱۶۹)

"نہایات الارب فی غایات النسب" کے پہلے ایڈیشن میں مفتی صاحب نے مولانا تھانوی کے ایک رشتے دار احمد عثمانی صاحب۔ جو سہارنپور کی شیخ برادری کے صدر بھی تھے۔ کا ضمیمہ شامل کیا تھا جس کی تائید مفتی صاحب کے ساتھ، مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی، قاری محمد طیب صدیقی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عبدالکریم مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، مولانا سید اصغر حسین مدرس دارالعلوم دیوبند، دونوں مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی مدرس دارالعلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے شیخ الحدیث اور فضائل اعمال رتبلیغی نصاب کے مصنف مولانا محمد زکریا صدیقی اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے کی تھی، وہ بھی ملاحظہ ہو:

(الف) ضمیمہ نہایات الارب فی غایات النسب

"اس زمانہ پُرفتن میں ہر چہار طرف سے آوازیں بلند ہورہی ہیں۔ کہیں سے آواز آتی ہے کہ زلزلے سے فلاں آبادی تباہ ہوگئی کہیں سے صدا بلند ہورہی ہے کہ مشرکین وکفار کی جانب سے فلاں ظلم وتشدد ہورہا ہے۔ واقعی، یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ کہا جارہا ہے، وہ درست وراست ہے: مگر اس کی طرف بالکل توجہ نہیں کہ اصل سبب ان تمام واقعات کا

امور شرعیہ کو ترک کر دینا ہے۔ ہم جملہ اقوام سے اس کی استدعا نہیں کر سکتے کہ وہ کیا کریں۔ مگر اپنی قوم، حضرات شیوخ سے ضرور درخواست کریں گے کہ تاوقتیکہ آپ حضرات امور شرعیہ پر عامل نہ ہوں گے، ان مسائل سے نجات نہ ہوگی۔ **امور شرعیہ (من جملہ) دیگر امور کے یہ بھی ہیں کہ رذیل اقوام سے خلط ملط بالکل نہ رکھیں، کیوں کہ ان کی رذالت کا اثر ضرور واقع ہوگا۔** ''تخم تاثیر، صحبت کا اثر'' مشہور مقولہ ہے، نیز ان دیگر اقوام رذیلہ سے معاملات خرید وفروخت وامور دینیہ، تحقیق مسائل وغیرہ مطلقاً تعلق نہ رکھیں، کیونکہ یہ جملہ امور علامت قیامت میں سے ہیں کہ اخیر زمانہ میں **اقوام شریفہ پستی میں ہوں گی اور اقوام رذیلہ کو ترقی ہوگی۔** آج دیکھا جاتا ہے کہ **جولاہوں، تیلیوں، قصائیوں، دھوبیوں، بھٹیاروں، لوہاروں، درزیوں، سناروں، بساطیوں، کلالوں اور راجپوتوں** وغیرہ وغیرہ کو ترقی ہو رہی ہے، بلحاظ دنیا، [وہ] بڑے بڑے عہدہ پر قائم ہیں محلات کھڑے ہیں، مولوی، مفتی، قاری، صوفی، شاہ صاحب بابو، منسٹر وغیرہ کہلاتے ہیں، مگر یہ خیال نہیں کرتے ہیں کہ یہ باتیں ہمارے اندر کیوں آرہی ہیں؟ بس وہی قرب قیامت کی نشانی ہے؛ لیکن یہ جاہل لوگ خوش ہو رہے ہیں جہنم کو بھول رہے ہیں صاحبو! جب تک **علم دین حضرات شیوخ میں رہا اور اقوام دیگر تابع رہیں کوئی آفت نہیں آئی مگر جب سے قصائی، نائی، تیلی، لوہار، بساطی، کلال اور جولاہا وغیرہ مولوی، مدرس، قاری، صوفی اور حافظ وغیرہ ہونے لگے مصائب کا دور دورہ بھی آنے لگا** کیوں کہ یہ لوگ مطلقاً عقل سے کورے ہوتے ہیں اور بوجہ نادانی عقل کے اندھے ہوتے ہیں؛ چناں چہ **بعض احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ دجال پر ایمان لانے والے اکثر جولاہے ہوں گے،** وجہ یہ ہے کہ چوں کہ یہ لوگ ہر وقت اسی خیال میں رہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو خیانت کی جاوے؛ چوں کہ یہ خیانت ایک زہریلی بلا ہے اسی وجہ سے دجال پر ایمان لانے کی علت ہوئی اور یہ خیانت جملہ دیگر اقوام میں موجود ہے، شاذ ونادر کالمعدوم **تو ثابت ہوا کہ یہ اقوام ہمراہ دجال ہوں گی البتہ اگر یہ اقوام تابعداری شیوخ میں مصروف رہیں تو ان کی برکت سے اتباع دجال سے نجات ہو سکتی ہے۔ غور کی ضرورت ہے کہ اس سے پہلے دیگر اقوام بوجہ اتباع شیوخ راحت سے زندگی بسر کر رہی تھیں ان میں خود بینی آتے ہی مصائب کی آمد شروع ہوگئی۔ مثلاً** ہمارے سہارنپور میں مولوی حبیب احمد قصائی، مولوی

منظور حسین قصائی، قاری عبدالخالق نائی، مولوی سعید جولاہا پان فروش، منشی عبدالکریم سہراب جولاہا، مولوی مقبول احمد بساطی مولوی نور محمد بھٹیارہ، مولوی عبدالحمید گاڑادو غیرہ افراد رذیل موجود ہیں کہ اپنی نادانی اور خبط عقل کی وجہ سے کوئی مہتمم ہونے پر ناز کر رہا ہے، کوئی مدرس یا مناظر ہونے پر فخار ہے، کوئی قاری ہونے پر کود رہا ہے، کوئی اپنی ولایت پر مغرور ہے اور کوئی مؤلف بن کر علماء حقانی پر اعتراض کر رہا ہے۔ ہم کو یہ سن کر کہ ہمارے بھائی حاجی عزیز احمد صاحب ایک جاہل گھڑی ساز بازار نخاستہ محمد صادق لوہار سے مرید ہو گئے ہیں افسوس ہوا کہ بھلا ولایت سے دیگر اقوام کا کیا تعلق؟ کیا مرید ہونے کے لیے مظاہر علوم۔ سہارنپور، دارالعلوم دیوبند، تھانہ بھون۔ کے مشائخ نہ تھے؟ ہم اپنی قوم شیوخ سے درخواست کرتے ہیں کہ دیگر اقوام سے اجتناب کلی رکھیں۔ الحمدللہ شیوخ میں علماء، فضلاء، قراء، مشائخ، محدثین، مفسرین ومناظرین وغیرہ بکثرت موجود ہیں۔ دنیاوی لحاظ سے تجار بھی موجود ہیں کلی معاملات اپنی قوم شیوخ سے وابستہ رکھیں تاکہ ہر قسم کی ترقی قوم کی ہو دیگر اقوام سے جدا رہیں؛ چوں کہ ان کی حالت ایمانیہ بہت خراب ہوتی ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کا فرمان "عَقْلُ الْحَائِكِ فِي الدُّبُرِ" **[جولاہے کی عقل اس کی دبر میں ہوتی ہے] روشن موجود ہے اب غور کر لیجئے کہ مرزا قادیان پر ایمان کون لاتا ہے بجز جولاہوں، تیلیوں اور لوہاروں وغیرہ کے؟ شیوخ میں سے بھی کوئی سنا ہے سو جب کہ ہمارے سامنے دجال اصغر پر [یہ] ایمان لا رہے ہیں تو ضرور دجال اکبر پر یہ لوگ ایمان لاویں گے۔** اس سے قبل کچھ مضمون اخبار محقق سہارنپور مورخہ ۱۶/ مئی ۱۹۳۵ء [۱۹۲۵ء] میں شائع ہو چکا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہے باقی آئندہ بھی ہم ایسے مضامین کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ دیگر اقوام سے انقطاع کلی کریں اور جو امور شرعیہ ہوں ان کی پابندی کریں اس میں اپنی قوم سے ہمدردی بھی ہے اور ہر قسم کی فلاح دارین بھی فقط والسلام۔

خادم قوم شیوخ: احمد عثمانی سہارنپور" (۱۷۰)

ب:- جنت کی حقدار صرف مزعومہ بڑی ذاتیں:

ڈاکٹر تابش مہدی رکن جماعت اسلامی و مدیر مرکزی اسلامی پبلیشرز جماعت اسلامی ہند نے اپنے اپنی کتاب "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" میں اپنے نانا جان کو قریشی (قصائی) لکھا ہے، مگر اب وہ

فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ہندستانی قریشی (قصائی) نہیں بلکہ مکی قریشی [سید] ہیں۔' ڈاکٹر عبدالرحمٰن انصاری (پرتاب گڑھ یوپی) سابق رکن جماعت اسلامی ہند سے اس سلسلہ میں میری گفتگو ہوئی، تو انہوں نے کہا کہ وہ ذات کے مسلم کائستھ ہیں، پرتاپ گڑھ میں ان کی چند رشتہ داریاں بھی ہیں۔ سنہ ۱۹۱۱ء سینسس رپورٹ نے اترپردیش کی مسلم کائستھ ذات کو مزعومہ طبقہ ارزال میں ہی شامل کیا ہے (۱۷۱) اور آج بھی مفروضہ طبقہ اشراف اس برادری کو نیچ ہی مانتی ہے۔ آج کل ڈاکٹر تابش مہدی صاحب ذات پات کی حمایت اور مساوات کی طرفداری میں کسی طرح کا کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں۔ اس قدر حامی ذات پات ہونے کے باوجود وہ ہندستانی شرفاء کے تصور ذات پات کا ذکر کرتے ہوئے مفتی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے تو اپنی کتاب غایات النسب [نہایات الارب فی غایات النسب] میں یہاں تک فرمادیا کہ بخشش ومغفرت کی مستحق بھی یہ چار قومیں یعنی شیخ سید مغل پٹھان ہیں۔'' (۱۷۲)

یہ بات سہارن پور اور اس کے قرب وجوار مظفر نگر اور بلند شہر وغیرہ میں جنگل کی آگ کی طرح مزعومہ چھوٹی ذاتوں میں پھیل گئی تھی کہ بس اب ہم جنت میں ہی نہیں جائیں گے صرف خود ساختہ بڑی ذاتیں ہی جنت کی حقدار ہیں اس واقعہ کا تذکرہ خود مولانا تھانوی نے اپنے مضمون ''رفع الغلط لدفع الشطط''۔ جس کو انھوں نے مفتی صاحب کے دفاع میں لکھا تھا۔ میں کیا ہے اور اس کا رد کیا ہے کہ اس کتاب میں اسی طرح کا کچھ بھی نہیں ہے۔ (۱۷۳) لیکن اوپر ''نہایات الارب فی غایات النسب'' دارالاشاعت دیوبند ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء کی عبارت نقل کی جاچکی ہے جس میں مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ:

> ''نسبی شرفاء کے سب گناہ قیامت کے دن بلا شبہ نسبی شرافت کے سبب معاف کردئے جائیں گے۔'' (۱۷۴)

''نہایات الارب فی غایات النسب'' اور اس کے ضمیمات کے بین السطور جو بات پوشیدہ ہے اس سے بھی ڈاکٹر تابش مہدی کے قول کی تصدیق ہوتی ہے:

اس کتاب ''نہایات الارب فی غایات النسب'' کی شناعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد امرتسر کے آریہ سماج اشاعت گھر سے ایک لمبا چوڑا اشتہار بعنوان ''مساوات اسلام کے ڈھول کا پول'' شائع ہوکر ملک بھر میں چسپاں کیا گیا، جس میں اسلامی مساوات پر اعتراض کرتے ہوئے ہندستانی مسلمانوں کو شدھی (ہندو بننے) کی دعوت دی گئی تھی۔ (۱۷۵)

حامیانِ مفتی محمد شفیع عثمانی ونہایات الارب فی غایات النسب

اس کتاب (نہایات الارب فی غایات النسب) پر پورے ہندستان میں ہنگامہ ہوا، مزعومہ چھوٹی برادریوں نے جلسے جلوس کیے اور مفتی صاحب کو افتاء کے منصب سے ہٹانے کا مطالبہ کیا حتی کہ سہارن پور کی قریشی برادری چھریاں لے کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگئی؛ لیکن مولانا سید حسین احمد مدنی نے مفتی صاحب کو چھپا دیا اور اپنی طرف سے معافی مانگ کر لوگوں کو واپس جانے پر راضی کیا [۱۷۶] اس کتاب کے خلاف علماء نے فتاویٰ دیئے مضامین اور کتابیں لکھیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے لیکن مفتی صاحب کی حمایت اور تائید میں علمائے دیوبند نے بھی فتاویٰ شائع کیے اور کتابیں لکھیں۔

مولانا تھانوی نے مفتی صاحب کی جس طرح حمایت کی اس کے واسطے تقریظ اور مضمون لکھا اس کی تفصیلات اوپر آچکی ہیں مولانا عبدالکریم مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون نے ''القول الرفیع فی الذب عن الشفیع''، [۱۷۷] اور مولانا سید اصغر حسین مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند نے ''رسالہ مساوات اسلامی کی بعض روایات کے متعلق ایک سوال کا مفصل جواب'' اور ایک دوسری کتاب ''رفع الشبہات عن المساوات'' [۱۷۸] لکھی۔ نیز علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی نے اس (نہایت الارب فی غایت النسب) کے رد میں جو فتوے دیے تھے جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے ان پر بھی تنقید کی [۱۷۹] مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے شیخ الحدیث اور تبلیغی نصاب رفضائل اعمال کے مصنف مولانا محمد زکریا صدیقی نے مفتی صاحب کی کتاب کے دفاع میں اس سے چوگونا ضخیم کتاب لکھی [۱۸۰] مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور نے ۱۳۵۴ھ (۳۵-۱۹۳۴ء) میں مفتی صاحب کی حمایت اور دفاع میں ان کی اس دل آزار تصنیف کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا [۱۸۱] مجلس علمیہ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے مفتی صاحب اور ان کی کتاب کے دفاع میں ایک تحریری بیان جاری ہوا جس میں دارالعلوم دیوبند کے سات عہدیداران اور ذمہ داران کی دستخط تھی۔ صدر مدرس صاحب (مولانا سید حسین احمد مدنی) ہر دو مہتمم صاحبان (مولانا قاری محمد طیب، ....) مفتی صاحب، حضرت سید محمد میاں (متوفی ۱۹۷۵ء) مولانا اعزاز علی صاحب (متوفی ۱۳۷۴ھ مطابق ۵۵-۱۹۵۴ء) مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صاحب۔ [۱۸۲] اس تحریری بیان میں مفتی صاحب کی کتاب کو بالکل صحیح قرار دیا گیا تھا اور مفتی صاحب کو کلین چٹ (Clean chit) دے دی گئی تھی۔ مولانا عبدالکریم اس بیان کے متعلق رقم طراز ہیں کہ:

> ''اس بیان میں خوب وضاحت سے تحریر فرما دیا ہے کہ اس رسالہ میں کوئی بات قابل گرفت نہیں۔ صرف خودغرضوں کی کاروائی سے یہ فتنہ پیدا ہوا ہے'' (۱۸۳)

مزعومہ رذیل ذات ''انصاری (جولاہا)'' برادری سے تعلق رکھنے والے ایک شخص ''مولانا حکیم شمس الدین اعظمی مقیم مالیگاؤں'' نے نہایت الارب فی غایات النسب کی حمایت میں ''رسالہ نہایت الارب فی غایات النسب مولفہ جناب مفتی محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند پر منصفانہ تبصرہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اپنے نام کے ساتھ ''از قوم مومن نور باف'' بھی لکھا۔ (۱۸۴)

دارالعلوم دیوبند کے ایک طالب علم مولانا یاسر اعظمی (جو دلہن پورہ، مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی کے باشندہ ہیں) سے راقم الحروف کی بات ہوئی کہ مفتی صاحب نے اپنی کتاب میں سب سے زیادہ انصاری برادری کو ہی ذلیل کیا ہے تو پھر آخر اس شخص نے اس کی حمایت کیوں کی؟۔ تو انھوں نے کہا کہ 'ہوسکتا ہے کہ یہ شخص مفتی صاحب کے مریدوں میں سے ہوں'(۱۸۵) اور چوں کہ اہل تصوف کے یہاں پیر کی بات کو ماننا فرض ہے خواہ وہ اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا انھوں نے اس کتاب کو لکھا ہوگا۔

زمانہ حال میں دارالعلوم ندوہ العلماء لکھنؤ کے مدرس اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اساسی (founder) ممبر مولانا مفتی عتیق احمد بستوی قاسمی نے متعدد مضامین لکھ کر مفتی صاحب اور ان کی کتاب کو کلین چٹ دے دیا ہے۔ ان کے مطابق اس میں کوئی غلط بات نہیں ہے۔ (۱۸۶) ماہنامہ ترجمان دیوبند کے مدیر مولانا واصف حسین ندیم الواجدی بھی مفتی صاحب کی کتاب پر اعتراض اور تنقید کرنے والوں کو اس کے خلاف لکھنے والوں کو مفتی صاحب کو بدنام کرنے کی سازش کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ (۱۸۷)

الف: سابق مہتمم دارالعلوم مولانا قاری محمد طیب صدیقی:

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانی اور سابق صدر اول مولانا قاری محمد طیب صدیقی متوفی ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء نے مذکورہ بالا تحریری بیان سے قبل مفتی صاحب کی کتاب کی تقریظ ''انساب وقبائل کا تفاضل'' کے نام سے لکھ کر تصدیق کردی تھی؛ لیکن جب اس سے بھی ہنگامہ کسی طرح نہ رکا تو مفتی صاحب اور ان کی کتاب کی حمایت کے واسطے باضابطہ ایک کتاب ''نسب اور اسلام'' کے نام سے لکھنی شروع کی، جس کی تکمیل ۲۹ر رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ بروز یوم یکشنبہ (مطابق ۶ر جنوری ۱۹۳۵ء) کو ہوئی (۱۸۸) اور اس کی اشاعت اول قاری صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد سالم صدیقی قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند وقف نے اپنے ادارہ ''ادارۂ تاج المعارف'' دیوبند یوپی سے مارچ ۱۹۶۲ء میں کی۔ اس کتاب کے مجموعی صفحات (اشتہارات وغیرہ کو چھوڑ کر) باسٹھ ہیں۔

قاری صاحب نے وہ قرآنی آیات اور حضور ﷺ کی وہ احادیث جو ذات پات کے خلاف اور اسلامی وانسانی مساوات کے سلسلے میں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں ان کی تاویل کرکے اسے اپنی مزعومہ

شرافت سے جوڑنے کی کوشش کی ہے یہاں تفصیلی تبصرہ کے بغیر ان کی چند عبارتیں اختصار کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں اور ان کا تجزیہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ خود اسلامی تعلیمات اور پچھلی تفصیلات کی روشنی میں اس کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ کریں۔ قاری صاحب کتاب کی شروعات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”﴿ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ فِی کِتَابِهِ الْکَرِیْمِ: ﴿ یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثیٰ وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ. ﴾

اس آیت کریمہ کی تین جز ہیں جو تین مقاصد پر مشتمل ہیں۔ پہلے جز میں مساوات پر روشنی ڈالی گئی ہے دوسرے میں **انساب وقبائل کا تفاضل اور فرق مراتب کھولا گیا ہے** اور تیسرے جز میں مقبولیت عنداللہ کا معیار اور اس کا طریقہ تعلیم فرمایا گیا ہے۔“ (۱۸۹)

......جس طرح مذہب کے سلسلہ میں اعلیٰ وادنیٰ اقوام ہیں پھر ایک ایک قوم میں اعلیٰ وادنیٰ طبقات ہیں پھر ایک ایک طبقہ میں اعلیٰ وادنیٰ افراد ہیں جن کی کرامتِ عُلُو ودناءت کا معیار اسی روحانی انتساب کا کمال ونقصان ہے۔ **ٹھیک اسی طرح انساب کے سلسلہ میں بھی اعلیٰ، ادنیٰ برادریاں ہیں، پھر ایک ایک برادری میں اعلیٰ وادنیٰ خاندان ہیں**......۔“ (۱۹۰)

”......ٹھیک اسی طرح قبائل وانساب کا محض تعداد وتکثر وجہ تعارف نہیں ہوسکتا جب تک کہ ان متعدد قبائل وشعوب میں امتیازی خصوصیات ذاتی یا عرضی طور پر موجود نہ ہوں۔ اس لیے شعوباً وقبائل کے صیغوں سے جہاں قبائل وانساب کا تعدد ماننا پڑے گا وہیں لتعارفوا کے مقتضی صیغوں سے ان کے باہمی تعارف کے لیے ان **شعوب وقبائل میں امتیازات وتفاوت کا تسلیم کرنا بھی ناگزیر ہوگا۔**“ (۱۹۱)

”اور ظاہر ہے کہ جہاں امتیازات مخصوصہ اور تفاوت وفروق کا دخل آئے گا وہاں کسی نہ کسی وجہ سے **تفاضل پیدا ہوکر فاضل ومفضول وبرتر وکمتر درجات بھی لازمی طور پر پیدا ہوجاویں گے اس لیے شعوب وقبائل کے ساتھ لتعارفوا کے ملانے سے بدیہی طور پر ان میں فرق مراتب ودرجات ثابت ہوجاتا ہے۔**“ (۱۹۲)

”......خود جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی خلافت نبوت کو اپنے ہی قبیلہ اور خاندان [قریش] کے لیے مخصوص فرمادیا۔“

ارشاد ہے:

''اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ - خلافت قریش [سید/شیخ] میں رہے گی۔'' (۱۹۳)

اس پر تبصرہ آگے علمائے تحریک اسلامی کے زیر عنوان آرہا ہے۔

''......قرآن کریم نے **تفاضل انساب** دکھلا کر لتعارفوا سے ایک ایسا راستہ کھول دیا کہ اس کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد وہاں **شکوہ وشکایت یا ناز واتراہٹ کی طرف دھیان بھی نہیں جاسکتا اگر ہوسکتا ہے تو بلاشبہ شکر وصبر ہی کی طرف جاسکتا ہے۔**'' (۱۹۴)

قاری صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ذات اور برادری کی رذالت وشرافت اللہ کی قائم کردہ ہے اس میں ذرہ برابر بھی انسان کا دخل نہیں ہے۔ دنیا میں شریف ذات ہونا تو فضیلت کا سبب ہے لیکن آخرت میں عمل کی ضرورت ہے وہاں [مزعومہ] بڑی ذات اور [موہومہ] چھوٹی ذات دونوں برابر رہیں گی؛ لیکن پھر بھی شرافت نسب قیامت میں بھی کارآمد ہوگی وہ لکھتے ہیں:

''اور نسب کی **کرامت ودنائت** محض وہی ہے جس میں **انسان کے اختیار کو رتی برابر دخل نہیں** اس لیے اس تیسری آیت میں اس فہم کی گمراہی کا بھی علاج فرمایا گیا ہے ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾ یعنی کرامت عنداللہ یا مقبولیت یا نجات اخروی کا مدار تقویٰ وطہارت ہے نہ کہ نسب...... بہر حال نجات اخروی کے لیے محض کرامت نسب کافی نہیں، ہاں ایمان وصلاح کے بعد ایسی غیر اختیاری خصلتیں بھی رفعت مدارج میں کارآمد ثابت ہوسکیں گی۔ **پس کرامت نسب آخرت میں بھی نہ لغو محض ہے نہ کارآمد محض، ایمان سے پہلے بیکار ہے اور ایمان کے بعد کارآمد۔**'' (۱۹۵)

قرآن کریم کی آیت ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ﴾ (۱۹۶)

یعنی آج قیامت کے دن ان کے باہمی نسب کوئی نفع نہ دیں گے، کی تاویل کرتے ہوئے اسے بھی اپنی مزعومہ شرافت سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اگر آج قیامت نہیں اور یقیناً نہیں تو آج **نسب کا غیر نافع ہونا بھی نہیں بلکہ نافع اور کارآمد ہونا بحالہ موجود ہے**......اور جسمانی فضائل میں **سب سے بڑی فضیلت نسب ہے** اس لیے حاصل یہ نکلا کہ خدا کے یہاں مقبولیت کا سب سے بڑا ذریعہ روحانی رشتہ ہے، جس کا اعلیٰ مظہر تقویٰ ہے اور بندوں کے یہاں **قبول** کا سب سے بڑا ذریعہ جسمانی سلسلہ ہے جس کا سب سے **اکمل مظہر نسب** ہے۔......اس سے دنیا میں نسب کے مدارِ کار نہ ہونے

کا کائی اثبات نہیں ہوتا پس ان آیات کی رو سے یہ تو ثابت ہوسکتا ہے کہ آخرت میں تقویٰ مدارِ کار رہو اور نسب نہ ہو؛ لیکن یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ تقویٰ تو دنیا میں سرے سے بیکار ہو اور نسب آخرت میں بیکار محض ہو۔ پس ہوسکتا ہے کہ نسب دنیا کی معاشرت میں مدارِ کار ہو اور **آخرت میں بھی کسی درجہ کام دے جائے** اور تقویٰ آخرت کی نجات میں مدارِ کار ہو اور دنیا کے مادی سلسلوں میں بھی نافع ثابت ہوجائے۔ پس آخرت میں اگر تقویٰ کے ساتھ یہ **کمالات نسب بھی جمع ہوجائیں تو نور علی نور ہیں** اور دنیا میں اگر شرافت نسب کے ساتھ تقویٰ کی یہ اعلیٰ مثالیں بھی مل جائیں تو سرور فوق سرور ہے۔" (۱۹۷)

احادیث میں نسب پر فخر کی جو حرمت آئی ہے۔ ان سے بھی اونچ نیچ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور ظاہر ہے کہ فخر کی ممانعت خود اس کی دلیل ہے کہ **نسب محل فخر ہے** ورنہ اگر فخر کا محل ہی نہ ہوتا تو ممانعت ہی فضول ہوتی جیسے ایک حسین کو تو کہہ سکتے ہیں کہ نازمت کر کہ حسن محل ناز ہے۔ مگر بدصورت کو یہ خطاب کرنا ہی لغو ہے کہ قبح محل ناز نہیں، پس بلاشبہ **فخر بالانساب کی ممانعت اس کے محل فخر ہونے کا ثبوت ہے اور ظاہر ہے کہ محل فخر کوئی فضیلت ہی ہوسکتی ہے منقبت نہیں،** اس لیے یہ ممانعتی حدیث خود **فضیلت نسب** کے دلائل ہیں نہ کہ اس کے ابطال کی حجتیں بہرحال یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں نہ اس **مساوات کو یہ تفاضل باطل کرسکتا ہے اور نہ اس تفاضل کو مساوات مٹا سکتی ہے۔" (۱۹۸)**

مسئلہ کفاءت کے متعلق قاری صاحب فرماتے ہیں:

"......معاملہ مع اللہ میں نسبی وقار کا کچھ نہیں اٹھتا، ہاں معاملہ مع الخلق میں کسی حد تک اس کا اعتبار کیا جانا طبعی رفتار کے خلاف بھی نہیں ہے، مگر معاملات عامہ میں نہیں بلکہ صرف اسی معاملہ میں جہاں انسانوں کے کسی طبعی مگر مستحکم میل ملاپ کا قصہ درپیش ہو......اور ظاہر ہے کہ ایسا معاملہ ایک نکاح وازدواج ہی کا معاملہ ہے......پس اس مادی رشتہ میں جو عادات وطبائع کی طویل آمیزش کا محل ہے ایسے باوقار وخوددار کو جو نسباً **آبائی علو** رکھتا ہے ایک ایسے زوج سے **جو آبائی طور پر اس علو سے خالی ہے** آمیزش اور میل کرتے ہوئے یقیناً طبعی عار لاحق ہوگا......اسی حقیقت کا عنوان شریعت کی اصطلاح میں کفاءت ہے پس مسئلہ کفاءت کا منشا نہ نسبی فخر وتعالی ہے نہ ادعاء مقبولیت عنداللہ ہے بلکہ ایک طبعی وقار کا احترام اور توافق طبائع کی تلاش جسے کسی نہج سے بھی بیجا نہیں کہا جاسکتا ہے۔" (۱۹۹)

مولانا کی باتوں میں تضاد ہی تضاد ہے، اوپر ''نسباً آبائی علو'' اور ''نسباً آبائی دنائت'' کی بات کہتے ہیں؛ لیکن پھر بھی کہتے ہیں کہ کفاءت کا مقصد نسبی فخر و تعالی نہیں ہے۔

ب: سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند مولانا سید حسین احمد مدنی

دار العلوم دیوبند کے سابق صدر مدرس مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی دسمبر ۱۹۵۷ء کا تعلق انصاری (جولاہا) برادری سے تھا وہ اصلی سید نہ تھے؛ بلکہ سید بنے[۲۰۰] اور بنائے گئے تھے۔[۲۰۱] جمعیۃ علماء ہند نے اپنے گیارہویں اجلاس منعقدہ جون پور، مورخہ ۷-۹ جون ۱۹۴۰ء[۲۰۲] اور تیرہویں اجلاس منعقدہ لاہور مورخہ ۲۰-۲۲/ مارچ ۱۹۴۲ء[۲۰۳] مولانا سید حسین احمد مدنی کی صدارت میں ایک قرارداد پاس کر کے مسلم سماج میں ذات، برادری اور پیشہ کی بنیاد پر ذلت و شرافت کے تصور کی پرزور مذمت کیا وراس کو ختم کرنے پر زور دیا آخر الذکر اجلاس کے خطبہ صدارت میں خود مولانا مدنی نے ذات پات کی مذمت کی۔[۲۰۴] انھوں نے اپنی خود نوشت سوانح ''نقش حیات''، جس کو انھوں نے جیل کے اندر لکھا تھا اور یہ ان کی زندگی ہی میں ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکی تھی۔ میں کئی صفحات پر اس تصور یعنی ذات پات کو غیر اسلامی بتایا ہے؛[۲۰۵] لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس چیز کی انھوں نے سخت لفظوں میں مذمت اور تردید کی اسی کو فوراً قبول بھی کر لیا، اوپر آچکا ہے کہ انھوں نے مفتی محمد شفیع عثمانی اور ان کی دل آزار کتاب ''نہایات الارب فی غایات النسب'' کے دفاع میں تحریری بیان شائع کیا۔ وہ خود اپنی خود نوشت سوانح نقش حیات میں تفاخر النسب کی مذمت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''انھی وجوہ سے مجھ کو بہت ڈر لگتا ہے اور شرم محسوس ہوتی ہے کہ موجودہ اعمال و اخلاق اور اس کم مائیگی پر **سید یا پیرزادہ** اپنے کو کہوں یا لکھوں اور اپنے **نسب پر فخر کروں**، مگر اس میں بھی چوں کہ شک نہیں کہ **غیر اختیاری نعماء الٰہیہ میں سے یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے**، یعنی جیسے کہ انسان کا پیدا ہونا تمام اعضاء کا صحیح و سالم ہونا خوبصورتی اور اعضاء کا تناسب ذکاوت اور حافظہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں سے ہیں جن میں بندہ کے اختیار اور ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے اور ان پر بندہ کو ہمیشہ شکر گذار رہنا چاہیے اور تحدث بالنعمۃ کرنا اور دل میں سوچنا اور اللہ تعالیٰ کو شکر گذاری سے خوش کرنا چاہیے۔ **اسی طرح یہ شرافت نسبی بھی ایک غیر اختیاری نعمت اور عطیہ خداوندی ہے اس پر شکر گذاری کرنا** اور حسب ارشاد: **﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾** [اور اپنے رب کے انعامات (مذکورہ) دلائل کو زبان سے بیان کرتے رہا کیجیے ...

کرنا] ضروری ہے۔" (۲۰۶)

اگلے صفحہ پر مزید رقم طراز ہیں:

"**شریف خاندانوں** کا فرض اکمل یہ تھا کہ وہ میدان علم وعمل میں بہت زیادہ جدوجہد کریں تاکہ ان کا ذاتی جوہر زنگ کھا کر فنا نہ ہو جائے۔" (۲۰۷)

مولانا مدنی "شرافت نسبی" اور "شریف خاندان" کا الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ ان کے نزدیک رذالت نسب اور رذیل خاندان کا بھی تصور ہے اسی لیے تو انھوں نے مدمقابل الفاظ کا استعمال کیا ہے نیز اپنے نسب پر فخر کرنے کو جائز سمجھ رہے ہیں۔ مزعومہ شریف ذاتوں اور سید ہونا عطیہ خداوندی اور غیر اختیاری نعمت بتلا رہے ہیں۔ جب مزعومہ بڑی ذاتوں میں پیدا ہونا عطیہ خداوندی اور غیر اختیاری نعمت ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے دوسرے لوگوں کو مزعومہ رذیل ذاتوں میں پیدا کر کے ان کے ساتھ ناانصافی اور ان پر ظلم کیا ہے نیز موہومہ رذیل اقوام میں پیدا ہونا عطیہ خداوندی اور رحمت خداوندی نہیں؛ بلکہ زحمت خداوندی ہے۔

مولانا مدنی نے اپنی سابقہ برادری "انصاری (جولاہا)" پر واضح الفاظ میں چوٹ تک کر ڈالا۔ چناں چہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو مبارزۂ مناظرہ دیتے ہوے وہ لکھتے ہیں:

"**گھر بیٹھ کر تو جولاہے کی لونڈیاں بھی شہنشاہ کو گالی دے لیتی ہے [ہیں]** ذرا میدان میں نکلیے، شیروں کے سامنے تو آئیے۔" (۲۰۸)

ت: صاحب فضائل اعمال/تبلیغی نصاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صدیقی:

مظاہر علوم سہارن پور کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صدیقی متوفی ۱۹۸۲ء بھی ذات پات سے بری نہ ہو سکے، انھوں نے اپنی مشہور کتاب "تبلیغی نصاب/ فضائل اعمال"۔ جو تبلیغی حلقہ میں قرآن کریم سے بھی زیادہ پڑھی، سمجھی اور عمل کی جانے والی ہے۔ میں بھی ذات پات کو بڑھاوا دینے والی باتیں لکھی ہیں۔ وہ اس کتاب میں اپنی قوم اور برادری کی بڑائی بیان کرتے ہوے لکھتے ہیں:

"کسے خبر تھی کہ چودھویں صدی میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے **صدیقی شیوخ** کی چند عظیم الشان ہستیوں میں سے حق تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوے دین کے احیاء کا کام اسی طرح لیں گے کہ عرب وعجم سیراب ہوگا۔" (۲۰۹)

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"ایک شخص ~~سید چشتی~~ [پشتینی] **شریف النسب** ہے مگر فسق وفجور میں مبتلا ہے وہ اللہ کے

نزدیک اس **رذیل اور کم ذات** مسلمان کی برابری کسی طرح بھی نہیں کرسکتا جو متقی پرہیزگار ہے ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾ (۲۱۰)

مولانا نے 'شریف النسب' رذیل اور کم ذات کے الفاظ کا استعمال کیاہ، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شریف ذات اور رذیل ذات کا تصور ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ان الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

ایک تیسرے مقام پر آداب سفر کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

"جب سفر شروع ہونے لگے تو قافلہ میں کسی دیندار، سمجھ دار، تجربہ کار، متحمل مزاج، جفاکش اور متواضع شخص کو امیر قافلہ بنالیا جائے **قریشی [یعنی شیخ سید]** (۲۱۱) ہو تو افضل ہے۔" (۲۱۲)

ہر انصاف پسند قاری جب مندرجہ بالا نشان زدہ (Bolded) عبارتوں کو دیکھے گا تو بے ساختہ بول اٹھے گا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صدیقی بھی ذات پات یعنی اونچ نیچ کے قائل ہیں۔ انھوں نے اپنے اس تصور کو عملی جامہ بھی پہنایا؛ چناں چہ تبلیغی جماعت کے امیر مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد کثرت رائے سے مولانا رحمت اللہ میرٹھی (حضرت جی) امیر بنائے گئے؛ لیکن چوں کہ ان کا تعلق روغن گر (تیلی) برادری سے تھا اور ہندستانی مسلمانوں کا ایک طبقہ سیادت وقیادت کا حقدار صرف شیخوں، سیدوں اور مغل، پٹھان کو ہی سمجھتا ہے، اس لیے مولانا رحمت اللہ میرٹھی کی قیادت کے خلاف خود تبلیغی جماعت کا ہی ایک گروہ کھڑا ہوگیا اور کہا کہ حضرت جی کی مبارک سند صرف **شیوخ کاندھلہ** کو ہی ملنی چاہیے۔ (۲۱۳) یہ اختلافات جاری ہی تھے کہ مولانا محمد زکریا نے اپنے ایک خواب اور اس کی تعبیر کے ذریعہ حضرت جی کو تبلیغی جماعت کی سیادت چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ:

"ایک مشین ہے جسے عزیزی یوسف سلمہ (تبلیغی جماعت کے مرحوم حضرت جی اور مولانا الیاس کے صاحبزادے) چلا رہے ہیں جب وہ مشین چلاتے چلاتے تھک گئے تو اس مشین کو عزیزی انعام الحسن سلمہ (تبلیغی جماعت کے مرحوم حضرت جی اور مولانا محمد زکریا کے داماد) نے چلانا شروع کردیا، **لہٰذا ناکارہ اس خواب کی یہ تعبیر نکالتا ہے کہ اس کام کو چلانے کے اہل مولانا رحمت اللہ نہیں؛ بلکہ عزیزی انعام الحسن ہیں۔**" (۲۱۴)

آخر کار حضرت جی مولانا رحمت اللہ میرٹھی کو تبلیغی جماعت کی سیادت چھوڑنی پڑی۔ اوپر یہ بات آچکی ہے کہ مفتی محمد شفیع عثمانی کی ذات پات کی حامی کتاب "نہایات الارب فی غایات النسب" کی پرزور مخالفت ہوئی تو مولانا محمد زکریا نے اس کے دفاع میں اس سے چوگنا ضخیم کتاب لکھی؛ بلکہ مفتی صاحب

کی اس کتاب کی وجہ سے ہی وہ ان سے بے تکلف ہوئے اور ان سے ان کے تعلقات گہرے ہوئے۔ اس کتاب کے سلسلہ میں مفتی صاحب کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کو لکھے اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں:

"**حضرت مفتی صاحب سے میرے تعلقات اس وقت سے تھے** جب کہ میں اور وہ نئے نئے مدرس ہوئے تھے وہ دارالعلوم دیوبند میں اور میں مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھاتا تھا، **مگر اصل ملاقات اور بے تکلفی اس وقت ہوئی جب حضرت مفتی صاحب نے پیشوں کے متعلق ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام نہایات الارب فی غایات النسب تھا**...... اس وقت میری جوانی کا جوش تھا، قوت اور طاقت مطالعہ کا شوق تھا، کتب حدیث دیکھنے اور تخریج روایات کا شغف تھا میں نے ایک بہت طویل رسالہ لکھ کر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھیجا، جس میں حضرت مفتی صاحب کے رسالہ کی تائید اور ان کے روایات کی تخریج کے علاوہ جو انھوں نے اپنے اصل رسالہ میں درج کی تھیں اور بہت سی روایات جمع کیں......۔

رسالہ شائع ہوا تو نہ صرف پیشہ وروں کے عوام نے الٹا اثر لیا بلکہ ان کے روسا، کبراء اور **کچھ پکے اہل علم** بھی ان کی ہنگامہ آرائی میں شریک ہوگئے اور **خود کو بدلنے** کے بجائے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کا نظام بدلوانے کے درپے ہوگئے......۔

جو مسودہ میں نے اس وقت لکھ کر بھیجا تھا وہ تو اس وقت سامنے نہیں، جہاں تک یاد ہے **حضرت مفتی صاحب کے اصل رسالہ سے چوگنا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے میرے مضمون کو بہت پسند کیا تھا اور بہت داد دی تھی**، مگر اس کو شائع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ مفتی صاحب نے تو اس لیے شائع نہیں کیا کہ ان کو اپنا اصل رسالہ بھی بھاری پڑ رہا تھا اور مختلف برادریوں کے عوام کا زور وشور دیکھ کر دارالعلوم دیوبند کے اہل انتظامیہ پریشان ہو رہے تھے اور میرا نہ چھاپنا بزدلی کی بنا پر تھا، "تر کی پٹا تازی کا بنا" پرانی مثل ہے۔ دارالعلوم دیوبند تو نرغہ میں ہے ہی، مظاہر علوم کو بھی کیوں **جاہلوں** کا نشانہ بنایا جائے، دارالعلوم والے تو ہم سے زیادہ جری ہیں وہی کچھ نہ کر سکے تو ہم بزدل کیا کر سکتے ہیں۔" (۲۱۵)

ث۔ سابق جسٹس پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانی:

مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی کے فرزند مولانا محمد تقی عثمانی (سابق چیف جسٹس پاکستان) بھی اسلامی مساوات کے سخت مخالف ہیں اور اس معاملہ میں بالکل اپنے والد صاحب کے نقش قدم پر عمل پیرا

ہیں۔ انھوں نے اپنے والد صاحب کی کتاب نہایات الارب فی غایات النسب کی تائید وتصدیق بھی کی ہے[۲۱۶] اور یہ بھی لکھا ہے کہ جولاہوں کا انصاری لکھنا اور قصائیوں کا قریشی لکھنا بہت بڑا گناہ ہے اور غیر نسب کی طرف نسبت کرنا ہے۔[۲۱۷] انھوں نے اپنے والد صاحب کی طرح سید اور شیخ کو قریشی النسل قرار دے کر ایک دوسرے کا کفو بتلایا ہے؛ لیکن دوسروں کو نہیں۔ وہ اگست ۱۹۹۵ء میں لکھتے ہیں:

> ''سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی قریشی برادریاں آپس میں دوسرے کے لیے کفو ہیں؛ بلکہ تمام اسی طرح جو مختلف عجمی برادریاں ہمارے ملک میں پائی جاتی ہیں مثلاً راجپوت، خان وغیرہ بھی اکثر ایک دوسرے کے لیے ہم پلہ سمجھی جاتی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں۔'' (۲۱۸)

مولانا دل آزار مقولے اپنی تحریروں اور تقریروں میں نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور اس میں ذرا بھی احتیاط سے کام نہیں لیتے۔ وہ اپنی مشہور کتاب ''اصلاحی خطبات'' اشاعت اول نومبر ۱۹۹۹ء میں لکھتے ہیں:

> ''عربی کا محاورہ مشہور ہے کہ صَلَّى الْحَائِكُ رَكْعَتَيْنِ وَانْتَظَرَ الْوَحْيَ - ایک جولا ہے کو ایک مرتبہ دو رکعتیں نفل پڑھنے کا موقع مل گیا تھا تو اس کے بعد وحی کے انتظار میں بیٹھ گیا تھا، اس نے یہ سمجھا کہ میں نے جو عمل کیا ہے اتنا بڑا اعلیٰ درجہ کا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہونی چاہیے۔'' (۲۱۹)

سابق صدر افتاء دار العلوم دیوبند مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی:

دار العلوم دیوبند کے مفتی اور مدرس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی سے پوچھا گیا کہ ہدایہ میں ہے کہ ذلیل پیشوں کا کفو میں اعتبار کیا جائے گا اور ذلیل پیشوں میں جولاہہ، حجام، دباغ اور کناس کو شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ لوگ صراف و بزاز کے کفو نہیں ہو سکتے اور حاشیہ شرح وقایہ میں بھی اسی طرح ہے۔

کیا شریعت مطہرہ میں بھی اونچ نیچ، ذات پات کا اعتبار ہے تو کیسے؟ حالاں کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل اس کے خلاف ہے۔ علامہ شامی اور ابن ہمام نیز امام اعظم (ابوحنیفہ) نے ایک روایت میں فرمایا ہے کہ پیشہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ آخر آج تک کتب فقہ میں یہ عبارتیں کیوں مذکور ہیں، یہ الفاظ وحی تو نہیں کہ جن پر تنسیخ کا قلم اٹھانا خروج اسلام کا باعث ہو؟

مولانا نے اس سوال کا ایک طویل جواب (۲۲۷ سے ۲۳۱ تک) دیتے ہوئے ہدایہ کی باتوں کو ہی صحیح ٹھرایا ہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے:

"**نفس کفاءت کی رعایت وحی خفی [حدیث شریف] میں موجود ہے**......سب خاندان کی معیشت و معاشرت، طور طریقہ یکساں نہیں،...... ہر برادری کا ذہن، مزاج، طور طریقہ، عادت و خصلت اور رہن سہن یکساں نہیں، ان میں تفاوت یقینی اور مشاہد ہے، شادی کے لیے معاشرت میں توافق قابل رعایت ہے......تجارت، دباغت، زراعت، خیاطت، حجامت اور حیاکت وغیرہ پیشوں اور مشاغل کے بھی خصوصی اثرات ہوتے ہیں بعض قبائل کے بھی کچھ خواص بیان کیے گئے ہیں۔" (۲۲۰)

کفاءت کے لبادہ میں لپٹی ہوئی اونچ نیچ اور ذات پات کو اسلام سے خارج کرنے کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس مسئلہ کو خارج کرنے کا آپ کو حق نہیں، اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو وہ اسلام سے خارج تو نہیں ہوگا، **البتہ خائن اور مفتری ضرور ہوگا۔** پھر فقہاء کرام کی سب کتابوں سے اس کو خارج کر دینے کا کسی کو حق نہیں۔" (۲۲۱)

دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور کا غیر اسلامی فتویٰ:

۱۹۷۵ء میں دیوبند، ضلع: سہارنپور۔ یوپی کے ایک مقتدر اور مشہور عالم دین جرنلسٹ اور مصنف کی صاحبزادی نے (جو جدید تعلیم یافتہ، بے پردہ اور فیشن ایبل لڑکی تھی) سہارنپور کے ایک باثر، صاحب حیثیت اور مشہور و معروف ڈاکٹر کے صاحب زادے سے لومیرج (Love Marriage) کر لیا۔ لڑکے کے چچا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر اور ڈین آف فیکلٹی تھے۔ غرض کہ دونوں کا خاندان علم، دولت، مرتبہ اور سماجی درجہ سبھی باتوں میں ٹکر کا تھا، فرق صرف یہ تھا کہ لڑکا برادری سے **مسلم حجام** تھا، اس شادی سے رگ اشرافیت پھڑک اٹھی۔ صاحبزادی سے فسخ نکاح کے لیے ادارہ عدلیہ شرعیہ دار العلوم دیوبند میں دعویٰ دائر کرایا گیا۔ اس شرعی عدالت سے لڑکے کے نام جو نوٹس جاری ہوا وہ حسب ذیل ہے:

"مثل مقدمہ: ۲۳

ادارہ عدلیہ شرعیہ دار العلوم دیوبند

نوعیت دعویٰ

مقدمہ فسخ نکاح

مدعیہ: مسماۃ......

مدعا علیہ: ڈاکٹر......

بذریعہ نوٹس شرعی آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مسماۃ...... نے آپ کے خلاف محکمہ عدلیہ شرعیہ دارالعلوم دیوبند میں دعویٰ دائر کیا ہے کہ آپ نے اپنے کو شیخ ظاہر کر کے اس سے نکاح کیا ہے؛ حالاں کہ تم (بقول اس کے) **نسب وحسب کے اعتبار سے اس کے کفو نہیں ہو**، اس لیے وہ چاہتی ہے کہ اس کا نکاح قانون شرعی کے تحت فسخ کر دیا جائے۔

(......باقی تحریر ضابطہ قانونی ہے)

دستخط حاکم شرعی

(مہر) محکمہ عدلیہ شرعیہ دارالعلوم دیوبند ۱۹۷۵-۵-۳ـ'' (۲۲۲)

۸۸-۱۹۸۷ء میں سہارنپور کے ایک تیلی مسلمان نوجوان نے ایک خودساختہ اونچی ذات کی مسلم لڑکی سے نکاح کیا، جس پر مظاہر علوم سہارنپور سے فتویٰ جاری ہوا کہ یہ نکاح باطل اور حرام ہوا ہے یہ فتویٰ محمد میاں صاحب ٹھیکیدار شاہ بہلول سہارنپور کے پاس محفوظ ہے۔ (۲۲۳)

دارالعلوم دیوبند میں مزعومہ رذیل ذاتوں کا داخلہ:

دارالعلوم دیوبند کے داخلہ فارم میں جہاں بہت سے کالم ہوتے ہیں ایک کالم ذات/قوم کا شروع سے آج تک چلا آ رہا ہے، راقم الحروف کے پیش نظر ۱۴۲۴ھ (۲۰۰۴ء) کا داخلہ فارم ہے اس فارم میں کالم اس طرح ہیں:

''فارم...... کمرہ...... احاطہ......

نام...... ولد...... **قوم**...... مکان...... گلی......

محلّہ...... ساکن...... پوسٹ...... تھانہ...... وایا......

اسٹیشن...... ضلع...... صوبہ...... ملک...... پن کوڈ......''

اب تو دارالعلوم دیوبند میں مزعومہ رذیل اقوام سے تعلق رکھنے والے طلباء کا داخلہ ہوتا ہے پہلے تو خاموشی سے ان کا داخلہ ہی نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر کوئی اپنی برادری پوشیدہ رکھ کر داخلہ لے بھی لیتا تھا تو بعد میں پتہ چلنے پر اس کے ساتھ تحقیرانہ رویہ اپنایا جاتا تھا کہ وہ مدرسہ چھوڑ کر بھاگ جائے، اسی بنا پر ایک مرتبہ مزعومہ نیچ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے طلباء نے اس کے خلاف تحریک چلائی تھی۔ (۲۲۴)

پس کردہ برادریوں کی بڑی شخصیات کو مفروضہ شریف ذاتوں میں داخل کرنا:

دارالعلوم دیوبند میں موہومہ رذیل ذاتوں کی بڑی شخصیات اور بڑے علمائے دین کو مفروضہ طبقہ شرفاء میں داخل کرنے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ اوپر اسی باب میں زیر عنوان ''سابق صدر مدرس

دارالعلوم دیو بند مولانا سید حسین احمد مدنی'' آچکا ہے کہ پاکستانی مصنف غلام محمد مصطفیٰ نے اپنی کتاب ''تحریک دارالعلوم دیو بند اور مسلمانان سہارنپور'' میں ایک امریکی انگریز مصنفہ کی تحقیق کے حوالہ سے مولانا سید حسین احمد مدنی کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''مولانا حسین احمد مدنی پارچہ باف [جولاہا] خاندان سے تعلق رکھتے تھے دارالعلوم دیو بند میں مدرس مقرر کرنے کے لیے ان کو علمی قابلیت اور روحانی تربیت کی بنیاد پر اشراف میں داخل کیا گیا۔'' (۲۲۵)

جناب علی انور ایڈوکیٹ سول کورٹ سہارن پور قومی آواز نئی دہلی ۲۰ راپریل ۲۰۰۶ء میں اپنے مراسلہ کے اندر لکھا ہے کہ:

''شیخ الاسلام مولوی حسین احمد مدنیؒ کو مسلم لیگی لیڈر کھلم کھلا کہتے تھے۔ ''ٹانڈہ کا جولاہا سیاست کیا جانے۔'' راقم نے خود اسلامیہ انٹر کالج سہارن پور میں اکتوبر ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے جلسہ میں مسلم لیگی لیڈر شاہ نذر حسن مرحوم کی زبان سے یہ الفاظ سنے۔''

دارالعلوم دیو بند کے سابق صدر مدرس، ناظم تعلیمات اور رکن مجلس شوری (۲۲۶) محدث علامہ ابراہیم بلیاوی جو انصاری (جولاہا) خاندان سے تھے، ان کو بھی موہومہ طبقہ اشراف میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور نہ صرف کوشش کی گئی ہے؛ بلکہ دارالعلوم دیو بند کے ذمہ داران کے ذریعہ ان کو مزعومہ بڑی ذات کا فرد تسلیم کیے جانے کے بعد ہی یہ سب مناصب عطا ہوے۔ (۲۲۷) تاریخ دارالعلوم دیو بند (۲۲۸) اور دارالعلوم دیو بند کے ترجمان دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء (۲۲۹) میں ان کو موہومہ بڑی ذات ہی بتایا گیا ہے۔ اسی ماہنامہ دارالعلوم دیو بند میں علامہ بلیاوی کے اوپر مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی-عربی لیکچرر جامعہ طبیہ دیو بند نے قسط وار مضمون لکھا۔ انھوں نے اپنے مضمون کی پہلی قسط نومبر ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں ایڑی چوٹی کا زور صَرف کر کے ان کو کسی مزعومہ اونچی ذات سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مطابق مولانا ابراہیم بلیاوی پاکستان کے ضلع جھنگ کے پنجابی الاصل تھے جو نہایت صاحب عزت وعظمت برادری ہے، ان کے آباء واجداد اٹھارہویں صدی میں وہاں سے ہجرت کر کے جون پور آگئے تھے پھر ایک صدی بعد جب ملک میں فاقہ کشی اور بدحالی پھیل گئی تو علامہ مرحوم کے پردادا بلیا ہجرت کر گئے چوں کہ بلیا میں انصاریوں/ جولاہوں کی کثرت ہے اس لیے وہاں مساوات کو ملحوظ رکھنا آسان نہ تھا، نیز معاشی تنگیوں کی وجہ سے علامہ بلیاوی کے خاندان کی متعدد رشتہ داریاں انصاریوں میں ہوگئیں جن کی وجہ سے انصاری (جولاہا) مشہور ہو گئے۔ (۲۳۰) ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''اس میں کلام نہیں کہ حضرت علامہ کی شہرت نسبی انصاری برادری کے ایک فرد کی حیثیت سے ہے، مگر علامہ کے خاندانی حالات سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ یہ مخصوص حالات کی دین اور واقعہ کے خلاف ہے، جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ علامہ کا خاندان ایک زمانے میں شدید معاشی تنگیوں اور اقتصادی بدحالیوں کا شکار رہا، ایسے میں یہ بالکل قرین قیاس ہی نہیں بلکہ واقعہ کے مطابق ہے کہ علامہ کے خاندان کے افراد نے مناکحت وتزوج میں **نسلی برابری اور مساوات** کے بارے میں وہ حزم واحتیاط اختیار نہیں کی جو ایک **اعلیٰ خاندان** کے نسلی امتیاز کو باقی رکھتی ہے اور **مکمل مساوات** کا اہتمام آسان بھی نہ تھا چوں کہ اطراف [بلیا] میں عام طور پر انصاری [جولاہا/ پارچہ باف] برادری کی کثرت تھی اور یہ خاندان بہر حال اقتصادی بدحالی اور مالی مشکلات کا شکار تھا ایسے میں یہ اپنے اس نسلی امتیاز کو باقی نہ رکھ سکا، جو اس کی اصل ہے اور اپنی اس خستہ حالی کے سبب رشتوں میں **عدم مساوات** کو نظر انداز کر دیا گیا اور انصاری برادری میں متعدد رشتہ داریاں ہو گئیں اور اس خاندان کے اسی پہلو کے سبب اس کو انصاری [پارچہ باف] خاندان کے طور پر شہرت حاصل ہو گئی۔'' (۲۳۱)

اس عبارت میں مولانا نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ ذات پات ہی اصل مساوات ہے۔

یہ بات پیچھے آ چکی ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی فاروقی مزعومہ بڑی ذاتوں کے ثبوت نسب کے واسطے تاریخی حقائق کے علی الرغم صرف تسامع اور تواتر کو کافی قرار دیتے ہیں؛ لیکن موہومہ رذیل براوریوں، انصاری، راعی، منصوری اور ادریسی وغیرہ ہونے کو اس لیے خارج کرتے ہیں کہ (ان کے بقول) وہ تسامع وتواتر سے بھی خالی ہیں؛ (۲۳۲) لیکن علامہ ابراہیم بلیاوی کا (مولانا عمران قاسمی بگیانوی کے بقول) جولاہا ہونا صرف عرف عام اور تسامع وتواتر سے ثابت ہے تو پھر دارالعلوم دیوبند، اس کے ذمہ داران وعلمائے کرام اس کو تسلیم کرنے کے واسطے کیوں تیار نہیں ہیں؛ کیوں علامہ بلیاوی کو مزعومہ بڑی ذات ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟

مولانا عمران قاسمی بگیانوی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''**اعلیٰ نسبی قابل شرف تو ہے** مگر لائق فخر نہیں چوں کہ [کیوں کہ] اللہ تعالیٰ کے یہاں معیار فضیلت ومقبولیت اعمال صالحہ اور تقویٰ وپرہیزگاری ہے۔'' (۲۳۳)

اپنے مضمون کے اختتام پر لکھتے ہیں کہ:

"**صرف علو نسبی نہ قابل شرف** ہے اور نہ **مدار نجات**، ہاں اگر **اعلیٰ حسبی** کے ساتھ **شرافت نسبی بھی حاصل ہو تو باری تعالیٰ کا انعام خصوصی اور نور علیٰ نور ہے**۔ علامہ [محمد ابراہیم بلیاوی] کی اعلیٰ حسبی اور فضل وکمال تو اس قدر معروف ومسلم ہے کہ ایک زمانہ اس کا شاہد ومعترف ہے، البتہ چوں کہ علامہ مرحوم کی نسبی اصل کے متعلق ایک غلط روایت خلاف واقعہ مشہور ہے اس کی تردید وتصحیح اور حقیقت ووضاحت ضروری تھی سو الحمدللہ اب مقصود بے غبار ہو گیا۔" (۲۳۴)

مولانا کی باتوں میں تضاد ہی تضاد ہے۔ اوپر فرما رہے ہیں کہ **اعلیٰ نسبی قابل شرف ہے لیکن قابل فخر نہیں** پھر آگے کہتے ہیں کہ **صرف اعلیٰ نسبی نہ قابل شرف ہے اور نہ قابل مدار نجات، ہاں اگر اعلیٰ حسبی کے ساتھ شرافت نسبی** بھی حاصل ہو تو باری تعالیٰ کا انعام خصوصی اور نور علیٰ نور ہے۔ مولانا کے نزدیک ادنیٰ نسبی اور رذالت نسبی بھی ہے تبھی تو وہ اعلیٰ نسبی اور شرافت نسبی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اوپر آ چکا ہے کہ ذات پات کو ہی وہ اصل مساوات قرار دیتے ہیں۔ مزید برآں کہ جو علماء اور محققین علامہ بلیاوی کو انصاری (جولاہا) بتاتے ہیں ان کو مولانا علم وتحقیق سے کورا بتاتے ہیں علامہ بلیاوی کے ایک شاگرد مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری نے اپنی ایک کتاب "تذکرہ مشائخ دیوبند" کے ص: ۱۷۵، پر ان کے نام کے ساتھ انصاری لکھ دیا تو مولانا ان پر برس پڑے اور سخت لب ولہجے میں ان کی تنقید کرتے ہیں نیز علامہ بلیاوی کو انصاری لکھنا ان کی توہین اور رسوائی بتاتے ہیں چناں چہ ان پر تنقید کرنے کے بعد ایک شعر نقل کرتے ہیں کہ ۔

ہمیں اپنے ہی یاروں نے کر دیا رسوا
کہ بات کچھ بھی نہ تھی اور وضاحتیں تھیں بہت" (۲۳۵)

ان تمام جدوجہد کے پیچھے کون سا محرک ہے؟ قابل غور ہے اب تو بعض علماء مفتی کفایت اللہ سلمانی دہلوی کو بھی مزعومہ بڑی ذات میں داخل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک صاحب... نے راقم الحروف سے کہا کہ مفتی صاحب یمنی نسل سے ہیں، ان کو حجام ذات کہنا ان کی توہین ہے۔ بڑی شخصیات کو مزعومہ شرفاء میں داخل کرنے اور مفروضہ بڑی ذات مشہور کرنے کی بیماری عام ہے اور ہر دور میں رہی ہے۔ (۲۳۶)

پس کردہ برادریوں کے امیر بننے پر علمائے دیوبند کا واویلا

دار العلوم دیوبند کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے کہ مزعومہ چھوٹی برادریوں کے کسی فرد کو

دارالعلوم کے کسی اعلیٰ منصب پر فائز کیا گیا ہو۔ کسی اہم عہدہ پر موہومہ نیچی برادری کا کوئی شخص منتخب ہو جاتا ہے تو اس مکتب فکر کے ذات پات کے حامی لوگ بلبلا اٹھتے ہیں اس کی ایک مثال اور دلیل تو تبلیغی جماعت کے سابق امیر مولانا رحمت اللہ میرٹھی کے تعلق سے اوپر گزر چکی ہے۔ ایک پہلو سے مولانا سید حسین احمد مدنی کا واقعہ بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب ۲/ نومبر ۱۹۸۶ء کو محدث کبیر علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی امیر الہند بنائے گئے، تو اس مکتب فکر کے بہت سے علماء کو سخت تکلیف ہوئی تھی؛ کیوں کہ ان کا تعلق جولاہہ (انصاری) برادری سے تھا اور فقہی کتب اور ہندستانی علماء کی کتب فتاویٰ وغیرہ میں سب سے زیادہ نیچ برادری اگر کسی کو کہا گیا ہے تو جولاہہ اور راعین وغیرہ ہیں؛ چناں چہ جامعہ رحیمیہ دہلی کے مہتمم اور مشہور عالم دین مولانا اخلاق حسین قاسمی نے **مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اساسی (Founder) سید شہاب الدین صاحب** (۲۳۷) **اور پرسنل لابورڈ کے نائب کل ہند صدر مولانا یسین مصباحی** (۲۳۸) وغیرہ کے ساتھ مل کر اس کی شدید مخالفت کی، مضامین لکھے، بیانات جاری کیے انھوں نے اپنے مضمون میں مولانا کو کمزور امیر ٹھہرانے کی بھرپور کوشش کی۔ بات صرف یہیں تک نہیں رکی بلکہ انھوں نے آگے ایک حدیث بھی نقل کی:

> ''اَلْاِمَامُ الضَّعِیْفُ مَلْعُوْنٌ (حدیث صحیح) **کمزور امام اور امیر ملعون** ہے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کمزور ہو کر ملت اسلامیہ کا امیر اور امام بن جائے وہ **ملعون ومردود ہے۔**'' (۲۳۹)

مولانا اعظمی کے امیر الہند بننے کی وجہ سے دہلی کے ایک مولانا، مولانا ایم قاسمی کے نزدیک پوری فقہ ہی چرمرا کر رہ گئی، وہ لکھتے ہیں:

> ''جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں مٹھی بھر مریدوں کے ذریعہ جس دیدہ دلیری سے امیر الہند اور نائب امیر الہند کے عہدۂ جلیلہ پر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی اور مولانا اسعد مدنی کے تخت نشیں ہونے کا اعلان کیا گیا اور تمام فقہی تصریحات اور چودہ سو سال کے تعامل کو نظر انداز کر دیا گیا، وہ تاریخ ہند کا ایسا المناک اور بدترین حادثہ ہے جس سے زیادہ شریعت اسلامیہ اور مسلمانان ہند کو بے وقعت کرنے والا واقعہ اکبر کے درباری علماء کے علاوہ کسی کے ذریعہ رونما نہ ہوا تھا۔'' (۲۴۰)

مولانا مفتی عتیق احمد بستوی قاسمی نے مفتی محمد شفیع عثمانی اور ان کی کتاب ''نہایات الارب فی غایات النسب'' کی حمایت اور دفاع میں متعدد مضامین لکھے، (۲۴۱) ان کا استدراک کرتے ہوئے علمائے دیوبند اور ان کے مکتب فکر کے ایک ترجمان مولانا مفتی محمد ساجد قریشی قاسمی جن کا تفصیلی تعارف پیچھے

حاشیہ میں زیر عنوان: ''مفتی عتیق احمد بستوی قاسمی کی مفتی محمد شفیع صاحب کی حمایت'' میں گزر چکا ہے۔ نے ''ایک مضمون ''ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے'' کے نام سے لکھا۔ ایک مقام پر عصبیت جاہلیت (نسب وغیرہ پر فخر) کے رد اور فتنۂ ابلیس کے متعلق دو احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''راقم الحروف حضرت مخدومی جناب محمد عتیق احمد صاحب بستوی زید احترامہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اگر یہ مذکورہ دونوں احادیث شریفہ میرے پیش نظر نہ ہوتیں، تو بعض اکابرین مرحومین اور بعض اکابرین موجودین سے بندہ حد درجہ متنفر ہو چکا ہوتا؛ کیوں کہ خود راقم الحروف سے **بعض اکابر موجودین نے سخت عصبیت جاہلیت [ذات پات] کی باتیں کی ہیں اور بعض نے اس عصبیت کی وجہ سے میرے حقوق بھی ضائع کیے ہیں۔**'' (۲۴۲)

مولانا عبدالحنان صدیقی قاسمی:

ذات پات کے تعلق سے علمائے دیوبند کے نقطۂ نظر کو خود راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، راقم الحروف کے گاؤں ''ددری'' سے کچھ دوری (دو کوس کے فاصلہ) پر ایک عظیم دینی ادارہ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالا ساتھ (مقام و پوسٹ: بالا ساتھ، تھانہ: نان پور، ضلع سیتامڑھی- بہار) مولانا عبدالحنان صدیقی قاسمی کی زیر سرپرستی چلتا ہے، اس کی تقریباً پچاس شاخیں ہیں جو ارد گرد کے گاؤں میں چلتی ہیں۔ ان میں سے اکثر شاخیں یا تو مزعومہ طبقہ شرفاء کے گاؤں اور محلوں میں ہیں یا پھر ان کے ماتحت چلتی ہیں۔ راقم الحروف کے گاؤں کے آخری کنارے پر راعین (سبزی فروش، کنجڑا) برادری کا ایک انتہائی غریب محلہ'' جمال بخش ٹولہ'' ہے اس محلہ کے لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ وہاں مدرسہ کی ایک شاخ کھول دی جائے؛ لیکن ان کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں۔ اس کے برعکس پڑوس کے ایک گاؤں بھورار (سلطان پور) کی مزعومہ بڑی ذات کے ایک کے بجائے دو محلوں (تین ٹولیہ اور مہن پور) جو انتہائی خوشحال ہیں میں ایک ایک شاخ کھولی گئی اور اعتراضات سے بچنے کے واسطے ان میں سے ایک شاخ کو راقم الحروف کے گاؤں ددری کی طرف منسوب کر دیا گیا اور نام رکھا گیا ''مدرسہ تجوید القرآن محلہ مہن پور ددری''۔ حالاں کہ وہ محلہ ددری گاؤں میں نہ کبھی تھا اور نہ آج (۲۴۳) ہے۔ اسی طرح قرب وجوار کے تمام گاؤں ''شریف پور'' اور ''باسوپٹی'' کے مفروضہ طبقہ شرفاء کے محلوں میں مدرسہ کی شاخیں قائم ہیں۔

اس ادارہ کے ایک سابق طالب علم مولانا محمد جسیم الدین قاسمی (جو راقم الحروف کے گاؤں کے ہیں) کا کہنا ہے کہ مزعومہ نیچ برادریوں کے طلباء یہاں ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ اپنی برادریوں کو

پوشیدہ رکھے، یہاں کے ناظم مولانا مرتضیٰ قاسمی جب چندہ کرنے کے واسطے موہومہ چھوٹی برادریوں کے بستیوں یا محلوں میں جاتے ہیں تو تقریر کرتے ہیں کہ اسلام میں کوئی ذات بڑی اور چھوٹی نہیں ہے؛ بلکہ سب برابر ہے؛ لیکن داخلہ کے وقت طلباء سے ان کی ذات پوچھتے ہیں۔ اس مدرسہ میں ایک استاد ماسٹر حاطم صاحب ہیں، وہ کھلم کھلا کہتے ہیں کہ چھوٹی ذاتیں پڑھ لکھ کر کیا کر لیں گی اور جب موہومہ چھوٹی برادریوں سے تعلق رکھنے والے طلباء کا سبق سننا ہوتا ہے تو ان کی ذات کا نام لے کر کہتے ہیں کہ: ''اے حجام، کباڑی [سبزی فروش، راعین] جولاہا وغیرہ! آ، سبق سنا۔'' (۲۴۴)

علمائے تحریک اسلامی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی:

تحریک اسلامی برصغیر ہند کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۹۷۹ء نے مروجہ فقہی کفو- جو ذات پات اونچ نیچ پر قائم ہے- کی بھرپور حمایت کی ہے، ایک سوال کہ موجودہ حالات کے پیش نظر کوئی پاکستانی (مہاجر یا اصلی باشندہ) ہندستانی مسلمان لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ کے جواب میں مولانا نے لکھا ہے کہ:

> ''جواب: جہاں تک مجھے علم ہے قرآن کا منشا یہی ہے کہ دارالاسلام اور دارالکفر کے مسلمانوں میں وراثت اور شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہوں...... آئندہ شادی بیاہ کا تعلق **پاکستانی اور ہندستانی مسلمانوں** کے درمیان نہ ہونا چاہیے۔'' (۲۴۵)

مولانا کے اس فتویٰ پر تنقید کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے کہ:

> ''دارالکفر اور دارالاسلام کے مسلمانوں میں کفاءت کی نفی کرنا نرالی تحقیق ہے کیا ایک سید ہندستان میں رہنے کی وجہ سے سید نہ رہے گا جلاہا بن جائے گا۔'' (۲۴۶)

ان کے جواب میں مولانا مودودی نے تحریر فرمایا کہ:

> ''دارالکفر کے ایک سید صاحب درالاسلام کی ایک سیدانی کے **باعتبار نسب کفو ہی سہی**۔'' (۲۴۷)

مولانا کی اس عبارت پر سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے ایک صاحب نے لکھا:

''**سوال**: ترجمان ذی القعدہ وذی الحجہ ۱۳۷۰ھ [مطابق ستمبر ۱۹۵۱ء] میں مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کے جواب میں ایک جگہ آپ نے ایسے تسامح سے کام لیا ہے جو نا قابل

برداشت ہے۔ مولانا موصوف نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ کیا ایک سید ہندستان میں رہنے کی وجہ سے سید نہ رہے گا بلکہ جولاہا بن جائے گا؟ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ آپ نے بھی جواب میں دبی زبان سے اس غیر اسلامی امتیاز کو یہ کہہ کر تسلیم کر لیا کہ "دارالکفر کے ایک سید صاحب دارالاسلام کی ایک سیدانی کے باعتبار نسب کفو ہی سہی۔" آپ کے الفاظ مبہم ہیں کیا آپ بھی **مسئلہ کفو** کو اسلام میں جائز سمجھتے ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو آپ قرآن وحدیث سے استشہاد فرما کر میرا اطمینان فرمائیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ دنیا کے کام کاج اور پیشوں کو انسانیت کی اونچ نیچ میں کیوں دخل ہو؟ بنی نوع انسان سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے اگر لوہے کا کام کیا ہے تو وہ لوہار ٹھہرائے جائیں گے؟" (۴۴۸)

مولانا مودودی نے اس سوال کے جواب میں فقہاء کرام کے آراء اور ان تمام احادیث موضوعہ وروایات ضعیفہ سے استدلال کیا ہے جن سے ذات پات پر مبنی مروجہ اور فقہی کفو کے سلسلہ میں استدلال کیا جاتا ہے اور جب ان سے بھی ان کی بات بنتی نظر نہ آئی تو کفاءت شرعیہ کی بات کرتے کرتے اپنے معاشرہ کے اصول وضوابط سے کام لینے لگے ہیں۔ چناں چہ فرماتے ہیں کہ:

"عقل کا صریح تقاضا یہ ہے کہ کسی لڑکی کو کسی شخص کے نکاح میں دیتے وقت یہ دیکھا جائے کہ وہ شخص اس کے جوڑ کا ہے یا نہیں۔ اگر جوڑ کا نہ ہو تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دونوں باہم نباہ سکیں گے۔ نکاح سے مقصود تو عقلاً بھی اور نقلاً بھی یہی ہے کہ زوجین کے درمیان مودت ورحمت ہو اور وہ ایک دوسرے کے پاس سکون حاصل کر سکیں۔ آپ خود سوچ لیں کہ بے جوڑ نکاحوں سے اس مقصود کے حاصل ہونے کی کہاں تک توقع کی جاسکتی ہے؟ اور کون سا معقول انسان ایسا ہے کہ جو اپنے لڑکے یا لڑکی کا بیاہ کرنے میں جوڑ کا لحاظ نہ کرتا ہو؟ کیا آپ **اسلامی مساوات** کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ کہ ہر مرد کا ہر عورت سے اور ہر عورت کا ہر مرد سے صرف اس بنا پر نکاح کر دیا جائے کہ **دونوں مسلمان** ہیں بلا اس لحاظ کے کہ ان میں کوئی مناسبت پائی جاتی ہے یا نہیں؟...... عقل عام یہ تقاضا کرتی ہے کہ زندگی بھر کی شرکت ورفاقت کے لیے جن دو ہستیوں کا ایک دوسرے سے جوڑ ملایا جائے ان کے درمیان اخلاق، دین، **خاندان**، معاشرتی طور طریق، معاشرتی عزت وحیثیت، مالی حالات ساری چیزوں کی مماثلت دیکھی جانی چاہیے...... **آدم کی ساری اولاد کے یکساں ہونے کا نظریہ آپ پھیلانا چاہیں گے تو لاکھوں گھر برباد کر دیں گے۔**" (۴۴۹)

یہ دونوں فتوے مولانا نے ستمبر ۱۹۵۱ء اور جون، جولائی ۱۹۵۲ء میں دیے لیکن بعد میں انھوں نے مروجہ وفقہی کفو کے خلاف فتویٰ دیا، اس کو رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل کے خلاف بتایا۔ فروری ۱۹۶۱ء میں ایک سوال کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ:

''**سوال**:...... کیا حدیث یا قرآن میں کوئی اصولی ہدایت اس امر کی موجود ہے کہ ہر شخص **اپنی قوم [ذات]** میں ہی شادی کرے۔ واضح رہے کہ میں کفاءت کا اس معنی میں تو قائل ہوں کہ فریقین میں مناسبت ہونی چاہیے غیر ضروری معیار کا فرق نہیں ہونا چاہیے۔

جواب:...... قرآن وحدیث میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی قوم میں ہی شادی کرے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عمل اس کے خلاف پایا جاتا ہے۔''(۲۵۰)

لیکن جب سورہ حجرات کی تفسیر ترجمان القرآن اپریل تا جولائی ۱۹۶۵ء (ص:۶۵ تا ۹۸، ۲۲۳ تا ۳۰۵)[۲۵۱] میں مولانا نے شائع کی تو وہ پھر اپنے سابق قول پر لوٹ آئے اور مروجہ وفقہی کفو کو جس کی بنیاد اونچ نیچ، شرافت ورذالت پر ہے کو اسلامی شریعت قرار دیتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ (مروجہ وفقہی) کفاءت کا تعلق رذالت وشرافت سے نہیں ہے بلکہ نباہ سے ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''شادی بیاہ کے معاملہ میں **اسلامی قانون، کفو** کو جو اہمیت دیتا ہے، اس کو بعض لوگ اس معنی میں لیتے ہیں کہ کچھ برادریاں شریف ہیں اور کچھ کمین ہیں اور ان کے درمیان مناکحت قابلِ اعتراض ہے؛ لیکن دراصل یہ ایک غلط خیال ہے۔ اسلامی قانون کی رو سے ہر مسلمان مرد کا ہر مسلمان عورت سے نکاح ہوسکتا ہے۔ مگر ازدواجی زندگی کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ زوجین کے درمیان عادات، خصائل، طرز زندگی، خاندانی روایات اور معاشی ومعاشرتی حالات میں زیادہ سے زیادہ مطابقت ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھی طرح نباہ کرسکیں، یہی کفاءت کا اصل مقصد ہے۔ جہاں مرد اور عورت کے درمیان اس لحاظ سے بہت زیادہ بعد ہو، وہاں عمر بھر کی رفاقت نبھ جانے کی کم ہی توقع ہوسکتی ہے۔ اس لیے اسلامی قانون ایسے جوڑ لگانے کو ناپسند کرتا ہے، نہ اس بنا پر کہ فریقین میں سے ایک شریف اور دوسرا کمین ہے بلکہ اس بنا پر کہ حالات میں زیادہ بین تفرق واختلاف ہو تو شادی بیاہ کا تعلق قائم کرنے میں ازدواجی زندگیوں کے ناکام ہوجانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔''(۲۵۲)

حالاں کہ اس (مروجہ وفقہی کفو) کی بنیاد ہی اونچ نیچ اور رذالت وشرافت پر ہے جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔

جناب سید علی احمد علوی (لدھاوالا مظفر نگر، یوپی) قومی آواز نئی دہلی ۳ رجنوری ۲۰۰۷ء میں لکھتے ہیں کہ:

''مولانا مودودی نے تو منیر کمیشن کے سامنے حلفیہ بیان میں صاف کہہ دیا تھا کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام قائم ہو، ہندستان میں ہندو راشٹر قائم ہوتا ہے اور مسلمانوں کو شودر اور ملیچھ کا درجہ دیا جاتا ہے تو ان کو کوئی غم اور فکر نہیں۔''

مولانا مودودی نے جب جماعت اسلامی کی بنیاد نہیں رکھی تھی تو اگست ۱۹۳۹ء میں ترجمان القرآن میں شائع ایک مستشرق کے مضمون لیگیسی آف اسلام (Legecy of Islam) جس میں انھوں نے خلافت کے لیے قریشیت (سید، شیخ[۲۵۳] ہونے) کی شرط کو اسلامی قانون بتایا تھا پر اپنے فٹ نوٹ میں لکھا:

''فاضل مصنف نے یہاں بلا تحقیق ان لوگوں کا قول نقل کر دیا ہے جو خلافت کے لیے قریشیت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ **قرآن کی کسی آیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ خلیفہ کا قریش سے ہونا ضروری ہے اور یہ کہ غیر قریش خلیفہ نہیں ہوسکتا ہے۔** جس شخص نے اسلام کی فطرت کو کچھ بھی سمجھا ہو وہ اس حقیقت کے ادراک سے عاجز نہیں رہ سکتا کہ کسی منصب کو اہلیت کے بجائے **نسل ونسبت کے ساتھ مخصوص کرنا اس دین کی بنیاد ہی کے خلاف ہے۔** رہی وہ احادیث جن میں ارشاد ہوا ہے کہ ''ائمۃ قریش' سے ہوں گے یا اسی کے ہم معنی دوسرے الفاظ تو **دراصل ان میں حکم اور قانون نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ پیشن گوئی کی گئی ہے** کہ جب تک قریش اس منصب کے اہل رہیں گے خلفاء اور ائمہ انھیں میں سے ہوں گے۔'' (۲۵۴)

مولانا نے ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی۔ جماعت اسلامی کے قیام کے بعد اور ہندستان کے بٹوارے سے ایک سال قبل جب تقسیم ہند پر گرما گرم بحثیں ہو رہی تھیں، انہوں نے اپریل ۱۹۴۶ء میں خلافت اور خلیفہ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھا کہ:

''بسا اوقات آدمی ایک خاص ماحول میں خاص موقع ومحل پر ایک بات کہتا ہے جو اپنی جگہ بالکل صحیح ہوتی ہے، لیکن جب وہی بات اپنے محل سے الگ کر کے نقل کی جاتی ہے تو اس کی شکل کچھ اور ہی بن جاتی ہے اور اس سے ایسے معنی نکل آتے ہیں جو خود قائل کے منشاء کے بالکل خلاف ہوتے ہیں۔ ایسا ہی معاملہ اس معنی [خلافت اور خلیفہ] کی احادیث کے ساتھ

بھی پیش آیا ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے حتی کہ اس **غلط فہمی میں پڑ کر فقہائے اسلام کے ایک بڑے گروہ نے خلافت کے لیے منجملہ اور شرائط کے قریشیت کو بھی ایک قانونی شرط قرار دے لیا حالاں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا کچھ اور تھا۔"**

مولانا آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا منشاء اور پس منظر بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قریش کے سیاسی دبدبہ کی وجہ سے حضور ﷺ نے یہ بات کہی تھی کہ اگر ان کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنایا جاتا تو وہ کامیاب نہ ہوتا۔ پھر لکھتے ہیں:

"اسی وجہ سے آپ نے لوگوں کو سمجھا دیا کہ آپ کا جانشین کوئی قریشی ہونا چاہیے...... پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا وہ **قانونی حیثیت سے نہ تھا** کہ از روئے شرع خلیفہ کو قریشی ہونا چاہیے اور غیر قریشی کو خلافت کا حق ہی نہیں ہے بلکہ **وہ عملی سیاست کے لحاظ سے ایک ہدایت تھی اور ساتھ ہی آپ نے یہ پیشن گوئی بھی کر دی تھی کہ جب تک قریش اپنے اخلاق بلند رکھیں گے اور فی الجملہ دین کی علمبرداری کرتے رہیں گے اور ان میں دو آدمی بھی مردان کار پائے جائیں گے ریاست انھیں کو حاصل رہے گی۔"**

خلافت کے سلسلہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"ان میں کہیں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ معنی نکلتے ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش یہ تھی کہ قریش سردار ہوں؛ بلکہ اس **واقعہ کو بطور ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ قریش ملک کے سردار ہیں**...... ساری قوم کے نفسیات پر یہی لوگ چھائے ہوئے تھے...... اس بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کو ہدایت فرمائی کہ اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہوئے **زمانہ اسلام میں بھی قریش کو سرداری کے مرتبہ پر قائم رہنے دو۔"** (۲۵۵)

ہندستان کی تقسیم اور پاکستان بننے کے بعد جب مولانا مودودی پاکستان میں تھے تو جولائی ۱۹۵۹ء میں ان سے اسی خلافت کے لیے قریشیت کی شرط کے ضمن میں متعدد سوالات کئے گیے تھے، جن میں سے تیسرا سوال یہ تھا:

"۳: یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کبھی اس حدیث کو امر قرار دیتے ہیں اور کبھی اسے خبر ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے چراغ راہ کے اسلامی قانون نمبر (جلد اول صفحہ ۱۸۰) سے آپ کی یہ عبارت نقل کی ہے، جس میں آپ نے اس حدیث کو محض ایک پیشین گوئی قرار دیا تھا اور اس کے حکم ہونے سے انکار کیا تھا حالانکہ اب آپ اسے حکم قرار دیتے

ہیں۔ کیا اس سے یہ شبہ کرنے کی گنجائش نہیں نکلتی کہ یا تو آپ اس مسئلہ کو سمجھے نہیں ہیں یا پھر آپ کبھی اپنے مطلب کے مطابق اس کا ایک مفہوم بناتے ہیں اور کبھی دوسرا؟"۔

مولانا ان سوالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

"آپ کے سوالات کی ترتیب توڑ کر تیسرے سوال کا جواب میں پہلے دونگا تاکہ ایک ضمنی بحث بیچ میں آکر اصل مسائل سے توجہ نہ ہٹا سکے۔ چراغ راہ کے اسلامی قانون نمبر سے میری جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ دراصل آج سے ۲۰ سال پہلے اگست ۳۹ء کے ترجمان القرآن میں ایک مستشرق کے مضمون "اسلامی قانون اور نظام معاشرت" پر مختصر نوٹ کی حیثیت سے لکھی گئی تھی۔ اس وقت تک مجھے اس مسئلے کی تحقیق کا موقع نہ ملا تھا اور میں نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تحقیق پر اعتماد کر کے ایک رائے ظاہر کر دی تھی۔ لیکن بعد میں جب میں نے خود تحقیق کی تو مجھے وہ رائے غلط محسوس ہوئی اور میں نے اپریل ۴۶ء کے ترجمان القرآن میں اس کے خلاف اپنی اُس رائے کا اظہار کیا جسے آپ "خلافت کے لیے قریشیت کی شرط" کے زیر عنوان رسائل و مسائل جلد اول میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ علمی مسائل میں رائے بدلنا کوئی نیا اور نرالا واقعہ نہیں ہے۔ اس کو اگر کسی برے معنی پر کوئی شخص محمول کرنا چاہے تو اسے اپنے فعل کا اختیار ہے۔ میری تبدیلی رائے کے وجوہ آگے آپ خود دیکھ لیں گے۔"

مولانا نے مولانا آزاد کی تحقیق پر اعتماد کر کے جو رائے دی تھی اس کے سلسلہ میں حاشیہ کے اندر رقم طراز ہیں:

"اس کی تاریخ یہ ہے کہ تحریک خلافت کے آغاز میں یورپ کے مستشرقین نے یہ سوال اٹھایا تھا اور ہندوستان کی انگریزی حکومت نے بعض مولوی صاحبان سے اس کی تائید کرائی تھی کہ سلاطین عثمانی کی تو خلافت ہی باطل ہے کیوں کہ وہ قریشی النسب نہیں ہیں اور شریعت کی رو سے خلیفہ ہونے کے لیے قریشی ہونا شرط ہے۔ اس پر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے ۱۹۲۰ء میں کلکتہ خلافت کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا تھا جو بعد میں "خلافت و جزیرۃ العرب" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے بڑے زور دار طریقے سے یہ بیان کیا تھا کہ نبی ﷺ کا ارشاد: الائمة من قريش سرے

سے حکم تھا ہی نہیں بلکہ وہ محض ایک خبر تھی جو حضورؐ نے آنے والے حالات کے متعلق دی تھی، مولانا کی اسی تحقیق کا اثر میرے ذہن پر تھا جس کے تحت میں نے مذکورہ بالا نوٹ میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ (م)''۔

مولانا آگے خلافت کے سلسلہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''یہ تمام روایات صاف بتا رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے فوراً بعد رونما ہونے والے کسی قضیۂ خلافت کا فیصلہ نہیں فرمایا تھا بلکہ **مستقل طور** پر یہ طے فرمادیا تھا کہ جب تک قریش [سید اور شیخ] میں چند خاص صفات موجود ہیں اس وقت تک دوسروں کی بہ نسبت **(چاہے ان دوسروں میں بھی یہ صفات موجود ہوں) خلافت پر ان کا حق مرجح ہوگا**۔ اس میں صرف انصار پر ترجیح کا مسئلہ نہ تھا بلکہ تمام عرب وعجم کے مسلمانوں پر اس قبیلے کی شروط ترجیح کا فیصلہ تھا یہی مطلب ان ارشادات کا تمام علمائے امت نے بالاتفاق سمجھا ہے اور تاریخ میں بجز خوارج اور معتزلہ کے کسی کا اختلاف منقول نہیں ہوا ہے۔''

مولانا آگے لکھتے ہیں کہ ''علماء امت'' نے حضور ﷺ کے ارشادات کو بعض اوصاف کی شرط کے ساتھ ایک **مستقل دستوری حکم** مانا ہے۔ پھر آگے مولانا ''قریشیت کی شرط کی حقیقت'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ:

''......سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ اسلام اپنے نظام زندگی میں بلا امتیاز نسل ووطن ورنگ تمام **مسلمانوں کو برابر کے حقوق دینے کا قائل ہے**۔ اس میں ہر شخص ہر منصب کا اہل ہے جب کہ وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہو، خواہ وہ کالا ہو یا گورا، عربی ہو یا عجمی، سامی ہو یا حامی۔ **خلافت کے سوا باقی تمام مناصب کے معاملے میں** یہ اصول اول روز ہی سے اسلام میں عملاً قائم کر دیا گیا تھا۔ اور خود خلافت کے معاملے میں بھی اسلام کا مطمح نظر یہی تھا کہ اِسْمَعُوا وَاَطِيْعُوا وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ ۔ سنو اور مانو خواہ تمھارے اوپر ایک حبشی غلام ہی امیر بنا دیا جائے۔ لیکن اس خاص منصب کے لیے **اس وقت جس وجہ سے قریشیت کی شرط لگائی گئی** وہ یہ تھی کہ خلافت اسلامیہ کے لیے عربوں ہی کو ایک طویل مدت تک ریڑھ کی ہڈی کا کام دینا تھا اور عربوں کے اندر سے قبائلی عصبیتیں اس حد تک عملاً نہیں نکل سکی تھی کہ کوئی مسلمان بھی خلیفہ بنا دیا جاتا تو وہ اس کی قیادت میں مجتمع ہو کر کام کر سکتے، اس لیے ایک ایسے قبیلے کو خلافت کا علمبردار بنا دینا مناسب سمجھا گیا جس کی

قیادت ایک مدت دراز سے عرب میں مسلم چلی آرہی تھی ......۔'' (۲۵۶)

مولانا ابوالکلام آزاد نے خلافت کے موضوع پر ''مسئلہ خلافت'' نام سے باضابطہ ایک کتاب ہی لکھی ہے۔ انھوں نے بڑی تفصیل سے قریشیت کی شرط کا تجزیہ کر کے اس کو غیر اسلامی ٹھہرایا ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''جہاں تک قرآن وسنت، آثار صحابہ اور تمام دلائل شرعیہ وعقلیہ کا تعلق ہے **کوئی نص قطعی موجود نہیں ہے،** جس سے ثابت ہو کہ اسلام نے معاملہ خلافت وامامت صرف خاندان **قریش [سید، شیخ]** کے لیے شرعاً مخصوص کر دیا ہے...... اسلام نے خلافت کو نہ کسی قوم میں مخصوص کیا ہے اور نہ کسی خاندان میں'' اور یہ حدیث ''اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ'' یعنی ائمہ قریش [سید شیخ] سے ہوں گے کوئی **حکم اور تشریع** نہیں ہے بلکہ صرف ایک **پیشن گوئی اور خبر ہے** کہ ایسا ہوگا یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاہیے۔''

''اشتباہ واضطراب کے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں، جب ترمذی کی وہ روایت سامنے آجاتی ہے جس میں امارت قریش کے ساتھ دو اور باتوں کا بھی ذکر ایک ہی سلسلے اور ایک ہی اسلوب میں کیا گیا ہے اور گویا روایت امارت کے متن کا وہ ایک متمم ومکمل ٹکڑا ہے جو بقیہ طریق میں رہ گیا تھا، اس طریق میں مل جاتا ہے تاکہ اس کو جوڑ کر مضمون حدیث کامل کر لیا جائے۔ قریش والی حدیث اگرچہ مختلف راویوں سے مروی ہے، لیکن سب سے زیادہ مشہور طرق ابوہریرہ، جابر بن سمرۃ اور ابن عمر پر جاکر ختم ہوتے ہیں اور امام مسلم، احمد، ابوداؤد، طیالسی، بزار، طبرانی کے تمام طریق تو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے نکلے ہیں۔ انہیں ابوہریرہ سے بطریق ابومریم انصاری ترمذی سے روایت کیا ہے ''اَلْمُلْكُ فِیْ قُرَیْشٍ وَالْقَضَاءُ فِی الْاَنْصَارِ وَالْاَذَانُ فِی الْحَبْشَةِ'' (اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ) اور امام احمد کثیر بن مرہ سے یوں روایت کرتے ہیں ''اَلْخِلَافَةُ فِیْ قُرَیْشٍ وَالْحُكْمُ فِی الْاَنْصَارِ وَالدَّعْوَةُ فِی الْحَبْشَةِ'' (رِجَالُهٗ مَوْثُقُوْنَ وَ اَیْضًا رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْبَزَّارِ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ)

''اس روایت میں ایک ساتھ تین باتوں کا ذکر ہے۔ خلافت قریش میں، قضا وحکم انصار میں، اذان ودعوۃ اہل حبش میں۔ پس جو معنی ایک بات کے ہوں گے وہی بقیہ دو کے ہوں گے اور جو مطلب دو باتوں کا ہوگا وہی پہلی بات کا بھی ہوگا۔ اگر پہلی بات (یعنی قریش کی

حکومت) بیان حال اور پیشین گوئی نہیں ہے امر و تشریع ہے تو بقیہ دو جملوں کو بھی امر و تشریع قرار دینا پڑے گا۔ یعنی ماننا پڑے گا کہ قاضی ہمیشہ انصاری ہی ہونا چاہیے اور موذن بجز حبشی کے دوسرا ہو نہیں سکتا۔ لیکن معلوم ہے کہ آج تک نہ کسی نے ایسا کہا نہ یہ مطلب سمجھا، نہ قضاء و اذان کے لیے کوئی "شرعی اشتراط ملک و نسل کا تسلیم کیا گیا ہے۔"

خلافت کے لیے قریشیت کی شرط پر علماء کے اجماع کے سلسلہ میں جو کہا جاتا ہے اس پر بھی مولانا نے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"......اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ صحابہ خلافت کا شرعاً مستحق صرف قریش ہی کو یقین کرتے تھے، بلکہ اس کے خلاف شواہد موجود ہیں۔ امام احمد نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے۔ اگر معاذ بن جبل میری وفات تک زندہ رہے تو اپنے بعد انہی کو خلیفہ بناؤں گا۔ یہ ظاہر ہے کہ معاذ قریشی نہ تھے، انصار مدینہ میں تھے۔ اگر خلافت کے لیے قریشیت کی شرط نہ ہوتی تو حضرت عمر جیسا محرم اسرار خلافت کیوں کر ان کی خلافت کا تصور بھی کر سکتا تھا۔ مسند امام احمد میں حضرت عمرؓ کا ایک اور قول بھی ابو رافع کی روایت سے موجود ہے۔ "لَوْ اَدْرَكَنِی اَحَدُ رَجُلَیْنِ ثُمَّ جَعَلْتُ هٰذَا الْاَمْرَ اِلَیْهِ اَوْ ثَقْتُ بِهٖ سَالِمٌ "مَوْلٰی حُذَیْفَةَ وَ اَبُوْ عُبَیْدَةَ الْجَرَّاحُ" ۔ اگر سالم مولی حذیفہ اور ابوعبیدہ الجراح میں سے کوئی ایک میری وفات تک زندہ رہتا اور خلافت اس کے سپرد کر دیتا تو مجھے اس بارے میں پورا اطمینان و اعتماد ہوتا۔ اگر حضرت عمر صدہا صحابہ و مہاجرین قریش کی موجودگی میں سالم مولی حذیفہ کو خلافت سپرد کر دینے کا ارادہ کر سکتے ہیں تو پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ شرعاً خلافت غیر قریشی کو نہیں مل سکتی اور صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا تھا۔......اجماع صحابہ کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اور نہ عرصہ تک کسی خاص خاندان میں حکومت کا رہ جانا دلیل و تشریع و انعقاد و اجماع ہو سکتا ہے۔ خود خلفاء عباسیہ کے عہد میں متعدد غیر قریشی مدعی اٹھے اور بعضوں کا ساتھ ہزاروں مسلمانوں نے دیا۔ وہ نہ خوارج میں سے تھے نہ معتزلہ میں۔ مگر یقین کرتے تھے کہ غیر قریشی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ حجاج کے زمانہ میں ابن الاشعث نے خروج کیا اور امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ حالانکہ وہ قریشی نہ تھا۔ اندلس اور افریقہ میں عبدالمؤمن صاحب ابن تومرت نے خلافت کے دعوے کے ساتھ حکومت قائم کی اور اس کی نسل میں عرصہ تک قائم رہی۔ ابن تومرت کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ معتزلی تھا؟ وہ امام غزالی کا شاگرد اور پکا

اشعری تھا۔ عقائد شاعرہ میں اس کا ایک رسالہ موجود ہے، مراکشی نے تاریخ مراکش میں تصریح کی ہے کہ بلاد مغرب میں اشعریت اسی کے ذریعہ پہنچی اور اسی لیے خاندان عبد المؤمن کا سرکاری مذہب ہمیشہ اشعری رہا۔ لیکن یہ لوگ بھی قریشی نہ تھے۔ علاوہ بریں خود ائمہ اشاعرہ میں سے بعض نے اس شرط سے انکار کیا ہے۔...... اشاعرہ کے امام الائمہ قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی یہی مذہب اختیار کیا تھا کہ قریشیت کی شرط ضروری نہیں۔ یہی ابن خلدون لکھتے ہیں۔"

"حضرت عائشہ کا مشہور قول ہے "لَوْ كَانَ زَيْدٌ حَيًّا مَا اسْتَخْلَفَ رَسُولُ اللّٰهِ غَيْرَهُ" اگر [**آنحضرت کے غلام**] زید زندہ رہتے تو آپ ان کے سوا اور کسی کو اپنا جانشین نہ بناتے۔" (۲۵۷)

اور یہ مسلم الثبوت ہے کہ حضرت زیدؓ قریشی النسل نہ تھے۔

مفسر قرآن مولانا امین احسن صدیقی اصلاحی:

مشہور مفسر قرآن اور علامہ حمید الدین فراہی کے شاگرد مولانا امین احسن صدیقی اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء (۲۵۸) بھی ذات پات پر مبنی مروجہ اور فقہی کفو کے قائل ہیں، وہ اپنی تفسیر "تدبر قرآن" جو فکر فراہی کی ترجمان ہے، میں سورہ بقرہ آیت: ۲۳۴ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾

"اور جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے بارے میں چار ماہ دس دن توقف کریں، پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو جو کچھ وہ اپنے بارے میں دستور کے مطابق کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں اور اللہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے۔" [ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی]

"عورت کے لیے معروف کی پابندی کی جو شرط لگائی گئی ہے اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ **نکاح کے معاملے میں کفو کا بھی لحاظ ہونا چاہیے تا کہ متعلق خاندان کی وجاہت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔**" (۲۵۹)

مولانا سلطان احمد اصلاحی:

مشہور عالم دین دو درجن سے اوپر کتابوں کے مصنف مولانا سلطان احمد اصلاحی نے ذات پات کے خلاف بہت لکھا ہے، ان کی کتاب ''اسلام کا تصور مساوات'' ذات پات کے خلاف بڑی اہم کتاب ہے اور راقم الحروف کی معلومات کی حد تک اردو زبان میں ہندستان کے اندر اس موضوع پر اتنا جامع کام نہیں ہوا ہے اسی طرح ان کی دوسری زیر طبع کتاب ''اسلام ایک نجات دہندہ تحریک'' جو ماہنامہ ''زندگی نو'' - دہلی اور سہ ماہی ''تحقیقات اسلامی''، علی گڑھ میں قسط وار شائع ہوئی ہے- کے دوسرے باب کا ایک عنوان ''سماجی مساوات'' کافی معلوماتی اور اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا نے بڑی تفصیل سے تمام مذاہب کے ''نظریۂ ذات پات'' مساوات کے سلسلے میں یورپ کے کھوکھلے دعوے اور اسلامی مساوات پر روشنی ڈالی ہے انھوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ذات، پیشہ وغیرہ کی رذالت کو غیر اسلامی ٹھہرایا ہے اور بڑے ہی اچھے انداز میں اس کا تجزیہ کر کے غلط ثابت کیا ہے جس کی ایک مثال اوپر مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی کے زیر عنوان گذر چکی ہے، مولانا نے لوگوں کو ذات پات، چھوت چھات اور نسلی امتیازات سے نجات پانے کی خاطر قبول اسلام کا مشورہ اور دعوت دی ہے۔ انھوں نے خود راقم الحروف کے ذات پات مخالف مضامین کو کافی پسند فرمایا ہے (۲۶۰) اور راقم الحروف سے دوران گفتگو تنہائی میں (۲۶۱) اور استاد محترم مولانا نعیم الدین اصلاحی شیخ التفسیر وصدر المدرسین- جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ کی موجودگی (۲۶۲) میں بھی انھوں نے ذات پات پر بڑے ہی جارحانہ انداز میں حملے کیے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان کی تحریروں میں بعض باتیں ایسی ملتی ہیں جن سے نہ صرف ذات پات اونچ نیچ کی تائید ہوتی ہے بلکہ اسے بڑھاوا بھی ملتا ہے۔ مروجہ فقہی مسئلہ کفو کے سلسلے میں مولانا نے اوروں کی بہ نسبت بہت حد تک نرمی برتی ہے اس سلسلہ میں وہ اپنی کتاب اسلام کا تصور مساوات مطبوعہ اکتوبر ۱۹۸۵ء، پہلا ایڈیشن میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

> ''واضح رہے کہ کفاءت کے سلسلے کی تقریباً تمام حدیثیں سند کے لحاظ سے کمزور ہیں [الدراية في تخريج احاديث الهداية على هامش الهداية ۲/۲۹۹-۳۰۰] بلکہ حافظ ابن حجر کا کہنا تو یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے [فتح الباری ۹/۱۰۴]۔'' (۲۶۳)

اتنی واضح اور صریح بات لکھنے کے باوجود انھوں نے ذات پات اور اس پر مبنی مروجہ فقہی مسئلہ کفو کو کلی طور پر ختم بھی نہیں کیا؛ بلکہ مروجہ فقہی مسئلہ کفو کے سلسلے میں وارد جن احادیث کو انھوں نے ''اسلام

کا تصور مساوات“ میں پہلے ضعیف ٹھہرایا تھا بعد میں اپنی زیر طبع کتاب ”اسلام ایک نجات دہندہ تحریک“ میں مروجہ فقہی مسئلہ کفو کو ثابت کرنے کے واسطے ان احادیث سے استدلال تک کیا ہے۔(۲۶۴)

تفصیل میں نہ جاتے ہوئے مولانا کی چند عبارتیں اختصار کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں:

مولانا اپنی کتاب ”اسلام کا تصور مساوات“ کا اختتام ان الفاظ پر کرتے ہیں:

”**نابرابری کے عوامل اسلام کے نقطۂ نظر سے اپنی نااعتباری کے باوجود انسانی طبائع پر اپنا گہرا اثر رکھتے ہیں، اس لیے عام حالات میں کفاءت کے ظاہری امتیازات کا لحاظ کیا جانا چاہیے**؛ لیکن جب کبھی دو افراد اسلام کے آستانے پر اپنی ”انا“ کو پاش پاش کر کے دینی جذبے سے سرشار ہو کر رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کا ارادہ رکھتے ہوں، تو اسلام کے مذکورہ بالا مسلمہ اصول اور صدر اول کے معیاری عمل کی روشنی میں بظاہر بے میل ہونے کے باوجود اسلام کی نظر میں یہ رشتہ بالکل درست ہوگا اور صدر اول کے اس محکم اصول اور خیر القرون کی عملی شہادت کے روبرو فقہ کا کوئی جزئیہ قابل اعتبار قرار نہ پائے گا۔“(۲۶۵)

مولانا نے اس صفحہ پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ مروجہ فقہی کفاءت کے سلسلے کی تقریباً تمام احادیث سند کے لحاظ سے کمزور ہیں بلکہ اس سلسلہ میں کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے؛ لیکن اس کے باوجود مروجہ فقہی کفو کا لحاظ کرنے کی بات کرتے ہیں، جب کتاب وسنت سے یہ فقہی کفو ثابت نہیں ہے تو آخر اس کا لحاظ کیوں کیا جائے؟ کیا صرف ”غیر اسلامی انا“ کی تسکین کے لیے؟ جب اس کفو کا لحاظ کیا جانا چاہیے تو پھر کون اس غیر اسلامی کفو کو توڑے گا۔ اس سے ذات پات بڑھے گی نہ کہ گھٹے گی، پھر تو مولانا کا آخر الذکر قول بے محل ہو جاتا ہے۔

مولانا اپنی زیر طبع کتاب ”اسلام ایک نجات دہندہ تحریک“ میں لکھتے ہیں:

”**بلاشبہ اسلام میں کفاءت، جوڑ کی شادی کے مسئلہ میں میل وموافقت کے دیگر اسباب وعوامل میں خاندان اور نسب کو اہم مقام حاصل ہے..........شادی بیاہ میں جوڑ، کفاءت کے مسئلہ میں خاندان اور نسب یا دوسرے لفظوں میں ذات برادری کو اہم مقام حاصل ہے۔**“(۲۶۶)

”......ابتداء سے تو تمام انسان ایک ہی ماں باپ آدم اور حوا کی اولاد ہیں، بعد میں اللہ تعالیٰ

نے پہچان کے مقصد سے ان کو مختلف طبقوں، قوموں قبیلوں اور ذاتوں اور برادریوں میں تقسیم کر دیا۔ اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ خدائی تقسیم ہے اور خدا کے وفادار بندوں کو اپنے مولیٰ کی اس تقسیم کو پوری خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے، اس تقسیم میں اگر کوئی **اوپر اور نیچے** بھی ہے تو اپنی ٹھہرائی ہوئی حد کے اندر اللہ رب العزت کے اس فیصلے پر اس کو پوری طرح راضی اور مطمئن ہونا چاہیے۔ سیاسی، سماجی اور معاشرتی سطح پر بعض اوقات اس تقسیم اور اختلاف کا کسی کو فائدہ اور کسی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ فائدہ حاصل کرنے والے کو قابو سے باہر ہونا چاہیے نہ نقصان اٹھانے والے کو اپنے رب کا شاکی اور [اس] کا ناشکر گزار ہونا چاہیے، **زندگی میں فرق و امتیاز نیچائی اور اونچائی قدم قدم پر ہے۔**" (۲۶۷)

مولانا ایک طرف تو فرما رہے ہیں کہ نسل قبیلہ کی تقسیم صرف پہچان کے لیے ہے؛ لیکن دوسری طرف اونچ نیچ سے اس کو جوڑ کر خدائی اور الٰہی اونچ نیچ بتا رہے ہیں۔ مولانا نے اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر تو سید کو سب سے افضل بتلایا ہے نیز صرف نسب کی بنیاد پر اس کی عزت کرنا عین تقاضائے دین وایمان اور اس میں ذرہ برابر بھی کوتاہی کو بڑے وبال کا سبب کہا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

"صحیح النسب سید کا شرف ومنزل [منزلت] اور اس کی عظمت مسلم ہے اس کا احترام واجب اور عین تقاضائے دین وایمان ہے...... اس خانوادۂ مجد وشرف سے جس کسی مسلمان کی صحیح نسبت ہو وہ اس کے لیے مایۂ افتخار ہے اور دوسرے مسلمان کے لیے صرف اس نسبت کے حوالے سے اس کا ادب واحترام واجب ہے اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور معمولی کوتاہی بھی بڑے وبال کا موجب بن سکتی ہے۔" (۲۶۸)

سہ روزہ "دعوت" اور ہفت روزہ ریڈینس:

جماعتِ اسلامی ہند کا ترجمان سہ روزہ "دعوت" نئی دہلی اور ہفت روزہ انگریزی ترجمان "Radiance" (۲۶۹) ہندو دھرم وسماج میں ذات پات کی بنیاد پر ہو رہے حادثات کو شہ سرخی لگا کر پیش کرتے ہیں، لیکن اسی ذات پات کی بنیاد پر ہو رہے مسلمانوں کے واقعات ایمانداری سے بیان کرنا تو درکنار اس کی رپورٹنگ تک نہیں کرتے ہیں۔ مزید براں یہ کہ جب شادی بیاہ کے اشتہارات شائع کرتے

ہیں، تو بعض اشتہادات ذات برادری کی قید کے ساتھ شائع کرتے ہیں، جن سے اونچ نیچ اور ذات برادری کے ہندوانہ تصور کو بڑھاوا ملتا ہے، چناں چہ دعوت میں ''ضرورت رشتہ'' کے زیر عنوان شائع ہوا تھا۔

''ایک انصاری ڈاکٹر (BUMS) عمر ۲۷ سال، جس کا اپنا خود کا نرسنگ ہوم ہے لڑکے کے لیے ایک سنی **انصاری** میڈیکو قبول صورت لڑکی کی ضرورت ہے۔ مشرقی یوپی کو ترجیح دی جائے گی۔ [رابطہ کے لیے آگے دعوت کا پتہ لکھا ہوا ہے]۔'' (۲۷۰)

''معزز پٹھان خاندان کے ایک **خوبرو، بااخلاق، دینی ذہن** کے حامل نوجوان لڑکا عمر ۳۲ سال تعلیم B.com (بی.کام) ذاتی کامیاب (Businessman) کے لیے خوبصورت خوب سیرت امور خانہ داری میں ماہر تعلیم یافتہ شیخ سید یا پٹھان خاتون لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ مغربی یوپی کے رشتہ کو ترجیح دی جائے گی۔ مندرجہ ذیل پتہ پر مکمل تفصیلات کے ساتھ رابطہ قائم کریں۔ [آگے سہ روزہ دعوت کا پتہ دیا ہوا ہے۔]'' (۲۷۱)

''ایک اعلیٰ سید خاندان جس کا تعلق خطہ اودھ سے ہے لڑکی کے لیے رشتہ کی ضرورت ہے۔ تعلیم بی اے آنرس (تاریخ) خوبصورت، خوب سیرت، سلیقہ مند باشعور **دیندار، تہذیب یافتہ** لڑکا **تعلیم یافتہ** برسر روزگار ہو اور **خاندان بھی حسب مراتب ہو**۔ شادی جلد کرنی ہے اس لیے خواہش مند حضرات مکمل تفصیلات کے ساتھ مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ قائم کریں۔ [آگے دعوت کا پتہ دیا ہوا ہے۔]'' (۲۷۲)

Radiance (ریڈینس) میں Matrimonial (ضرورت رشتہ) کے زیر عنوان چھپا تھا کہ:

"Bride wanted for a computer engineer of 30 yrs working in Dubai. Parents came from Saudi for early marriage. Girls should be well qualified, **Syed or Shaikh,** Urdu speaking, whether North or South Indian. No Dowry, only girl's features and qualifications will be considered.Contact within two weeks......[After it,bridgroom's contact number of Patna, Delhi Mobile number and delhi residential address was writtin there.]" (۲۷۳)

دبئی میں کام کرنے والے تیس سالہ ایک کمپیوٹر انجینئر کو ضرورت ہے دلہن [رشتہ] کی۔ والدین جلد شادی کے لیے سعودی سے آئے ہوئے ہیں۔ لڑکی باصلاحیت، **سید یا شیخ** اردو بولنے والی ہو خواہ شمالی ہندستان سے تعلق رکھتی ہو یا جنوبی ہندستان سے۔ جہیز کی کوئی شرط نہیں بس لڑکی کے خدوخال اور اس کی صلاحیتیں دیکھی جائیں گی۔ دو ہفتہ کے اندر رابطہ کیجیے۔ [اس کے

بعد دولہے کا پٹنہ کا فون نمبر، دہلی کا موبائل نمبر اور دہلی کے مکان کا پتہ دیا ہوا ہے]۔

ان اشتہارات کے سلسلہ میں بات کرنے کے لئے ۱۹؍اور ۲۰؍جولائی ۲۰۰۴ء (۲۷۴) کو میں رکن جماعت اسلامی و مدیر دعوت جناب پرواز رحمانی سے ملا۔ انھوں نے کہا کہ ان اشتہارات سے ذات پات ثابت نہیں ہوتی ہے، بلکہ کسی کو مسجد میں جانے سے روکنا ذات پات ہے۔ مگر جب میں نے ان کے خلاف دلائل دیئے تو انھوں نے اپنی بات سے رجوع کرلیا، اور مان لیا کہ ان سے ذات پات پھیلتی ہے اور کہا کہ آئندہ ہم اس طرح کے اشتہارات نہیں شائع کریں گے۔ انھوں نے مزید کہا کہ 'آپ کا شکریہ جو آپ نے ہمیں اس طرف توجہ دلائی' لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان کے وعدہ کے باوجود اس طرح کے اشتہارات مسلسل دعوت میں شائع ہورہے ہیں۔ ثبوت کے لئے ''دعوت'' ۱۰؍اکتوبر ۲۰۰۵ء، ۱۹؍مارچ ۲۰۰۶ء اور ۱۳؍مئی ۲۰۰۶ء کے شمارے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انھوں نے بند کرنے کی کوشش کی ہو لیکن مرکز جماعت اسلامی کے ذمہ داران نے ایسا نہ کرنے دیا ہو، کیوں کہ قیم (جنرل سکریٹری) جماعت اسلامی ہند جناب 'سید' محمد جعفر کے بقول اس طرح کی چیزیں جماعت اسلامی اپنے مشورے سے شائع کرتی ہے۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ریڈینس کے نائب مدیر جناب سکندر اعظم سے ۲۰؍جولائی ۲۰۰۴ء (۲۷۵) کو ملا تو انھوں نے کہا کہ 'ہم اس طرح کے اشتہارات کو اسلامی اور صحیح مان کر ہی شائع کرتے ہیں۔' جب میں نے ان کے رد میں دلائل دینے شروع کیئے تو ان کا کہنا تھا کہ 'اشتہارات شائع کرنا ہماری ذمہ داری نہیں ہے اور نہ ہی ہم ان اس میں کچھ تبدیلی کرسکتے ہیں، اِلّا یہ کہ زبان کی کوئی غلطی ہو۔ اشتہار بورڈ جو اشتہار بھیجتا ہے ہم اسے من وعن شائع کردیتے ہیں۔

جب ۱۲؍فروری ۲۰۰۵ء (۲۷۶) کو میں اس سلسلہ میں ریڈینس کے مدیر اعلیٰ، اسسٹینٹ سکریڑی جماعت اسلامی و رکن مجلس شوری جماعت اسلامی جناب 'سید' اعجاز احمد اسلم سے ملا تو ان کو بھی اس کا قائل پایا۔ انھوں نے اس دوران بغیر پوچھے کہا میرا تعلق 'شیخ' ذات سے ہے، مگر اب ان کا کہنا ہے کہ وہ تو 'سید' ہیں۔

مجھ سے انھوں نے مزید کہا کہ 'اگر ہم اس طرح کے اشتہارات نہیں شائع کریں گے تو اشتہار دہندہ کہیں اور سے شائع کرالے گا۔ یہاں شائع ہونے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اشتہار دہندہ کو دیندار لڑکے اور دیندار لڑکیاں مل جاتی ہیں۔ ان کا جواب بالکل اسی طرح کا ہے کہ کوئی شخص شراب کی دوکان کھول لے اور کہے کہ اگر ہم شراب نہیں فروخت کریں گے تو شرابی کہیں اور سے شراب خریدلے گا،

ہم تو اچھی شراب فروخت کرتے ہیں دوسری جگہ خراب شراب ملے گی اور شرابی بیمار پڑ جائے گا۔ دوسری بات یہ بھی ثابت ہورہی ہے کہ ذات پات کو ماننا ان کے نزدیک دینداری ہے۔ صرف نسب کی بنیاد پر سید کی تعظیم کے سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں کہ میں اسے اس معنیٰ میں لیتا ہوں کہ میرا کوئی عزیز ہے، لیکن اس کی اولاد نالائق نکل گئی، مگر جب میں اسے دیکھتا ہوں تو اس سے کہتا ہوں کہ ارے بھائی! آپ فلاں کے صاحبزادے ہیں؟ اس کو بلا کر بٹھاتا ہوں اس کی نالائقی کے باوجود صرف رشتہ داری کے سبب اس کی عزت کرتا ہوں۔ یہی حال سید کی تعظیم کا بھی ہے کہ ان کا تعلق رسولؐ سے ہے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ برہمن کی تعظیم کے متعلق منوسمرتی (۹: ۳۱۷) بھی یہی کہتی ہے تو پھر ہندو دھرم پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے، ۲۰ر جولائی ۲۰۰۴ء کو ان اشتہارات کے بارے میں جب میں بات کرنے کے لئے مولانا عبدالحق فلاحی رکن جماعت اسلامی (سابق پرسنل سکریٹری امیر جماعت اسلامی) کے پاس گیا تو انھوں نے بھی اسے صحیح قرار دیا۔ اسی سلسلہ میں جب میں قیم جماعت اسلامی جناب سید محمد جعفر کے پاس ۳۰ر اکتوبر ۲۰۰۴ء (۲۷۷) کو پہونچا تو انھوں نے کہا کہ:

> ''چونکہ سماج میں ذات پات ہے، لہٰذا اس طرح کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں۔ نومسلموں سے شادی کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، جلدبازی نہیں دکھانی چاہئے۔''

یکم اگست ۲۰۰۶ء کو میں نے جب جناب محمد شفیع مونس خان نائب امیر جماعت اسلامی ہند سے ان اشتہارات کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بھی کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ انھوں نے کہا کہ اس میں دو طرح کے لوگوں کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں، ایک ارکان جماعت کے اور دوسرے غیر ارکان جماعت کے، کیا اس طرح کے اشتہارات کا تعلق ارکان جماعت سے بھی ہے؟۔

بعض ارکان جماعت اسلامی اسے تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ دلیل بھی قابل قبول نہیں ہے اگر تجارتی نقطۂ نظر سے ہی اس طرح کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں تو اگر کوئی شراب خانہ اور شراب کا اشتہار دے تو کیا جماعت اسے شائع کرے گی؟ کیوں کہ اس میں بھی منافع ہوگا اور یہ بھی تجارت ہے۔

اس طرح کے اشتہارات کی یہ تاویل کرنا کہ ان سے ذات پات مراد نہیں اور نہ ہی ان سے ذات پات کو بڑھاوا ملتا ہے، بلکہ ذات کا تذکرہ صرف بطور تعارف کیا جاتا ہے، نیز یہ کہنا کہ اس طرح کے اشتہارات اس لئے بھی صحیح ہیں کہ (ذات پات پر مبنی) مروجہ فقہی کفو کو اسلامی شریعت میں ایک اہم مقام حاصل ہے، ان سے اونچ نیچ نہیں سمجھنا چاہئے۔ سراسر فضول کی باتیں ہیں، ان سے تعارف تو صرف اس

صورت میں مراد ہوتا جب اشتہار دہندہ صرف اپنی ذات کا تذکرہ کرتا۔ شادی کے لئے کسی خاص ذات کی قید نہ لگاتا۔ ذات برادری کی قید لگانا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اشتہار دہندہ کا مقصد ذات پات اور اونچ نیچ ہے نہ کہ کچھ اور۔ نیز اس طرح کے اشتہارات دہندہ ذہنی طور سے ذات پات کے قائل ہونے کی وجہ سے ہی اس طرح کے اشتہارات دیتے ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے دعوت میں ''ضرورت رشتہ'' کے لئے اشتہار دہندہ ایک دوشیزہ کی مثال معاون ثابت ہوگی۔ ایک بار مرکز جماعت میں جماعت کے ایک اعلی عہدہ دار پر فائز ایک سید ذمہ دار...... کے پاس ایک سید دوشیزہ۔ جس کی کوئی شکل دیکھ لے تو شادی نہ کرے۔ اپنی ماں کے ساتھ ''دعوت'' میں اپنی شادی کا اشتہار دینے آئی تھی۔ ذمہ دار صاحب نے اس سے کہا کہ 'آپ نے کئی دفعہ اشتہار دیا ہے، کیا کوئی رشتہ ابھی تک نہیں آیا' تو اس دوشیزہ نے جواب دیا کہ 'آیا تو تھا، لیکن سب پٹھانوں کے رشتے تھے، کوئی سید کا رشتہ نہ تھا، اس لئے پھر دینے آئی ہوں۔' (۲۷۸)

جہاں تک ذات پات پر مبنی مرجبہ وفقہی کفو کو اسلامی شریعت کہنے کا سوال ہے (۲۷۹) تو اگر صحیح اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تو یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی۔ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے کہ اس مرجبہ وفقہی کفو کی بنیاد ذات پات اونچ نیچ پر ہے۔

جب ہم جماعت اسلامی کے ارکان پر نظر ڈالتے ہیں تو معمولی رکن ہی نہیں بلکہ مرکز جماعت اسلامی میں بیٹھے بڑے بڑے ذمہ داران کو ذات پات پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔ میری تالیف کا سبب بھی جماعت اسلامی کے ارکان ہی ہیں، جن کا ذکر ''وجہ تالیف'' کے زیر عنوان آچکا ہے۔

ایک بڑے تعلیمی ادارہ کے صدر مدرس ایک انصاری مولانا تھے۔ یہ اپنے اصول وضوابط اور وقت کے بڑے پابند تھے۔ ایک عالم دین رکن جماعت اسلامی جو اس ادارہ میں مدرس تھے کو ایک دن آنے میں کچھ تاخیر ہوگئی تو صدر مدرس صاحب نے ان سے تاخیر کی وجہ پوچھ لی۔ وہاں پر تو وہ خاموش رہے، لیکن مولانا کے پاس سے جانے کے بعد کہا کہ **''جولاہے کی اتنی ہمت کہ مجھ سے پوچھ گچھ کرے۔''** سننے والوں میں سے ایک شخص جناب حافظ ارشاد فلاحی سابق ایم ایل اے اعظم گڑھ کو اس واقعہ نے اتنا دکھ پہونچایا کہ اس واقعہ کے گذرے ہوئے ایک عرصہ ہوگیا، لیکن آج تک وہ ان کو سلام تک نہیں کرتے ہیں۔

میں نے خود ان کو ذات پات کی باتیں کرتے ہوئے پایا۔ ۱۹۹۸ء میں مورشش کے صدر، جو اعظم گڈھ کے باشندہ ہیں۔ اپنے وطن تشریف لائے تھے تو انھوں نے کہا کہ 'یہ صدر بہت ہی چھوٹی ذات مسلم دھنیا سے ہیں۔'

ایک تعلیمی ادارہ میں ایک دوسرے رکن جماعت اسلامی ہیں جو اپنے کو اہلحدیث ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، وہ ہمیشہ مسلم سماج کی رسوم بد، شادی بیاہ میں بارات، جہیز کی لعنت کی اصلاح اور غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کے غم میں گھلے دِکھتے ہیں۔ لیکن میں نے بارہا ان کو ذات پات کی تبلیغ کرتے ہوئے پایا۔ ایک مرتبہ تو یہاں تک کہنے لگے کہ '[ذات پات پر مبنی مروجہ وفقہی] کفو عقل اور نقل [قرآن و سنت] سے ثابت ہے۔' جب میں نے ان سے کہا کہ 'قرآن وسنت میں کہاں ہے اس طرح کی بات؟' تو انھوں نے ایک صحیح حدیث جس میں صرف دینداری دیکھ کر شادی کرنے کا حکم دیا گیا ہے ذات پات نہیں۔ جس کی تفصیلات باب دہم میں ''ایک صحیح حدیث کی بھیانک غلط تشریح'' کے زیر عنوان آرہی ہیں، پیش کی۔ اتنا ہی نہیں جب ان کی ذات پات کے حامی باتوں پر ایک شخص نے اعتراض کیا تو انھوں نے اس سے کہا کہ 'آپ تعلیم یافتہ اور صاحب حیثیت ہیں تو کیا آپ کی شادی سید لڑکی سے ہو سکتی ہے؟ نہیں۔ آپ کے ساتھ اس کا نباہ ہو سکے گا۔'

لیکن انھوں نے خود اپنی اور اپنے خاندان کی کئی ایک لڑکیوں کی شادیاں ہم نسب ایسے لڑکوں سے کروائی ہے جو کسی طرح بھی ان کے ہم سر (Matching) نہیں ہیں۔ اسی نابرابری کی وجہ سے بعض شادیوں میں دراڑیں پڑنی شروع ہوگئی ہیں۔ بلکہ ان کے خاندان کے ایک صاحب کو پچھتاوا ہے کہ انھوں نے وہاں کیوں شادی کی؟

ایک تعلیمی ادارہ میں جماعت اسلامی کے ایک اور عالم دین رکن ہیں۔ وہ ذات پات پر مبنی مروجہ وفقہی کفو کی حمایت میں کہنے لگے کہ 'یہ ضروری ہے۔ کیا ہم گائے کو بھینسا اور بھینس کو سانڈھ کے ساتھ باندھ دیں گے؟'

خود میرے بہت سے دوست جن کا تعلق جماعت اسلامی گھرانوں سے تھا، حتی کہ جماعت اسلامی کی طلبہ ونگ ایس آئی او (اسٹوڈینٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا) کے ممبران تک مزعومہ رذیل اقوام کو گالیاں دیتے اور ان پر گندے گندے چٹکلے بناتے تھے۔

میں نے یوپی کے ایک شہر میں جماعت کے ایک رکن کو دیکھا کہ ان کی لڑکی کا نکاح شادی کی عمر نکل جانے کے بعد ہوئی، وجہ یہ تھی کہ وقت پر ان کو خود ساختہ شرفاء سے تعلق رکھنے والا کوئی لڑکا نہ مل سکا۔

ایک شخص جو نہ صرف عالم دین، رکن جماعت اسلامی ہیں بلکہ ان کی تعلیم و تربیت مولانا مودودی نے کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن انصاری [پرتاپ گڑھ یوپی] سابق رکن جماعت اسلامی ہند کی تعلیم و تربیت اسی رکن صاحب نے کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن انصاری ذات، بارات اور جہیز کو نظر انداز کر کے

اسلامی طور طریقہ کے مطابق شادی بیاہ کرواتے ہیں۔ مولانا مودودی سے تربیت یافتہ رکن جماعت کی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لیکچرر لڑکی کی شادی صرف اس لیے نہیں ہو پا رہی تھی کہ ان کو اپنی برادری اور مزعومہ طبقہ اشراف میں رشتہ نہیں مل پا رہا تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر عبدالرحمٰن انصاری سے رشتہ کی بابت کہا۔ جب انہوں نے ایک غیر برادری کے لڑکے کا رشتہ بتایا تو مولانا مودودی سے تربیت یافتہ رکن جماعت نے جواب دیا کہ 'ہم لوگ ابھی اتنے گئے گذرے نہیں ہیں کہ دوسری برادری [مزعومہ چھوٹی ذات] میں شادی کر لیں'۔ آج کی تاریخ میں ان کی لڑکی ۵۵ سال کی ہوگئی لیکن اس کی شادی نہ ہوئی۔

دہلی کے اندر ایک رکن جماعت کی دو لڑکیاں صرف اس لئے کنواری بوڑھی ہوگئیں کہ ان کو ہم نسب سید یا مفروضہ طبقہ شرفاء سے تعلق رکھنے والے لڑکے نہ مل سکے۔ ایک لڑکی کی تو اسی غم میں برین ہمبرج کی وجہ سے موت بھی ہوگئی۔

ماہ اگست ۲۰۰۶ء میں، میں جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ گیا تھا۔ میرے ایک استاد نے مجھے بتایا کہ 'پچھلے سال نومبر ۲۰۰۵ء میں جماعت اسلامی نے اعظم گڑھ میں ایک کانفرنس کی تھی۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگ جامعۃ الفلاح بھی تشریف لائے تھے، ان میں سے ایک رکن جماعت اسلامی نے دو ارکان جماعت اسلامی سے کہا کہ میرے لڑکے کے لئے لڑکی تلاش کر دیجئے۔ کسی بھی برادری کی ہو، مجھے منظور ہے، لیکن چھوٹی ذات کی نہ ہو، انھوں نے پوچھا کہ چھوٹی برادری سے مراد کیا ہے تو ان کا جواب تھا کہ 'جولاہا، دھنیا، کنجڑا، قصائی وغیرہ نہ ہو، حالانکہ جن دونوں ارکان سے انھوں نے لڑکی تلاش کرنے کے لئے کہا ان کا تعلق انہی ذاتوں سے تھا جن کو ان صاحب نے چھوٹی ذات کہا تھا۔

بندی کلاں مئوناتھ بھنجن مئو یوپی کے باشندہ جناب عبداللہ دانش کے ساتھ ان کا پورا گھرانہ مشرف بہ اسلام ہوا ہے۔ انھوں نے اپنی تعلیم یافتہ بھانجی کا رشتہ تلاش کرنے کے لیے ایک رکن جماعت اسلامی سے کہا تو انہوں نے ایک نومسلم کا رشتہ بتایا۔ ان کی نیت معلوم نہیں کہ کیا تھی، لیکن ہوسکتا ہے کہ مروجہ فقہی کفو میں نومسلم کو نومسلم کا ہی کفو کہا گیا ہے۔ اس لیے انہوں نے صرف نومسلم کا رشتہ بتایا۔

بعدہ بندی گھاٹ کے باشندہ مولانا ندیم فلاحی (جن کا جماعت اسلامی سے دور تک کا رشتہ بھی نہیں ہے) نے بذات خود عبداللہ صاحب کی بھانجی کے لیے رشتہ بھیجا۔ جب اس کی اطلاع ایک رکن جماعت اسلامی [جو نہ صرف عالم دین ہیں بلکہ ایک مسلم ملک کے ریڈیو اسٹیشن میں اسلامی خدمت بھی انجام دیتے ہیں] کو ہوئی تو انہوں نے فلاحی صاحب سے کہا کہ اس نومسلم سے شادی مت کرو، تمہارا فیصلہ جذباتی ہے۔ جب فلاحی صاحب نے ان کے مشورہ کو رد کر دیا تو وہ رکن صاحب فلاحی صاحب کے والد کے

پاس گئے، جب وہاں بھی ناکامی ہوئی تو پھر فلاحی صاحب کے پاس آئے لیکن اس بار بھی وہ کامیاب نہ ہوسکے۔

جب فلاحی صاحب کے ایک دوست نے ایک دوسرے رکن جماعت سے کہا کہ آپ کی جماعت کے لوگ اس اس طرح کی حرکت کرتے [یعنی نومسلمہ سے شادی کرنے سے روکتے] ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ'ہاں پرانے اثرات تو باقی رہتے ہیں'۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ الہ آباد یوپی کی دو تعلیم یافتہ برہمن لڑکیوں نے اسلام قبول کیا تو جماعت اسلامی کے ایک رکن نے فوراً دونوں کی شادیاں کروادیں۔ان میں سے ایک لڑکے کا تعلق تو جماعت اسلامی گھرانے سے ہی ہے۔ آج کل دونوں لڑکیاں ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر،، نئی دہلی میں مقیم ہیں۔

نومسلم تو یہ لڑکیاں بھی ہیں اور عبداللہ صاحب کی بھانجی بھی۔ لیکن دونوں کے معاملے میں ارکان جماعت اسلامی کا رویہ دو طرح کا کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ آخر الذکر دونوں لڑکیاں برہمن [مزعومہ اعلی ذات] ہیں اور اول الذکر غیر برہمن ہیں۔

جامعۃ الفلاح کے ایک طالب علم جوایس آئی او کے ممبر بھی ہیں نے مجھے بتایا کہ ضلع بنارس کے رکن جماعت اسلامی کو ان کے لڑکے کی بدچلنی کے متعلق بتایا اور اصلاح کرنے کی گذارش کی، تو وہ آپے سے باہر ہوگئے اور کہا کہ'**وہ شیخ ذات کا بچہ ہے شیخ ہی رہے گا، ہیرا کو گندے نالے میں بھی ڈالو تو ہو ہیرا ہی رہے گا**۔' اب اس لڑکے کوایس آئی او کا ایسوشی ایٹ (Associate) بنایا گیا ہے۔

ہندستان کی دوسری جگہوں سے صرف نظر کرکے جب مرکز جماعت دہلی پر نظر ڈالتے ہیں تو یہاں بھی بہت بڑے بڑے حامیان ذات پات کو پاتے ہیں۔

''زندگی نو'' اگست ۲۰۰۰ء میں میرا ایک مقالہ ''فلسفہ ذات پات اور بعض علمائے دیوبند'' شائع ہوا تھا۔اس کے رد میں ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی، سابق سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز جماعت اسلامی ہند نے ''زندگی نو'' اکتوبر ۲۰۰۰ء کے شمارہ میں نہایت تیز وتند لب ولہجہ میں خط لکھا۔اس میں میرے سلسلہ میں غیر علمی زبان تو استعمال کیا ہی ساتھ ہی ساتھ اس دور کے ایک بڑے محدث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کو صرف ان کے انصاری ہونے کی وجہ سے ان کے نام کے ساتھ مولانا تک نہیں لگایا صرف 'حبیب الرحمٰن اعظمی' لکھا۔ مگر اپنے ایک غیر معروف رشتہ دار جناب ''شاہ نور'' صاحب کے نام کے ساتھ'رحمۃ اللہ علیہ' تک لگایا، موصوف نے جس زمانہ میں یہ مراسلہ لکھا تھا اس وقت وہ مرکز جماعت میں تھے، لیکن معلوم نہیں کن اسباب کی وجہ سے مرکز جماعت کا پتہ نہ دے کر اپنے وطن

ٹانڈہ یوپی کا پتہ دیا۔

جامعۃ الفلاح میں ۲۵-۲۷ فروری ۲۰۰۵ء کو منعقد ایک بین الاقوامی سیمینار ''دعوت اسلامی اور مدارس دینیہ'' کے اندر میں نے ایک مقالہ ''ہندستانی علماء کا نظریہ ذات پات: دعوت اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ'' پڑھا۔ اس پر سبحانی صاحب نے سخت لہجوں میں اعتراض کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہماری [اشراف کی] زمینداری ختم ہو جانے کے بعد ہم لوگ فقیر ہو گئے ہیں۔ اب ذات پات کا وجود نہیں ہے۔ ہم لوگ ملت کو جوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن مسعود عالم صاحبزادے نے ایک مقالہ پڑھا ہے جو امت کو تقسیم کرنے والا ہے۔ ایک لڑکے کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔'

سبحانی صاحب کے بھائی جناب سید زبیر احمد۔ جن کا شہر ٹانڈہ یوپی میں نشاط پریس ہے۔ نے سابق رکن جماعت ڈاکٹر عبدالرحمٰن انصاری سے کہا کہ 'میری خواہش ہے کہ آپ کی شادی میری بھتیجی، فاطمہ بنت ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی سے ہو'۔ انصاری صاحب نے ان کو جواب دیا کہ 'اگر آپ چاہ رہے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے'۔ مگر جب سبحانی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے بھائی سے لڑ پڑے کہ '**آپ میری لڑکی کی شادی جلاہے سے کرانا چاہتے ہیں**'۔ ان کے بھائی سبحانی صاحب کے غیر اسلامی حرکت اور غیر اسلامی ذہنیت سے کافی دل آزردہ ہوئے اور ان سے کہا کہ 'آپ نے ایک ایسی غیر اسلامی بات کہی ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے، لہذا آج اور ابھی ہماری جائداد تقسیم کر دیں۔ نیز آج کے بعد سے آپ اور آپ کی اہلیہ مجھ سے اور نہ ہی میرے گھر کے کسی فرد سے بات چیت کریں۔ اسی وقت ساری جائداد تقسیم ہوگئی اور قطع کلام کا سلسلہ ایک لمبے عرصہ تک جاری رہا۔

مولانا ''سید جلال الدین انصر عمری نائب امیر جماعت اسلامی، شیخ الجامعہ (V.C.) جامعۃ الفلاح، اساسی ممبر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا جماعت اسلامی کے انگریزی ترجمان ریڈینس (Radiance) ۲۳-مارچ ۱۹۹۷ء میں نکاح پر ایک انٹرویو شائع ہوا تھا۔ مولانا موصوف ایک جگہ فرماتے ہیں:

> "There is a possibility that a girl out of her ignorance or immaturity, may fall prey to a Ghair kuf (some one below one's status in terms of casts, family or occupation). In that case the Wali has the right to stop the Nikah by proving the spouse a Ghair kuf."

> ''اس بات کا امکان ہے کہ لڑکی اپنی ناواقفیت اور غیر پختگی کے سبب کسی غیر کفو (کوئی شخص کسی سے نسب، خاندان اور پیشہ کے لحاظ سے نیچا ہو، وہ غیر کفو کہلاتا ہے) سے شادی

کر لے۔ اس صورت میں ولی کو اختیار ہے کہ وہ شوہر کو غیر کفو ثابت کر کے اس نکاح کو رکوا دے۔"

مولانا آگے کہتے ہیں:

"It should also be understood that Nikah done with a Ghair kuf is not long-lasting and the Wali can get it nullified by moving Darul Qadha with subtantial proof."

"یہ بات بھی سمجھی جانی چاہیے کہ غیر کفو میں نکاح زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہتا ہے اور ولی دار القضا میں ٹھوس ثبوت پیش کر کے اسے کالعدم کروا سکتا ہے۔"

مزید فرماتے ہیں:

"It is also possible that the girl is tied with a Ghair kuf because of parents' lust for pelf. similarly to think that "later" the girl will accept that boy is also incorrect. This tendency has to be curbed."

"اس بات کا بھی امکان ہے کہ پیسہ کی ہوس کے سبب والدین لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر دیں۔ اس طرح یہ سوچنا کہ بعد میں لڑکی اس لڑکے [شوہر] کو قبول کر لے گی۔ یہ بھی غلط ہے، یہ رجحان بند ہونا چاہیے۔"

مولانا کا رد کرتے ہوئے مدراس کے وی۔ ایم۔ خلیل الرحمٰن صاحب نے ریڈینس ۸-۱۴/ جون ۱۹۹۷ء میں ایک مضمون لکھا۔ ان کے مضمون کے فوراً بعد دوسرے صفحہ پر مولانا عمری صاحب کا جواب بھی شائع ہوا۔ اوپر گذر چکا ہے کہ جب مولانا مودودی کے ذات پات پر مبنی نظریہ کفو پر تنقید ہوئی تو انہوں نے اپنے دفاع میں ذات پات پر مبنی فقہاء کی آراء پیش کر دیں۔ ٹھیک اسی طرح مولانا عمری صاحب نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"Here lies the importance of Kufu (equality of status in terms of ancestry, financial stability, occupation etc.). If a woman marries a man of equal status, no one has any right to object to it.

The letterwriter seems to take Kufu an inequality while the fact is that therein lies solution for certain social complications. Islamic juristis (fuqaha) beloning to all schools of thought ate agreed upon the wisdom of

Kufu."

''یہاں کفو (نسب، مالداری، پیشہ وغیرہ میں برابری) کی اہمیت کا مسئلہ ہے، اگر ایک عورت اپنے کفو میں شادی کرتی ہے تو کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں ہے۔

مراسلہ نگار [وی ایم خلیل الرحمٰن] کفو کو اونچ نیچ سمجھتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں خاص سماجی پیچیدگیوں کا حل ہے۔ تمام مکاتب فکر کے اسلامی فقہاء کفو کی مصلحت پر متفق ہیں۔''

مولانا نے آگے فقہاء کے امور کفاءت نسب، تقوی، مال، پیشہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے پھر لکھا ہے:

"Since these factors do matter in the matrimonial life of spouses, jurists are of the opinon that if a girl marries, on her own accord, with a man of Ghair Kufu (a man lower is status than hers or her relatiues') her Wali (guardian) has the right to object to the marriage and get it annulled."

''یہ عناصر زوجین کی ازواجی زندگی میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ فقہاء کا کہنا ہے کہ اگر کوئی خاتون بذات خود غیر کفو (ایک آدمی جو اس سے اور اس کے رشتہ داروں سے معیار میں کم ہو) سے شادی کر لے تو اس کے ولی کو اس نکاح پر اعتراض اور فسخ کرانے کا حق ہے۔''

مولانا نے جامعۃ الفلاح کے مذکورہ بالا سیمینار میں مقالہ پڑھنے کے دوران ہی مداخلت کر کے مجھے ڈسٹرب (Disturb) کیا۔ جب مقالات کی طباعت کا مرحلہ آیا تو انھوں نے پوری کوشش کی کہ میرا مقالہ شامل نہ کیا جائے۔ میری کوشش سے وہ مقالہ تو شائع ہوا لیکن ہندستانی علماء کے سلسلہ میں تمام باتوں کو حذف کر کے۔ جب میں نے مولانا عمری صاحب اور سبحانی صاحب کی ان باتوں کے سلسلہ میں جماعت کے ایک بڑے رکن سے کہا تو انھوں نے کہا کہ چونکہ دونوں حضرات کے اندر سیدیت کا خمار ہے۔ لہٰذا اس طرح کی بات کر رہے ہیں۔

مولانا ابوالبقاء صدیقی ندوی ناظم جامعۃ الفلاح اور جناب عبداللہ دانش [جن کا پورا گھرانہ مشرف بہ اسلام ہوا ہے] مولانا عمری سے ملاقات کے لئے گئے۔ مولانا عمری نے عبداللہ دانش صاحب سے پوچھا کہ 'آج کل آپ کا کیا مشغلہ ہے؟' انھوں نے جواب دیا کہ 'میں آج کل ایک کتاب ''مسلم معاشرے میں برادری واد'' لکھ رہا ہوں'۔ مولانا یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گئے اور کہا کہ 'آپ لوگ کیا کیا کرتے رہتے ہیں، ذات کا اثر ہوتا ہے۔ آپ ایک غریب سے غریب سید کے گھر چلے جائیں تو وہ آپ کو

بڑی عزت واحترام سے دسترخوان پر کھانا کھلائے گا، لیکن اگر کسی کڑوڑ پتی قصائی کے یہاں جائیں تو وہ آپ کو زمین پر اکڑوں بیٹھا کر کھانا کھلائے گا۔"

مولانا ندوی نے مولانا عمری کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے ان کا رد کیا۔

ایک مرتبہ اشوک سنگل نے کہہ دیا تھا کہ 'ہندوستان میں ذات پات اور چھوت چھات اسلام اور مسلمانوں کی پیداوار ہے' تو جناب سید انتظار نعیم اسسٹنٹ سکریٹری جماعت اسلامی ہند، ڈائریکٹر ریڈینس اور نگراں مدھر سندیش سنگم نے ان کے رد میں ایک ضخیم کتاب ''دلت سمسیا جڑ میں کون؟'' (ہندی) لکھ ڈالی۔ ۲۰۰۵ء میں سونامی متاثرہ علاقوں میں دلتوں کو دوسرے ہندؤں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے نہیں دیا جارہا تھا تو اس کے خلاف بھی انھوں نے خوب زور قلم دکھائی۔ لیکن مسلمانوں میں موجود ذات پات کے سلسلہ میں لکھنا تو دور، وہ اس کے وجود کو نہیں تسلیم کرتے ہیں۔

''زندگی نو'' کے ایک مراسلہ نگار ڈاکٹر عبدالقیوم دسمبر ۲۰۰۳ء [صفحہ ۷۷-۷۸] کے شمارہ میں لکھتے ہیں:

> ''......دہلی میں ہی ایک صاحب اور ہیں جن کا شمار نام نہاد مسلم دانشوروں (So-called intellectuals) میں ہوتا ہے۔ کوئی بھاجپائی اگر کہہ دے کہ اسلام میں بھی ذات پات ہے تو وہ اس کے رد میں کتاب تک لکھ ڈالتے ہیں، لیکن خود کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی برادری ''ملک'' کو سادات سے بھی افضل بتاتے ہیں اور دوسروں کی تحقیر کرنے میں ذرا بھی نہیں چوکتے ہیں۔''

مراسلہ نگار نے نام تو کسی کا نہیں لیا ہے، لیکن انداز کلام اور واقعات سے یہ بات پوری طرح جناب انتظار نعیم پر ہی صادق آتی ہے۔

موصوف ۲۰۰۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مشاعرہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اتفاق سے ان کی مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ لوگوں نے ان سے میرا تعارف کرا دیا۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ میں ہی مسعود عالم فلاحی ہوں جو ذات پات کے خلاف لکھتا ہوں تو وہ آپے سے باہر ہوگئے اور کہنے لگے کہ 'آپ ان مضامین کے ذریعہ کہاں پہونچنا چاہتے ہیں۔؟' 'مسلمانوں میں ذات پات نہیں ہے۔'

میرے ایک قریبی تعلقاتی مرکزی مکتبہ اسلامی کے پروف لیڈر مولانا عبدالحی صدیقی فلاحی جو نہ خود بلکہ ان کا پورا گھرانہ حتی کہ پورا خاندان جماعت اسلامی یا ایسی تنظیموں سے جڑا ہوا ہے جو خلافت لانے کی دعویدار ہیں۔ انھوں نے بارہا مجھ سے کہا کہ 'چھوٹی ذات کے لوگ دِکھتے ہی لگ جاتے ہیں کہ

چھوٹی ذات کے ہیں۔' موصوف پس کردہ برادریوں کے خلاف اس طرح نفرت کا برتاؤ کرتے ہیں۔لیکن بلریا گنج اعظم گڑھ جہاں جامعۃ الفلاح واقع ہے، میں کوئی [حتی کہ ان کے اصل وطن دربھنگہ، مدھوبنی، بہار کے بعض حضرات جو اس علاقہ میں رہتے ہیں] انہیں شیخ ذات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔سب لوگ ان کو'جولاہا' ہی سمجھتے اور کہتے ہیں۔ بلکہ اس علاقہ کے بعض طلباء جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی میں راقم کے پاس ان کی ذات معلوم کرنے آئے کہ وہ لوگ ان کو جولاہا جانتے ہیں دراصل وہ ہیں کیا۔؟

ان حضرات کے علاوہ مرکز جماعت اسلامی کے بہت سے دوسرے ملازمین سے واقف ہوں جو ذات پات کے قائل ہیں۔

جماعت کے بہت سے لوگ ''دعوت'' میں اپنے بچوں اور بچیوں کے لئے ضرورت رشتہ کا اشتہار شائع کراتے ہیں تو لڑکا،لڑکے کے ڈاکٹر، انجینئر، ایم. بی. اے. تاجر اور برسر روزگار ہونے کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں، لیکن لڑکے یا لڑکی دیندار بھی ہو اس کا تذکرہ نہیں کرتے ہیں، ثبوت کے لئے ''دعوت ۲۸ر ستمبر ۲۰۰۴ء، ۱۰ر فروری ۲۰۰۶ء، ۲۲ر مئی ۲۰۰۶ء کے شمارے دیکھے جا سکتے ہیں۔

میں نے اشاعت اسلام کے پیش نظر دو کتابیں ''ہندستان میں ذات پات اور مسلمان'' اور ''مسئلہ کفاءت یعنی شادی بیاہ میں ذات پات کے اعتبار کی حقیقت'' لکھی ہیں۔ان کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے محترم جناب فضل الرحمٰن فریدی فاروقی، رکن مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند و مدیر ''زندگی نو'' نئی دہلی، ترجمان جماعت اسلامی نے انھیں ''زندگی نو'' میں قسط وار شائع کیا تھا، جس پر جماعت کے متعدد لوگوں کی طرف سے ان پر کافی دباؤ ڈالا گیا، جس کی وجہ سے انھیں میری کتاب کی چھٹویں قسط جولائی ۲۰۰۱ء میں شائع کرنے کے بعد بقیہ قسطیں روک دینی پڑیں۔

فروری ۲۰۰۳ء میں انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ 'بعض حقیقی اسلام پسندوں کی خواہش ہے کہ آپ کی کتابیں شائع کی جائیں، لہٰذا مجھے اول الذکر کتاب دیدیں، میں اسے جماعت کے مرکزی مکتبہ سے شائع کراؤں گا۔فریدی صاحب کے علاوہ متعدد ناشرین نے مجھ سے رابطہ کیا تھا، مگر چونکہ میں فریدی صاحب اور ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری صاحب امیر جماعت اسلامی کی ان کے علم و فضل کی وجہ سے کافی عزت کرتا ہوں، لہٰذا میں نے فریدی صاحب کو ہاں کہہ دیا۔لیکن چونکہ اس وقت میرا امتحان جاری تھا، لہٰذا میں نے فریدی صاحب سے کہا کہ ابھی امتحان کی وجہ سے کتاب پر نظر ثانی نہیں کر سکتا، تو انھوں نے کہا کہ ''زندگی نو'' میں شائع شدہ مضامین کا فوٹو اسٹیٹ مجھے دیدیں اور ایک خط بھی ساتھ میں منسلک کر دیں کہ آپ اس پر نظر ثانی بعد میں کریں گے۔آپ کی کتاب قطار میں لگ جائے گی اور مارچ ۲۰۰۳ء میں اس

کے لئے فنڈ پاس ہو جائے گا'' میں نے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ۷/فروری ۲۰۰۳ء کو مضامین کا فوٹو کاپی اور خط ان کے حوالہ کر دیا۔ انھوں نے میرے خط پر یہ نوٹ لگایا:

''یہ کتاب وقت کی ارجنٹ ضرورت ہے، اس لئے ممکنہ عجلت سے کام لیا جائے تو بہتر ہوگا۔''

پھر ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری ڈائرکٹر تصنیفی اکیڈمی مرکزی مکتبہ اسلامی (جو اس وقت امیر جماعت نہیں تھے) کو لکھا کہ:

''برادر محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس خط کو نظر انداز کر دیجئے، یہ خط میری فرمائش پر لکھا گیا ہے۔ اس کتاب کو میں بالاستیعاب دیکھ چکا ہوں۔ اگر آپ ضروری سمجھیں تو اسے Process میں ڈال دیں۔ اور اگر کسی کو دکھانا ہو تو وہ بھی کہہ دیں۔ Final Approval (فائنل منظوری) کے بعد اسے مصنف ایک بار پھر دیکھ لیں گے۔

فقط والسلام

فضل الرحمن فریدی

۲۰۰۳/۲/۸ء

انصاری صاحب نے فریدی صاحب کو جواب دیا کہ:

''بردار محترم! ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی صاحب

[السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ]

آپ نے کتاب بغور دیکھ لیا ہے اور آپ کو پسند ہے۔ اس سے بھی اتفاق ہے کہ وقت کے ایک اہم موضوع پر ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میں جو تاریخی مواد ہے اس پر کوئی تاریخ داں نظر ڈال لے۔ آپ ڈاکٹر ظفر الاسلام یا ڈاکٹر اشتیاق ظلی جن سے آپ کے زیادہ تر تعلقات ہیں بات کر لیں اور ان میں سے کوئی اس کو دیکھ لے تو بہتر ہوگا۔ مصنف کو آخر میں کتاب پر نظر ثانی تو کرنی ہوگی۔

عبدالحق

۲۰۰۳/۲/۲۴ء

بعدہ فریدی صاحب نے مجھے مسودہ نظر ثانی کے لئے واپس کر دیا۔ میں نے نظر ثانی کے بعد اسے ان کے حوالہ کر دیا۔

فریدی صاحب نے اس کتاب کو دو دو بار بغور پڑھا اور دونوں بار مجھ سے ترمیمات کرانے کے علاوہ انہوں نے خود بھی ترمیمات کیں۔ بعدہ امیر جماعت کو اس کتاب کے سلسلہ میں ''زندگی نو'' کے لیٹر پیڈ پر مندرجہ ذیل خط لکھا:

''باسمہ تعالیٰ

سر سید نگر

علی گڑھ

۲/۲/۲۰۰۶ء

محترم امیر جماعت اسلامی ہند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی فرمائش کے بموجب میں نے جناب مسعود عالم فلاحی کی تصنیف ہندوستان میں ذات پات اور مسلمان کا بغور تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ اس تصنیف کے بیشتر حصے زندگی نو میں شائع ہو چکے تھے۔ ان مضامین کو کتابی شکل میں منتقل کرنے کے دوران مصنف نے اہم حذف واضافے کئے ہیں، لہٰذا میں اس کتاب کو از سر نو پورے اہتمام سے دیکھا ہے۔

میری رائے میں اس کتاب کا موضوع انتہائی اہمیت کا حامل ہے اور طرز بیان بھی عالمانہ اور تجزیاتی ہے، ملت کی اصلاح کے پیش نظر اس طرح کے امور پر پردہ ڈالنا غیر معمولی نقصان کا باعث ہوگا۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ زمانے کے گذر جانے کے بعد بھی ذات پات کی تفریق مسلمان عوام اور خواص میں اب بھی موجود ہے۔ ذات پات کی تفریق اسلام کی اشاعت کی راہ میں سنگین رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے صاحب تصنیف کو انھوں نے پوری جانفشانی سے اس نظام ذات پات پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس تصنیف کی زبان صاف ستھری ہے، طنز وتشنیع سے پاک ہے اور کسی گروہ یا شخصیت کی کردار کشی سے احتراز کرتی ہے۔

میں نے اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ موصوف غیر ضروری تنقید سے دامن پاک رکھیں۔ موصوف نے میری تمام گذارشات کا لحاظ کیا ہے۔

اس لئے میری شفارش ہے کہ اس کتاب کو مرکزی مکتبہ اسلامی سے ضرور شائع کیا جائے۔ یہ ایک بروقت اور اہم اضافہ ہوگا۔ اور اسلام کے دامن سے ذات پات کے دھبوں کو دھونے میں مدد دے گا۔ اشاعت اسلام کی راہ میں خود ساختہ رکاوٹوں کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ میری گذارش ہے کہ فائل پریس میں جانے سے قبل اس کو مجھے ایک بار پھر دیکھنے کا موقع دیا جائے۔

فقط والسلام

آپ کا رفیق کار

فضل الرحمٰن فریدی۔''

فریدی صاحب کی شفارشی خط کے بعد امیر جماعت نے مرکزی مکتبہ اسلامی کے منیجر 'سید' عتیق الرب صاحب کو تحریری اور زبانی دونوں طرح حکم دیا کہ اس کتاب کو شائع کردیں۔ اس کی کتابت بھی مکمل ہوگئی، فریدی صاحب نے فائنل پریس میں جانے سے قبل اسے دیکھنے کے بعد ۴/اپریل ۲۰۰۶ء کو اس کا مقدمہ بھی لکھ دیا۔

لیکن جماعت اسلامی کے جو لوگ اور ذمہ داران ذات پات کے حامی ہیں، انہوں نے ذات پات پرمبنی اپنے مفادات کی بقاء کی خاطر امیر جماعت محترم ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری اور محترم فضل الرحمٰن فریدی صاحبان پر دباؤ ڈال کر کر کتاب کو رکوا دیا۔ اس کو رکھوانے کے واسطے چار اشخاص نے ہراول دستہ کا کام کیا مثلاً جناب سید اعجاز احمد اسلم [رکن شوری، سکریٹری و مدیر جماعت اسلامی انگریزی ترجمان، ریڈینس]، جناب سید عتیق الرب [رکن جماعت اسلامی و منیجر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز] جناب ڈاکٹر سید تابش مہدی [رکن جماعت اسلامی، مدیر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز] اور مولانا محی الدین غازی عثمانی فلاحی [سابق ایس آئی او جنرل سکریٹری و مدیر ایس آئی او ترجمان رفیق منزل، موجودہ مدیر جماعت اسلامی عربی ترجمان ''النشرۃ''] جناب ڈاکٹر سید محمد تابش مہدی نے کتاب کے مواد تک لیک (Leak) کر دیا۔ انہوں نے کوئی پہلی بار جرم نہیں کیا ہے، بلکہ جماعت اسلامی کے غیر رسمی مدرسہ جامعۃ الفلاح سے ایک جرم کی پاداش میں نکالے جاچکے ہیں، اس کے بعد جماعت اسلامی نے ان کو مرکزی مکتبہ کا مدیر بنایا۔ کتاب کو رکوانے کے واسطے منصور عالم، D-162، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی کے نام سے تمام ذمہ داران جماعت کو خط بھیجا گیا۔ امیر جماعت نے اس شخص کو خط لکھا کہ جماعت اسلامی کے ایکسپرٹ جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی نے اس کتاب کے متعلق اچھی رائے دی ہے، تو آپ بتائیں کہ جماعت اسلامی یہ

کتاب کیوں نہ شائع کرے۔ انہوں نے فریدی صاحب کا خط بھی اپنے خط کے ساتھ منسلک کر دیا۔ جب ان کا آدمی مذکورہ بالا پتہ پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس جگہ پر منصور عالم نام کا کوئی شخص نہیں رہتا ہے۔

بعدہ ۲۷/ اپریل ۲۰۰۶ء کو مجھے مرکز جماعت اسلامی ہند بلایا گیا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی، ڈاکٹر محمد رفعت (رکن تصنیفی اکیڈمی مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز و رکن مجلس شوریٰ جماعت اسلامی) اور ڈاکٹر نصرت اللہ آفندی (اسسٹینٹ سکریٹری، تصنیفی اکیڈمی مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز) صاحبان کے ساتھ میری ایک طویل میٹنگ ہوئی۔ ذمہ داران جماعت کے نمائندہ آفندی صاحب نے مجھ سے کہا کہ:

'مسعود صاحب! آپ کی کتاب میں کوئی بات بھی غلط نہیں ہے، جو بات بھی آپ نے کہی ہے اس کے حوالے دیئے ہیں۔ مسلم سماج میں ذات پات کی لعنت اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا کہ آپ نے بیان کیا ہے۔ لیکن آپ نے علماء کرام اور ان کے نظریۂ ذات پات کا ذکر کیا ہے، آپ نے مولانا سید نظام الدین جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ [جناب سید عتیق الرب کے رشتہ دار] کا بھی ذکر کیا ہے۔ اگر آپ علماء کے نام اور ان کے نظریۂ ذات پات کو حذف کر دیں تو اس کی اشاعت مرکزی مکتبہ سے ہوگی ورنہ ہم اسے کسی دوسری جگہ سے شائع کر دیں گے۔'

جماعت اسلامی اپنے دستور میں دفعہ ۳ کی شق ۶ میں لکھتی ہے کہ:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے۔"

ایک طرف جماعت اسلامی اور اس کے ذمہ داران صحابہؓ تک پر بھی تنقید کو جائز سمجھتے ہیں، لیکن دوسری جانب ذات پات کو ہوا دینے والے علماء پر علمی تنقید کو بھی برداشت نہیں کر رہے ہیں، اسے مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں، ایسا وہ کیوں کر رہے ہیں اس کا جواب جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے ڈاکٹر عبدالکریم خان کے مراسلہ میں موجود ہے۔ قومی آواز نئی دہلی ۱۸/ نومبر ۲۰۰۶ء میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"...میں شروع سے جماعت کے ہمدردان میں سے تھا، جماعت کے ذمہ داران سے میں کافی متاثر تھا۔ خاص طور سے جناب سید اعجاز اسلم سے۔ ریڈینس میں ان کے اداریے کلمات کو میں حرف بحرف پڑھتا تھا۔ مسعود عالم فلاحی کی کتاب رو کے جانے سے میں کافی دکھی تھا اور ہوں۔ اسی دوران میں مرکز جماعت اسلامی گیا، وہیں اعجاز اسلم صاحب سے

ملاقات ہوئی، میں نے ان سے عرض کیا کہ میں نے زندگی نو میں مسعود عالم فلاحی کے مقالات پڑھے تھے، اصلاح معاشرہ اور اشاعت اسلام کے لحاظ سے کافی اہم تھے۔ ان کی کتاب کو شائع ہونا چاہیے تھا۔ میری گذارش سن کر انہوں نے برجستہ کہا: **"کیا آپ بھی چھوٹی ذات کے ہیں کہ اس کتاب کی حمایت کر رہے ہیں؟"** ان کی بات سے مجھے مزید صدمہ پہنچا اور میں نے جماعت اسلامی سے مکمل طور سے قطع تعلق کر لیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح راہ دکھائے۔ آمین۔"

کتاب کے مرکزی مکتبہ سے نہ شائع ہونے کا اندازہ پہلے سے ہی تجربہ کار لوگوں کو تھا۔ جب میں نے سپریم کورٹ کے ایک سینئر وکیل جناب عنایت اللہ کو بتایا کہ میری کتاب جماعت اسلامی شائع کر رہی ہے تو وہ تعجب میں پڑ گئے اور کہا کہ:

"مسعود صاحب یہ ناممکن ہے کہ جماعت اسلامی آپ کی کتاب شائع کرے، جماعت کے مرکز میں تو 'منووادی لوگ' بیٹھے ہوئے ہیں، یہ میں نہیں بلکہ میرا اپچاس سالہ تجربہ بول رہا ہے۔"

کتاب کی اشاعت کے متعلق جب میں نے ڈاکٹر سید انور عالم پاشا لیکچرر شعبہ اردو جواہر لال نہرو یونیورسٹی کو بتایا تو انھوں نے بھی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کہ

'جماعت اسلامی نے کبھی بھی ذات پات کی مخالفت نہیں کی تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس طرح کی کتاب شائع کرے۔'

میں نے دونوں حضرات سے کہا کہ فریدی صاحب صالح، نیک انسان ہیں، وہ ذات پات کے حامی نہیں ہیں، انہی کی وجہ سے یہ کتاب وہاں سے شائع ہو رہی ہے، کتاب روک دیئے جانے کے بعد دونوں حضرات نے کہا کہ 'میں نے آپ سے کہا نہیں تھا؟ کہ جماعت اسلامی آپ کی کتاب نہیں شائع کر سکتی ہے۔'

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی مولانا مودودی، مولانا سلطان احمد اصلاحی کی ذات پات سے بھری ہوئی کتابیں شائع کرتی ہے تو کسی کو کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوتی ہے، لیکن ذات پات مخالف ایک کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں اتنا ہنگامہ کیوں ہوا؟۔ اگر یہ لوگ اتنے ہی اچھے ہیں جتنا کہ زبانی دعویٰ کرتے ہیں تو ذات پات پر مبنی کتابیں اور ذات پات پر مبنی ضرورت رشتہ کے اشتہارات کو کیوں نہیں بند کرواتے ہیں؟ اس کا جواب جناب سید محمد جعفر صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ جماعت مشورہ سے ایسی چیزیں شائع کرتی ہے، جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے اندر اس قدر ذات پرست لوگ ہیں تو جماعت کی مجلس شوریٰ جو جماعت کی ریڑھ کی ہڈی (Back Bone) ہوتی ہے، اس کے فیصلے کے مطابق ہی جماعت کام کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ نے ذات پات کی مخالفت کی بات کہی ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ چنانچہ جماعت نے اپنی مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۵-۲۳ مئی ۱۹۶۸ء میں جو قرارداد یں پاس کیں ان میں یہ شقیں بھی تھیں۔

> "**مسلم عوام**......۴- معاشرتی اونچ نیچ ختم کرنا۔ غیر مسلموں میں دعوتی کام...... چھوت چھات، ذات پات، نسل پرستی، لسانی اور صوبائی تعصبات [ختم کرنا]......۲- پسماندہ اور مفلوک الحال لوگوں کو سماجی و معاشی اعتبار سے اونچا اٹھانے کی اجتماعی کوشش۔" (۲۸۰)

۱۵-۱۷ جون ۱۹۷۲ء کو منعقد مجلس شوریٰ میں چہار سالہ میقاتی پروگرام ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۶ء طے ہوا۔ اس پالیسی اور پروگرام میں جہاں دوسرے بہت سے نکات تھے وہاں یہ بھی تھے:

> "**جماعت اسلامی ہند کی پالیسی**......پسماندہ طبقات کو اونچا اٹھانا......توحید اور وحدت بنی آدم کے تصور سے پیدا ہونے والے انسانی مساوات و بھائی چارہ...... کے تحفظ کے لئے رائے عامہ کے ساتھ لینے اور زیادہ سے زیادہ افراد اور جماعتوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔......
>
> **مسلمانوں میں عام کام**......اونچ نیچ......شادی بیاہ اور دیگر مواقع سے متعلق غیر اسلامی اور مسرفانہ رسوم جیسی برائیوں سے ان کی زندگیاں پاک ہو جائیں۔" (۲۸۱)

جماعت کے چہار سالہ میقاتی پروگرام اپریل ۱۹۹۹ء تا مارچ ۲۰۰۳ء اور اپریل ۲۰۰۳ء تا مارچ ۲۰۰۷ء میں ملکی مسائل کے ضمن میں یہ شقیں پائی جاتی ہیں۔

> "**سماجی مسائل**......۲- جماعت ملک میں پسماندہ طبقات و برادریوں کے ساتھ ناروا سلوک اور ظلم و تعدی کی مخالفت کرے گی۔ انھیں اوپر اٹھانے اور عزت و شرف کا مقام دلانے کی جدوجہد کرے گی اور اس سلسلہ کی مثبت کوششوں کی تائید و حمایت کرے گی۔
>
> **سیاسی مسائل**۔۱- جماعت ملک کی سیاست میں ذات برادری کے امتیازات، فرقہ پرستی، طبقاتی مفادات......کی پرزور مخالفت کرے گی۔" (۲۸۲)

دستور جماعت اسلامی ہند میں بھی بعض اسی طرح کی باتیں ہیں:

دعوت اور ریڈینس میں ذات پات پر مبنی شائع ہونے والے اشتہارات کے متعلق بات کرنے

کے واسطے میں جناب سید جعفر صاحب کے پاس گیا تھا، ان کا اس کے بارے میں جو جواب تھا اس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ میں نے ان کی بات کو کتاب وسنت کی روشنی میں رد کرتے ہوئے ذات پات پر مبنی مروجہ وفقہی کفو کے سلسلہ میں جماعت کا نظریہ معلوم کیا تو موصوف نے جواب میں جو عبارت املا (Dictate) کروائی وہ اس طرح ہے:

''کفو کے سلسلہ میں ہمارا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ فریقین کے مابین عقیدے کی ہم آہنگی ہو اور مزاج ومعاشرت میں بھی ہم آہنگی پائی جاتی ہو تا کہ رشتے مستحکم طور سے استوار ہوں۔ ذات برادری کو کفو میں لازمی طور سے شامل کرنا اصولاً ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔''

یہاں یہ واضح رہے کہ مذکورہ بالا اعلانات اور محترم قیم جماعت کا زبانی بیان صرف زبانی جمع خرچی ہے۔ ان کا بیان صرف مبانی ہے، جماعت کے لٹریچر اور پروگرام پالیسی میں تحریری طور سے کہیں موجود نہیں ہے۔ بلکہ جماعت کا اخبار ''دعوت'' اور رسالہ ''ریڈینس'' ذات پات پر مبنی ضرورت رشتہ کے اشتہارات شائع کرتے ہیں، جماعت کا ادارہ مرکزی مکتبہ اسلامی ذات پات سے بھری کتابیں شائع کرتا ہے۔ ان چیزوں کے متعلق خود قیم جماعت جناب سید محمد جعفر صاحب ''اللہ کی پکار'' جولائی ٦ ۲۰۰ء صفحہ ۱۰۰ پر لکھتے ہیں کہ:

''جو لوگ جماعت سے واقف ہیں، انھیں یہ بات معلوم ہے کہ جماعت کا نظام شورائی ہے اور تمام اہم کام مشورے سے طے پاتے ہیں، تقسیم کار کا اصول بھی یہاں کارفرما ہے۔ چنانچہ کتب کی اشاعت کے فیصلے کا بھی ایک نظم ہے۔ تصنیفی اکیڈمی یہ فریضہ انجام دیتی ہے۔ محترم امیر جماعت اس کے ایک ڈائرکٹر ہیں اور بالعموم اکیڈمی کے فیصلے کے بعد ہی کتب برائے اشاعت مکتبے کے حوالے کی جاتی ہیں، اِلّا یہ کہ نظم جماعت کی ضرورت کے پیش نظر کسی کتاب یا کتابچہ کی اشاعت شعبۂ تنظیم کرانا طے کرے تو وہ راست امیر جماعت یا قیم جماعت کی ہدایت کے تحت مکتبے کو ارسال کی جاتی ہیں۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذات پات پر مبنی تمام کتابوں کی اشاعت اور دعوت وریڈینس میں شائع ہونے والے ذات پات پر مبنی ضرورت رشتہ کے اشتہارات جماعت کے اجتماعی اور جماعتی فیصلے سے شائع ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جماعت جس طرح ہفتہ تعارف قرآن، ہفتہ دعوت اسلام وغیرہ کا پروگرام ملکی سطح پر منعقد کرتی ہے، اس کے لئے شہر شہر، قریہ قریہ اور محلّہ محلّہ جا کر تقریر کرتی ہے

اس طرح سے آج تک ذات پات، اونچ نیچ اور اس پر مبنی مروجہ وفقہی کفو کو ہدف بنا کر اس کے خلاف کوئی پروگرام کیا ہو، اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ ایسا نہ کرنے کی توضیح کرتے ہوئے سید محمد جعفر صاحب نے جو عبارت املا کروائی وہ اس طرح ہے:

''جہاں تک [ذات پات مخالف] مہم کا تعلق ہے، ہم نے ذات برادری کے سلسلہ میں براہ راست کوئی مہم نہیں چلائی، البتہ شادی بیاہ کو اسلامی ڈھنگ سے چلانے اور اس میں رسوم [رسم] و رواج وغیرہ سے اجتناب کرنے کے سلسلہ میں معاشرتی اصلاح کے ذیل میں مہم چلائی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہمارے بڑے پروگراموں، اجتماعات وغیرہ میں ذات برادری کے مروجہ خیالات کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو بطور خاص اصلاح کرنے کی طرف متوجہ کیا جاتا رہا ہے۔''

لیکن جب ہم ۱۸-۲۰ رنومبر ۲۰۰۵ء میں شہر اعظم گڑھ یوپی کے اندر منعقد جماعت کے ایک ایک بڑے پروگرام کی رپورٹ راشٹریہ اردو، نئی دہلی، ۱۱ رنومبر ۲۰۰۵ء میں صفحہ ۵ پر پڑھتے ہیں تو ان کی بات پروگرام کی رپورٹ سے متضاد پاتے ہیں۔ اخبار لکھتا ہے کہ:

''سیمینار میں آریہ سماج کے صدر سوامی اگنی دیش نے جماعت اسلامی کے ''سماجی انصاف اور بھائی چارہ کیوں اور کیسے'' عنوان پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سماج میں ذات پات، اونچ نیچ کی تفریق برقرار ہے، اسے دور کرنے کے لئے ہمیں یہ تفریق مٹانی ہوگی، انھوں نے کہا کہ سماج میں دلتوں کو سماجک مساوات کا حق نہیں مل رہا ہے کیوں کہ وہ اپنی لڑائی ٹھیک سے نہیں لڑ پا رہے ہیں۔ ڈاکٹر سندیپ پانڈے نے کہا کہ جب تک ہم عالمی نظام کے جال سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کریں گے۔ تب تک سماجی مساوات کی بات کرنا فضول ہے۔''

یعنی ہندوؤں نے ذات پات کی مخالفت کی لیکن جماعت اسلامی نے نہیں۔ حکومت ہند نے اپریل ۲۰۰۶ء میں اعلان کیا کہ تمام اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پسماندہ برادریوں کو داخلہ میں ۲۷ فیصد ریزرویشن دیا جائے گا۔ اس اعلان کی وجہ سے ملک بھر میں کافی احتجاج ہوا۔ جناب سید محمد جعفر صاحب نے ہندو پس کردہ طبقات کے ریزرویشن کی حمایت کی لیکن پس کردہ مسلم برادریوں کے ریزرویشن کی مخالفت کی، اور کہا کہ تمام مسلمانوں (مفروضہ طبقہ اشراف) کو ریزرویشن ملنا چاہئے۔

آفندی صاحب اسسٹینٹ سکریٹری جماعت اسلامی کے دستخط سے ۱۷ رمئی ۲۰۰۶ء کو جماعت کے ویب سائٹ www.jamaateislamihind.org/press,html. پر جو پریس

ریلیز جاری ہوا وہ اس طرح ہے:

"Mr. Jafar Sb. made it clear that so far reservation for Muslims is concerned, it wold be better to have the economic critera for the deserving section of the Muslim society as there is no room for caste based criteria in Islmic Society."

اس کا اردو ترجمہ آفندی صاحب کے دستخط سے اسی تاریخ کو جو جاری ہوا جس کی نقل میرے پاس بھی ہے وہ یہ تھا:

''اپنے بیان کے آخر میں قیم جماعت [سید محمد جعفر] نے فرمایا کہ مسلمانوں میں چونکہ ذات پات کا کوئی مقام نہیں ہے، لہٰذا مسلمانوں کو تعلیمی اور معاشی پسماندگی کی بنیاد پر ان کی آبادی کے تناسب سے ریزرویشن فراہم کیا جائے۔''

انگریزی پریس ریلیز تو ویب سائٹ پر ہے لیکن اردو نہیں، حالانکہ اس کے علاوہ دوسرے بہت سے اردو پریس ریلیز ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

یہاں پر انہوں نے الفاظ کے پھیر بدل کے ذریعہ انتہائی ہوشیاری سے اپنی بات رکھی ہے۔ یہ بات قطعاً غلط ہے کہ مسلمانوں میں ذات پات کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اگر ان کے پریس ریلیز کے اردو ترجمہ سے صرف نظر کر کے انگریزی پریس ریلیز کو ہی دیکھیں جس میں مسلمان کے بجائے Islamic Socity (اسلامی سماج) کے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے کہ ''اسلامی سماج میں ذات پات پر مبنی معیار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' تو بھی غیر مناسب ہے۔ حکومت اس لئے ریزرویشن نہیں دے رہی ہے کہ کسی مذہب اور اس کے مذہبی سماج میں ذات پات ہے یا نہیں، بلکہ اس لئے دے رہی ہے کہ سماج میں کچھ برادریوں کو صدیوں سے ان کے لوگوں نے ہی دبا کر رکھا، ان کو نیچا سمجھا، ان کی پسماندگی خود ان کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور کے سبب ہے۔

اور جہاں تک 'اسلامی سماج' کا سوال ہے تو خلافت راشدہ کے بعد (اور بعض مواقع پر خود خلافت راشدہ میں بھی) آج تک کہیں اس کا وجود نہیں ہے، حتی کہ مرکز جماعت اسلامی میں بھی ''اسلامی سماج'' کا وجود نہیں ہے۔

انہوں نے ایک اور لفظ کی پھیر بدل کی ہے کہ مسلمانوں کو ریزرویشن ملنا چاہئے۔ یہاں پر 'مسلمان' سے ان کی مراد مزعومہ اشراف ہیں، کیوں کہ ۸۵٪ پس کردہ مسلمانوں کو ۱۹۹۰ء سے ریزرویشن

مل رہا ہے، ظاہری بات ہے کہ اگر وہ براہ راست 'اشراف' کا لفظ استعمال کرتے تو معمولی پڑھا لکھا انسان بھی ان کا مقصد سمجھ لیتا، اسی لئے انھوں نے 'مسلمان' لفظ کا استعمال کیا ہے۔ دوسرے مسلم لیڈران بھی مفروضہ شرفاء کے ریزرویشن کے لئے 'مسلمان' لفظ کا ہی استعمال کرتے ہیں۔

جماعت کا انگریزی ترجمان ریڈینس ۱۱-۱۷ رجون ۲۰۰۶ء کے اداریہ میں اس کے مدیر جناب سید اعجاز احمد اسلم صاحب (رکن مجلس شوریٰ، سکریٹری جماعت اسلامی) نے مسلم پس کردہ برادریوں ہی نہیں بلکہ ہندو پسماندہ برادریوں تک کے ریزرویشن کی مخالفت کی اور اسے معاشی بنیاد پر دیئے جانے کا مطالبہ کیا۔

آل انڈیا پسماندہ مسلم محاذ کے صدر جناب علی انور ۲۰۰۵ء میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی تشریف لائے تھے۔ انھوں نے میرے اور متعدد لوگوں کے سامنے کہا کہ 'وہ جب دسمبر ۲۰۰۴ء میں گاندھی میدان پٹنہ کے اندر پسماندہ مسلم سماج کے فلاح و بہبود کے لئے ریلی کا انعقاد کر رہے تھے اور اس واسطے دورہ کر رہے تھے تو جہاں جہاں وہ جاتے تھے وہاں وہاں جماعت اسلامی کے لوگ جاکر پسماندہ مسلمانوں کو بھڑکاتے تھے کہ علی انور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال رہا ہے، اس پروگرام میں شرکت مت کرو۔'

جب پس کردہ مسلمانوں کو ترقی کی مخالفت جماعت اس طرح کر رہی ہے تو وہ کون سی جادوئی چھڑی اور لائحہ عمل ہے جس کے ذریعہ جماعت ان کی ترقی کرائے گی اور انھیں سماج میں یکساں اور عزت کا مقام دلائے گی؟

جماعت اسلامی کے اندر اسی ذات پات کی چلن کی وجہ سے اس کے بہت سے ارکان اپنی ذاتیں تبدیل کر کے مزعومہ بڑی ذاتوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ اوپر ڈاکٹر تابش مہدی کی تبدیلی ذات کا ذکر آچکا ہے۔ میرے علم میں مزید دو اعلیٰ عہدہ یافتہ ارکان جماعت ہیں جنھوں نے اپنی ذات شاہ (فقیر) تبدیل کر کے اپنے کو سید کہنا شروع کر دیا ہے۔

دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے ذات پات کے حامی لوگ پس کردہ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی عزت نہیں کرتے ہیں۔ اوپر جماعت اسلامی کے ایک رکن کے ذریعہ ایک تعلیمی ادارہ کے صدر مدرس کی تحقیر کا ذکر آچکا ہے۔ خود میری کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں موجودہ امیر جماعت اسلامی انصاری صاحب کے حکم کی جس طرح اور جس بے ڈھنگے، سازشی طریقے سے خلاف ورزی کی گئی، ان پر دباؤ ڈال کر کتاب رکوادی گئی وہ تو ظاہر ہو چکا ہے۔ اتنا ہی نہیں ان کے یہاں کا معمولی عہدہ پر فائز ملازم بھی ان کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

میرے ایک قریبی تعلقاتی مولانا نسیم الرحمٰن صدیقی فلاحی سابق رکن ایس آئی او، پروف ریڈر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز سے ذات پات کے سلسلہ میں میری گفتگو ہو رہی تھی۔ دوران گفتگو انصاری صاحب کا نام بھی بطور مثال آ گیا، تو انھوں نے برجستہ کہا کہ

'ہم نے ان کو امیر بنا دیا ہے تو کیا ہوا، وہ جولاہا ہیں، لہٰذا اپنی حیثیت میں رہیں اور اپنے آپ کو ہم سے نیچا سمجھیں۔'

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جماعت میں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو ذات پات کو نہیں مانتی ہے اور اس کی مخالفت کرتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی فاروقی (علی گڑھ) پروفیسر محمد ادریس (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) ڈاکٹر محمد رضی الاسلام خاں ندوی (ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ) ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی (امریکہ) مولانا محمد صغیر صدیقی اصلاحی مرحوم اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد طاہر صدیقی مدنی (جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ)، مولانا حکیم محمد ایوب خان ندوی مرحوم (بلریا گنج)، مولانا سید حامد علی مرحوم (دہلی) جناب سید تفضل حسین (ممبئی) جناب عبد اللطیف خان (اناؤ، یوپی) وغیرہ خود فریدی صاحب سے دعوت اور ریڈینس میں ذات پات پر مبنی شائع ہونے والے اشتہارات کے بارے میں میری بات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ 'ہمیں اس کا علم نہیں تھا، ہم اس پر نظر ثانی کریں گے۔' (۲۸۳)

میں نے مولانا سلطان احمد اصلاحی رکن جماعت اسلامی کے متعلق جو کچھ اوپر لکھا ہے ان کو دکھایا تو انھوں نے بڑی وسیع القلبی سے اسے سراہا اور کہا کہ 'آپ نے تو میرے اقتباسات نقل کئے ہیں لہٰذا جو غلطیاں ہیں آپ اسے لکھیں، غلطیاں سامنے آنی چاہیے۔' (۲۸۴)

ان حضرات کے علاوہ دوسرے بعض ارکان جماعت سے ملا تو انھوں نے ذات پات کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ ہمارے عقیدے کے خلاف ہے اور جہاں تک بات مولانا مودودی کی ہے تو وہ کوئی نبی نہیں ہیں کہ ان کی ساری بات مان لی جائے گی۔ وہ ان کی اپنی رائے ہے نہ کہ ہماری۔ (۲۸۵)

جماعت عالمی اخوت کی بات کرتی ہے اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جماعت ذات پات کو نہیں مانتی ہوگی، دوسری بات یہ ہے کہ جماعت میں متعدد مسالک کے ماننے والے ہیں، لہٰذا تمام افراد پر یہ حکم لگانا کہ وہ ذات پات کے قائل ہیں ناانصافی ہوگی۔

جناب سید اعجاز اسلم، جناب سید عتیق الرب، جناب ڈاکٹر سید تابش مہدی اور جناب مولانا محی الدین غازی عثمانی فلاحی جیسے ذات پات کے حامی لوگ نہ صرف جماعت میں موجود ہیں، بلکہ گروہ بندی کر کے جماعت پر قابض بھی ہیں۔ وہ جس طرح چاہ رہے ہیں جماعت کا رخ موڑ رہے ہیں اور اس

کے موقف کی اپنی مرضی کے مطابق تاویل وتشریح کر رہے ہیں جس کی وجہ سے جماعت کا چہرہ ذات پات کی لعنت سے داغدار دکھتا ہے۔

جماعت اسلامی ہند نے یکم دسمبر تا ۱۰ دسمبر ۲۰۰۶ء کو ایک مہم ''اسلامی خاندان مہم'' منائی ہے۔ اس کے اندر ذات پات کو بھی شامل کیا ہے۔ شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند نے اس سلسلہ میں دو کتابچے، ریاض احمد: کفو، برادری واد اور اسلام (صفحات ۲۴)، ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی: رشتے کا انتخاب کیسے کریں؟ (صفحات ۲۰) شائع کیا ہے۔ مجموعی طور سے دونوں کتابچے بہت عمدہ ہیں، بلکہ اول الذکر کے صفحات ۹ تا ۲۴ راقم کے مضمون ''مسئلہ کفاءت'' سے ماخوذ ہیں، جن کا حوالہ خود مصنف نے صفحہ ۹ پر ان الفاظ میں دیا ہے کہ:

> ''...اختصار کے ساتھ ان احادیث اور دلائل کا جائزہ ملاحظہ ہو جن سے فقہاء کفاءت کے مسئلے میں استدلال کرتے ہیں۔ یہ جائزہ مولانا مسعود عالم فلاحی صاحب کے مضمون ''مسئلہ کفاءت'' سے ماخوذ ہے جو زندگی [نو] ستمبر اور نومبر ۲۰۰۲ء اور فروری اور مارچ [اپریل] ۲۰۰۳ء اور جولائی ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئے ہیں، تفصیل وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔''

لیکن اس کے صفحہ ۳ اور ثانی الذکر صفحات ۱۵-۱۶ پر خود ساختہ 'نباہ' کی بنیاد پر کچھ ایسی باتیں بھی آ گئی ہیں جو ذات پات کے حامی لوگوں کی ذہنیت کو تقویت پہونچائے گی، کیوں کہ حامی ذات پات لوگ تو تحفظ ذات پات کے لیے اپنی اسی خود ساختہ 'نباہ' کو دلیل بناتے ہیں۔ مگر وہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ کی اعلانیہ اظہار ناپسندیدگی کے باوجود حضرت زینبؓ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے کروائی۔ مہم شروع ہونے سے قبل ہی میں نے بذریعہ فون ڈاکٹر محمد رفعت [رکن مجلس شوری جماعت اسلامی ہند] اور ڈاکٹر نصرت اللہ افندی [اسسٹنٹ سکریٹری جماعت اسلامی ہند] کو اس خامی کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

بہر حال جماعت نے جو قدم اٹھایا ہے وہ قابل ستائش ہے، لیکن اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے اخبار ورسائل خصوصاً دعوت اور ریڈینس میں ذات پات پر مبنی ضرورت رشتہ کے اشتہارات نہ شائع کرے، نہ ہی ذات پات کو تقویت پہنچانے والی کتابوں کی اشاعت کرے، پس کردہ مسلم برادریوں کے ریزرویشن کی مخالفت نہ کرے، نیز اپنے آپ کو اپنے ایسے ارکان وملازمین سے تطہیر کرے جو ذات پات کے حامی ہیں، اگر جماعت ایسا کرتی ہے تو اسکی یہ مہم نہ صرف کامیاب ہوگی بلکہ کسی کو یہ کہنے کا حق بھی نہ رہے گا کہ جماعت کی مہم صرف ایک سیاسی کھیل تھی جو وقت اور حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر

اٹھائی گئی۔ ان باتوں میں سے کتنے پر جماعت نے عمل کیا ہے مجھے اس کا علم نہیں ہے لیکن دعوت میں ذات پات پر مبنی اشتہارات کا چھپنا بند نہیں ہوا ہے۔ ثبوت کے لیے ۱۳ر جنوری ۲۰۰۷ء کا شمارہ دیکھا جا سکتا ہے۔

علمائے اہل حدیث

علامہ سید میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی

اہل حدیث عالم دین علامہ سید میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی ۱۹۰۲ء۔ ۱۸۰۵ء بہت ہی اعلیٰ درجے کے عالم اور محدث گذرے ہیں۔ ان کے علمی کارناموں کی وجہ سے انھیں شیخ الکل فی الکل کہا جاتا ہے۔ ان سے مروجہ فقہی کفو کے متعلق پوچھا گیا تو ان کا جواب تھا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کمسن دختر کی جس کی عمر تقریباً ساڑھے پانچ برس ہوگی [کا]، ایک شخص مسمی فقیر محمد پسر شیخ امام الدین پوسٹ ماسٹر سکنہ ڈیسہ سے بعوض ایک سو پانچ روپیہ مہر کے نکاح کیا، اس امر کو تو عرصہ ڈیڑھ سال کا گذرا، اب دختر زید مذکور کی عمر سات سال کی ہے لیکن قبل ازیں نکاح مسمی مذکور کی قومیت اور چال چلن کی بہت تعریف کی، بلکہ مبالغہ کیا اور ظاہراً وہ لوگ معلوم بھی ایسے [ہی] ہوتے تھے، یعنی تمام لوگ عمدہ [عمدہ] عہدہ داری پر مامور ہیں۔ مگر اس شخص نے خود بھی اپنی نسبت بہت کہا اور کہلوایا اور سکونت خاص کا ثبوت احمد آباد [کا] دیا، مگر ایک چند عرصہ کے بعد اس شخص کی قومیت معلوم ہوئی کہ **ذات سے حجام ہے** اور ڈیسہ کا رہنے والا ہے، چناں چہ اس شخص نے ہر طرح سے جھوٹ بولا اور نیز دھوکا دیا۔ پس بعد نکاح کے اس **کا چلن نہایت خراب دیکھا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک عورت گوڈ مراہٹن اس کے گھر پر پڑی ہوئی ہے۔** غرض کہ زید مذکور نے اپنی دختر کو اکثر طلب کیا، لیکن مسمی مذکور نے لیت ولعل رکھا اور نہ بھیجا اور اب زید مذکور کو نہایت رنج گذر رہا ہے۔ کیوں کہ چال چلن اور ذات وصفات میں کہ جس قدر مبالغہ ہوا تھا غالباً اس سے دو چند فرق اور دروغ اور فریب ثابت ہوا۔ اب زید مذکور اپنی دختر کو اس کے شوہر سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے، بوجہ ان امورات مذکورہ کے، چناں چہ سائل امیدوار ہے کہ برائے مہربانی بتلائیے کہ زید مذکور کی دختر کی رہائی اس کے شوہر سے کس صورت سے ہوسکتی ہے واجب جان کر عرض کیا۔ بینوا توجروا۔

جواب: درصورتیکہ **ہم کفو** کی شرط ناکح سے ہوئی تھی وقت نکاح کے اور پھر بعد نکاح کے معلوم ہوا کہ ہم کفو نہیں ہے یعنی **وہ قوم کا نائی ہے تو ولی عورت کو فسخ کرنے نکاح [فسخ نکاح] کا اختیار ہے**؛ کیوں کہ شرط خلاف پائی گئی۔ اِذَاشَرَطُوا الْکَفَاءَۃَ اَوْ اَخْبَرَھُمْ بِھَا وَقْتَ الْعَقْدِ فَزَوَّجُوْھَا عَلٰی ذٰلِکَ ثُمَّ ظَھَرَاَنَّہٗ غَیْرُ کُفْوٍ کَانَ لَھُمُ الْخِیَارُ کَذَا فِی الدُّرِّ الْمُخْتَارِ وَغَیْرِہٖ مِنْ کُتُبِ الْفِقْہِ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ حَرَّرَہٗ السَّیِّدُ محمد نذیر حسین۔" (۲۸۶)

سوال: اگر کوئی **عورت خاندانی** بلا رضامندی وحیاء کے غیر قوم میں نکاح کرلے اور ننگ وعار تمام خاندان پر کچھ لحاظ نہ کرے اور اس کے ولی اس پر سخت ناراض ہوں، کیوں کہ عورت خاندان اہل علم ہے اور جس سے نکاح کیا ہے، **وہ نہایت ذلیل، جاہل اور غیر قوم ہے آیا یہ نکاح موجب فتویٰ شرع محمدی جائز ہے یا ناجائز بینوا توجرا۔**

جواب: بموجب روایت مفتی بہ یہ نکاح غیر کفو میں ناجائز اور بالکل باطل ہے۔...... درمختار باب الولی میں دیکھو، اور کفایہ اور فتاویٰ کافوری، تعلیق الانوار وطحطاوی وفتاویٰ عالمگیری وابو المکارم وشرح الیاس ومجمع البحرین وملتقی الابحر وغیرہ میں اس روایت پر فتویٰ لکھا ہے اور فتح القدیر اور موطا امام محمد میں اسی کو اختیار کیا ہے اور جو فقہاء نے لکھا ہے کہ عجم نے اپنے نسب ضائع کردیے ہیں، سو اس کا جواب حاشیہ ہدایہ اور زیلعی اور شامی میں لکھا ہے کہ مراد عجم سے موالی ہیں نہ مطلق سکان عجم۔ چناں چہ ماہر فقہ پر پوشیدہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔حررہ السید عبدالسلام غفرلہ۔

سید محمد نذیر حسین، سید ابوالحسن، سید عبدالسلام غفرلہ۔" (۲۸۷)

اول الذکر فتویٰ کی یہ تاویل کرنا کہ چوں کہ کفو (ذات) کی شرط لگائی گئی تھی، اس لیے سید صاحب نے فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے، مناسب نہیں لگتا ہے، کیوں کہ استفتاء میں صریح الفاظ میں شرط کفو کا ذکر نہیں ہے، دوسری چیز یہ ہے کہ سید صاحب یہ جانتے ہوئے بھی کہ کتاب وسنت میں ذات پات، اونچ نیچ پر مبنی مروجہ وفقہی مسئلہ کفو کا دور دور تک وجود نہیں (۲۸۸) اسے صحیح قرار دینے کے واسطے فقہ کا سہارا لیا۔ بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سائل نے "کفو" (ذات) کی شرط لگائی تھی، اس لیے سید صاحب نے اس طرح کا فتویٰ دیا ہے، تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کتاب وسنت میں ذات پات پر مبنی کفو کا وجود تک نہیں ہے تو کیا اس کی بنیاد پر فتویٰ دینا کتاب وسنت کی روشنی میں صحیح ہے؟

ان فتاویٰ کی یہ تاویل کرنا کہ دہلی اور ہندستان کے دوسرے علاقوں میں فرق ہے۔ دہلی کے اندر تمام لوگ اور علماء خواہ وہ کسی مسلک کے ہوں مل جل کر رہتے تھے اور آج بھی رہتے ہیں نیز علماء ہر شخص کے مسلک کا لحاظ کر کے اسی مسلک کے اعتبار سے فتویٰ دیتے تھے۔ چوں کہ سائل حنفی ہیں اس لیے سید صاحب نے ایسا فتویٰ دیا۔ مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اول تو مذکورہ بالا دونوں استفتاء میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ سائل حنفی ہیں یا حنفی مسلک کے مطابق فتویٰ پوچھ رہے ہیں، حالاں کہ سید صاحب سے پوچھے گئے دوسرے بعض استفتاء میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ ''حنفی مسلک کے مطابق جواب دیں'' مذکورہ بالا ثانی الذکر استفتاء میں تو سائل نے صریح الفاظ میں لکھا ہے'' آیا نکاح موجب فتویٰ شرع محمدی جائز ہے یا ناجائز'' یعنی سائل نے صرف کتاب وسنت کے مطابق فتویٰ پوچھا ہے نہ کہ فقہ اور بطور خاص فقہ حنفی کے مطابق۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ایک منٹ کے لیے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وہ سائل حنفی تھے اسی لیے اس طرح کے فتوے دیے گئے تو کیا قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بات درست ہے کہ دوسروں کی رعایت میں قرآن وسنت کے خلاف فتویٰ دیا جائے اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ اس طرح کے فتویٰ سے نہ صرف ایک شخص کا بلکہ ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کا سالوں سال تک نقصان ہوتا ہو اور ان کو برسہا برس تک رذیل اور نیچی ذات سمجھا جاتا ہو؟

سر سید احمد خاں اپنی وفات سے تین سال قبل ۱۸۹۵ء کے اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''میں نے وہابیوں [اہل حدیثوں] کی تین قسمیں قرار دی ہیں ایک **وہابی**، دوسرے **وہابی کریلا**، تیسرے **وہابی کریلا اور نیم چڑھا**۔ میں اپنے تئیں تیسری قسم قرار دیتا ہوں اور بجز حق، حق، حق جو میرے نزدیک ہو۔ ذرہ برابر دریغ نہیں کرتا...... جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی **نیم چڑھا وہابی** بنایا ہے۔ وہ **نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر اس کو سنت ہدی جانتے تھے**۔ میں نے عرض کیا کہ یہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں، لوگوں کے خیال میں اس کو نہیں کرتے۔ جناب ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جب یہ گفتگو ہوئی، میں نے سنا کہ میرے پاس سے اٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اس وقت سے **رفع یدین کرنے لگے۔ گو ان پر لوگوں نے بہت حملے کیے۔ مگر کلمۃ الحق ہمیشہ کلمۃ الحق ہے**۔'' (۲۸۹)

سید صاحب رفع الیدین نہیں کرتے تھے، لیکن بعد میں اس پر صرف اس لیے عمل کرنا شروع

کر دیا کہ اس کو وہ سنت ہدی سمجھتے تھے؛ لیکن معلوم نہیں کیوں **مروجہ وفقہی کفو کے سلسلہ میں انھوں نے کتاب وسنت کو چھوڑ کر فقہ کے سہارے ایک غلط فتویٰ دے دیا**؟ اگر وہ رفع یدین نہ کرتے تو صرف ان کا نقصان ہوتا کہ ایک سنت پر عمل نہ کیا؛ لیکن کفو کے سلسلہ میں ان کے فتوؤں سے نہ صرف ایک شخص کا بلکہ متعدد برادریوں کے لاکھوں، کروڑوں لوگوں کا نقصان ہوا۔ پتہ نہیں کب تک ان برادریوں کو رذیل ٹھہرانے اور سمجھنے کے لیے ان فتوؤں کا بھی سہارا لیا جاتا رہے گا۔ اور اس سے بھی بڑا نقصان ہوا کہ اسلام کی صورت تبدیل ہوگئی، لوگ ان فتوؤں کو پڑھ کر یہی سمجھیں گے کہ اسلام میں بھی برہمن واد اور منوواد ہے۔

اول الذکر دونوں استفتاء میں سائل نے شخص مذکور کی ذات برادری کے علاوہ اس کے چال چلن اور اس کے زانی ہونے اور نہایت ذلیل اور جاہل ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ سید صاحب نے جس طرح ایک فتویٰ۔ جس کا تذکرہ اوپر حاشیہ میں ہوا ہے، میں دین وتقویٰ میں کفاءت کی بنیاد پر نکاح کو باطل قرار دیا ہے، حالاں کہ **یہاں کفاءت فی الدین کی شرط بھی نہیں لگائی گئی تھی**، بلکہ ولی کو صرف اس کے **دیندار ہونے کا گمان تھا**۔ اول الذکر دونوں فتوؤں میں بھی کفاءت فی الدین کی بنیاد پر فسخ نکاح کا اختیار دے سکتے تھے، لیکن پتہ نہیں انھوں نے ذات برادری کو ہی فسخ نکاح کا مدار کیوں بنایا؟

مذکورہ بالا فتوؤں کی یہ تاویل کرنا کہ ہوسکتا ہے انھوں نے یہ فتویٰ اس وقت دئے ہوں جب وہ حنفی تھے۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو لیکن یہ بات وثوق کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی، کیوں کہ ان کے بعض دوسرے فتاوٰں پر تو تاریخ لکھی ہوئی ہے لیکن مذکورہ بالا فتوؤں پر تاریخ نہیں ہے۔ (۲۹۰)

علامہ سید نواب صدیق حسن خان بھوپالی

ایک دوسرے بڑے اہل حدیث عالم دین سید نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے ۱۱ر رمضان ۱۳۰۵ھ مطابق ۲۳ر مئی ۱۸۸۸ء کو ایک کتاب ''اختیار السعادۃ بایثار العلم علی العبادۃ'' لکھی تھی، اس کے صفحہ ۱۸ پر وہ رقم طراز ہیں کہ:

> ''ایک جولاہے کا ذکر ہے کہ اس نے ایک شیخ کے پاس چند روز بیٹھ کر کچھ الفاظ اصطلاحات قوم کے سیکھ لیے تھے۔ اس پر اس نے [اپنے] آپ کو بڑا عارف، ولی، واصل الی اللہ سمجھ لیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کو انتظار معراج کا ہوا، شیطان نے ولایت تو درکنار اصلی ایمان بھی اس بیوقوف کے پاس باقی نہ چھوڑا۔''

پاکستان کے ایک اہل حدیث عالم دین مولانا ابوشرحبیل نے ایک کتاب ''حلالہ کی چھری'' (مطبوعہ فروری ۲۰۰۴ء) لکھی ہے۔ وہ جگہ جگہ ''اے حنفیوں!'' ''اے مقلدوں!'' کے الفاظ

استعمال کر کے دیو بندی، بریلوی حضرات کو قرآن وحدیث کی دہائی دیتے ہیں؛ لیکن جہاں پر ذات پات اور اونچ نیچ کی بات آتی ہے تو وہ قرآن وحدیث پر مبنی مساوات انسانی کو بھول جاتے ہیں۔؛ چناں چہ وہ ''نکاح حلالہ'' اور ''نکاح'' میں فرق سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نکاح میں **ذات پات، ہنر، پیشہ، شکل وصورت،** علم دین سب کچھ دیکھا جاتا ہے اور اس [حلالہ] میں تو ان میں سے کسی چیز پر نظر ہی نہیں جاتی ہے کیوں کہ عورت جانتی ہے کہ **مجھے** تو اسے چاٹ کر چلا آنا ہے اور مرد جانتا ہے **مجھے** تو اسے جھونٹی کر کے چھوڑ دیتا ہے، **کانی ہو تو، اندھی ہو تو، چوہڑی اور چماڑی ہو تو، بدصورت ہو تو، فقیرنی ہو تو**...... حلالہ کرنے والے کو اس سے کوئی غرض نہیں، اسے تو صرف اس سے منھ کالا کرنا مقصود ہے۔'' (۲۹۱)

امیر امارت اہل حدیث پٹنہ مولانا سید عبدالسمیع جعفری

مشہور ہندی صحافی جناب علی انور اپنی کتاب ''مساوات کی جنگ۔ پس منظر بہار کے پسماندہ مسلمان'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: 'میر شکار ٹولہ پٹنہ کی جامع مسجد کے کئی سالوں سے صدر چلے آرہے جناب عبدالحی انصاری پکے اہل حدیث تھے۔ ایک وقت کی نماز انھوں نے ترک نہ کی، انتقال سے قبل چار سالوں تک بیمار رہنے کے باوجود انھوں نے نماز قضا نہ ہونے دی۔ بستر پر لیٹے لیٹے پانچوں وقت کی نماز ادا کرتے رہے۔ انتقال سے کچھ ہی دیر پہلے انھوں نے مغرب کی نماز پڑھی تھی۔ ۹۵ سال کی عمر میں یکم ستمبر ۱۹۹۵ء کی رات میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ۲ ستمبر ۱۹۹۵ء کو بارہ بجے دن میں ان کا جنازہ مسجد میں لایا گیا۔ اس جنازہ میں، میں [علی انور] بھی شامل تھا۔ نماز ظہر کے بعد امارت اہل حدیث کے امیر جناب مولانا سید عبدالسمیع جعفری سے کہا گیا کہ نماز جنازہ پڑھا دیں۔ تو انھوں نے جھنجھلا کر نماز جنازہ پڑھانے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ:

''یہ لوگ ہماری جھولی سے نکل گئے ہیں اب میں ان کا امیر نہیں ہوں۔''

جب جناب عبدالحی میاں کے صاحبزادے جناب عبدالمجیب انصاری نے نماز جنازہ پڑھانے کے لیے مولانا کی منت سماجت کی تو انھوں نے سوالیہ لہجے میں کہا کہ کیا آپ کے ابا نے اس نماز جنازہ کے لیے میرے نام کوئی وصیت کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں اس کے بعد ایک دوسرے مقتدی جناب مولانا عبدالاحد انصاری نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعدہ سارے لوگ میت کو دفن کرنے کے لیے بغل کے قبرستان میں چلے گئے اور مولانا سید عبدالسمیع جعفری صرف تنہا مسجد میں باقی رہ گئے۔ مولانا کے نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کی وجہ یہ تھی کہ جناب عبدالحی میاں انصاری کے صاحبزادے عبدالمجید

انصاری حال ہی میں بنی ''امارت اہل انصار'' کے کرتا دھرتا ہیں۔ اس دن مولانا سید عبدالسمیع جعفری نے بیٹے کا غصہ ان کے مرحوم باپ سے لیا۔' (۲۹۲)

اس واقعہ کی یہ تاویل کرنا کہ یہاں ذات پات کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ امارت کا مسئلہ ہے۔ مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ''امارت اہل انصار'' میں جانے کے بعد بھی وہ لوگ اہل حدیث اور امارت اہل حدیث ہی کے ماتحت تھے اور اسی بنا پر ہی انھوں نے مولانا سید عبدالسمیع جعفری سے نماز جنازہ پڑھانے کو کہا۔

امارت کے لیے رسہ کشی

آج کل اہل حدیث حضرات میں دو گروپ آپس میں معارض سمجھے جاتے ہیں۔ ایک گروہ خان برادری کا ہے اور دوسرا انصاری کا۔ دونوں ایک دوسرے سے مقابلہ میں ہیں۔ انصاری برادری کے بعض حضرات ریکشن میں آکر جو رویہ اپنا رہے ہیں اس کا تذکرہ آگے اس باب میں زیر عنوان: ''مفروضہ طبقۂ شرفاء کے خلاف تعصب'' آئے گا۔ ادھر دوسرے خان گروہ کے بعض حضرات بھی ہر طرح سے تعصب کا رویہ اپنا رہے ہیں۔ خان برادری سے تعلق رکھنے والے ایک اہل حدیث عالم دین...... کا کہنا ہے جب مولانا مختار احمد ندوی امیر جماعت بنے تو خان گروہ سر جوڑ کر بیٹھ گیا کہ آئندہ کس طرح اس برادری کو آگے آنے سے روکا جائے۔ میں بھی کنارے خاموشی سے یہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا رہا۔ ایک صاحب...... نے خان گروہ کو لعنت وملامت کرتے ہوئے کہا کہ

''جب آپس میں سر پھٹول کرو گے تو یہی ہوگا کہ ایک جولاہا امیر جماعت بنے گا۔''

اس اہل حدیث عالم دین کا کہنا ہے کہ 'یہ وہ لوگ ہیں جو سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید ہی نہیں؛ بلکہ صرف کتاب وسنت کے متبع ہونے کے دعوے دار ہیں اور ذہن میں خباثت بھری ہوئی ہے۔'

میں نے جمعیت اہلحدیث کے امیر کو لکھا تھا کہ:

> ''ہندستان کی مختلف اسلامی اور مذہبی تنظیموں مثلاً دیوبندی، بریلوی اور جماعت اسلامی وغیرہ کے آئڈیالاگ (Idealogue) کا کہنا ہے کہ خلیفہ ہونے کے لیے قریشی النسل یعنی سید، شیخ ہونا شرط ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان تنظیموں کے نزدیک شرعی اور جماعتی طور سے خلیفہ صرف قریشی النسل یعنی سید شیخ ہی ہوسکتا ہے۔
>
> اس سلسلہ میں جمعیت اہلحدیث کا شرعی اور جماعتی موقف کیا ہے؟ کیا یہ بھی شرعی اور جماعتی طور سے خلیفہ ہونے کے لیے قریشی النسل یعنی سید، شیخ کی شرط کو مانتی ہے؟''

امیر جماعت کے عدم موجودگی کی وجہ سے مولانا رضا اللہ عبدالکریم سلفی مدنی نائب ناظم جمعیت اہلحدیث نے جواب دیا جو اس طرح ہے:

''اپنے محدود مطالعہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ جماعت اہلحدیث ''الائمۃ من قریش'' کی بنیاد پر **خلافت کبریٰ کے لیے قریشی صحیح النسب کو راجح قرار دیتی ہے۔** اگر کوئی دوسری رائے عامہ یا اپنی قوت سے اس پر قبضہ کرے تو اس کے خلاف خروج کو غلط قرار دیتی ہے۔ بنیادی طور پر مسئلہ قدرے مختلف فیہ ہے۔''

حالانکہ یہ بات اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ جس کی تفصیلات اوپر آچکی ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ جمعیت اہلحدیث کے مرکز میں اب ایسے لوگوں کو رکھا جا رہا ہے۔ جو نہ صرف زبانی طور سے ذات پات کو ہوا دیتے ہیں بلکہ تحریری طور سے اس کے قائل ہیں۔ جیسے ایک اہلحدیث ادارہ سے فارغ اہلحدیث عالم مولانا شیش محمد ادریس صدیقی تیمی سابق ملازم جماعت اسلامی ہند لوگوں سے کہتے ہیں کہ میں شیخ ذات میں پیدا ہوا ہوں، یہ اللہ کا میرے اوپر فضل ہے کہ مجھے اونچی ذات میں پیدا کیا ہے، یہ صاحب ذات پات کے خلاف لکھنے والوں کو گندی گندی گالیاں تک دیتے ہیں۔ میں نے خود انہیں غیر حامیان ذات پات کو نام لے لے کر گالیاں دیتے سنا ہے۔ زندگی نو، جنوری ۲۰۰۲ء ص ۷۷ پر انہوں نے لکھا ہے۔

''حقیقت یہ ہے کہ اگر بزعم خویش اہل بیت سے تعلق رکھنے والے اور اعلیٰ نسب کہلانے والے بے جانبداری میں مبتلا ہیں تو انصار مدینہ سے نسبت خاص رکھنے والے بھی احساس کمتری کا شکار کم نہیں ہیں۔''

جس وقت انہوں نے یہ مراسلہ لکھا تھا اس وقت وہ جماعت اسلامی ہند کے مرکز دہلی میں نائب امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین انصر عمری کے معاون تھے، لیکن معلوم نہیں کیوں انہوں نے زندگی نو میں مرکز جماعت اسلامی ہند کا پتہ نہ دے کر اپنے وطن دربھنگہ بہار کا پتہ دیا۔

اس سال ان کو مرکز جمعیت اہلحدیث دہلی میں ملازم رکھا گیا ہے۔ یہاں آنے کے بعد انہوں نے ایک اہلحدیث رسالہ ''طوبیٰ'' اپریل ۲۰۰۶ء صفحہ ۴۸ پر بخاری کی ایک حدیث جس میں دینداری دیکھ کر شادی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نقل کرنے کے بعد لکھا:

''حدیث میں دین کو وجہ ترجیح دینے کے ساتھ ساتھ دیگر وجوہ انتخاب کی وضاحت کی گئی ہے۔ جس سے بہرحال اس بات کی گنجائش نکلتی ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں کی یہ خواہش کہ ان

کا ہونے والا شریک حیات **حسن وجمال سے آراستہ اور ہر طرح سے قابل قبول اور پسندیدہ خاطر ہو، و مالدار بھی ہو اور حسب ونسب میں بھی بلند مقام رکھتا ہو، کوئی معیوب اور ناپسندیدہ بات نہیں ہے**....' شریک حیات کے انتخاب میں ذات پات کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ **بہتر یہی ہے کہ شرعاً کفو کو ملحوظ رکھا جائے**۔ تاکہ نتیجہ کے طور پر ان گنت معاشرتی خرابیوں اور مسائل سے دوچار ہونا نہ پڑے۔ اگر ایک طرف حضرت زید سے سیدہ زینبؓ کا نکاح ایک حقیقت ہے تو چند دن بعد ہی واقعہ طلاق بھی دوسری تلخ حقیقت ہے، جس کا زمینی سطح پر انکار نہیں کیا جا سکتا۔ **تہذیب وثقافت اور زندگی گذارنے کا سلیقہ وراثتاً ملتا ہے**۔ سماجی نابرابری کی خلیج کو پاٹنے کے لیے اور بھی بہت سارے طریقے اپنائے جاسکتے ہیں جو کہ شرعاً وعرفاً قابل عمل ہیں۔"

حالانکہ کہ ان کی دونوں باتیں چاہے بخاری کی حدیث کے سلسلہ میں ہو خواہ حضرت زینبؓ کے واقعہ طلاق کے بارے میں صحیح نہیں ہیں۔ جس پر تفصیلی بحث باب دہم میں "ایک صحیح حدیث کی بھیانک تشریح" کے زیر عنوان آرہی ہے۔

میں نے جمعیت اہل حدیث کے بعض ذمہ داران سے بات کی کہ جب جمعیت اہلحدیث کتاب وسنت پر عمل کرنے اور ذات پات کو نہ ماننے کا دعویٰ کرتی ہے تو پھر حامیان ذات پات کو مرکز جمعیت اہلحدیث میں کیوں رکھا جا رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ذات پات کے سلسلہ میں موجودہ ذمہ داران جمعیت اہلحدیث میں سے ایک بڑے ذمہ دار کے بارے میں بھی لوگوں کا یہی مشاہدہ ہے۔ نیز وہ اس طرح کے لوگوں کو برادری اور علاقہ کے نام پر لا رہے ہیں تاکہ ان کا گروہ مضبوط ہو۔ مولانا شیش محمد ادریس صدیقی تیمی کو لانے میں ان کا ہی ہاتھ ہے۔ ان کو تو یہاں لایا ہی اس لیے گیا ہے کہ ان سے مراسلہ بازی اور ذات پات کی حمایت میں لکھوایا جا سکے۔

ذات برادری کی ماری کنواری بوڑھیاں

اہل حدیث حضرات کی اکثریت اپنی شادیاں مروجہ فقہی کفو کے مطابق اپنی ہی ذاتوں میں کرتی ہے۔ اس مرض میں نہ صرف عوام بلکہ علماء تک مبتلا ہیں۔ جمعیت اہل حدیث کے سابق امیر/صدر مولانا مختار احمد ندوی نے "البلاغ" اکتوبر ۲۰۰۰ء میں بہتے آنسوں کے تحت "ذات برادری کی ماری کنواری بوڑھیاں" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے انتہائی قریبی اور اعلیٰ پایہ کے اہل حدیث دوست کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی پہاڑ جیسی شخصیت تھی، ان کا گھرانا معزز تھا،

خاندانی وجاہت کچھ کم نہ تھی؛ لیکن ان کی دو صاحبزادیاں **ایک ۷۵ رسالہ اور دوسری ۶۸ سالہ** باوجود تعلیم یافتہ، شکل وصورت انتہائی پرکشش دیندار خوشحال اور عزت وشہرت کے کنواری بوڑھی ہوگئیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ صاحب علیہ الرحمہ تڑپ تڑپ کر رہ گئے؛ **لیکن ان کو اپنی برادری میں مناسب رشتہ نہ ملا۔** انھوں نے برادری کے واسطے اللہ اور اس کے رسول کے صریح احکامات کو ٹھکرا دیا۔ (۲۹۳)

ایک اور چوٹی کے اہل حدیث عالم دین ہیں جو ایک اہم عہدہ پر بھی ہیں۔ ان کے پاس متعدد لڑکیاں ہیں۔ **جن کی شادی کی عمریں نکل رہی ہیں، وہ ۳۵ سے ۴۰ سال کے درمیان ہیں؛** لیکن ان کی شادیاں صرف اس وجہ سے نہیں ہو پا رہی ہیں کہ **ان صاحب کو مناسب ہم نسب**...... **(مفروضہ طبقہ شرفاء کا) لڑکا نہیں مل پا رہا ہے۔** جب وہ گھر سے باہر جاتے ہیں تو گھر میں باہر سے قفل لگا کر جاتے ہیں لیکن......۔ (۲۹۴)

جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں راقم الحروف کے ایک اہلحدیث اور ایک اہلحدیث ادارہ جامعہ سلفیہ بنارس سے فارغ دوست ہیں۔ ان کا پورا گھرانہ اہلحدیث ہے۔ ایک بار ذات پات پر تنقید کرتے ہوئے بتانے لگے کہ میرا پورا گھرانہ اہل حدیث ہے۔ میرے چچازاد بھائی کا ایک **مسلم ملاح لڑکی سے معاشقہ چل رہا تھا، وہ انتہائی خوبصورت اور تعلیم یافتہ تھی۔** دونوں شادی کے لیے بضد تھے، **لیکن میرے چچا نے برادری کے فرق کی وجہ سے شادی کی اجازت نہیں دی۔ اس کے بعد لڑکی نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ ان کا گھرانہ اگرچہ پہلے مزعومہ طبقہ شرفاء سے تعلق رکھتا تھا؛ لیکن اب پس ماندہ طبقات کمیشن نے اسے او بی سی (OBC) میں شامل کر لیا ہے۔**

راقم الحروف کے ایک استاد نے ذات پات پر تنقید وتبصرہ کرتے ہوئے ایک مشہور اہل حدیث عالم دین کے متعلق بتایا کہ 'ان کی ایک صاحبزادی کے لیے رشتہ درکار تھا، وہ لوگ رشتہ کے لیے پریشان تھے۔ لڑکی کے برادر نسبتی (بہنوئی) نے مجھ سے کہا کہ کوئی اچھا لڑکا تلاش کیجیے۔ جب میں نے یونیورسٹی کے ایک ریسرچ اسکالر جس کا **تعلق منصوری (دھنیا) برادری** سے تھا کا نام پیش کیا تو وہ فرمانے لگے کہ ...... **صاحب آپ کو یہی رشتہ ملا تھا؟** تو میں نے کہا کہ کیا وہ "مسلمان نہیں ہے؟ آپ لکھ کر دیں کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ نہیں مسلمان تو ہے لیکن......'

ایک مشہور اہل حدیث عالم دین...... نے راقم الحروف کو بتایا کہ **ایک اہل حدیث صاحب نے اپنی بچی کی شادی ایک بدعتی اور قبر بجوا [قبر کے پجاری] لڑکے سے کی ہے؛ کیوں کہ وہ ان کی ذات کا تھا۔** ایک دن وہ صاحب میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ **مولانا! جو شخص امام کے پیچھے**

سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہمارے [اہل حدیث] علماء نے تو آپ کو یہی بتایا ہوگا، **لیکن یہ نہیں بتایا کہ "قبر پجوا" سے بیٹی بیاہنا حرام ہے۔** اگر نہیں بتایا تو میں بتا رہا ہوں کہ آپ کی لڑکی کا نکاح نہیں ہوا کیوں کہ آپ کا داماد۔ "قبوری" [قبر کا پجاری] ہے اس پر چادریں اور چڑھاوے چڑھاتا ہے ان سے منتیں مانگتا ہے۔ جا کر آپ نکاح فسخ کرائے۔ اس کے بعد وہ صاحب کبھی اس طرح کی باتیں نہیں کرتے ہیں۔

ایک صاحب حیثیت اور ذی علم اہل حدیث عالم دین کی صاحبزادی، ایک انصاری لڑکے سے نکاح کرنا چاہتی تھی۔ لیکن برادری کے فرق کی وجہ سے وہ صاحب راضی نہ ہوئے ان کی نظر میں وہ لڑکا رذیل ذات تھا۔ لیکن اب لڑکی نے ایک غیر مسلم...... لڑکے سے بیاہ کرلیا ہے۔

میرے سابق کلاس میٹ مولانا عزیز الرحمٰن فیضی [صاحب مکتبۃ الفہیم، مئوناتھ بھنجن یوپی] (جو مسلکاً اہلحدیث ہیں) نے ۱۵ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو اپنی دوکان پر ۸ بجے شب میں راقم کو بتایا کہ میں ابھی نیپال گیا تھا، وہاں کے ایک اہلحدیث مدرسہ کے ایک اہلحدیث عالم دین مدرس کے سلسلہ میں معلوم ہوا ان کا تعلق خان برادری سے ہے۔ غربت کی وجہ سے انہوں نے اپنی شادی ایک مشہور اہلحدیث انصاری گھرانہ میں کرلی۔ لیکن جب وہ مالی اعتبار سے مضبوط ہوگئے تو فیصلہ کیا کہ میں نے جو غلطی کی ہے اسے دوبارہ نہیں دہراؤں گا اور اپنے بیٹے کی شادی خان گھرانے میں ہی کروں گا۔ چنانچہ ایک اہلحدیث خان گھرانہ میں شادی طے ہوگئی۔ لیکن جب لڑکی والوں کو معلوم ہوا کہ لڑکے کی ماں انصاری ہے تو وہ ثالث (جس نے شادی لگائی تھی) کے پاس آئے اور ان کو خوب ڈانٹا کہ آپ نے دھوکہ دیا، آپ کو معلوم نہیں کہ لڑکے کی ماں جولاہن ہیں۔ جس خاندان میں سات پشتوں تک کہیں بھی نسلی خراش لگ جائے، وہاں ہم شادی نہیں کرتے ہیں، ہم لوگ اصلی خان ہیں، اور اس طرح وہ شادی کٹ گئی۔'

خود راقم الحروف نے اہل حدیثوں کی اکثریت کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی ہی برادریوں میں شادیاں کرتے ہیں، **خواہ سید ہوں خواہ انصاری چاہے کوئی اور۔**

خلافت کے مسئلہ کو استثناء کرکے دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلک اہل حدیث کے یہاں ذات پات اور اس پر مبنی مسئلہ کفو اصولاً، مسلکاً اور جماعتی طور سے نہیں ہے، اور نہ ہی اسے مذہبی تقدس حاصل۔ یہ صرف انفرادی رائیں ہیں نہ کہ مسلکی۔ یعنی اہل حدیث حضرات کے یہاں سماجی طور سے تو ذات پات موجود ہے۔ لیکن مسلکی طور سے نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسلک عامل قرآن وسنت کا

دعویدار ہے اور فقہ کو تیسرے درجہ پر رکھتا ہے نیز اندھی تقلید کا قائل نہیں ہے۔ اور جب فقہ کو قرآن وسنت کے مقابلہ میں کچھ اہمیت نہیں دیتا ہے اور نہ ہی اندھی تقلید کا قائل ہے تو اس کا مسلکی موقف ذات پات ہو ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ ذات پات کی جڑ فقہ کا فقہی مسئلہ کفو ہے اور یہ اس کا قائل ہی نہیں۔

جمعیت اہل حدیث کے موجودہ ناظم مولانا امام اصغر علی مہدی صدیقی سلفی اور جمعیت کے نائب ناظم و پندرہ روزہ ''ترجمان'' نئی دہلی کے مدیر مولانا رضاء اللہ عبدالکریم سلفی مدنی (۲۹۵) جمعیت اہل حدیث مغربی یوپی کے صوبائی ناظم اور مدیر دوماہی ''الصفا'' دہلی مولانا رفیق احمد رئیس خاں سلفی (۲۹۶) نے راقم الحروف کو بتایا کہ مسلک اہل حدیث اور جمعیت اہل حدیث کا جماعتی اور مسلکی موقف ذات پات اور اس پر مبنی مرجہ وفقہی کفو نہیں ہے۔

ان حضرات کے بیان سے یہ واضح ہوا کہ جمعیت اہل حدیث کا جماعتی موقف بھی ذات پات، اونچ نیچ اور اس پر مبنی مرجہ وفقہی کفو نہیں ہے؛ لیکن یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جمعیت اہل حدیث کا مذکورہ بالا جماعتی موقف تحریری شکل میں راقم الحروف کو نہ مل سکا یہ صرف زبانی اور تقریری ہے۔

مذکورہ بالا بیانات سے یہ واضح ہے کہ مسلکی اور جماعتی طور سے مسلک اہل حدیث ذات پات اور اس پر مبنی مرجہ فقہی کفو کا قائل نہیں ہے؛ **لیکن جس طرح سے جمعیت اہل حدیث شرک وبدعت اور تقلید کے خلاف آواز اٹھاتی ہے اس کو ختم کرنے کے لیے مہم چلاتی ہے، کیا جماعتی طور سے جمعیت اہل حدیث نے کبھی اس (ذات پات اور اس پر مبنی مرجہ وفقہی کفو) کے خلاف کوئی قرارداد پاس کیا اور اس کو انتہائی بری بدعت اور رسم بد سمجھ کر ملکی پیمانے پر اس کی اصلاح کی خاطر کوئی مہم چلائی گئی ہو یا کم سے کم چلانے کی بات ہی کہی گئی ہو۔ مولانا رضاء اللہ عبدالکریم سلفی مدنی اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ (۲۹۷)**

دوسری چیز یہ ہے کہ خلافت کے مسئلہ پر جمعیت اہلحدیث کا جماعتی اور شرعی موقف ایک ایسی غلطی ہے جس سے اس جماعت کی شبیہ خراب ہوئی ہے اور اس نے بھی اپنے آپ کو دوسری مذہبی اور اسلامی تنظیموں کے صف میں لا کھڑا کیا ہے اور لوگوں کو کہنے کا جواز مل گیا ہے کہ یہ مسلک بھی ذات پات کا حامی ہے۔

فرائض تحریک کے بانی مولانا شریعت اللہ اور تحریک شہیدین کے رہنما مولانا سید احمد شہید اور مولانا محمد اسماعیل شہید اہلحدیث تھے۔ ان کی وجہ سے بستی کی بستی نے مسلک اہل حدیث اختیار کیا۔ انھوں

نے ذات پات اونچ نیچ اور اس پر مبنی مروجہ فقہی کفو کا خوب رد کیا۔ جس کی تفصیلات اوپر باب چہارم: مسلم دور حکومت میں ذات پات کی جدو جہد اور باب ہفتم: مسلم سماج پھر ذات پات کے دلدل میں گذر چکی ہیں: چناں چہ ضیاء الدین احمد (Z.Ahmad) صاحب نے اپنے ایک مضمون Caste elements among Muslims of Bihar (بہار کے مسلمانوں میں ذات پات کے عناصر) میں لکھا ہے کہ مسلک اہل حدیث میں شامل ہونے والے ایسے تو ہر برادری کے لوگ تھے، لیکن ان میں اکثریت مزعومہ رذیل ذاتوں کی تھی اور اس کی وجہ اس مسلک میں ذات پات کا نہ ہونا تھا۔ ان کے الفاظ میں:

> ''ہزاروں ہزار کی تعداد میں لوگ اس [مسلک اہل حدیث] کی طرف مائل ہوئے اور خاص کر پچھڑی ذات کے مسلمان جیسے مؤمن [بنکر، نور باف، جولاہا، انصاری] اور کنجڑے [کباڑی، سبزی فروش، راعین] بڑی تعداد میں اس طرف جھکے۔ اس میلان میں سیاسی خواہش کے ساتھ ان کے دل میں پیدا ہونے والی یہ خواہش بھی کام کر رہی تھی کہ وہ [مزعومہ] اونچی ذات کے مسلمانوں کے ساتھ برابری کے حقدار بنیں۔ مسلمانوں کی سماجی، سیاسی اور معاشی زندگی پر خاص اثر ڈال کر اس تحریک نے ان کی سماجی زندگی کو مغربی تہذیب کے ساتھ ساتھ ہندوؤں سے کاٹ چھانٹ کر انھیں اپنی رسم ورواج کی طرف شریعت کے مطابق موڑا'' (۲۹۸)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس سے متعلق علماء وزعماء

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جو ہندستانی مسلمانوں کی واحد معتبر تنظیم ہے وہ اور اس سے متعلق ارباب حل وعقد علماء، زعماء اور دانشوران بھی ذات پات، اونچ نیچ کی ذہنیت سے پاک نہیں ہیں۔ خود بورڈ نے ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے، جس کا رف مسودہ دارالعلوم دیوبند کے مدرس ومفتی، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مرتب ومحشی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اساسی ممبر مفتی محمد ظفیر الدین صدیقی مفتاحی نے بورڈ کے سابق اول جنرل سکریٹری مولانا سید منت اللہ رحمانی کے حکم سے تیار کیا۔ اس رف مسودہ کو ممتاز علماء، صاحب افتاء اور قانون دانوں کو بھیجا گیا، پھر وہ رف مسودہ اور وہاں سے آئی ہوئی آراء (۲۹۹) کے ایک ایک حرف پر بحث کرنے کے بعد بورڈ کے سابق اول جنرل سکریٹری مولانا سید منت اللہ رحمانی، بورڈ کے سابق دوسرے صدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی، بورڈ کے سابق تیسرے صدر مولانا سید مجاہد الاسلام قاسمی، بورڈ کے موجودہ جنرل سکریٹری مولانا سید نظام

الدین، بورڈ کے سکریٹری (اور مولانا سید منت اللہ رحمانی کے صاحبزادے) مولانا سید ولی رحمانی اور بورڈ کے اساسی ممبران مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صدیقی مفتاحی مولانا برہان الدین صدیقی سنبھلی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نیز بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے مفتی مولانا مفتی نعمت اللہ اور دارالعلوم دیوبند وقف کے استاذ مولانا مفتی احمد علی سعید کی متفقہ آراء اور تصدیق وتائید سے تیار اور شائع ہوئی۔ جس کی آخری خواندگی-(Final proof reading)، جو ماہ اکتوبر ۲۰۰۰ء میں فقہ اکیڈمی کے مرکزی دفتر میں ہوئی تھی، میں مولانا فہیم اختر ندوی، بورڈ کے سکریٹری مولانا سید ولی رحمانی اور بورڈ کے اساسی ممبران، مولانا مفتی عتیق احمد بستوی قاسمی (استاد ندوۃ العلما لکھنؤ) فقہ اکیڈمی کے موجودہ جنرل سکریٹری مولانا سید خالد سیف اللہ رحمانی (۳۰۰) اور مولانا برہان الدین صدیقی سنبھلی تھے۔(۳۰۱)

اس کتاب میں الفاظ کو ہیر پھیر، الٹ پلٹ، نرم اور شائستہ کر کے مذکورہ بالا تمام فتاوے کو بعینہ باقی اور قائم رکھا گیا ہے؛ چناں چہ اس میں ہے کہ:

"دفعہ (۱۱۶):

کفاءت کے لغوی معنی برابری کے ہیں۔

اصطلاح شرع میں چند خاص امور میں شوہر کا بیوی کے ہم پلہ اور برابر ہونا کفاءت ہے۔

دفعہ (۱۱۷):

کفاءت کا اعتبار مندرجہ ذیل امور میں کیا جائے گا۔

(۱) لڑکا دینداری اور تقوی میں لڑکی کا ہم پلہ ہو۔

(۲) مالیت:

(الف) شوہر بیوی کی حیثیت کے مطابق نفقہ پر قادر ہو۔

(ب) دونوں کی مالی حیثیت میں ایسا فرق نہ ہو جو لڑکی کے لیے باعث عار بنے۔

(۳) نسب میں کفاءت کا اعتبار عرب خاص کر قریش اور عجم کے ان خاندانوں میں کیا جائے گا، جنھوں نے اپنے نسب کو محفوظ رکھا ہے۔ بقیہ سارا عجم ایک دوسرے کا کفو ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر لڑکی اپنے ولی کا غیر کفو [مزعومہ رذیل ذاتوں] میں کرایا ہوا نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اور اسی کفاءت فی النسب کے پیش نظر کسی بالغہ کے غیر کفو [مزعومہ نیچ ذاتوں] میں کیے ہوئے نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ولی کو حاصل ہوگا۔

دفعہ (۱۱۸)

حرفت پیشہ میں فرق کی وجہ سے لڑکی یا اس کے ولی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ **مگر یہ کہ کوئی پیشہ معاشرہ میں بہت گرا ہوا سمجھا جاتا ہو۔**

دفعہ (۱۱۹)

نومسلم اور خاندانی مسلمان ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

دفعہ (۱۲۰)

باب کفاءت میں مرد کا عورت کے ہم پلہ ہونا ضروری ہے، عورت کا مرد کے ہم پلہ ضروری نہیں ہے۔" (۳۰۲)

دفعہ (۶۸)

تفریق رشتۂ ازدواج کو ختم کرنے کا نام ہے۔ درج ذیل صورتوں میں زوجین کے درمیان تفریق کے لیے قضائے قاضی شرط ہے:

(۱) غیر کفو [مزعومہ نیچ ذاتوں] میں نکاح......

دفعہ (۶۹)..........

باپ دادا کے علاوہ دوسرا ولی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ایسی جگہ کردے جو معاشرت میں اس کے مساوی نہ ہو۔

(د) باپ دادا اپنی بے عزتی لاپرواہی، یا لالچ وغیرہ کی وجہ سے نابالغ اولاد کے مصالح اور اس کی بھلائی کو پیش نظر رکھے بغیر یا نشہ کی حالت میں اس کا نکاح ایسی جگہ کردے جو اس کے ہم پلہ نہ ہو **[یعنی مزعومہ رزیل برادریوں کا ہو] ان دونوں صورتوں میں نکاح منعقد نہ ہوگا۔**

دفعہ (۷۰)

(الف) نابالغہ اپنا نکاح ولی کی رضا کے **بغیر غیر کفو [مزعومہ نیچی برادریوں]** میں کرلے تو ولی عصبہ کو حق تفریق حاصل ہوگا۔" (۳۰۳)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر مزعومہ بڑی ذاتوں کی کوئی عاقل بالغ دوشیزہ اپنے ہم نسب لڑکے سے بلا رضائے ولی شادی کرے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ ولی اس کو توڑ نہیں سکتا ہے۔ اور یہی حکم اس عاقل بالغ لڑکی کے لیے ہے جو اپنے سے مفروضہ اونچی برادریوں کے کسی لڑکے سے بلا رضائے ولی

شادی کرے۔ کیوں کہ اوپر بتایا گیا ہے کفاءت کا اعتبار صرف مرد کی جانب سے ہوگا کہ وہ عورت کے برابر ہے یا نہیں۔عورت کی جانب سے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔اس کتاب میں آگے ہے:

"(ب) بالغہ اور ولی دونوں نے بشرط کفاءت نکاح کیا، یا شوہر کے ایسے بیان پر جس میں اس نے اپنے کو کفو ظاہر کیا، اس کو کفو سمجھ کر نکاح کیا گیا اور بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ **کفو نہیں ہے [بلکہ مزعومہ رزیل ذات ہے] تو ان دونوں صورتوں میں ولی اور اس بالغہ دونوں کو خیار کفاءت حاصل ہوگا۔اور قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرایا جاسکے گا۔**

"(ج) باپ، دادا نابالغ اولاد کا نکاح کفاءت کی شرط پر یا کفاءت کے بارے میں فریق ثانی کے بیان پر اعتماد کر کے اس کے ساتھ کر دیں، پھر اس کے خلاف ظاہر ہو تو باپ دادا کو عدم کفاءت کی بنیاد پر قاضی کے ذریعہ تفریق کا حق حاصل ہوگا۔ بلکہ اولاد (جس کا نکاح باپ دادا نے کیا ہے) اگر بالغ ہو چکی ہے اور اس کے بلوغ سے پہلے باپ دادا نے عدم کفاءت ظاہر ہونے کے بعد اس نکاح پر رضامندی ظاہر نہیں کی تو اولاد کو بھی عدم کفاءت کی بنیاد پر قاضی کے ذریعہ حق تفریق حاصل ہوگا۔" (۳۰۴)

ان عبارتوں اور دفعات پر غور کر کے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کتاب "مجموعۂ قوانین اسلامی" میں بڑی ہوشیاری، چالاکی اور الفاظ کو پھیر بدل کر ذات پات اور اونچ نیچ کو کفو کے لبادہ میں لپیٹ کر پیش کیا گیا ہے اور اوپر مذکورہ فتاوے کو باقی رکھا گیا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ان فتاوے یا اس کتاب کے اصل مصنف بورڈ کے اساسی ممبر مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صدیقی مفتاحی ہیں جنھوں نے سید، شیخ مغل اور پٹھان وغیرہ کے علاوہ تمام برادریوں کو رذیل، ذلیل، نیچ اور چھوٹی ذات کہا ہے جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

اس کتاب کی دفعہ ۱۱۹:

"نومسلم اور خاندانی مسلمان ایک دوسرے کے کفو ہیں۔" (۳۰۵)

سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بورڈ اور اس کتاب سے منسلک بورڈ کے ذمہ داران اور علمائے کرام نے نومسلم اور خاندانی مسلمان کے کفو ہونے کے سلسلہ میں نرمی برتی ہے۔ یہاں کسی بھی طرح نرمی نہیں برتی گئی ہے۔اس دفعہ میں تو صرف عربی النسل نومسلم اور عربی النسل خاندانی مسلمان کو ایک دوسرے کے کفو ہونے کی بات کہی گئی ہے۔ کیوں کہ اس دفعہ کی تائید میں جو فقہی عبارت نقل کی گئی ہے، اس میں صرف

اسی کا تذکرہ ہے۔ عبارت اس طرح ہے:

"اِنَّ اَبَا حَنِیْفَةَ وَصَاحِبَیْهِ اِتَّفَقُوْا اَنَّ الْاِسْلَامَ لَایَکُوْنُ مُعْتَبَرًا فِیْ حَقِّ الْعَرَبِ لِاَنَّهُمْ لَایَتَفَاخَرُوْنَ بِهٖ وَ اِنَّمَا یَتَفَاخَرُوْنَ بِالنَّسَبِ فَعَلٰی هٰذَا لَوْ تَزَوَّجَ عَرَبِیٌّ لَهٗ اَبٌ کَافِرٌ بِعَرَبِیَّةٍ لَهَا آبَاءٌ فِی الْاِسْلَامِ فَهُوَ کُفُوٌ۔ (البحر الرائق، ج:۳، ص:۱۳۲) (۳۰۶)

["امام ابوحنیفہ اور صاحبین اس بات پر متفق ہیں کہ کفاءت میں نو مسلم اور خاندانی مسلمان ہونے کا اعتبار عربی النسل لوگوں میں نہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ صرف نسب پر فخر کرتے ہیں، تقدم فی الاسلام پر نہیں۔ اسی بنیاد پر کوئی ایسا عربی النسل جس کا باپ کافر ہو کسی ایسی عربیہ مسلمان عورت سے شادی کرلے جس کا خاندان کئی پشتوں سے مسلمان چلا آرہا ہو تو وہ شخص اس کا کفو ہے۔"]

اس وضاحت کے بعد دفعہ (۱۱۹) کوئی معنی نہیں رکھتی؛ کیوں کہ فقہائے احناف نے جو کفاءت فی الاسلام (نو مسلم اور خاندانی مسلمان ہونے) کا اعتبار کرنے میں تنہا ہیں۔ (۳۰۷) عربی النسل مسلمانوں میں اس کا اعتبار کیا ہی نہیں ہے۔ اگر اس کا اعتبار کیا ہے تو عجمی النسل مسلمانوں میں (۳۰۸) اور اس دفعہ میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ وہ باہم کفو ہوں گے یا نہیں ہوں گے۔ نیز اوپر مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مولانا اشرف علی فاروقی تھانوی اور مجموعہ قوانین اسلامی کے اصل مصنف مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صدیقی مفتاحی کے حوالہ سے آچکا ہے کہ عجمی النسل اگرچہ نسل درنسل سے مسلمان کیوں نہ چلے آرہے ہوں وہ سید، شیخ کے کفو نہیں ہوسکتے کیوں کہ سید، شیخ خاندانی مسلمان ہیں اور یہ حضرت ان کے مقابلہ میں نو مسلم۔ اس دفعہ میں اس سلسلہ میں بھی کچھ نہیں کہا گیا ہے کہ عجمی النسل نو مسلم اور عجمی النسل خاندانی مسلمان سید شیخ کے کفو ہوں گے یا نہیں۔

اس کتاب کے پیش لفظ میں بورڈ کے سابق صدر مولانا سید مجاہد الاسلام قاسمی نے اس کتاب "مجموعہ قوانین اسلامی" کو "شریعت محمدیہ" "شریعت اسلامی" کے احکام کا مجموعہ اور "ملت اسلامیہ" اور "شریعت محمدیہ" کی "عظیم امانت" لکھا ہے۔ (۳۰۹) بورڈ کے سابق دوسرے صدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی نے اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ:

""مسلم پرسنل لا" جن احکام (یا موضوعات) سے عبارت ہے وہ بھی دیگر شرعی قوانین کی طرح کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، بلکہ اسے ایک امتیاز یہ حاصل ہے کہ اس سلسلہ میں

بیشتر احکام براہ راست قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ مثلاً نکاح وطلاق سے متعلق احکام قرآن مجید کی پانچ سورتوں بقرہ، نساء، نور، احزاب، طلاق کی تقریباً تیس آیتوں میں......'' (۳۱۰)

لیکن ان مسائل واحکامات کے حوالہ جات میں کہیں بھی قرآنی آیات اور احادیث کا ایک بھی حوالہ نہیں ہے۔ اگر حوالہ ہے تو فقہ کا، عبارت ہے تو فقہ کی، خود قاضی صاحب نے لکھا ہے:

''ان تمام احکام کے مصادر مستند کتب فقہیہ کے حوالہ سے مع نقل عبارات کتب درج کر دیا گیا ہے۔'' (۳۱۱)

۱۹؍ اگست ۲۰۰۱ء کو بمبئی کے اندر ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کا اجرا کرتے ہوئے قاضی صاحب نے کہا تھا:

''اس کتاب میں حنفی مسلک کے تحت اسلامی قوانین کی تشریح کی گئی ہے، کیوں کہ ہندستان میں اسی مسلک کے ماننے والوں کی اکثریت ہے۔''

انھوں نے مزید کہا:

''میں کسی مسلک کو سوتیلا نہیں سمجھتا، میں مشکلات کے وقت ایک مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلک سے استفادہ کرنے کو رحمت سمجھتا ہوں۔'' (۳۱۲)

جو دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن میں براہ راست ان کے نصوص موجود ہیں تو کیا کوئی ایک صریح آیت بھی اس کفو کے لبادہ میں لپٹی ہوئی ذات پات کی تائید میں دکھائی جا سکتی ہے، حتی کہ کوئی صحیح اور صریح حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے؟

مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مذکورہ بالا علماء مروجہ فقہی مسئلہ کفو جو ذات پات، اونچ نیچ پر مبنی ہے کو اسلامی پرسنل لا کا ایک جزء اور اللہ کے نازل کردہ احکام بتا کر لوگوں کو اس پر عمل کرنے کے لیے ذہنی طور سے مجبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اگر انھوں نے اس پر عمل نہ کیا تو اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ چناں چہ ''مسلم پرسنل لا'' کی کیا وقعت اور حیثیت ہے وہ مولانا اسعد اسرائیلی قاسمی مرحوم کے الفاظ میں اس طرح ہے:

''مسلم پرسنل لا مسلمانوں کے مذہب کا جز ہے، یہ مسلمانوں کا بنایا ہوا قانون نہیں ہے، بلکہ یہ قرآن وحدیث کی تصریحات پر مشتمل ایک قانون ہے، جس پر ایمان لانا اور جس پر عمل کرنا ان کے لیے اتنا ہی ضروری ہے، جتنی نماز، روزہ، زکوۃ اور حج جیسی عبادات ضروری ہیں اور

اگر وہ ان قوانین سے انحراف کریں گے تو قرآن میں ان کے لیے عذاب شدید کی خبر دی گئی ہے۔ اگر وہ ان قوانین کو تبدیل کرتے ہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں رہتے ہیں۔'' (۳۱۳)

اوروں کی بات تو دور کی ہے خود بورڈ کے تیسرے سابق صدر قاضی صاحب نے بھی مسلم پرسنل لاء کے تعلق سے اسی طرح لکھا ہے۔ وہ اپنے ایک طویل مضمون ''مسلم پرسنل لا کا مسئلہ۔ تعارف و تجزیہ'' کے ذیلی عنوان: ''مسلم پرسنل لا کی شرعی حیثیت'' کے تحت لکھتے ہیں:

''جو احکام قرآن و حدیث میں موجود ہیں، ان کو ماننا مسلمان اور صاحب ایمان ہونے کے لیے بنیادی شرط ہے...... جب قرآن و حدیث کے ذریعہ کوئی حکم سامنے آجائے تو اب کوئی اختیار نہیں، ان احکام کے واضح ہونے کے باوجود، جو اللہ و رسول کے بجائے ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو ایمانی دولت سے محروم ہیں اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' (۳۱۴)

مسلم پرسنل لا بورڈ اور مذکورہ بالا علماء نے اس قانون پر عمل کرنے کے لیے پہلے تو لوگوں کو ذہنی طور سے تیار کرنے کی کوشش، لیکن اگر کوئی اس قانون پر یہ کہہ کر عمل نہ کرے کہ یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے، میں اس کو نہیں مانتا، ہمیں ایسا اسلام نہ چاہیے، تو اس سے جبراً اس پر عمل کرایا جائے گا۔ چناں چہ ملکی (ہندستانی) عدالتوں کو یہ بار آور کرایا ہے کہ آپ اسی کتاب جو مسلم پرسنل لا بورڈ نے تیار کیا ہے کے مطابق فیصلہ کریں، کیوں کہ یہی اصل اسلام ہے؛ جیسا کہ بورڈ کے سابق دوسرے صدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی نے بورڈ کی جانب سے شائع شدہ کتاب ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''دستور نے مسلمانوں کو یہ حق دیا ہے کہ ''نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع مبارأۃ، (خلع ہی کی ایک قسم) فسخ نکاح...... سے متعلق مقدمات اگر سرکاری عدالتوں میں دائر کیے جائیں اور دونوں فریق مسلمان ہوں تو سرکاری عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق ہی مذکورہ معاملات میں فیصلے کریں گی۔ ان ہی قوانین کا مجموعہ ''مسلم پرسنل لا'' کہلاتا ہے۔'' (۳۱۵)

مولانا آگے مزید لکھتے ہیں کہ:

''شاہ بانو کیس ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ''مسلم پرسنل لا'' آج کل ہندستان میں شریعت کے جن قوانین سے عبارت ہے۔ ان سب کو دفعہ وار مرتب (Codify) کر دیا جائے، تاکہ عدالتیں فیصلوں کے وقت اسی مرتب شدہ مجموعہ کو بنیاد بنائیں کہ پھر فیصلوں میں نادانستہ غلطیاں نہ ہوں۔'' (۳۱۶)

بورڈ کے تیسرے سابق صدر قاضی صاحب جن کے دور میں ہی یہ کتاب منظر عام پر آئی، اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''ولایت، حضانت، نکاح، طلاق، خلع، ظہار، ایلاء، فسخ نکاح، عدت، نفقہ، علاوہ ازیں وقف، وصیت، ہبہ، وراثت، وغیرہ سے متعلق امور کے بارے میں شریعت محمدی کے احکام کو دفعہ وار ترتیب کے ساتھ اس مجموعہ میں منضبط ومرتب کردیا گیا ہے۔ جسے آپ (Codification of Muslim Personal Law) کہہ سکتے ہیں، مرتب (Codified) مجموعۂ قانون آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف شائع کیا جارہا ہے، جو کسی بھی عدالت، ججز، وکلاء اور علماء کے سامنے بروقت حوالہ اور استفادہ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔'' (۳۱۷)

بورڈ کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو اول تا آخر تمام ہی صدور و ذمہ داران ذات پات کے قائل اور اس کو کفو کا لبادہ پہنا کر پیش کرنے والے نظر آئیں گے؛ چناں چہ:

صدر اول مولانا قاری محمد طیب صدیقی:

بورڈ کے پہلے صدر مولانا قاری محمد طیب صدیقی کے نظریہ ذات پات کا تفصیلی ذکر اوپر اسی باب میں ''سابق مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی'' اور ''سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند'' کے عناوین کی تحت ہو چکا ہے۔

صدر دوم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی اور ان کے وزراء:

بورڈ کے دوسرے سابق صدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی متوفی ۳۱ ردسمبر ۱۹۹۹ء، اس کے بانی وسابق اول جنرل سکریٹری مولانا سید منت اللہ رحمانی اور موجودہ جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین کے تعلق سے پیچھے آچکا ہے کہ وہ ذات پات پر مبنی مروجہ فقہی مسئلہ کفو کے قائل ہیں۔ مجموعہ قوانین اسلامی کی ترتیب، تکمیل اور اشاعت میں ان کا بہت بڑا رول رہا ہے۔ اس کو تیار کرنے کا سہرا درحقیقت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کے سر ہی جاتا ہے۔ اس کی تکمیل مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی کی صدارت کے زمانہ میں ہوئی اور ان کے مقدمہ کے ساتھ اشاعت کے لیے بھی اسی دور میں جا چکی تھی، لیکن کسی وجہ سے نہ شائع ہو سکی، مولانا سید نظام الدین نے اس کی اشاعت کی تائید کی تھی۔ (۳۱۸)

مولانا سید ابوالحسن حسنی حسینی ندوی ذات پات پر مبنی کفو کے ہی نہیں قائل ہیں: بلکہ اپنی برادری

سید کو اعلیٰ اور افضل ثابت کرنے کے واسطے اس ذات کے ننگ اسلام اشخاص کا تذکرہ تو کیا اس کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے ہیں، لیکن اس برادری کے قابل فخر سپوتوں کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتے ہیں۔

مولانا حافظ سید محمد علی حسینی اس کے متعلق اپنی کتاب ''دین تصوف وطریقت'' میں لکھتے ہیں:

''تقدس وتقویٰ اور فسق وفجور کسی ایک خاندان کا خاصہ نہیں ہوتے۔ ہر خاندان میں اچھے برے لوگ ضرور ہوتے ہیں خواہ وہ انبیاء ہی کا خاندان کیوں نہ ہو۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحٰق علیہما السلام جیسے جلیل القدر انبیاء کی اولاد میں بھی جہاں اچھے سے اچھے لوگ گذرے ہیں وہاں برے سے برے لوگ بھی ہیں۔ (سورہ الصفت آیت: ۱۱۳) اس لیے یہ طے کر لینا کہ سارے ہی بنو علی وفاطمہ تا قیام قیامت واجب الاحترام ہیں اور امت اس خاندان کے ایک ایک فرد کی تعظیم وتکریم کی پابند ہے، اسلامی تعلیمات کے خلاف بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل تکریم وہ شخص ہے جو صاحب تقوی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی میں خاندان اور قبیلے صرف ان کے باہمی تعارف کے لیے بنائے ہیں، باہمی تفاخر وتفاضل کے لیے نہیں۔'' (سورہ حجرات آیت ۱۳)

آیئے! اہل بیت کے چند بزرگوں کے حالات مختصر پڑھیں اور دیکھیں کہ کیا اسی سیرت وکردار کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری اولاد کو علی کے صلب میں رکھا ہے اور فاطمہ کی ساری ہی اولاد پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

☆ حضرت زین العابدین کا پوتا، حسین بن حسن بن علی (زین العابدین) ''الافطس'' (چپٹی ناک والا) کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ دنیا کے منتخب مفسدوں میں سے ایک تھا، اس کے دونوں بیٹے علی اور محمد باپ کے نقش قدم پر تھے۔ ۱۹۹ھ [مطابق ۸۱۴ء] میں افطس نے خانہ کعبہ پر قبضہ کر کے کعبہ کا وقفی خزانہ لوٹ لیا، حرم شریف کے ستونوں پر منڈھی ہوئی چاندی اور سونا کھرچ لیا۔ اہل مکہ کے مال چھینا جس کی وجہ سے بہت سے لوگ مکہ چھوڑ کر دوسری جگہوں پر چلے گئے۔ افطس نے مکہ میں طرح طرح کی بداعمالیاں کیں۔ حرم کی حرمت کو پامال کیا۔ زنا اغلام بازی کھلم کھلا کرنے لگا۔ شریف عورتوں کو اپنی عصمت بچانا دشوار ہوگیا، اس کا زمانہ مکہ کے شرفاء اور معزز خواتین کے لیے ایک بڑی مصیبت تھا۔

☆ حضرت جعفر صادق کے فرزند محمد اپنے وقت کے محدث مانے جاتے تھے، لیکن یہ صاحب اپنے خاندان کی عظمت وفضیلت کے بارے میں احادیث گھڑ کر اپنے بزرگ باپ دادا کی

طرف سے روایت کرتے تھے۔ مامون رشید عباسی کے عہد میں یہ گرفتار ہوئے اور شرمندگی کے ساتھ اعتراف کیا کہ انھوں نے احادیث گھڑی ہیں۔ پھر اپنے قصور سے توبہ کی تو خلیفہ نے معاف کر دیا۔ ان کا بیٹا علی بن محمد بن جعفر صادق ایک بد قماش اور بد اطوار شخص تھا، قاضی مکہ محمد کے حسین وجمیل لڑکے اسحٰق کو دن دھاڑے مکہ کے بازار سے چند غنڈوں کی مدد سے اڑا لیا اور اس سے منہ کالا کرنے کے لیے اپنے گھر میں بند کر لیا۔ اہل مکہ نے اس کے باپ محمد بن جعفر الصادق کے گھر پر حملہ کیا، محمد لوگوں سے امان حاصل کر کے بیٹے کے گھر گئے اور اسحٰق کو بیٹے سے لے کر لوگوں کے حوالے کیا۔ مکہ جیسے مقدس شہر میں قاضی کے لڑکے کے ساتھ یہ حرکت ہوئی تو اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسرے لڑکوں اور شریف عورتوں کا کیا حال ہوا ہوگا اور یہ وہ شخص ہے جس کے صحیح النسب اولاد فاطمہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

☆ حضرت موسیٰ کاظم کے ایک فرزند ''ابراہیم'' تھے انھوں نے ۱۹۹ھ میں یمن میں سر اٹھایا اور بے شمار مسلمانوں کو جنھوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا بکروں کی طرح ذبح کیا اور ان کے مال ومتاع غصب کر لیا۔ تاریخ میں ان کو ''الجزار'' (قصاب) کہا گیا ہے۔

☆ موسیٰ کاظم کے دوسرے فرزند ''زید'' نے ۱۹۹ھ میں چند روز کے لیے بصرہ میں تسلط حاصل کر لیا۔ لوٹ مار اور قتل وغارت گری سے ایک قیامت برپا کر دی۔ کتنے ہی انسانوں کو اور ان کی جائیدادوں اور باغات کو نذر آتش کر دیا۔ انھوں نے آگ کا اس قدر استعمال کیا کہ تاریخ میں ان کا نام ''زید النار'' پڑ گیا۔ مامون رشید عباسی کے دور میں گرفتار ہوئے۔ مامون نے ان کو ان کے بڑے بھائی ''علی الرضا'' کے پاس بھیج دیا۔ حضرت علی رضا کی سفارش پر ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی لیکن خود علی رضا نے ان کو سخت برا بھلا کہا اور پھر زندگی بھر ان کی صورت نہیں دیکھی......

☆ اسمٰعیل بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن مثنی بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ اس شخص نے ۲۵۱ھ [مطابق ۸۶۵ء] میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں وہ قیامت مچائی کہ اللہ کی پناہ! لوگوں کے مکانات کو لوٹا، کعبہ کا وقفی خزانہ لوٹ لیا، سونا چاندی اور کعبہ کا غلاف تک اس کی دست برد سے محفوظ نہیں رہا۔ اہلیان مکہ سے زبردستی ہر گھر سے دو دو ہزار اشرفیاں وصول کیں، جدہ میں تاجروں کا مال لوٹ لیا۔ ۵۷ دن کے عرصہ میں بے شمار لوگ بھوک اور پیاس سے مر گئے۔ حج کے موقع پر ایک ہزار حاجیوں کو قتل کر کے ان کا

مال واسباب حاصل کرلیا۔ مدینہ منورہ کا رخ کیا تو وہاں پر اتنی دہشت پھیلائی کہ کئی دن تک کوئی شخص مسجد نبوی میں جا نہ سکا اور بہت دنوں تک وہاں نماز نہ ہو سکی۔ لیکن مدینہ منورہ کے ہنگامے کے بعد اس کو سخت چیچک نکلی اور اللہ کے اس عذاب نے اس کو پکڑ لیا۔

☆ محمد بن حسن بن ابراہیم بن حسن بن زید بن حسن بن علی ابی طالب۔

اس شخص نے ۲۵۶ھ [مطابق ۷۰-۸۶۹ء] میں حصول خلافت کے لیے خروج کیا۔ یہ حد درجہ فاسق تھا۔ مسجد نبوی میں بیٹھ کر علانیہ شراب پیتا ار شرمناک حرکتیں کرتا تھا۔ اہل مدینہ کو بھوک اور پیاس سے مار ڈالا، اس کے زمانے میں بھی عرصہ تک حرم شریف میں نماز باجماعت اور جمعہ نہیں ہو سکی۔

☆ محمد بن حسین بن جعفر بن موسیٰ کاظم اور اس کا بھائی علی بن حسین

جناب موسیٰ کاظم کے یہ دونوں ننگ اسلاف پوتے مدینہ منورہ پر قابض ہوئے یہ ۲۷۱ھ [(مطابق ۸۴-۸۸۵ء] کا واقعہ ہے۔ اہل مدینہ کو قتل کیا ان کا مال واسباب لوٹا، ایک مہینہ تک حرم شریف میں نماز باجماعت اور جمعہ نہ ہو سکی۔ مکہ معظمہ میں ایسا ہی فتنہ برپا کیا اور مسجد حرام کے دروازے پر لوگوں کو قتل کیا۔ محمد بن حسین نے حضرت جعفر بن ابی طالب کی اولاد کے تیرہ افراد کو شہید کر دیا۔ تاریخ میں اس کا نام ''المليط'' یعنی خبیث ڈاکو رکھا گیا......

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب ''المرتضیٰ'' میں:

''آل رسول [سادات کرام] کے اعلیٰ اخلاق وشمائل، امت کی اصلاح وتربیت کی دائمی فکر، اسلام کی تبلیغ واشاعت، جہاد فی سبیل اللہ اور ممالک اسلامیہ کی حفاظت ودفاع میں ہر عہد میں ان کا قائدانہ اور اولعزمانہ کردار'' کے تحت صفحہ ۳۹۱ سے ۴۱۰ سادت خاندان کے بزرگوں کا ذکر کیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، ہر خاندان میں اچھے اور برے لوگ ضرور ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے سادات خاندان میں بھی لازماً اچھے اور برے لوگوں کی قابل لحاظ تعداد ضروری ہے۔ تقاضائے انصاف تو یہ تھا کہ مولانا موصوف خاندان سادات کے ان ننگ اسلاف اشخاص کی سیرت وکردار کی ایک جھلک بھی یہاں پیش فرما دیتے جس کے نمونے اوپر گذرے ہیں؛ لیکن مولانا موصوف نے اس تاریک رخ سے بالکل نگاہیں پھیر لیں اور اشارۃً بھی اس تاریک رخ کا ذکر نہیں فرمایا۔ گویا تاریخ اسلام کے یہ سیاہ

صفحات آں محترم کی نظر سے گزرے ہی نہیں.....‘‘(۳۱۹)

مولانا ندوی نے مزعومہ رزیل پیشوں سے جڑے ہوئے لوگوں یعنی پیشہ ور برادریوں (۳۲۰) کا مسجد میں جانا مکروہ بتایا ہے جس کی تفصیلات آگے ’’بورڈ کے بعض اساسی ممبران کے‘‘ زیر عنوان آرہی ہیں۔

صدر سوم مولانا سید مجاہد الاسلام قاسمی:

بورڈ کے تیسرے سابق صدر مولانا سید مجاہد الاسلام قاسمی متوفی ۴؍اپریل ۲۰۰۲ء، ستمبر ۱۹۹۲ء تک ذات پات پر مبنی مسئلہ کفو کے قائل نہ تھے؛ چناں چہ **صوبہ بہار کی ایک سیدہ نے اپنے کلال شوہر** سے فسخ نکاح کے لیے امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار میں مقدمہ دائر کیا تو انھوں نے اس کا نکاح یہ کہہ کر فسخ نہیں کیا کہ:

’’فقہاء نے عام اہل عجم کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے درمیان کفاءت فی النسب کا اعتبار نہیں کہ انھوں نے علی العموم اپنے نسب ضائع کردیے ہیں پس مذکور الصدور ساری بحثوں کا حاصل یہ ہے کہ کتب فقہ کی روشنی میں مدعیان کو دعویٰ فسخ بر بنا عدم کفاءت کا اختیار حاصل نہیں ہے۔‘‘(۳۲۱)

لیکن بعد میں ان کے نقطۂ نظر میں تبدیلی آئی اور وہ اس کے قائل ہوگئے چناں چہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں ۱۶-۱۹؍اپریل ۱۹۹۹ء کو مسئلہ کفاءت پر اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا نئی دہلی کی جانب سے ایک بین الاقوامی (International) گیارہویں فقہی سمینار کرا کر مروجہ فقہی مسئلہ کفو یعنی ذات پات کے صحیح اور اسلامی ہونے پر فیصلہ کرادیا، جب راقم الحروف، مولانا مفتی ولی اللہ مجید خان قاسمی سابق مدرس ومفتی جامعہ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ اور مدرسہ سبیل السلام حیدرآباد کے ایک یا دو صاحبان نے باضابطہ لکھ کر دیا کہ ہمیں مسئلہ کفو کے سلسلہ میں سمینار کے فیصلے سے اتفاق نہیں ہے تو ہماری درخواست کو قابل اعتنا بھی نہیں سمجھا گیا۔

ایک مرتبہ جناب عبداللہ دانش ان سے ملاقات کی غرض سے گئے تو ان کے ہاتھوں سے ان کی کتاب ’’مسلم معاشرے میں برادری واد‘‘ کا مسودہ لیا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد ان سے کہا کہ اس کو مت چھپوایئے۔

دوران گفتگو انھوں نے مزید کہا:

’’اعلیٰ ذات کی لڑکیوں میں احساس برتری ہوتی ہے اس لیے جسے وہ کمتر سمجھتی ہو اس کے ساتھ اپنا نباہ نہیں کرسکتی- یہ سماجی برتری ایک حقیقت ہے اس سے انکار ہم نہیں کرسکتے۔‘‘(۳۲۲)

اوپر یہ آچکا ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے مرتب اور شائع شدہ کتاب مجموعہ قوانین اسلامی کی ترتیب واشاعت میں وہ برابر شریک رہے حتی کہ اس کی اشاعت ان کی صدارت کے زمانہ میں ان کے پیش لفظ کے ساتھ مئی ۲۰۰۱ء میں ہوئی اس میں تقریباً ان تمام مسائل کا ذکر ہے جو مذکورہ بالا سیمنار میں طے ہوئے تھے۔

ث: صدر چہارم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

لکھنؤ کے ایک صاحب قاری حبیب احمد- جو آج کل دبئی میں مقیم ہیں- نے ''اسلام اور ترقی'' کے نام سے ایک کتابچہ لکھا ہے، جس کو ادارہ اصلاح معاشرہ ڈالی گنج نزد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا ہے فاضل مصنف صاحب غیر معروف ہیں؛ لیکن اس کتابچہ کی اہمیت اس وجہ سے بڑھ جاتی ہے کہ یہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے موجودہ اور چوتھے صدر نیز دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اعلیٰ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تائید وتصدیق سے شائع ہوا ہے۔ مصنف کتابچہ رقم طراز ہیں:

> ''اس کتاب کو ہم نے اپنے لیے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے چھپوانے کا ارادہ کیا تھا مگر علماء کرام کو دکھانا ضروری تھا۔ حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے دیکھ کر چھپوانے کی اجازت دے دی۔'' (۳۲۳)

چوں کہ اس کو مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے صحیح مان کر ہی شائع کرنے کی اجازت دی ہے لہٰذا جو رائے مصنف کتابچہ کی ہے وہی مولانا محترم کی بھی ہوئی۔ مصنف کتابچہ لکھتے ہیں:

> ''......اسلام جو ترقی کبھی ختم نہ ہو ایسی ترقی کی تعلیم دیتا ہے آج کل ہم لوگ خاندانوں میں ترقی کی فکر میں ہیں اگر ہم چھوٹی قوم کے ہیں تو بڑی قوم بننے لگے حضور فرماتے ہیں کہ جو عزت اللہ نے آپ کو دی ہے اس کو سنبھال کر رکھئے اپنی عزت کو دوسرے کے دروازوں پر جا کر برباد نہ کیجیے بلکہ شادی اپنے اپنے خاندانوں میں کیجیے۔'' (۳۲۴)

اللہ کے رسول ﷺ سے ایسی کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے جس میں انھوں نے یہ حکم دیا ہو کہ شادی بیاہ صرف اپنی ذات میں ہی کریں۔ رسول ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کرنے کے تعلق سے بڑی سخت وعید آئی ہے، بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (۳۲۵)

''جس نے میری طرف نسبت کر کے عمداً جھوٹ بات بیان کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

مصنف کتابچہ آگے لکھتے ہیں:

”کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے خاندان میں شادی کی اور وہ ان سے بھی چھوٹی قوم کے نکلے، پھر تو خوب ہوتی ہے جب کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔ بڑی قوم والے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کریں کہ اتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے اللہ نے ان کو اور چھوٹی قوم والے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ نے ان کو بلا کسی محنت کے غرور اور تکبر سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کسی کو کسی نعمت سے نوازتے ہیں اور کسی کو کسی نعمت سے نوازتے ہیں اور عارضی نام ونمو کے لیے بچوں کی زندگیوں کو خراب نہ کریں۔ اپنے خاندان میں شادی کر کے اپنی اپنی عزتوں کی حفاظت کیجیے۔“ (۳۲۶)

”...... بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کسی کو دولت دے کر اس کا ایمان سلامت رکھتے ہیں اگر اس کو غریب کرتے تو اس کا ایمان سلامت نہ رہتا۔ اسی طرح کسی کو غریب رکھ کر اس کا ایمان سلامت رکھتے ہیں اگر اس کو مال دیتے تو اس کا ایمان سلامت نہ رہتا۔ اسی طرح کسی کو بڑی قوم میں پیدا کر کے اس کا ایمان سلامت رکھتے ہیں اور کسی کو چھوٹی قوم میں پیدا کر کے اس کا ایمان سلامت رکھتے ہیں؛ تاکہ بڑی قوم والے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اور چھوٹی قوم والے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کریں کہ یا اللہ جو بات بڑے بڑے مجاہدے کرا کر دور کرائی جاتی ہے اور وہ ہے کسی پر بڑائی کرنا، غرور کرنا وغیرہ۔ یا اللہ وہ بات آپ نے بلا مجاہدے کے عطا کردی چھوٹی قوم میں پیدا کر کے۔ لہٰذا مجھے اپنا قرب عطا فرمائے ...... حافظ قرآن بڑی قوموں میں بھی ملیں گے مگر زیادہ تر چھوٹی قوموں میں دیکھے جاتے ہیں ...... بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بڑی قوم میں پیدا کیا ہے کیوں کہ دین کے پھیلانے میں ان کو بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانا [نی] پڑتی تھیں مگر نبیوں پر ایمان لانے والے زیادہ تر چھوٹی قوم کے لوگ ہوتے تھے۔“ (۳۲۷)

اس طرح کی غیر انسانی اور غیر اسلامی باتوں سے پورا کتابچہ پُر ہے یہ کتنی شنیع بات ہے، کس طرح برہمنی فلسفہ کو یہاں پیش کیا گیا ہے اور موہومہ چھوٹی ذاتوں اور برادریوں سے کہا گیا ہے کہ تم ذات پات کی ٹیس سے پریشان نہ ہو؛ بلکہ تم اس کو اپنی قسمت اور اللہ کی مصلحت سمجھو، اللہ نے تم کو (مزعومہ)

رذیل ذاتوں میں پیدا کر کے تمھارا ایمان سلامت رکھا ہے اگر تم اس موہومہ نیچ قوموں میں پیدا نہ ہوتے تو تمھارا ایمان ہی چلا جاتا، یہ تفریق اللہ کی قائم کردہ ہے لہٰذا اب تم (مفروضہ) بڑی ذاتوں کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو اپنے پر مقدم رکھو، ان کو ہر طرح کی سہولیات کا حق دار سمجھو اور ان کی خدمت کو عین سعادت دین سمجھو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی یہ بات نہیں کہی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ (۳۲۸)

''اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ تہمت لگائے۔''

بورڈ کے بعض اساسی ممبران

بورڈ کے بعض اساس ممبران کے نظریۂ ذات پات کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے مزید بعض اساسی ممبران کا اس سلسلہ میں نقطۂ نظر بیان کیا جاتا ہے:

الف: مولانا سید مجیب اللہ ندوی (۳۲۹)

علامہ سید سلیمان ندوی کے شاگرد رشید مدرسہ جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ کے بانی، برصغیر ہند کے مشہور عالم دین اور صاحب التصانیف مولانا سید مجیب اللہ ندوی [۳۳۰] صاحب (م ۲۰۰۶ء) بورڈ کے متحرک اساسی ممبر تھے انھوں نے اسلامی فقہ کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے اس کے جلد دوم میں انھوں نے مروجہ وفقہی مسئلہ کفو جس کی بنیاد ذات پات پر ہے کا رد کیا ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ذات پات کے تصور کو خالص ہندوانہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ شادی بیاہ میں صرف دینداری کا ہی لحاظ ہونا چاہیے، بقیہ امور کفاءت کی اسلام میں کچھ بھی وقعت نہیں ہے اور نہ ہی اسلام میں اونچ نیچ ہے یہ چیز اسلام کی روح سے ابا کرتی ہے۔ (۳۳۱)

اپنی انھی باتوں کو انھوں نے کچھ اضافے کے ساتھ الگ سے ایک کتابچہ کی شکل دے دی ہے جس کا نام مسئلہ کفاءت رکھا ہے۔ فقہ اکیڈمی انڈیا کی جانب سے ۱۶-۱۹ اپریل ۱۹۹۹ء کو پٹنہ میں مسئلہ کفاءت پر منعقد گیارہویں فقہی سیمینار میں بھی انھوں نے کفاءت میں صرف دینداری کے لحاظ کرنے کی بات کہی اور اس سلسلہ میں امام مالک کے نقطۂ نظر کو صحیح بتلایا۔ خود راقم الحروف سے دوران گفتگو انھوں نے ذات پات کو غلط ٹھہرایا اور راقم الحروف کی ہمت افزائی کی کہ ذات پات کے خلاف جو لکھ رہے ہیں صحیح ہے اس پر کام ہونا چاہیے۔ [۳۳۲] اتنے واضح نظریات پیش کرنے کے باوجود کچھ جگہوں پر بعض ایسی عبارتیں بھی ان کی تحریروں میں موجود ہیں جن سے اونچ نیچ اور مروجہ وفقہی مسئلہ کفو کو غذا فراہم ہوتی ہے۔

مولانا ایک جگہ راقم طراز ہیں:

"نسب کے شرف اور اس کی فضیلت کا اعتبار شریعت میں ضرور کیا گیا ہے یعنی اگر کوئی سید یا صدیقی یا فاروقی خاندان اور برادری کا ہے اور اس میں نکاح کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شرف وفضیلت دائمی نہیں؛ بلکہ اضافی ہے یعنی یہ سمجھ لینا کہ اس [ایک] خاص برادری کے اندر جو پیدا ہو گیا وہ ہمیشہ ذلیل رہے گا اور ایک دوسرے خاندان کے اندر جو پیدا ہو گیا وہ ہمیشہ اور ہر حال میں معزز رہے گا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ شرعی نقطۂ نظر سے نسب کا یہ شرف اسی وقت باقی رہتا ہے جب تک اس میں شرف فضیلت کے اوصاف باقی رہیں۔" (۳۴۳)

اس عبارت میں مولانا نے دبی زبان میں بالآخر سید اور شیخ ذات کو شریف اور افضل نسب مان ہی لیا۔ مولانا نے اسلامی فقہ کے جلد اول میں امامت کی بحث میں ایک ایسی بات لکھی ہے جس سے ذات پات کی کلی طور سے تائید ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"امام بنانے میں کئی باتوں کا لحاظ ضروری ہے..... (۷) پھر [اس کو امام بنایا جائے] نسب میں جو زیادہ ہو شریف ہو، حدیث وآثار میں امامت کے لیے جو شرائط مذکور ہیں انھیں کی روشنی میں فقہائے کرام نے مذکورہ بالا جزئیات مستنبط کیے ہیں۔" (۳۴۴)

حالاں کہ قرآن اور صحیح احادیث میں کہیں بھی اس فتویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ب: مولانا مفتی عتیق احمد قاسمی بستوی:

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مدرس مولانا مفتی عتیق احمد قاسمی بستوی جن کا ذکر مجملاً اوپر آچکا ہے پہلے بورڈ کے صرف ممبر تھے؛ لیکن اب اساسی ممبران میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ مولانا مروجہ وفقہی مسئلہ کفو جس کا لبادہ ذات پات اور اونچ نیچ ہے کے شدت سے قائل ہیں۔ اس کی حمایت میں ان کے کئی ایک مضامین نہ صرف اردو[(۳۴۵)] میں بلکہ عربی میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔[(۳۴۶)] مولانا اونچ نیچ، ذات پات پر مبنی مروجہ وفقہی مسئلہ کفو ہی کے مؤید نہیں ہیں، بلکہ مفتی محمد شفیع عثمانی اور ان کی دل آزار تصنیف "نہایات الارب فی غایات النسب" جس کا تفصیلی تذکرہ اوپر آچکا ہے کے بہت بڑے حمایتی ہیں ان کے مطابق اس کتاب میں کوئی چیز قابل اعتراض نہیں ہے۔ اپنے اس موقف کے فروغ اور تائید میں وہ ترجمان دیوبند میں اپنے متعدد مضامین شائع کروا چکے ہیں۔ (۳۴۷)

ت: مولانا برہان الدین صدیقی قاسمی سنبھلی:

مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاد حدیث وتفسیر وناظم تحقیقات شرعیہ (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) اور مسلم پرسنل لا کے اساسی ممبران میں سے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں انھوں نے ایک کتاب ''معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی'' میں لکھی۔ مولانا کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''خاص طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ اغیار کی تنقید وتعریض کا گردوغبار ہٹا کر شریعت کا اصل روشن ومنور چہرہ سامنے لایا جائے تا کہ غلط فہمیاں (جو شریعت سے پوری طرح واقف نہ ہونے کی بنا پر پیدا ہوگئی ہیں) خود ہی رفع ہو جائیں گی۔'' (۳۳۸)

حالاں کہ مولانا نے شریعت اسلامی کے نام پر اس کتاب میں بعض ایسے نظریات پیش کیے ہیں کہ ان کا اسلام میں شائبہ تک نہیں ہے۔ مولانا نے شریعت کا اصل روشن ومنور چہرہ دکھاتے ہوئے ذات پات اور اونچ نیچ پر مبنی مروجہ وفقہی مسئلہ کفو کی بھرپور تائید کی ہے اور اسی کے ضمن میں اسلامی شریعت کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے:

''فقہ حنفی کی نہایت مشہور اور معتبر کتاب ردالمختار ج:۱ص:۴۴۴ میں آنتوں کے صاف کرنے کا پیشہ کرنے والوں، مچھیروں اور کوڑھیوں کا مسجد میں جا کر جماعت میں شریک ہونا مکروہ بتایا گیا ہے اس کی وجہ وہی لوگوں کی اذیت بتائی گئی ہے۔'' (۳۳۹)

بعض حضرات غیر شرعی اور مروجہ وفقہی مسئلہ کفو کے قوانین کو توڑتے ہوئے اسلامی کفو کے مطابق بین برادری شادیاں کر رہے ہیں اس کو مولانا مسلم معاشرے میں بگاڑ اور غیر شرعی چیز بتاتے ہیں؛ چناں چہ اس پر رونا روتے اور کف افسوس ملتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کفو کے مسئلہ کی یہاں اس سے زیادہ تشریح کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت، اسی طرح مسلم معاشرہ میں بگاڑ آنے کے بعد قانون کفو کی من مانی توجیہ اور بے جا طریقہ سے اس پر عمل درآمد کی ذمہ داری سے شرعی قانون کی صفائی پیش کرنا بھی غیر ضروری معلوم ہو رہا ہے۔'' (۳۴۰)

اس غیر اسلامی نظریہ کی تصدیق وتائید مسلم پرسنل لا بورڈ کے دوسرے صدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی نے بھی کی ہے اور باضابطہ انھوں نے اس کتاب کی تصدیق کی خاطر مقدمہ تک لکھا ہے۔ مولانا سنبھلی فرماتے ہیں کہ:

''سب سے زیادہ قدر افزائی اور خردنوازی مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے فرمائی کہ اپنی بے پناہ مشغولیتوں اور غیر معمولی انہماک کے باوجود لفظاً لفظاً سنا اور تحسین وتصویب کے ساتھ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی طرف سے کتابی شکل میں شائع کرنے کا انتظام بھی فرمایا۔ نیز اپنے گرانقدر مقدمہ سے کتاب کی قدر وقیمت اور زینت بڑھانے کا وعدہ فرمایا۔'' (۳۴۱)

مولانا ندوی مولانا سنبھلی کی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کی یہ کتاب ان تعلیم یافتہ حضرات کے لیے جو اسلام کے عائلی قانون کو خالص کتاب وسنت اور دین فطرت کی روشنی میں مستند طریقہ پر سمجھنا چاہتے ہیں، رہنما اور بڑی حد تک چشم کشا ثابت ہوگی اور ان کی معلومات میں گرانقدر اضافہ ہوگا۔'' (۳۴۲)

چوں کہ مولانا ندوی نے مولانا سنبھلی کی بات اور رائے کی تائید وتصدیق کی ہے لہٰذا جو رائے اور عقیدہ مولانا سنبھلی کا ہوا وہی مولانا ندوی کا بھی ہوا۔

غیر اسلامی نظریات کو شریعت اسلامی کا لیبل لگا کر پیش کیا جا رہا ہے، حالانکہ متعدد احادیث وقرآنی آیات میں ہے کہ اکابرین صحابہ حتی کہ انبیاء اور بذات خود محمد ﷺ (۳۴۳) اور ان کی بعض ازواج مطہرات ان پیشوں کو کیا کرتی تھیں جن کو آج رذیل پیشہ کہا جا رہا ہے۔ بخاری (۳۴۵) اور ابن ماجہ (۳۴۶) میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

"مَابَعَثَ اللّٰهُ نَبِیًّا اِلَّا رَعَی الْغَنَمَ فَقَالَ اَصْحَابُه وَاَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ، كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ۔

''اللہ نے کوئی نبی ایسا نہ بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں صحابہ نے عرض کیا [یا رسول اللہ!] آپ نے بھی [بکریاں چرائی ہیں؟] آپ نے فرمایا: ہاں! میں مکہ والوں کی بکریاں معمولی سی اجرت پر چرایا کرتا تھا۔''

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ رسول ﷺ کی اہلیہ محترمہ زینب بنت جحش ہاشمیہؓ نے چمڑے کی دباغت کا کام کیا پورا واقعہ یوں ہے:

"عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى اِمْرَاَةً فَاَتٰى اِمْرَاَتَهٗ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ وَهِيَ تَمْعَسُ مَنِيْئَةً لَهَا فَقَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ خَرَجَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اِنَّ الْمَرْاَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ فَاِذَا اَبْصَرَ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَةً فَلْيَاْتِ اَهْلَهٗ فَاِنَّ

ذٰلِكَ يَرُدُّ مَافِي نَفْسِهٖ."(۳۴۶)

''حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک خاتون پر پڑ گئی تو آپ اپنی بیوی حضرت زینبؓ کے پاس آئے اس وقت وہ اپنے ایک چمڑے کی دباغت کر رہی تھیں آپ نے ان سے اپنی جنسی ضرورت پوری کی، پھر صحابہ کے درمیان تشریف لائے اور ان سے کہا: عورت شیطان کی صورت میں [سامنے] آتی ہے اور شیطان کی صورت میں واپس جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کی نظر کسی [اجنبی/غیر محرم] خاتون پر پڑ جائے تو اسے اپنی بیوی کے پاس چلے آنا چاہیے؛ کیوں کہ ایسا کرنے [یعنی اس سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کر لینے سے] اس کے دل کا وسوسہ دور ہو جائے گا۔''

امام حافظ ابن حجر نے تو ان (حضرت زینبؓ) کا پیشہ ہی دباغت اور جوتا گانٹھنا بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"كَانَتْ زَيْنَبُ إِمْرَأَةً صَنَّاعَ الْيَدَيْنِ فَكَانَتْ تُدْبِغُ وَتَخْرُزُ وَتَتَصَدَّقُ مِنْهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ."(۳۴۷)

''حضرت زینب دست کار خاتون تھیں وہ چمڑے کی دباغت اور جوتا گانٹھنے کا(۳۴۸) کام کرتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی اس کو راہ خدا میں صدقہ کرتی تھیں۔''

اسی طرح ام المومنین ام سلمہؓ بھی چمڑے کی دباغت کرتی تھیں اپنے شوہر ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد عدت ختم ہونے پر رسول اللہ ﷺ جب ان کے پاس پیغام نکاح لے کر گئے تو وہ اپنے اسی کام میں مشغول تھیں مسند احمد میں اس کی تفصیلات یوں درج ہے:

"......فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتِي اسْتَأْذَنَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا أَدْبَغُ إِهَابًا لِي فَغَسَلْتُ يَدَيَّ مِنَ الْقَرَظِ وَأَذِنْتُ لَهُ،......(۳۴۹)

''......تو جب میری عدت ختم ہو گئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے پیغام نکاح کے لیے میرے یہاں آنے کی اجازت طلب کی اس وقت میں اپنا ایک چمڑا نکھار رہی تھی تو میں نے سلم کے پتوں سے اپنے ہاتھ کو دھویا اور آپ کو اندر آنے کی اجازت دی۔''

حضور ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ کیوں کہ وہ بھی مذعومہ رذیل پیشوں سے جڑی ہوئی تھیں۔ زمانہ قدیم میں بھی بدبو وغیرہ دور کرنے کے واسطے سلم وغیرہ کے پتوں کا استعمال کیا جاتا تھا، جس سے بدبو بالکل ختم ہو جاتی تھی جیسا کہ مسند احمد کی روایت سے ثابت ہے، آج کے جدید ٹکنالوجی کے

دور میں طرح طرح کے کیمیکل ہیں، جس کے استعمال سے فوراً ہی بدبو کا صفایا ہو جاتا ہے۔ پھر بھی دباغت کرنے والوں، مچھیروں، کوڑھیوں وغیرہ کا مسجد میں جانا مکروہ بتایا جانا سمجھ میں نہیں آتا۔

خون خون میں فرق:

مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس کے ذمہ داران نے ذات پات اونچ نیچ پر قائم مروجہ اور فقہی مسئلہ کفو کو اسلامی شریعت بتا کر مسلمانوں میں تفریق وانتشار کا دروازہ کھول دیا ہے اور اس معاملہ میں وہ اس قدر شدت برتتے ہیں کہ اس غیر اسلامی کفو کی وجہ سے مسلمانوں میں کسی قسم کا حادثہ رونما ہو جاتا ہے، تو اس کی مذمت تو درکنار اس پر افسوس تک نہیں کرتے؛ چناں چہ بورڈ کے موجودہ صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں یکم مارچ ۲۰۰۳ء کو صوبہ بہار کے شہر مونگیر میں بورڈ اپنا سترہواں اجلاس نہایت جوش وخروش کے ساتھ منعقد کر رہا تھا، ملک بھر کے جملہ ارکان، قائدین اور مفکرین ملت وہاں موجود تھے اور ملک وملت کے درپیش مسائل پر غور وخوض کیا جا رہا تھا، عین اسی وقت مونگیر کے مضافات میں ایک حادثہ رونما ہوا، ''ناظم'' نام کے نوجوان کی کہانی ہر خاص وعام کی زبان پر تھی، اس کو بے دردی سے پانچ دنوں تک تار کے کوڑوں سے پیٹا گیا، سگریٹ کے جلے ہوئے ٹکڑوں سے اس کے جسم کو جلایا اور داغا گیا۔ اس قدر ٹارچر کیا گیا کہ وہ بقیہ زندگی میں کھانے کمانے سے معذور ہو گیا۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ موہومہ چھوٹی ذات 'درزی' کا ہو کر موہومہ بڑی ذات کی ایک دوشیزہ سے عشق کرتا تھا اور دونوں شادی کے بندھن میں بندھ کر جینا چاہتے تھے'' یہ خبر بہار کے تمام علاقائی اخباروں میں چھپی ہمارے قومی پریس بالخصوص الیکٹرانک میڈیا نے اس کو شہ سرخی کے ساتھ پیش کیا؛ لیکن حیرت اس بات پر کہ پرسنل لا بورڈ کے عہدے دار یا کسی بھی رکن نے جائے واردات کے قریب ہوتے ہوئے بھی اس کی مذمت تو درکنار اس پر اظہار افسوس تک نہ کیا''۔ (۳۵۰)

بورڈ کے عہدہ داران کی ذات پات اور اونچ نیچ کی سوچ صرف شادی بیاہ اور معاشرتی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے؛ بلکہ جان ومال عزت وآبرو تک میں تفریق کرنے کی حد تک پہنچ چکی ہے، بورڈ کے تیسرے سابق صدر مولانا سید مجاہد الاسلام قاسمی اور موجودہ جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین اس کی زندہ مثال ہیں؛ چناں چہ مشہور صحافی جناب علی انور اپنی کتاب ''مساوات کی جنگ، پس منظر: بہار کے پسماندہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''بہار کے امام گنج ڈومریا علاقے میں پچھلے کئی سالوں سے ایم.سی.سی [M.C.C. Mau Communist Centre] اور سنلائٹ سینا کے درمیان چل رہی لڑائی میں دوسرے لوگوں

کے علاوہ سیکڑوں مسلمان بھی مارے گئے...... [مذکورہ بالا] دونوں علمائے کرام [مولانا سید مجاہد الاسلام قاسمی اور مولانا سید نظام الدین] نے اس کے متعلق بہار کے وزیر اعلیٰ سے لے کر گورنر اور وزیر اعظم تک نہ جانے کتنے خطوط لکھے میمورنڈم دیے اور اخباروں میں اپنے بیان [بیانات] چھپوائے؛ [لیکن] جب بھوج پور ضلع کے ''بتھانی ٹولہ'' میں زمینداروں کی ''رنویر سینا'' کے ذریعہ دلت اور پسماندہ مسلمانوں کا قتل عام ہوا جب چھ ماہ کے بچے کو اس کی ماں کی گود سے کھینچ کر پھرسا [کدال یا ایک قسم کا تیز دھار ہتھیار] سے سر کاٹ دیا گیا، جب ان خاندانوں کی ماں بہنوں کی عصمت دری ہوئی تب ہمارے [ان] علماء کی زبان...... نہیں کھلی ان خاندانوں کے لیے ہمدردی کے دو لفظ ہمارے [ان] علماء کے منہ سے...... نہیں نکلے'' (۳۵۱)

مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داران غیر اسلامی کفو کو اس قدر بڑھاوا دے رہے جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ نہ صرف عام مسلم لڑکیاں کنواری بوڑھی ہو رہی ہیں بلکہ مسلم پرسنل لا بورڈ تک کے بعض اونچے عہدوں پر فائز ذمہ داران کے خاندان کی لڑکیاں ہندوؤں سے شادیاں رچا رہی ہیں۔

ڈاکٹر سید احمد علی علوی محلہ لدھاولا، مظفر نگر نے قومی آواز نئی دہلی ۲۳ر فروری ۲۰۰۶ء اور ۵ر مئی ۲۰۰۶ء کے اپنے مراسلہ میں لکھا ہے:

''مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک ممبر کی پوتی [ہندستان کے ایک صف اول کی سید زادی] نے دلی یونیورسٹی کے ایک ہندو لڑکے سے شادی ۱۹۷۸ء میں کی تھی جس کا جشن یونیورسٹی کے ہال میں منایا گیا تھا۔''

ڈاکٹر اشفاق محمد خان کی مرتب شدہ کتاب ''ہندوستانی معاشرہ میں مسلمانوں کے مسائل'' کے صفحہ ۳۴۷ پر جناب ابو خالد بن سعدی انور اس شادی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

''...لڑکا قبول اسلام کے لیے تیار تھا، لیکن ان صاحب نے پوتی کی شادی کو منظوری دینے سے انکار کر دیا، خواہ لڑکا مشرف بہ اسلام ہو یا نہ ہو۔ دونوں نے آریہ سماج میں شادی کر لی۔ شاید رہنما صاحب کے سامنے عجمی کفاءت کا مسئلہ رہا ہوگا۔''

خود راقم کو مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک بڑے ذمہ دار کے بہنوئی نے بتایا کہ ان کے خاندان میں دسوں لڑکیاں کنواری بوڑھی ہو رہی ہیں۔ جب میں نے اس کی تصدیق کی تو واقعہ صحیح پایا۔

قومی آواز نئی دہلی ۱۷ر فروری ۲۰۰۶ء میں جاوید عالم کاظمی صاحب نے ذات پات کی تائید

اور اس پر فخر کرتے ہوئے ایک طویل مراسلہ لکھا تھا۔ ڈاکٹر سید احمد علی علوی نے قومی آواز نئی دہلی ۲۳ رفروری ۲۰۰۶ء میں ان کا رد کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

"نئی دہلی کے اپنے ماحول سے ہٹ کر مراسلہ نگار مشاہدہ کریں کہ ان کے طبقہ کے نورنظر ٹف اینڈ رف جینز پہنے گلیوں میں کرکٹ کھیلتے ہیں۔ اکثر تعلیم میں پھسڈی، ہیرو ہونڈا پر گھومتے ہیں۔ بیشک لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں اور اپنے اشراف طبقہ میں برابری نہ پا کر حوصلہ مند یافتہ تعلیم ہندو لڑکوں سے شادیاں کرتی ہیں، جس کا رونا اپنے ایک مضمون میں گوالیار کی دو شادیوں سے متاثر ہو کر محترم سید حامد صاحب نے رویا ہے۔ بعد، مراسلہ نگار یاد کریں کہ ....کشمیر کے ایک بڑے شیخ کے خاندان کی صاحبزادی نے ایک گوجر وزیر کے لڑکے سے شادی کی جو نئی دلی میں رہ رہے ہیں۔"

وہ قومی آواز ۵ رمئی ۲۰۰۶ء کے مراسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

"سہارن پور قصبہ گنگوہ کے ایک شاہ [سید] خاندان کی لڑکی نے ایک گپتا وکیل سے شادی کی۔ سہارن پور کے ہی ایک سید قدیم رئیس خاندان کی دو لڑکیوں نے دولت مند انجینئرز سے شادی کی جو اب جامعہ نگر میں رہ رہی ہیں۔ دلی کے ایک اسلامک پبلیشنگ ہاؤس کے مالک کی لڑکی نے ایک سکھ سے شادی کی۔"

ان کے علاوہ بہت سی مثالیں جو راقم کے پاس تحریری شکل میں موجود ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ان کو نہیں لکھا جا رہا ہے۔

ریزرویشن کا مسئلہ

آج کل ہندستان میں اور بطور خاص مسلم سماج میں ریزرویشن ایک اہم مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں مسلم سماج دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک گروہ جس میں زیادہ تر پس کردہ مسلم برادریوں کے دانشوران ہیں وہ سماجی اور تعلیمی پچھڑا پن کی بنیاد پر ریزرویشن کا مطالبہ کر رہا ہے۔ ان کی مزید مانگ ہے کہ مسلم دلت کو بھی ایس سی (SC) لسٹ میں رکھا جائے۔ ان کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دستور میں سماجی اور تعلیمی پچھڑا پن کی بنیاد پر ریزرویشن دینے کی بات کہی گئی ہے، مذہب کے نام پر نہیں۔

۲۔ اگر ریزرویشن تمام مسلمانوں کو دیا گیا تو 'اشراف' جو تاریخی طور سے ہر میدان میں آگے ہیں، اس کا فائدہ اٹھالیں گے اور ایس سی، ایس ٹی، او رادبی سی مسلم محروم رہ جائیں گے۔

۳۔ اشرف نے جو ذات پات کی دیواریں کھڑی کیں ہیں، پہلے اس کو منہدم کریں پھر اپنے لیے ریزرویشن کا مطالبہ کریں۔

۴۔ اگر ہندو، سکھ اور بودھ دلت کو ریزرویشن مل سکتا ہے تو مسلم دلت کو کیوں نہیں؟

مسلمانوں کا ایک دوسرا گروپ ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کی مانگ کر رہا ہے۔ اس گروپ کا تعلق مزعومہ طبقہ اشراف سے ہے۔ اس کی تائید میں وہ تمام مسلم مذہبی اور سیاسی تنظیمیں کر رہی ہیں جن کی قیادت مفروضہ طبقہ اشراف کے ہاتھوں میں ہے۔

پچھلے علمائے تحریک اسلامی کے ضمن میں یہ بات آچکی ہے کہ لفظ 'مسلمان' سے ان کی مراد موہومہ طبقہ اشراف ہے کیوں کہ ۸۵٪ پس کردہ مسلم برادریوں کو منڈل کمیشن ۱۹۹۰ء کے بعد سے ریزرویشن مل رہا ہے۔ لیکن یہ لوگ اشراف لفظ استعمال نہ کر کے مسلمان لفظ استعمال کرتے ہیں، تاکہ ان کی اصل منشا کو عام آدمی نہ سمجھ سکے۔ اس گروہ کے اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ دستور کلاس کے خلاف امتیازات کو روکنے کی بات کرتا ہے، نہ کہ ذات کے۔ جب ذات کو کلاس مانا جا سکتا ہے تو مذہب کو کیوں نہیں؟

۲۔ مسلمانوں میں چونکہ ذات پات نہیں ہے، لہٰذا تمام مسلمانوں کو ریزرویشن ملنا چاہیے۔

۳۔ تمام مسلمان سماجی اور تعلیمی اعتبار سے یکساں پس ماندہ ہیں۔

چنانچہ جماعت اسلامی کے اسسٹنٹ سکریٹری و رکن مجلس شوریٰ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"The consititution says "class." If caste could be interpreted as class then why not religion?"

"دستور کلاس کی بات کرتا ہے، جب ذات کو کلاس مانا جا سکتا ہے تو مذہب کو کیوں نہیں؟"

وہ مسلم سماج میں ذات پات، ایس سی، ایس ٹی اور او بی سی کی کیٹیگری کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ:

"There is no "casteism" amongst muslims."

"مسلمانوں میں اونچ نیچ رذات پات نہیں ہے۔"

اس لیے تمام مسلمانوں کو ریزرویشن ملنا چاہیے۔ (۳۵۲)

پچھلے علمائے تحریک اسلامی کی بحث میں جناب سید اعجاز احمد اسلم (رکن شوریٰ، اسسٹنٹ سکریٹری جماعت اسلامی ہند و مدیر Radiance ترجمان جماعت اسلامی ہند) اور سید محمد جعفر صاحب

(رکن مجلس شوری، جنرل سکریٹری جماعت اسلامیہ ہند اور رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کا ریزرویشن کے سلسلہ میں نظریہ بیان کیا جا چکا ہے۔ رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وصدر مسلم مجلس مشاورت جناب سید شہاب الدین جن کو ہندستانی سیاست میں لانے والے اٹل واجپئی وزیر خارجہ ۸۰-۱۹۷۷ء ہیں" (۳۵۳) وہ مسلمانوں میں ذات پات کے وجود کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"Muslims have 'baradaris' though they do not practice 'polution'. Of course each 'baradari, normally tends to marry within itself for social, economic and cultural resions. But there is no religious bar to inter-marriage with other muslims. Thus, neither 'Pollution' nor 'endogamy' can be called charcteristics of the muslim society. Muslims society has no priestly class, any one can lead the namaz or perform religious ceremonies. Also no Muslims can be barred from entering a masjid..."(۳۵۴)

"مسلمانوں میں برادریاں ہیں، لیکن ان میں چھوت چھات نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سماجی، معاشی اور تہذیبی وجوہات کی وجہ سے عموماً ہر برادری اپنی ہی ذات میں شادی بیاہ کرتی ہے، لیکن مذہبی طور سے بین برادری شادی ممنوع نہیں ہے۔ اس طرح نہ تو چھوت چھات اور نہ ہی کفو کو مسلم سماج کی خصوصیات کہا جا سکتا ہے۔ مسلم سماج میں کوئی دینی پیشوا کلاس بھی نہیں ہے، کوئی بھی نماز یا مذہبی تقریبات ادا کروا سکتا ہے۔ کسی بھی مسلم کو مسجد میں جانے سے نہیں روکا جاتا ہے۔"

انہوں نے اپنے مطالبہ کو لے کر دہلی کے اندر ۱۹۹۴ء میں ایک کانفرنس کیا تھا۔ اس پروگرام میں ان کے مطالبہ کا ساتھ متعدد شخصیات نے بھی دیا، مثلاً جناب سید ابراہیم سلیمان سیٹھ مرحوم (رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مسلم لیگ ایم پی)، جناب محمد شفیع مونس خان (رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و نائب امیر جماعت اسلامی ہند) اور جناب سید حامد (چانسلر جامعہ ہمدرد دہلی) (۳۵۵)

سید صاحب کا اب کہنا ہے کہ "انصاف کا تقاضا ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے کوٹا مقرر کیا جائے تو اس سے سب سے پہلے ان لوگوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے، جو ان میں سب سے زیادہ پسماندہ ہیں، اگر کچھ بچ جائے تو پھر اسے غیر او بی سی کے لوگوں کو اہلیت کی بنیاد پر دیا جائے۔ (۳۵٦)

جناب سید حامد مسلم سماج میں ذات پات کے وجود کا انکار کرتے ہوئے مئی ۲۰۰٦ء لکھتے ہیں کہ:

"اگر اس دور میں بھی [illegible] اشراف اہل ریاضت کے ساتھ تحقیر کا برتاؤ کرتے ہوتے تو بھی

پرانے جھگڑوں کو زندہ کرنے کا تھوڑا بہت جواز ہوتا۔ لیکن بیسویں اور اکیسویں صدی میں معاشیات میں جو انقلاب آیا ہے اور ہندوستان کی جمہوریت [جمہوری] حکومت نے اکثریت کے یہاں چھوت چھات کو مٹانے کی جو کامیاب کوشش کی ہے اس نے تھوڑے بہت ناروا امتیازات کو بھی ختم کر دیا ہے جو مسلمانوں میں فیض ہمسائیگی سے داخل ہو گئے تھے۔" (۳۵۷)

مذکورہ بالا کانفرنس کے متعلق انور علی ایڈووکیٹ سول کورٹ سہارن پور لکھتے ہیں کہ:

"موصوف [سید شہاب الدین] مسلم ریزرویشن بحیثیت مسلم فرقہ کے۔ یہ تحریک برابر ۱۹۹۴ء سے چلا رہے ہیں۔ ۱۹۹۴ء اکتوبر میں ایوان غالب میں اس موضوع پر ایک کنونشن انہوں نے بلایا۔ مرکزی وزیر سیتارام کیسری نرسمہاراؤ کے نمائندہ کی حیثیت سے صدر نشین تھے اور مسلم فارورڈ ذاتوں کے لیڈروں نے تقریریں کیں۔ پروفیسر رجنی کوٹھاری اور پروفیسر امتیاز صاحب [سابق پروفیسر شعبہ سماجیات جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی جو مزعومہ طبقہ شرفاء سے تعلق رکھنے کے باوجود ذات پات کے خلاف اور پس کردہ برادریوں کے ریزرویشن کے حق میں ہیں] جیسے اعلیٰ سماجیات کے ماہرین کی آواز کو اس میں دبا دیا گیا۔ راقم جو اس کنونشن میں شریک تھا کو بھی اظہار خیال کا موقع نہیں دیا گیا، یہ تو حقیقت ہے ۱۹۹۴ء کے کنونشن کی جس کا تذکرہ سید صاحب نے مراسلہ ۱۰ راگست [۲۰۰۴ء] راشٹریہ سہارا میں کیا ہے۔ ۹ راگست [۲۰۰۴ء] راشٹریہ سہارا میں سید صاحب نے من حیث فرقہ مسلم ریزرویشن کی وکالت کی ہے اور ۱۰ راگست [۲۰۰۴ء] کے مراسلہ میں پس ماندہ مسلم برادریوں کے ریزرویشن کا کیرالا اور تامل ناڈو کے پس منظر میں تذکرہ۔ (۳۵۸) مسلم فارورڈ برادریوں نے منڈل کمیشن کارروائی سینئر وکیل شیامالا پوسے بحث کرتی تھی۔ سید شہاب الدین اس مقدمہ میں فارورڈ برادریوں کی طرف سے سپریم کورٹ میں پیش ہوئے تھے۔" (۳۵۹)

تمام مسلمانوں [اشراف] کے لیے ریزرویشن کی مانگ کو لے کر جناب سید شہاب الدین کی زیر صدارت چلنے والی مسلم مجلس مشاورت نے بھی ۲۹ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ایک قرارداد پاس کیا اور اس مطالبہ کو لے کر دہلی میں ۲۳ دسمبر ۲۰۰۱ء کو ایک قومی کانفرنس کرنے کا اعلان کیا تھا۔ (۳۶۰)

اسی سلسلے میں "مسلم ریزرویشن موومنٹ" کے نام سے تنظیم بنائی گئی ہے۔ جس کے قومی کنوینر مشہور قانون داں اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے بانی اور صدر جناب سید ظفریاب جیلانی ہیں۔ ایک

"دوسری تنظیم "بیک ورڈ مسلم مہا سبھا" بنائی گئی ہے۔ جس کے صدر جناب "ایچ اے صدیقی" ہیں۔ راشٹریہ سہارا کے مطابق:

"مسٹر صدیقی [صدر تنظیم] نے مسلمانوں کی ہمہ جہت ترقی کے لیے آئین کی دفعہ ۳۴۱ میں ترمیم کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس ترمیم کے ذریعہ مسلمانوں کو دلت طبقوں کو دی جانے والی مراعات اور سہولیات کا مستحق قرار دیا جائے اور ان کو بھی دلتوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے۔ انہوں نے مسلم پس ماندہ برادریوں [جو دراصل مسلم سماج کی ۸۵٪ ہیں] کے لیے علاحدہ سے ۹ فیصد ریزرویشن دیئے جانے کا مطالبہ کیا ہے۔" (۳۶۱)

دونوں فریقین کے دلائل کا تجزیہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ریزرویشن کی تاریخ پر سرسری نظر ڈال لی جائے۔

ہندو انڈیا (ہندو دور حکومت) میں منو جی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مزعومہ اونچی ذاتوں کے ہندوؤں کے لیے تمام اچھے میدانوں میں سو فیصد ریزرویشن دیا۔ (۳۶۲) مسلم انڈیا (مسلم دور حکومت) میں بھی عام طور پر مسلم اور ہندو مزعومہ طبقہ اشراف کو تمام اچھے میدانوں میں ریزرویشن دیا گیا (۳۶۳) لیکن نہ ہی منو جی نے اور نہ ہی کسی بھی مسلم بادشاہ نے ریزرویشن لفظ کا استعمال کیا۔ یعنی غیر اعلان شدہ اور بغیر نام کا ریزرویشن تھا۔ ۱۹۰۲ء میں شولاپور مہاراشٹر کے راجہ چھاترپتی شاہو جی مہاراج نے برہمنوں کی اجارہ داری ختم کرنے کے لیے غیر برہمنوں یعنی سماجی و تعلیمی اعتبار سے پسماندہ طبقات کو نوکریوں میں پچاس فیصد ریزرویشن دیا۔ انہوں نے مذہب کی قید بھی نہ رکھی جس کی وجہ سے مسلمان بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۳۵ء میں برطانوی حکومت نے سماجی اور تعلیمی پسماندگی کی بنیاد پر ریزرویشن کو قانونی درجہ عطا کر دیا۔ اس دفعہ میں دوسرے مذاہب کے دلتوں کے ساتھ مسلم دلت بھی شامل تھے۔ آزادی کے بعد جب دستور ہند ۱۹۵۰ء میں نافذ ہوا تو دستور کی دفعہ (جو ایس سی ریزرویشن کی ہے) کی بنیاد ۱۹۳۵ء کے قانون پر رکھی گئی۔ مگر اس دفعہ میں صرف ہندو دلتوں کو شامل کیا گیا اور دوسرے مذاہب کے دلتوں کو اس سے خارج کر دیا گیا۔ لیکن ۱۹۵۶ء میں سکھ دلتوں کو اور ۱۹۹۰ء میں بودھ دلتوں کو شامل کرنے کے لیے دستور میں تبدیلی کی گئی اور دونوں مذاہب کے دلتوں کو اس دفعہ میں شامل کر لیا گیا۔ (۳۶۴)

دستور ہند کی دفعہ ۱۵(۴) اور ۱۶(۴) حکومت کو اس بات کی اجازت دیتی ہیں کہ وہ سماجی اور تعلیمی طور سے پسماندہ طبقات کے لیے خاص اہتمام کرے۔ دفعہ ۳۴۰ کے مطابق حکومت اس بات کے لیے آزاد ہے کہ وہ سماجی اور تعلیمی اعتبار سے پچھڑے طبقات کے حالات جاننے کے لیے کمیشن بٹھائے۔

ریزرویشن دینے کا مقصد پسماندہ طبقات کو سماجی اور تعلیمی طور سے دوسروں کو برابر لانا ہے نہ کہ معاشی اعتبار سے۔ پچھڑے طبقات کے حالات جاننے کے لیے قومی سطح پر دو بیک ورڈ کمیشن ''کاکا کالیکر کمیشن (۱۹۵۵ء) اور بی پی منڈل کمیشن (۱۹۸۰ء) بیٹھائے گئے۔ دونوں کمیشن نے پسماندگی جاننے کے لیے متعدد اصول اور نکات وضع کیے لیکن دونوں کمیشن نے مشترکہ طور پر نظام ذات پات میں نیچے کے درجہ کو بنیاد بنایا۔

"The [Kaka Kalelkar] commission emphasized the lower status in the caste hierarchy as a determining factor for backwardness... The second backward class commission (B.P. Mandal Commission, 1980) too relied on the caste criterion, however, the tangible indicators to ascertain a caste or any social group a 'backward' including lower position in the caste hierarchy..."

ریاستی ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ نے بھی اپنے متعدد فیصلوں میں دونوں کمیشن کی طرح ذات کو درجہ بندی کی نبیاد تسلیم کیا۔'Caste as a basis of classificaton(۳۶۵)

''تامل ناڈو سرکار نے میڈکل داخلوں میں مذہب کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو ریزرویشن سیٹ دو[۲] دے دی تھی۔ سپریم کورٹ نے اس کو رد کر دیا اور یہ اصول دیا کہ کمیونل (Communal) بنیاد پر کسی مخصوص کمیونٹی [Community] کو ریزرویشن خلاف آئین ہے۔''(۳۶۶)

۲رجولائی ۲۰۰۴ء کو آندھرا پردیش کی کانگریس سرکار نے پانچ فیصد ریزرویشن مسلمانوں کو دینے کا اعلان کیا۔ اس پر بی جے پی آر ایس ایس اور دوسری ہندتو کی علمبردار تنظیموں نے ہنگامہ کر دیا۔ آندھرا پردیش ہائی کورٹ میں اس کے خلاف اپیل کی گئی، تو ہائی کورٹ نے اس کو کالعدم قرار دیا کہ کمیونل بنیاد پر ریزرویشن نہیں دیا جا سکتا ہے اور حکومت کو کہا کہ مسلمانوں کی سماجی و تعلیمی حالت جاننے کے لیے کمیشن بیٹھائے۔(۳۶۷) پھر آندھرا پردیش کانگریس حکومت کورٹ کے حکم کے مطابق کی تشکیل دی، کمیشن نے مسلمانوں کو پسماندہ قرار دیا جس کی بنیاد پر حکومت ہے، نے ۵راکتوبر ۲۰۰۵ء کو مان سون شیشن (Mansoon Session) میں ریاستی اسمبلی کے اندر ریزرویشن کے حق میں بل پاس کروالیا، لیکن پانچ ججوں بلال نازکی، جسٹس جی رگھورام، جسٹس این وی رمنا، جسٹس وی وی ایس راؤ اور جسٹس آر شیھاس ریڈی پر مشتمل ہائی کورٹ کے ڈویزنل بینچ جس کی سربراہی جسٹس بلال نازکی کر رہے تھے نے

اس بل اور آرڈی ننس کو رد کر دیا۔ بینچ نے اپنے فیصلہ میں کہا کہ:

''۲۰۰۵ء کا ۱۳ واں آرڈی ننس پسماندہ طبقوں کی میکانکی شفارش کا نتیجہ ہے۔... کمیشن نے یہ طے کرنے کے لیے کسی مخصوص پیمانے پر عمل نہیں کیا کہ آیا مکمل طور پر مسلمان فرقہ سماجی اور تعلیمی پسماندگی کا شکار ہے اور اسے پسماندہ طبقوں کی طرح ریزرویشن دیئے جانے کی ضرورت ہے۔... کمیشن نے فیصلہ کرتے وقت پسماندہ طبقوں کی شناخت کے لیے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کا بتائے ہوئے کسی بھی پیمانے پر عمل نہیں کیا۔... کمیشن نے اس حقیقت پر بھی غور نہیں کیا کہ آیا مسلمان سماجی نابرابری اور امتیازات کا شکار ہے یا نہیں۔ ریاستی حکومت کے مذکورہ آرڈی ننس سے آئین کی دفعات ۱۴، ۱۵ اور ۱۶ کی بھی خلاف ورزی ہوئی ہے۔'' (۳۶۸)

آندھرا پردیش حکومت نے ہائی کورٹ کے فیصلہ کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا، لیکن سپریم کورٹ نے آندھرا پردیش ہائی کورٹ کے فیصلہ کو صحیح ٹھہراتے ہوئے مسلم ریزرویشن کو رد کر دیا۔ (۳۶۹) کانگریس قیادت والی مرکزی یو پی اے حکومت جو مسلمانوں کے ریزرویشن کی وکالت کر رہی ہے نے جولائی ۲۰۰۶ء میں سپریم کورٹ کے اندر ایک حلف نامہ داخل کیا تھا جس میں مسلمانوں کے لیے مذہب کی بنیاد پر ریزرویشن کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسا کرنا ہندستانی قانون اور دستور کی خلاف ورزی ہوگی۔ (۳۷۰)

ان سیاسی کلابازیوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ سیاسی پارٹیاں واقعتاً مسلم ریزرویشن دینا چاہتی ہیں یا صرف سادہ لوح عوام کو رجھا کر ووٹ بیک کی سیاست کر رہی ہیں۔

دستور کا کا لیلکر کمیشن، منڈل کمیشن اور سپریم کورٹ وغیرہ نے جن نکات پر پسماندہ طبقات کو ریزرویشن دیا ہے اس میں سماجی پسماندگی یعنی سماج میں اس ذات کو نیچا سمجھا جاتا ہو کو اصل بنیاد بنایا ہے یعنی یہ شرط ہے اگر کوئی برادری دوسرے نکات کے دائرے میں آتی ہے لیکن پہلے دائرہ سے خارج ہے تو ایسی صورت میں بھی اسے ریزرویشن نہیں ملے گا۔ یہ اسی طرح ہے کہ کوئی شخص آئی اے ایس امتحان پہلے پیپر میں ناکام ہو گیا ہو، تو اس کے دوسرے پیپر کی کاپی چیک ہی نہیں ہوگی، اگرچہ اس نے دوسرے پیپر میں سو فیصد صحیح ہی کیوں نہ لکھا ہو۔

دونوں بیک ورڈ کلاس کمیشن ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے ''caste'' (ذات) کو ''class'' (کلاس) طبقہ اس لیے مانا ہے کہ

"There is a overlapping between class and caste and vice-versa in India"

ہندستانی میں کلاس اور ذات اور کلاس آپس میں مدغم ہیں۔

تمام مسلمانوں کے ریزرویشن کی مانگ کے لیے یہ دلیل دینا کہ مسلمانوں میں ذات پات نہیں ہے، اس لیے تمام مسلمان کو ریزرویشن ملنا چاہیے۔ صحیح نہیں ہے۔ اوپر بڑی تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ علماء دانشوران اور مسلم تنظیموں نے کس طرح ذات پات پھیلائی ہے۔ حتیٰ کہ تمام مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کا مطالبہ کرنے والے مذکورہ بالا حضرات میں سے جناب سید اعجاز احمد اسلم رکن شوریٰ جماعت اسلامی ہند کا جو نظریہ ذات پات ہے وہ علمائے تحریک اسلامی کے ضمن میں گذر چکا ہے۔ جناب سید شہاب الدین نے انصاری برادری کے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی امارت کی مخالفت کی تھی، یہ علمائے دیوبند کے ضمن میں آ چکا ہے۔ جناب سید اعجاز احمد اسلم، جناب سید محمد جعفر، جناب محمد شفیع مونس خان، جناب سید قاسم رسول الیاس، جناب سید ابراہیم سلیمان سیٹھ مرحوم اور جناب سید شہاب الدین میں سے اول الذکر چاروں حضرات جماعت اسلامی کے نہ صرف ارکان ہیں بلکہ اعلیٰ عہدوں پر فائز بھی ہیں۔ اول الذکر جناب سید اعجاز احمد اسلم کے علاوہ باقی تمام لوگ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ممبران بھی ہیں۔ جماعت اسلامی کا اخبار دعوت اور رسالہ Raciance اور مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز ذات پات پر مبنی ضرور رشتہ کے اشتہارات اور کتابیں شائع کر رہے ہیں، اسی طرح مسلم پرسنل لا بورڈ نے ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کے اندر ذات پات پر مبنی مسئلہ کفو کو اسلامی شریعت قرار دیا ہے لیکن ان حضرات میں سے کسی نے بھی ان چیزوں کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی مجموعہ قوانین اسلامی کو شائع ہونے سے روکا لیکن پھر بھی کہا جا رہا ہے کہ مسلمانوں میں ذات پات نہیں ہے۔

وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے ہندستانی مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور تعلیمی حالت جاننے کے لیے ۹ر مارچ ۲۰۰۵ء کو جناب جسٹس راجندر سچر کی قیادت میں ۶ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ ان چھ ممبران کے نام یہ ہیں۔ جناب سید حامد، جناب ایم اے باسط، ڈاکٹر اختر مجید، ڈاکٹر ابو صالح شریف، ڈاکٹر ٹی کے اومن (T.K. Oommen) اور جناب ڈاکٹر بسنت۔ اس کمیٹی نے ۱۷ر نومبر ۲۰۰۶ء کو اپنی رپورٹ پیش کی تھی۔ اس کمیٹی کو سچر کمیٹی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کی رپورٹ کو مسلم سماج کے تمام طبقات نے تسلیم کیا ہے۔ اس نے بھی مسلمانوں کے اندر ذات پات کے وجود کی بات کہی ہے، بلکہ اس نے تو مسلمانوں کے تین طبقات کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس رپورٹ میں ہے کہ

"1-[...] Those without any social disabilities, the ashraf, 2-those equivalent to Hindu OBCs and 3-those equivalent to

Hindu SCs the arzal. Those who are reffered to as Muslim OBC combind 2 and 3." (۳۷۱)

"۱۔[....] جنہیں کسی بھی طرح کے سماجی بھید بھاؤ کا سامنا نہیں ہے وہ اشراف ہیں۔
۲۔ جو ہندو او بی سی کے برابر ہیں وہ اخلاف ہیں، ۳۔[اور] جو ہندو ایس سی کے برابر ہیں وہ ارزال ہے۔ مسلم او بی سی آخر الذکر دونوں طبقات ۲ اور ۳ پر مشتمل ہیں۔"

پسماندہ کون؟

تمام مسلمانوں کے مطالبہ ریزرویشن کے ضمن کی آخری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ تمام مسلمان پسماندہ ہیں۔ یہ سچ ہے کہ عام طور پر تمام مسلمان پچھڑے ہیں اور کمیونل ہندوؤں کے ہاتھوں بھید بھاؤ کا شکار ہیں۔ لیکن جب مسلمانوں کے اندر پسماندگی تلاش کی گئی تو معلوم ہوا کہ مسلم ایس سی، ایس ٹی اور او بی سی، مزعومہ طبقہ اشراف سے بہت ہی زیادہ پسماندہ ہیں۔ ننانوے فیصد مذہبی، سیاسی تنظیموں اور تعلیمی اداروں پر موہومہ طبقہ شرفاء کا قبضہ ہے، نوکری کی شرح بھی ان کے اندر زیادہ ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں پس کردہ مسلم برادریوں کی نمائندگی بہت ہی کم ہے۔ اس کی تفصیلات اور فہرست (Data) جناب علی انور نے اپنی کتاب "مساوات کی جنگ۔ پس منظر: بہار کے پسماندہ مسلمان" میں بہار کے متعلق نام بنام، علاقہ بعلاقہ اور ذات بذات دی ہے، جس سے پورے ہندستان کی صورت حال جھلکتی ہے؛ چوں کہ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے؛ لہٰذا اختصار ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی پیش کردہ عہدوں پر فائز مفروضہ طبقۂ شرفاء اور پس کردہ برادریوں کی صرف فہرست دی جارہی ہے۔ تفصیل کی خاطر مذکورہ بالا کتاب سے رجوع کرنا چاہیے۔

(۱)

لوک سبھا میں بہار کے مسلم ممبر پارلیامان ۱۹۵۲ء-۱۹۹۹ء

کل تعداد	مفروضہ طبقۂ شرفاء	پس کردہ برادریاں	جن کی ذات معلوم نہ ہوسکی
۴۹	۳۶	۱۲	۱

(۲)

بہار اسمبلی میں مسلم ممبران ۱۹۳۷ء-۲۰۰۵ء

کل تعداد	مفروضہ طبقۂ شرفاء	پس کردہ برادریاں	جن کی ذات معلوم نہ ہوسکی
۳۷۹	۲۹۶	۷۸	۵

(۳)

بہار کے وزیر اعلیٰ اور ان کے کیبنٹ کے مسلم ارکان ۱۹۵۲ء-۱۹۹۷ء

کل تعداد	مفروضہ طبقۂ شرفاء	پس کردہ برادریاں
۱۰۲	۷۸	۲۴

(۴)

لالو-رابڑی سرکار کے مسلم وزراء

کل تعداد	مفروضہ طبقۂ شرفاء	پس کردہ برادریاں
۷۴	۵۸	۱۶

(۵)

بہار میں اقلیتوں سے متعلق اداروں کی سماجی بناوٹ-تاسیس سے ۱۹۹۷ء-۱۹۹۸ء تک

ادارے	سن تاسیس	کل تعداد	مفروضہ طبقۂ شرفاء	پس کردہ برادریاں
بہار اردو اکاڈمی	۱۹۷۲ء	۱۸	۱۳	۵
بہار اردو وصلاح کار کمیٹی	۱۹۸۷ء	۵	۵	۰
بہار سنی وقف بورڈ	۱۹۴۸ء	۳۷	۳۴	۳
بہار اقلیتی کمیشن	۱۹۷۱ء	۹	۹	۰
صوبائی ۱۵ نکاتی پروگرام	۱۹۸۵ء	۵	۵	۰
بہار اقلیتی وزارت مالیات	۱۹۴۸ء	۴	۲	۲
بہار مدرسہ تعلیمی بورڈ	۱۹۷۸ء	۲۲	۱۸	۴
بہار یونیورسٹیاں		۱۰	۹	۱

(۶)

مذہبی تنظیموں کے ارکان اور ذمہ داران

تنظیمیں	کل تعداد	مفروضہ طبقۂ شرفاء	پس کردہ برادریاں

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ	۳۹	۳۵	۴
آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داران	۱۱	۹	۲
آل انڈیا ملی کاونسل کی مجلس عاملہ	۴۸	۴۴	۴
ملی کاونسل بہار کی مجلس عاملہ	۲۱	۲۰	۱
ادارہ شرعیہ سلطان گنج پٹنہ کے ذمہ داران	۱۱	۸	۳
ادارہ شرعیہ کا بورڈ آف ڈائریکٹر	۸	۶	۲
مجلس عاملہ ادارہ شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ	۲۱	۱۹	۲

(۳۷۲)

راقم الحروف نے ہندستانی مذہبی اور سیاسی تنظیموں کی جو فہرست تیار کی ہے وہ اس طرح ہے:

(۱)

ہندستانی سلسلہ صوفیاء اور ان کے بانیان

سلسلے	بانیان	برادریاں	طبقات
قادریہ	جناب سید محمد غوث	سید	مفروضہ طبقہ شرفاء
چشتیہ	جناب معین الدین سنجری	سید	،،
نقش بندیہ	جناب محمد باقی باللہ	کابلی	،،
سہروردیہ	جناب بہاء الدین زکریا	قریشی (سید رشیخ)	،،

(۲)

ہندستانی مذہبی مکتب فکر اور ان کے بانیان

مکاتب فکر	بانیان	برادریاں	طبقات
دیوبندی	مولانا رشید احمد گنگوہی	شیخ	مفروضہ طبقہ شرفاء
تبلیغی جماعت	مولانا محمد الیاس	،،	،،
بریلوی	مولانا احمد رضا خان	خان	،،
اہل حدیث	مولانا میاں سید محمد نذیر حسین دہلوی	سید	،،

جماعت اسلامی	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	،،	،،
ایس آئی ایم	جناب راؤ عرفان احمد خان	خان	،،
ایس آئی او	جماعت اسلامی	×	×
شیعہ	نوراللہ شوشتری	سید	مفروضہ طبقہ شرفاء

(۳)

ہندستانی مذہبی مکتب فکر کے موجودہ صدور

تنظیمیں	صدور	برادریاں	طبقات
دیوبندی	مولانا مرغوب الرحمٰن	شیخ	مفروضہ طبقہ شرفاء
تبلیغی جماعت	مولانا زبیر/مولانا سعد	،،	،،
بریلوی	مولانا اختر رضا خان	خان	،،
اہل حدیث	حافظ یحییٰ	پنجابی مسلمان	،،
جماعت اسلامی	پروفیسر محمد عبدالحق انصاری	انصاری	پس کردہ برادریاں
ایس آئی ایم	ڈاکٹر شاہد بدر فلاحی	شیخ	مفروضہ طبقہ شرفاء
ایس آئی او	جناب سید ضمیر قادری	سید	،،
شیعہ	جناب کلب صادق	،،	،،

(۴)

ہندستانی مذہبی مکتب فکر کے نمائندہ مدارس اوران کے بانیان

مکاتب فکر	مدرسے	بانیان	برادریاں	طبقات
دیوبندی	دارالعلوم دیوبند	مولانا محمد قاسم نانا توی	شیخ	مفروضہ طبقہ شرفاء
بریلوی	جامعہ اشرفیہ مبارک پور	مولانا عبدالعزیز (حافظ ملت)	انصاری	پس کردہ برادریاں
اہل حدیث	جامعہ سلفیہ بنارس	انجمن رحمانیہ	×	×
جماعت اسلامی	جامعۃ الفلاح بلریا گنج	جناب علی احمد/منشی لال محمد	خان	مفروضہ طبقہ شرفاء
شیعہ	جامعہ اہل بیت دہلی	مولانا سید محمد عسکری زیدی	سید	،،

(۵)

ہندستانی مذہبی مکتب فکر کے نمائندہ مدارس اور ان کے موجودہ نظماء

مکاتب فکر	مدارس	نظماء	برادریاں	طبقات
دیوبندی	دارالعلوم	مولانا مرغوب الرحمٰن	شیخ	مفروضہ طبقۂ شرفاء
بریلوی	جامعہ اشرفیہ	جناب سرفراز احمد	انصاری	پس کردہ برادریاں
اہل حدیث	جامعہ سلفیہ	جناب عبداللہ سعود	”	”
جماعت اسلامی	جامعۃ الفلاح	مولانا سید جلال الدین انصر عمری	سید	مفروضہ طبقۂ شرفاء
شیعہ	جامعہ اہل بیت	مولانا سید محمد عسکری زیدی	”	”

(٦)

ہندستانی مسلم نمائندہ عصری درس گاہیں اور ان کے بانیان

درس گاہیں	بانیان	برادریاں	طبقات
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	سرسید احمد خان	سید	مفروضہ طبقۂ شرفاء
جامعہ ملیہ اسلامیہ	شیخ الہند مولانا محمود الحسن	شیخ	”
جامعہ عثمانیہ	جناب نواب میر عثمان علی خاں	خان	”
جامعہ اردو علی گڑھ	پروفیسر محمد طاہر فاروقی	شیخ	”
جامعہ ہمدرد نئی دہلی	جناب حکیم عبدالحمید	×	”
مولانا آزاد اردو یونیورسٹی	حکومت ہند	×	×

(۷)

ہندستانی مسلم نمائندہ عصری درس گاہیں اور ان کے موجودہ صدور

درس گاہیں	صدور	برادریاں	طبقات
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	جناب نسیم احمد	شیخ	مفروضہ طبقۂ شرفاء
جامعہ ملیہ اسلامیہ	پروفیسر سید مشیر الحسن	سید	”
جامعہ عثمانیہ	پروفیسر محمد سلیمان صدیقی	شیخ	”

جامعہ اردو علی گڑھ	محترمہ صبا خان	خان	مفروضہ طبقۂ شرفاء
جامعہ ہمدرد نئی دہلی	ڈاکٹر ایس. احمد	×	,,
مولانا آزاد اردو یونیورسٹی	پروفیسر اے ایم پٹھان	خان	,,

(۸)

ہندستانی مسلم نمائندہ تنظیمیں اور ان کے بانیان

تنظیمیں	بانیاں	برادریاں	طبقات
مسلم پرسنل لا بورڈ	مولانا قاری محمد طیب	شیخ	مفروضہ طبقۂ شرفاء
آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت	جناب عبدالجلیل فریدی	شیخ	,,
جمعیۃ علماء ہند (قدیم)	مولانا عبدالباری فرنگی محلی	انصاری/شیخ	,,
مرکزی جمعیۃ علماء ہند (جدید)	مولانا فضیل احمد	انصاری	پس کردہ برادیاں
مسلم وقف بورڈ	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی	شیخ	مفروضہ طبقۂ شرفاء
آل انڈیا مسلم لیگ	نواب سلیم اللہ خان	خان	,,
انڈین یونین مسلم لیگ	جناب سید ابراہیم سلیمان سیٹھ	سید	,,
رابطہ عالم اسلامی	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	,,	,,
بابری مسجد ایکشن کمیٹی	جناب ظفریاب جیلانی	,,	,,
آئی او ایس	ڈاکٹر محمد منظور عالم	شیخ	,,
رابطہ کمیٹی یوپی	جناب امان اللہ خان	خان	,,
رابطہ کمیٹی بہار	,,	,,	,,
اسلامی فقہ اکیڈمی	مولانا مجاہدالاسلام قاسمی	سید	,,

(۹)

ہندستانی مسلم نمائندہ تنظیمیں اور ان کے موجودہ صدور

تنظیمیں	صدور	برادریاں	طبقات
مسلم پرسنل لا بورڈ	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	سید	مفروضہ طبقۂ شرفاء
مسلم مجلس مشاورت	جناب سید شہاب الدین	”	”
مسلم مجلس	جناب قمر کاظمی	”	”
جمعیۃ علماء ہند (قدیم)	مولانا سید ارشد مدنی	”	”
مرکزی جمعیۃ علماء ہند (جدید)	مولانا فضیل احمد	انصاری	پس کردہ برادریاں
مسلم وقف بورڈ	جناب ہارون یوسف	شیخ	مفروضہ طبقۂ شرفاء
آل انڈیا مسلم لیگ	×	×	×
انڈین یونین مسلم لیگ	غلام محمود بنات والا	×	مفروضہ طبقۂ شرفاء
رابطہ عالم اسلامی	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	سید	”
بابری مسجد ایکشن کمیٹی	جناب ظفریاب جیلانی	”	”
آئی او ایس	ڈاکٹر محمد منظور عالم	شیخ	”
رابطہ کمیٹی یوپی	جناب امان اللہ خان	خان	”
رابطہ کمیٹی بہار	”	”	”
اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا	مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی	شیخ	”
آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت	مولانا محمد سالم قاسمی	”	”

(۳۷۳)

سچر کمیٹی رپورٹ نے بھی مسلم پس کردہ طبقات کو مزعومہ طبقۂ اشراف سے پس ماندہ مانا ہے اور ان کی طرف خصوصی توجہ دیے جانے کی وکالت کی ہے۔ رپورٹ ان کی پسماندگی کا اشراف کی پس ماندگی سے تقابل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"[...] The incidence of poverty is highest among Muslim OBC (38%) followed by Muslim General (35%). [...] Overall, the

conditions of Muslims OBC are worse than those of Muslim General [...] within the Muslim community a large percentage of Muslim OBS fall in low income catergory as compared to Muslim General [...] within Muslims Muslims OBC, are slightly lagging behind the Muslims General in high income group."(۷۳۴)

''[...] مسلم او بی سی میں غربت کی شرح (۳۸٪) زیادہ ہے جب کہ مسلم جنرل میں ۳۵٪ ہے۔ [...] مجموعی طور سے مسلم او بی سی کی حالت مسلم جنرل سے خراب ہے۔[...] مسلمانوں کے اندر مسلم جنرل کے مقابلہ میں مسلم او بی سی کی ایک بڑی تعداد کی شرح آمدنی کم ہے۔[...] بڑی شرح آمدنی کے گروپ کی بات کی جائے تو مسلمانوں کے اندر مسلم او بی سی مسلم جنرل سے قدرے پیچھے ہیں۔''

سید شہاب الدین صاحب تو تمام مسلمانوں کو پسماندہ بتاتے ہیں۔لیکن وہ خود ہی اپنے ایک مضمون ''دلت۔مسلم اتحاد کے امکانات'' میں رقم طراز ہیں:

''مسلم قیادت جو زیادہ تر اشراف کے ہاتھوں میں رہی یہ اندازہ ہی نہ کر سکی کہ دلتوں کے کس طبقے سے مخاطب ہوا جائے۔'' (۷۳۵)

مسلم او بی سی لیڈران کا مطالبہ ہے کہ دستور میں تبدیلی کر کے مسلم دلتوں کو ایس سی لسٹ میں شامل کیا جائے۔کمار سریش سنگھ رپورٹ آف ایس سی (Kr. Suresh Singh Report of SC) کے مطابق کل ہند پیمانے پر ۳۵، ایسی مسلم ذاتیں ہیں جو ہندو دلتوں سے مسلمان ہوئے ہیں اور آج بھی روایتی طور پر انہیں پیشوں سے جڑے ہوئے ہیں جن کو ہندو دلت کر رہے ہیں۔(۷۳۶) اصولی طور سے دیکھا جائے۔ان کو ایس سی لسٹ میں شامل کرنا مشکل نہیں ہے، کیوں کہ ۱۹۳۵ء میں مسلم دلت بھی اس لسٹ میں شامل تھے لیکن ۱۹۵۰ء میں کانگریس حکومت کے دور میں ایک صدارتی آرڈر کے ذریعہ مسلم دلتوں کے ساتھ دوسرے مذاہب کے دلتوں کو نکال دیا گیا،لیکن ۱۹۵۶ء میں سکھ دلتوں کو اور ۱۹۹۰ء میں بودھ دلتوں کو اس میں شامل کرنے کے لیے دوبار دستور میں تدیلی کی جا چکی ہے۔(۷۳۷) بہار اور یو پی اسمبلیوں نے مسلم دلتوں کو ایس سی لسٹ میں شامل کرنے کے لیے بل منظور کر کے مرکزی حکومت کو بھیج دیا ہے۔خود سچر کمیٹی نے ان کو ایس سی لسٹ میں شامل کرنے کی شفارش کی ہے۔رپورٹ میں ہے کہ:

"Being at the bottom of the social hierarchy the arzals are the worst off and need to be handled separately. It would be most

oppropriate if they were absorbed in the SC list, or at least in a separate calegory, Most Baxcward classes (MBCs) carved out of the OBCs." (۳۷۸)

''سماجی درجہ بندی میں سب سے نیچے ہونے کی وجہ سے ارزال کی حالت بہت ہی خراب ہے اور ان پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ سب سے مناسب ہوگا کہ ان کو ایس سی لسٹ میں شامل کرلیا جائے یا کم سے کم الگ کیٹیگری موسٹ بیک ورڈ کلاس (ایم بی سی) جو اوبی سی سے الگ کیا گیا ہے میں شامل کیا جائے۔''

اگر مسلم معاشرے کو ہمارے علمائے کرام، دانشوران عظام، مسلم اور مذہبی تنظیموں نے ذات پات کی لعنت سے پاک کیا ہوتا تو تمام مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کی مانگ میں اس قدر طاقت ،انرجی (Energy) وقت اور پیسے خرچ کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اور نہ ہی صرف خاص برادریوں کو ریزرویشن ملتا، بلکہ تمام مسلمانوں کو ریزرویشن ملتا۔ ہمارے علمائے کرام اور دانشوران یہ کام تو نہیں کررہے ہیں اور لاحاصل مسئلہ میں امت کو جھونک کر اپنی سیاست چمکا رہے ہیں۔ اگر آج بھی مسلم معاشرہ، فقہ اور علماء کی کتابوں سے ذات پات کو ختم کردیا جائے تو ان حضرات کو تمام مسلمانوں کے لیے ریزرویشن کی مانگ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مسلمان خودبخود اس دائرہ میں آجائیں گے۔ اور ہندوؤں کے مقابلہ میں سماجی اور تعلیمی طور سے پس ماندہ قرار دے دیئے جائیں گے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم (مزعومہ) بڑی ذاتوں کے غریبوں کو الگ سے قانون بنا کر ریزرویشن دیا جانا چاہیے، پس کردہ مسلم برادریوں کے کوٹے میں انھیں شامل نہیں کرنا چاہیے۔ مسئلہ کو سلجھانے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے لیکن میرے خیال میں یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے، اس سے زیادہ فائدہ پہنچنے کو نہیں ہے، بلکہ ذات پات جوں کی توں باقی رہے گی، صحیح بات تو یہ ہے کہ تمام غریب مسلمانوں (اور ہندوؤں کو بھی) خواہ ان کا تعلق پس کردہ برادریوں سے ہو یا مفروضہ طبقہ شرفاء سے کو ریزرویشن ملنا چاہیے؛ لیکن ان میں بھی صرف اور صرف انھی لوگوں کو ملنا چاہیے جو ذات کے حامی نہ ہوں جو ذات کے حامی ہوں ان کو تو کسی بھی صورت میں نہیں ملنا چاہیے۔ حامی ذات پات نہ ہونے کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کے گھر میں کسی نہ کسی کی بین برادری شادی ہوئی ہو۔

دوسری چیز یہ ہے کہ پست کردہ برادریوں کے افراد ریزرویشن کے ذریعہ اچھے مناصب پر آجائیں گے تو خود ساختہ شرفاء بھی ان سے شادی بیاہ کرنے میں لیت ولعل نہ کریں گے کیوں کہ وہ رذیل ذات سے نہیں بلکہ آئی۔ اے۔ ایس۔ پی۔ سی۔ ایس۔ سے شادی کریں گے اور اس طرح ذات پات نیست

ونابود ہو جائے گا۔ اس کی تو آج کل سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ میں بذات خود ایک شخص کو جانتا ہوں جنھوں نے ذات پات کو بڑھاوا دیا ہے، مسلمانوں [اشراف] کے لیے ریزرویشن کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن جب ان کو پس کردہ برادری کا آئی اے ایس دولہا مل گیا تو فوراً اس سے اپنی بیٹی بیاہ دیا۔

مولانا محی الدین غازی عثمانی فلاحی جماعت اسلامی ہند کی طلبہ تنظیم ایس آئی او (اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا) کا سابق جنرل سکریٹری وسابق مدیر ترجمان ایس آئی او اور ''رفیق منزل'' و موجودہ مدیر عربی ترجمان جماعت اسلامی ''المنشرہ'' کے مدیر ہیں۔ جامعہ الفلاح اعظم گڑھ کے سیمینار جس کا ذکر اوپر جماعت اسلامی کے ضمن میں ہوا ہے۔ میں میرے مقالہ پر غیر علمی اعتراض کرتے ہوئے غیر شائستہ انداز کہا تھا کہ مسلمانوں میں ذات پات نہیں ہے۔ ان کے خلاف جناب امتیاز احمد فیضی نے قومی آواز نئی دہلی میں ۱۲؍ مارچ ۲۰۰۵ء کو ایک مراسلہ لکھا تھا۔ اس کے اندر ان کو ''عثمانی'' لکھا تھا۔ جماعت اسلامی کے ایک رکن کو میں نے وہ مراسلہ دکھایا تو انہوں نے کہا کہ ''یہ عثمانی کب سے ہو گئے؟'' ان کے ایک عالم دین فلاحی بھائی نے اپنے کو سید لکھنا شروع کر دیا ہے۔ رفیق منزل نئی دہلی اگست ۲۰۰۶ء میں بہ نام ''ابوالاعلی سید سبحانی'' دیکھا جاسکتا ہے۔

میرے ایک فلاحی کلاس میٹ [جو غازی صاحب کے موجودہ وطن بلریا گنج میں رہتے ہیں] کو جب ان کے بھائی کے سید لکھنے کی میں نے اطلاع دی تو انہوں نے کہا کہ ''مولانا عنایت اللہ اسد سبحانی [صاحب حقیقت رجم] کے بیٹے سید کب سے ہو گئے؟''

نہ صرف غازی صاحب بلکہ ان کا پورا گھرانہ ہی اقامت دین اور دعوت اسلام کا دعوے دار ہے۔ وہ ذات پات اور ریزرویشن کے سلسلے میں مذکورہ بالا شخص جس نے پسماندہ ذات کے آئی اے ایس سے اپنی بیٹی کی شادی کی ہے کے صد فیصد مقلد ہیں، حتیٰ کی ان کی تحریروں کو وہ بطور دلیل پیش کرتے رہتے ہیں۔ وہ ذات پات کے اس قدر قائل ہیں کہ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر چہ کوئی قرآنی آیت اور صحیح حدیث سادات کی فضیلت میں موجود نہ ہو پھر بھی میرا دل ان کی عزت کا خواہاں ہے اور جہاں ذات پات ہے وہاں باقی رہنا چاہیے۔ انھوں نے ذات پات سے متعلق ایک مضمون رفیق منزل اگست ۲۰۰۴ء میں لکھا تھا، یہی مضمون جماعت اسلامی کے ریڈینس میں ۱-۷؍ اگست ۲۰۰۴ء کو شائع ہوا، میں نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کا نام ذات پات کے غیر قائلین میں لکھ دوں؟ تو انھوں نے کہا کہ نہیں میں شادی بیاہ میں ذات پات کا قائل ہوں۔ جب میری یہ کتاب مرکزی مکتبہ اسلامی سے چھپنے والی تھی تو وہ اس کو رکوانے کے لیے جماعت اسلامی ہند کے مرکز اور باہر جا کر تحریک چلاتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ

اس کتاب کی اشاعت سے اسلام کی اشاعت رک جائے گی۔ میں نے ان کو ان مسلم لڑکیوں کی فہرست اور ان کے متعلق اخبارات میں شائع خبروں کی کٹنگ دکھائی جنھوں نے ہندو لڑکوں سے شادیاں کرلی ہیں اور ہندو ہوگئی ہیں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ اس کے باوجود آپ لوگ ذات پات پر مبنی کفو کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو انھوں نے برجستہ کہا کہ کیا آپ چند واقعات کی وجہ سے اسلامی شریعت (مروجہ وفقہی) ''کفو'' کو ختم کردیں گے، گویا کہ ان کے ارتداد سے انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

میں نے جب ان سے کہا کہ آج برہمن تک ذات پات کو ختم کر رہے ہیں اور ۸۰ فیصد دلت آئی اے ایس، پی سی ایس (P.C.S) کی بیویاں برہمن ہیں اور ایک آپ لوگ ہیں جو اس کینسر کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ 'آپ بھی مجھے چھوٹی ذاتوں کے آئی اے ایس، پی سی ایس لڑکے لا کر دیجیے، میں ان کی شادیاں سادات میں کراؤں گا۔'

ایسا کرنے سے غالب گمان ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ جو لوگ اسلام کے خاطر بھی ذات پات کو ختم نہیں کر رہے ہیں، وہ مادی لالچ کے واسطے ضرور ذات پات کا خاتمہ کریں گے۔

غازی صاحب کی بات سے ایک اہم نکتہ یہ بھی معلوم ہوا کہ جب پس کردہ برادریاں قانوناً و عملاً تمام سہولیات سے محروم کردی گئی تھیں اس وقت غازی صاحب جیسے لوگوں نے فتوے دیئے کہ پس کردہ برادریوں کی لڑکیوں سے شادیاں کرلو، مگر ان کو اپنی لڑکیاں مت دو، لیکن آج ہندستان کی سیکولر اور جمہوری حکومت میں پس کردہ برادریاں ہر میدان میں قدم جما رہی ہیں تو غازی جیسے لوگ اعلی عہدوں پر فائز پس کردہ برادریوں سے لڑکیاں تو بیاہ رہے ہیں لیکن ان کی لڑکیوں سے خود شادیاں نہیں کر رہے ہیں۔ ایسا صرف وہی لوگ کر رہے ہیں جو حقیقی اسلام پسند ہیں۔ غازی صاحب جیسے لوگ بالکل برہمنیت کے علمبرداروں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، کیوں کہ یہ لوگ بھی اپنی لڑکیاں اونچے مناصب پر فائز پس کردہ ہندوں سے بیاہ دیتے ہیں، لیکن پس کردہ ہندوں کی لڑکیوں سے خود شادیاں نہیں کرتے ہیں۔

اکیسویں صدی کے مسلمان میں ذات پات

شروع سے آج تک مسلم سماج کی ذات پات کے اصلاح کے لیے ایک بھی تحریک نہیں اٹھی بلکہ اکثر علماء کے ذریعہ اسے قوت ملتی رہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج بھی پس کردہ برادریوں کو نیچ اور رذیل سمجھا جاتا ہے، بعض مقامات اور بعض حالات میں ان کو پختہ مکان، ان کے مردوں کو قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا جاتا ہے ان سے بے گاری لی جاتی ہے، ان کو مارا پیٹا جاتا ہے، ان کی بستیاں اجاڑی جاتی ہیں اور

ان کی بہو بیٹیوں پر بری نگاہ ڈالی جاتی ہے۔ مزعومہ نیچ ذات کے لوگوں کو مسجد کے اندر پہلی صف میں نہیں بیٹھنے دیا جاتا ہے، حتی کہ مفروضہ طبقہ اشراف کی مسجدوں میں ان کے داخل ہو جانے کی وجہ سے مسجد دھولی جاتی ہیں۔ ان چیزوں سے ریکٹ (React) ہو کر پس کردہ برادریوں کے لوگ بھی مفروضہ طبقہ شرفاء سے حسد و جلن اور بغض وعناد رکھنے لگے ہیں؛ حتی کہ بدلہ لینے، سماج میں برابری کا مقام اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے جذبہ سے ان میں سے بعض افراد نسلی تنظیموں میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں؛ چناں چہ:

الف۔ پختہ مکان بنانے اور ساتھ کھانا کھانے:

زمانۂ ماضی میں پس کردہ برادریوں کو پختہ مکان نہ بنانے، اچھا کھانا نہ پکانے کے جو عام واقعات ہوتے تھے ان کا تذکرہ اوپر باب چہارم میں ہو چکا ہے؛ لیکن بعض مقامات پر آج بھی جاری ہیں۔

ماہنامہ ''اللہ کی پکار'' نئی دہلی کے ایک مراسلہ نگار جناب عبدالحمید خان ستمبر ۲۰۰۵ء کے شمارہ میں لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے گاؤں بیہٹ ضلع سہارن پور (یوپی) میں ایک مشہور بزرگ جناب شاہ مسعود صوفی اور پیر کی وفات تقریباً ۲۵ سال قبل ہوئی۔ یہ مشہور صوفی اور پیر شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ کے بہت چہیتے مرید تھے۔ اتنے نیک ہونے کے باوجود جب تک وہ باحیات رہے مسلم OBC [او بی سی] برادریوں سے تعلق رکھنے والے کسی بھی شخص کو پختہ مکان نہیں بنانے دیتے تھے۔ جب کوئی مکان بنانے کی تیاری کرتا تھا تو اس کا پیسہ چھین کر ایک کاغذ میں لپیٹنے کے بعد اس کا نام لکھ کر صندوق میں ڈال دیا کرتے تھے۔ جب انتقال کرنے لگے تو اپنے وارثوں کو وصیت کی کہ فلاں فلاں کے پیسے صندوق میں مع نام موجود ہیں۔ ان کو واپس کر دینا۔ آخر یہ کیسی بزرگی اور کیا [کیسا] اسلام ہے۔'' (۳۷۹)

بعض مقامات پر پس کردہ برادریوں کو مفروضہ طبقہ شرفاء کے ساتھ کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ شعبۂ سماجیات جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی کے سابق پروفیسر جناب امتیاز احمد نے مسلم سماج میں پائی جانے والی ذات پات کے سلسلہ میں ایک کتاب مرتب کیا ہے جس کا نام ہے: Caste and Social Stratification among Muslims In India. اس کے اندر جناب حسن علی کا مضمون Elements of Caste among the Muslims in District in Southern Bihar شامل ہے۔ جو ۲۰۰۰ء میں صوبہ بہار سے الگ ہوئے صوبہ جھارکھنڈ کی دار السلطنت رانچی کے گاؤں ''اٹکی'' اور قصبہ ''ہندپڑی'' کا سروے ہے۔ جب انھوں نے گاؤں میں پوچھا

کہ یہاں کون کون سی مسلمان برادریاں ہیں تو پہلی فرصت میں انھوں نے مسلم آبادی میں ذاتوں کے وجود سے انکار کیا اور بتایا کہ مسلمانوں میں ذات برادری نہیں ہوتی، لیکن جب ان سے مزید پوچھ تاچھ کی گئی تو معلوم ہوا کہ مسلمان تین طبقات میں تقسیم ہیں:

"(۱) اعلی (سید اور پٹھان)

(۲) اوسط (عراقی، انصاری، ادریسی، راعی، گدی، چک اور، وفالی)

(۳) اسفل (نائی، دھوبی اور بھنگی)

ان طبقات میں ظاہری امتیاز تو یہ ہے کہ اعلی طبقہ کی خواتین مکمل طور پر پردے میں رہتی ہیں۔ اسفل طبقہ کی خواتین پردہ نہیں کرتیں۔ ان دونوں طبقوں کے معیار زندگی میں بھی واضح فرق نظر آیا۔ لیکن مغربی تہذیب کے اثرات کے نتیجے میں اعلی طبقہ کی جو خواتین پردہ چھوڑ چکی ہیں اس سے ان کے طبقاتی مقام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

دینی معاملات میں گاؤں کے مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ سبھی ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ کسی بھی طبقہ کا مسلمان کسی بھی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ دینی تعلیم کے حصول میں بھی کوئی امتیاز نہیں۔ اگر کوئی انصاری پڑھ لکھ کر عالم بن جاتا ہے تو تمام طبقوں کے لوگ اسے عزت واحترام کا مقام دیتے ہیں۔

لیکن سماجی تقریبات میں اسفل ذات کے لوگوں کو کھانا الگ صفوں میں پروسا جاتا ہے، حالانکہ ایسا ہندو اچھوتوں کی طرح سلوک کرنے کے لئے نہیں کیا جاتا بلکہ سماجی مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اس امتیاز کو روا رکھا جاتا ہے۔ جو بہرحال نسلی امتیاز کی ایک قسم ہے، جس کی اجازت اسلام نہیں دے سکتا۔

اس سروے پر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی [مرحوم سابق تیسرے صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ] قاضی شریعت بہار واڑیسہ، اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"اس گاؤں سے میرے روابط ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس گاؤں میں نام نہاد اسفل برادریوں کو الگ صفوں میں کھانا نہیں پروسا جاتا، اس طرح کا سلوک میں نے بارہ بنکی میں پایا جب ایک شخص نے بارہ بنکی کے گاؤں میں موجود اس فتنہ کی جانب دھیان دلایا۔" (۳۸۰)

ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے ایک شخص..... نے راقم کو بتایا کہ میں نے اپنے گاؤں اور

اپنے خاندان میں دیکھا کہ شادی بیاہ کے موقع پر دھنیا (منصوری) برادری کے لوگوں کو کھانا دے دیا جاتا ہے کہ وہ اسے گھر لے جا کر کھائیں۔ میں نے سمجھا کہ غریب لوگ ہیں ہوسکتا ہے کہ اپنے بال بچوں کے ساتھ مل کر کھائیں اس لیے ایسا کیا جاتا ہے؛ لیکن جب حقیقت معلوم کی تو پتہ چلا کہ چونکہ وہ چھوٹی ذات کے ہیں اس لیے انھیں ساتھ نہیں کھانے دیا جاتا ہے۔'

سینٹر فار پروموشن آف ایجوکیشنل اینڈ کلچر اڈوانس مینٹ آف مسلم آف انڈیا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور فیکلٹی آف لا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ۱۰-۱۱ فروری ۲۰۰۷ء کو ایک دوروزہ قومی سیمینار Protective Discrimination in favour of Muslims:Possibilities and challanges (مسلمانوں کے ساتھ ناروا امتیازات کا خاتمہ: امکانات اور مشکلات) کروایا تھا، جس کا مقصد تھا ریزرویشن میں مسلمانوں کو کس طرح حصہ دلایا جائے، راقم الحروف بھی اس میں مدعو تھا۔ ایک خاتون ڈاکٹر عظمت صدیقی لیکچرر ویمنس اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے اپنے گاؤں پھول پور، الہ آباد یوپی کے فلڈ ورک پر مقالہ پڑھا۔ انہوں نے کہا کہ 'میرے گاؤں میں آدھے اشراف ہیں اور آدھے غیر اشراف۔ آج بھی کوئی اشراف کسی حلال خور مہتر وغیرہ کے یہاں کھانا نہیں کھاتا۔ جب میں ۱۰ سال کی تھی تو ہمارے گاؤں کے ایک مہتر کے گھر شادی کی تقریب ہوئی۔ اس نے بڑی امیدوں کے ساتھ ہم لوگوں کو دعوت دی اور کہا کہ ''بی بی جی! کھانا ہم نہیں پکائیں گے، باورچی پکائے گا لہٰذا آپ لوگ کھانے ضرور آئیں۔ سب نے اس کا دل رکھنے کے لیے ہاں کہہ دیا لیکن کوئی بھی نہیں گیا۔ اس نے کھانا گھر بھجوا دیا تو کھانے کو باغ میں پھینک دیا گیا کہ مہتر کے گھر کا کھانا ہے۔ میں نے اس کے گھر جا کر کھانا کھالیا تو ہماری چچازاد بہنوں نے ہمارا ہفتوں بائیکاٹ کیا تھا کہ میں ایک مہتر کے گھر جا کر کھانا کھائی ہوں۔'

ب- مسجد میں بھی بھید بھاؤ:

جناب علی انور اپنی کتاب ''مساوات کی جنگ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''...... [ہمارا نعرہ' اردو روز نامہ کے مدیر اور صوبہ بہار ''جمعیۃ المنصور'' کے صدر جناب محمد شمس الہدیٰ استھانوی] اپنا ایک پرانا تجربہ سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''تقریباً بیس سال پہلے کی بات ہے نالندہ ضلع کے استھاما تھانا کے ماتحت گاؤں دیسنا کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے کا موقع ملا۔ وہاں دیکھا کہ پہلی صف خالی ہے اور دوسری صف میں لوگ آکر بیٹھتے جا

رہے ہیں۔ میں نے جب لوگوں کو آگے آنے کے لیے کہا تو مجھے بتایا گیا کہ پہلی صف اشرافوں کی ہے۔ باقی صفیں عام لوگوں کے لیے ہیں...''

پٹنہ کے نورالحسن آزاد''دلت مسلم پمریا(عباسی) منچ'' نام سے ایک تنظیم چلاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کی برادری کے ساتھ کئی گاؤں میں بہت خراب سلوک کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ''لوہرڈگا'' ضلع کے ''مکاندو'' گاؤں میں ۱۵۰ گھر پمریا کے ہیں۔ یہاں جمعہ کی نماز میں اس ذات کے لوگوں کو پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔ مدرسہ میں بھی ان کے بچوں کے ساتھ چھوا چھوت برتا جاتا ہے۔ اس لیے جھگڑا ہوا اور ایک بار تو گولی چلنے کی نوبت آ گئی تھی۔ اس لیے پمریا ذات کے لوگ الگ ہی نماز پڑھتے ہیں۔

لوہرڈگا ضلع میں ہی ایک گاؤں ہے ''پنڈرا''۔ نورالحسن آزاد نے مکاندو اور پنڈرا گاؤں کا دورہ کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ پنڈرا میں تو انصاری اور کلال ذات کے لوگ بھی اس طرح کا ظلم کرتے ہیں۔ مسجد میں اگلی صف میں بیٹھنے پر پمریا برادری کے لوگوں کو اٹھانے کے لیے مار پیٹ بھی ہو چکی ہے۔ اس کے بعد سے پمریا ذات کے لوگوں نے اپنا الگ مسجد اور مدرسہ بنا لیا ہے۔ ہزاری باغ کے پروفیسر انور حسین نے تحقیقات کے بعد اس سچ کو صحیح بتاتے ہوئے کہا کہ پمریا منچ کی شکایت صحیح ہے۔

مظفر پور ضلع کے ماتحت اورائی بلاک کے گاؤں بیوڈر کے محمد سلمان پاسی نے پٹنہ آ کر مجھے [علی انور] بتایا کہ ان کی برادری کے لوگوں کے ساتھ بھی مسجدوں میں ایسا ہی سلوک ہوتا ہے۔ محمد سلمان بتاتے ہیں کہ ان کی برادری کے لوگ تاڑ اور کھجور کے درخت سے تاڑی چوانے [نکالنے] کا کام کرتے ہیں۔ جب ان کی برادری کے لوگ عید، بقرعید کی نماز پڑھنے جاتے ہیں تو بغل میں بیٹھا دیکھ کر کئی لوگ بدن مہکنے کی شکایت کرتے ہوئے ناک بھوں سکوڑنے لگتے ہیں۔ اور ہم لوگوں کو سب سے پیچھے کی صف میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کی برادری کے بہت [سے] لوگ تو نماز پڑھنے جاتے ہی نہیں۔ محمد سلمان پاسی خود کہتے ہیں: ''ہم لوگ تو صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔'' ان کی یہ بھی شکایت ہے کہ برادریوں کی فہرست میں ان کی برادری کا نام بھی درج نہیں ہے۔'' (۳۸۱)

۱۹/جنوری ۲۰۰۶ء بوقت ۷/بجے شام راقم الحروف اپنے ایک کلاس میٹ مولانا عزیز الرحمٰن فیضی سے ان کی دوکان مکتبۃ الفہیم صدر بازار مئوناتھ بھنجن، مئو پر ملاقات کے لیے گیا تھا۔ وہاں ڈاکٹر شکیل احمد صاحب انچارج اسکالر پبلک اسکول مئو بھی موجود تھے۔ میرے دوست نے ان سے میرا تعارف کرایا اور کہا کہ یہ ذات پات کے خلاف لکھتے رہتے ہیں۔ بعدہ ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ بتایا کہ ۱۹۹۳ء میں رابطہ کمیٹی نے دہلی اور علی گڑھ سے اصلاح معاشرہ وفد نکالا، جس نے ملک کے مختلف حصوں

میں جا کر مسلمانوں کی اصلاح کا کام کیا۔ ایک وفد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وی سی اور ہمدرد یونیورسٹی کے موجودہ چانسلر جناب سید حامد صاحب بھی تھے۔ جب یہ وفد گورکھپور میں ہزاروں کے مجمع سے خطاب کر رہا تھا تو وہاں کے ایک شخص جناب مسلم ایڈوکیٹ نے سید حامد صاحب کو مجمع کے اندر سے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

"آپ اصلاح معاشرہ کے لیے نکلے ہیں۔ یہاں پر اونچوا [Ounchwa] گاؤں کے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے کو اشراف کہتے ہیں۔ اگر ان کی مسجد میں کوئی پسماندہ برادری کا شخص داخل ہو جاتا ہے تو یہ لوگ آج بھی مسجد دھوتے ہیں۔ ذرا ان کو بھی سمجھائیں کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔"

سوشل سائنس داں غوث انصاری نے اتر پردیش کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

"جو مسلمان خاک روبی اور مزعومہ رذیل پیشے کرتے ہیں اونچے درجہ کے مسلمان ان سے عام طور پر کھانا وغیرہ نہیں لیتے ہیں۔ بعض اوقات مسجد کے اندر نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی ہے، ہاں ان کی مسجد کے باہر کھڑے ہو کر عبادت کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔" (۳۸۲)

غوث انصاری صاحب نے کس دور کی بات لکھی ہے معلوم نہیں لیکن اس کا کلی طور پر انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ نئی دہلی سے شائع ہونے والا ہفت روزہ انگریزی رسالہ "Tehelka" نے ۱۸ر نومبر ۲۰۰۶ء کے شمارہ میں صفحہ ۱۶ پر لکھا ہے کہ آج بھی اونچی ذات کے مسلمان نیچی ذات کے مسلمانوں کو اچھوت سمجھتے ہیں۔ اس نے عدالت گنج، پٹنہ بہار کے محمد سلیمان بکھو کی پوری تفصیلات لکھی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگرچہ اسلام چھوا چھوت کی تفریق کے خلاف ہے لیکن بہار کے بکھو مسلمان کو دوسرے مسلمان اچھوت سمجھتے ہیں۔ جب کوئی اونچی ذات کا مسلمان مرتا ہے تو بکھو ذات کے لوگ اس کی تعزیت کے لیے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی بکھو مر جاتا ہے تو کوئی بھی اونچی ذات کا مسلمان اس کی تعزیت کے لیے نہیں آتا ہے۔

"In Bihar, the Bakkho sub-caste- formally a nomadic tribe- is held by other Muslims to be untouchables despite Islam categorically forbidding any such division...,when someone in an upper caste family dies, we go to his house to condole, like we would to any Muslim home. But when someone of our caste dies, the upper caste never come by."

ت-قبرستان میں مردہ دفن کرنے کی ممانعت:

جماعت اسلامی ہند کے رکن مولانا ارشد سراج الدین خان مکی سے میں ۱۴؍ اپریل ۲۰۰۵ء کو ان کی آفس ''حرمین ٹورس دہلی'' میں باتیں کررہا تھا کہ ایک بجے کے قریب سید داؤد صاحب- جو جماعت اسلامی ہند کے قیم جماعت سید محمد جعفر صاحب کی چچازاد بھائی جن کا وطن کا بہیا اسٹیشن کے قریب واقع قصبہ ''ڈیانا'' ضلع پٹنہ بہار ہے- مولانا کے پاس تشریف لائے۔ پس کردہ برادریوں کو قبرستان میں دفن نہ ہونے دینے کے مندرجہ ذیل آخرالذکر واقعات میں نے ان کو بتایا تو وہ کہنے لگے کہ:

'آپ نٹ اور پمریا وغیرہ کی بات بتا رہے ہیں، میں نے اپنے گاؤں میں دیکھا کہ طبقۂ شرفاء، انصاریوں تک کو قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیتے تھے جس کی وجہ سے ان لوگوں نے اپنا الگ قبرستان بنایا اور آج حال یہ ہے کہ انصاریوں کے قبرستان میں گلاب کے پھول کھلے ہوئے ہیں اور طبقۂ شرفاء کے قبرستان میں سور گھومتے ہیں، لوگ بول و براز کرتے ہیں، طبقۂ شرفاء پوری طرح زوال پذیر ہے؛ جو ظلم ان لوگوں نے کیا تھا اس کا بدلہ تو ملنا ہی تھا۔'

مشہور ہندی صحافی جناب علی انور نے بہار کے مختلف علاقوں کا دورہ کرکے ہندی میں ایک کتاب ''مساوات کی جنگ۔ پس منظر بہار کے پسماندہ مسلمان'' لکھی ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

بھوجپور ضلع میں ایک مسلم اکثریت گاؤں ''دواں'' ہے- دلی ہاوڑا میل لائن پر ''بہیاں'' اسٹیشن سے تین کلومیٹر جنوب میں یہ گاؤں آباد ہے، اس گاؤں میں تقریباً سو گھر پٹھانوں کے، ستر گھر پمریا کے، سائیں- دفالی، درزی کے دس دس گھر اور دو گھر جولاہوں کے ہیں- ہندوؤں میں ہریجن اور کری ذات کے بھی خاندان یہاں بستے ہیں۔ یہاں پٹھان خاندان مالدار کسان ہیں، کئی خاندانوں کے پاس ۵۰ بیگھا سے زیادہ زمین ہے۔ ان خاندانوں کے دو درجن سے زیادہ لوگ پولیس اور بھارتیہ سینا [ہندستانی فوج] کی نوکریوں میں ہیں۔ اس لیے گاؤں پر انھی لوگوں کا دبدبہ ہے۔ ادھر مسلمانوں کی دوسری برادریوں کے لوگ بے زمین اور کھیتی کرنے والے مزدور ہیں۔ شادی بیاہ کے موسم میں کچھ لوگ باجا بجا کر اور برسات کے موسم میں چھاتا بنانے نیز کئی لوگ (سائیں/فقیر خاندان) بھیک مانگ کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کچھ لوگ راج مستری اور درزی کا پیشہ کرتے ہیں، ان کے پاس رہنے کے لیے گھر تک نہیں ہے۔ ایک ہی گھر میں ٹاٹ (بورا) کا پردہ ڈال کر ایک طرف ماں باپ اور دوسری طرف ان کے جوان بیٹے اور بہور ہتے ہیں۔ اس گاؤں کے صدیق میاں کے گھر میں تو ۹ افراد ہیں؛ لیکن رہنے کے لیے اپنا کچھ بھی

نہیں ہے۔ ان خاندانوں میں بہ مشکل ایک درجن سے زیادہ افراد تعلیم یافتہ ہیں۔ پمریہ برادری کے ذاکر حسین نہ صرف ہائی اسکول پاس ہیں؛ بلکہ سیاسی سوجھ بوجھ بھی رکھتے ہیں۔

اس گاؤں کا حال یہ ہے کہ پٹھانوں کا قبرستان الگ ہے، پمریا برادری کے لوگ اپنے مردے الگ دفن کرتے ہیں، سائیں اور درزی کے قبرستان بھی الگ ہیں۔ ایک ہی گاؤں میں الگ الگ قبرستان کیوں ہیں؟ اس سوال کے جواب میں ذاکر حسین صاحب بتاتے ہیں کہ:

”پٹھانوں نے ہمارے اسلاف کو اپنے ساتھ دفن نہیں ہونے دیا ہوگا اس لیے انھیں اپنا الگ قبرستان بنانا پڑا ہوگا۔“ وہ مزید فرماتے ہیں کہ پٹھانوں کے قبرستان سرکاری زمین میں ہے جب کہ ان کا رعیتی [پشتینی] زمین میں ہے۔ ذاکر سوال کرتے ہیں کہ جن کے پاس رہنے کے لیے مکان نہیں ہے وہ اپنا قبرستان الگ کیوں بنائے گا؟ (۳۸۳)

گرام ”محبت پور“ تھانا گنگا برج ضلع ویشالی (بہار) میں ۱۹/فروری 1995ء کو ”جگل خلیفہ“ کا جنازہ دوپہر سے شام تک قبرستان میں رکھا رہا، اس گاؤں اور بغل کے گاؤں ”باغ ٹولہ“ اور ”کنپور“ کی شیخ برادری کے لوگ ان کے ”نٹ“ ذات ہونے کی وجہ سے قبرستان میں دفن نہیں کرنے دے رہے تھے۔ ہزاروں کی بھیڑ قبرستان میں جمع تھی۔ بھیڑ سے آواز آئی۔ ”دیکھتے ہیں سالے نٹ کیسے یہاں اپنا جنازہ دفناتے ہیں۔“ پولیس انتظامیہ کی مداخلت اور شیخ برادری کے دس لوگوں کی گرفتاری کے بعد ہی تدفین کا عمل ممکن ہو سکا۔ (۳۸۴)

۶/مارچ 2003ء کو راشٹریہ سہارا اردو، نئی دہلی جلد: ۴، شمارہ: ۱۳۶۲ نے صفحہ: ۲ پر ایک خبر اس طرح شائع کی:

”بہار کے قبرستان بھی ذات کی بنیاد پر تقسیم

پٹنہ، ۵/مارچ (آئی اے این ایس) بہار میں نچلی ذاتوں کے مسلمانوں نے اعلیٰ ذات کے مسلمانوں پر قبرستانوں میں انھیں دفن کرنے کے حق سے محروم کرنے کا الزام لگایا ہے۔ ان ذاتوں کا کہنا ہے کہ اعلیٰ ذاتوں کے مسلمان نچلی ذاتوں کے مسلمانوں کو قبرستانوں میں میت دفن کرنے کے حق سے محروم کر رہے ہیں۔

گزشتہ ایک برس میں ایسے کئی معاملے سامنے آئے ہیں جب چھوٹے طبقے کے مسلمانوں نے قبرستانوں میں انھیں دفن کرنے کے لیے جگہ نہیں دیے جانے یا انھیں قبرستان سے نکال

دیے جانے کی شکایت کی ہے۔"پس ماندہ مسلم محاذ اور آل انڈیا یونائیٹڈ مسلم مورچہ نامی سماجی وسیاسی تنظیموں نے اس معاملے پر اعلیٰ ذاتوں کے خلاف تحریک چلانے کی دھمکی دی ہے۔دراصل یہ معاملہ برسوں پرانا ہے۔۹۰ کی دہائی میں یہ معاملہ اٹھا تھا۔سب سے پہلے آل انڈیا یونائیٹڈ مسلم مورچہ کے صدر ایم اے علی نے یہ معاملہ اٹھایا تھا۔علی نے خبر رساں ایجنسی کو بتایا کہ جب اسلام ذات پات پر یقین ہی نہیں رکھتا تو قبرستانوں کی ذات کی بنا پر تقسیم کیسے ممکن ہے۔انھوں نے کہا کہ بہار میں نچلی ذاتوں کے مسلمانوں کے ساتھ سخت ناانصافی ہورہی ہے۔"

ث۔مسلمان نہ تسلیم کرنا:

۲ر فروری ۲۰۰۴ء مطابق ۱۰ر ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بقرعید کے دن بروز سوموار میں (راقم الحروف) جواہر لال نہرو یونیورسٹی۔نئی دہلی سے شام کے وقت اپنے استاذ گرامی ڈاکٹر رضوان الرحمٰن۔لیکچرر شعبۂ عربی جواہر لال نہرو یونیورسٹی۔کے بھائی عطاء الرحمٰن عرف عرفان صدیقی متعلم بی۔ایس سی (B.sc) جامعہ ملیہ اسلامیہ،نئی دہلی کے ہمراہ شاہین باغ جامعہ نگر،اوکھلا نئی دہلی ایک ضروری کام سے گیا تھا۔واپسی میں ان کو جامعہ نگر میں مقیم اپنے ایک کلاس میٹ سے ملاقات کرنی تھی،جو بیگوسرائے کی رہنے والے ہیں۔جب ہم لوگ ان کے روم پر پہنچے تو وہاں ان کے علاوہ ان کے رشتہ کے ایک بھائی سے بھی ملاقات ہوئی،تعارف کے بعد مسلمانوں اور خاص طور سے بیگوسرائے (بہار) کے مسلمانوں کے حالات پر گفتگو چل پڑی،اسی دوران انھوں (عرفان کے کلاس میٹ کے رشتہ کے بھائی) نے راقم الحروف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ بھائی صاحب! میرا گاؤں تو بالکل پاکستان ہے اور اس کے چاروں طرف ہندستان۔میں نے پوچھا کہ پاکستان اور ہندستان کا کیا مطلب ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ میرا گاؤں سید اور شیخ کا ہے اور اس کے چاروں طرف کنجڑا،قصائی،جولاہا،دھنیا اور نائی وغیرہ کی بستیاں ہیں۔راقم الحروف نے ان سے کہا کہ آپ جیسے پڑھے لکھے اور خاص کر عصری درسگاہوں کے فارغ شدہ لوگ بھی ان برادریوں کو مسلمان نہیں سمجھیں گے تو بھلا بتایئے مسلم قوم کا کیا ہوگا؟ پھر ہم غیروں پر تنقید کیوں کرتے ہیں کہ ان کے دھرم اور سماج میں ذات پات ہے،اس پر وہ صاحب کافی شرمندہ ہوئے۔

مرکز جماعت اسلامی ہند کے سابق ملازم اور ذات پات کے حامی مولانا محمد شیث محمد ادریس صدیقی تیمی جن کا تفصیلی ذکر اہلحدیث علماء کے ضمن میں آچکا ہے،نے ۲۶ر جولائی ۲۰۰۴ء کو اپنی آفس مرکز جماعت اسلامی میں پانچ اور ساڑھے پانچ بجے شام کے درمیان جناب محمد انیس احمد فاروقی

فلاحی- ریسرچ اسکالر جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی کی موجودگی مجھ پر برس پڑے کیوں کہ میں ذات پات کے خلاف لکھتا ہوں۔ جب میں نے اور محمد انیس احمد فاروقی صاحب نے ان کے نظریۂ ذات پات کا دلائل سے رد کیا تو وہ بے بس اور لا جواب ہو گئے اور پھر انہوں نے کہا کہ ہاں مسلمانوں میں ذات پات ہے۔ میں نے بھی اپنے علاقے [مقام و پوسٹ۔ کرہٹیار، ضلع دربھنگہ بہار] میں بارہا شیوخ حضرات کو یہ کہتے ہوے سنا کہ فلاں گاؤں میں اتنے مسلمان (یعنی شیخ) اور اتنے جولاہے (انصاری) اتنے کنجڑے (کباڑی، راعین) وغیرہ ہیں۔

اس کے ریکشن (Reaction) میں چھوٹی ذاتوں کے لوگ انھیں ''شیخ'' کے بجائے ''شیخوا'' کہتے ہیں۔

جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی میں ۲۵-۲۷ رفروری ۲۰۰۵ء کو ایک سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار ''دعوت اسلامی اور مدارس دینیہ'' کے عنوان سے ہوا تھا، راقم الحروف نے اس میں اپنا مقالہ ''ہندستانی علماء کا نظریہ ذات پات دعوت اسلامی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ'' کے عنوان سے پڑھا تھا، سامعین اور علماء کی اکثریت نے اسے سراہا؛ لیکن جو علماء ذات پات کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں انھوں نے اس کی مخالفت کی اور مجھ سے سوالات کرتے ہوے کہا کہ اب ذات پات مسلم سماج میں نہیں ہے۔ میں نے ان کا جواب دیا اور کہا کہ اب بھی مزعومہ نیچ ذات کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا ہے۔ پروگرام کے بعد سامعین میں سے ایک صاحب مولانا ابوبکر صدیقی اصلاحی- بینا پارہ، سرائے میر، اعظم گڑھ نے - ۲۷ رفروری ۲۰۰۵ء کو ۳۰-۸ بجے صبح میں جامعۃ الفلاح کے گراؤنڈ میں مجھے یہ واقعہ بتاتے ہوئے تحریری شکل میں لانے کی اجازت دی کہ:

> 'بیت العلوم [سرائے میر، اعظم گڑھ] کے ناظم تعلیمات مولانا عبدالرشید صاحب ایک بار ایک گاؤں ''شیروان'' (سرائے میر، اعظم گڑھ) گئے اور وہاں کے ایک بچے سے پوچھا کہ اس گاؤں میں مسلمان ہیں؟ تو اس نے کہا کہ ہاں مسلمان ہیں؛ لیکن کچھ جولاہا، دھنیا وغیرہ بھی ہیں۔'

جامعۃ الفلاح کے ایک ملازم...... نے اسی دن ۲۷ رفروری کو ۱۲ بجے دن میں مجھ سے ملاقات کر کے میرے مقالہ کو کاپی (Xerox) کرانا چاہا۔ انھوں نے دورانِ گفتگو کہا کہ ''میں نے اسی علاقہ کے ایک گاؤں..... ہی میں شادی کی ہے۔ ایک دن میرے برادر نسبتی (سالے) کہنے لگے کہ بھیا اس گاؤں میں ہم مسلمان...... اتنے گھر ہیں اور یہاں کچھ گھر جولاہوں، دھنیوں، کنجڑوں اور قصائیوں کے بھی ہیں۔

یوپی کے بعض علاقے جیسے بنارس وغیرہ میں مفروضہ طبقہ سے اگر کوئی پوچھتا ہے کہ اس گاؤں یا علاقے میں کتنے مسلمان ہیں؛ تو کہتے ہیں کہ مسلمان (موہومہ بڑی ذاتیں) اتنا اور کنجڑا، قصائی، جولاہا وغیرہ اتنے ہیں۔

پس کردہ برادریوں کو مسلمان نہ سمجھنا صرف جاہل عوام تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ تعلیم یافتہ عالم دین تک اس میں ملوث ہیں، میرے ایک دوست.....علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک سید پروفیسر صاحب.....جو عالم دین (ندوی) بھی ہیں کے پاس اپنا مضمون تصحیح کرانے لے گئے۔ اس مضمون میں انہوں نے مسلم پس کردہ برادریوں میں سے ایک ذات......کے سلسلہ میں لکھا کہ وہاں مسلمانوں کی اتنی آبادی ہے تو انہوں نے اس جملہ کو کاٹ دیا اور اس برادری کا نام لکھا اور ان سے کہا کہ مسلمان تو صرف اشراف ہوتے ہیں۔ میرے دوست نے ان کی کاٹی ہوئی عبارت بھی مجھے دکھلائی۔

پس کردہ برادریوں کو مسلمان نہ سمجھنے کے دو واقعات کا تذکرہ اوپر ''وجہ تالیف'' میں کیا جاچکا ہے۔

ج-عزت وعصمت پر حملہ:

جس طرح دلتوں کے مال و دولت پر بڑی ذات کے ہندو اپنا حق سمجھتے ہیں اور چھین لیتے ہیں اسی طرح کی ذہنیت مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ راقم الحروف کے گاؤں دوری سے پانچ کوس کی دوری پر ایک گاؤں ''جھٹکی'' (تھانہ نان پور، ضلع سیتا مڑھی بہار) ہے، وہاں شیخ برادری کے لوگ مزعومہ رذیل ذاتوں کو دلتوں کی طرح دبا کر رکھتے ہیں ان کی کھیتوں سے پھل وغیرہ زبردستی توڑ لیتے ہیں اور وہ لوگ مارے خوف کے اف تک نہیں کرتے ہیں۔ (۳۸۵)

جناب علی انور صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ 'صوبہ بہار کے ضلع ''بہار شریف'' سے ۱۴ کلومیٹر دور 'سجاد نگر' پچھڑے مسلمانوں خاص کر راعین (کنجڑا) برادری کی ایک انتہائی غریب بستی ہے۔ اس کے بغل میں ''سبیت'' ''ملِک'' برادری کا گاؤں ہے۔ سجاد نگر کے لوگ ۱۹۸۱ء کے بہار شریف کے فرقہ وارانہ فساد کی بعد یہاں آکر اس امید پر بس گئے تھے کہ وہ یہاں بے خوف زندگی گزار سکیں گے۔ امارت شرعیہ پٹنہ (بہار) نے ان فساد زدگان کے واسطے مکانات بھی بنوائے تھے اور امارت کے بانی مولانا محمد سجاد کے نام پر اس گاؤں کا نام 'سجاد نگر'' رکھ دیا۔ شروع میں تو ''سبیت'' گاؤں کے ملکوں [ملِک برادری کے لوگوں] نے ان کے ساتھ ہمدردی جتائی، لیکن بعد میں ان کی غریبی اور مجبوری کا فائدہ اٹھا کر ان سے بیگار لینے لگے۔ وہ لوگ اپنے کو زندہ رکھتے ہوئے جتنا ممکن تھا ان کا بیگار کرتے تھے؛ لیکن جب 'ملِکوں '' نے ان کی بہو، بیٹیوں پر غلط نگاہ ڈالنی شروع کی تو انھوں نے مخالفت کی جس کی وجہ سے ان راعینوں کو

غلط مقدموں میں پھنسایا گیا، مارا اور پیٹا گیا۔

اسی دوران ''سجادنگر'' مدرسہ کے ایک ''ملک'' مدرس مولوی مظہر عالم نے ''سبیت'' گاؤں کی اپنی ملک برادری کی حمایت شروع کی اوران لوگوں کو رذیل ذات کہنا شروع کیا، جس کی وجہ سے گاؤں والوں نے اسے مدرسہ سے نکال دیا، اس کے بعد ''سبیت'' کے ملک بھڑک اٹھے اور کہا کہ کنجڑوں (راعینوں) کی یہ ہمت کہ ہماری ذات کے مدرس کو مدرسہ سے نکال دیں۔ انھوں نے ۲۵ر جولائی ۱۹۹۵ء اور ۱۴ر اگست ۱۹۹۵ء کو دوبار ''سجادنگر'' گاؤں پر حملہ کیا۔ گاؤں کو تباہ و برباد تو کیا ہی بوڑھوں، بچوں اور عورتوں تک کو مارا، ڈر کی وجہ سے لوگ گاؤں چھوڑ کر دوسری جگہ جا بسے۔ اس حادثہ کی شکایت لے کر ''سجادنگر'' گاؤں کے جناب عبدالرزاق ۱۹ر اگست ۱۹۹۵ء کو امارت شرعیہ پٹنہ آئے اور وہاں کے ناظم مولانا سید نظام الدین سے اپنا دکھڑا سنایا۔ اس وقت اتفاق سے امارت شرعیہ میں، میں [علی انور] بھی موجود تھا۔ (۳۸۶)

یوپی اور بہار کے بعض ملک حضرات سے راقم الحروف کے ذاتی گہرے تعلقات ہیں، ان میں سے بعض ذات پات کے حامی حضرات ایک طرف تو خلافت اسلامیہ لانے کے دعوے دار ہیں، لیکن دوسری طرف ذات پات کے معاملہ میں عام ملِکوں سے ایک قدم پیچھے نہیں ہیں؛ چناں چہ ایک عالم دین ایک موقر ہندستانی تنظیم کے ممبر تھے، تنظیم سے ان کا اخراج صرف اس لیے ہوا کہ وہ اپنی ہی جماعت کے ایک دوسرے ممبر جو انصاری (جولاہا) تھے کو بطور تحقیر جولاہا کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور ان کی برادری کے سلسلہ میں دل آزار جملے کستے تھے، تنظیم کی ذمہ دارانِ کے سمجھانے کے باوجود انھوں نے نہ تو معذرت ظاہر کی اور نہ ہی معافی مانگی تو ان کا اخراج کر دیا گیا۔ خود راقم الحروف اور دوسرے لوگوں کے سامنے انھوں نے بارہا مزعومہ رذیل برادریوں کا مذاق اڑایا اور راقم الحروف اور ان کے ایک دوست ...... کے منع کرنے کے باوجود کہ (یہ سب باتیں اسلام کے سراسر خلاف ہیں) انھوں نے اپنی روش نہ بدلی۔ ایک دوسرے عالم دین جو کسی زمانہ میں مذکورہ بالا شخص کی تنظیم کے سرگرم رکن ہوا کرتے تھے۔ ایک بار وہ ''المکتبۃ العلمیۃ'' (۵ر سلمان منزل جامعہ اردو روڈ علی گڑھ) میں تشریف فرما تھے۔ اتفاق سے اس وقت وہاں راقم الحروف بھی موجود تھا۔ ان سے کسی نے ان کی برادری نہیں پوچھی لیکن انھوں نے لائبریری کے ذمہ دار مولانا رفیق احمد رئیس خان سلفی سے اپنی ''ملک'' برادری کا سلسلہ نسب اور اصلیت سید بتانے کے بعد انصاری (جولاہا) برادری کے خلاف آگ اگلنا شروع کر دیا۔ ان کو یہودی تک کہہ ڈالا ۔مولانا رفیق احمد رئیس خان سلفی نے ان کو بہت سمجھایا کہ صاحب حالات بدل چکے ہیں آپ انصاری

برادری کی دینداری اور دینی خدمات اور بطور خاص حدیث کی خدمات دیکھیے کہ انھوں نے کتنا زیادہ کام کیا ہے۔ آپ کا نظریہ غیر اسلامی اور غلط ہے، لیکن وہ اس برادری کو یہودی کہے چلے جارہے تھے۔

علی گڑھ ہی میں ایک صاحب اور ہیں جن کے نزدیک دوسری تنظیموں کی بات تو دور کی ہے ،جماعت اسلامی ،اسٹوڈینٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا (ایس آئی ایم ممنوعہ)،اسٹوڈینٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا (ایس آئی او) تمام کی تمام راہ راست سے یعنی اپنے نصب العین سے ہٹی ہوئی ہیں، صرف ان کا ہی طریقہ کار صحیح اور عین اسلام ہے ان سے بات کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اسلام رسول اللہ ﷺ سے شروع ہوا اور ان پر آکر ختم ہوگیا ہے، بغیر پوچھے ہوئے انھوں نے راقم الحروف سے اپنا تعارف بڑے فخر سے ''ملک'' کے طور پر کرایا اور کہا کہ اصلاً ہم سید بلکہ سیدوں میں بھی افضل سید ہیں ،ہمارے علاقے میں ہمارے لوگ سیدوں تک کو طعنہ دیتے ہیں کہ تمھارے نسب پر کیا دلیل ہے، ہمارے لیے تو سید ابراہیم ملک بیو (بیا) بہاری کا مزار ثبوت نسب کے لیے کافی ہے۔ اس کے بعد موصوف نے اپنے جاننے والوں اور مددگاروں میں سے بعض حضرات کی ذات کے متعلق خود بخود بتانے لگے کہ فلاں، فلاں ذات ہے اور فلاں، فلاں برادری۔ پھر انتہائی کراہت اور نفرت بھرے لہجے میں اپنے ایک بہت بڑے مددگار کے متعلق کہا:

''مسعود بھائی! فلاں فاروقی نہیں ہے بلکہ جولاہا ہے، میری اہلیہ ان کے گھر گئی تھی تو آکر بتارہی تھی کہ ان کی بیوی ''جولاہن'' لگتی ہے انھوں نے اپنے خسر کا بھیجا ہوا خط مجھے دکھایا تھا تو اس میں بھی ان کے نام کے ساتھ انصاری لگا ہوا تھا۔''

حتی کہ وہ اپنے علاقہ کے چند دوسرے مَلِکوں .... جو راقم الحروف سے اس لیے ناراض رہتے ہیں کہ راقم الحروف ذات پات کے خلاف لکھتا ہے اور ارکان جماعت اسلامی ہونے کی حیثیت سے انھوں نے مرکزی مکتبہ اسلامی سے میری کتاب رکوانے میں اہم رول ادا کیا تھا، کو ملک تسلیم کرنے کے واسطے صرف اس بنیاد پر تیار نہیں ہیں کہ وہ سانولے (کالے) رنگ کے ہیں اور ان کے مطابق ملک کبھی کالا نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ جن لوگوں سے ان کے گھریلو تعلقات ہیں ان کا کہنا ہے کہ خود ان کی بیوی کالی ہے پھر وہ کیسے اس طرح کی بات کہتے ہیں؟

۲۲ رجون ۲۰۰۲ء کو پاکستان کے جنوبی پنجاب کے میروانا گاؤں میں ایک اٹھارہ سالہ دوشیزہ مختارن مائی مختار بی بی کی چار افراد نے تین سو لوگوں کی موجودگی میں عصمت دری کی اور اس کے بعد اس معصوم و مظلوم کو کپڑے بھی نہیں پہننے دیے گئے، بالکل برہنہ گھر جانے پر مجبور کیا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے

۱۴ سالہ بھائی عبدالشکور پر جھوٹا الزام تھا کہ اس نے مزعومہ چھوٹی ذات ''گوجر'' کا ہونے کے باوجود بڑی مفروضہ ذات ''مستوئی'' کی لڑکی سے عشق کیا تھا۔ جس کی پوری تفصیلات مع حوالہ جات آگے اسی باب میں زیرِ عنوان ''ذات برادری کے نام پر قتل اور زنا بالجبر'' آرہی ہیں۔ اس معصوم ومظلوم لڑکی کی نقاب میں ملبوس تصویر انگریزی اخبار ''دی ٹائمس آف انڈیا۔ نئی دہلی (The Times of India New Delhi)'' میں ۶ر جولائی ۲۰۰۲ء کو شائع ہوئی تھی۔ راقم الحروف اس کی کٹنگ (Cliping) کر رہا تھا، اتفاق سے وہ صاحب بھی اس وقت راقم الحروف کے پاس آگئے۔ اس تصویر کو دیکھنے اور پورا واقعہ سننے کے بعد انھوں نے اس کے ساتھ کسی طرح کی ہمدردی جتانے اور اس پر افسوس کرنے کے بجائے انتہائی غیر اسلامی اور حقارت آمیز لہجے میں کہا:

''ارے بھائی! اس نے ابھی نقاب لگالیا ہوگا وہ اسی طرح...... کی ہوگی۔''

ایک مرتبہ راقم الحروف نے ان کے بیرونی اور اندرونی اسلام پر ان کو خوب سنائی تھی اور کہا تھا کہ آپ جیسے اسلام پسندوں کی زبان سے ذات پات کی باتیں اچھی نہیں لگتی ہیں۔

ماہنامہ زندگی۔ نئی دہلی، کے ایک مراسلہ نگار ''جناب ڈاکٹر عبدالقیوم'' نے دہلی میں مقیم ایک ملک دانشور [جناب سید انتظار نعیم، نائب سکریٹری جماعت اسلامی ہند] کے نظریہ ذات پات کا جو تذکرہ کیا ہے اس کا ذکر اوپر ''علماء تحریک اسلامی'' کے ضمن میں آچکا ہے۔

ملک برادری کو سید بلکہ سیدوں میں افضل سید ثابت کرنے کے واسطے ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں جناب عبدالحلیم خواجہ پوری نے ''صوبہ بہار کے ملک کی تاریخ'' کے نام سے بانوے (۹۲) صفحات کی ایک کتاب تین سال کی محنت کے بعد لکھی۔ فاضل مصنف نے جس شخص سید ابراہیم ملک بیو (بیا) بہاری (بقول مصنف) کی طرف اپنی ملک برادری کی نسبت کی ہے ان کی وفات کے چھ سو (۶۰۰) سال بعد ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں انھوں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی اور اس کتاب میں سید ابراہیم ملک بیو بہاری کو سلطان محمد تغلق کا سپہ سالار بتایا ہے۔ اس کتاب میں بھی فاضل مصنف نے پست کردہ برادریوں کو ''رذیل اقوام'' کہا ہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ راقم الحروف کے جاننے والے بہار اور یوپی کے تمام ملک حضرات ذات پات کے قائل ہیں؛ بلکہ بعض حضرات اس کے سخت خلاف ہیں۔

پس کردہ برادریوں کے خلاف اس طرح کے ہندوانہ نظریہ کے پیچھے یہ مقصد کارفرما ہے کہ کسی طرح سماج میں ''ملک برادری'' کو سید ہی نہیں بلکہ ''افضل ترین سید'' ہونے کا درجہ مل جائے حالاں کہ

پہلے یہ اپنے کو ملک ہی کہتی تھی، سید اور افضل ترین سید کہلوانے کی دھن بالکل ہی جدید ہے۔ (۳۸۷)

جس شخص (سید ابراہیم ملک بیو بہاری) کی طرف ملک برادری کی نسبت کی جاتی ہے ان کا کسی بھی مستند اور معاصر کتب تاریخ میں وجود تک نہیں ہے۔ راقم الحروف نے ''ملک برادری'' کے نسب کی تحقیق کی ہے جو پچیس (۲۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ پوری تفصیلات سے واضح ہوا کہ یہ برادری بھی مزعومہ رذیل برادریوں میں سے ایک تھی جس نے بعد میں اپنے کو افضل سید کہنا شروع کر دیا۔ پوری تفصیلات کے لیے ماہنامہ آثار جدید میں شائع شدہ راقم الحروف کا مضمون ''ذات پات اور اسلام: ملک برادری کی نسبی تاریخ کا تجزیہ'' دیکھنا چاہیے۔ (۳۸۸)

ح۔ غیر مسلمین کو ترجیح دینا

مولانا ارشد سراج الدین خان مکی نے ۱۷ مئی ۲۰۰۵ء کو اپنی محولہ بالا آفس میں ۴۰-۱۱ صبح راقم الحروف کو بتایا کہ میرے وطن مقام وپوسٹ بارا، ضلع غازی پور میں ایک انٹر کالج ''بارا انٹر کالج'' کے نام سے ہے جسے نیشنل ایسوسی ایشن چلاتا ہے یہاں خان برادری کا غلبہ ہے۔ آج سے چار سال قبل ۲۰۰۱ء میں وہاں کے ایک سینئر اور باصلاحیت ٹیچر اسرائیل صاحب کے پرنسپل بننے کی باری آئی تو خان حضرات نے اس کو برداشت نہیں کیا کہ ایک جولاہا پرنسپل بنے گا اور انھوں نے ایک دوسرے ٹیچر امتیاز خان صاحب کو۔ جو ہر اعتبار سے اسرائیل صاحب سے کم تھے۔ پرنسپل بنا دیا۔ اس کے بعد اسرائیل صاحب نے ہندو ٹیچروں کو ملا کر مقدمہ کر دیا چناں چہ کورٹ نے کالج کا اقلیتی کردار ختم کر دیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ افسوس ہے لوگوں پر، لوگ غیر مسلمین کو تو برداشت کر لیتے ہیں؛ لیکن اپنے بھائیوں کو نہیں، ان لوگوں کو کالج کا اقلیتی کردار ختم ہونا تو منظور ہو گیا؛ لیکن ایک انصاری کا پرنسپل بننا منظور نہ ہوا۔

اس طرح کا ایک واقعہ بہار کے ایک اہل حدیث مدرسہ میں بھی ہوا، میرے ایک دوست نے بتایا کہ وہاں مئو ناتھ بھنجن کے ایک مولانا...... پڑھایا کرتے تھے جب ان کے صدر بننے کی باری آئی تو وہاں کے ناظم نے کہا کہ جولاہا پرنسپل کیسے بن سکتا ہے؛ لہذا اختلاف سے دل آزردہ ہو کر وہ مولانا......اور پس کردہ برادریوں سے تعلق رکھنے والے طلباء نے مدرسہ چھوڑ دیا۔

صرف مفروضہ طبقۂ شرفاء کے لوگ ہی پس کردہ برادریوں کو رذیل نہیں سمجھتے ہیں؛ بلکہ ان لوگوں کی نقل میں ہندو تک پست کردہ برادریوں کو رذیل اور کمین سمجھتے ہیں۔ ایک بار میں جامعۃ الفلاح سے اپنے آبائی وطن ددری جا رہا تھا کہ بس میں مظفر پور سے سوار ہوا اس میں پڑوس کے گاؤں ''بدول'' کی

بھی ایک ضعیفہ براہمن خاتون سوار ہوئی۔ راستے میں کسی بات کو لے کر کنڈکٹر اور اس میں کہا سنی ہوگئی تو اس خاتون نے برجستہ کہا کہ: ''کیا تم نے مجھے جولاہا، دھنیا، کنجڑا اور قصائی سمجھ رکھا ہے؟''

خ- ذات برادری کے نام پر قتل اور زنا بالجبر:

اکیسویں صدی کے اس ترقی یافتہ اور ٹکنالوجی کے دور میں بھی مسلم سماج میں ذات پات اور اونچ نیچ کی وجہ سے قتل وغارت گری اور عزت وعصمت دری کے واقعات ہو رہے ہیں۔ اس طرح کے واقعات برابر دیکھنے کو مل رہے ہیں؛ لیکن اختصار کے پیش نظر چند مثالیں ہی دی جا رہی ہیں۔

پہلی مثال: پاکستان کے ایک شہر کراچی کا واقعہ ہے کہ ایک مہاجر نوجوان سے ایک پٹھان لڑکی نے شادی کر لی، لڑکی والے اس شادی سے ناخوش تھے؛ کیوں کہ لڑکا ان کی نظر میں چھوٹی ذات کا تھا؛ چناں چہ معاملہ نے طول پکڑ لیا اور بات عدالت تک پہنچ گئی، ادھر عدم کفاءت کی بنا پر بپھرے ہوئے لڑکی کے والد اور بھائی وغیرہ لڑکے کو قتل کرنے کے واسطے اس کی جستجو میں لگے تھے؛ چناں چہ ۴/ مارچ ۱۹۹۸ء کو جب وہ پولیس حراست میں عدالت میں حاضر ہونے کے لیے جا رہا تھا تو جیسے ہی عدالت کی سیڑھیوں کے پاس پہنچا تو وہاں چھپے لڑکی کے گھر والوں نے اس پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجہ میں وہ بری طرح زخمی ہوگیا اور ایک پولیس کانسٹبل کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ (۳۸۹)

دوسری مثال: ایک دوسرا واقعہ پاکستان کے ہی ایک دوسرے شہر بلوچستان میں ۵/ مارچ ۱۹۹۸ء کو پیش آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک افغان لڑکی ''گل بانو'' اور خوشو قبیلہ سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان ''موسیٰ خوشو'' نے آپس میں شادی کر لی، جس کی وجہ سے تقریباً بیس ہزار افغان مع ہتھیار اکٹھا ہوگئے اور پولیس کو الٹی میٹم دیا کہ اگر اس نے (غالبًا) اٹھارہ گھنٹے کے اندر اندر دونوں کو حاضر نہ کیا تو خوشو قبیلہ کے تمام لوگوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس صورت حال کے پیش نظر خوشو قبیلہ کے تمام افراد نے راہِ فرار اختیار کی؛ لیکن اللہ کو اسلام کی عزت بچانی مقصود تھی۔ چناں چہ ایک زبردست سمندری طوفان آیا جس کے نتیجے میں تمام افغانی منتشر ہوگئے۔ (۳۹۰)

تیسری مثال: مذکورہ بالا دونوں واقعات ۴/ اور ۵/ مارچ ۱۹۹۸ء کو رونما ہوئے تھے، اس کے چار سال بعد ۲۲/ جون ۲۰۰۲ء کو پاکستان کے جنوبی پنجاب کے میر والا گاؤں میں ایک وحشیانہ اور انتہائی شرمناک واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ مزعومہ نیچ برادری ''گوجر'' کے ایک بارہ سالہ لڑکا ''عبدالشکور'' کا مفرور ''مستوئی'' کی ایک ... عشق ... اس لڑکی

سے اس کے ناجائز تعلقات کا بھی اس پر الزام تھا جو بعد تحقیق عشق وتعلقات کی تمام باتیں جھوٹ نکلیں، جب یہ معاملہ فاش ہوا تو گاؤں کی پنچایت نے یہ فیصلہ کیا کہ چوں کہ اس (لڑکے) نے اپنے سے بڑی ذات کے لڑکی سے تعلقات (عشق) قائم کیے تھے لہذا اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی ۱۸ سالہ (دوسری روایت کے مطابق ۳۰ سالہ) بہن ''مختارن مائی رمختار بی بی'' کی چار افراد اجتماعی عصمت دری کریں اور اس اجتماعی عصمت دری میں پنچایت کا ایک ممبر بھی شامل رہے، چناں چہ گاؤں کے تین سو لوگوں کی موجودگی میں چار افراد نے اس لڑکی کی اجتماعی آبروریزی کی جس میں پنچایت کا ایک رکن عبدالخالق بھی شامل تھا۔ **گاؤں کے تین سو لوگوں میں سے کسی نے بھی اس معصوم کی عصمت بچانے کی ہمت نہیں کی۔** عصمت دری کے بعد اس **معصوم ومظلوم کو کپڑے بھی نہیں پہننے دیا گیا، اس کے باپ اور تین سو لوگوں کے سامنے اسے ننگا پریڈ کرایا گیا اور پھر بالکل برہنہ گھر جانے پر مجبور کیا گیا۔ اس کا باپ شال سے اپنی بیٹی کو ۳۰۰ لوگوں کی نگاہوں سے بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ جب مقامی مسجدوں کے اماموں کو اس کی اطلاع ملی تو وہ اس (مختارن مائی) کی حمایت میں کھڑے ہوگئے اور اس (ظلم) کے خلاف آواز اٹھائی۔** اس وحشیانہ واردات کی اطلاع کئی دنوں کے بعد پولیس کو اس وقت ملی جب گاؤں کے زیادہ تر لوگ ڈر کے سبب کچھ بھی کہنے کو تیار نہیں تھے۔ اس انسانیت سوز واقعہ کا نوٹس لیتے ہوئے پاکستانی سپریم کورٹ نے خود سنوائی کی۔ اس کو دہشت گردی قرار دیا اور پولیس کو ایک ہفتے کے اندر اندر اس کی رپورٹ عدالت کو دینے کو کہا۔ پولیس نے زانیوں، پنچایت کے ظالم وجاہل ممبران وسربراہان اور خود اپنے ایک پولیس اہل کار ''اسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس محمد اقبال'' پر مجرمانہ غفلت برتنے اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کرنے کا الزام لگا کر گرفتار کرلیا۔ اس انسانیت سوز واقعہ کی مذمت ہیومن رائٹس کمیشن نے کی، پاکستان میں اس کے خلاف مظاہرے ہوئے، خواتین کے امور کی وفاقی وزیر عطیہ عنایت اللہ نے ''میروانا'' علاقہ کا دورہ کرکے متاثرہ کنبہ کو یقین دلایا کہ انھیں انصاف ضرور ملے گا۔ **جب ایک پاکستانی وفاقی وزیر نے پانچ لاکھ روپے کا چیک اس مظلوم لڑکی کو دیا تو نقاب میں ملبوس اس باہمت اور غیرت مند لڑکی نے یہ کہہ کر چیک لینے سے انکار کردیا کہ اسے پیسے کی ضرورت نہیں ہے، اس رقم سے گاؤں میں ایک اسکول کھول دیا جائے۔ اسے عوضانے کے طور پر ۸۳۰۰ ملین ڈالر ملے جسے اس نے دو اسکول ''مختارن مائی گرلس ہائی اسکول، مختارن مائی بوائز ہائی اسکول'' کھولنے میں لگا دیا۔** اس اسکول میں پڑھنے کے لیے اس نے اپنے آپ کو بھی داخل کیا جہاں اب وہ اسلامیات پڑھاتی

ہے۔ کناڈا کی ایک غیر مسلم جرنلسٹ نیکولس ڈی کرسٹوف (Nicholas D. Kristof) نے ستمبر ۲۰۰۵ء میں وہاں کا دورہ کر کے ایک مضمون لکھا تو ۱۳۰۰ قارئین نے اس کے پاس مختارن مائی کے لیے ۱۳۳۰۰۰ملین ڈالر چندہ بھیجا جو پاکستانی ۲۰ لاکھ روپیے کے برابر ہوتا ہے۔ اس پیسہ کو مختارن مائی نے اسکول میں لگا دیا۔

اس کے سپوٹروں نے اس کے نام سے ایک ویب سائٹ www. mukhtarmai. com کھولا۔ جولائی ۲۰۰۲ء میں انسدادِ دہشت گردی کی ایک عدالت نے ۶ لوگوں (چار عصمت دری کرنے والوں اور دو عصمت دری کا حکم دینے والوں) کو سزائے موت سنائی؛ لیکن ۳/مارچ ۲۰۰۵ء کو لاہور کی ہائی کورٹ نے انھیں بری کر دیا۔ جب کورٹ نے فیصلہ سنایا تو مختارن مائی زاروقطار رو پڑی، اس نے کہا کہ یہ خطرناک ہے اسے اپنی جان کو خطرہ ہے، اسے دھمکیاں مل رہی ہیں۔ ۸/مارچ ۲۰۰۵ء کو عالمی وومینس ڈے (International Women's Day) کے موقع پر خواتین نے اس کے حق میں مظاہرہ کیا۔ پاکستان میں جم کر لوگوں نے احتجاج کیا خود اس نے ملتان میں چھ ہزار کے مجمع کو خطاب کیا۔ ۱۲/مارچ ۲۰۰۵ء کو ایک وفاقی شرعی عدالت نے ہائی کورٹ کے فیصلے کو مسترد کر دیا اور دوبارہ سماعت کا حکم دیا۔ حکومت پر اندر اور باہر سے لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے میں دخل دینے کا دباؤ پڑا، لہذا حکومت نے سپریم کورٹ میں رٹ (writ) داخل کرنے کا فیصلہ کیا؛ لیکن افسوس کہ انفرادی افراد، اخبار اور میگزین کے علاوہ کسی بھی نمائندہ مسلم مذہبی تنظیم یا مسلم مذہبی اخبار اور رسالہ نے اس کی مذمت تو کیا اس پر افسوس تک نہیں کیا۔ (۳۹۱)

چوتھی مثال: سدکا (Sudka) گاؤں، ضلع نوح (ہریانہ) کی ایک ۱۹ سالہ میمون بھاسکری (Maimun Bhaskri) نے گاؤں کے ۲۶ سالہ ادریس سے ۴/جون ۱۹۹۷ء کو اپنی من پسند شادی کر لی۔ پہلے تو انھوں نے نکاح پڑھوایا پھر گڑگاؤں مجسٹریٹ کے سامنے اسے رجسٹرڈ کروایا؛ لیکن چوں کہ دونوں کا تعلق دو مختلف برادریوں قریشی (قصائی) اور میو (میواتی Meo) سے تھا؛ لہذا اس شادی کو لے کر بہت ہنگامہ ہوا۔ ۹/جون ۱۹۹۷ء کو گاؤں کا سرپنچ اپنے ساتھیوں کے ساتھ میمون کو گھومیلا (Ghumela) - جہاں وہ اپنے شوہر کے ساتھ مقیم تھی - سے مبینہ طور پر بزور قوت جیپ میں ڈال لیا، راستے میں اسے بری طرح مارا گیا اس کی اجتماعی عصمت دری کی گئی اور اس کا سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ ۲۵/جون ۱۹۹۷ء کو اسے ثادرو

بھاگنے کی کوشش کی تو اس کے چچازاد بھائی جلال الدین نے اس کے پیٹ میں دو بار چاقو گھونپ دیا، گوشت کاٹنے والی چھری سے اس کی ناک سے لے کر پیٹ تک چاک کیا گیا۔ اس کے پیٹ میں سولہ انچ کا زخم پایا گیا، شدید طور سے زخمی کر کے قاتلوں کا گروہ مرنے کے واسطے اسے چھوڑ کر بھاگ گیا؛ لیکن اتفاق سے ایک مقامی عورت نے اسے ہاسپٹل پہنچایا اور پولیس کو اطلاع دی، ٹاورو پولیس اسٹیشن میں جلال الدین کے خلاف ایف. آئی. آر درج ہوا؛ لیکن پولیس نے اجتماعی عصمت دری کے واقعہ کو ایف. آئی. آر میں درج نہیں کیا۔ کچھ دنوں کے بعد ٹاورو ہاسپٹل سے صفدر جنگ ہاسپٹل دہلی لایا گیا جہاں اس کا زخمی شوہر بھی زیر علاج تھا اسے بھی ان لوگوں نے مارا، سامان لوٹا اور بعض مخصوص سادے کاغذ پر دستخط کروایا۔

کچھ دنوں بعد اگست ۱۹۹۷ء کو میمون اپنے شوہر ادریس کے ساتھ نیشنل کمیشن فار وومن (National Commission for Women) پہنچی؛ تاکہ مجرموں کے خلاف کاروائی کرواسکے کمیشن نے گڑگاؤں پولیس سے فوراً کاروائی کرنے کی درخواست کی۔ دونوں نے کمیشن کے سامنے دوبارہ حاضر ہو کر کہا کہ ان کے گاؤں والے انھیں قتل کر دیں گے۔ کمیشن میمون اور ادریس کے ساتھ گاؤں گیا تاکہ معاملہ رفع دفع کروادے؛ لیکن اسے وہاں خوں خوار اور پاگل ہجوم کا سامنا کرنا پڑا جو میمون کو حوالے کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ ہجوم نے کمیشن کا محاصرہ کر لیا اور میمون کو کار سے نکال کر تیزی سے لے جانے لگے۔ ادریس کار کے اندر چھپ گیا۔ میمون کے والدین اسے ایک مالدار کے ہاتھوں بیچنا چاہتے تھے اور انھوں نے ادریس کے خلاف ایک مقدمہ بھی دائر کر رکھا تھا کہ وہ اس کی کم عمر لڑکی کو بھگا لے گیا ہے۔ کمیشن نے الزام لگایا کہ حادثہ کے وقت پولیس نے کوئی کاروائی نہ کی۔ کورٹ کے حکم کے مطابق میمون کو ایک سال کے لیے کرنال کے ناری نکیتن بھیج دیا گیا۔ کمیشن نے سپریم کورٹ میں رٹ داخل کی اور کورٹ نے اپنے ۴؍ستمبر ۱۹۹۸ء کے فیصلے میں دونوں ادریس اور میمون کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ کمیشن دونوں کو اپنی دہلی آفس میں ۱۱؍ستمبر ۱۹۹۸ء کو لائی؛ لیکن دونوں ابھی بھی خوف زدہ ہیں۔ ادریس کے گھر والوں کی بھی گاؤں والوں نے پٹائی کی۔ (۳۹۲)

پانچویں مثال: یکم مارچ ۲۰۰۳ء کو ضلع مونگیر (بہار) کے مضافات میں درزی ذات کے ناظم نام کے لڑکے کو مفروضہ طبقۂ شرفاء سے تعلق رکھنے والی لڑکی سے شادی کرنے کی خواہش رکھنے کی وجہ سے جس طرح [illegible] پیٹ کر زندگی بھر کے لیے کھانے کمانے سے معذور کر دیا گیا اس کا تذکرہ اوپر

زیرعنوان: ''خون خون میں فرق'' آچکا ہے۔

چھٹویں مثال: چند سال قبل راج دھانی دہلی سے تھوڑی دوری اور ہندستان کے عظیم دینی ادارہ دارالعلوم دیوبند سے قریب واقع شہر مظفرنگر (یوپی) کے محلّہ ''خالہ پار'' میں ایک انتہائی دردناک اور رونگٹے کھڑا کر دینے والا واقعہ رونما ہوا۔ اس محلّہ کی ایک قریشی (قصاب) لڑکی اور اس شہر کے کسی دوسرے محلّہ کا ایک انصاری لڑکا دونوں ایم بی بی ایس (M.B.B.S) ڈاکٹری کر رہے تھے اور دونوں کلاس میٹ تھے۔ مال ودولت اور گھریلو رہن سہن، اسٹیٹس (Status) کے لحاظ سے دونوں کافی اچھے تھے۔ بلکہ لڑکا لڑکی پر فوقیت رکھتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں میں لوافیر (Love Afair) ہوگیا اور دونوں نے شادی کا فیصلہ کرلیا۔ لڑکے کے گھر والوں کو اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لیکن لڑکی والے راضی نہ تھے کہ غیر کفو (غیر برادری) میں شادی سے ان کے (غیر اسلامی) انا کو ٹھیس پہنچے گی جب کسی صورت میں وہ لوگ تیار نہ ہوئے تو دونوں نے قانونی چارہ جوئی سے بچنے کے لیے کورٹ میں شادی کرلی اور پھر نکاح پڑھوادیا اور ان (لڑکی کے گھر والوں) سے چھپ کر باہر رہنے لگے۔ ادھر لڑکی والوں کا غصہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ مزید برآں یہ کہ علماء حضرات غیر کفو کا حوالہ دیکر آگ پر پٹرول ڈال رہے تھے۔ چناں چہ لڑکی کے والد اور بھائیوں نے ان دونوں (لڑکی اور اس کے شوہر) کو قتل کرڈالنے کا فیصلہ کیا اور پولیس کاروائی سے بچنے کے لیے پہلے ہی پولیس کو لاکھوں لاکھ روپے کی رشوت دے دی۔

کسی طرح پتہ لگا کر لڑکی کے والد نے اسے فون کیا کہ جو ہونا تھا ہوگیا اب تم اور داماد صاحب گھر آیا جایا کرو۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ انھیں ہر طرح سے اطمینان دلایا...... لیکن جیسے ہی دونوں آئے انھوں نے ان کو پکڑ کر باندھ دیا اور گوشت کاٹنے والے چھرے وغیرہ لے آئے اور لڑکی سے کہا کہ تم کہو کہ یہ مجھے بھگا کر لے گیا تھا، لڑکی نے جواب دیا کہ نہیں! ہم نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے۔ پھر لڑکے سے کہا کہ تم اسے طلاق دو ورنہ تم کو قتل کردیں گے۔ لڑکے نے کہا کہ میں مرنا پسند کروں گا؛ لیکن طلاق نہیں دوں گا۔ بعدہ انھوں نے لڑکی کی انگلیاں کاٹ دیں اور لڑکے سے کہا کہ اگر تم طلاق نہیں دوگے تو ہم اسے قتل کردیں گے۔ لڑکے نے کہا کہ آپ اسے چھوڑ دیں میں طلاق دیتا ہوں، مگر لڑکی کہتی رہی کہ مجھے طلاق دیکر داغدار مت کیجیے، مجھے قتل ہونا منظور ہے لیکن طلاق نہیں۔

اس کے بعد وہ لوگ ان دونوں نوجوان جوڑے کو گھر سے بیچ چوک پر لائے اور انھیں چھرے سے

قتل کیا، پھر ان کی بوٹی بوٹی کر کے وہیں آگ میں جلا دیا۔ سیکڑوں لوگ دیکھتے رہے لیکن ڈر سے کسی نے کچھ نہیں بولا، حتی کہ پولیس میں گواہی دینے کے واسطے بھی کوئی تیار نہ ہوا کہ یہاں اس طرح کا دردناک واقعہ رونما ہوا۔ پولیس پہلے ہی رشوت لے چکی تھی اس لیے سب کچھ ختم ہونے کے بعد موقع واردات پر پہنچی۔ (۳۹۳)

راشٹریہ سہارا اردو، نئی دہلی ۲۵ر اپریل ۲۰۰۶ء کو لکھتا ہے کہ:

''بہن کو قینچی سے گود کر ہلاک کر دیا۔ غیر برادری کے لڑکے سے محبت کرنے کا بھیانک انجام۔ محبت کرنے والوں کی قتل گاہ بن چکا مظفر نگر ایک مرتبہ پھر اس وقت بری طرح شرمسار ہو گیا جب ایک بھائی نے اپنی بہن کو غیر برادری کے لڑکے کے ساتھ محبت کرنے کے جرم میں قینچی سے گود کر ہلاک کر ڈالا۔ تفصیلات کے مطابق مظفر نگر کا رہنے والا عمران میرٹھ میں کاروبار کرتا ہے۔ قریشی برادری سے تعلق رکھنے والے عمران کا تعلق میرٹھ میں ہی چمار دروازے محلہ میں رہنے والی شاہین دختر سلیم ٹھیکیدار سے ہو گیا، جب پیار حد سے زیادہ پروان چڑھا تو شاہین نے گھر والوں سے اعلان کر دیا کہ وہ اگر شادی کرے گی تو صرف عمران سے کرے گی۔ شاہین کے اس اعلان کے بعد شاہین کے گھر والے اس کی جان کے دشمن ہو گئے جس کے بعد شاہین کی ماں اسے [اس کی] جان بچانے کے ارادے سے ملھور پورا مظفر نگر میں شاہین کی نانی کے یہاں لے آئی۔ شاہین کا بھائی عاصم نہایت ہی ڈرامائی انداز میں مظفر نگر آیا اور شاہین کو دلاسہ دینے لگا کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔ اور عمران سے اس کا ملن کرا کر رہے گا۔ یہ باتیں کرتے کرتے اچانک عاصم نے گھر میں رکھی قینچی اٹھائی اور شاہین پر اس وقت تک حملہ کرتا رہا جب تک کہ شاہین کا دم نہیں نکل گیا۔ بعد میں عاصم نہایت اطمینان سے تھانے پہنچا اور اپنے آپ کو پولس کے حوالے کر دیا۔ عاصم نے پولس سے کہا کہ ہم روغن گر برادری [تیلی] سے تعلق رکھتے ہیں اور شاہین نے غلط قدم اٹھا کر پوری برادری کو شرمسار کیا تھا۔ لہذا مجھے اسے قتل کرنے کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ پولس نے عاصم کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جب کہ پوسٹ مارٹم کے بعد شاہین کی لاش اس کے گھر والوں کے سپرد کر دی گئی ہے۔''

د۔ مفروضہ طبقۂ شرفاء کے خلاف تعصب:

آج کل مسلم سماج میں یہ بھی دیکھنے کو مل رہا کہ ایک طرف مفروضہ طبقۂ شرفاء کے۔ ذات پات کے حامی حضرات پس کردہ برادریوں کو رذیل کہتے ہیں اور ان کے ساتھ ہر طرح کا تعصب روا رکھتے ہیں۔ اس کے ریکشن میں پس کردہ برادریوں کے بعض حضرات بلا امتیاز پورے مفروضہ طبقۂ شرفاء کو ہی مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور وہ بھی ان کی ہی طرح تعصب اپناتے ہیں نیز بعض نہایت ہی غیر مناسب حرکت کر جاتے ہیں۔

اوپر زیر عنوان قبرستان میں مردہ دفن کرنے کی ممانعت، بھوج پور ضلع کے ''دواں'' گاؤں کی تفصیلات آ چکی ہیں کہ پٹھان برادری وہاں کس طرح مالدار ہیں اور دوسری پس کردہ برادریاں کتنی غریب ہیں؛ حتی کہ ان کے پاس رہنے کے لیے مکان تک نہیں ہے۔ ۱۹۹۵ء میں اس گاؤں کی مسجد کے چندہ کو لے کر اختلاف ہوا۔ پٹھان خاندان کے لوگ چاہتے تھے کہ بلا امتیاز ہر گھر پر چندہ کی رقم مقرر کر دی جائے جسے دینا ہر ایک کے لیے ضروری ہو۔ ادھر پس کردہ برادریوں کا کہنا تھا کہ نہیں، لوگوں کی حیثیت کے مطابق رقم لی جائے۔ اس پر خانوں نے دھمکی دے ڈالی کہ ان لوگوں کے ذریعہ طے کی گئی رقم جو نہیں دے گا اسے مسجد میں گھسنے نہیں دیا جائے گا۔ مزید یہ بھی کہا کہ ارذال اپنا الگ امام رکھ لیں۔ ''جس امام کے پیچھے ہم نماز پڑھیں گے ان کے پیچھے تم لوگ نماز نہیں پڑھ سکتے۔''

اس واقعہ کے بعد پس کردہ برادریوں کا کیا ریکشن ہوا اس کی ترجمانی گاؤں کے ذاکر حسین یوں کرتے ہیں:

> ''پہلے تو ہم لوگوں نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی الگ ہی مسجد بنالی جائے۔ پھر دوسری ہی گھڑی خیال آیا کہ زمین کہاں سے آئے گی؟ اس پر مسجد بنانے کے لیے پیسہ کہاں ہے؟ اتنا ہی پیسہ ہوتا تو خان صاحب لوگوں کے ذریعہ چندہ کی رقم دینا ہم منظور نہ کر لیتے؟ ایسے میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ پارٹی میں شامل ہو جایا جائے؟ پارٹی یعنی سی. پی. آئی. [ایم. ایل.] اس پارٹی سے تو مالدار لوگ ڈرتے ہیں۔ یہی سوچ کر ہم لوگ مالے [MALE] کے ممبر بن گئے اور گاؤں میں میٹنگ وغیرہ کرائی۔ پھر کیا تھا؟ سچ مچ پٹھان لوگوں کا دماغ تھوڑا ٹھنڈا ہوا۔ جہاں پہلے مسجد میں آگے بیٹھنے پر ہم لوگوں کو پیچھے ہٹا دیا جاتا تھا، عید اور بقرعید کی نماز کے موقع پر بھی ہمارے بچوں کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی تھی، اب ایسا کچھ نہیں ہوتا۔''

اس واقعہ کو علی انور صاحب نے اپنی کتاب ''مساوات کی جنگ۔ پس منظر بہار کے پسماندہ

مسلمان'' میں نقل کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

''ذاکر حسین نے جو کچھ بتایا وہ بھوجپور اور وسطی بہار کے صرف ایک گاؤں کی کہانی نہیں ہے۔ شمالی یا جنوبی بہار، جہاں گاؤں میں اس طرح اونچ نیچ کا بھید بھاؤ ہے وہاں دلت اور پچھڑے طبقے کے مسلمان کو اور کوئی پناہ نہیں ملی ہے نیز دوسرا کوئی راستہ نہیں دکھائی دیا تو نکسلی سنگھٹنوں سے وابستہ ہو گئے۔ اسی طرح چمپارن ہو یا بھوج پور کے دوسرے گاؤں یا گیا کے امام گنج - ڈمریا علاقہ، دلت پچھڑے مسلمانوں کا نوجوان طبقہ بھاکپا (مالے) سے لے کر ایم سی سی جیسی تنظیموں کے رابطے میں ہیں۔ اس سے پہلے کے دور میں یہ طبقہ سی. پی آئی اور سی. پی. ایم کے رابطے میں ہیں۔ ۱۹۹۰ء - ۱۹۹۵ء کے منڈل ابھار کے دور میں سماجی انصاف کے نعرے کو لے کر یہ طبقے جنتا دل اور لالو یادو کے ساتھ بھی چلے گئے۔ ان علاقوں میں وہ آج بھی ان پارٹیوں کے رابطہ میں ہیں۔'' (۳۹۴)

علی انور صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے مارکس وادی کمیونسٹ پارٹی کے صوبائی سکریٹریٹ زون کے رکن ''سوبودھ رائے'' نے اپنے کئی انتخابی دوروں کا تجربہ بتاتے ہوئے کہا کہ:

''کئی جگہ شیخ، پٹھانوں کے گاؤں میں یہاں تک دھمکی سننے ملتی ہے کہ اگر بغل کے مرگنجوں (انصاری برادری کے کپڑا بننے والے حضرات کرگھے پر تیار اپنے کپڑوں پر کلف چڑھانے کے لیے ماڑ کا استعمال کرتے ہیں اس لیے ان کے لیے یہ تخلص کچھ لوگوں نے شروع کر دیا ہے۔) کے گاؤں میں آپ ووٹ مانگنے گئے تو پھر ہم لوگ آپ کو ووٹ نہیں دیں گے۔''

''بہار شریف کے کانگریس نیتا اور سابق وزیر شکیل الزماں کی بھی اسی طرح کی شکایت ہے۔ وہ تو کہتے ہیں کہ میں تو اس کا شکار ہوں۔ انتخاب میں نام نہاد اشراف مسلمان مجھے ووٹ دیتے نہیں۔ شکیل الزماں اس طرح کے اکیلے نیتا نہیں ہیں۔ پسماندہ طبقہ کے کئی نیتاؤں کی شکایت ہے کہ چناؤ میں اونچے طبقہ کے منہ سے یہ سننے کو ملتا ہے کہ جولاہا، دھنیا اور کنجڑا کو ووٹ دینے سے بہتر ہے کہ اپنا ووٹ پھاڑ کر پھینک دیں، مگر دوسری طرف جب اشراف طبقوں کے لوگ کسی پارٹی سے چناؤ لڑتے ہیں تو سبھی مسلمانوں کی ایکتا کی دہائی دی جانے لگتی ہے ان کے چناؤ پرچار کے لیے کئی مذہبی اداروں کے علماء تک میدان میں اتر جاتے ہیں ایسے امیدوار کے لیے فتوے تک جاری کیے جاتے ہیں۔

ہمارا نعرہ اردو دہلی کے مدیر اور بہار جمیعۃ المنصور کے صدر محمد شمس الہدیٰ استھانوی بتاتے ہیں:

''میں ۱۹۷۲ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر ''استھاما'' (نالندہ) سے ودھان سبھا کا چناؤ لڑ رہا تھا۔ اس علاقے میں ۱۴-۱۵ گاؤں شیخوں کے ہیں۔ میں جب ان گاؤں میں ووٹ مانگنے کے لیے گیا تو کئی جگہ مجھے سننے کو ملا کہ ہم اتنے گئے گزرے ہو گئے ہیں کہ جولاہا، دھنیا کو ووٹ دیں'' محترم استھانوی بتاتے ہیں کہ ''میں صرف ڈیڑھ ہزار ووٹ سے وہ چناؤ ہار گیا اگر ان گاؤں کے شیخ ووٹروں کے ایک چھوٹے حصے نے بھی مجھے ووٹ دے دیا ہوتا تو میں چناؤ جیت جاتا۔'' (۳۹۵)

عبداللہ دانش صاحب ''مسلم معاشرے میں برادری واد'' میں لکھتے ہیں:

''برادری واد اور سیاست کے ذیل میں مسلم معاشرے کا کردار معاشرے کی بدقسمتی ہے، گزشتہ ۱۹۹۶ء کی پارلیامنٹ انتخاب کے دوران بہار کے گوڈہ حلقہ انتخاب سے دو مسلم امیدوار میدان میں تھے اور دونوں انصاری تھے، ایک مسلم امیدوار صلاح الدین انصاری جنتادل سے اور دوسرے آزاد امیدوار فرقان انصاری تھے۔ اس حلقہ میں مسلم رائے دہندگان زیادہ تر شیخ ہیں۔ ان شیخ مسلمانوں نے انصاری مسلمان امیدواروں کو اس لیے ووٹ نہیں دیا کہ وہ جولاہے ہیں جولاہے کو ووٹ دینے سے کیا فائدہ؟ لہٰذا انھوں نے کانگریس، سمتا پارٹی اور بھاجپا کو ووٹ دیا۔...... بہار کے گزشتہ اسمبلی انتخاب میں ممبر پارلیمنٹ جناب علی اشرف فاطمی کے حلقہ انتخاب [دربھنگہ] کے صدر اسمبلی سیٹ پر انصاری امیدوار میدان میں تھے۔ اپنے کو اعلیٰ ذات کہنے والے مسلمانوں نے انصاری امیدوار کو ووٹ نہیں دیا جس کے نتیجہ میں بی جے پی کا امیدوار جیت گیا۔ اس کے برعکس پارلیمانی انتخاب میں انصاری مسلمانوں نے اعلیٰ ذات کے فاطمی کو ووٹ دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ اعلیٰ ذات کا مسلمان بی جے پی امیدوار سے بہتر ہے۔'' (۳۹۶)

ایک مرتبہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ بالکل جلے بھنے مزعومہ اونچی ذاتوں کو گالیاں دیے جا رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ چچا کیا ہو گیا کیوں اتنا ناراض ہیں؟ ان کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ کہنے لگے:

''ہم رذیل ہیں، ہماری برادری رذیل ہے اور سید، شیخ و مغل پٹھان شریف ذاتیں اور بڑی ذاتیں ہیں۔ کیا سید کی پیدائش ہاتھی، شیخ کی پیدائش اونٹ اور پٹھان کی پیدائش گھوڑے اور

مغل کی پیدائش خچر سے ہوئی ہے۔ یہ جانور تھوڑے اونچے نیچے ہیں اسی سے یہ چاروں برادریاں ایک دسرودے سے اونچی نیچی اور شریف سمجھی جاتی ہیں اور دوسرے کو رذیل چھوٹی۔''

دوسرے لوگوں سے معلوم کرنے پر یہ پتہ چلا کہ کسی مفروضہ ذات کے کسی شخص نے ان کی برادری کو چھوٹی ذات کہہ دیا تھا۔

''اللہ کی پکار، نئی دہلی'' کے مراسلہ نگار جناب جاوید بھارتی صاحب ستمبر ۲۰۰۵ء کے شمارہ میں مفروضہ طبقہ شرفاء کی نسل پرستی اور اس بناپر تعصب کرنے کا ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ:

''تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھیے: میں بدایوں میں پیدا ہوا، میرے پڑوس میں ایک انصاری خان دان تھا، جو مجھے اولاد کی طرح چاہتا تھا۔ ان کی ایک لڑکی بچپن سے مجھ سے مانوس تھی۔ دونوں ساتھ کھیلتے پڑھتے۔ اتفاق سے ہماری والدہ سادات تھیں، والد خان تھے۔ والدہ کی خواہش تھی کہ وہ لڑکی ان کی بہو بنے، لیکن لڑکی والوں نے صاف منع کر دیا، وجہ برادری کا فرق۔ اس لڑکی نے بھی شادی نہیں کی اور میں نے بھی زندگی تنہا گزار دی۔ ممبئی میں میرے ایک دوست کا لڑکا جو مراد آباد کا تھا، انتہائی خاطر مدارات کرتا تھا۔ ایک دن میرا آئی کارڈ جیب سے نکال کر پڑھنے لگا، جس میں جاوید بھارتی کے والد کا نام عبد الغفور خاں تھا۔ اس روز سے اس کا رویہ بدل گیا اور کبھی ڈھنگ سے بات نہیں کی کہ آپ پٹھان ہیں۔ میں تو انصاری سمجھتا تھا۔ میں نے کہا: میں تو جاوید بھارتی ہوں۔ میرے نام میں کسی برادری کا اظہار نہیں ہے، لیکن وہ نہ بدلا۔'' (۳۹۷)

میرے بعض دوستوں اور اساتذہ کا کہنا ہے کہ بنارس، بھدوہی، مئو اور مبارک پور وغیرہ کی انصاری برادری ہر طرح سے مزعومہ شرفاء کے ساتھ تعصب برت رہی ہے۔ یہ بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کرتی ہے جو سلوک مفروضہ شرفاء پس کردہ برادریوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ جمعیت اہل حدیث پر اس برادری کا قبضہ (Hold) ہے۔ جب کوئی انصاری امیر جماعت بنتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے میدان جیت لیا۔ خیراتی اداروں پر ان کا قبضہ ہے۔ مدارس اور تعلیمی اداروں میں بھی یہ برادری انتخاب کے وقت ذات برادری دیکھتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ'' جب مفروضہ شرفاء انتخاب کے سلسلہ میں صرف مزعومہ اونچی ذاتوں کا انتخاب کرتی ہے تو ہم کیوں نہ کریں۔''

بنارس، مبارک پور اور بھدوہی وغیرہ کے سلسلہ میں میری تحقیق نہیں ہے لیکن مئو کے پس منظر میں یہ بات کہنا کہ [illegible] میں صرف موہومہ نیچ ذات ...... کو رکھا جاتا ہے۔ مناسب نہیں۔ کیوں کہ میں

مئو میں بچپن سے رہ رہا ہوں اور وہاں کے مدارس کے بہت سے لوگوں سے واقف ہوں جن کا تعلق شیخ اور خان وغیرہ برادریوں سے ہے، لیکن وہ وہاں ٹیچر ہی نہیں؛ بلکہ صدر مدرس بھی ہیں۔ مثلاً دارالحدیث کے سابق صدر مولانا محمد احمد اثری اور موجودہ صدر مدرس مولانا عبدالشکور، خاں، جامعہ فیض عام کے مدرس مولانا عبدالحمید فیضی، مولانا ابوسعید فیضی اور ماسٹر رفیع اللہ خان، مفتاح العلوم کے سابق صدر مدرس مولانا محمد شمیم مفتاحی اور وہاں کے ایک مدرس مولانا محمد صغیر صاحب شیخ ہیں۔ دارالعلوم کے مدرس مظہر صاحب اور مولانا محمد حسین شیخ ہیں۔ جامعہ عالیہ کے صدر مدرس مولانا شریف اللہ اور مولانا ابوالہاشم دریا آبادی خان ہیں؛ حتیٰ کہ الجامعۃ السّلفیہ بنارس کے صدر مدرس مولانا محمد مستقیم سلفی اور اساتذہ میں مولانا عبدالسلام، مولانا نعیم الدین اور مولانا محمد احمد صاحبان وغیرہ خان ہیں۔ دیگر معاملات میں تو ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا نظریہ صحیح ہو؛ لیکن مدارس کے سلسلہ میں غلط ہے۔

مزعومہ چھوٹی ذاتوں کے ذات پات کے حامی لوگ صرف اشراف کے خلاف ہی تعصب نہیں رکھتے ہیں بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو اونچا نیچا سمجھتے ہیں۔ بالکل ہندوؤں کی طرح ہر برادری کے نیچے ایک دوسری برادری ہے۔ اس کی زندہ مثال ان کے درمیان شادی بیاہ کا نہ پایا جانا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمن انصاری بتاتے ہیں کہ مئوائمہ الہ آباد میں انصاری خود مزعومہ نیچی ذات کو ہی اپنے سے نیچے سمجھتی ہے۔ اس گاؤں میں ایک مسلم ڈاکٹر ہیں جن کا تعلق منصوری (دھنیا) برادری سے ہے۔ نسبی برتری کے شکار انصاری حضرات نے ان کا سماجی بائیکاٹ تک کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب گاؤں کی سڑک سے آنا جانا چھوڑ کر گاؤں سے باہر کی سڑک سے آیا جایا کرتے ہیں۔ تعصب کی انتہاء یہ کہ انصاری حضرات نے ان کے مقابلہ میں دو ہندو ڈاکٹروں کو گاؤں میں بسا دیا جنہوں نے بارہا ان کی بہو بیٹیوں کے ساتھ بدتمیزیاں کی ہیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے ڈاکٹر لڑکے کی شادی ایک انصاری ڈاکٹر لڑکی سے کرائی ہے اور لڑکی سے کہا ہے کہ کلینک پر آپ اپنے نام کے ساتھ انصاری لکھیں تاکہ انصاریوں کو گھمنڈ ٹوٹے۔

مسلم امت گمراہی پر اکٹھا نہیں ہوسکتی:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِی عَلَی الضَّلَالَةِ...... (۳۹۸)

''اللہ میری امت کو گمراہی اور ضلالت پر [کبھی بھی] اکٹھا نہیں کرے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی بالکل صحیح ہے اور شروع سے آج تک ثابت ہوتی چلی آرہی ہے۔ ذات پات کے مسئلہ میں بھی بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ معاصر علمائے کرام میں سے بڑی بڑی شخصیات نے اس ہندوانہ چیز یعنی ذات پات، اونچ نیچ اور اس پر قائم مروجہ اور فقہی مسئلہ کفو کی حمایت کی، لیکن امت

مسلمہ کے بہت سے اعلیٰ پائے کے معاصر علمائے کرام اور دانشوران عظام نے اس کی شدید مخالفت کی، اس کو غیر اسلامی، اسلام کی روح اور توحید اسلامی کے منافی قرار دیا۔ چناں چہ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی کی ذات پات اور اونچ نیچ پر مبنی کتاب ''نہایات الارب فی غایات النسب'' شائع ہوئی تو لوگوں نے اس کے خلاف جلسے، جلوس کیے اور پوسٹر وغیرہ نکالے۔(۳۹۹) علمائے کرام کی ایک صالح جماعت نے اس کے خلاف فتوے جاری کیے، مضامین اور کتابیں لکھیں۔

مولانا سجاد حسین کا ایک مضمون ''اخبار انیس، سہسواں ضلع بدایوں'' میں ۲۵ر جولائی ۱۹۳۴ء کے شمارے میں شائع ہوا۔(۴۰۰) مولانا محمد عثمان حسینی فاضل دیوبند مالیگاؤنوی کا ایک مختصر اور مدلل جواب ۲۳ر اگست ۱۹۳۴ء کو ''اخبار انقلاب'' (بمبئی) میں شائع ہوا(۴۰۱) اور انھوں نے ''کتاب نہایات الارب فی غایات النسب - الکاسب حبیب اللہ کو جھٹلانے والے علماء۔ مفتی دارالعلوم دیوبند اور مساوات اسلامی'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، اس سلسلے میں دفتر جمعیت مومن انصار ضلع سہارنپور نے ۲۹ راگست ۱۹۳۴ء کو دارالعلوم دیوبند کے ناظم کے نام ایک رجسٹری خط بھیجا،(۴۰۲) علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک فتویٰ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ''اخبار اجمل'' (بمبئی) میں شائع ہوا۔(۴۰۳) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کا فتویٰ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ''اخبار الجمعیۃ'' دہلی میں چھپا(۴۰۴) نیز انھوں نے اور بھی فتاوے دیے،(۴۰۵) مولانا فرخند سہسرای، مولانا (حفظ الرحمٰن) سیوہاروی صدیقی نے بدلائل اس کا رد کیا،(۴۰۶) مولانا آصف حسین پٹنوی اور مدرسہ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ناتھ بھنجن یوپی کے بانی مولانا عبداللہ شائق وغیرہم نے بھی مدلل ومبسوط فتاوے جاری کیے، سہارنپور کے مولانا عبدالکریم اعظمی انصاری اور مولانا محبوب قریشی نے معرکۃ الآراء کتابیں لکھیں۔(۴۰۷) مولانا حبیب الرحمٰن احمد قاسمی دیوبند نے ''القول الاسلم فی تحقیق نسب العجم،''(۴۰۸) مولانا محمد حیات سنبھلی نے ''رفع النقب عن النسب والکسب معروف بہ: بہار صنعت وحرفت''(۴۰۹) اور محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے ''انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت'' لکھی(۴۱۰) اور موجودہ زمانے میں مولانا مفتی محمد ساجد قریشی قاسمی نے ان کی کتاب کے رد میں مضمون لکھا۔(۴۱۱)

یہ تو جوابی ردعمل تھا، اس کے علاوہ اس پر معروضی کام بھی ہوا ہے۔ ''اخبار اہلحدیث'' میں ۱۹ر مئی ۱۹۱۶ء کو مشہور اہل حدیث عالم دین مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ایک سوال کے جواب میں فتویٰ شائع ہوا کہ:

''...... اسلام میں ان قوموں اور پیشوں کی وجہ سے امتیاز نہیں کیا گیا ہے۔ جو مسلمان مرد چاہے جس عورت سے شادی کرے جائز ہے، لیکن عرف عام کے لحاظ سے بھی جبر نہیں، رشتے کے بابت تو جبر نہیں ہے۔ مگر دیگر برتاؤ میل ملاپ میں سب کو برابر کا حکم دیا''۔ (۴۱۲)

علامہ سید سلیمان ندوی نے ۶ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ (۲۴ اگست ۱۹۲۸ء) کو تو حید امرتسر میں ''مسئلہ کفو کی تحقیق''(۴۱۳) کے زیر عنوان اور جون ۱۹۲۸ء میں ''معارف'' کے اندر ''حقوق نسواں۔کفو'' کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ لکھا اور مکمل طور سے مروجہ وفقہی کفو کا زوردار دلائل اور انداز میں رد کیا۔ آخر الذکر مقالہ میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

> **''حقیقت یہ ہے کہ ان تمام مسائل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، قرآن پاک اور صحیح احادیث سے ان مسئلوں کا کوئی ثبوت نہیں،** اگر ان مسئلوں کی کوئی شرعی حیثیت ہوتو اسلام کے اس نقارۂ فخر کی آواز دب جائے کہ دنیا میں وہی ایک مذہب ہے جس نے انسانوں میں باہم اخوت ومساوات اور برابری قائم کی اور حسب ونسب، رنگ وروپ اور کالے گورے کے امتیاز مٹائے''(۴۱۴)

مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب ''نہایات الارب فی غایات النسب'' کی اشاعت کے چھ سال بعد ''اخبار اہلحدیث'' میں ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ (۱۲ مئی ۱۹۳۸ء) میں ''مسئلہ کفاءت اور اسلام'' کے عنوان سے ایک اہل حدیث عالم دین مولانا عبدالجلیل، ناظم دارالعلوم شہشہیاں ضلع بستی یو پی۔ کا ایک تفصیلی مضمون شائع ہوا، جس میں انھوں نے فقہی کفاءت سے متعلق احادیث کی تحقیق کرکے انھیں موضوع ٹھہرایا۔ مضمون کے شروع میں مولانا لکھتے ہیں:

> ''کفاءت کا مسئلہ محض ایک معاشرتی، اخلاقی اور سوسائٹی کی حیثیت رکھتا ہے، اسے کوئی شرعی اہمیت حاصل نہیں، ورنہ یہ مسئلہ اسلام کے نقارۂ عام، اس کے مساوات عامہ اور عالمگیر دعوت کے سخت منافی ہوگا۔...... مسلمانوں کی شومیٔ قسمت کو دیکھیے جہاں ان میں ہزاروں انواع واقسام کے اختلافات موجود تھے، وہاں مسئلہ کفاءت کی بھی بنیاد رکھ کر اختلاف وتفریق کی خلیج کو اور زیادہ وسیع کیا گیا، مسئلہ زیر بحث میں جس غلو سے کام لیا گیا ہے اور جن طویل وعریض تفریعات اور فقہی موشگافیوں کا مظاہرہ کیا گیا ہے ان کی تفصیل کے لیے شرح وقایہ، ص: ۲۰ و ۲۱، ج: ۲، نیز بحر، فتح، بنایہ، جامع الرموز، قاضی خاں، بدائع، ظہیریہ وغیرہ کتب فقہ کا مطالعہ کیجیے، جن میں نہایت تفصیل کے ساتھ لوہار، دربان، سائیس، دُھنیا، درزی، سقہ، صراف، بزاز، عطار، حجام، جولاہا وغیرہ کی تقسیمات وتفریعات سے سینکڑوں اوراق مملونظر آئیں گے......''(۴۱۵)

مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی نے مسئلہ کفو کے سلسلہ میں بڑی حد تک علماء احناف کی مخالفت

کی اور ذات پات کے خلاف فتاوے دیئے ۔ان تمام کو ان کے مجموعہ فتاوی ''کفایت المفتی'' میں دیکھا جا سکتا ہے ۔اس میں تو ایک باب ہی ''ذات پات، نسل قبیلہ'' کے نام سے ہے۔ مسلمانوں کے درمیان جو یہ غلط تصور پھیلایا گیا ہے کہ خلافت اور خلیفہ کے لیے قریشی النسل (سید اور شیخ) ہونا شرط ہے مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کی سخت الفاظ میں تردید کی، اس واسطے انھوں نے باضابطہ ایک کتاب ''مسئلہ خلافت'' لکھی، جس کی تفصیل پیچھے آ چکی ہے، اس کے علاوہ بھی انھوں نے ذات پات کے نظریہ کو غیر اسلامی بتایا جس کا تذکرہ ابھی آگے آئے گا۔ جمعیۃ علماء ہند نے مولانا سید حسین احمد مدنی (۴۱۶) کی صدارت میں متعدد بار ذات پات کے خلاف قرارداد پاس کی۔ اپنے گیارہویں اجلاس منعقدہ جون پور مورخہ ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی و یکم جمادی الاولی ۱۳۵۹ھ مطابق ۷، ۸، ۹ جون ۱۹۴۰ء بصدارت مولانا حسین احمد مدنی جو قراردادیں پاس کیں۔ ان میں سے ایک قرارداد نمبر ۵، ذات پات کے رد میں تھی، اس میں تھا کہ:

> ''جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اس حقیقت کا اعلان کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اسلامی تعلیم کی رو سے مسلمان شریف اور رذیل طبقات میں منقسم نہیں ہیں اور صنعت و حرفت کے لحاظ سے رذیل اور شریف قرار دینا ہندستان کے ہندوؤں کا طریقہ تھا جو مذہبی تعلیم سے ناواقفیت اور عصبیت و جہالت کی وجہ سے بعض مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گیا۔ اسلام نے شرافت کا مدار تقوی و صلاحیت پر رکھا ہے اور سید المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے: ''لَا فَضْلَ لِعَرَبِیّ عَلٰی عَجَمِیّ، اَلنَّاسُ کُلُّھُم بَنُو آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَاب ۔ اس کی صاف و صریح دلیل ہے۔
>
> یہ اجلاس ان لوگوں کے رویہ کی پرزور مذمت کرتا ہے جو مسلم پیشہ ور برادریوں کو رذیل قرار دے کر اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی سعی کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں اسلام کو نقصان پہنچاتے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔'' (۴۱۷)

جمعیۃ علماء ہند کے تیرہویں اجلاس منعقدہ لاہور مورخہ ۲، ۳، ۴ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۰، ۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء زیر صدارت مولانا سید حسین احمد مدنی، جو قراردادیں منظور ہوئیں ان میں ایک قرارداد یوں تھی:

> ''جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اس حقیقت کے پیش نظر کہ اسلام نے مسلمانوں میں فرق مراتب کا معیار تقوی و سیرت کو قرار دیا ہے۔ نسل و حرفت پر اس کا مدار نہیں رکھا، نیز تمام

مسلمانوں کو خواہ وہ کسی نسل اور کسی سرزمین کے باشندے ہوں، بھائی بھائی اور اسلامی حقوق میں مساوی بنایا ہے اور کسی شخص کو اس کی نسل یا حرفت کی وجہ سے رذیل اور کمین قرار نہیں دیا۔ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس زرّیں اسلامی اصول کو اختیار کریں اور ہندستان کی بعض غیر مسلم اقوام کی صحبت و اختلاط سے شرافت اور رذالت کا جو غیر اسلامی تخیل پیدا ہو گیا ہے اس کو جلد از جلد مٹا دیں۔ بعض مقامات پر سرکاری کاغذات میں بھی بعض جماعتوں کو کمین لکھا جاتا ہے اس کو منسوخ کرانے کی متفقہ سعی کریں اور تمام پس ماندہ افراد کو خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں تعلیم و تہذیب سے بہرہ ور کر کے ترقی کے مدارج پر پہنچانے کی منظم کوشش کریں اور قابلیت کے معیار کے موافق ان کے لیے ہر قسم کی خدمات اور ملازمتوں کے دروازے کھول دیے جائیں۔ یہ کوشش ایک صحیح اسلامی اور انسانی خدمت ہوگی اور اس کے ذریعہ وہ اسلامی اصول کی برتری دنیا پر روشن اور واضح کرنے اور احیاء ملت کا اجر عظیم حاصل کریں گے۔ جمعیۃ علماء بھی اس بارے میں متعلقہ سرکاری دفاتر سے خط و کتابت کرے گی۔" (۴۱۸)

یہ تجویز متفقہ طور پر منظور کی گئی تھی۔ (۴۱۹) اس اجلاس میں بے شمار علماء اور دانشوران ملت تھے۔ جمعیۃ کے ارکان مرکزیہ میں سے شریک ہونے والوں میں چند اہم حضرات یہ تھے، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا سید لطف اللہ شاہ، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا سید فخر الدین احمد، مولانا سید طفیل احمد کاظمی، مولانا اعزاز علی، مولانا محمد طیب، (۴۲۰) مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی ایڈیٹر امارت، مولانا سجاد حسین، مسٹر سید محمد جعفری ایڈیٹر ملت، مولانا عبدالماجد، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوری، مولانا مفتی نعیم لدھیانوی، مولانا عبدالحنان [لاہور] مولانا خان میر ہلالی ایڈیٹر جمہوریت۔ (۴۲۱)

اصلاح ذات پات کے سلسلہ میں ایک اسلامی طلبہ تنظیم "اسٹوڈینٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا (SIMI ممنوعہ) نے اہم رول ادا کیا ہے۔ اس نے نہ صرف شرعاً، جماعتی طور سے اسے غلط قرار دے کر توڑا ہے بلکہ عملاً بین برادری شادیاں کر کے اس کے خاتمہ کی کوشش کی ہے۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کہ اس کے بھی بعض ممبران ذات پات کو مانتے ہیں لیکن دوسری تنظیموں کے مقابلہ میں اس کا یہ امتیاز ہے کہ کسی بھی ممبر کے متعلق اس کے ذمہ داران کو معلوم ہو جائے کہ اس کا فلاں ممبر ذات پات کی بات کرتا

ہے اور تحقیق کرنے پر جرم ثابت ہو جاتے تو اسے تنظیم سے نکال دیا جاتا ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اگر اس کے کسی ممبر پر شادی میں بارات لے جانے اور جہیز لینے کا جرم ثابت ہو جائے تو اسے بھی نکال دیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں مروجہ وفقہی کفو کو ''موہوم تفریقات و امتیاز'' کہا ہے۔ (۴۲۲) مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نے ''مسئلہ کفاءت کی شرعی حیثیت لکھنے'' کے علاوہ کئی ایک بار مروجہ وفقہی کفو کو غلط بتایا ہے۔ اپنی کتاب تذکرۃ النساجین (دست کار اہل شرف) میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

''اس بحث (پیشہ) میں فقہی کتابوں سے جو نقل کیا جاتا ہے وہ سب غلط فہمی پر مبنی ہے۔'' (۴۲۳)

۱۹۷۲ء کے آخر میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے بمبئی میں ایک عظیم الشان کنونیشن ہوا تھا، اس کے بعد مولانا اعظمی نے ''اسلامی پرسنل لاء میں باب کفو'' کے عنوان سے ایک مدلل مضمون لکھ کر مروجہ وفقہی کفو کا رد کیا اور مسلم پرسنل بورڈ کے ذمہ داران سے اپیل کرتے ہوئے لکھا:

''لہٰذا مسلم پرسنل لا کا جائزہ لینے والے محقق علماء مسئلہ کفاءت پر قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں از سر نو غور کریں اور ان غلطیوں کی اصلاح کریں جو ہمارے ہندستانی مفتیوں نے پھیلا رکھی ہیں......'' (۴۲۴)

جب اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا نے پٹنہ میں ۱۶-۱۹/ اپریل ۱۹۹۹ء کو مولانا سید مجاہد الاسلام قاسمی کی صدارت میں مروجہ وفقہی مسئلہ کفو کو صحیح قرار دے دیا تو مولانا اعظمی سے جڑے علماء مثلاً مولانا رشید احمد اعظمی، مولانا اعجاز احمد اعظمی، مولانا انور رشید اعظمی اور ڈاکٹر (مولانا) مسعود احمد اعظمی وغیرہ نے اس فیصلے کے رد کے واسطے مولانا اعظمی کی پرانی تحریروں کو من وعن شائع کیا۔ (۴۲۵)

جمعیت اہلحدیث کے سابق صدر مولانا مختار احمد ندوی نے ذات پات اور اس پر مبنی مروجہ وفقہی کفو کو غیر اسلامی کہا ہے (۴۲۶) اور جب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ''مجموعہ قوانین اسلامی'' شائع کی (جس پر تفصیلی بحث پیچھے آچکی ہے) تو انھوں نے اس کی مخالفت میں ایک مضمون بھی لکھا۔ (۴۲۷) اس کتاب ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' کے غیر اسلامی ''کفو'' پر پروفیسر مولانا سید خالد حامدی ایڈیٹر ''ماہنامہ اللہ کی پکار'' نے بھی تنقید کی ہے اور اسے ذات پات کو بڑھاوا دینے والا بتایا ہے۔ (۴۲۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' کے ملخص، صاحب التصانیف، مشہور عالم دین اور جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کے سابق رکن مولانا صدر الدین خان اصلاحی متوفی ۱۹۹۹ء نے اپنی ایک کتاب ''نکاح کے

اسلامی قوانین" میں ذات پات اور مروجہ فقہی کفو کو بے بنیاد لکھا ہے۔ مولانا کفاءت فی الدین کے دلائل اور نصوص نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"چوں کہ قرآن اور احادیث میں اس طرح کے بے شمار ارشادات موجود ہیں اس لیے پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ دین وتقوی کے لحاظ سے مرد کو عورت کے ہم پایہ (پلہ) ہونا چاہیے، باقی امور کے بارے میں...... اللہ اور رسول ﷺ کی کوئی صریح ہدایت موجود نہیں ہے۔" (۴۲۹)

"اگر چہ حدیث کی کتابوں میں بعض ایسی روایتیں موجود ہیں جن سے اس بارے میں استدلال کیا جاتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ روایتیں اتنی کمزور ہیں کہ اتنے اہم معاملے میں ان سے استدلال کرنا صحیح نہیں کہا جا سکتا۔" (۴۳۰)

درجنوں کتابوں کے مصنف، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہنامہ زندگی نو نئی دہلی کے معاون مدیر اور جماعت اسلامی ہند کے رکن جناب ڈاکٹر محمد رضی الاسلام خان ندوی نے بھی ذات پات کو غیر اسلامی بتایا ہے، انھوں نے راقم الحروف کے مضامین کو بھی پسند کیا اور ہمت افزائی کی۔ مولانا اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"**اسلام" سماجی مساوات کا قائل ہے، وہ نسل یا پیشہ کی بنیاد پر کسی قسم کی تفریق یا امتیاز روا نہیں رکھتا۔** اس کی اس تعلیم نے طبقوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی انسانیت کو بہت متاثر کیا ہے؛ لیکن یہ صاف شفاف تعلیم بھی ہندستانی مسلمانوں کے رویہ سے گدلا گئی ہے۔ ہندوؤں کے [کی] ذات پات سے متاثر ہو کر انھوں نے بھی مختلف برادریاں بنالی ہیں اور بعض کو 'اشرف' اور بعض کو 'ارذل' میں شمار کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی بے عملی اور غلط طرز عمل کو اسلام کی سند حاصل نہیں، اسلام کی تعلیمات اپنی جگہ برحق اور اٹل ہیں خواہ مسلمان عمل کریں یا نہ کریں۔" (۴۳۱)

مشہور ماہر معاشیات، مسلم دانشور تحریک اسلامی کے فعال رکن، جماعت اسلامی ہند کے رکن شوری، جماعت اسلامی ہند کا ترجمان "زندگی نو" کے مدیر اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اساسی ممبر محترم جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن فاروقی فریدی نے بڑے زور دار انداز میں مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی ذات پات کا رد کیا ہے۔ راقم الحروف کے مضامین جو مسلمانوں میں پائے جانے والی ذات

پات کے رد میں ہیں۔ کو زندگی نو میں شائع کرنے کی وجہ سے انھیں اندرون خانہ اور باہر سے بھی شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بیرونی اور اندرونی (۴۳۲) مخالفتوں کا اندازہ راقم الحروف کے مضامین کے تعلق سے ''زندگی نو'' میں شائع شدہ مراسلات سے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن ان تمام مخالفتوں کے باوجود ڈاکٹر صاحب راقم الحروف کے مضامین کو اصلاح معاشرہ کی غرض سے شائع کرتے رہے۔ راقم الحروف کے مضمون ''فلسفہ ذات پات اور بعض علمائے دیوبند'' شائع شدہ ''زندگی نو'' اگست ۲۰۰۰ء کے ادارتی نوٹ میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''جس سماج میں ہم رہتے ہیں، اس سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ ذات پات، شریف ورذیل کے معیارات ہندو سماج کی دین ہیں۔ ان امتیازات کو فرد کے اخلاق وعادات سے جوڑ دینا اس سماج کے مفکرین کا عام شعار رہا ہے؛ **چناں چہ مسئلہ کفو کے ایک جزیئے کو لے کر اسلام کے نظام مساوات میں ایسی ترمیم کی کوشش کی گئی جس سے سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہا۔** ان دینی مفکرین کو اپنا ہی وضع کردہ یہ اصول یاد نہ رہا کہ فروع سے کہیں زیادہ اہم، دین اسلام کے اصول اور مقاصد ہیں۔ فرع اگر مجروح ہو جاتی ہے ہو جائے؛ لیکن اصل پر آنچ نہیں آنی چاہیے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک احادیث، روایت بالمعنی ہیں۔ جب کہ قرآن لفظاً اور معناً ہو بہو وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ اس لیے کسی جزوی مسئلے میں روایت کردہ کسی حدیث کی ایسی تعبیر کرنا اور اس پر اتنا اصرار کرنا کہ قرآن کریم اور حدیث رسول کے قائم کردہ اصول ومناہج اور اس کی مصلحت متاثر ہو جائے، حکمت دینی کے خلاف ہیں......

دیوبند کے قیام سے قبل مغلوں کے دور حکومت میں بھی مسلم سماج میں ارذل اور اشرف کی تقسیم کا رواج شروع ہو چکا تھا؛ چناں چہ ہندستانی سماج کے پس ماندہ اور نچلی ذاتوں کے جن عوام نے اسلام قبول کیا تھا، وہ مسلم سماج میں وہ مقام نہ پا سکے جو باہر سے آنے والے پشتینی مسلمانوں (مثلاً مغلوں) کو حاصل تھا۔ سیاسی اور عسکری مناصب میں بھی ان بے چاروں کو غیر مسلمین کے مقابلے میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ چناں چہ مسلم عوام کا یہ طبقہ رذیل (اللہ اکبر! مومن اور رذیل؟) کہلایا جاتا ہے۔ اس کی پشت پر سیاسی حکمت عملی کارفرما رہی ہوگی۔ مگر افسوس ہے کہ اس کے خلاف اس پورے دور میں علماء کے کرب اور اضطراب کی بھی علامتیں نہیں ملتیں۔

چناں چہ مسلمان جولاہا، بھٹیارہ، بھنگی، ڈفالی، نائی، درزی میں اس طرح تقسیم ہوگیا جس طرح ہندو سماج! اس تقسیم کی تائید، دینی حلقے، مسئلہ کفو کے ذریعہ بالواسطہ طور پر کرتے رہے۔ اس سے اسلام کی عمومی اپیل تنگنائیوں میں قید ہوگئی۔ ذات پات کے برہمنی استعمار کے لیے اسلام کا پیغام ''وحدتِ انسانیت'' کاری ضرب ثابت نہ ہوسکا بلکہ خود ہی متاثر ہوگیا۔ یہ کتنی بڑی ٹریجڈی تھی!

...... فقہی فروعات کو بلا لحاظ اس کے کہ ان کا اصل اجتہاد، تعبیر ہے یا واضح نص۔ اس طرح اختیار نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ ہم اپنے دور انحطاط میں کرتے آئے ہیں۔ وقت اور زمانہ یکسر بدل گیا ہے۔ مگر ہمارے بعض حلقوں کو اس پر اصرار ہے کہ انسان وہی ہے جو پہلے تھا۔ لہذا فقہ بھی اپنی تمام جزئیات کے ساتھ وہی ہونی چاہیے جو پہلے تھی۔ اس میں وقت کے مسائل کے لیے صرف فقہ کے مرتب کردہ اصولوں اور جزئیات سے نئے اطلاق کی ضرورت ہے؛ حالاں کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن وسنت کی طرف از سر نو رجوع کیا جائے اور جو کچھ اہم اور قیمتی ہے اس کو برقرار رکھا جائے اور جو محض وقتی ورثہ ہے اس کو ترک کردیا جائے۔ جب تک ملت اسلامیہ کے علماء اور دینی مکاتیب فکر حرکی اور بالغ نظر طرز کی عمل سے جھجکتے رہیں گے، اس وقت تک اسلام عہد حاضر کے چیلنج کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ انسانیت کی امیدوں اور آرزوؤں کی بڑھتی ہوئی پیاس بجھا سکتا ہے۔'' (۴۳۳)

''زندگی نو'' میں راقم الحروف کے قسط وار شائع شدہ مضمون ''مسئلہ کفاءت یعنی شادی بیاہ میں ذات پات کے اعتبار کی حقیقت'' کے ادارتی نوٹ میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''مسلم معاشرہ کی اصلاح سارے ہی مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی انجام دہی کے لیے خود احتسابی اور بے لاگ جائزہ لازم ہے اور اس جد و جہد کے مرحلہ پر ناگزیر قدم بھی ہے۔ مولانا مسعود عالم فلاحی نے اس تحقیق میں جس جانفشانی اور عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے، وہ تلخ نوائی پر مشتمل ضرور ہے۔ لیکن لائق تحسین ہے۔ ملت اسلامیہ کو جن امراض نے برصغیر ہندستان میں گھن کی طرح کھایا ہے اور اس کے ضعف اور انتشار کے اسباب فراہم کیے ہیں، ان میں متعدد ایسے ہیں جن کو ہم نے دین کی اتباع کا خوشنما لباس بھی پہنایا ہے۔ ان میں سے ایک مرض ''کفاءت'' کو ذات پات کی تفریق سے جوڑنا اور اس کو جواز بھی فراہم کرنا، فقہی منطقی استدلال کے زور سے ہم اس الزام کا ازالہ نہیں کرسکتے، کہ

امت اسلامیہ کو اخوت کے دھاگے میں پرونے والا یہ دین بھی ہندی سماج کے [کی] اونچ نیچ کا شکار ہو گیا، جس کا تجربہ ہم میں سے ہر شخص کو ہوتا رہا ہے۔ یہ تو دور حاضر کے منھ زور تقاضے ہیں، ملکی سرحدوں کی ٹوٹ پھوٹ ہے اور کثیر تعداد میں مسلمان نوجوانوں کی ہجرت ہے جنھوں نے مسئلہ کفاءت کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس کی گرفت کمزور کر دی ہے۔ یہ امر بھی ہم سب کے لیے سامان عبرت ہے کہ جو کام اسلامی اقدار کو انجام دینا چاہیے تھا، وہ مادی محرکات نے انجام دے دیا یا دے رہے ہیں۔

......وحدت آدم اور اخوت اسلامی کو ہم نے مسئلہ کفاءت کا سہارا لے کر، اس طرح پامال کیا کہ برہمن واد کے لیے فارسی اور عربی ناموں کے ساتھ اپنے دروازے کھول دیے۔ لہٰذا یہ نظام کفاءت مسلم خاندان کی ہم آہنگی کی چاہے کتنی قوی دلیل کیوں نہ ہو، بندگان خدا کو جو صدیوں کے ستائے ہوئے ہیں، دین حق کی طرف جذب کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ عقلاً بھی اور عملاً بھی۔ لیکن ان حضرات کو جن کی توجہ صرف ملت کے ناقص تصور پر مرکوز ہو ،اس کی فکر کب لاحق ہوتی ہے؟ مسعود عالم فلاحی جیسے نوجوان عالم کا یہ جذبہ اور شعور جو ہمارے اندر اصلاح حال کی تڑپ پیدا کر سکے، تازیانہ عبرت ہے۔ اس سے بعض پیشانیاں شکن آلود ہو سکتی ہیں، لیکن یہ دور نہایت نازک ہے۔ اس دور میں اپنی داخلی خرابیوں کی پردہ پوشی بھی اتنی ہی مضر ہے بلکہ زیادہ مضر ہے جتنی خارج کے حریفوں کی حیلہ سازی اور یورش! مدیر]" (۴۳۴)

ڈاکٹر صاحب زندگی نو جون ۲۰۰۱ء کے اشارات میں رقم طراز ہیں:

"اگر آپ کے سماج میں شیخ، سید، جولاہے، درزی، نائی، اور قصائی کا چلن ہوگا تو آپ خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہندستانی سماج آپ کو اپنے میں ضم کرنے سے باز نہ رہے گا۔ آج تک اگر اس نے آپ کو ضم نہیں کیا ہے تو اس کے ذمہ دار ہندو سماج کے سیاسی حالات تھے۔ آج وہ ایک چڑھتا ہوا سورج اور نشہ اقتدار میں مست سماج ہے، اس لیے وہ آپ [کو] نہ سہی، آپ کے پسماندہ طبقات کو جذب کر سکتا ہے۔ اس طرح آپ اسلام کے دعویٰ مساوات کو کھوکھلا ثابت کر دیں گے۔" (۴۳۵)

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ مسلم سماج میں ذات پات، چھوت چھات کے بانی عبد اللہ بن سبا یہودی منافق مسلمان اور شیعہ ہیں۔(۴۳۶) مشہور سوشل سائنس داں (Sociologist) ڈاکٹر سید عابد

حسین صاحب سابق پروفیسر شعبۂ سماجیات جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، مدیر سہ ماہی ''اسلام اور عصر جدید'' نے شیعہ ہونے کے باوجود حاملین و عاملین ذات پات پر زبردست چوٹ کی ہے۔ ذات پرستی کو اسلام اور عقل کی توہین قرار دیا ہے۔ وہ ذات کے حامی لوگوں کی ذات پرستی اور ان کی ریاکاری کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''موجودہ صورت حال پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہی ہمیں یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ نسل ونسب کی تفریق ہمارے دلوں میں اس طرح جڑ پکڑ گئی ہے کہ ہم نے اس بنا پر ساری ملت اسلامیہ ہندیہ کو ''شریف'' اور ''رذیل''۔ دو طبقوں میں بانٹ دیا ہے اور یہی نہیں بلکہ ان دونوں طبقوں کو بھی متعدد ذیلی طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ''شرفا'' کی درجۂ شرافت کے لحاظ سے چار ''قومیں'' یا ''ذاتیں'' قرار دی ہیں۔ سید، شیخ، مغل، پٹھان اور ''رذیلوں'' یا ''کمینوں'' کی ان کے پیشوں کے لحاظ سے بے شمار ''ذاتیں'' بنا دی ہیں جن میں اونچ نیچ کا فرق اس بنا [معیار] پر کیا جاتا ہے کہ جن لوگوں کا کام معاشرے کے لیے زیادہ ضروری اور مفید ہے وہ بہت ہی ''نیچ ذات'' کے اور جن کا کام کم ضروری اور کم مفید ہے وہ مقابلۃً ''اونچی ذات'' کے سمجھے جاتے ہیں۔ دین مبین اور عقل سلیم کی اس توہین کو دیکھ کر بے اختیار دل سے یہ فریاد نکلتی ہے:

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد

وائے گر پس امروز بود فردائے

[اگر مسلمانی یہی ہے حافظ تو افسوس ہے کہ آج جو ہے کل ہو جائے گا۔]

اور پھر ہماری اس ریاکاری کو دیکھیے کہ آج بھی ہم زبان سے الکاسب حبیب اللہ (ہاتھ سے کام کرنے والا اللہ کا دوست ہے) کہتے ہیں، لیکن دل میں مفید ترین پیشوں کے ذریعے کسب حلال کرنے والوں کو پست و پسماندہ ذلیل اور رذیل سمجھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ کھلم کھلا حقارت واہانت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ لیکن ان غریبوں میں کوئی دولت، علم، جاہ ومنصب حاصل کر لے تو ہم اس کے ساتھ ظاہری اخلاق برتنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے بلکہ ضرورت کے وقت خوشامد درآمد سے کام لینے میں بھی تامل نہیں ہوتا۔ **اس پر طرہ یہ ہے کہ اس ذلت نفس کی تلافی کے طور پر ہم پیٹھ پیچھے ناک بھوں چڑھا کر کہتے ہیں ۔چار حروف پڑھ لیے، چار پیسے کما لیے یا اونچی کرسی پر جا بیٹھا تو کیا ہوا۔ ہے تو وہی**

جولاہا (یا دُھنیہ، یا کنجڑا، یا قصائی)......

سچ پوچھیے تو ہم، آپ جیسے "شرفا" یعنی اونچے اور متوسط طبقے کے لوگوں کو بھولے سے بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ ذات پات کی درجہ بندی قایم کر کے وہ "اسلام" کی توہین کر رہے ہیں اس لیے کہ ہمارے نزدیک دین اور اخلاق تو اسلام میں محض ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔" (۴۳۷)

حیدر آباد دکن کے مشہور عالم دین حافظ سید محمد علی حسینی نے اپنی خاندانی روایات کے مطابق اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ پہلے تصوف وطریقت کے ماحول میں گذارا؛ (۴۳۸) لیکن بعد میں توبہ کر کے صحیح دعوت و تبلیغ، تالیف وتصنیف اور وعظ وخطابت میں مشغول ہیں۔ اس واسطے انھوں نے تقریباً ایک درجن کتابیں لکھی ہیں اور بہت سی زیر طبع ہیں۔ "مگر موصوف کو اپنے اس موجودہ موقف کی بھاری قیمت چکانی پڑی ہے۔ بہت سارے اعزہ واحباب نے ان سے قطع تعلق کر لیا اور لعن وطعن، سب وشتم اور دھمکیوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ لیکن وہ اس کی پرواہ کیے بغیر شب وروز اپنی مندرجہ بالا دینی خدمات میں ہمہ تن مصروف ہیں۔" (۴۳۹) انھوں نے اپنی کتاب "دین تصوف وطریقت" میں نسب پرستی" کے زیر عنوان صفحہ ۱۸۶ سے ۲۰۴ تک ذات پات کے خلاف لکھا ہے، جس کی ایک جھلک اوپر "آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔ صدر دوم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی اور ان کے وزراء" کے زیر عنوان گزر چکی ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کی جمی جمائی اور مستحکم خلافت کا تختہ الٹنے اور مملکت اسلامیہ میں انتشار اختلال پیدا کرنے کی سبائیہ (عبداللہ بن سبا کے پیروکار/شیعہ) کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے اور اس کے لیے انھوں نے بنی ہاشم کے منتخب افراد کو تاکا، تاکہ ان کی آڑ میں اپنا مقصد حاصل کریں۔...... سبائیہ نے ایک طریقہ بنا لیا کہ اہل بیت کے بزرگوں کو خروج پر اکساتے رہے جس کے نتیجہ میں خود ان کی اور مسلمانوں کی ہلاکتیں ہوتی رہیں، ملت میں انتشار ہوتا رہا۔

تیسری صدی ہجری کے وسط تک پچاس سے زائد خروج ہوئے اور سب ناکام رہے۔ جب اس طرح سے مقصد برابری [برآوری] نہ ہوسکی تو ان لوگوں نے "تصوف طریقت" کا لبادہ اوڑھ لیا اور پیری مریدی کے انداز میں لوگوں سے بیعتیں لینے لگے، اس کو "خلافت کبریٰ" کا نام دیا۔ اسی زمانے میں عامۃ المسلمین کو "آل علی" کی طرف مائل کرنے کے لیے "فضائل اہل بیت" اور "فضائل آل علی" کی حدیثیں گڑی گئیں۔ بنو علی کو خلافت کے حصول کی کشمکش میں جیسے جیسے ناکامی ہو رہی تھی عامۃ المسلمین کو ان کی طرف مائل کرنے کے لیے ان کے فضائل میں احادیث گڑی جا رہی تھیں۔ حضرت جعفر صادق کے فرزند محمد نے

اس میدان میں بڑا کام کیا۔ یہ صادق باپ کے کاذب بیٹے اپنے خاندان کے فضائل میں حدیثیں گھڑ کر اپنے باپ دادا ... منسوب کر دیتے تھے۔ اس کے بعد سے اس خاندان کا وطیرہ ہی ہو گیا کہ ہر موقعہ پر اپنے خاندان کی فضیلت نمایاں کرتے رہیں۔ گویا اس کے سوا ان حضرات کو کوئی کام ہی نہیں تھا۔ تقدس وتقویٰ اور فسق و فجور کسی ایک خاندان کی میراث نہیں ہیں۔ ہر خاندان میں اچھے برے لوگ ضرور ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فضیلت اور شرافت کا دارومدار خاندان اور نسب پر نہیں رکھا بلکہ صرف تقویٰ پر رکھا۔ (سور حجرات آیت ۱۳)۔......

ارباب تصوف وطریقت کی عظیم اکثریت کا تعلق سید خاندان سے ہے۔ اس لیے انھوں نے سید خاندان کے ایک ایک فرد سے عقیدت رکھنے کی ایسی تعلیم دی کہ گویا سارے ہی سادات دودھ کے دھلے، تقدس وتقویٰ کے پُتلے ہیں۔ ایک صدی قبل کے بزرگ ہیں جن کا نام لینا مناسب نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ''ہم مٹی کے برتن ہیں، ذرا سا بھی بال آجائے تو پھینک دینے کے قابل ہو جاتے ہیں، سادات سونے کے برتن ہیں، ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو جائیں تو قیمت وہی باقی رہتی ہے۔''

...... جب سے نسب پرستی کا ذہن نشو نما پانے لگا، لوگوں نے بالکلیہ نسب پر ہی تکیہ کر لیا اور عمل سے غافل ہو گئے۔ جن لوگوں کے انساب محفوظ ہیں اور صحیح النسب علوی ہیں وہ اپنے نسب پر اس قدر مفتخر ہیں کہ گویا آسمان سے اتری ہوئی مخلوق ہیں اور کئی ایسے ہیں جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ نسباً سید نہیں ہیں؛ لیکن کسی طرح بن بیٹھے ہیں۔ ایک صاحب نے اپنا شجرۂ نسب دکھایا جو حضرت حسن عسکری سے منسوب تھا۔ میں نے ان کہا کہ حضرت حسن عسکری کے کوئی اخلاف نہیں وہ لا ولد فوت ہوئے تو یہ صاحب سخت غضبناک ہوئے اور جوش میں آکر کہا کہ تم بھی حسینی نہیں یزیدی ہو، میں نے کہا کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، قیامت کے دن میرا فیصلہ حسینیت یا یزیدیت کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے بعد میرے عمل پر ہوگا، مجھے میری حسینیت سے کوئی فائدہ ہوگا نہ یزیدیت سے کوئی نقصان ہوگا۔ کتنی ہی بڑی قبریں میں نے دیکھی ہیں، صاحب قبر ایک غیر معروف بلکہ فرضی شخصیت ہیں لیکن ان کی قبر پر سید سادات بنی ہاشم، اولاد فاطمہ، لکھا ہوا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ آج جتنی قبریں جا بجا گلیوں میں، شاہراہوں پر، دیہاتوں اور قریوں میں خلاف اور

مورچھل سے مزین نظر آتی ہیں ان میں ننانوے فیصد صاحب قبر ''سید'' بنے ہوئے ہیں۔
یہ سب قبریں فرضی ہیں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔......

غرض نسب پر فخر خود فریبی اور صریح گمراہی ہے۔ یہ چیز آخرت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔
مسلمان کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے کہ وہ کل [قیامت کے دن] کے لیے کیا تیاری کر رہا ہے۔
(سورۃ حشر، آیت: ۱۸) اس دن عمل پوچھا جائے گا، حسب ونسب کو نہیں دیکھا جائے گا۔

جناب فاطمہ سے سرور کونین کہتے تھے نہ اترا اس پر اے زہرا کہ تو بنت پیمبر ہے
عمل کر نیک آئیں گے یہ تیرے کام محشر میں کوئی تجھ سے نہ پوچھے گا وہاں تو کس کی دختر ہے''

(۴۴۰)

حواشی

(۱) موجِ کوثر، محولہ بالا، باب علی گڑھ۔ عنوان، سرسید احمد خاں، ص:۸۰

(۲) سرسید صاحب نے اپنی کتاب "اسباب بغاوت ہند" میں جگہ جگہ برٹش حکومت کو "ہماری حکومت" کہا ہے اور اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۷ء میں لکھنؤ کے اندر محمڈن ایجوکشنل کانگریس (کانفرنس) کے دوسرے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

> "اگر میری ایسی قسمت ہو کہ میں وائسرائے ہو جاؤں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ اسی طرح بلکہ نہایت مضبوط وائسرائے کے طور پر ملکۂ معظمہ کی حکومت ہندستان میں قائم رکھوں گا...... جو آسائش ہم کو ایک گورنمنٹ میں ہونے چاہیے وہ برٹش گورنمنٹ میں حاصل ہے۔"

سرسید احمد خاں: خطبات سرسید، مرتب: محمد اسماعیل پانی پتی -عنوان: ۶۰- پولیٹکل امور اور مسلمان ۲/ ۹-۱۰

(۳) حوالہ سابق، عنوان: ۶۰- پولیٹکل امور اور مسلمان-۲/ ۱۲-۱۳، ۱۹، ۲۲، ۲۴-۲۷۔

(۴) अली अनवर मसावात की जंग पसमंजर बिहार के पसमांदा मुसलमान अध्याय: 3 तवारीख, बिन्दु : रानी के सिजदे में सर सैयद पृ० 101

(۵) Wide K.M. Pannikar: A survey of Inida History Bombay 3rd March 1965, P. 230, उदधृत: वही पृ०: 101

(۶) अलीगढ़ तहरीक पृ० 910, नकद अबुल कलाम, लेखक: डा० रजीउद्दीन अहमद पृ०: 546 ,उदधृत :वही अध्याय: 5 विरासत बिन्दु: मसावात का खून पृ० 130.

(۷) سرسید احمد خان: اسباب بغاوت ہند، مع مقدمہ فوق کریمی، عنوان: خیراتی پنشن بند ہونے سے ہندستان کا زیادہ محتاج ہونا، ص:۶۰۔

(۸) A survey of Inida History, op.cit P. 230 , उदधृत :मसावात की जंग op.cit पृ० 101

(۹) خطبات سرسید، محولہ بالا، عنوان: ۶۰- پولیٹیکل امور اور مسلمان ۲/ ۵۔

(۱۰) حوالہ سابق، ص:۶۔

(۱۱) حوالہ سابق، ص:۱۲، ۲۰-۲۱۔

(۱۲) ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل محولہ بالا: ۳۴۱۔

(۱۳) روزنامہ قومی آواز (اردو) نئی دہلی -۲۷ نومبر ۱۹۹۴ء۔

(۱۴) روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) -نئی دہلی، ۳۰ ر دسمبر ۲۰۰۱ء...... کالم مراسلات، عنوان: آنکل کے میدان میں دورخی کے خانے سے، ص:۳، واضح ہو کہ جناب اشفاق حسین انصاری نے اپنے مضمون کا جو عنوان رکھا ہے وہی عنوان قدوائی صاحب نے بھی اپنے مراسلات کا لگایا ہے۔

(۱۵) حوالہ سابق، ص:۳۔

(۱۶) قومی آواز نئی دہلی، ۸/ جون ۲۰۰۶ء جلد ۲۷ شمارہ ۵۵ میں لکھتے ہیں کہ ''.....روزنامہ آواز کے پچھلے شمارے میں سید منصور آغا..... جناب حکیم ظل الرحمٰن صاحب اور جناب خلیل الرحمٰن راز صاحب کے بڑے گراں قدر اور پر مغز مراسلے شائع ہوئے...''

حالانکہ ان تینوں حضرات کے مراسلے ذات پات، اونچ نیچ اور اس پر مبنی مروجہ فقہی کفو کی تائید میں ہیں، دیکھیے قومی آواز نئی دہلی ۱۴/ مارچ ۲۰۰۶ء جلد ۲۷، شمارہ ۱۲۴، ۱۲/ مئی ۲۰۰۶ء جلد ۲۷، شمارہ ۱۲۸۔

تفصیل میں نہ جاتے ہوئے قومی آواز ۳/ مئی ۲۰۰۶ء سے صرف جناب خلیل الرحمٰن راز کی دو عبارتیں نقل کی جارہی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اعلیٰ وادنیٰ کا فرق مٹایا نہیں جاسکتا، کیونکہ اس کا تعلق نسب سے زیادہ حسب [اعمال] سے ہے۔ قریش اور سادات کو اسلامی تعلیمات میں ایک گونہ اہمیت دی گئی ہے، مگر تقویٰ کی شرط وہاں بھی ہے۔''

فضیلت نسب کے ابطال کے سلسلہ میں جو قرآنی آیات وارد ہوئی ہیں ان کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ:

''یہاں عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے، اس لیے قیامت میں نسب سے متعلق سوال و جواب نہیں ہوگا، مگر اس کے عواقب واثرات پر سزا و جزاء میں کمی بیشی ضرور ہوگی۔''

جناب حکیم ظل الرحمٰن نے قومی آواز ۱۲/ مئی ۲۰۰۶ء کے شمارہ میں تھوڑی نرمی برتی ہے لیکن کفو میں ذات پات کی شمولیت کا کلی طور انکار بھی نہیں کیا ہے۔

(۱۷) خطبات سرسید: بحولہ بالا، عنوان: ۶۰ پولیٹکل امور اور مسلمان ۲/۳۔

(۱۸) حوالہ سابق۔

(۱۹) علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۵/ مئی ۱۸۹۴ء، جلد: ۲۹، شمارہ: ۳۹، بحوالہ خطبات سرسید بحولہ بالا، عنوان: ۸۸، مسلمانوں کی ترقی اور تعلیم نسواں پر سرسید کی تقریر۔ ۲۰/ اپریل ۱۸۹۴ء، بمقام جالندھر۔ ۲/۲۷۹۔

(۲۰) سرسید احمد خان: مجموعہ لکچرز واسپیچز، مرتب: منشی سراج الدین مطبوعہ: سڈھور ۱۸۹۲ء، بحوالہ عتیق صدیقی: سرسید احمد خان ایک سیاسی مطالعہ۔ باب: ۸، تعلیمی تحریک اور اس کی مخالفت۔ عنوان: غربا کو انگریزی تعلیم دینے کا خیال بڑی غلطی ہے۔ ص: ۱۴۴، ۱۴۵

(۲۱) مولانا اشرف علی تھانوی: اشرف الجواب، ۳۸۶/۴، مطبوعہ مکتبہ تھانوی دیوبند، بحوالہ:

पसमांदा आवाज़ मासिक, पटना, जून 2005, वर्ष 2, अंक 6 बिन्दु: अलिगढ में पिछड़े मुसलमानों को आरक्षण क्यों नहीं?

(۲۲) سرسید احمد خاں ایک سیاسی مطالعہ۔ بحولہ بالا، باب: ۱۰، مدرسۃ العلوم یا محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، عنوان: مدرسۃ العلوم میں طبقہ وارانہ کشمکش، ص: ۱۷۶-۱۷۸

(۲۳)

ب۔ کیا یہی اسلام ہے؟

نہ تو میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اخلاقیات پر لکھنے بیٹھا ہوں اور نہ ہی یہ میرے موضوع سے متعلق ہیں لیکن پھر بھی ایک سفاکانہ، ظالمانہ واقعہ کا تذکرہ ضرور کروں گا۔

۱۸/نومبر۲۰۰۲ء (۱۲/رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ بروز سوموار) میری (راقم الحروف کی) والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا، مجھے اس کی اطلاع دینے کے واسطے گھر سے پچیسیوں فون پرووسٹ آفس (حبیب ہال) میں آئے۔تمام فون سینئر کلرک محمد طارق خان نے ریسیو (Recieve) کیا؛ لیکن انہوں نے مجھے اطلاع نہ کی، مجبوراً گھر والوں نے خبر دینے کی غرض سے فرسٹ فلائٹ کوریر (First Flight Courier) سے خط بھیجا۔خط ملنے سے قبل اور وفات کے دو دن بعد یونی ورسٹی کے باہر اپنے گاؤں کے ایک شخص کے ذریعہ مجھے اس کی اطلاع ملی، فوراً گھر کے لیے روانہ ہوگیا؛ لیکن پہنچا تو بہت دیر ہوچکی تھی، دو دن قبل ہی تجہیز وتکفین ہوچکی تھی۔ وہاں معلوم ہوا کہ والدہ علیہا الرحمۃ روح نکلتے وقت تک مجھے تلاش کرتی رہیں، ان کی آنکھیں بند تھیں؛ لیکن ان کو محسوس ہوا کہ میں آگیا ہوں تو ایک دوسرے صاحب کا ہاتھ پکڑ کے مسعود! مسعود! کہتی رہیں۔

گھر سے لوٹنے کے بعد فون بل اور خط لے کر "محمد حبیب ہال" کے پرووسٹ جناب محمد اقبال احمد خان (جو شعبۂ الیکٹرانک، انجینئرنگ کالج میں پروفیسر اور تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن ہیں اور جن کی داڑھی ایک ہاتھ سے کم لمبی نہیں ہے اور جن کا لباس شیروانی ہے) کے پاس گیا اور کلرک محمد طارق خان کی شقاوت قلبی اور غیر انسانی وغیر اسلامی فعل کی شکایت کی؛ لیکن انھوں نے کلرک کو کچھ کہنے کے بجائے مجھ سے ہی الٹا کہا کہ پرووسٹ آفس کا میونیکیشن سینٹر (Communication centre) نہیں ہے کہ تمھارا فون آئے گا تو تم کو اطلاع کی جائے گی۔ اس کے بعد نوٹس جاری کیا کہ کسی بھی طالب علم کا فون کام کے اوقات (Working hours) میں رسیو (Recive) نہیں کیا جائے گا۔ پرووسٹ اور کلرک کی ان ذلیل حرکتوں کی اطلاع دینے کے واسطے میں نے ڈی، ایس، ڈبلیو (D.S.W) اور شیخ الجامعہ (V.C) محترم جناب نسیم احمد کو درخواستیں دیں نیز شیخ الجامعہ سے ملاقات کر کے انصاف کا مطالبہ کیا۔انھوں نے میری غم گساری کی، انصاف دلانے کا وعدہ کیا اور کہا کہ میں ابھی ایکشن لیتا ہوں پھر اپنے پی.اے. (P.A.) جناب محمد طاہر کو بلا کر کہا کہ پرووسٹ کو یہاں بلواؤ؛ لیکن تادم تحریر کوئی انصاف نہ ملا، جس کا ثبوت یہ ہے کہ پرووسٹ کو ہٹایا نہیں گیا بلکہ وہ اپنی میعاد پوری کر کے گئے اور کلرک آج بھی اپنی پوسٹ پر برقرار ہے؛ حتی کہ محمد حبیب ہال کے طلبہ کی زبانی سننے میں آیا کہ کلرک کا پروموشن (Promotion) ہوگیا ہے۔

(۲۴)Guide to Admissions (prospectus)2005-06, Aligarh Muslim University Aligarh. Topic: Table iii, Special Categories and certificates/ documents required in support of claim.

(۲۵) Exam form of Aligarh Muslim University Aligarh. راقم الحروف کے پیش نظر ۲۰۰۱ء-۱۹۹۹ء کا امتحان فارم ہے۔

(۲۶) ایس سی/ایس ٹی سیل کے آفس ہولڈر ستیہ بھوشن جی نے ۲۵/اپریل ۲۰۰۵ء کو ۴۵-۱۰ بجے صبح اور ۳۰-۳ بجے دوپہر کو مجھے یہ معلومات فراہم کیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دستور ہند میں چھوت چھات مخالف جو قانون ہے اسی کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ یہ سیل صرف ایس سی/ایس ٹی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے خاص ہے۔ ایس سی/ایس ٹی کے علاوہ کسی اور برادری کے لوگوں کے ساتھ ذات برادری کی بنیاد پر کسی طرح کی اذیت دی جائے تو اس کا مقدمہ پروکٹر صاحب کے سامنے پیش ہوگا اور وہی ایکشن لیں گے۔

(۲۷)Handbook of information 2004, Acharya Narendra Dev College, University of Delhi (DU) p.34

(۲۸)Economic and political weekly- Mumbai, November 15-21, 2003. Topic: democratization of Indian Muslims some reflections, by: Anwar Alam, p.4883

(۲۹) اسباب بغاوت ہند محولہ بالا، عنوان: حکام اضلاع حالات رعایا سے بالکل واقف نہ تھے۔ ص:۵۹۔

(۳۰) خطبات سرسید محولہ بالا، عنوان: ۶۰ پولٹیکل امور اور مسلمان ۲/۴۲۔

(۳۱) اسباب بغاوت ہند محولہ بالا، عنوان: خیراتی پینشن اور انعام بند ہونے سے ہندستان کا زیادہ محتاج ہونا ص: ۶۰۔

(۳۲) मार्डन इस्लाम Modern Islam "To make the Musalmans of India worthy and useful subjects of British crown" '' (मार्डन इस्लाम में उदधृत) उदधृत: मसावात की जंग op.cit पृ०: 103प

(۳۳) " Rabiuddin Ahmad: The Bengal Muslims 1871-1906 A Quest for indentity, Delhi 1981, p. 144-146,उदधृत: वही पृ० 103प

(۳۴) "Education commission Report : Bengal, volume: 1884 p. 213-17.उदधृत: वही पृ०: 104प

(۳۵) رائٹ آنریبل سید امیر علی ۶/اپریل ۱۸۴۹ء کو بنگال کے ایک گاؤں ''چنسورہ'' میں پیدا ہوئے تھے اور ان کی وفات ۲۳/نومبر ۱۹۰۹ء کو ہوئی تھی۔ ۱۸۷۳ء میں بیرسٹری کا امتحان لندن سے پاس کر کے ہندستان آئے اور کلکتہ میں پریکٹس شروع کی۔ ۱۸۸۳ء میں بنگال لیجسلیٹو کونسل کے رکن بنائے گئے۔ ۱۸۷۴ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے فیلو منتخب ہوئے اور اسی کے اگلے سال ۱۸۷۵ء میں پریزیڈنس پریکٹس کالج میں محمڈن لا (اسلامی قانون) کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۶ء میں سینٹرل نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی جس کے وہ پچیس سال تک سکریٹری رہے یہ تنظیم مسلم لیگ کے قیام سے پہلے مسلمانوں کی اہم ترین انجمن تھی۔ جب مسلم لیگ قایم ہوئی تو سید صاحب نے لندن میں اس کی نہایت مستعد شاخ قایم کی۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۴ء تک ہائی کورٹ کے جج رہے۔ ان کی تصنیفات میں تاریخ اسلام، قانونِ شہادت، قانون مزارعانِ بنگال، فقہ پر دو ضخیم کتابیں اور Sprit of Islam کافی مشہور ہیں اور آخر الذکر تو ان تمام میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔

(موج کوثر محولہ بالا، باب: جدید علم کلام، عنوان: سید امیر علی ص: ۱۶۸-۱۷۷)

(۳۶) खेल उदधृत:मसावात की जंग,op.cit पृ०: 104प

(۳۷) हाफिज तबारक हुसैन और हाफिज़ दीन मुहम्मद: खुने मसावात (किताबचा) पृ०: 7, बेतिया 1940, उदधृत :वही op.cit पृ०: 129.

نام سے لگتا ہے کہ یہ کتابچہ اردو میں ہے۔

(۳۸) वही, पृ०: 7 ,उदधृत: वही पृ०: 129.

(۳۹) वही, पृ०: 7, उदधृत: वही पृ०: 129.

(۴۰) مولانا احمد رضا خاں: الملفوظ (ملفوظات) عنوان: اگر سید پر حد ثابت ہو تو قاضی حد لگائے گا مگر سزا کی نیت نہ کرے ۳/ ۵۵، ۵۶۔ مرتب: مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان بریلوی بن مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ قادری کتاب گھر۔ اسلامیہ مارکٹ، نزد نو محلہ مسجد۔ بریلی شریف یوپی اشاعت اول ۱۹۹۵ء/ ۱۴۱۵ھ۔

(۴۱) سادات کے نسب کی تحقیق باب چہارم مسلم دورِ حکومت میں ذات پات کی جدوجہد۔ حاشیہ میں، زیرِ عنوان: کیا سادات کو رسول اللہ ﷺ کی اولاد کہنا جائز ہے۔ میں گزر چکی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسانوں میں نسل باپ سے چلتی ہے اور جانوروں میں ماں سے۔

(۴۲) الصحیح للبخاری۔ کتاب الحدود۔ باب: ۱۲، اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع: ۱۶۱/۶، حضور ﷺ کے اس قول کا پس منظر یہ ہے کہ ایک بار ایک مالدار قبیلہ کی ایک خاتون نے چوری کی جس پر رسول ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ حضور ﷺ سے بہت قریب ہیں ان سے سفارش کرانے پر حد معاف ہو سکتی ہے۔ چناں چہ جب حضرت اسامہؓ نے رسول ﷺ سے اس خاتون کے لیے سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے پہلے کے لوگ صرف اس لیے ہلاک ہو گئے کہ وہ غریبوں پر حد نافذ کرتے تھے اور امیروں کو چھوڑ دیتے تھے (پھر مذکورہ جملہ کو دہرایا)۔ حوالہ سابق۔

(۴۳) مولانا احمد رضا خاں: الملفوظ، (ملفوظات) ۱/۱/۸۹-۹۰، مکتبہ قادریہ، اٹوا بازار، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی۔

(۴۴)

الف۔ مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک انصاری سے کیا مراد ہے؟

مولانا اس سے مراد انصار مدینہ لیتے ہیں اور انصار مدینہ کو وہ شیخ برادری میں شمار کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت انھوں نے خود آگے ''غیر قریشی شیخ مثلاً انصاری'' ''انصاری شیخ'' کے الفاظ سے کر دی ہے، ہندستانی انصاری کو وہ جولاہا اور رذیل قوم کہتے ہیں۔ (مولانا احمد رضا خاں بریلوی: فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح باب الکفاءۃ ۱۱۸/۳، سوال: ۱۳، ۱۲/۳، سوال: ۱۵، ۱۱۷/۳، سوال: ۱۱، تحقیق و تصحیح و تحشیہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان قادری۔)

(۴۵) حوالہ سابق، ۱۱۸/۳، سوال: ۱۳۔

(۴۶) الملفوظ (ملفوظات) محولہ بالا، عنوان: مثل اصل سے خطا نہیں اور کم اصل سے وفا نہیں ۱۰۴/۱۔

(۴۷) مولانا احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ۔ باب الامامت ۱۵۴/۳، ناشر: محمد یامین نعیمی اشرفی، خادم جامعہ نعیمیہ مراد آباد، ملنے کا پتہ مکتبہ نعیمیہ دیپا سرائے سنبھل، ضلع مراد آباد یوپی ۔۲۴۴۳۰۲۔

(۴۸) حوالہ سابق ۲۵۵/۳-۲۵۶۔

(۴۹) حوالہ سابق کتاب النکاح، باب الکفاءۃ ۱۱۷/۳، سوال: ۱۱، آستانہ پریس بریلی۔

(۵۰) مولانا ارشد القادری: زیر و زبر - خاتمہ علماء بریلوی کے خلاف اعتراضات کے بیان میں، عنوان: دوسرا اعتراض ص: ۴۵۵-۴۵۶۔

(۵۱) فتاویٰ رضویہ، محولہ بالا، ۱۲۲/۳، سوال: ۱۵۔

(۵۲) حوالہ سابق ۱۱۹/۳، سوال: ۱۴۔

(۵۳) حوالہ سابق ۱۱۵/۳-۱۱۶، سوال: ۱۰۔

(۵۴) حوالہ سابق ۱۲۱/۳، سوال: ۱۵۔

(۵۵) حوالہ سابق ۱۱۸/۳، سوال: ۱۳۔

(۵۶) حوالہ سابق ۱۰۷/۳-۱۰۸، سوال: ۳۔

(۵۷) खुने मसावात पृ०: ७ उदधृत : मसावात की जंग op.cit पृ०: १२८.

(۵۸) مولانا محمد امجد علی: بہار شریعت، عنوان: کفو کا بیان ۱/۷/ ۴۵-۴۷۔

(۵۹) مولانا نے ۱۸رجمادی الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۳رجون ۱۹۴۲ء بروز پنج شنبہ یہ کتاب لکھنا شروع کی اور اس کی تکمیل ۳رشعبان المعظم دوشنبہ ۱۳۶۱ھ (۲۱رجولائی ۱۹۴۲ء) کو ہوگئی۔ (مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی: شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن، عنوان: حضور مظہر ذو الجلال ہیں، ص:۱۲، وجوب تقلید ص:۲۳۲۔)

(۶۰) حوالہ سابق: عنوان: النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم ص:۱۲۸-۱۳۱۔

(۶۱) مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی: خطبات محرم، باب حالات مصنف، عناوین: تحصیل علم، اعلیٰ حضرت سے عقیدت، افتاء، تصنیف و تالیف ص:۴۷۶-۴۷۷، ۴۷۹، ۴۸۴-۴۸۹۔

مولانا کی کتابوں کے نام یہ ہیں: فتاویٰ فیض الرسول، معارف القرآن، انوار شریعت عرف اچھی نماز، حج وزیارت محققانہ فیصلہ، انوار الحدیث، الغاز الفقہ، حوالہ سابق ص:۴۸۴-۴۸۹۔

(۶۲) حوالہ سابق: عنوان: نگاہ اولیں ص:۱۴-۱۵۔

(۶۳) حوالہ سابق: عنوان: اہلبیت اور اکابرین سلف وخلف کے ارشادات، ص:۲۳۹-۲۴۰

(۶۴) راقم الحروف مولانا مفتی محمد اسلم صدیقی سے بہت اچھی طرح سے واقف ہے، کیوں کہ ان کا ننھیال اور سسرال دونوں ہی راقم الحروف کے ننھیالی اور دادہالی گاؤں ''دوری'' میں جناب محمد فاروق صدیقی مرحوم کے گھر میں ہے۔

(۶۵) مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سابق تیسرے صدر مولانا سید مجاہد الاسلام قاسمی کے گاؤں ''جالے'' (پوسٹ: جالے، ضلع: دربھنگہ-بہار) جو راقم الحروف کے گاؤں سے نو کلومیٹر کی دوری پر ہے- کے ایک شخص جناب محمد حیدر ۲۰۰۲ء میں اپنے صاحب زادے سے ملاقات کی غرض سے علی گڑھ تشریف لائے تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ میں ذات پات کے خلاف لکھتا رہتا ہوں تو انھوں نے مجھ سے ملاقات کی اور یہ واقعہ بتایا؛ نیز مفتی صاحب کے خط کی نقل (Xerox) اور اس خط پر دو بریلوی ادارے ''دار العلوم گلشنِ اجمیر-لہریا، الہ آباد-یوپی'' اور ''دار الافتاء منظر الاسلام بریلوی شریف یوپی'' کے فتاویٰ کی نقلیں بھی بعد میں فراہم کیں۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جناب محمد حیدر خود بریلوی مکتب فکر کے ہیں، ان کا اجمیر آنا جانا لگا رہتا ہے اور وہ اسی گاؤں (اورائی) میں رہ کر اپنا کاروبار کرتے ہیں؛ جہاں کا یہ واقعہ ہے۔ جناب محمد حیدر کا ریکارڈ شدہ بیان راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

(۶۶) یہ پوری داستان پرساماں محلہ کے لوگوں نے راقم الحروف کو فلڈ ورک (Filed Work) کے دوران بتائی۔

(۶۷) یہ واقعہ بھی جناب محمد حیدر نے اپنے دورۂ علی گڑھ کے دوران بتائی تھی، انھوں نے مزید کہا کہ مولانا محمد جیش صاحب کی تقریر کو لوگوں نے ریکارڈ کر لیا ہوگا۔ جناب محمد حیدر کا یہ ریکارڈ شدہ بیان بھی راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

(۶۸) موج کوثر محولہ بالا، باب علی گڑھ، عنوان: سرسید احمد خان ص:۸۰۔

(۶۹) تاریخ دار العلوم دیوبند کے مصنف جناب سید محبوب رضوی نے دار العلوم دیوبند کا بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی کو ہی بتایا ہے؛ لیکن بعض لوگوں اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور جناب حاجی سید عابد حسین کو اس کا بانی بتاتے ہیں۔

(۷۰) روزنامہ قومی آواز، نئی [illegible] نومبر ۱۹۹۴ء عنوان قضیہ اشراف واجلاف کا از: عبد الرحمٰن عابد۔

(۷۱) مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کتاب النکاح، چھٹا باب: مسائل واحکام کفاءت ۲۰۸/۸، سوال: ۱۱۴۳، مرتب ومحشی: مفتی محمد ظفیر الدین۔

(۷۲) حوالہ سابق: ۲۰۸/۸، سوال: ۱۱۶۲۔

(۷۳) حوالہ سابق: ۲۱۳/۸، سوال: ۱۱۵۳۔

(۷۴) حوالہ سابق: ۲۳۵/۸، سوال: ۱۱۹۴۔

(۷۵) حوالہ سابق: ۲۱۴/۸، سوال: ۱۱۵۴۔

(۷۶) حوالہ سابق: ۲۱۸/۸، سوال: ۱۱۶۱۔

(۷۷) حوالہ سابق: ۲۲۰/۸-۲۲۱، سوال: ۱۱۶۵۔

(۷۸) حوالہ سابق: ۲۰۶/۸، سوال: ۱۱۴۲۔

(۷۹) حوالہ سابق: ۲۲۶/۸، سوال: ۱۱۷۶۔

(۸۰) حوالہ سابق: ۲۱۳/۸، سوال: ۱۱۵۳۔

(۸۱) حوالہ سابق: ۲۱۷/۸، سوال: ۱۱۶۰۔

(۸۲) حوالہ سابق: ۲۱۶/۸، سوال: ۱۱۵۹۔

(۸۳) حوالہ سابق: ۲۱۴/۸، سوال: ۱۱۵۵۔

(۸۴) حوالہ سابق: ۲۳۳/۸، سوال: ۱۱۹۲۔

(۸۵) حوالہ سابق ۸/ ۲۲۵، سوال: ۱۱۷۳۔

(۸۶) حوالہ سابق: ۲۲۸/۸، سوال: ۱۱۸۱۔

(۸۷) حوالہ سابق: ۲۱۵/۸، سوال: ۱۱۵۶۔

(۸۸) سہ ماہی المآثر - مئوناتھ بھنجن مئی تا جولائی ۱۹۹۹ء، جلد: ۸، شمارہ: ۱، عنوان: ''اسلامی پرسنل لاء'' میں باب کفو، از: مولانا حبیب الرحمٰن، ص: ۴۱۔

(۸۹) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند بحولہ بالا، ۲۱۲/۸، سوال: ۱۱۵۰۔

(۹۰) حوالہ سابق ۲۱۲/۸، سوال: ۱۱۵۰۔

(۹۱) حوالہ سابق ۲۳/۸، سوال: ۱۱۹۷۔

(۹۲) حوالہ سابق ۲۳۸/۸، سوال: ۱۱۹۹۔

(۹۳) مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی: کفایت المفتی، کتاب النکاح، بارہواں باب: کفاءت ۲۱۳/۵، جواب: ۳۴۸، جامع ومولف وناشر مولانا حفظ الرحمٰن واصف۔

(۹۴) حوالہ سابق: ۲۱۶/۵، جواب: ۳۵۲۔

(۹۵) مولانا اشرف علی تھانوی امداد الفتاویٰ، کتاب النکاح ۳۶۸/۲-۳۶۹، سوال: ۴۵۷، تبویب وترتیب، جدید مولانا مفتی محمد شفیع تصحیح وحاشیہ جدید، مولانا سعید احمد پالنپوری استاد دارالعلوم دیوبند۔

(۹۶) سہ ماہی المآثر، مئوناتھ بھنجن، نومبر تا جنوری ۲۰۰۴ء- رجب تا رمضان ۱۴۲۵ھ، جلد: ۱۳، شمارہ: ۳، عنوان: خلافت

کے باب میں حکیم الامت کا طرز عمل، از: ڈاکٹر عبدالمعید، ص: ۷۴-۷۵۔

(۹۷) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق ناظم دینیات مولانا سعود عالم صدیقی قاسمی نے ایک ملاقات جو شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے استاذ مولانا محمد سلیم قاسمی کے حجرہ اور ان کی موجودگی میں ۳۱ راگست ۲۰۰۰ء کو گیارہ بجے دن میں ہوئی تھی کے دوران راقم الحروف کو بتلایا کہ وہ مولوی صاحب انصاری برادری کے تھے۔

(۹۸) مولانا اشرف علی تھانوی کمالات اشرفیہ: مرتب مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادی خلیفہ حکیم الامت، ص: ۱۷۴-۱۷۵ کمال: ۶۹۹۔

(۹۹) حوالہ سابق، ص: ۱۷۵، کمال: ۶۹۹۔

(۱۰۰) مولانا اشرف علی تھانوی: الرفیق فی سواء الطریق تھانہ بھون ۱۳۶۶ھ، ص: ۱۵، بحوالہ: ڈاکٹر مومن محی الدین: مومن انصاری برادری کی تہذیبی تاریخ، تیرہواں باب، ص: ۲۵۳

(۱۰۱) مولانا تھانوی کی کتابوں میں صرف قمری تاریخ دی ہوئی ہے۔ قارئین کی سہولت کی خاطر جناب عبدالقدوس ہاشمی کی کتاب تقویم تاریخی کی مدد سے شمسی تاریخ لکھی جارہی ہے۔

(۱۰۲) مولانا اشرف علی تھانوی: وصل السبب فی فصل النسب مع نہایات الارباب فی غایات النسب عنوان: ضمیمہ مومن کانفرنس سہارن پوری کا خط، ص: ۳۷، ناشر جمعیۃ المصلحین سہارنپور، منقح اور دوسرا ایڈیشن۔

(۱۰۳) دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مدرس اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اساسی (Founder) ممبر مولانا مفتی عتیق احمد قاسمی بستوی نے مولانا مفتی محمد شفیع عثانی اور ان کی کتاب نہایات الارب فی غایات النسب کی حمایت اور دفاع میں لکھے اپنے مضامین میں سے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت تھانوی رواداری میں تقریظیں نہیں لکھتے تھے بلکہ کتاب کو حرف بحرف پڑھنے کے بعد اس کی تائید وتحسین فرماتے۔''

(ماہنامہ ترجمان دیوبند- دیوبند سہارن پور یوپی، نومبر ۲۰۰۱ء، جلد: ۲، شمارہ: ۱۱، عنوان: مفتی محمد شفیع کو بدنام کرنے کی ایک سازش، ص: ۴۵۔)

خود مولانا تھانوی نے لکھا ہے کہ:

> ''مولوی صاحب [مولانا مفتی محمد شفیع] نے یہ رسالہ نہایات الارب فی غایات النسب لکھ کر میرے پاس بھیج دیا، مطالعہ سے اس کی نافعیت کا مشاہدہ کر کے بے حد مسرت ہوئی اور دعاوی .... چند سطریں بطور فوائد متفرقہ کے لکھ کر اس وعدہ کو پورا کرتا ہوں اور سہولت تعبیر کے لیے ایک لقب بھی تجویز کرتا ہوں اور یہ سب تقریظ ہے؛ کیوں کہ تقریظ کی حقیقت تصدیق ہے اور جب تصدیق اجمالی تقریظ ہے تو یہ تصدیق تفصیلی ہے۔'' (وصل السبب فی فصل النسب محولہ بالا، ص: ۲۹۔)

(۱۰۴) وصل السبب فی فصل النسب محولہ بالا۔

(۱۰۵) حوالہ سابق، عنوان: الفائدۃ الاولی، ص: ۳۱۔

(۱۰۶) حیاکت کی حکایت، محولہ بالا، عنوان: میرے فتنے جامہ عقل وخرد کے تار پور پور، ص: ۲۱۶۔

(۱۰۷) مولانا اشرف علی تھانوی: دین کی باتیں، نکاح کا بیان، عنوان: کون کون لوگ اپنے میل اور برابر کے ہیں اور کون

نہیں؟ ص:۲۴۴۔
(۱۰۸) مولانا اشرف علی تھانوی: بہشتی زیور، نکاح کا بیان، عنوان: کون کون لوگ اپنے میل اور برابر کے ہیں اور کون نہیں ۱/۴/۱۰-۱۱۔
(۱۰۹)

مولانا تھانوی کے نزدیک جولاہا کا انصاری لکھنے کی سزا

مولانا تھانوی کے نزدیک جولاہا کا انصاری لکھنا موجب عقوبت آخرت ہے اور ان کے نزدیک انصاری سے مراد انصار مدینہ ہیں، وہ ان کو شیخ کے زمرے ہی میں شامل کرتے ہیں اور ان کو شیخ ہی کہتے ہیں۔ (مولانا اشرف علی تھانوی: سلسلہ مواعظ اشرفیہ، جلد: ۷، حقیقت عبادت، باب الخضوع، ص: ۳۶۶) ہندستانی انصاری کو وہ انصاری نہیں بلکہ جولاہا کہتے ہیں اور ان کے انصاری کا ٹائٹل اختیار کرنے کو غلط اور عذاب آخرت کا سبب بتاتے ہیں (مولانا مفتی محمد شفیع: نہایات الارب فی غایات النسب مع وصل السبب فی فصل النسب مصدقہ مولانا اشرف علی تھانوی، عنوان: الانتساب الی غیر الانساب ۲۲-۲۴، عنوان: بعض نسب بدلنے والوں کا عذر...... ص: ۲۴، ناشر جمعیۃ المصلحین سہارن پور، دوسرا اور منقح ایڈیشن، وصل السبب فی فصل النسب، محولہ بالا، الفائدۃ الخامسہ ص: ۳۳-۳۴۔)
(۱۱۰) امداد الفتاوی، محولہ بالا، کتاب النکاح، عنوان: رفع شبہات، از مسئلہ کفاءت، ۲/۳۶۳-۳۶۴، سوال: ۲۵۲۔
(۱۱۱) مزعومہ بڑی ذاتوں اور خاندانی مسلمان سے مراد سید شیخ اس لیے لیا گیا ہے کہ مولانا نے خود اسی فتویٰ میں لکھا ہے نفس مسئلہ تفاضل بالاسلام و بالعربیۃ ...... اور اپنی سب سے آخری کتاب بوادر النوادر میں اس عنوان: اٹھتواں نادرہ در حل شبہ متعلق تفضیل عرب بر عجم در نسب'' کے تحت اس فتویٰ کو ذکر کیا ہے (بوادر النوادر، محولہ بالا ۱/۴۴۸) اور بہشتی زیور محولہ بالا ۱/۴/۱۰) دین کی باتیں محولہ بالا، (ص: ۲۴۴) میں اور نہایات الارب فی غایات النسب مع وصل السبب فی فصل النسب ومصدقہ بہ: مولانا تھانوی محولہ بالا (عنوان نسب میں کفاءت کا اعتبار ص: ۱۷، میں مولانا سید شیخ کو مطلقاً عربی النسل ہی نہیں بلکہ قریشی النسل بھی بتاتے ہیں۔
(۱۱۲) بہشتی زیور، محولہ بالا، ۱/۴/۱۰-۱۱۔
(۱۱۳) امداد الفتاوی، محولہ بالا، کتاب النکاح ۲/۳۶۸-۳۶۹ سوال: ۴۵۷۔
(۱۱۴) حوالہ سابق، عنوان رفع الشبہات از مسئلہ کفاءت ۲/۳۶۳-۳۶۴، سوال: ۴۵۲۔
(۱۱۵) وصل السبب فی فصل النسب، محولہ بالا، عنوان: الفائدۃ السابعۃ ص: ۳۴-۳۵۔
(۱۱۶) حوالہ سابق، عنوان: ضمیمہ ص: ۴۰۔
(۱۱۷) النور، ص: ۷، مطبوعہ ۱۳۵۲ھ، بحوالہ: امداد الفتاوی، محولہ بالا عنوان: رفع الشبہات، از: مسئلہ کفاءت ۲/۳۶۳-۳۶۴، سوال: ۴۵۲۔
(۱۱۸) بوادر النوادر، محولہ بالا عنوان: اٹھتواں نادرہ در حل شبہ متعلق تفضیل عرب بر عجم در نسب ۱/۴۴۸-۴۴۹۔
(۱۱۹) تاثر حکیم الامت، ص: ۶۷، بحوالہ: حوالہ سابق ۱/۴، اس واقعہ کو ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ مولانا تھانوی اخیر وقت تک ذات پات کے قائل رہے۔
(۱۲۰) مولانا تھانوی کی بات صحیح نہیں کیوں کہ اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں ہے کہ خلیفہ صرف قریشی یعنی سید شیخ ہی

ہوں گے اس پر تفصیلی بحث آگے زیر عنوان: علمائے تحریک اسلامی-مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی آرہی ہے۔

(۱۲۱) قریش سے مراد سید شیخ اس لیے لیا گیا ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا وغیرہ نے یہی معنی بتلایا ہے جس کی کچھ تفصیل پیچھے گذر چکی ہے بقیہ آگے آرہی ہے۔

(۱۲۲) مولانا اشرف علی تھانوی: سلسلہ مواعظ اشرفیہ، جلد: ۲۰ حقوق الزوجین، باب: اصلاح النساء، عنوان: دعویٰ شرافت، ص: ۱۹۲-۱۹۳، مرتب: مفتی عبدالرحمٰن خان۔

(۱۲۳) حوالہ سابق ص: ۱۹۳۔

(۱۲۴) مولانا اشرف علی تھانوی: سلسلہ مواعظ اشرفیہ، جلد: ۷، حقیقت عبادت، باب الخضوع، ص: ۲۶۶-۲۶۷ مرتب: مفتی عبدالرحمٰن خان۔

(۱۲۵) مولانا اشرف علی تھانوی: حسن العزیز ۳/۱۸، ۱۹، مرتب حکیم محمد یوسف۔

(۱۲۶) بوادر النوادر، بحولہ بالا، عنوان: رسالۃ الاختلاف للاعتراف در فتح افراط وتفریط در انساب ۲/۸۱۹-۸۲۰۔

(۱۲۷) حوالہ سابق ۲/۸۲۰۔

(۱۲۸) ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی: الجامع لاحکام القرآن، سورۃ: الحجرات، آیت: ۱۳/۱۶/۸۱۳-۲۴۰-۲۴۱۔

(۱۲۹) بوادر النوادر، بحولہ بالا: ۲/۸۲۰۔

(۱۳۰) امداد الفتاویٰ بحولہ بالا، کتاب النکاح ۲/۲۶۹، سوال: ۴۵۷۔

(۱۳۱) علامہ برہان الدین المرغینانی: الہدایۃ، کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء، فصل فی الکفاءۃ ۲/۱/۳۰۰۔

(۱۳۲) الامام زین العابدین الشهير بابن نجيم: البحر الرائق شرح كنز الدقائق۔ كتاب النكاح فصل في الاكفاء ۱۲۷-۱۲۸، محمد امين (ابن عابدين شامي) رد المختار على الدر المختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة ۳/ ۸۴-۸۵، الفتاوىٰ العالمكيرية المعروفة بالفتاوىٰ الهندية، كتاب النكاح، الباب الخامس في الاكفاء ۱/ ۲۹۰۔

(۱۳۳) فتاویٰ دار العلوم دیو بند، بحولہ بالا، ۸/۲۱۸، سوال: ۱۱۶۱۔

(۱۳۴) جمعیۃ العلماء کے ناظم نشر واشاعت مولانا عبدالحمید نعمانی (قاسمی) نے راقم الحروف کو ایک ملاقات کے دوران بتایا کہ احمد عثمانی مولانا تھانوی کے رشتہ دار تھے۔ مولانا سے یہ ملاقات جمعیت علماء ہند کے استقبالیہ روم میں ۲۳ر جولائی ۲۰۰۴ء صبح دس بجے سے ایک بجے کے دوران ہوئی تھی اس وقت وہاں راقم الحروف کے گاؤں کے ایک صاحب مولانا محمد جسیم الدین متعلم دار العلوم دیو بند اور ضلع ارریہ (بہار) کے دو صاحبان بھی تھے۔

(۱۳۵) مفتی محمد شفیع: نہایات الارب فی غایات النسب مع رسالہ مفیدہ از: مولانا صوفی الشاہ محمد اشرف علی تھانوی، ص: ۳، مطبع دار الاشاعت، دیو بند ۱۳۵۱ھ، بحوالہ: ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل، بحولہ بالا ص ۳۴۴۔

(۱۳۶) نہایات الارب فی غایات النسب بحولہ بالا، عنوان: انساب کے معاملہ میں عوام کی بے اعتدالیاں، ص: ۳-۴۔

(۱۳۷) حوالہ سابق، عنوان: مساوات اسلامی کے معنی اور اس میں لوگوں کی غلط فہمی ص: ۶۔

(۱۳۸) حوالہ سابقہ: عنوان: انساب اور پیشوں کا باہمی تفاضل، ص: ۱۱۔

(۱۳۹) حوالہ سابق ص: ۱۱۔

(۱۴۰) حوالہ سابق، ص: ۱۶-۱۷۔

(۱۴۱) حوالہ سابق، ص: ۱۴۔

(۱۴۲) مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی نے نہایات الارب فی غایات النسب، صفحہ ۱۵ پر النحاسین کا ترجمہ ٹھٹھیرے سے کیا ہے اور صفحہ ۳۸ پر اس کا ترجمہ گھوڑوں وغیرہ کے بیچنے والوں سے کیا ہے۔ پہلا ترجمہ صحیح ہے، چوں کہ دونوں ترجمے مفتی صاحب ہی کے ہیں لہٰذا ایک کو قوسین میں کر دیا گیا ہے۔

(۱۴۳) نہایت الارب فی غایات النسب، محولہ بالا، ص: ۱۵۔

(۱۴۴) وصل السبب فی فصل النسب، محولہ بالا، عنوان: ضمیمہ، ص: ۳۶-۳۷۔

(۱۴۵) حوالہ سابقہ: ص: ۳۷-۳۸۔

(۱۴۶) عارف باللہ علی متقی: کنز العمال، فی سنن الاقوال والافعال، دیباچہ قسم الاول من جمع الجوامع ۱/۳۔

(۱۴۷) مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی: انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت، عنوان: بعض پیشہ وروں کی مذمت کی حدیثیں، ص: ۵۹۔

(۱۴۸) سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔علی گڑھ، اپریل۔جون ۲۰۰۳ء، جلد: ۲۲، شمارہ: ۲، عنوان: سماجی مساوات کے بعض پہلو، از: مولانا سلطان احمد اصلاحی، ص: ۱۹۷-۲۰۳۔

(۱۴۹) حوالہ سابق ص: ۲۰۰۔

(۱۵۰) انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت، محولہ بالا، عنوان: عذر گناہ بدتر از گناہ، ص: ۱۱۰، مؤمنون کو رذیل کہنے والوں کے لیے تازیانہ عبرت، ص: ۱۱۰-۱۱۵۔

(۱۵۱) حوالہ سابق عنوان: عذر گناہ بدتر از گناہ، ص: ۱۱۰۔

(۱۵۲) حوالہ سابق: ۱۰۹۔

(۱۵۳) وصل النسب فی فصل النسب، محولہ بالا، عنوان: ضمیمہ ص: ۳۷-۳۸۔

(۱۵۴) انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت، محولہ بالا، عنوان: عذر گناہ بدتر از گناہ، ص: ۱۰۹۔

(۱۵۵) امام شہاب الدین احمد الشبہی: المستطرف فی کل فن مستطرف، مقدمہ محقق ۱/۷-۸، تحقیق ڈاکٹر مفید محمد قمیحہ۔

(۱۵۶) حوالہ سابق: مقدمہ مولف: ۱/۹-۱۰۔

(۱۵۷) کنز العمال، بحوالہ: انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت، عنوان: کسی قوم کی تنقیص ص: ۱۰۲۔

(۱۵۸) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، محولہ بالا، کتاب الفتن، گیارہویں جلد۔انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت، عنوان: کسی قوم کی تنقیص، ص: ۱۰۲۔

(۱۵۹) احادیث موضوعہ للشوکانی ص: ۹۸، بحوالہ: مولانا محمد حیات سنبھلی: رفع النقب عن النسب والکسب، معروف بہ۔بہار صنعت وحرفت، عنوان: احادیث موضوعہ در مذمت پارچہ بافیان، ص: ۷۱۔

(۱۶۰) نہایات الارب فی غایات النسب، محولہ بالا، عنوان: معاملات نکاح میں انساب اور پیشوں کے تفاوت کا اعتبار، نسب میں کفاءت کا اعتبار، ص: ۱۷۔

(۱۶۱) حوالہ سابق، عنوان: نسب میں کفاءت کا اعتبار، ص: ۱۷-۱۸، پیشہ میں کفاءت کا اعتبار، ص: ۱۸، کیا غیر کفو میں مطلقا

نکاح نہیں ہوتا، ص:۱۹۔

(۱۶۲) حوالہ سابق، عنوان: ایک شبہ کا ازالہ، ص:۱۹۔

(۱۶۳) حوالہ سابق، عنوان: انساب کے معاملہ میں عوام کی بے اعتدالیاں، ص:۴۰۔

(۱۶۴) حوالہ سابق، عنوان: الانتساب الی غیر الانساب، ص:۲۲-۲۷۔

(۱۶۵) وصل السبب فی فصل النسب، محولہ بالا، الفائدۃ الخامسۃ، ص:۳۳، عنوان: ضمیمہ، ص:۳۷۔

(۱۶۶) حوالہ سابق، عنوان: الفائدۃ السادسۃ، ص:۳۴۔

(۱۶۷) انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت، محولہ بالا، عنوان: ہندستانی شرفاء کے شجرہائے نسب، ص:۱۲۱۔

(۱۶۸) نہایات الارب فی غایات النسب، محولہ بالا، عنوان: مساوات اسلامی کے معنی اور اس میں لوگوں کی غلط فہمی، ص:۶۔

(۱۶۹) حوالہ سابق، عنوان: الانتساب الی غیر الانساب، ص:۲۷۔

(۱۷۰) ضمیمہ نہایات الارب فی غایات النسب پہلا ایڈیشن۔، بحوالہ: کفایت المفتی، کتاب العقائد، گیارہواں باب ۲۶۶/۱-۲۶۸۔

مولانا مفتی عتیق احمد بستوی کی مفتی شفیع صاحب کی حمایت

مولانا مفتی عتیق احمد بستوی قاسمی نے لکھا ہے کہ احمد عثمانی صاحب کا یہ ضمیمہ مفتی صاحب کی کتاب کے اول ایڈیشن میں نہیں ہے اور مفتی صاحب جیسے عالم دین اس کو شامل نہیں کر سکتے تھے (ماہنامہ ترجمان دیوبند سہارنپور یوپی، نومبر ۲۰۰۱ء، محولہ بالا، ص:۴۱-۴۶، مئی ۲۰۰۲ء، جلد:۳، شمارہ:۵، عنوان: مسئلہ کفاءت اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کچھ وضاحتیں، از: مولانا مفتی عتیق احمد قاسمی ص:۴۳-۴۷، جون ۲۰۰۲ء، جلد:۳، شمارہ:۶ محولہ بالا، ص:۴۳-۵۲)

لیکن ان کا استدارک کرتے علمائے دیوبند اور ان کی مکتب فکر کی حمایت میں ان کی جانب سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف ''تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد'' مصدقہ وموثقہ اکابر دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ وجمعیۃ علماء ہند (کتاب کے ٹائٹل پر یہی عبارت لکھی ہوئی ہے) کے مصنف مولانا مفتی محمد ساجد قریشی رائے بریلوی قاسمی معتمد خاص وخلیفہ مجاز بیعت وترجمان حضرت فقیہ الامت گنگوہی (اس کتاب کی تلخیص ہوئی اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے اور مزید لکھا ہوا ہے، تلخیص حسب فرمان: سید العلماء ملک وملت جانشین شیخ الاسلام امیر الہند حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ، صدر جمعیۃ علماء ہند) نے ایک مضمون ''ایک نقطۂ نظریہ بھی ہے'' کے نام سے لکھا۔ اس میں انھوں نے مولانا مفتی عتیق احمد بستوی قاسمی کا بڑے ہی علمی اور سلجھے ہوئے انداز میں براہین قاطعہ کے ذریعہ تجزیہ کر کے رد کیا ہے، انھوں نے مزید لکھا ہے کہ نہایات الارب فی غایات النسب کے مختلف ایڈیشن میں جگہ جگہ تضاد ہے۔ نہایات الارب فی غایات النسب مع ضمیمہ وصل السبب فی فصل النسب از مولانا اشرف علی تھانوی، کتب خانہ دارالاشاعت دیوبند شعبان ۱۳۵۱ھ [مطابق نومبر ۱۹۳۲ء] اول ایڈیشن کے صفحہ ۵۹ پر مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی لکھتے ہیں:

> ''اگر خداوند عالم نے اس کوشش کو بار آور کیا تو پھر وہ دیکھ لیں گے کہ علماء وفضلاء اور کل انسانوں کے سمجھ دار طبقے ان کو اپنے سروں پر جگہ دینے اور معزز القاب کے ساتھ خطاب کرنے کے لیے کس طرح تیار ہوں گے اور آج بھی اس قسم کے ہزاروں افراد جو صحیح تعلیم اور اسلامی اخلاق کے زیور سے آراستہ ہیں دنی

شریف انسان اور مہذب مسلمان ان کو ایسے الفاظ سے خطاب نہیں کرتا جس سے ان کی ادنیٰ توہین ہو؛ چناں چہ خود حضرت مؤلف التبلیغ (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی) نے اس قوم میں سے بعض کو یہ عزت دی ہے کہ ان کو خلافت طریقت یعنی بیعت وتلقین کی اجازت دی اور طالبان حق کو ان سے طریق اصلاح اخذ کرنے کے لیے رہبری کرتے ہیں۔ اگر اہانت مقصود ہوتی تو اس اعجاز کے کیا معنی۔''

جب دوسری بار یہی کتاب رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ [مطابق دسمبر ۱۹۳۴ء] میں شائع ہوئی تو اس میں مولانا تھانوی کے ضمیمہ وصل السبب فی فصل النسب کے ساتھ ان کا مضمون ''رفع الغلط لدفع الشطط'' بھی تھا۔ اس مضمون کو مولانا نے مفتی صاحب کی کتاب پر ہو رہے ہنگامہ کو رفع کرنے کے واسطے ۶ ر رجب ۱۳۵۳ھ [مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء] کو لکھا تھا، جو دار العلوم دیو بند کے سابق ترجمان قاسم العلوم شعبان ۱۳۵۳ھ [مطابق نومبر ۱۹۳۴ء] میں چھپا تھا۔ مفتی صاحب کی کتاب مطبوعہ شعبان ۱۳۵۱ھ کی مذکورہ بالا عبارت بعینہ مولانا تھانوی نے اپنے مضمون ''رفع الغلط لدفع الشطط'' میں تحریر فرمائی، اب یہاں سوالات یہ پیدا ہوتے ہیں کہ:

❁ جن عبارتوں اور الفاظ کے ساتھ مفتی صاحب نے شعبان ۱۳۵۱ھ میں جو مضمون لکھا تھا بعینہ وبمثلہ ان ہی کی عبارت والفاظ کے ساتھ وہی مضمون ۶ ر رجب ۱۳۵۳ھ کو دوبارہ مولانا تھانوی نے اپنی طرف سے کس طرح اور کیوں لکھا؟

❁ نہایات الارب فی غایات النسب کے پہلے ایڈیشن شعبان ۱۳۵۱ھ میں مذکورہ بالا عبارت میں ''چناں چہ خود حضرت مؤلف تبلیغ'' کے بعد بین القوسین (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی) ہے اور ۶ ر رجب ۱۳۵۳ھ کے قدیم نسخہ میں اسی مضمون اور اسی عبارت میں اس جگہ بین القوسین صرف اور صرف ''اشرف علی'' ہے۔ اس کتاب پر ہنگامہ کے بعد اس کا منقح اور نظر ثانی شدہ نسخہ جمعیۃ المصلحین سہارن پور نے بھی شائع کرایا اس میں مولانا تھانوی کا ضمیمہ وصل السبب فی فصل النسب کے ساتھ ضمیمہ کے عنوان سے مولانا تھانوی کا ایک دوسرا ضمیمہ بھی ہے جس میں اس کتاب اور خود اپنی دوسری کتابوں پر ہوئے اعتراضات کا انھوں نے جواب دیا ہے، نیز اس ضمیمہ پر مفتی صاحب کا حاشیہ ہے اور اس حاشیہ میں بعینہ مذکورہ بالا اقتباس نقل ہے لیکن اس عبارت میں چناں چہ خود حضرت مؤلف التبلیغ کے بعد بین القوسین نہ تو ''حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی'' ہے اور نہ ہی ''اشرف علی''۔

❁ ۱۳۵۱ھ کی اشاعت میں القاب وآداب اور نسبت مکانی کے ساتھ ''حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی'' اور ۶ ر رجب ۱۳۵۳ھ کے نسخہ میں بین القوسین صرف اور صرف ''اشرف علی'' اور ایک دوسرے نسخہ میں نہ ''حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ہے'' اور نہ ہی ''اشرف علی'' اس قدر تضاد چہ معنی دارد؟ آخر یہ عبارت اور مضمون اصلا کس کا ہے؟ ۱۳۵۱ھ کی اشاعت اول میں پوری ایک سطر جو بامعنی بامقصد اور انتہائی اہم ہے غائب ہے، یعنی ۶ ر رجب ۱۳۵۳ھ میں حضرت تھانوی نے یہی مذکورہ مضمون واحد تحریر فرمایا مگر اس میں مولانا تھانوی نے یہ عبارت بھی لکھی جو الحمد للہ ثم الحمد للہ تادم تحریر موجود ہے کہ:

''چناں چہ اس وقت ان میں سے ایک مؤضلع اعظم گڑھ اور دوسرے مئوائمہ ضلع الہ آباد میں۔

اشرف علی از تھانہ بھون ۶ ر رجب ۱۳۵۳ھ''

مفتی صاحب کی کتاب کے پہلے ایڈیشن اور ایک دوسرے ایڈیشن جس کو جمعیۃ المصلحین سہارن

پورنے شائع کیا ہے میں یہ با معنیٰ و با مقصد سطر کیوں غائب ہے، اگر یہ عبارت مولانا تھانوی کی ۶ / رجب ۱۳۵۳ھ کی تحریر کردہ تسلیم کر لیا جائے تو آخر دو سال قبل مفتی صاحب کی کتاب میں اور انھی کے نام سے یہ کس طرح آ گئی، پھر مولانا تھانوی نے دو سال بعد اپنے دونوں خلفاء کا ذکر کیا تو ان کے مکان [جگہ] کا ذکر تو کیا لیکن نام کا ذکر کیوں نہیں کیا آخر وہ دونوں بزرگ کون ہیں اور کس قوم کے تھے۔ نہایات الارب فی غایات النسب کی اشاعت اول میں ان کا نام اور مکان کیوں چھوڑ دیا گیا اسی طرح دوسری اشاعت جو جمعیۃ المصلحین سہارن پور کی جانب سے ہوئی اس میں بھی ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا لیکن اشاعت ثانی رمضان ۱۳۵۳ھ میں ان کا مکان تو مذکور ہے لیکن نام نہیں۔

❁ جب مولانا تھانوی کی وفات کے بعد ان کے خلفاء نے ''فہرست خلفاء حکیم الامت'' شائع فرمائی تو ان دونوں بزرگوں کا نام نکال دیا گیا، تو اخص الخواص حضرات علماء نے فرمایا کہ وہ دونوں بالیقین حضرت تھانوی کے خلفاء ہیں لیکن اجل و اخص و اشرف و ارفع خلفائے حکیم الامت ...... نے جواب مرحمت فرمایا کہ حضرت تھانوی نے ان دونوں .... کو خلافت ہی نہیں دی تھی اس لیے فہرست میں نام شائع نہیں کیے گئے۔ اگر ان دونوں بزرگوں کو خلافت ہی نہیں دی گئی تو ۶ / رجب ۱۳۵۳ھ کے ''رفع الغلط لدفع الشطط'' میں ان دونوں بزرگوں کی خلافت و طریقت بیعت و تلقین کے حوالے (تعین مقام کے ساتھ خواہ نام نہ سہی) دے کر اپنی براءت کیوں فرما رہے ہیں کہ ہمارے اندر اگر تعصب ہوتا اور ہمیں اس قوم کی اہانت مقصود ہوتی تو (بقول کسے) ہم ان رذیل قوموں میں بعض علماء کو خلافت کے اعزاز سے کیوں سرفراز کرتے؟

(ماہنامہ ترجمان دیو بند جولائی ۲۰۰۲ء، جلد: ۳، شمارہ: ۷، ص: ۴۵-۵۱، راقم الحروف نے مولانا مفتی محمد ساجد قریشی قاسمی صاحب کے دلائل میں دو چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ مولانا تھانوی کے مضمون رفع الغلط لدفع الشطط کا ماہنامہ قاسم العلوم شعبان ۱۳۵۳ھ میں شائع ہونا اور ''نہایات الارب فی غایات النسب'' کا جمعیۃ المصلحین سہارن پور کی جانب سے شائع ہونا)۔

❁ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ مفتی صاحب کی کتاب ''نہایات الارب فی غایات النسب'' کا پہلا ایڈیشن شعبان ۱۳۵۱ھ مطابق نومبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا اور احمد عثمانی صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ ان کے اس طرح (ذات پات) کے کچھ مضامین اخبار محقق سہارن پور میں ۱۶ / مئی ۱۹۳۵ء کو شائع ہوئے ہیں: لہذا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا مذکورہ بالا ضمیمہ یا مضمون مفتی صاحب کی کتاب کے اول ایڈیشن میں نہیں تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ''کفایت المفتی'' جہاں سے یہ ضمیمہ نقل کیا گیا ہے اس کے کاتب یا مفتی کفایت اللہ صاحب سے سائل صاحب سرپرست جمعیۃ الانصار ضلع سہارن پور جنھوں نے اس ضمیمہ کو بھیج کر اس پر سوالات کیے تھے ان سے کتابت میں غلطی ہو گئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ۱۶ / مئی ۱۹۲۵ء رہا ہو اس کو ۱۶ / مئی ۱۹۳۵ء لکھ دیا ہو۔

۱۶ / مئی ۱۹۲۵ء ہونے کا قیاس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سائل صاحب نے ۱۳۵۴ھ (مطابق ۳۶-۱۹۳۵ء (یکم شوال ۱۳۵۳ھ کو ۷ / جنوری ۱۹۳۵ء پڑی اور یکم ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ کو ۲۵ / جنوری ۱۹۳۶ء پڑی۔ ۲۴ / فروری ۱۹۳۶ء کو ۱۳۵۴ھ ختم ہو گیا) کو سوال کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد عثمانی صاحب کے مضامین اخبار محقق سہارن پور میں ۱۶ / مئی ۱۹۳۶ء میں نہیں بلکہ اس سے پہلے شائع ہوئے۔ ۱۶ / مئی ۱۹۳۶ء کو شائع ہونا اس لیے ثابت نہیں ہو سکتا ہے کہ ۲۴ / فروری ۱۹۳۶ء کو ۱۳۵۴ھ ختم ہو جاتا ہے؛ پھر سائل کا سوال کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ اگر اخبار محقق سہارن پور کا مذکورہ بالا

ایڈیشن مل جائے تو بات واضح ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر احمد عثمانی صاحب کا ضمیمہ نہایات الارب فی غایات النسب کے اول ایڈیشن میں نہ ہوتا تو مفتی کفایت اللہ دہلوی اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے بلکہ صاف صاف کہہ دیتے کہ یہ ضمیمہ تو اس کتاب میں ہے ہی نہیں پھر میں اس پر فتویٰ کیا دوں اور اس پر ہنگامہ، اعتراض کرنا غلط اور مفتی صاحب کی طرف غلط بات منسوب کرنا ہے؛ کیوں کہ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کے زمانہ ہی میں یہ کتاب لکھی گئی تھی اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ان تک یہ کتاب نہ پہنچی ہوگی کیوں کہ خود انھوں نے اس کتاب کے خلاف فتویٰ دیا تھا جو ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اخبار ''الجمعیۃ'' دہلی میں چھپا۔ (مولانا سید اصغر حسین: رسالہ مساوات اسلامی کی بعض روایات کے متعلق ایک سوال مفصل جواب عنوان: نوٹ حاشیہ: ۱، مطبع وناشر غیر مذکور)

ان تمام دلائل مذکورہ سے معلوم ہوا کہ احمد عثمانی صاحب کا ضمیمہ اس کتاب میں تھا اور بعد میں جس طرح دوسری باتیں ہنگامہ اور مخالفت کی وجہ سے نکال دی گئیں اس کو بھی نکال دیا گیا؛ چناں چہ اس کتاب میں مولانا قاری محمد طیب صدیقی کی تقریظ ''انساب وقبائل کا تفاضل'' کے نام سے شامل تھی، جس کا ایک نسخہ مظہر العلوم بنارس کی لائبریری میں اور خیر آباد (ضلع مئوناتھ بھنجن۔ یوپی) کے ایک صاحب کے پاس ہے لیکن دوسرے نسخوں میں اس تقریظ کو نکال دیا گیا (یہ دونوں نسخے راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذرے ہیں اول الذکر کے متعلق مولانا ولی اللہ مجید قاسمی سابق استاد ومفتی جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ نے بتائی اور دوسرے کے متعلق مدرسہ مظہر العلوم کے سابق مدرس مولانا عبد العلیم۔ جو آج کل مدرسہ تعلیم الدین مئوناتھ بھنجن یوپی میں ہیں۔ نے بتائی، ڈاکٹر عبد المعید [خیری باغ روڈ مئوناتھ بھنجن۔ جو سہ ماہی الماثر مئوناتھ بھنجن کی مجلس ادارت میں بھی ہیں] نے راقم الحروف کو ۳/ مارچ ۲۰۰۵ء کو شام ۷ بجے اپنی کلینک (Clinic) میں بتایا کہ انھوں نے بھی ''نہایات الارب فی غایات النسب'' کا وہ نسخہ کہیں سے منگوایا تھا جس میں قاری محمد طیب صاحب کی تقریظ شامل ہے۔

(۱۷۱)Schar, Juctice Rajender: Social, Economica and Educational Status of the Muslims Community of India: A Report, [Sachar Committee Report] ch. x, The Muslims OBC and Affirmative Action, P. 193.

(۱۷۲) ڈاکٹر تابش مہدی: تبلیغی نصاب ایک مطالعہ، عنوان: مقدمہ، ص: ۱۴۔

(۱۷۳) ماہنامہ قاسم العلوم۔ دیوبند، شعبان ۱۳۵۳ھ، عنوان: رفع الغلط لدفع الشطط، از: مولانا اشرف علی تھانوی۔

(۱۷۴) نہایات الارب فی غایات النسب مع وصل السبب فی فصل النسب، ص: ۳۰، بحوالہ: ہندستانی معاشرہ میں مسلمانوں کے مسائل، محولہ بالا، ص: ۳۴۴۔

(۱۷۵) ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل، محولہ بالا، ص: ۳۴۴۔

(۱۷۶) یہ واقعہ راقم الحروف کو مدرسہ دار العلوم، مئوناتھ بھنجن (یوپی) کے ایک مدرس نے ۱۹۹۸ء میں بتایا۔ نیز جناب شبیر احمد حکیم نے بھی اپنی کتاب ''حیا کت کی حکایت'' میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱۷۷) مولانا عبد الکریم: القول الرفیع فی الذب عن الشفیع، ۱۱/ رجب ۱۳۵۳ھ، مطبع وناشر غیر مذکور۔ یہ کتاب اصلاً دو حصوں میں ہے اول حصہ مفتی کفایت اللہ دہلوی کے اس فتویٰ کے رد میں جو ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اخبار ''الجمعیۃ'' نئی دہلی میں مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب کی کتاب کے رد میں چھپا تھا، جیسا کہ اس کتاب کے ٹائٹل پر ہے ''القول الرفیع فی الذب عن

الشفیع حصہ اول یعنی رسالہ غایات النسب کی بعض روایات کے متعلق اخبار الجمعیۃ کے فتوی پر تنقید'' اور دوسرا حصہ علامہ سید سلیمان ندوی کے اس فتوی کے جواب پر مشتمل ہے جو انھوں نے نہایات الارب فی غایات النسب کے خلاف دیا تھا۔ اس کے ٹائٹل پر ہے ''القول الرفیع فی الذب عن الشفیع'' حصہ دوم یعنی رسالہ غایات النسب کے بعض روایات کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی کے فتوی پر تنقید۔

(۱۷۸) ماہنامہ ترجمان دیوبند۔ دیوبند، سہارنپور، یوپی۔ جون ۲۰۰۲ء، محولہ بالا، ص: ۴۹۔

(۱۷۹) مولانا سید اصغر حسین: رسالہ مساوات اسلامی کی بعض روایات کے متعلق ایک سوال کا مفصل جواب۔ عنوان: نوٹ، حاشیہ: ۱۔

(۱۸۰) ماہنامہ ترجمان دیوبند، اگست ۲۰۰۲ء، جلد: ۳، شمارہ: ۸، عنوان: رسالہ نہایت الارب کے سلسلہ میں ایک خط، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے نام، از: مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، ص: ۱۳۔

(۱۸۱) ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل، محولہ بالا، ص: ۳۴۸-۳۴۹۔

(۱۸۲) القول الرفیع فی الذب عن الشفیع، محولہ بالا، ص: ۱، مولانا ابراہیم صاحب اگر وہی علامہ ابراہیم بلیاوی ہیں تو یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ کیوں انھوں نے اس کتاب کی تصدیق کی؟ کیوں کہ وہ خود مزعومہ رذیل ذات انصاری (جولاہا) سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند والے ان کو مزعومہ بڑی ذات مانتے تھے اور یہی مشہور بھی کر رکھا تھا۔ جن کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔ کچھ نہ کچھ مجبوری ضرور رہی۔

(۱۸۳) القول الرفیع فی الذب عن الشفیع، محولہ بالا، ص: ۱۔

(۱۸۴) مولانا محمد حکیم شمس الدین اعظمی مقیم مالیگاؤں، از قوم مومن نورباف: نہایات الارب فی غایات النسب، مولفہ جناب مولانا محمد شفیع صاحب، مفتی دارالعلوم، دیوبند پر منصفانہ تبصرہ۔

(۱۸۵) مولانا سے یہ گفتگو ۲۲ راگست ۲۰۰۴ء کو بعد نماز مغرب دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں ہوئی اور انھوں نے ہی یہ کتاب نکلوا کر دی۔ اس وقت راقم الحروف کے گاؤں کے ایک طالب علم مولانا جسیم الدین قاسمی، متعلم دارالعلوم دیوبند، جو مولانا کے روم میٹ بھی تھے، بھی موجود تھے۔

(۱۸۶) ماہنامہ ترجمان۔ دیوبند، نومبر ۲۰۰۱ء، ص: ۴۱-۴۶، مئی ۲۰۰۲ء، محولہ بالا، ص: ۴۳-۴۷، جون ۲۰۰۲ء، محولہ بالا، ص: ۴۳-۵۲۔

(۱۸۷) ماہنامہ ترجمان دیوبند نومبر ۲۰۰۱ء، محولہ بالا۔ ادارتی نوٹ از: مولانا واصف حسین ندیم الواجدی، ص: ۴۱-۴۲۔

(۱۸۸) مولانا قاری محمد طیب نسب اور اسلام۔ عنوان: وجہ تحریر مقالہ، ص: ۱۰۰، ۱۵۸۔

(۱۸۹) حوالہ سابق ص: ۱۰۱ حاشیہ۔

(۱۹۰) حوالہ سابق، عنوان فرق مراتب کی مختلف معیار، ص: ۱۰۹۔

(۱۹۱) حوالہ سابق، عنوان: نسبی امتیازات، ص: ۱۱۲۔

(۱۹۲) حوالہ سابق: عنوان تفاضل انساب ص: ۱۱۳۔

(۱۹۳) حوالہ سابق، عنوان: صحبت کا اثر اخلاق پر، ص: ۱۲۶۔

(۱۹۴) حوالہ سابق، عنوان: فخر بالانساب حرام ہے، ص: ۱۴۲۔

(۱۹۵) حوالہ سابق، عنوان: مقبولیت عنداللہ اور نجات اخروی محض تقویٰ وطہارت پر موقوف ہے، ص:۱۴۳۔

(۱۹۶) سورۃ المؤمنون: ۱۸[تو ان میں (جو) باہمی رشتے ناتے تھے اس روز (قیامت کے دن) نہ رہیں گے۔]۔

(۱۹۷) نسب اور اسلام، محولہ بالا، عنوان: انساب دنیا میں نافع ہیں اور آخرت میں بیکار نہیں، ص:۱۴۶-۱۴۸۔

(۱۹۸) حوالہ سابقہ، عنوان: مساوات کا محل احکام الہیہ میں افعال الٰہیہ میں نہیں، ص:۱۵۵-۱۵۶۔

(۱۹۹) حوالہ سابق، عنوان: مسئلہ کفاءت کا ماخذ، ص:۱۴۴-۱۴۶۔

(۲۰۰) مولانا مدنی نے اپنے آپ کو سید ثابت کرنے کے لیے مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے ایک خواب اور اپنے والد کے دو خوابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مولانا مدنی کے نسب نامہ کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ مولانا حسین احمد مدنی: نقش حیات ۱/۹-۲۱، حیاکت کی حکایت، محولہ بالا، عنوان: بَن بَن پھروں اپاسی، ص:۲۰۸، ماہنامہ زندگی نو، نئی دہلی دسمبر ۲۰۰۰ء، جلد:۲۶، شمارہ:۱۲، عنوان: رسائل ومسائل، مراسلہ از: عبداللہ انصاری نعمانی ص:۶۵-۶۶، مراسلہ از: مسعود عالم فلاحی، ص:۶۷-۷۱، راقم الحروف نے اپنی ایک کتاب ''مسئلہ کفاءت''۔ جس کی چھ قسطیں ماہنامہ ''زندگی نو'' نئی دہلی میں شائع ہو چکی ہیں اور بقیہ قسطیں ماہنامہ ''آثار جدید'' مئوناتھ بھنجن، یوپی میں قسط وار فروری ۲۰۰۷ء سے شائع ہو رہی ہے۔ میں مولانا مدنی کے نسب کی تفصیلی تحقیق کی ہے۔ آخرالذکر رسالہ میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

(۲۰۱) پاکستانی مصنف غلام محمد مصطفیٰ نے اپنی کتاب ''تحریک دارالعلوم دیوبند اور مسلمانان سہارن پور'' میں ایک امریکی انگریز مصنفہ کی تحقیق کے حوالہ سے مولانا مدنی کے نسب کے بارے میں لکھا ہے:

> ''مولانا حسین احمد مدنی پارچہ باف [جولاہا] خاندان سے تعلق رکھتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر کرنے کے لیے ان کی علمی قابلیت اور روحانی تربیت کی بنیاد پر اشراف میں داخل کیا گیا۔''

(روزنامہ قومی آواز-اردو، نئی دہلی، ۲۷ رنومبر ۱۹۹۴ء) قضیہ اشراف واجلاف کا، از: عبدالرحمٰن عابد۔)

(۲۰۲) مولانا محمد میاں: جمعیۃ علماء ہند کیا ہے؟ اجلاس دوازدہم جمعیۃ علماء ہند- تجویز: ۵/۷، پیشہ ور برادریوں کی پوزیشن ۲/۲۱۸۔

(۲۰۳) حوالہ سابق، تجویز: ۲/۹،۲۴۳۔

(۲۰۴) فریدالوحیدی: شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ص:۴۹۸، بحوالہ: ماہنامہ ''زندگی نو- نئی دہلی'' اکتوبر ۲۰۰۰ء، جلد: ۲۶، شمارہ: ۱۰، عنوان: رسائل ومسائل، مراسلہ از: ڈاکٹر سید عبدالباری، ص:۶۹۔

(۲۰۵) نقش حیات، محولہ بالا ۱/۱۱-۱۸۔

(۲۰۶) حوالہ سابق ۱/۱۶-۱۷۔

(۲۰۷) حوالہ سابق ۱/۱۸۔

(۲۰۸) مولانا سید حسین احمد مدنی: الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، فصل رابع: تفصیل مسئلہ امکان وامتناع، ص:۱۱۴۔

(۲۰۹) مولانا محمد زکریا: فضائل اعمال، عنوان: مقدمہ ۱/۱، مطبوعہ نصیر بک ڈپو، دہلی۔

(۲۱۰) حوالہ سابق، باب: فضائل قرآن، حدیث: ۲۲، ۱/۵/۳۴ [اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔]

(۲۱۱) مولانا مفتی محمد شفیع نے شیخ اور سید کو قریشی اور قریشی نسل کہا ہے۔ (نہایات الارب فی غایات النسب، مع وصل السبب

فی فصل النسب، عنوان: نسب میں کفاءت کا اعتبار، ص:۱۷) اور مولانا محمد زکریا نے ان کی تائید کی ہے۔ (ماہنامہ ترجمان دیوبند، اگست ۲۰۰۲ء، بحوالہ بالا، ص:۱۲-۱۳) لہٰذا جو رائے مفتی محمد شفیع کی ہوئی وہی رائے مولانا محمد زکریا کی بھی ہوئی۔

(۲۱۲) فضائل اعمال، بحوالہ بالا، باب فضائل حج، عنوان: اجمالی آداب: ۲/۱۴، ۶۴، مطبوعہ ادارۂ اشاعت دینیات۔ دہلی۔

(۲۱۳) تبلیغی نصاب ایک مطالعہ، بحوالہ بالا، عنوان: مقدمہ، ص:۱۴۔

(۲۱۴) حوالہ سابق، ص:۱۴۔

(۲۱۵) ماہنامہ ترجمان دیوبند، اگست ۲۰۰۲ء، بحوالہ بالا، ص:۱۲-۱۳۔

(۲۱۶) مولانا محمد تقی عثمانی: اصلاحی خطبات، عنوان: جولاہوں کا ''انصاری'' اور قصائیوں کا ''قریشی'' لکھنا، ۱۰/۲۱۲۔

(۲۱۷) حوالہ سابق، عنوان: غلط نسبت سے بچئے ۱۰/۲۱۰-۲۱۲۔

(۲۱۸) ماہنامہ مظاہر علوم۔ سہارن پور، یوپی، اگست ۱۹۹۹ء، جلد:۵، شمارہ:۵، عنوان: نکاح اور برادری، ص:۲۴-۲۵۔

(۲۱۹) اصلاحی خطبات، بحوالہ بالا، باب تواضع، عنوان: عبادت میں تواضع ۵/۴۹، باب ۳۶، حضرت ابراہیم اور تعمیر بیت اللہ، عنوان: توفیق من جانب اللہ ہوتی ہے ۴/۱۵۶۔

(۲۲۰) مفتی محمود حسن گنگوہی: فتاوی محمودیہ، کتاب النکاح، عنوان: مسئلہ کفاءت ۳/۲۲۶-۲۳۱، سوال:۱۹۹، مرتب: محمد فاروق۔

(۲۲۱) حوالہ سابق، ۳/۲۲۹، سوال:۱۹۹۔

(۲۲۲) ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل، بحوالہ بالا، ص:۳۵۷۔

(۲۲۳) حوالہ سابق، ص:۳۵۶۔

(۲۲۴) حیا کت کی حکایت، بحوالہ بالا، ص:۲۱۸، خاموشی سے مزعومہ رذیل برادریوں کے طلبا کو داخل نہ ہونے دینے کی بات متعدد لوگوں نے بتائی جو آزادی کے قبل یا بعد کے ہیں، جنھوں نے وہ زمانہ دیکھا تھا یا انھوں نے اپنے بزرگوں سے بات سنی تھی۔

(۲۲۵) ماہنامہ قومی آواز۔ نئی دہلی، ۲۷ر نومبر ۱۹۹۴ء، عنوان: قضیہ اشراف و اجلاف کا رپورٹ، از: عبدالرحمن عابد

(۲۲۶) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، نومبر ۱۹۹۳ء، جلد:۷۸، شمارہ:۱۱، عنوان: علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، از: مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی، ص:۴۳

(۲۲۷) چناں چہ دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم قاری محمد طیب صدیقی بھی علامہ بلیاوی کو مزعومہ بڑی ذات بتاتے تھے۔ ماہنامہ دارالعلوم، مارچ ۱۹۶۸ء، عنوان: علامہ کی یاد، بحوالہ: ماہنامہ دارالعلوم، نومبر ۱۹۹۳ء، بحوالہ بالا، ص:۴۵

(۲۲۸) تاریخ دارالعلوم دیوبند، بحوالہ بالا، عنوان: علامہ محمد ابراہیم بلیاوی ۲/۱۰۳، سید محبوب رضوی نے علامہ بلیاوی ان کو صرف پنجابی الاصل لکھا ہے اور ان کی خاندان کو پنجاب کے ضلع ''جھنگ'' کا بتایا ہے، لیکن دوسرے حضرات نے اسی کے ساتھ ساتھ ان کے مزعومہ بڑی ذات ہونے کی صراحت کی ہے۔ تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

(۲۲۹) ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، مارچ ۱۹۶۸ء، بحوالہ: ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، نومبر ۱۹۹۳ء، بحوالہ بالا، ص:۴۴۔

(۲۳۰) حوالہ سابق، ص:۴۴-۴۹۔

(۲۳۱) حوالہ سابق، ص:۴۶۔

(۲۳۲) وصل السبب فی فصل النسب مع نہایات الارب فی غایات النسب، بحوالہ بالا، عنوان: الفائدۃ السادسۃ، ص:۳۴۔

(۲۳۳) ماہنامہ دارالعلوم، نومبر ۱۹۹۳ء، محولہ بالا، ص: ۴۵۔

(۲۳۴) حوالہ سابق، ص: ۴۹۔

(۲۳۵) حوالہ سابق، ص: ۴۶۔

(۲۳۶) **علامہ ارشد القادری انصاری کا سید مشہور کیا جانا**

چناں چہ علامہ ارشد القادری جو بریلوی حلقہ میں کافی اونچی شخصیت کے متحمل ہیں ان کا تعلق انصاری (جولاہا) برادری سے ہے؛ لیکن ان کو بھی سید مشہور کیا گیا ہے۔ علی گڑھ میں ضلع: شیخ پورہ، صوبہ بہار کے ایک ملک صاحب (آج کل بہار کے ملک حضرات اپنے کو سید بلکہ سیدوں میں بھی افضل سید بتانے لگے ہیں جس کی تفصیل آگے ''اکیسویں صدی کے مسلمانوں میں ذات پات'' کے زیر عنوان آرہی ہے۔) راقم الحروف کے جاننے والے ہیں، وہ اس بات پر مصر تھے کہ علامہ ارشد القادری سید تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے علاقہ میں وہ سید ہی جانے جاتے ہیں، علامہ ارشد القادری کے نسب کی تحقیق اور وضاحت کی خاطر میں نے ان کے پوتے جناب ''خوشتر نورانی علیگ'' کے پاس خط لکھا۔ جواب میں انھوں نے اپنے کو انصاری (جولاہا) بتایا، ان کی وضاحت اور صراحت کے بعد اس ملک صاحب نے ان کو سید کہنا بند کیا۔

یہی نہیں بلکہ مشہور بانسر یں جناب بسم اللہ خان مرحوم کا تعلق حلال خور رمسلم مہتر رمسلم بھنگی سے ہے، لیکن انہیں خاں کہا جارہا ہے۔

(۲۳۷) ہفت روزہ ''اخبار نو'' - نئی دہلی، ۲۸ نومبر تا ۴ دسمبر ۱۹۸۶ء، جلد: ۴، شمارہ: ۲۷، ص: ۲، ۱۲-۱۸ر دسمبر ۱۹۸۶ء، جلد: ۴، شمارہ: ۲۹، عنوان: مولانا خلیفۃ المسلمین بن جاتے تو اچھا تھا، از: سید شہاب الدین ص: ۹۔

(۲۳۸) حوالہ سابق ۱۲-۱۸ دسمبر ۱۹۸۶ء، جلد: ۴، شمارہ: ۲۹، مضمون از: مولانا یسین اختر مصباحی، نائب صدر کل ہند پرسنل لابورڈ ص: ۹۔

(۲۳۹) حوالہ سابق ۲-۸ جنوری ۱۹۸۷ء، جلد ۴، شمارہ: ۳۲، عنوان: اسلام میں امیر، امارت اور شوریٰ، منصب نبوت کے بعد اسلامی نظام میں امارت کا منصب، ص: ۱۵، مزید ملاحظہ ہو: حوالہ سابق، ۱۹-۲۵ دسمبر ۱۹۸۶ء، جلد ۴، شمارہ: ۳۰، عنوان: امیر الہند نہیں امیر المریدین، مولانا اخلاق حسین قاسمی کے انکشافات، ص: ۲۔

(۲۴۰) حوالہ سابق ۱۲-۱۸ دسمبر ۱۹۸۶ء، جلد: ۴، شمارہ: ۲۹، عنوان: انتخاب باطل ہے، از: مولانا ایم قاسمی، ص: ۸۔

(۲۴۱) ماہنامہ ترجمان دیوبند، نومبر ۲۰۰۱ء، محولہ بالا، ص: ۴۱-۴۶، مئی ۲۰۰۲ء، محولہ بالا ص: ۴۳-۴۷، جون ۲۰۰۲ء، جلد: ۳، شمارہ: ۶ محولہ بالا ص: ۴۳-۵۲۔

(۲۴۲) ماہنامہ ترجمان دیوبند، جولائی ۲۰۰۲ء، محولہ بالا ص: ۴۸۔

(۲۴۳) معاملہ کی تحقیق کے لیے محلہ جمال بخش ٹولہ دوری کے لوگوں سے رابطہ کیا جائے۔

۲۰۰۰ء میں راقم الحروف نے اس واقعہ کو اپنے ایک مضمون ''فلسفۂ ذات پات اور بعض علمائے دیوبند'' میں ذکر کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو: ماہنامہ آثار جدید، مئو ناتھ بھنجن - یوپی، اپریل تا جون ۲۰۰۰ء، جلد ۴-۶، شمارہ: ۱۶-۱۷، عنوان: فلسفۂ ذات پات اور ہمارے علماء، ماہنامہ البلاغ - ممبئی، مئی تا اگست ۲۰۰۰ء، جلد ۱۰-۱۱، شمارہ: ۱۰-۱۲، اور: ۱، عنوان: فلسفۂ ذات پات اور علماء دیوبند، ماہنامہ ''زندگی نو'' نئی دہلی، اگست ۲۰۰۰ء جلد: ۲۶، شمارہ: ۸، عنوان: فلسفۂ ذات پات اور بعض علمائے دیوبند۔)

اس مضمون کی اشاعت کے بعد باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ مدرسہ کے ذمہ داران راقم الحروف سے کافی ناراض ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مدرسہ کی شاخ تو ''جمال بخش ٹولہ-ددری'' کو ہی دی گئی تھی؛ لیکن راستے سے کسی ...... نے اسے اچک لیا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مدرسہ کے ذمہ داران کی بات صحیح ہے تو اس معاملہ کو آج سے سات سال قبل ۲۰۰۰ء میں اٹھایا گیا تھا۔ آج تک مدرسہ کے ذمہ داران نے اس فراڈ کی تحقیق کیوں نہ کی اور جس نے دھوکے سے اس شاخ کو اڑا لیا اس کا نام ظاہر (out) کیوں نہیں کیا اور اگر مدرسہ کے ذمہ داران کو دھوکا دیا گیا تو معاملہ سامنے آنے کے بعد اس شاخ کو آج تک جمال بخش ٹولہ-ددری کو منتقل کیوں نہیں کیا گیا، آج تک وہ شاخ کیوں اپنی جگہ پر قائم ہے؟ اگر اس شاخ کو وہاں سے ہٹانا اب ممکن نہیں ہے تو پھر دوسری شاخ ''جمال ٹولہ-ددری'' کو کیوں نہیں دی گئی؟

(۲۴۴) مولانا محمد جسیم الدین قاسمی نے راقم الحروف کو یہ باتیں متعدد بار بتائیں، ۲۲/جنوری ۲۰۰۵ء کو بھی ادارہ تحقیق وتصنیف علی گڑھ میں صبح ۱۱ بجے بتائی۔

(۲۴۵) ماہنامہ ترجمان القرآن-لاہور (پاکستان) جون ۱۹۵۱ء، جلد: ۳۶، شمارہ: ۳، عنوان: رسائل ومسائل: دارالاسلام اور دارالکفر کے مسلمانوں میں شادی بیاہ کے تعلقات، ص: ۱۲۵، مولانا سید ابوالاعلی مودودی: رسائل ومسائل، عنوان: فقہی مسائل ۲/۱۵۳-۱۵۴۔

(۲۴۶) ماہنامہ ترجمان القرآن، ستمبر ۱۹۵۱ء، جلد: ۳۶، شمارہ: ۵-۶، عنوان: دارالکفر کے مسلمان اور دارالاسلام، از: مولانا ظفر احمد وابوالاعلی مودودی، مولانا ظفر احمد کا دوسرا مکتوب، ص: ۳۶، رسائل ومسائل، عنوان: فقہی مسائل ۲/۱۸۰۔

(۲۴۷) ترجمان القرآن، ستمبر ۱۹۵۱ء، بحوالہ بالا، ص: ۷۲، رسائل ومسائل بحولہ بالا ۲/۱۸۹۔

(۲۴۸) ماہنامہ ترجمان القرآن، جون-جولائی ۱۹۵۲ء، جلد: ۳۸، شمارہ: ۳-۴، عنوان: رسائل ومسائل-شادی بیاہ میں کفاءت کا لحاظ، ص: ۲۵۸-۲۵۹، رسائل ومسائل بحولہ بالا، عنوان: فقہی مسائل ۲/ ۱۹۸۔

(۲۴۹) ترجمان القرآن، جون-جولائی ۱۹۵۲ء، بحولہ بالا، ص: ۲۶۰-۲۶۱، رسائل ومسائل بحولہ بالا ۲/ ۲۰۰-۲۰۰۱۔

(۲۵۰) ترجمان القرآن، فروری ۱۹۶۱ء، جلد ۵۵، شمارہ: ۵، عنوان: رسائل ومسائل، ص: ۳۶-۵۶، رسائل ومسائل، باب فقہی مسائل، عنوان: کفارہ جرم اور مسئلہ کفاءت ۳/ ۲۲۲۔

(۲۵۱) ترجمان القرآن، اپریل-جولائی ۱۹۶۵ء، بحوالہ: حکیم نعیم الدین زبیری: اشاریہ ترجمان القرآن ۱۹۳۲ء-۱۹۷۶ء، چوں کہ اپریل-جولائی ۱۹۶۵ء کے ترجمان کے شمارے تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکے، اس لیے اشاریہ ترجمان القرآن سے اس کا حوالہ نقل کیا گیا ہے۔

(۲۵۲) مولانا سید ابوالاعلی مودودی: تفہیم القرآن، سورۃ الحجرات، آیت: ۱۳، ۵/ ۹۹۔

(۲۵۳) قریشی النسل سے مراد ''سید، شیخ'' اس لیے لیا گیا ہے کہ اکثر ہندستانی علمائے کرام نے قریشی النسل اور قریشی سے مراد ''سید، شیخ'' ہی لیا ہے جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔

(۲۵۴) ماہنامہ ترجمان القرآن، اگست ۱۹۳۹ء، جلد: ۱۴، شمارہ: ۶، مقالات: اسلامی قانون اور نظام معاشرت، ترجمہ: مولوی ابونصر محمد خالدی، ماخوذ از: لیکیسی آف اسلام، ص: ۴۰۲۰، حاشیہ: ۱۔

(۲۵۵) حوالہ سابق، اپریل ۱۹۴۶ء، جلد: ۲۸، شمارہ: ۴، عنوان: رسائل ومسائل: خلافت کے لیے قرشیت کی شرط، از: مولانا ابوالاعلی مودودی، ص: ۴۹-۵۲، رسائل ومسائل، عنوان: خلافت کے لیے قرشیت کی شرط ۱/ ۶۰-۶۲۔

(۲۵۶) ماہنامہ ترجمان القرآن، جولائی ۱۹۵۹ء، جلد: ۵۲، شمارہ: ۴، عنوان: رسائل و مسائل- خلافت کے لیے قرشیت کی شرط، ص: ۴۱-۵۴، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیمات، عنوان: خلافت کے لیے قرشیت کی شرط ۳/ ۱۳۵-۱۴۰۔

(۲۵۷) مولانا ابوالکلام آزاد: مسئلہ خلافت، عنوان: الائمۃ من قریش، تحقیق امارت قریش و شرط قرشیت، دعویٰ اجماع، ص: ۱۴۴-۱۷۹۔

(۲۵۸) مولانا امین احسن اصلاحی: جماعت اسلامی کے رکن تھے، لیکن بعد میں انھوں نے استعفیٰ دے دیا تھا۔

(۲۵۹) مولانا امین احسن اصلاحی: تدبر قرآن، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۴، ۱/ ۵۰۲۔

(۲۶۰) ماہنامہ ''زندگی نو'' نئی دہلی، اکتوبر ۲۰۰۰ء، جلد: ۲۶، شمارہ: ۳، عنوان: رسائل و مسائل، مراسلہ از: مولانا سلطان احمد اصلاحی، ص: ۷۰، سہ ماہی تحقیقات اسلامی- علی گڑھ، جنوری- مارچ ۲۰۰۳ء، جلد: ۲۲، شمارہ: ۱، عنوان: سماجی مساوات کے بعض پہلو، از: مولانا سلطان احمد اصلاحی، ص: ۵۲، حاشیہ۔

(۲۶۱) مولانا سے یہ باتیں ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، دھرانی نگر- علی گڑھ میں نومبر ۲۰۰۱ء میں ہوئی تھیں۔

(۲۶۲) مولانا سے یہ باتیں ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی کی پرانی عمارت، پان والی کوٹھی دودھ پور- علی گڑھ میں اپریل ۲۰۰۲ء میں ہوئی تھیں۔

(۲۶۳) اسلام کا تصور مساوات، محولہ بالا، باب سوم: اسلام کے تصور مساوات پر اعتراضات اور ان کے جواب، عنوان: مسئلہ کفاءت، ص: ۲۳۹۔

(۲۶۴) سہ ماہی تحقیقات اسلامی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء، جلد: ۲۲، شمارہ: ۱، عنوان: سماجی مساوات کے بعض پہلو- بین برادری شادیاں، از: مولانا سلطان احمد اصلاحی، ص: ۵۳-۵۶۔

مولانا کے ان مضامین پر راقم الحروف کا ایک استدراک ''زندگی نو'' (فروری ۲۰۰۲ء، جلد: ۲۸، شمارہ: ۲، عنوان: رسائل و مسائل، ص: ۶۷-۷۲) میں شائع ہوا تھا۔ مولانا سے ملاقات کر کے راقم الحروف نے ان کی توجہ ان امور کی طرف مبذول کرائی تھی۔ اس وقت مولانا نے کہا تھا کہ ہمیں اعتدال ملحوظ رکھنا پڑتا ہے اور عام علمائے احناف کی زبانی دلیل کو دہراتے ہوئے کہا کہ جو حدیث دور اول میں صحیح تھی اب اگر چہ اس پر ضعف کا حکم لگا ہو، لیکن تب بھی وہ قوی ہی رہے گی۔ مولانا کی دلیل قطعاً صحیح نہیں ہے اور نہ کسی محدث سے تحریری طور پر یہ دلیل ثابت ہے: لیکن اگر کچھ دیر کے لیے اس دلیل کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی مولانا کی پیش کردہ دلیل قابل حجت نہیں بنتی ہے: کیوں کہ مولانا نے مروجہ فقہی کفو کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے قول ''لَامنعنَّ ذواتِ الاحساب الا من الاکفاء'' کتاب الآثار لامام محمد، ص: ۶۷، سے استدلال کیا ہے اور حضرت عمرؓ سے جو راوی روایت کر رہا ہے وہ مجہول ہے، تو ضعف پہلے سے ہی موجود ہے۔ اس کی تفصیلات اس کتاب کے باب ہفتم ''مسلم سماج پھر ذات پات کے دلدل میں'' حاشیہ کے اندر گزر چکی ہیں۔

مولانا اصلاحی سے راقم الحروف کی یہ گفتگو شعبۂ اسلامیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی سیمینار لائبریری میں، کے اندر دسمبر ۲۰۰۱ء میں اور ''ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ- جو جماعت اسلامی ہند کا ہے- میں ۲۲/ جولائی ۲۰۰۴ء بروز جمعرات بارہ سے ایک بجے دن کے درمیان ہوئی تھی۔ آخر الذکر گفتگو میں راقم الحروف کے گاؤں کے ایک صاحب مولانا جسیم الدین- معلم دارالعلوم دیوبند، بھی موجود تھے۔

(۲۶۵) اسلام کا تصور مساوات، محولہ بالا، باب سوم: اسلام کے تصور مساوات پر اعتراضات اور ان کے جواب، عنوان:

مسئلہ کفاءت، ص: ۲۳۹۔

(۲۶۶) سہ ماہی تحقیقات اسلامی - علی گڑھ، جنوری - مارچ ۲۰۰۳ء، جلد: ۲۲، شمارہ: ۱، عنوان: سماجی مساوات کے بعض پہلو، از: مولانا سلطان احمد اصلاحی، ص: ۵۲-۵۳۔ اس طرح کی عبارت اور تصور کے لیے مزید ملاحظہ ہو، حوالہ سابق، اپریل تا جون ۲۰۰۳ء، جلد: ۲۲، شمارہ: ۲، بحولہ بالا، ص: ۸۲۔

(۲۶۷) ماہنامہ ''زندگی نو'' نئی دہلی، اکتوبر ۲۰۰۱ء، جلد: ۲۷، شمارہ: ۱۰، عنوان: سماجی مساوات، از: مولانا سلطان احمد اصلاحی، ص: ۳۱۔

(۲۶۸) حوالہ سابق، نومبر ۲۰۰۱ء، جلد: ۲۲، شمارہ: ۱۱، بحولہ بالا، حواشی: ۳، ص: ۳۱-۳۲۔

(۲۶۹) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ رسالہ جماعت اسلامی کا نہیں ہے؛ بلکہ یہ آزاد میگزین ہے۔ ریڈینس پر بھی لکھا ہوتا ہے Owned By: Board of Islamic Publication New Delhi یعنی یہ بورڈ آف اسلامک پبلیکیشن نئی دہلی کی ملکیت ہے۔ ریڈینس اپنے سن اشاعت ۱۹۶۳ء سے آج تک اسی بورڈ کی جانب سے شائع ہو رہا ہے؛ لیکن در اصل یہ جماعت اسلامی ہند کا ترجمان ہے۔ جماعت نے اپنی ایک شوری مجلس شوری جو ۱۹۶۲ء میں منعقد ہوا تھا میں ایک قرارداد پاس کیا تھا کہ ایک انگریزی رسالہ شائع کیا جائے، اس کے بعد ۱۹۶۳ء سے یہ شائع ہونا شروع ہوا۔ سہ روزہ دعوت نے بھی اپنے اسپیشل نمبر ''تحریک اسلامی کے پچاس سال'' میں ریڈینس کو جماعت اسلامی ہند کا ترجمان بتایا ہے۔ (روداد مجلس شوری جماعت اسلامی ہند ۱۹۴۷ء - ۱۹۶۶ء، مرتب: شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند، عنوان: مجلس شوری، منعقدہ ۵/ اپریل ۱۹۶۲ء، ص: ۲۱۰، سہ روزہ دعوت - نئی دہلی، خصوصی شمارہ ''تحریک اسلامی کے پچاس سال'' ۷/ نومبر ۱۹۹۱ء، جلد: ۳۹، شمارہ: ۱۰۰، عنوان: اخبارات ورسائل، ص: ۱۶۹۔)

(۲۷۰) سہ روزہ دعوت - نئی دہلی، ۷/ جولائی ۲۰۰۰ء، جلد: ۴۸، شمارہ: ۶۱، ص: ۶۔

(۲۷۱) حوالہ سابق، ۷/ مئی ۲۰۰۱ء، جلد: ۴۹، شمارہ: ۳۵، ص: ۶۔

(۲۷۲) حوالہ سابق، ۴/ جون ۲۰۰۱ء، جلد: ۴۹، شمارہ: ۵۰، ص: ۶۔

(۲۷۳) Radiance view weekly- New Delhi, 31, Agust-6 September 2003. Vol. xxxviii. No.23, p. 56.

(۲۷۴) جناب پرواز رحمانی سے راقم کی یہ گفتگو ''دعوت'' کے دفتر میں ۴-۵ بجے شام کے درمیان ہوئی۔

(۲۷۵) جناب سکندر اعظم سے یہ گفتگو ریڈینس کے دفتر میں ۳ بجے دوپہر میں ہوئی تھی۔

(۲۷۶) جناب سید اعجاز احمد اسلم سے یہ گفتگو مرکز جماعت اسلامی کے صحن میں صبح ۱۱ بجے ہوئی۔

(۲۷۷) قیم جماعت سے یہ گفتگو ان کے دفتر ۴۵-۱۱ سے ۱۵-۱۲ دوپہر میں ہوئی۔

(۲۷۸) یہ واقعہ راقم الحروف کے جاننے والے ایک عالم دین اور جماعت اسلامی سے اتفاق رکھنے والے ..... جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور علی گڑھ میں رہتے ہیں - نے بتایا کہ ان کا کہنا ہے کہ جب یہ بات ہو رہی تھی تو میں اس وقت جماعت کے ذمہ دار ..... صاحب کے پاس بیٹھا تھا یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔

محترم کے کہنے پر ان کا نام اور جماعت کے ان ذمہ دار صاحب کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے؛ لیکن انھوں نے انفرادی طور سے پوچھنے پر اپنا اور جماعت کے ذمہ دار کا نام بتلانے کی اجازت دی ہے۔

محترم سے راقم الحروف کی یہ گفتگو ۷/ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو شعبہ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی سیمینار

لائبریری میں ۱۱ بجے سے ۱۲ بجے کے درمیان ہوئی تھی۔

(۲۷۹)

کمیونسٹ حضرات، مدعیان شریعت اسلامیہ اور نظریہ ذات پات

اسلام کی نمائندگی، اشاعت اسلام اور خلافت اسلامیہ کے دعویدار لوگ مذکورہ بالا اشتہارات کی اس طرح تاویلیں کرتے ہیں تاکہ اسے شرعی اور اسلامی ثابت کر سکیں۔ شیدائیان اسلام کا تو یہ حال ہے لیکن اس کے برعکس کمیونسٹ حضرات جو حقیقی معبود "اللہ تعالیٰ" یا کسی بھی قوم کے معبود پر یقین نہیں رکھتے ہیں وہ غیر شعوری طور سے ہی سہی، ذات پات اور مساوات انسانی کے متعلق بالکل اسلامی نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی میں آل انڈیا اسٹوڈینٹس ایسو سی ایشن (AISA) نے ۵/ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو گنگا ہاسٹل کے میس (Mess) میں ۳۰-۹ بجے شب میں ایک پبلک میٹنگ رکھی تھی جس کا عنوان تھا:

"Love, Death and Marriage:Caste and Gender in India."

"پیار، موت اور شادی: ہندستان میں ذات اور جنس"

اس پروگرام میں مشہور تاریخ داں اوما چکرورتی سابق پروفیسر دہلی یونیورسٹی اور Veiled women (پردہ نشین خواتین) کی مصنفہ پریم چودھری صاحبہ تشریف لائی تھیں۔ ان دونوں کی تقریر کا ۹۰ فیصد حصہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی مساوات کے مطابق تھا۔ اس پروگرام سے پہلے ASIA نے ایک پمفلٹ نکالا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ ضروری حصہ نقل کر دیا جائے۔

"Required responsible Brahmin boy for Degree College lecturer girl...

"Seeking well established professional quail business match from Vasih/Aggrawal for fair slim b'ful Garg girl...."

"Mathur alliance invited from professionally qualified girl of status family for well placed engineer..."

"(Matrimonial advertisements in Hindustan Times, 3 Oct. 2004).

Even a cursory look at the matrimonial columns will confirm the continuing centrality of caste identities in seeking and cementing marriage alliances. During the anti- Mandal agitation, several women students of Delhi University protested the imposition of reservations for other backward castes by carrying placards that read, "We don't want unemployed husbands." Clearly, the girls were protesting on behalf of their caste men- their potential husbands whose access to Public services was shrinking- but also saying that they would not marry OBCs who would occupy these positions. These college and university- going girls in the capital city of the country were articulating the codes and rules of Endogamy that enjoin or prescribe marriage within the self-defined group. Indeed these girls were exercising a self- imposed regulatory mechanism by refusing to even imagine the possibility of inter caste marriages.

Why is endogamy so pivotal to the caste system? Caste society being a

system of discrete social units of jati requires for its perpetuation that each of these units or jati is reproduced as bounded, separate unit. Endogamy is the mechanism evolved to ensure the distinctiveness and purity of blood of each of these groups. Brahmanical patriarchy conceived of upper caste women as gateways to the caste system and the entire structure therefore rested of maintaining control over her sexuality. The sexuality of the lower caste man representing a threat to her purity and in turn to that of the entire jati, had therefore to be institutionally prevented from accessing the sexuality of the upper caste woman. Recognizing the significance of marriage alliances in sustaining the caste system, Ambedkar emphasized inter-caste marriage as "the real remedy for breaking caste... Nothing else will serve as a solvent for caste."

''ڈگری کالج میں لیکچرر ایک لڑکی کے رشتے کے لیے ایک ذمہ دار برہمن لڑکے کی ضرورت ہے۔

ایک خوبصورت چھریرے بدن کی گرگ لڑکی کے لیے ویش/ اگروال خاندان میں سے ایک برسر روزگار پروفیشنل پیشہ یا کاروباری جوڑے کی ضرورت ہے۔

ماتھر طبقے سے تعلق رکھنے والی پروفیشنل ڈگری یافتہ لڑکی جس کا خاندانی پس منظر اچھا ہو اس کی ضرورت ہے ایک خوشحال انجینئر کو۔

(Matrimonial Advertisements in Hindustan Times, 3 Oct., 2004.)

رشتوں ناتوں کے اشتہارات پر ایک اچٹتی نظر ڈالنے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شادی بیاہ کے بندشوں کو جوڑنے اور انھیں تلاش کرنے میں ذات پات کی پہچان کو برابر مرکزی حیثیت رہی ہے۔ منڈل مخالف احتجاجوں کے دوران دہلی یونیورسٹی کی مختلف طالبات نے دوسری پس ماندہ ذاتوں (OBC) کے لیے ریزرویشن نافذ کرنے کے خلاف احتجاج کیا ان کے ہاتھوں میں جو تختیاں تھیں ان پر تحریر تھی کہ **''ہمیں بے روزگار شوہروں کی ضرورت نہیں''** صاف واضح ہے کہ لڑکیاں اپنی ذات کے مردوں کی جانب سے احتجاج کررہی تھیں۔ اپنے متوقع شوہروں کی جانب سے جن کی پبلک سروسوں میں پکڑ کمزور پڑ رہی تھی مگر دوسری طرف ان کا یہ بھی اعلان تھا کہ وہ دوسری پس ماندہ ذاتوں سے شادی نہیں کریں گی، جو ان مناصب پر فائز ہوں گے، ملک کی راجدھانی میں کالج اور یونیورسٹی جانے والی یہ لڑکیاں کفو (Endogamy) کے قواعد وضوابط ترتیب دے رہی تھیں، جس کا مقصد خود ساختہ گروہوں کے اندر شادی کو بیان کرنا یا رواج دینا ہے۔ درحقیقت یہ لڑکیاں قواعد وضوابط کے خود ساختہ طریقہ کار پر عمل کررہی تھیں؛ کیوں کہ انھیں انکار تھا کہ بین برادری شادیوں کے امکانات کو تسلیم کیا جائے۔

ورن نظام میں آخر کفو کو اتنی اہمیت کیوں حاصل ہے، ورن نظام جو ذات کی سماجی وحدتوں کی تفریق کا ایک نظام ہے۔ اپنی برقراری کے لیے محتاج ہے کہ ان ذاتوں میں سے ہر ایک کی محدود علیحدہ اکائی کے طور پر تشکیل نو ہو۔ کفو وہ میکانزم ہے جو ان تمام گروہوں کی امتیازی حیثیت اور صفائی خون کی ضمانت دینے کے لیے ارتقاء پذیر ہوا ہے۔ برہمنی پدرانہ تفوق اعلیٰ ذات کی خواتین کو ورن نظام کے لیے دروازہ تصور کرتا ہے اور اس لیے پورا ڈھانچہ عورت کی صنفی حیثیت کو قابو میں رکھنے پر قائم ہے۔ نیچ ذات کے مرد کی صنفی حیثیت

جس سے کہ اس عورت کی صفائی خون اور بحیثیت مجموعی پوری ذات کی صفائی خون کو خطرہ لاحق ہے۔کو ادارتی حیثیت سے اونچی ذات کی خاتون کے ساتھ شہوانی عمل کو وجود میں آنے سے لازمی طور سے روکنا ہوگا۔ورن آشرم نظام کی برقراری میں رشتوں ناتوں کے گٹھ جوڑ کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوے امبیڈکر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ بین برادری شادی ہی ذات پات کو ختم کرنے کا حقیقی علاج ہے اس کے علاوہ ذات پات کو ختم کرنے کا کوئی طریقہ موثر نہیں ہے۔''

پمفلٹ میں آگے (ہندوؤں میں) بین برادری شادیاں اور خاص طور سے مزعومہ رذیل ذاتوں اور مفروضہ شریف ذاتوں کے ہندوؤں کے درمیان شادیاں ہونے پر جو طوفان بدتمیزی آتا ہے اور اس پر جو واویلا مچایا جاتا ہے، قتل وغیرہ ہوتا ہے ان تمام پر تبصرہ ہے۔پھر آگے لکھا ہے کہ:

"Very often, these transgressions are swiftly punished through brutal violence and the agency that delivers this 'justice' is not merely the family of the girl but the collective power of the upper castes."

جلد ہی بہیمانہ تشدد کے ذریعہ ان خلاف ورزیوں کی پاداش میں تیزی سے سزائیں بھی نافذ ہو جاتی ہیں اور جو ایجنسی اس انصاف کو نافذ کرتی ہے اس کا تعلق صرف لڑکی کے خاندان سے نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ وہ اعلی ذاتوں کی اجتماعی طاقت میں بدل جاتی ہے۔

(۲۸۰) روداد مجلس شوری جماعت اسلامی ہند، بحولہ بالا، مئی ۱۹۶۷ء تا ۱۹۸۹ء، عنوان: مجلس شوری منعقدہ ۱۵ رمئی تا ۲۳ رمئی ۱۹۶۸ء، ۲/۱۶-۱۷۔

(۲۸۱) حوالہ سابق، عنوان: جماعت اسلامی ہند کی پالیسی اور چہار سالہ پروگرام اپریل ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۶ء، ۸۰/۲-۸۳۔

(۲۸۲) جماعت اسلامی ہند کی میقاتی پالیسی اور پروگرام اپریل ۲۰۰۳ء تا مارچ ۲۰۰۷ء جاری کردہ شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند، ص: ۱۵-۱۶، جماعت اسلامی ہند کی میقاتی پالیسی اور پروگرام ۱۹۹۹ء تا مارچ ۲۰۰۳ء جاری کردہ شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند عنوان: ملکی مسائل، ص: ۱۲، ۴، ۵۔

دونوں میقاتوں کی پالیسی اور پروگرام یکساں ہے بلکہ اپریل ۱۹۹۹ء تا مارچ ۲۰۰۳ء کے میقاتی پالیسی پروگرام کو ریوائز (Revise) کرکے اپریل ۲۰۰۳ء تا مارچ ۲۰۰۷ء کا میقاتی پالیسی اور پروگرام کے نام سے شائع کردیا گیا ہے۔صرف چند نکات اور الفاظ کا فرق ہے؛ چوں کہ اپریل ۲۰۰۳ء تا مارچ ۲۰۰۷ء کی پالیسی میں وضاحتی الفاظ زیادہ تھے اس لیے اسی سے عبارت نقل کی گئی ہے۔

(۲۸۳) جناب ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی صاحب سے راقم الحروف کی یہ گفتگو علی گڑھ میں ان کے دولت خانہ (فریدی ہاؤس سرسید نگر علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲) پر ۲۲ رجولائی ۲۰۰۴ء کو عصر اور مغرب کے درمیان ہوئی تھی۔

(۲۸۴) جناب مولانا سلطان احمد اصلاحی سے راقم الحروف کی یہ گفتگو ۲۲ رجولائی ۲۰۰۴ء کو ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، دھر اپی نگر علی گڑھ میں ان کی آفس میں ۱۲ بجے سے ۱ بجے دو پہر کے درمیان ہوئی۔جس کی تفصیل اوپر اسی باب میں حاشیہ میں گزر چکی ہے۔اس وقت راقم الحروف کے گاؤں کے ایک صاحب مولانا محمد جسیم الدین قاسمی متعلم دارالعلوم دیوبند بھی موجود تھے۔

(۲۸۵) یہاں پر صرف جماعت اسلامی کے بعض افراد کا موقف بیان کیا جارہا ہے ورنہ اگر بعض ارکان جماعت کی بات کی جائے تو وہ عملی طور سے مولانا مودودی کی تقلید اور شخصیت پرستی پر عمل پیرا نظر آئیں گے۔

(۲۸۶) مولانا سید نذیر حسین: فتاویٰ نذیریہ (مترجم وہوب) کتاب النکاح، ۲/۵۰۹-۵۱۰، سوال: ۱۰۹

(۲۸۷) حوالہ سابق، ۲/ ۴۷۷-۴۷۸، سوال: ۸۵۔

(۲۸۸) چناں چہ سید صاحب نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

''سوال: زید نے اپنی دختر ہندہ کا نکاح ایک شخص مسمی عمرو سے نیک وصالح **سمجھ کر کردیا۔** بعد میں عمرو مذکور کو نہایت **بدچلن، شراب خور، زانی وقمار باز وغیرہ پایا۔** ایا نکاح قائم رہا یا نہیں، قبل نکاح کے دختر مذکورہ نابالغہ تھی، بعد بالغ ہونے کے وہ اس نکاح سے راضی نہیں ہے، اس بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

جواب: نکاح میں کفاءت فی الدین والتقویٰ کا اعتبار کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے، پس جب زید نے ہندہ کا نکاح عمرو سے **نیک وصالح گمان** کرکے کردیا، پھر بعد میں ظاہر ہوا کہ عمرو بہت بدچلن، شراب خور وزانی وقمار باز وغیرہ ہے اور ہندہ بالغ ہونے کے بعد اس نکاح سے راضی نہیں ہے تو اس صورت میں یہ نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ باطل ہے۔ فقہائے حنفیہ نے بھی ایسی صورت میں بطلان نکاح کی تصریح کی ہے...... حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ (سید ابوالحسن) سید محمد عبدالسلام غفرلہ۔ سید محمد نذیر حسین''

(حوالہ سابق ۲/ ۱۴۷-۱۴۸)

(۲۸۹) موج کوثر بحولہ بالا، باب: حضرت سید احمد شہید اوران کے رفقائے کار۔ عنوان: اہل حدیث ۶۹-۷۰

(۲۹۰) مولانا رفیق احمد رئیس خان سلفی صوبائی جمعیت اہلحدیث مغربی یوپی، نے کفو کی شرط اور زمانہ حنفیت کا فتویٰ ہونے کی بات کہی۔ (مولانا سے یہ گفتگو اہلحدیث لائبریری المکتبہ العلمیہ ۵/ مسلمان منزل جامعہ اردو روڈ، علی گڑھ میں ۹/ جولائی ۲۰۰۴ء کو شام ۸/ بجے ہوئی۔ اس وقت شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لیکچرر ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی بھی موجود تھے) کفو کی شرط کی بنیاد جمعیت اہلحدیث کے موجودہ ناظم مولانا امام اصغر علی مہدی صدیقی سلفی نے بھی کہی۔ (ان سے یہ گفتگو مرکز جمعیت اہلحدیث دہلی میں ۴/ اگست ۲۰۰۴ء کو دو بجے دوپہر میں ہوئی تھی۔) دہلی کے حالات اور سائل کے حنفی ہونے کی بات جمعیت اہلحدیث کے نائب ناظم مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی نے کہی۔ (ان سے گفتگو مرکز جمعیت اہلحدیث دہلی میں ۴/ اگست ۲۰۰۴ء سے ۵ بجے سہ پہر اور ۶/ اکتوبر ۲۰۰۴ء کو ڈھائی سے ۳ بجے دوپہر کے درمیان ہوئی تھی۔) یہاں یہ بھی واضح رہے کہ مولانا رفیق احمد، رئیس خان سلفی اور مولانا رضاء اللہ عبدالکریم سلفی مدنی کے بارے میں، میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ یہ دونوں ذات پات کے خلاف ہیں۔

(۲۹۱) ابو شرحبیل: حلالہ کی چھری، باب: حلالہ معاشرتی حقائق کی دنیا میں، عنوان: حلالہ کا خلاف عقل ہونا، ص: ۱۵۴۔

(۲۹۲) मसावात की जंग op.cit अध्याय: 4 विरासत, बिन्दु: अहले हदीस: तब और अब पृ० 137-38

(۲۹۳) ماہنامہ البلاغ۔ بمبئی، اکتوبر ۲۰۰۰ء، جلد: ۱۱، شمارہ: ۳، ص: ۵۹، ۶۰۔

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کا احیاء سنت

مولانا نے صاف الفاظ میں تو ''اہل حدیث'' کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے: لیکن طرز تحریر، سیاق وسباق سے بالکل واضح ہے کہ وہ صاحب اہل حدیث ہی ہیں۔ ان صاحب کے صاحبزادے سے مولانا ندوی کی ملاقات ایک شادی کی تقریب میں ہوئی تھی۔ [illegible] ساری باتیں انھوں نے مولانا ندوی کو بتائیں کہ برادری میں مناسب رشتہ نہ ملنے کی وجہ

سے ابھی تک ہماری دونوں بڑی بہنوں کی شادی نہ ہوسکی۔" مولانا ندوی اس کے بعد لکھتے ہیں:

"میں نے عرض کیا برادری میں شادی کی یہ شرط کس نے مقرر کی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے یا آپ کی برادری نے، کہا ہم برادری کے نظام سے جکڑے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا معاف کیجیے پھر اسی جاہلی رسم نے آپ کی بہنوں کی زندگی تباہ کی...... یہ ذات برادری کی لعنت آپ لوگوں میں کیسے باقی رہ گئی ہم آپ لوگ تو توحید وسنت کے شیدائی ہیں۔ کہاں گیا آپ کا جذبۂ توحید اور "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" [اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی] کا نعرہ؟ کیا آپ کی برادری اور آپ کی جماعت ذات برادری کو دین وسنت سے بڑھکر سمجھتی ہے؟ کہا مولانا آپ اس قدر ناراض ہیں میں کیا کرسکتا ہوں۔ والد صاحب بھی زندہ نہیں، بہنیں راضی نہیں، برادری ساتھ نہیں دے گی اب صبر کے سوا چارہ کیا ہے۔؟

میں نے کہا جاہلیت کے زمانے میں لوگ گھر کی لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کر کے چھٹکارا حاصل کر لیتے تھے۔ لیکن آپ اور آپ کی برادری نے ان معصوم اور مصیبت زدہ بچیوں کو زمین میں زندہ تو دفن نہیں کیا ہے لیکن گھر کی چہار دیواری کے وسیع قبرستان میں ان کے جذبات کو مردہ کر کے ان سے پاکیزہ زندگی کا حق چھین لیا ہے۔

آپ لوگ مولانا اسمٰعیل شہید کی کتاب "تقویۃ الایمان" قرآن کی طرح عوام میں تقسیم کر کے ثواب حاصل کرتے ہیں، لیکن کیا مولانا اسماعیل شہید کی اور ان کی احیاء سنت کی تحریک پر کبھی بھی عمل کیا ہے۔ اب ہمارے دوست بھی ذرا گرم ہوگئے اور جذبات کے عالم میں بحث ومناظرہ پر اتر آئے فرمانے لگے بار بار مولانا اسماعیل شہید کا نام کیوں لیتے ہیں، اگر ان پر بھی ایسی آزمائش آتی تو وہ آخر کیا کرتے میں نے کہا جو کچھ آزمائش میں انھوں نے کیا، کیا آپ اسے سننا پسند کریں گے؟ کہا مولانا اسماعیل شہید اور ہم۔ ہم تو اس کو بار بار سننا پسند کریں گے۔

میں نے عرض کیا مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ دہلی کی جامع مسجد میں عقد بیوگان کی تحریک پر تقریر فرما رہے تھے ایک صاحب نے وعظ کے دوران ہی انھیں ٹوک دیا۔ مولوی جی! آپ بیوہ عورتوں کی شادی کرانے کی اتنی تاکید فرما رہے ہیں لیکن خود آپ اپنی بیوہ بہن کی شادی کیوں نہیں کراتے جواب بھی آپ کے گھر میں تنہا بغیر شادی کے زندگی گذار رہی ہیں۔

یہ سن کر مولانا اسماعیل صاحب نے اپنا وعظ بند کر دیا اور سیدھے گھر پہنچے اور اپنی پگڑی اتار کر اپنی بوڑھی بیوہ بہن کے قدموں میں ڈال دی اور کہا بہن اسماعیل نے وعظ بند کر دیا اب تم ہی چاہو تو میں وعظ کہہ سکتا ہوں ورنہ اب میری زبان تو بند ہو چکی ہے۔ کہا بھائی جان آپ چاہتے کیا ہیں؟ فرمایا تم شادی کرو اور بغیر شوہر کے زندگی گذارنا ختم کرو۔ کہا بھائی جان آپ کو کہتے ہوئے بھی خراب نہیں لگتا میری عمر ۸۰ سال کی ہو چکی اور آپ اس حالت میں میری شادی کریں گے۔ مولانا نے فرمایا بہن میں یہ سب کچھ نہیں جانتا بیوہ عورت کی شادی کرانا سنت ہے، میں اپنے گھر میں اس سنت کو زندہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہا اگر میری شادی سے آپ کا وعظ شروع ہوسکتا ہے تو میں سنت پر عمل کے لیے حاضر ہوں اور اسی دن مولانا عبدالحی

سنت نے کتاب وسنت کو زندہ کر کے ایک مجاہد اور داعی الی اللہ کی زبان حق کے لیے کھول دی۔ یہ سن کر ہمارے دوست ہکا بکا رہ گئے اور اپنی برادری میں بری رسم پر افسوس کیا۔'' (حوالہ سابق)

(۲۹۴) یہ واقعہ راقم الحروف کو تین حضرات نے تھوڑے اختصار و تفصیل کے ساتھ بتایا۔ ان میں سے ایک تو مولانا کے یہاں کے ہیں۔ دو حضرات اہل حدیث اور اہل حدیث ادارہ سے تعلیم یافتہ ہیں۔ ان تینوں حضرات میں سے اول الذکر انصاری اور دوسرے دونوں شیخ برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اول الذکر صاحب کسی خاص مسلک کے پیرو کار نہیں ہیں۔ انھوں نے تو اور بہت کچھ...... بتایا جو اگر چہ راقم الحروف کی کتاب کے موضوع سے متعلق ہے لیکن ان کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۲۹۵) ان دونوں حضرات سے ملاقات ۴ راگست ۲۰۰۴ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی کی آفس میں دو بجے دوپہر سے پانچ بجے شام کے دوران ہوئی تھی۔

(۲۹۶) مولانا سے یہ گفتگو ۲۶ رجون اور ۱۹ رجولائی ۲۰۰۴ء میں کو اہل حدیث لائبریری ''المکتبۃ العلمیۃ'' ۵ رسلمان منزل، جامعہ اردو روڈ علی گڑھ میں بار ہوئی۔

(۲۹۷) مولانا نے یہ بات ۶ را کتوبر ۲۰۰۴ء کو اپنی آفس۔ مرکز جمعیت اہل حدیث دہلی، میں ڈھائی بجے سے تین بجے دوپہر کے درمیان بتائی۔

(۲۹۸) caste elements among the Muslims of Bihar By:Ziyauddin Ahmad. उद्धृत: मसावात की जंग op.cit पृ०: 137-38

محترم جناب ضیاء الدین احمد صاحب کی بات بعض علاقوں مثلاً مبارک پور، محمد آباد، مئو ناتھ بھنجن، بھدوہی، بنارس، مالیگاؤں کے لحاظ سے تو صحیح ہے کیوں کہ یہاں اہل حدیث حضرات کی اکثریت کا تعلق مزعومہ رذیل برادریوں سے ہے۔ لیکن مجموعی طور سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ کیوں کہ بعض علاقے مثلاً گونڈہ، بستی وغیرہ میں اہل حدیث کی اکثریت کا تعلق مفروضہ طبقہ شرفاء سے ہے۔

> (۲۹۹) ''پھر وہ رف مسودہ اور آئی ہوئی آرا کو ایک کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا گیا جس کے ارکان خود حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب، مولانا احمد سعید علی صاحب، مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب، مولانا نعمت اللہ صاحب مفتی امارت شرعیہ اور یہ حقیر [مولانا سید مجاہد الاسلام قاسمی] تھا۔ خود امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب (جو تفقہ میں ممتاز تھے) ان کی سرپرستی اور نگرانی فرماتے رہتے۔ وقتاً فوقتاً بعض اور علماء کی شرکت بھی ہوتی رہی۔''

(مجموعہ قوانین اسلامی: ترتیب کردہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔ عنوان: پیش لفظ۔ از: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی ص: ۱۲)

(۳۰۰) مولانا سید خالد سیف اللہ رحمانی، ذات پات، یعنی مروجہ فقہی کفو کے خلاف ہیں۔ انھوں نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور صرف دینداری کو ہی قابل اعتبار مانا ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: جدید فقہی مسائل، مطبوعہ ۱۹۹۱ء، عنوان مسئلہ کفاءت۔ جلد دوم۔ لیکن معلوم نہیں کیوں کہ انھوں نے اس کتاب کو مجموعہ قوانین اسلامی کے مسئلہ کفو کی بحث پر کوئی توجہ کیوں نہ دیا؟ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے کیا ہو۔ لیکن ان کی آواز دوسرے علماء کے سامنے دب گئی ہو۔

(۳۰۱) مجموعہ قوانین اسلامی، بحوالہ بالا، پیش لفظ۔ از مولانا مجاہد الاسلام قاسمی ص: ۱۱-۱۴، عنوان: مقدمہ۔ از: مولانا سید ا...

الحسن علی ندوی، ص:۱۵-۲۷۔

(۳۰۲) حوالہ سابق، قانون نکاح، باب ہفتم: کفاءت کا بیان، ص:۹۵-۹۷۔

(۳۰۳) حوالہ سابق۔ قانون فسخ وتفریق، ص:۱۸۷-۱۸۹۔

(۳۰۴) حوالہ سابق، ص:۱۹۰-۱۹۱۔

(۳۰۵) حوالہ سابق، قانون نکاح، باب ہفتم: کفاءت کا بیان، ص:۹۷۔

(۳۰۶) حوالہ سابق، ص:۹۷، حاشیہ۔

(۳۰۷) احناف کے علاوہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ ان میں سے کوئی بھی کفاءت بالاسلام کا اعتبار نہیں کرتا۔ ملاحظہ ہو۔ الدکتور وہبۃ الزحیلی: الفقہ الاسلامی وادلتہ؛ الباب الخامس۔ الکفاءۃ فی الزواج ۷/ ۲۴۲۔

(۳۰۸) حوالہ سابق ۔۷/۲۴۲۔

(۳۰۹) مجموعہ قوانین اسلامی، محولہ بالا، عنوان: پیش لفظ از مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، ص:۱۱۔

(۳۱۰) حوالہ سابق، عنوان: مقدمہ، از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص:۲۳۔

(۳۱۱) حوالہ سابق، عنوان: پیش لفظ، از: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، ص:۱۳۔

(۳۱۲) روزنامہ انقلاب، بمبئی۔ ۲۰ اگست ۲۰۰۱ء، بحوالہ: ماہنامہ البلاغ، بمبئی، ستمبر ۲۰۰۱ء، جلد:۱۲، شمارہ:۲، کالم: مختارات، عنوان: اکثریت کے بل بوتے پر۔ از: مولانا مختار احمد ندوی، ص:۲۷۔

(۳۱۳) سہ ماہی السلام- نئی دہلی، اپریل تا جون ۲۰۰۱ء، جلد:۵، شمارہ:۲، عنوان: مسلم پرسنل لا کیوں؟ ص:۱۱۔

(۳۱۴) سہ ماہی بحث ونظر- نئی دہلی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۰ء، جلد:۴/۱۳، شمارہ:۱۲/ ۵۰، ص:۷۸۔

(۳۱۵) مجموعہ قوانین اسلامی، محولہ بالا، عنوان: مقدمہ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص:۲۳۔

(۳۱۶) حوالہ سابق، ص:۲۵۔

(۳۱۷) حوالہ سابق، عنوان: پیش لفظ، از: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، ص:۱۱-۱۲۔

(۳۱۸) حوالہ سابق، ص:۱۱-۱۲، عنوان: مقدمہ، از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص:۲۱، ۲۴-۲۷۔

(۳۱۹) مولانا حافظ محمد علی حسینی: دین تصوف وطریقت، عنوان: نسب پرستی، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۵-۱۹۸، یہاں صرف مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ تفصیلات کے لیے یہ کتاب ملاحظہ ہو۔

(۳۲۰) مزعومہ رذیل پیشوں سے جڑے ہوئے لوگوں سے مراد پیشہ ور برادریاں اس لیے لیا گیا ہے کہ ہندستان میں برادریاں پیشہ سے بنی ہیں۔ اور ان پیشہ ور برادریوں کو یہاں رذیل ذات ہی نام دیا گیا ہے۔

(۳۲۱) سہ ماہی بحث ونظر پھلواری شریف پٹنہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۲ء، جلد:۵، شمارہ:۱۵، عنوان: عدم کفاءت کی بنا پر فسخ نکاح مرتب: مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، حکم: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، ص:۱۱۴۔

(۳۲۲) عبداللہ دانش: مسلم معاشرے میں برادری عنوان نسب اور فقہی آراء، ص:۲۵۔

(۳۲۳) قاری حبیب احمد: اسلام اور ترقی، مصدقہ، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، عنوان: پیش لفظ، ص:۶۔

(۳۲۴) حوالہ سابق، عنوان: پیش لفظ، ص:۳-۴۔

(۳۲۵) الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی رسول اللہ ﷺ ۱/ ۱/ ۳۵، الصحیح

نمسلم مع شرح النووی، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ ﷺ ۶۷/۱/۱۔

(۳۲۶) اسلام اور ترقی محولہ بالا، عنوان: پیش لفظ، ص: ۳-۴۔

(۳۲۷) حوالہ سابق، ص: ۸-۱۰۔

(۳۲۸) سورۃ الانعام: آیت: ۹۴۔

(۳۲۹) مولانا سید مجیب اللہ ندوی کا تعلق ملکی پٹھان برادری سے ہے، اعظم گڑھ، غازی پور یوپی وغیرہ میں یہ برادری خود کو سید ہی کہتی ہے، اسی لئے مولانا ندوی کو سید لکھا گیا ہے۔

(۳۳۰) مولانا پہلے جماعت اسلامی ہند کے رکن تھے۔ لیکن تصوف کی طرف میلان کی وجہ سے جماعت سے مستعفی ہو گئے اور مسلک دیوبند کے پیروکار ہو گئے۔ جماعت اسلامی چھوڑنے کی مذکورہ بالا وجہ کی طرف انھوں نے خود راقم الحروف سے ایک ملاقات کے دوران۔ جو ۱۹۹۸ء میں جامعۃ الرشاد میں ہوئی تھی۔ اشارہ کیا تھا۔ جناب عرفان احمد جو اسکول آف ایمسٹرڈم نیدرلینڈ، ہالینڈ میں جماعت اسلامی ہند پر پی ایچ ڈی کیا ہے۔ ان سے تو مولانا نے کھل کر اعتراف کیا کہ تصوف کی طرف میلان کی وجہ سے میں نے جماعت اسلامی چھوڑی۔ یہ بات جناب عرفان احمد نے راقم الحروف کو بذات خود جون ۲۰۰۱ء کو جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں بتائی تھی۔

(۳۳۱) مولانا مجیب اللہ ندوی: اسلامی فقہ، باب عقائد و عبادات، عنوان: کفاءت کا بیان ۴۲/۲-۵۶، تاج کمپنی ۳۱۵۱، ترکمان گیٹ دہلی-۶، دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء۔

(۳۳۲) مولانا نے یہ گفتگو ۱۹۹۸ء میں جامعۃ الرشاد میں ان کے دفتر میں ہوئی تھی۔ اس وقت راقم الحروف کے گاؤں کے ایک صاحب مولانا عبدالکریم بھی موجود تھے۔

(۳۳۳) اسلامی فقہ محولہ بالا، عنوان: نسب ۴۷/۲، مولانا مجیب اللہ ندوی: مسئلہ کفاءت، عنوان: نسب، ص: ۱۰۹۔

(۳۳۴) اسلامی فقہ، نماز کا بیان، عنوان: امام کن لوگوں کو بنایا جائے، ۲۲۳/۱-۲۲۴، تاج کمپنی ۱۳۵۱، ترکمان گیٹ دہلی-۶، تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء۔

(۳۳۵) مفتی عتیق احمد بستوی قاسمی، فقہی سیمنار، حقائق اور وضاحتیں۔

(۳۳۶) شہریتہ: البعث الاسلامی، ندوہ العلماء لکھنؤ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ مایو ۲۰۰۲ء، المجلد: ۴۷، العدد: ۷، العنوان: الکفاءۃ، بقلم فضیلۃ الاستاذ عتیق احمد قاسمی، تعریب: محمد سہیل اختر ندوی ص: ۵۵-۶۱۔

(۳۳۷) ماہنامہ ترجمان دیوبند، نومبر ۲۰۰۱ء، ص: ۱۴-۴۶، مئی ۲۰۰۲ء، ص: ۴۳-۴۷، جون ۲۰۰۲ء، محولہ بالا ص: ۴۳-۵۲۔

(۳۳۸) مولانا برہان الدین سنبھلی: معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں، مصدقہ: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، عنوان: کچھ کتاب کے بارے میں، ص: ۹۔

(۳۳۹) حوالہ سابق، باب: شریعت میں نکاح کی اہمیت، ترغیبات، تفصیلات، حکمتیں، عنوان: کفو کی حقیقت اور مصلحت، ص: ۳۵۔

(۳۴۰) حوالہ سابق، حاشیہ: ۱۔

(۳۴۱) حوالہ سابق: عنوان: کچھ کتاب کے بارے میں، از: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صدیقی، ص: ۸۔

(۳۴۲) حوالہ سابق: عنوان: پیش لفظ اور تعارف، از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص: ۳۔

(۳۴۳) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ماہنامہ ''زندگی نو'' نئی دہلی، فروری ۲۰۰۳ء، جلد: ۲۹، شمارہ: ۲، عنوان مسئلہ کفاءت، از: مسعود عالم فلاحی، ص: ۶۰-۷۸۔

(۳۴۴) الصحیح للبخاری، کتاب الاجارۃ: باب: رعی الغنم علی قراریط، ص: ۲/۳/۴۸۔

(۳۴۵) امام ابن ماجہ: السنن: ابواب التجارات: باب: ۵، الصناعات: ۲-۷، رقم الحدیث: ۲۱۶۵۔ امام محمد ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، امام محمد ناصر الدین البانی: صحیح ابن ماجہ: ابواب التجارات: باب: ۵، الصناعات: ۲-۶-۷، رقم الحدیث: ۱۷۴۵۔

(۳۴۶) الصحیح لمسلم مع شرحہ النووی: کتاب النکاح، باب: ندب من رأی فوقعت فی نفسہ الی ان یأتی امراتہ او جاریتہ فیواقعہا، ۵/۹/۱۷۷۔

(۳۴۷) امام حافظ ابن حجر عسقلانی: الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، حرف الزاء، باب: ذکر من اسمہا زینب، ۴/۳۰۸، رقم الاسم: ۴۷۰۔

(۳۴۸) دباغت: چمڑا پکانا اور ''خرز'' چمڑا سلنے کو کہتے۔ اس لیے موچی کو ''خراز'' کہا جاتا ہے، بعض اہل علم نے اس کا ترجمہ مطلق ''سلائی'' سے کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، مولانا عبدالحفیظ بلیاوی: مصباح اللغات: مادہ، خرز و دبغ، ص: ۱۹۶، ۲۲۹، لوئیس معلوف الیسوعی: المنجد فی اللغۃ، مادہ: خرز و دبغ، ص: ۱۷۳، ۲۰۶؛ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۶۰۔

(۳۴۹) امام احمد بن حنبل: المسند، حدیث ابی سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ ۴/۲۷-۲۸۔

(۳۵۰) ماہنامہ اللہ کی پکار- نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۳ء، جلد: ۱۰، شمارہ: ۶۰، عنوان: مسلم پرسنل لا کدھر؟ از: مولانا مقصود الحسن صاحب قاسمی، ص: ۴۹۔

(۳۵۱) मसावात की जंग op.cit अध्याय: 4 सियासत, बिन्दु: एमारत के उलेमा पृ०: 131

(۳۵۲) Tehlka weekly, 18 November 2006, vol. 3, No. 45, Topic: where is my share? p. 14.

(۳۵۳) روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی ۴/دسمبر ۲۰۰۴ء، جلد: ۶، شمارہ: ۱۹۰۱، کالم: مراسلات عنوان: مذہب کے نام پر ریزرویشن کی رٹ، از: انور علی ایڈوکیٹ، ص: ۳۔

(۳۵۴) Radiance viewsweekly, New Delhi, 22-28 Agust 2004, p.4

(۳۵۵) Muslim India Monhtly, New Delhim November 2001, vol xix, No. 227, Topic: Omar Khalidi on Reservation for Muslims, pp.505-6.

(۳۵۶) راشٹریہ سہارا، اردو، نئی دہلی ۲۲/جنوری ۲۰۰۷ء جلد ۸، شمارہ ۲۷۶۳، عنوان: مسلمانوں کے لیے ریزرویشن انصاف کا تقاضا۔

(۳۵۷) قومی آواز نئی دہلی، ۹/مئی ۲۰۰۶ء شمارہ ۱۲۵، ص ۳۔

(۳۵۸) سید صاحب کے الفاظ یہ ہیں ''منڈل کمیشن سے پہلے کئی ریاستوں نے اپنے طور پر مسلمان برادریوں کو او. بی. سی کی فہرست میں داخل کیا، کیرالا میں مسلمانوں کو ریزرویشن دیا گیا اسی طرح تامل ناڈو میں مسلمانوں کے ایک ناکس پسماندہ طبقے کو بھی ریزرویشن ملا۔'' روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی، ۱۰/اگست ۲۰۰۴ء جلد: ۲، شمارہ: ۲، ص: ۱۸۔

(۳۵۹) روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی، ۴/دسمبر ۲۰۰۴ء، حوالہ بالا، ص: ۳۔

(۳۶۰)Muslim India Monthly.November 2001 Op. cit.Annoucement.P.506.

(۳۶۱)راشٹریہ سہارا، اردو، نئی دہلی ۷/اپریل ۲۰۰۶ء، جلد ۷ شمارہ ۲۴۷۳۔

(۳۶۲)دیکھیے منوسمرتی، اردو۔۔

(۳۶۳)تفصیلات کے لیے اس کتاب کے پچھلے ابواب چہارم، پنجم، ششم، ہفتم اور نہم دیکھے جائیں۔

(۳۶۴)Economic and Political weekly, Mumbay, Topic: Moments in a History of Reservation by Bhagwan Das, October 28, 2000, p-3831, Social, Economical and Educational satuts of the Muslims Community of India: A Report [Sachar Committee Report] op.cit., pp.201-2, Journal of Muslim Minority affairs, vol.21, No.2, 2001, Topic: A New Indian Muslim Agenda: The Dalit Muslim and the All India Backword Muslim Morcha, by Yoginder Sikand, pp.290-91, Quoted in htto://tay lorand francis: metapress. com/media/0883/eunrqdrul 8duwih/ contributions/k/4/e/xkyedf11enaamxmw.pdf

(۳۶۵) Social, Economical and Educational satuts of the Muslim Community of India: A Report [Sachar Committee Report] op.cit., pp190-91.

(۳۶۶)روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی ۴/ستمبر ۲۰۰۴ء، محولہ بالا، ص ۳۔

(۳۶۷)روزنامہ قومی آواز نئی دہلی، ۲۲/ستمبر ۲۰۰۴ء، جلد: ۲۵، شمارہ: ۲۵۴، عنوان: مسلمانوں کو ۵ فیصد ریزرویشن کا سرکاری فرمان، اندور ہائی کورٹ نے مسترد کر دیا، ص: ۱۔

آندھرا پردیش کے جس بینچ نے اس کو خارج کیا اس میں جج تھے: مسٹر جسٹس بی سدرشن ریڈی، مسٹر جسٹس بے چلمیشور، مسٹر غلام احمد، مسٹر جسٹس اے گوپال ریڈی اور مسٹر جسٹس کے سی بھانو۔ بینچ نے اس سرکاری فرمان کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ: ''سرکاری فرمان دستور ہند کی آرٹیکل چودہ، پندرہ اور سولہ سے مطابقت نہیں رکھتا ہے۔'' محولا بالا۔

(۳۶۸) روزنامہ سہارا، نئی دہلی اردو۔ ۸/نومبر ۲۰۰۵ء، جلد: ۷، شمارہ: ۲۳۲۵، عنوان: آندھرا میں مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کا معاملہ۔ ریاستی ہائی کورٹ نے آرڈیننس مسترد کر دیا۔ (الفاظ اسی اخبار کے ہیں) ص: ۱، قومی آواز، نئی دہلی ۸/نومبر ۲۰۰۵ء، جلد: ۲۶، شمارہ: ۳۰۱، عنوان: آندھرا پردیش ہائی کورٹ نے مسلم ریزرویشن آرڈیننس مسترد کر دیا ص: ۱۔

The Hindu New Delhi- November 8, 2005, Vol, 128, No.263, Topic; Andhra Pradesh High Court Quashes quota for Muslims. p.6

(۳۶۹)ाज ज त रू 2 ए 1 4 ए 2 3 ए 1 0 4 ऽ म त बी रू त्र ब बी म रू . स न अ प व 6 ळ ि श्र रू पी प द क न ब ब ल 2006 07 06 ऽ ज व त प मे 20060706577060000 ज ज न च त म रु ब व न त ज उ ने स त त तअ मे ज प प द प द । च–ौ स त्र म द – ह ज त्र प द – ब ज त्र ब स ओ - ब क 4

(۳۷۰)जीम भ्प्दकन छ्मू कमसीप श्रनसलए 27ए 2006ण

(۳۷۱)Social, Economical and Educational satuts of the Muslim Community of India: A Report [Sachar Committee Report] op.cit., p.193.

(۳۷۲)मसावात की जंग op.cit पृ० 116,132-33,136, 148, 172, 174-179, 181, 185-90ए199 204,239-247,मासिक पसमाँदा आवाज,पटना,मार्चर2005,वर्ष 2अंक 3,पृ० 17

جمعیت اہل حدیث کے سابق صدر مولانا مختار احمد ندوی مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ [illegible]

میں ہیں۔ سہواً علی انور صاحب نے ان کو مفروضہ طبقہ شرفاء میں شامل کیا ہے۔ جب کہ وہ انصاری ہیں۔ میں نے اصل چیز کا لحاظ کر کے فہرست تیار کی ہے۔ بہار اسمبلی ۲۰۰۵ء میں مفروضہ طبقہ شرفاء کے گیارہ اور پس کردہ برادریوں کے سات افراد الیکشن میں کامیاب ہوئے تھے۔ بعد وہ وہاں صدر راج نافذ ہو گیا تھا لیکن فہرست میں ان کے نام بھی شامل کیے گئے ہیں۔

(۳۷۳) بعض اداروں اور تنظیموں کے بانیان کے سلسلہ میں اختلاف روایات پایا جاتا ہے، بعض ادارہ اور تنظیم کے بانی کوئی دوسرے ہیں؛ لیکن اس ادارہ اور تنظیم کو جن لوگوں نے اصل رخ دیا ہے ان کی خدمات کا اعتبار کر کے انھیں کو اصل بانی مان لیا گیا ہے۔ ان چیزوں کا لحاظ کر کے فہرست تیار کی گئی ہے۔

ایس آئی ایم (اسٹوڈینٹس اسلامک مومنٹ آف انڈیا) کو ۲۷ ستمبر ۲۰۰۱ء میں حکومت ہند نے ممنوع قرار دیا اس وقت اس کے صدر ڈاکٹر شاہد بدر فلاحی تھے۔ ایس آئی او کا پورا نام ''اسٹوڈینٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا'' اور آئی او ایس کا پورا نام ''انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز'' ہے۔

(۳۷۴)Social, Economical and Educational satuts of the Muslim Community of India A Report [Sachar Committee Report] op.cit., pp.211-13.

(۳۷۵) روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی، ۱۳ ستمبر ۲۰۰۶ء، جلد: ۶، شمارہ: ۱۹۱۰، ص: ۳۔

(۳۷۶)Kr. Suresh Singh Report of SC, pp.8,11-13, 73, 127, 194, 234, 251, 334, 360, 396, 442, 627, 637, 646, 726, 776, 778, 802, 811, 900, 956, 978, 985,988, 1070, 1095, 1108, 1189, 1194, 1310,. Quoted in Comparative chart- national, Professionaly Equivalent caste in Hindus & Reservation for the them, prepared by Dr. M. Ajaz Ali. National Convenor All India Backword Muslim Morch.

(۳۷۷)Economic and Political weekly Mumbay, October 28, 2000 op.cit. Jaurnal of Muslim Minority Affairs, vol.2, No.2, 2001, Qoutaed in http:// tay lorand francis:metapress.com/ media/0883/ eunrqdrul 8duwih/contribution/k/4/e/xkuedf11enaamxmw.pdf, Social, Economical and Educational satuts of the Muslims Community of India: A Report [Sachar Committee Report] op.cit., pp. 201-202.

(۳۷۸)Social, Economic and Educational status of the Muslim community of India: A Report, op.cit. p.195.

(۳۷۹) ماہنامہ اللہ کی پکار، ستمبر ۲۰۰۵، جلد: ۱۳، شمارہ: ۸۶، باب: تبصرے اور جائزے، عنوان: سچائیوں پر سے نقاب کشائی حقیقت پر مبنی ہے۔ ص: ۱۱۲، ۱۱۳۔

(۳۸۰) عبداللہ دانش: مسلم معاشرے میں برادری واد۔ عنوان: مسلم معاشرے میں برادری واد، ص: ۵-۷ Caste and Social stratification among Muslims in India میں یہ مضمون صفحہ ۱۹-۳۹ پر ہے۔ لیکن چوں کہ جناب عبداللہ دانش نے اس کے ضمن میں مولانا سید مجاہد الاسلامی قاسمی کے حوالہ سے بارہ بنکی کا بھی ذکر کیا، چونکہ اسے بھی اس جگہ شامل کرنا تھا لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ عبداللہ دانش صاحب کی کتاب سے ہی واقعہ نقل کر دیا جائے۔

(۳۸۱)समानता की जंग op.cit, अध्याय 2, बिन्दु: समाजी मान की ऊँची नीची, पृ० 67-68.

(۳۸۲)Ghaus Ansari: Muslim caste in UP: a study of culture contact, Quated in Parimal B.Kar: Society a study of social interaction. ch.ii,

social stratification p.253.

(۳۸۳) मसावात की जंग, op.cit पृ० 65-66

(۳۸۴)वही, अध्याय : 2 हकीकत, बिन्दु : सामंती मिज़ाज यहां भी पृ० 68 69

(۳۸۵)راقم الحروف کو یہ واقعات فیلڈ ورک کے دوران ان لوگوں نے بتائے جن کی رشتہ داریاں ''جھنگی'' گاؤں میں ہیں اوران لوگوں نے بھی بتائے جن کا وہاں آنا جانا لگا رہتا ہے۔

(۳۸۶)मसावात की जंग, op.cit पृ० 68-69.

(۳۸۷)Caste and Social stratification among Muslims in India, op.cit, Topic: Caste among Muslims of culcutta by: M.K.A. Siddiqui, p.257.

(۳۸۸)ماہنامہ آثار جدید، مئوناتھ بھنجن ،مئو،مئی جون جولائی ۲۰۰۶ء، جلد ۲۴،شمارہ ۵-۷۔

(۳۸۹)بی۔بی۔سی۔(B.B.C) ہندی-۴/مارچ ۱۹۹۸ء ،بروز بدھ شب ۳۰-۱۰، گھنٹا چکر ۵/مارچ ۱۹۹۸ء بروز جمعرات صبح ۱۵-۶، وشو بھارتی ،انڈین نیوز ٹی۔وی چینل، زی نیوز (ہندی) نئی دہلی، ۵/مارچ ۱۹۹۸ء بروز جمعرات، شب ۳۰-۹۔

(۳۹۰)بی۔بی۔سی (ہندی) ۵/مارچ ۱۹۹۸ء بروز جمعرات صبح ۱۵۔۶ وشو بھارتی۔

(۳۹۱)بی۔بی۔سی۔(اردو) ۵/جولائی ۲۰۰۲ء بروز جمعہ۔شب ۱۱، شب نامہ، ۸/جولائی ۲۰۰۲ء بروز سوموار شب ۳۰-۸، سیربین (اردو) ۱۳/جولائی ۲۰۰۲ء بروز سنیچر، شب ۳۰-۷، گھنٹا چکر (ہندی) ۱۰/اگست ۲۰۰۲ء بروز سنیچر شب ۱۱، شب نامہ (اردو)۔ روز نامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی، ۳/جولائی ۲۰۰۲ء جلد: ۴، شمارہ: ۱۱۱۹، ص:۸، ۷/جولائی ۲۰۰۲ء جلد: ۴، شمارہ: ۱۱۲۳، ص:۸، ۲۸/جولائی ۲۰۰۲ء، جلد: ۴، شمارہ: ۱۱۴۴، ص:۸، ۲/ستمبر ۲۰۰۲ء، جلد: ۴، شمارہ: ۱۱۸۰، ص:۱، قومی آواز-نئی دہلی، ۱۰/مارچ ۲۰۰۵ء، جلد: ۲۶، شمارہ: ۶۶، عنوان: پاکستان میں مختاران مائی کی عصمت دری کا معاملہ مزید گرم، ص:۴، ۲۲/مارچ ۲۰۰۵ء، جلد: ۲۶، شمارہ: ۷۸، کالم: مراسلات، عنوان: حقائق سے چشم پوشی کیوں؟ از: غلام ربانی، ص:۳

The Times of India New Delhi July 6,2002, P.11,July 8,2002, p.15, ND TV24x7-New Delhi,Indian English news Channel,13.03.2005,9-30 p.m. The Indian Express- New Delhi,March10,2005.Vol. Lxxiii, No.105, Col:The open page, Topic: Mukhtaran's Choice by: Nicholas D Kristof, p.7,The Hindu-New Delhi, March 20, 2005,vol.128, No.12,Issn 0971751x Col. Magazine, Topic:Inspiration from Pakistan by: Kalpana Sharma, p.3.

(۳۹۲)Asian Age-New Delhi,September 19, 1998.Topic:Death stalks couple for breaking marriage traditions.

(۳۹۳)جمعیۃ علماء ہند کے ناظم نشر و اشاعت مولانا عبدالحمید نعمانی (قاسمی) نے جمعیت کے جنرل سکریٹری مولانا سید محمود مدنی کے حوالے سے یہ واقعہ راقم الحروف کو ایک ملاقات کے دوران بتایا، جس دن یہ حادثہ ہوا اس دن مولانا مدنی محلہ خالہ پارہ (مظفر نگر) میں تھے، اس کے بعد مسلمانوں کی صورت حال پر تشویش کی وجہ سے مولانا مدنی کو کئی دنوں تک نیند نہیں آئی تھی۔ (مولانا نعمانی صاحب سے راقم الحروف کی یہ ملاقات ۲۳/جولائی ۲۰۰۴ء بروز جمعہ جمعیت علماء ہند کے استقبالیہ روم میں دس بجے صبح سے ایک بجے تک ہوئی، اس وقت راقم الحروف کے ساتھ ان کے گاؤں کے ایک صاحب مولانا محمد جسیم الدین قاسمی متعلم دارالعلوم دیوبند اور ضلع ارریہ (بہار) کے دو صاحبان بھی تھے۔)

(۳۹۴)मसावात की जंग, वचणबपज पृ० 66.

(۳۹۵)वही, वचपबपज पृ० 65-67.

(۳۹۶)مسلم معاشرہ ~~...~~ و، محولہ بالا، عنوان: ذات پات اور مسلم سیاست، ص:۳۸-۳۹۔

(۳۹۷) ماہنامہ اللہ کی پکار، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۰۵ء، جلد: ۱۴، شمارہ: ۸۷، عنوان: تصویر کا دوسرا رخ، ص: ۱۰۴۔

(۳۹۸) سنن جامع الترمذی، ابواب الفتن عن رسول اللہ ﷺ...... باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، رقم الحدیث: ۲۱۶۷۔

(۳۹۹) ماہنامہ ترجمان دیوبند، نومبر ۲۰۰۱ء، نوٹ، ص: ۴۱۔

(۴۰۰) مولانا محمد عثمان حسینی مالیگانوی: کتاب نہایات الارب فی غایات النسب - الکاسب حبیب اللہ کو جھٹلانے والے علماء، مفتی دارالعلوم دیوبند اور مساوات اسلامی - عنوان: مقدمہ، ص: ۱۔

(۴۰۱) حوالہ سابق، ص: ۱۔

(۴۰۲) حوالہ سابق، ص: ۷۔

(۴۰۳) رسالہ مساوات اسلامی کی بعض روایات کے متعلق ایک سوال کا مفصل جواب، محولہ بالا، عنوان: نوٹ، حاشیہ، ص: ۱

(۴۰۴) حوالہ سابق، ص: ۱۔

(۴۰۵) کفایت المفتی، کتاب العقائد، محولہ بالا، گیارہواں باب ۱/ ۲۲۶-۲۶۸، اس کے علاوہ اس میں بہت سے ایسے فتاوے ہیں جو مفتی محمد شفیع صاحب کی پیش کردہ احادیث اور دلائل کے تعلق سے ہیں: لیکن سائل نے مفتی صاحب کا نام نہیں لیا ہے، مگر مفتی صاحب کی کتاب اور ان فتاوٰں کے مطالعہ سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ وہ مفتی صاحب ہی کے خلاف ہیں۔

(۴۰۶) روزنامہ قومی آواز - نئی دہلی، یکم نومبر ۱۹۹۴ء، عنوان: مراسلات - ریزرویشن، از: عبدالحمید نعمانی۔

(۴۰۷) ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل، محولہ بالا، ص: ۳۴۸۔

(۴۰۸) ماہنامہ ترجمان - دیوبند، محولہ بالا، جولائی ۲۰۰۲ء، ص: ۴۶۔

(۴۰۹) مولانا محمد حیات سنبھلی: رفع النقب عن النسب والکسب، معروف بہ: بہار صنعت وحرفت - مولانا نے پوری کتاب میں کہیں بھی نہیں لکھا ہے کہ یہ کتاب مولانا مفتی محمد شفیع کے جواب میں ہے: لیکن مفتی صاحب کی کتاب کے تمام دلائل کا انھوں نے ایک ایک کر کے تجزیہ کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ کتاب مفتی صاحب کے رد میں لکھی ہے۔

(۴۱۰) انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت، محولہ بالا، یہ کتاب اسی زمانہ میں لکھی گئی تھی مگر منظر عام پر ۱۹۹۹ء میں آئی ہے۔

(۴۱۱) ماہنامہ ترجمان - دیوبند، جولائی ۲۰۰۲ء، ص: ۴۵-۵۱۔

(۴۱۲) مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری: فتاوی ثنائیہ، باب ہشتم کتاب النکاح ۲/ ۱۸۰-۱۸۱۔

(۴۱۳) حوالہ سابق ۲/ ۱۸۸-۱۸۹۔

(۴۱۴) ماہنامہ معارف - دارالمصنفین، اعظم گڑھ، جون ۱۹۲۸ء، جلد: ۲۱، شمارہ: ۶، ص: ۴۰۳۔

(۴۱۵) اخبار اہل حدیث ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ، بحوالہ: فتاوی ثنائیہ محولہ بالا، باب ہشتم، کتاب النکاح، عنوان: مسئلہ کفاءت اور اسلام، از: مولانا عبدالجلیل ۲/ ۱۸۱-۱۸۲۔

(۴۱۶) یہ قرارداد ۱۹۴۰ء کی ہے اور اگلی تجویز جو نقل کی جائے گی ۱۹۴۲ء کی ہے، مولانا کی خود نوشت سوانح "نقش حیات" (مطبوعہ ۱۹۵۳ء) ان قراردادوں کے بعد کی ہے جس میں انھوں نے دبے لفظوں میں ذات پات کو منظوری دے دی ہے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(۴۱۷) جمعیۃ العلماء ہند کیا ہے؟ محولہ بالا، اجلاس دوازدہم جمعیۃ علماء ہند، ص: ۲۱۸، تجویز نمبر ۵/ ۷، پیشہ ور برادریوں کی

پوزیشن ۲/ ۲۱۸۔

(۴۱۸) حوالہ سابق، مرکزی جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس سیزدہم، تجویز: ۹، ۲/ ۲۴۳، جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سیزدہم منعقدہ لاہور کی مختصر رپورٹ، [مصنف غیر معلوم] تجویز: ۷، ص: ۱۱-۱۲۔

(۴۱۹) مولانا عبدالحمید نعمانی، ناظم نشر واشاعت جمعیۃ علماء ہند- نے لکھا ہے کہ یہ تجویز متفقہ طور پر پاس ہوئی تھی۔ روزنامہ قومی آواز- نئی دہلی، یکم نومبر ۱۹۹۴ء، عنوان: مراسلات: ریزرویشن، از: عبدالحمید نعمانی۔

(۴۲۰) مولانا اعزاز علی اور مولانا قاری طیب صاحب کے آگے صرف دیوبند لکھا ہے۔ جب کہ بعض حضرات کے ساتھ پورا تعارف بھی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اس وجہ سے بالکل واضح نہیں ہے کہ مولانا اعزاز علی اور مولانا قاری طیب وہی حضرات ہیں جنھوں نے مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب کو صحیح قرار دیا تھا یا کوئی اور۔

(۴۲۱) جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سیزدہم منعقدہ لاہور کی مختصر رپورٹ، عنوان: فہرست شرکاء اجلاس ارکان مرکزیہ، ص: ۱۷-۱۹۔

(۴۲۲) مولانا شبیر احمد عثمانی: فوائد عثمانی علی ترجمۃ القرآن الکریم لشیخ الہند العلامہ محمود الحسن، سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۶، ص: ۵۶۲۔

(۴۲۳) مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی: تذکرۃ النساجین (دست کار اہل شرف) ص: ۱۱۸۔

(۴۲۴) سہ ماہی المآثر، مئوناتھ بھنجن، مئی تا جولائی ۱۹۹۹ء، محولہ بالا، ص: ۲۱۴۔

(۴۲۵) حوالہ سابق، نوٹ، ص: ۴۰، مثلاً مسلم پرسنل لا بورڈ میں باب کفو، انساب و کفاءت کی شرعی حیثیت، کی اشاعت کا محرک بھی یہی سیمینار تھا۔ حوالہ سابق، جلد: ۹، شمارہ: ۳، عنوان: میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند، از: ڈاکٹر مسعود احمد اعظمی۔

(۴۲۶) ماہنامہ البلاغ- بمبئی، اکتوبر ۲۰۰۰ء، محولہ بالا، ص: ۵۹-۶۰۔

(۴۲۷) حوالہ سابق، ستمبر ۲۰۰۱ء، جلد: ۱۲، شمارہ: ۲، عنوان: مختارات: اکثریت کے بل بوتے پر، از: مولانا مختار احمد ندوی، ص: ۲۷-۲۹۔

(۴۲۸) ماہنامہ اللہ کی پکار، جنوری ۲۰۰۵ء، جلد: ۱۳، شمارہ: ۱، کالم: ملکی اور عالمی خبریں، عنوان: پس ماندہ طبقات برادریوں کی عصبیت سے باہر نکلیں، ص: ۱۰۱۔

(۴۲۹) مولانا صدرالدین اصلاحی: نکاح کے اسلامی قوانین، عنوان: کفاءت، ص: ۶۵۔

(۴۳۰) حوالہ سابق، ص: ۶۵، حاشیہ: ۲۔

(۴۳۱) ماہنامہ ''زندگی نو'' نئی دہلی، دسمبر ۲۰۰۱ء، جلد: ۲۷، شمارہ: ۱۲، عنوان: اسلام پر اعتراضات اسباب اور تدارک، از: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، ص: ۴۴۔

(۴۳۲) اندرون خانہ جن حضرات نے راقم الحروف کے مضامین شائع کرنے پر ڈاکٹر صاحب کی مخالفت کی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

شعبہ تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند دہلی کے سابق سکریٹری جناب ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی، (مقیم مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی) مولانا سید جلال الدین انصر عمری صاحب کے اسسٹینٹ، مولانا محمد شیث محمد ادریس صدیقی (مقیم مرکز جماعت اسلامی ہند) وغیرہ۔ دیکھیے بالترتیب: ''ماہ نامہ زندگی نو'' نئی دہلی، اکتوبر ۲۰۰۰ء، جلد: ۲۶،

شمارہ:۱۰، عنوان: مراسلات، مراسلہ-از: ڈاکٹر سید عبدالباری، ص:۶۶-۰۷، جنوری ۲۰۰۲ء، جلد:۲۸، شمارہ:۱، عنوان: مراسلات، مراسلہ-از: محمد شیث محمد ادریس تیمی، ص:۶۷-۷۷۔

(۴۳۳) حوالہ سابق، اگست ۲۰۰۰ء، جلد:۲۶، شمارہ:۸، عنوان: فلسفہ ذات پات اور بعض علمائے دیوبند، از: مسعود عالم فلاحی، ادارتی نوٹ، از: ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی، ص:۳۳-۳۵۔

(۴۳۴) حوالہ سابق، ستمبر ۲۰۰۲ء، جلد:۲۸، شمارہ:۹، عنوان: مسئلہ کفاءت، از: مسعود عالم فلاحی، ادارتی نوٹ، از: ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی، ص:۶۲-۶۳۔

(۴۳۵) حوالہ سابق، جون ۲۰۰۱ء، جلد:۲۷، شمارہ:۶، عنوان: اشارات۔از: ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی، ص:۱۳۔

(۴۳۶) س کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو، اس کتاب کا باب چہارم اور باب دہم، عنوان: نومسلموں کے مسائل اور ان کا حل۔ کچھ تفصیلات اس باب میں آگے آرہی ہیں۔

(۴۳۷) سہ ماہی اسلام اور عصر جدید، جنوری (جنوری تا مارچ) ۱۹۷۵ء، جلد:۷، شمارہ: ۱، عنوان: مسلمان اور روح جمہوریت، از: ڈاکٹر سید عابد حسین، ص:۶-۰۷۔

(۴۳۸) مولانا حافظ سید محمد علی حسینی: دین تصوف وطریقت، عنوان: تعارف مصنف، از: محمد کامل ارشد، ص:و۔

(۴۳۹) حوالہ سابق، ص:ز۔

(۴۴۰) حوالہ سابق، عنوان: نسب پرستی، ص:۱۸۶-۱۸۷، ۱۹۷، ۲۰۱-۲۰۳۔

باب دھم

اشاعت اسلام کی راہ میں نئی رکاوٹیں

اشاعت اسلام کے سیلاب کا خوف منوواد یت کے علمبرداروں کو ہمیشہ پریشان کیے رہتا تھا، جیسا کہ ان کا تبدیلی مذہب مخالف موقف اوپر تفصیلاً گزر چکا ہے۔ اس لیے وہ مسلسل اس فکر میں رہے کہ کس طرح سے اس (اشاعت اسلام) کی روک تھام کی جائے، آخر کار اس کے لیے ان لوگوں نے متعدد طریقے اختیار کیے جو مندرجہ ذیل ہیں:

تبدیلی مذہب پر قانونی بندشیں

سب سے پہلے قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ تبلیغ مذہب اور تبدیلی مذہب پر قدغن لگانے کی کوشش کی گئی۔ چناں چہ جب بھارت کا دستور[1] بن رہا تھا اس وقت دستور ساز کمیٹی کے ممبران کے سامنے اس معاملہ پر بحث کے دوران مندرجہ ذیل نکات پر غور کیا جانا تھا:

۱- کیا آزاد ہندستان میں ہر ہندستانی کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی آزادی ہو؟

۲- کیا لوگوں کو تبدیلی مذہب کی آزادی ہو؟

۳- کیا اس تبدیلی مذہب سے ملک کا جمہوری ڈھانچہ برقرار رہے گا اور ملک میں تبدیلی مذہب کا مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک الگ اقلیتی کمیٹی بھی اس مسئلہ پر غور کر رہی تھی۔ اس نے متفقہ طور سے تبلیغ اور تبدیلی مذہب کی اجازت دی۔ مگر دستور ساز کمیٹی میں اس بات پر اختلاف تھا۔ پھر بھی لمبی بحث کے بعد دستور کی دفعہ ۲۵ پاس کی گئی جس میں تبلیغ و تبدیلی مذہب دونوں کی آزادی دی گئی اور مذہبی بنیاد پر تفریق کی مخالفت کی گئی؛[2] لیکن تبدیلی مذہب کی آزادی کی بات پر ہمیشہ شک و شبہات کے بادل منڈلاتے اور چھاتے رہے۔ خود پنڈت جواہر لال نہرو جی کے زمانہ سے ہی معاملہ کو ہر دو طریقے سے سمجھایا گیا۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ اس کا مطلب صرف تبلیغ کی آزادی ہے دوسرے گروہ کا کہنا تھا کہ اس کا مطلب تبلیغ اور تبدیلی دونوں کی آزادی ہے۔ بعد میں باضابطہ طور سے سپریم کورٹ کا سہارا لیا گیا۔ چناں چہ ۱۹۷۱ء میں اڑیسہ اور مدھ پردیش اسمبلیوں میں تبدیلی مذہب مخالف ایکٹ پاس کیا گیا اور نافذ بھی کیا گیا۔ اس کے خلاف سپریم کورٹ میں پٹیشن داخل کی گئی، لیکن جنوری ۱۹۷۷ء میں سپریم کورٹ نے اس قانون کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس پٹیشن کو خارج کر دیا اور اپنے فیصلہ میں کہا۔

''دستور میں جو تبلیغ کی آزادی ہے اس کا مطلب یہ نہ لگایا جائے کہ تبدیلی مذہب کی آزادی ہے۔''

جسٹس آر ایس سرکار کہتے ہیں کہ:

''دستور کا اپنے حساب سے مطلب نکالنا غلط ہے، دستور کے من مانی مطلب نہیں لگائے جاسکتے دستور میں موجود تبلیغ مذہب کی آزادی کا منشا مذہب کی تبدیلی کی آزادی قطعی نہیں ہے۔'' (۳)

دستور کی دفعہ ۲۵ کا مطلب تبدیلی مذہب بھی ہے یا نہیں اس اختلاف سے قطع نظر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس کا مطلب تبدیلئ مذہب بھی ہے جو واقعی ہے بھی تب بھی اس دستوری دفعہ سے کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ اس دفعہ کو دوسرے دفعات کے ذریعے نہ صرف بے اثر کر کے ہندوؤں اور بطور خاص دلتوں کو تبدیلی مذہب سے روک دیا گیا ہے۔ بلکہ دوسرے مذاہب والوں کو بھی ہندو بنانے کی چال چلی گئی ہے۔ چناں چہ دستور کی دفعہ ۲۵ مذہب کی تبلیغ اور ماننے کی آزادی دیتی ہے اور مذہبی بنیادوں پر تفریق کی مخالفت کرتی ہے۔ نیز چھوا چھوت مخالفت قانون مجریہ ۱۸۵۰ء مذہب کی تبدیلی کی بنا پر کسی کے حقوق کو چھیننے والے قانون یا رسم ورواج کا مخالف ہے۔ مگر ۵۶-۱۹۵۴ء میں جاری ہندو پرسنل لا جو بودھ، جین، سکھ ،لنگایت تمام مذاہب پر یکساں لاگو ہوتا ہے اور ان سبھی کے واسطے صرف یہی ایک واحد قانون ہے۔(۴) کے زیادہ حصے اس کے خلاف ہیں، مثلاً کوئی بھی ہندو باپ اپنا مذہب تبدیل کر کے عیسائی یا مسلم ہوتا ہے تو وہ اپنے بچوں پر اپنا حق کھو دیتا ہے۔ اگر ہندو کسی غیر مذہب مسلم یا عیسائی لڑکی سے شادی کرے گا تو صرف جائداد میں حصہ لے سکتا ہے، باقی خاندان سے اس کا رشتہ قانوناً ختم ہوگا، یہ تو تب ہے جب وہ اپنا مذہب تبدیل کیے بغیر دوسرے مذہب کی لڑکی سے شادی کرے گا، اگر وہ خود بھی مذہب تبدیل کرلے تو اپنی بیوی کو طلاق دینی پڑسکتی ہے، بچوں پر حق ختم ہو جائے گا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عام قانون کے مطابق بچے باپ کے مذہب پر مانے جاتے ہیں مگر عیسائی یا مسلم ہونے پر اس کا یہ حق ختم ہوگا اور بچہ کی دیکھ ریکھ ہندو ماں کرے گی، پھر عیسائی یا مسلم ہونے کے بعد وہ اپنا بچہ کسی کو گود نہیں دے سکتا، اگر بیوی طلاق لیتی ہے تو مرتے دم تک نان نفقہ بھی لے گی۔ (۵)

اوپر گذر چکا ہے (۶) کہ آئین کی جو دفعہ شیڈولڈ کاسٹ (SC) کی مراعات سے متعلق ہے۔ پہلے ۱۹۳۵ء میں تمام مذہب والوں کے لیے تھی۔ لیکن ۱۹۵۰ء میں اسے صرف ہندو دلتوں کے لیے خاص کر دیا گیا اور ہندو دھرم چھوڑنے کی صورت میں ان مراعات کے چھن جانے کی شرط لگادی گئی اور دوسرے مذاہب والوں سے کہا گیا کہ اگر وہ ۱۹۵۰ء کے بعد سے ان سہولیات کو چاہتے ہیں تو انھیں ہندو

بنا پڑے گا بعد میں جو اقلیتی فرقے ہندو مذہب میں مدغم ہوتے گئے ان کو اس زمرہ (دفعہ) میں شامل کیا جاتا رہا اور مراعات دی جاتی رہیں؛ چناں چہ ۱۹۵۶ء میں سکھ مت کو اور ۱۹۹۰ء میں بودھ مت کو اس دائرہ میں داخل کیا گیا۔(۷)

بالواسطہ طور پر تبدیلی مذہب مخالف قوانین سے بات نہ بنی اور ان (قوانین) کے باوجود ہندو دھرم تبدیل کرتے رہے تو براہ راست تبدیلی مذہب مخالف قوانین اور ایکٹس (Acts) پاس کیے گئے، چناں چہ ۱۹۷۶ء میں اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کی اسمبلی میں تبدیلی مذہب مخالف ایکٹ پاس ہوا جس کی حمایت سپریم کورٹ نے بھی جنوری ۱۹۷۷ء میں کی۔(۸) اس کے بعد گجرات میں اس طرح کا قانون بنا(۹)۔حالیہ چند سالوں ۱۹۹۹ء سے (جب بی جے پی کی مرکز میں حکومت آئی) ہندتو علمبردار تنظیمیں اور ذات پات کے حامی، سنگھی ہندو لیڈران اور دانشوران بڑے زور و شور سے ایک نئے قانون بنانے کی مانگ کر رہے ہیں جس کے تحت پورے ہندستان میں کسی بھی ہندو کو تبدیلی مذہب کی اجازت نہ ہو۔ مگر دوسری طرف دوسروں کی مذہبی تبلیغ بند کرا کر اپنے لیے ''گھر واپسی'' یا ''شدھی کرن'' کے نام پر چور دروازہ کھلا رکھنا چاہتے ہیں۔ تا کہ مسلمان اور عیسائی کو ہندو بنایا جاتا رہے۔ تبدیلی مذہب پر دوبارہ بحث کی مانگ خود حکمراں پارٹی بی جے پی کے وزیر اعظم جناب اٹل بہاری واجپائی جی نے اٹھائی تھی۔(۱۰) اس کے بعد آندھرا پردیش کی برہمن ذات کی وزیر اعلی جے للیتا جی نے تبدیلی مذہب مخالف بل پاس کرایا۔(۱۱) جس کی وجہ سے ہندتو کی علمبردار حضرات اور تنظیموں نے اس کی خوب تعریفیں کیں اور اس کو پورے ہندستان میں نافذ کرنے کی مانگ کی۔ ۷/اپریل ۲۰۰۶ء کو راجستھان کی بی جے پی حکومت نے تبدیلی مذہب مخالف بل پاس کیا۔

ان قوانین اور ایکٹس (Acts) میں کہا گیا ہے کہ دھوکہ دھڑی، فراڈ اور لالچ دے کر کسی ہندو کا مذہب تبدیلی کرانا جرم ہے اور اگر کسی کو دھرم تبدیل ہی کرنا ہے تو اسے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اس تبدیلی مذہب کی اجازت لینی ہوگی۔ مگر اس قانون پر عمل اسی صورت میں کیا جاتا ہے جب کوئی ہندو اور دلت ،اسلام اور عیسائیت قبول کرتا ہے۔ اگر کوئی بودھ، جین، سکھ اور لنگایت وغیرہ مذاہب اختیار کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس قانون پر عمل نہیں کیا جاتا ہے، کیوں کہ برہمنیت نے ان مذاہب کو بھی ہندو مذہب میں ضم کر رکھا ہے، جس کی تفصیلات اس کتاب کے باب دوم: آریہ کے خلاف مختلف تحریکات کا ظہور، زیر عنوان جین مت، بدھ مت، زوال اور مغلوبیت۔ باب ششم برہمی تحریکات کا ظہور۔ سکھ مت کے عنوان کے تحت گذر چکی ہیں۔ اس کا اعتراف و اقرار خود ہندتو کی علمبردار تنظیمیں، ہندو لیڈران اور پولیس افسران گاہ بگاہ

کرتے رہے ہیں۔

چناں چہ ۴/نومبر ۲۰۰۱ء کو دہلی کے اندر "رام راج" (اب ان کا نام ہے "اودت راج") کی قیادت میں ہزاروں دلتوں کے بودھ دھرم قبول کر لینے کے بعد، دلت لیڈران کی جانب سے اعلان کیا گیا تھا کہ ۷/نومبر ۲۰۰۱ء کو صوبہ بہار کے "گیا" ضلع میں ہزاروں دلت بدھ مذہب قبول کریں گے۔ اس پر ہندتو کی علمبردار تنظیموں اور لیڈروں نے کسی قسم کا ہنگامہ نہیں کیا، بلکہ بہار۔ وشو ہندو پریشد کے صدر "مسٹر اودے کمار ورما" نے کہا:

"جو لوگ "دیکشا" کے ذریعہ بدھ دھرم میں داخل ہوے ہیں، وہ جین اور سکھ فرقوں کی طرح وسیع تر ہندو برادری کا ہی حصہ رہتے ہیں، صرف ان کے پوجا کے طریقے تبدیل ہو جاتے ہیں۔" (۱۲)

صوبہ گجرات۔ (جو ہندتو کی آماجگاہ، تجربہ گاہ اور فیکٹری ہے اور جہاں تبدیلی مذہب قوانین پر سختی سے عمل ہوتا ہے۔) میں جب ۱۵/اکتوبر ۲۰۰۳ء کو "آل انڈیا بودھ کونسل" کے تحت منعقد "تبدیلی مذہب پروگرام" میں تقریباً تیس ہزار دلتوں نے بودھ مت قبول کیا اور بودھ کونسل کی گجرات یونٹ کے انچارج "بھنتے سنگھ پریئے" نے اعلان کیا کہ ۲۰۰۴ء تک ایک لاکھ دلتوں کو بودھ دھرم میں شامل کرنے کا پروگرام ہے تب بھی ہندتو کی علمبردار تنظیموں اور لیڈران نے کوئی شور شرابہ نہ کیا بلکہ کہا:

"بودھ دھرم اختیار کر لینے کے باوجود یہ لوگ ہندو دھرم کا ہی حصہ رہیں گے، کیوں کہ بدھ دھرم ہندو دھرم کا حصہ ہے۔" (۱۳)

تبدیلی مذہب مخالف قانون پر عمل کرنے کے سلسلہ میں گجرات کے ضلعی حکام وافسران کا کہنا ہے کہ:

"اس [تبدیلی مذہب مخالف] قانون پر ایسی صورت میں ہی سختی کے ساتھ عمل کرنے کی ہدایت ہے جب کوئی شخص اسلام یا عیسائی مذہب اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہو" (۱۴)

راشٹریہ سہارا اردو نئی دہلی نے اپنے ۱۸/نومبر ۲۰۰۵ء جلد: ۷ شمارہ: ۲۳۳۵ کے شمارہ میں صفحہ اول پر ایک خبر اس عنوان سے شائع کی:

"ہندو کم سے کم ۳ بچے پیدا کریں: سدرشن"

نئی دہلی، ۱۷/نومبر (ایس این بی)

آر ایس ایس کے سربراہ کے سی سدرشن نے ...... بدھ ازم کی بنیاد پر سماج کو جوڑنے کی وکالت کی ہے۔ البتہ اسلام اور عیسائی سماج کی تبدیلی مذہب کی پالیسی کی مذمت کی۔"

ان تمام برہمنی اور منووادی ہتھکنڈوں کے باوجود اسلام کی اشاعت ہوتی رہی اور ہو رہی ہے،

چناں چہ جب آندھرا پردیش کی برہمن ذات کی وزیر اعلیٰ ''جے للیتا جی'' نے تبدیلی مذہب مخالف بل اور ایکٹ پاس کروایا تو اس کے جواب اور مخالفت میں متعدد دلتوں نے قبولِ اسلام کا اعلان کیا تھا۔(۱۵) اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد میں لوگ اندر خانے اسلام قبول کر چکے تھے، مگر انھوں نے حکومت کے ڈر سے بظاہر خود کو مسلمان کہنا شروع نہیں کیا تھا۔(۱۶)

مئی ۲۰۰۴ء اسمبلی انتخاب میں جے للیتا جی کی پارٹی کا آندھرا پردیش میں بالکل صفایا ہو گیا اسے ایک بھی سیٹ نہ مل سکی۔ اس ناکامی کے بعد جے للیتا جی نے تبدیلی مذہب پر لگائی ہوئی پابندی ہٹالی۔ اس پابندی کے اٹھتے ہی چینئی سے تقریباً ۶۰۰ کلومیٹر دوری پر واقع ایک گاؤں ''میلمند ھلی'' میں ۶ دلتوں نے قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلے میں اس ضلع کے دراوڑ کژگم کے نائب صدر پی کلاڈی نے کہا کہ:

''ان کا [دلتوں کا] تبدیلی مذہب ختم نہیں بلکہ شروع ہوا ہے۔ یہ تبدیلی مذہب کب کب اور کن تاریخوں میں ہوگا، یہ ابھی کچھ طے نہیں ہوا ہے۔''(۱۷)

''جن دلتوں نے اسلام قبول کیا ہے ان میں ۱۹ سالہ سدھا کر بھی شامل ہے جس نے حال ہی میں اسکول کی پڑھائی ختم کی ہے سدھا کر اپنے تبدیلی مذہب کی وجہ بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم دلتوں کو گری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ برابری کا برتاؤ تو دور ہم کو غلیظ مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ سدھا کر ایک مثال دے کر اپنی بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ہمارے گاؤں میں دو بڑی چائے کی دوکان ہیں۔ ایک کو ہندو چلاتا ہے اور دوسری مسلمان۔ جب ہم ہندو کی دوکان پر جاتے ہیں تو ہم سے اچھوتوں اور کوڑھیوں جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے جب کہ مسلمان کی دوکان پر ہم سے برابری کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔''(۱۸)

مسلم کش فسادات

تبدیلی مذہب پر ان قانونی بندشوں کے علی الرغم جب اسلام کی ضیا پاشیوں سے لوگوں کے دل منور ہوتے رہے تو ہندتو کے علمبرداروں اور سنگھیوں نے اس کی راہ کا روڑہ بننے کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا اور وہ مسلم کش فسادات کا طریقہ ہے۔ چناں چہ اشاعت اسلام کو روکنے کی خاطر تقسیم ہند سے لے کر آج تک جگہ جگہ مسلم کش فسادات کرائے جا رہے ہیں تاکہ ہندو عوام اسلام قبول کرنے سے ڈریں کہ اگر ہم اسلام قبول کریں گے تو ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا جو آج مسلموں کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اور اب تو آر ایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیمیں اس نہج پر پہلے کی نسبت کافی سرگرم نظر آتی ہیں۔

ایک سروے کے مطابق ''آر ایس ایس کے عسکری نوجوانوں کی وردی خاکی نیکر، سفید

قمیص، یا بنیان، کالی ٹوپی اور کالے بوٹ ہیں ....تربیت کے لیے چھ نوجوانوں پر مشتمل ایک گروپ تشکیل دیا جاتا ہے اور ایک گروپ کو ''شانے'' کہا جاتا ہے۔ آر ایس ایس کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق ۳۱ر دسمبر ۲۰۰۱ء کو بھارت میں اس کے ۴۵,۳۰۱ گروپ ٹریننگ کر رہے ہیں۔ اس طرح زیر تربیت نوجوانوں کی تعداد دو لاکھ ۷۱ ہزار ۸۰۶ ہے۔ اس سلسلہ میں بھارتی صوبہ یوپی میں دس ہزار، مہاراشٹر میں ۵ ہزار، کیرالہ میں ۴۱۴۹، راجستھان میں ۳۵۰۰، مدھیہ پردیش میں ۳۲۳۰، دہلی میں ۲۵۰۰، کرناٹکا میں ۲۳۰۵، بہار میں ۲۳۰۰، گجرات میں ۱۹۰۰، پنجاب میں ۱۷۷۵، آندھرا پردیش میں ۱۶۶۰، ہریانہ میں ۱۶۰۰، مغربی بنگال میں ۱۶۰۰، اڑیسہ میں ۱۴۸۱، تامل ناڈو میں ۱۰۵۱، آسام میں ۹۰۰ اور کشمیر و ہماچل پردیش میں ۴۵۰ گروپ ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں..... اس وقت بھارتی فوج کے پانچ سو اعلیٰ افسران بھی آر ایس ایس کے ریگولر ممبر ہیں [اور ۳۰ لاکھ فوجی اس کے ہمدرد ہیں۔] آر ایس ایس نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ ہندستان میں تین ہزار مساجد ایک ہزار گرجا گھروں اور دو سو گوردواروں کو گرا کر مندر بنائے گی اور اس سلسلہ میں اب تک بھارت میں دو ہزار مساجد تین سو گرجا گھر اور ۳۵ گوردوارے گرا کر مندر بنائے جا چکے ہیں.... آر ایس ایس نے مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دینے کے لیے اپنے نوجوانوں کی ٹریننگ کے لیے ۱۹۹۳ء میں ریٹائرڈ آرمی افسران کا ایک ونگ قایم کیا، جس نے بھارت کے ۱۸ صوبوں میں ۵۰ ہزار ریٹائرڈ آرمی افسران کو بھرتی کیا ہے۔ آر ایس ایس بھارتی فوج میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے اپنے تربیت یافتہ نوجوانوں کو خصوصی طور پر سروسز سلیکشن بورڈ کے امتحانات کی تیاری کرواتی ہے .... آر ایس ایس کے زیر اہتمام بھارت میں ۲۵ ہزار ہندو مدارس [قائم ہیں] جن میں دو لاکھ استاذ، ۸۰ ہزار [۱۸ لاکھ] طالب علموں کی برین واشنگ [Brain washing] کر رہے ہیں۔ ان اسکولوں کا نصاب بھارت کے عام اسکولوں کے نصاب سے بالکل مختلف ہے اور یہاں داخلہ لینے والے بچوں کے والدین کو بھی پندرہ روزہ خصوصی ٹریننگ کروائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ آر ایس ایس نے ہندو ٹیچر ونگ بھی ۱۹۸۰ء میں قائم کیا ہے جس نے اب تک ۱۸ لاکھ ہندو مذہبی استاذ تیار کیے ہیں۔ آر ایس ایس نے بھارت کی پانچ ہزار سالہ تاریخ کو مسخ کرنے کے لیے پانچ سو ہندو پروفیسرز کو خصوصی طور پر بھرتی کیا ہوا ہے، جو بھارت کی تاریخ کو مسخ کر رہے ہیں۔''(۱۹)

آر ایس ایس کی ذیلی تنظیمیں بھی تیزی کے ساتھ اسلحوں کی تربیت (Arms Traning) حاصل کر رہی ہیں۔ چناں چہ ۱۹/اپریل ۲۰۰۱ء کو ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی (Times of India New Delhi) نے صفحہ اول پر یہ خبر شائع کی تھی کہ وشو ہندو پریشد نے اعلان کیا ہے کہ وہ تیس لاکھ (ہندو) نوجوانوں کو اپنا ممبر بنائے گی اور ان میں تین لاکھ نوجوانوں کو ملک میں پھیلی پاکستانی حمایت یافتہ دہشت گردی [اسلام اور مسلمان] سے لڑنے کے واسطے ٹریننگ دے گی۔ ۳۱/مئی ۲۰۰۲ء کو راشٹریہ سہارا اردو نئی دہلی میں صفحہ ۲ پر ایک خبر آئی ہے کہ:

"بھوپال میں ان دنوں وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے زیر اہتمام "بجرنگ دل شوریہ پر شکشن کیندر" نامی تربیتی کیمپ کوٹرا سلطان آباد میں لگایا گیا ہے، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے ذریعہ صوبہ میں ایک لاکھ نوجوان تیار کرنے کی مہم کے پیش نظر صوبہ کے ۲ ضلعوں "ودیشہ" اور "دیواس" میں کیمپ لگائے جا چکے ہیں اور اب بھوپال اور گوالیار کا مشترکہ تربیتی کیمپ کوٹرا سلطان آباد میں لگایا گیا ہے۔ ابھی تک ریاست میں ۲۱/ ہزار ترشول دھاری نوجوان تیار کیے جا چکے ہیں۔ یہ تربیت فوج کے ۳ ریٹائرڈ فوجی افسران کے ذریعہ دیئے جانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ان تربیتی کیمپوں میں "ماتر شکتی" اور "درگا واہنی" نامی کیمپوں کے ذریعہ "ودیشہ" اور "دیواس" میں عورتوں کو بھی تربیت دی گئی۔"

ان ساری تیاریوں کے جو مقاصد ہیں ان کا اظہار یہ لوگ اپنے قول وفعل سے کرتے رہتے ہیں۔ چناں چہ ۱۵/مئی ۲۰۰۰ء میں اجودھیا کے اندر ہتھیار اور آتش گیر مادہ چلانے کی ٹریننگ لینے کے بعد لوٹتے ہوئے، بجرنگ دل کے ممبران نے اپنے جذبات کا جو اظہار کیا تھا اس کو ہفت روزہ انگریزی میگزین "آوٹ لک" نئی دہلی (Out Look New Delhi) نے اپنے ۱۰/جولائی ۲۰۰۰ء کے شمارہ میں صفحہ ۲۲ پر یوں نقل کیا تھا:

"We will destory evey Muslims Shrine"

"ہم ہر ایک مسلم مقدس یادگار کو نیست ونابود (مسمار) کر دیں گے۔"

مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی مدد سے بابری مسجد کی شہادت، بھاگلپور، ممبئی اور گجرات وغیرہ میں مسلمانوں کا سفاکانہ قتل عام، مسلم خواتین کی سر عام اجتماعی عصمت دری اور اس کی ویڈیو گرافی، مسلمانوں کی جائداد کی لوٹ مار اور آتش زدگی، مذکورہ بالا تیاریوں کے مقاصد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دی انڈین اکسپریس نئی دہلی (The Indin Express New Delhi) نے اپنے ۲۸/ستمبر ۲۰۰۳ء کے شمارہ

میں صفحہ اول پر راجستھان کے ایک گاؤں ''مشرولی'' کے آتش زدہ مسلم مکانوں، دوکانوں اور مسجدوں کی تصویر کے ساتھ ایک خبر اس سرخی سے شائع کی تھی:

"In cong- ruled state, Bajrang Dal makes a village 'Muslim- free'.

It couldn't be less subtle. A bright saffron board welcomes you to the "Ideal Hindu village" Mishroli... The past 10 days have been seen armed Bajrang Dal activists on the rampage, driving out about 25 Muslim families from their homes, ransacking their houses and setting them on fire...Mishroli is at the epicentre of the communal violence that has seen around 70 Muslim families of seven villages in Aklera Leave their homes and migrate to neighbouring districts and Madhya Pradesh.

Bajrang Dal suraksha Prabhari for Kota, Bharat Bhushan Sharma, warns: " We will create these Hindu villages which will run in accordance with our traditions and there will be full overall development here. They will surround Muslim- dominated pockets and if the Muslims create any public nuisance, they will have to pay the price. If they want to co-exist, they will have to live by our rules."

It all began on september 17 [2003]....(۲۰)

''کانگریس کی حکومت والے صوبہ میں بجرنگ دل ایک گاؤں کو مسلمانوں سے پاک کرتی ہے۔''

اس واقعہ کو کم حساس قرار نہیں دیا جا سکتا، ایک ''مثالی ہندو گاؤں'' مشرولی، میں ایک چمکتا ہوا بھگوا بورڈ آپ کا استقبال کرتا ہے۔..... گذشتہ دس (۱۰) دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ ہتھیار بند بجرنگ دل ممبران جوش وجنون میں پچیس ۲۵ مسلم خاندانوں کو ان کے گھروں سے ہانک کر لے جا رہے ہیں اور ان کے گھروں کو لوٹنے کے بعد آگ لگا دیتے ہیں۔ مشرولی فرقہ وارانہ فساد کا ایک بڑا مرکز بن چکا ہے کہ ضلع ''الکیرا'' کے سات (۷) گاؤں کے ستر مسلمانوں نے اپنے گھر بار چھوڑ کر پڑوسی اضلاع اور مدھیہ پردیش میں ہجرت کر گئے ہیں۔

''کوٹا کے بجرنگ دل شرکچھا پربھاری'' بھرت بھوشن شرما'' نے دھمکی دی ہے کہ ''ہم اس طرح کے مزید ہندو گاؤں بنائیں گے، جو ہماری رسم ورواج کے مطابق چلیں گے اور جہاں ہر طرح کی ترقی ہوگی۔ وے مسلم اکثریت والے علاقوں کی ناکہ بندی کر دیں گے اور اگر مسلم کسی طرح کا احتجاج کریں گے تو انھیں اس کی قیمت چکانی ہوگی۔ اگر وہ ہمارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں انھیں ہمارے توانین کے مطابق رہنا ہوگا۔''

اس سلسلہ کا آغاز ۱۷ ستمبر [۲۰۰۳ء] سے ہوا۔''

آر ایس ایس نے مردوں کے علاوہ عورتوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی ٹریننگ دے

کا کام شروع کیا ہے اور اس کے لیے اس کی مختلف ذیلی تنظیموں نے مختلف نام سے عورتوں کی الگ متعدد تنظیمیں بنائی ہیں۔ جن میں وشو ہندو پریشد کی نسواں ونگ ''درگا واہنی'' کافی اہمیت کی حامل ہے۔

پیچھے یہ آچکا ہے کہ بھوپال میں وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے ہتھیار چلانے کی تربیتی کیمپوں میں ''ماترشکتی'' اور ''درگا واہنی'' کیمپوں کے ذریعہ ''ودیشہ'' اور ''دیواس'' میں عورتوں کو ٹریننگ دی گئی۔ دی ٹائمس آف انڈیا نئی دہلی نے اپنے تیس ۳۰ جون ۲۰۰۲ء کے شمارہ میں صفحہ ۶ پر ایک تصویر شائع کی تھی، جس میں ایک مرد کو دو نوجوان لڑکیوں کو بندوق چلانے کی تربیت دیتے ہوئے دیکھا گیا تھا اور اس تصویر کے نیچے دو سطروں میں یہ عبارت لکھی تھی:

"Members of Durga Vahini, women's wig of the Vishwa Hindu Parishad, Prepare for arm's training in Lucknow on Friday. The VHP organized a week- long self defence Programme for the women's wing in Lucknow, which ended on Friday,"

''درگا واہنی ممبران جو وشو ہندو پریشد کی گرلس ونگ ہے، جمعہ کے دن لکھنؤ میں ہتھیار چلانے کی تربیت حاصل کر رہی ہیں۔ وشو ہندو پریشد نے لکھنؤ میں [اپنے] گرلس ونگ کے لیے ایک ہفتہ کا طویل خود حفاظتی پروگرام منعقد کیا تھا، جس کا اختتام جمعہ کے دن ہوا۔''

روز نامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی نے اپنے ۲۰ رجون ۲۰۰۴ء کے شمارہ میں صفحہ ۲ پر ''وی ایچ پی کی نگرانی میں ہتھیار چلانے کی تربیت'' کے زیر عنوان تین نوجوان لڑکیوں کی ڈریس کوڈ (سفید شلوار، جمپر اور لال دوپٹہ) کے ساتھ ایک تصویر شائع کی تھی، جس میں ایک لڑکی کو کھڑی اور دو کو ٹخنوں کے بل بیٹھ کر بندوق میں گولیاں بھرتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ پھر تصویر کے نیچے تین سطروں میں لکھا تھا:

''جموں: وشو ہندو پریشد کی ذیلی تنظیم درگا واہنی کے زیر اہتمام جموں میں ایک تربیتی کیمپ میں نوجوان لڑکیوں کو ہتھیار چلانے کی ٹریننگ دی جا رہی ہے۔ کیمپ میں ٹریننگ کے دوران دو لڑکیاں بندوق میں گولیاں لوڈ کرتے ہوئے'' (تصویر پی ٹی آئی)''

اس طرح کے واقعات، واردات اور ٹریننگ بڑے پیمانے پر دہرانے اور کرانے کا ارادہ ہے، ملک کے مختلف شہروں میں ان ہندتو کے علمبرداروں کی بڑی بڑی چھاؤنیاں ہیں، جہاں ہر قسم کے ہتھیاروں کی ٹریننگ عام ہندوؤں کو دی جاتی ہے۔ دوسرا کام آر ایس ایس نے Self Security Gaurd Agency Services یعنی خود حفاظتی دستہ ایجنسیز کا کام شروع کیا ہے، اس میں یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ حکومت ہندوؤں کی حفاظت نہیں کر پا رہی ہے اس لیے ہندوؤں کو حکومتی سطح پر ہتھیار دیئے جائیں تا کہ وہ اپنی

حفاظت کرسکیں اور حکومت نے اس کو تسلیم کرتے ہوئے ہندوؤں کو ہتھیار دیا ہے۔(۲۱)

نومسلموں اور اسلامی مبلغوں کا قتل

مسلم کش فسادات کے ذریعہ ہندتو کے علمبرداروں کا مقصد اشاعت اسلام کو روکنا ہے، لیکن اس کے باوجود اسلام کی روشنی پھیلتی جارہی ہے، تو اس کے سدباب کے لیے اب براہ راست اور کھلے عام ان لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور جارہا ہے جو اسلام قبول کرتے ہیں اور اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ مثلاً

۞ ''۱۹۸۰ء میں جب میناکشی پورم میں ایک بڑی تعداد میں دلتوں نے اسلام قبول کیا تو سنگھی تنظیموں کے تن بدن میں [ایسی] آگ لگ گئی کہ جس کی انتہا نہیں۔ بابری مسجد سانحہ کے بعد ہوئے فسادات میں انھوں نے بڑے واضح الفاظ میں اور بہت کھل کر بیانات دیئے کہ یہ فسادات میناکشی پورم کا ردعمل ہے۔''(۲۲)

۞ اجودھیا کے ایک مندر کے پجاری نے جب شرک سے توبہ کرلیا تو انھیں جھوٹے مقدموں میں پھنسایا گیا کہ انھوں نے مندر کا سامان چوری کیا ہے۔(۲۳)

۞ ''جنوبی ہند کے ضلع ''ملپورم'' ''ترور'' کے قریب ایک بستی میں گوپالن اور اپّن نامی دو افراد ستار کا پیشہ کرتے تھے۔ اپّن آر ایس ایس کے ایک سرگرم کارکن اور اپنی بستی کے ''ماریمن مندر'' کے اہم پجاری اور بڑے بھگت تھے گھنٹوں پوجا پاٹ میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن اپّن کو کیسٹ کے ذریعہ قرآن مجید کا ملیالم ترجمہ سننے کا موقعہ ملا، ترجمہ اتنا مؤثر تھا کہ اپّن کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا، اس کے بعد وہ مسلسل قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے، آخر کار ۱۱ر اگست ۱۹۹۵ء کو اپّن اور ان کی بیوی اپنے دو بچوں کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ ان کا نام ''یاسر'' اور ''سمیہ'' رکھا گیا۔ نومسلم یاسر قبول اسلام کے بعد صرف ایک روایتی مسلمان ہی نہیں بنے، بلکہ آخرت سے بے خبر لوگوں کو آخرت کی طرف متوجہ کرتے اور ایک اللہ کی طرف سب کو دعوت دیتے رہے۔ بعض لوگوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور بعض نے روگردانی کر کے مخالفت شروع کی۔ ان کی دعوتی کوششوں سے آر ایس ایس کے کئی خاندان مسلمان ہوگئے۔ ''بجو'' نامی ایک نوجوان آر ایس ایس کے چالک (صدر) جن کا گھر مسلمان محلوں کے درمیان ہونے کے باوجود اذان کا کھلے عام مذاق اڑاتے تھے۔ وہ بھی ان کی دعوت سے مسلمان ہوگئے۔ ان (یاسر) کی دعوتی کوششوں سے کیرلہ میں چالیس ۴۰ خاندان مسلمان ہوگئے۔ نو مسلموں کا یاسر نے بڑا تعاون کیا اور ان کو بھرپور سہارا دیا، وہ ایک ماہر فن سنار تھے۔ تقریباً سو سے زیادہ لوگوں کو انھوں نے اپنا فن سکھایا اور ان کی معاشی زندگی کو بہت حد تک بہتر بنادیا۔ اس طرح وہ عزت کی

زندگی گذارنے لگے۔

یاسر کی روز بروز بڑھتی ہوئی دعوتی سرگرمیوں کو دیکھ کر آر ایس ایس کے کیمپ میں بڑی بے چینی اور پریشانی پھیل گئی اور مسلمان آنیوالے خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے ''یاسر'' کو اپنی دعوتی سرگرمیوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ''یاسر'' یہ کہہ کر سب کو خاموش کرتے کہ تم کو شاید شہادت کی فضیلت معلوم نہیں ہے۔ نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہادت ہی کا درجہ ہے، میں تو اللہ سے ہمیشہ شہادت کی سعادت حاصل کرنے کی دعا کرتا ہوں۔

آخر کار ۱۷/اگست ۱۹۹۸ء کو آدھی رات کے وقت آر ایس ایس کے لوگوں کے ہاتھوں ''یاسر'' کو شہادت کا بلند مرتبہ حاصل ہو گیا، بدن پر تلوار کی چھتیس زخم تھے، ایک وار اتنا سخت تھا کہ سر پھٹ کر دماغ بالکل باہر نکل گیا تھا۔[۲۴] (اللہ تعالیٰ ''یاسر'' کی اس عظیم قربانی کو قبول فرما کر شہداء کی صف میں انھیں جگہ عطا کرے آمین۔)

۞ کیرلہ کی ۶۷ سالہ انگریزی زبان کی مشہور ادیبہ و شاعرہ محترمہ کملا داس (اب ان کا اسلامی نام ''ثریا'' ہے) ۲۷ سال سے دھرم تبدیل کرنے کی سوچ رہی تھیں، کیوں کہ ان کے سماج اور معاشرے نے ان کے عورت ہونے کی وجہ سے ان پر بہت ظلم کیا تھا۔ اسلام کا مطالعہ، مسلم معاشرہ کا مشاہدہ کر کے اور اس کو پرکھ کر دیکھا، تو انھوں نے محسوس کیا کہ آج کے زمانے میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عورتوں کو سب سے زیادہ تحفظ فراہم کر سکتا ہے۔ انھوں نے ۱۱/دسمبر ۱۹۹۹ء کو ''کیرالہ'' کے شہر ''کوچی'' کی ''اسٹیٹ لائبریری کونسل'' میں ایک ادبی پروگرام کے انعقاد کے موقع پر اپنا آبائی مذہب (ہندو دھرم) ترک کر کے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ قبول اسلام کے اعلان کے بعد وہ تنقید کا نشانہ بن گئیں۔ (۲۵) کچھ ہندو انتہا پسند تنظیموں اور لوگوں نے ان کو قتل تک کی دھمکی دے ڈالی۔

۞ چھوت چھات سے تنگ آ کر ضلع ''گڑگاؤں'' (ہریانہ) کے علاقہ ''میوات'' کے ایک گاؤں ''تدک پور'' (Tadak pur) میں (دلت) مہر سنگھ[۲۶] اور ان کے خاندان کے چالیس افراد (دلتوں) نے ۷/اگست ۲۰۰۲ء کو اسلام کے سایۂ عافیت میں پناہ لے لی، تو ہندتو کی علمبردار تنظیموں نے یہ الزام لگاتے ہوئے ان کو دوبارہ ہندو بنانے کیلئے دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ ان کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہے۔ وشو ہندو پریشد اور مقامی بی جے پی یونٹ نے ۲۳/اگست ۲۰۰۲ء کو ایک مہا پنچایت بلائی، جس میں علاقے کے تیس ۳۰ گاؤں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ مقامی بی جے پی یونٹ کے صدر ''اتار سنگھ بھگت جی'' (Attar Singh Bhagat) نے اس موقع پر کہا:

"We have decided to give 2 days to the district administration to rescue the converted Hindu families from Muslim villages. Otherwise, we will have to enter these villages."(۲۷)

''ہم نے مذہب تبدیل کرنے والے ہندو خاندانوں کو مسلمان گاؤوں سے نکالنے کے لیے ضلع انتظامیہ کو دو دن کا وقت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ورنہ ہم خود ان گاؤوں میں گھس جائیں گے۔''

✿ آندھرا پردیش کی برہمن ذات کی وزیر اعلیٰ ''جے للیتا جی'' کے ذریعہ پردیش میں لگایا گیا تبدیلی مذہب مخالف قانون جب اسمبلی انتخاب مئی ۲۰۰۴ء میں ناکامی کے بعد خود ''جے للیتا جی'' کے ذریعہ ختم کر دیا گیا تو ۶ دلتوں نے قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس پر ہندتو کی علمبردار تنظیمیں چراغ پا ہوگئیں۔ اور اس تبدیلی کا ذمہ دار جے للیتا جی کو ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی دھمکی دے ڈالیں۔ چناں چہ ''ہندو منانی تنظیم'' نے الزام عائد کرتے ہوئے دھمکی دی کہ:

''مسلمان بنانے کا یہ کھیل بڑے پیمانے پر مسلم قائد کھیل رہے ہیں اور ہندو منانی تنظیم بھی ہر قیمت پر یہ کھیل ختم کر کے رہے گی، چاہے اس کے لیے اسے کسی حد تک بھی جانا پڑے۔''(۲۸)

✿ ضلع سہانپور یوپی کے ایک قصبہ دیوبند سے ۱۵ رکلومیٹر کے فاصلہ پر تھانہ بڑگاؤں کے قریب سیجی (Sehji) کے رہنے والے ''آدیش کمار سینی'' آج سے چار سال قبل ۲۰۰۰ء میں روزگار کی تلاش میں اپنے اہل خانہ کی مبینہ زیادتیوں سے تنگ آ کر دہلی چلے آئے، جہاں انھیں گاؤں ہی کے ظہور احمد نے سہارا دیا۔ آدیش نے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ ۳ ر ستمبر ۲۰۰۴ء کو جب ان کے گھر والوں کو ان کے قبول اسلام کی اطلاع ملی تو وہ لوگ برہم ہوگئے اور قرب وجوار کے بھاجپا لیڈران سے رابطہ کیا اور پولیس سے مطالبہ کیا کہ آدیش کمار سینی (جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد ''محمد عمر'' نام رکھا ہے) اور ان کے ساتھ ظہور احمد کو حراست میں لے کر اس کے لڑکے کو اس کے حوالے کرے اور ظہور احمد کے خلاف اغوا کا کیس بنائے۔ پولیس نے آدیش عرف محمد عمر کو حراست میں لے لیا اور ظہور احمد کے خلاف اغوا کا کیس درج کر لیا۔ چوں کہ بھاجپا اور اس کی حلیف تنظیمیں یہ الزام لگا رہی تھیں کہ ظہور احمد نے آدیش سے جبراً اور لالچ دیکر اسلام قبول کرایا ہے لہذا پولیس نے آدیش عرف محمد عمر کو دیوبند کی ACJM کی عدالت میں پیش کیا، جہاں آدیش عرف محمد عمر نے دستور کی دفعات ۲۶ اور ۲۸ کا حوالہ دیتے ہوئے عدالت سے کہا کہ وہ عاقل اور بالغ ہے اور دستور ہند کے تحت کوئی بھی مذہب قبول کرنے کے لیے

آزاد ہے۔ان کی دلیل سننے کے بعد عدالت نے انھیں بری کر دیا اور پولیس کو حکم دیا کہ آدیش عرف محمد عمر جہاں جانا چاہیں انھیں لے جا کر چھوڑ دے۔اس طرح ظہور احمد پر سے اغوا کا مقدمہ بھی ختم ہو گیا۔لیکن اس واقعہ کے بعد بجرنگ دل، شیو سینا، وشو ہندو پریشد اور بھاجپا کے کارکنان بھڑک اٹھے اور گاؤں میں اکٹھا ہونا شروع ہو گئے، جہاں انھوں نے ایک [مسلم] عبادت گاہ [مسجد] پر پتھراؤ کیا، روڈ جام اور ہنگامہ کیا، جس کے نتیجہ میں پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔بھاجپا کے مقامی لیڈر ''رام پال سنگھ پنڈیر جی'' نے کہا کہ جو بیان پولیس نے عدالت میں کرائے ہیں وہ گاؤں کی پنچایت میں کرائے جانے چاہیے تھے، پولیس نے آدیش عرف محمد عمر کو اس کے والدین کی مرضی کے خلاف کیوں چھوڑا؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پولیس ملزمان سے ملی ہوئی ہے۔'(۲۹)

قادیانیت، بہائیت، پروہت واد اور قبر پرستی کا فروغ:

اشاعت اسلام کو روکنے کی خاطر قادیانیت اور بہائیت کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ان کے جلسے جلوس کی اسی طرح حفاظت کی جا رہی ہے جس طرح وشو ہندو پریشد کی رتھ یاتراؤں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ان کے نام آراضی مختص (Allot) کی جا رہی ہیں۔

اسی کے ساتھ پروہت واد اور قبر پرستی کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ان مزاروں [قبروں] کے عرس میں زیادہ سے زیادہ اختلاط مرد و زن اور شراب و کباب کے اڈے کھلوائے جاتے ہیں، تا کہ مسلمانوں کا تصور توحید اور ان کا اخلاق شرک اور شراب و کباب کی آلائشوں میں لت پت ہو کر اپنا اثر کھو بیٹھے۔(۳۰)

غیر مسلموں میں دعوتی کام سے بے اعتنائی:

جذبہ دعوت کو ختم کرنے لیے برہمیت اور منووایت کے علم برداروں نے بڑے منظم اور شاطرانہ انداز میں مسلمانوں کے اندر یہ بات پھیلا دی کہ پہلے مسلمانوں کو سدھارا جائے، پھر غیر مسلمین میں کام کیا جائے، حالاں کہ مولانا محمد الیاس کا نظریہ، یہ نہیں تھا کہ صرف مسلمانوں میں ہی کام کیا جائے، بلکہ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ غیر مسلمین میں بھی کام ہو۔باضابطہ انھوں نے اپنے کارکنان، تبلیغی جماعت میں شامل لوگوں کو اس کی ہدایت بھی کی۔مختلف علماء کرام کو خطوط لکھے کہ یہ جو میں کر رہا ہوں، یہ ایک کام ہے؛ لیکن دین کا کام ان میں بھی ہونا چاہیے جو اس دین سے ناواقف ہیں۔(۳۱)

مولانا محمد الیاس صاحب کا ایک خط محفوظ ہے۔موصوف نے یہ خط مولانا محمد علی جوہر کے نام لکھا تھا۔یہ خط مولانا محمد علی کی روانگی لندن سے کچھ پہلے لکھا گیا تھا، جس کے بعد ان کی ہندستان واپسی نہ ہو سکی۔اس خط کے بعد دوبارہ مولانا الیاس صاحب اور مولانا محمد علی کی ملاقات نہیں ہوئی۔یہ خط یہاں

مکمل نقل کیا جا رہا ہے۔

''مخدومی و مکرمی زید مکارمکم

آں مخدوم کی قابلیت اور ذکاوت اور قدرت علی الکلام و ہمدردی اسلام کا اس خاکسار کے دل پر نہ آج سے سکہ جمائے ہوئے ہے بلکہ کامریڈ کی تیز تابانی کے وقت سے جو ہر شناس اور قدردان ہے۔ اور شیخ الکل یعنی سیدی و مولائی حضرت شیخ الہند کے زمانہ نیاز مندی اور آمدورفت سامی کے برتاؤ نے اس خیال کو اور مضاعف اور مدلل کر دیا تھا ہمیشہ سے اس پر زور انجمن کے اسلام کی کوئی بڑی گاڑی کھینچنے کی طبیعت متمنی اور جویا رہی۔

کچھ زمانہ سے خاکسار کے ذہن نارسا میں یہ مضمون آ رہا ہے کہ کوئی قابل اور اہل شخص خاص اور معتدل طریقہ سے فطری اور اوسط الملل مذہب یعنی اسلام کی طرف اس یورپین قوم کو زور وقوت اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ دعوت الی الحق کرے تو اس کے لیے آپ کے سوا کسی پر نظر نہیں جمتی۔

اس وقت یہ قوم برسر اقتدار ہے اور ایک مدت سے حکمرانی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مع الخلق پر نظر کرتے ہوئے یہ بات خیال میں آتی ہے [کہ] اہل حکومت لوگوں کو دعوت الی الحق کیے جانے پر مدعوین کی دو راہیں ہوتی ہیں۔ دعوت الی الحق کو قبول کر کے فوز دارین اور دین خداوندی اور مذہب آسمانی کی ترو تازگی اور آب و تابانی اور یا اس دین سے استنکاف اور اعراض کر کے استیصال و بربادی اور ہمیشہ کے لیے خسران و نامرادی۔ غرض کوئی سے ایک معاملہ کا ان کے ساتھ متعین ہو جانا اسی دعوت الی الحق کی قبولیت اور اعزاز اور رد و انکار پر مبنی ہے۔

اس مدعا کے لیے یہ پہلا خط لکھ رہا ہوں خدا کرے یہ تخم ایک بار آور شجر کا ہو اور مراسلت کو مداومت بخشے اس کے واسطے پہلی بات اس طرز و طریق کا متعین کرنا ہے جو اس کے لیے اختیار کیا جائے جس میں چند امور قابل لحاظ سمجھ میں آ رہے ہیں۔

یہ کہ مناظرے اور صریح کسی پر چوٹ کرنے سے محفوظ ہو۔

دوسرے جو جو خرابیاں اپنے مذہب کی ان کے دلوں بیٹھی ہوتی ہیں ان کا شافی جواب لیے ہوئے ہوں اور اپنے مذہب کی اصولی چیزوں مثلاً حسن تعلیم وغیرہ کی خوبیوں پر روشنی ڈال رہی ہو۔ باوجود اس کے مختصر ہونے کے بنا پر عام اشاعت کے قابل ہو۔ مختصر چیز کی

اشاعت آسان ہوتی ہے۔ غرضیکہ میں ایک نا اہل شخص قابل و یگانہ زمانہ کو کیا متوجہ کروں کہ کن کن امور کی رعایت ضروری ہے۔ آپ خود مجھ سے اچھا سمجھ سکتے ہیں۔

خلاصہ مطلب یہ کہ اس کے مالۂ وما علیہ پر کافی نظر کر کے کوئی طریق اولیٰ متعین کر لیا جاوے اور پھر خدائے پاک وحدہ لاشرک لہٗ کی نصرت قطعیہ کا یقین کر کے خدائے پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ کی سرخروئی اور آخرت کا بہترین ذخیرہ سمجھتے ہوئے اس کام کو تندہی سے شروع کر دیا جائے پھر حق تعالیٰ اپنے وعدے کے موافق ﴿حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ، اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ، اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوا﴾ [سورہ روم: ۴۷، اور اہل ایمان کا غالب کرنا ہمارے ذمہ تھا، سورہ محمد: ۷، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا، سورہ مجادلۃ: ۲۱، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے حکم ازلی میں لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے، سورہ المؤمن: ۵۱، ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی...... مدد کرتے ہیں۔]) کشتی کو کسی کنارے لگا ہی دیں گے۔ رائے سامی سے مطلع فرمائیں۔

والسلام بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم احتشام غفرلہٗ'' (۳۲)

مولانا محمد الیاس کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف (عرف حضرت جی) سابق امیر تبلیغی جماعت نے ۲۱ر اپریل ۱۹۶۴ء میں میدان عرفات میں ایک تقریر کی تھی جس کے آخر میں فرمایا:

''پہلے اپنے قصوروں کی معافی مانگو، پھر آئندہ کی توفیق اور امت کے لیے زیادہ سے زیادہ قربانی دینے کو امت کی ہدایت کو اللہ سے مانگو۔ گرد و غبار نے امت کی محبت کی چنگاریوں کو دبا رکھا ہے۔ اللہ سے مانگو کہ وہ اس غبار کو ہٹائے اور اس چنگاری کو بڑھائے۔ کفار بھی امت دعوت ہیں، ان کے لیے بھی دعائیں کرنی ہیں۔ اگرچہ اپنے مسلمان بھائیوں کی بے دینی کی وجہ سے ہم ان میں اب تک دعوت کا کام شروع نہیں کر سکے؛ لیکن ہم پر ان کا بھی حق ہے، ان کی ہدایت کی بھی دعا کرو۔ ساتھ ساتھ وہ کفار جو شریر ہیں اور شرارت کی ناکے ہیں۔ جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے، ان کی تباہی کی دعائیں بھی مانگو۔'' (۳۳)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تبلیغی جماعت کے ایک معروف و مشہور شخصیت ہیں ان کی کتاب تبلیغی نصاب / فضائل اعمال تو تبلیغی جماعت کا محور و مرکز ہے۔ یہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکی تھی اور عالم اسلام کے تمام تبلیغی بھائی اس کو پڑھتے، پڑھاتے، سنتے، سناتے ہیں اور اسی پر عمل بھی کرتے

ہیں۔انھوں نے بالخصوص مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی ،لیکن اس کے ساتھ وہ غیر مسلمین میں بھی دعوت وتبلیغ کے آرزومند تھے۔مولانا کے ایک خلیفہ ''مولانا یوسف متالا'' (مہتمم دارالعلوم برطانیہ) نے ایک مضمون میں غیر مسلمین میں دعوت اسلام کی خاطر ان کی بے چینی کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> **''عوام الناس میں تبلیغ کے لیے بے چینی:** غالباً ۱۹۷۹ء کی مدینہ طیبہ حاضری کے دوران ایک روز احقر حضرت کی قیام گاہ کے برابر خدام والے حجرے میں تھا کہ حضرت کے خادم محمد اعجاز چمپارنی آئے اور فرمایا حضرت یاد فرما رہے ہیں [میں گیا] تو حضرت نے زار قطار روتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سن یہ کیا کہہ رہا ہے۔ بھائی اعجاز صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت سے پوچھا کہ وہ عوام الناس جنھوں نے اسلام کا نام بھی نہیں سنا ہے اور جنھیں اسلام کی کوئی تبلیغ نہیں کی گئی کیا انھیں عذاب ہوگا۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا اس پر ضرور کام ہونا چاہئے اور اس موضوع پر اسلام کے محاسن پر کتابیں ہونی چاہئیں۔'' (۴۴)

مولانا محمد منظور نعمانی برصغیر میں ایک جید عالم تسلیم کیے جاتے ہیں اقامت دین کی تحریک جماعت اسلامی کے ابتدائی لوگوں میں تھے اس سے علیحدگی اختیار کرکے یکسوئی کے ساتھ بانی تبلیغی جماعت مولانا الیاس کی رفاقت میں لگ گئے۔دعوت دین کی تعلق سے مولانا اپنی کتاب ''اسلام کیا ہے'' میں رقم طراز ہیں:

> ''بھائیو! جس طرح ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ ورسول پر ایمان لائیں اور ان کے بتلائے ہوئے نیکی اور پرہیز گاری کے اس سیدھے اور روشن راستے پر چلیں ،جس کا نام اسلام ہے۔اسی طرح ہم پر یہ بھی فرض ہے کہ اللہ کے جو بندے اس راستے سے بے خبر ہیں یا اپنی طبیعت کی بڑائی کی وجہ سے اس پر نہیں چل رہے ہیں ،ان کو بھی اس سے واقف کرانے اور اس پر چلانے کی کوشش کریں ،یعنی جس طرح اللہ نے ہم پر یہ فرض کیا ہے کہ ہم اس کے اچھے فرماں بردار اور عبادت گزار اور پرہیز گار بندے بنیں اسی طرح اس نے یہ بھی فرض کیا ہے کہ اس مقصد کے لیے ہم اس کے دوسرے بندوں میں بھی کوشش کریں ،اس کا نام دین کی خدمت اور دعوت دین ہے'' (۴۵)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی کی شخصیت عالم اسلام کے لیے محتاج تعارف نہیں ہے۔ جماعت اسلامی سے الگ ہونے کے بعد وہ تبلیغی جماعت میں شامل ہوگئے۔ان کے نزدیک بھی دعوت تبلیغ کا اصل مفہوم غیر مسلمین کو اسلام کی دعوت دینا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''انبیاء کرام علیہم السلام کے طرز دعوت وتبلیغ میں اصل مخاطب غیر مسلمین ہی کو بنایا جاتا ہے اوران کے سخت دلوں کو ایمان ویقین، سوز ودروں اور اسوۂ حسنہ کی روشنی وگرمی سے موم بنا کر ایمان وعمل کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے اور جب اس طرح مؤمنوں کی امت دعوت، تیار ہوجاتی ہیں تو اسے نبوی تعلیمات سے آراستہ کر کے غیر مسلمین ''امت اجابت'' کو دین کی طرف مدعو کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور یہ کار نبوت پوری امت کے اہل افراد پر فرض قرار دیا جاتا ہے اورامت مسلمہ کو تو اسی دعوت کے لیے خیر امت قرار دیا گیا۔''(۳۶)

مولانا اشرف علی تھانوی غیر مسلمین کے اندر دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

''جب اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کے پاس بھی اس کو پہچانا چاہیے، کیوں کہ اول تو یہ بات مروت وہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع [سود مند] چیز سے خود نفع اٹھایا جائے اور دوسروں کو محروم رکھا جائے۔ دوسرے، ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں، ان کے سامنے اس کے محاسن کو بیان کریں۔

تو، اب دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جن کے پاس اسلام کی نعمت ہے، مگر ادھوری ہے، ان کو تو پورا مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس شعبہ کا نام میں تکمیل اسلام رکھتا ہوں۔ دوسرے وہ جن کے پاس یہ نعمت نہیں ہے، ان کو اسلام پہنچایا جائے، اس شعبہ کا نام میں تبلیغ اسلام رکھتا ہوں۔ اس میں بہت زمانے سے مسلمان کوتاہی کر رہے ہیں۔ اس فرض کو سب نے بھلا دیا ہے حالاں کہ انبیاء علیہ السلام کا اصل کام یہی تھا۔ وہاں پڑھنا پڑھانا اور کتابوں کا درس کہاں تھا۔

ہماری یہ حالت ہے کہ بہت [سے] لوگ تو اس کو معمولی کام سمجھتے ہیں اور جو لوگ اس کی ضرورت ومرتبہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ بھی ایسی جگہ جا کر تبلیغ کرتے ہیں جہاں کہ خاطر مدارات ہوتی ہیں۔ کفار میں جا کر کوئی تبلیغ نہیں کرتا۔ کیوں کہ وہاں خاطر ومدارات کہاں بلکہ بعض دفعہ تو برا بھلا سننا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رکتے ہیں۔''(۳۷)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب سابق مہتمم دار العلوم دیو بند کی بزرگ شخصیت سے کون اہل علم ناواقف ہوگا؟ ان کے اندر بھی غیر مسلمین میں دعوت وتبلیغ کی سخت تڑپ تھی۔ اسی جذبہ کے نتیجہ میں ان

کے رشحات قلم سے تبلیغ کے موضوع پر ایک کتاب ''دینی دعوت کے قرآنی اصول'' منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب آج سے تقریباً ۵۶ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں مولانا نے لکھا ہے کہ غیر مسلمین کو اسلام کی دعوت دینا ایک دینی فریضہ ہے۔ یہ کام بالکل منظم طریقے سے انجام دیا جائے، اس کے لیے ایک مرکز ہو جہاں ریکارڈ رکھا جائے۔ تبلیغ کی خاطر اسلام کی بنیادی تعلیمات پر مبنی کتابیں ہوں، نیز مذاہب باطلہ پر بھی معلوماتی کتب ہوں۔ جو لوگ اسلام کے سایہ میں آجائیں ان کی تعلیم کا بندوبست ہونا چاہیے جن کا خاص نصاب ہو اور جو دینی تعلیم میں مہارت کے خواہش مند ہو، ان کو دینی مدارس میں بھیجنا چاہیے تبلیغی جماعت تبلیغ شدہ مقام پر بار ہا پہنچ کر سابقہ تبلیغ کے اثر کا جائزہ لیتی رہے۔

لیکن کسی ناعاقبت اندیش نے اس کتاب میں تحریف کر ڈالی، اس کی روح نکال دی، مفہوم کو الٹ دیا کہ غیر مسلمین میں دعوت کا کام کرنے کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ کام صرف مسلمانوں ہی میں ہونا چاہیے۔ اس افسوس کن اور ظالمانہ واقعہ کو مولانا حسیب اللہ قاسمی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:

''ناعاقبت اندیش جاہل مطلق...... کسی شخص نے قرآن وسنت سے ناواقفیت کا ثبوت دیتے ہوئے اس نادر و نایاب تحفہ یعنی مذکورہ کتاب کا آپریشن کر ڈالا، اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے، تحریف کلمات کے ابتر جرم کا ارتکاب کر لیا، نہ خدا کا خوف دامن گیر ہوا اور نہ امانت میں خرد برد پر پرسش کا ڈر، غیر مسلمین کی جگہ مسلمان لکھ دیا اور اس طرح کچھ کا کچھ کر دیا جس کا مقصد یہ تھا کہ غیر مسلمین میں دعوت کی اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ کام مسلمانوں ہی میں منحصر رکھا جائے..... ملت اسلامیہ ہمیشہ ایسے لوگوں سے زبردست نقصان اٹھاتی رہی ہے اور دوستوں سے دشمنوں سا صلہ پاتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں نے ملت اسلامیہ کو گھن کی طرح کھا لیا اور ظاہر میں ایک پھسپھسا، غیر مضبوط ڈھانچہ لا کھڑا کر دیا اور افسوس ان لوگوں پر جنھوں نے یہ سب کچھ دیکھا اور خاموش تماشائی بنے رہے اور ساتھ ہی ساتھ ہمدرد بھی..... مگر یہ سب لوگ سن لیں کہ شب تاریک کو دوام نہیں رہے گا، روشنی کی کرن نظر آگئی ہے، اب سحر ہونے کو ہے، اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ حقیقت وصداقت جھوٹ وافترا کے قید خانے سے آزاد ہوگی، ''خدا بھی رہے خوش، بت بھی ہوں نہ ناراض'' کا افسانہ تار تار و بے نقاب ہوگا۔'' (۳۸)

لیکن اللہ جزائے خیر دے اصلاح کمیٹی بہرائچ (یوپی) کے مجاہد کارکنان کو جنھوں نے خود دار العلوم دیوبند سے اس کا دیمک زدہ نسخہ لا کر ''غیر مسلمین میں دعوتی پروگرام'' کے نام سے کتابچہ کی شکل میں

شائع کردیا۔نمونہ کے طور پر حکیم الاسلام قاری محمد طیب کی کتاب کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"تبلیغ اسلام کے معنی پشتینی مسلمانوں کو عبادتی رنگ کے کچھ احکام پہنچا دینے اور انھیں وابستہ کر لینے کے نہیں ہیں جس کے بعد یہ سمجھ لیا جائے کہ فریضہ تبلیغ ادا ہوگیا یا ارباب تبلیغ فرائض دعوت سے سبکدوش ہو گئے۔

مجھے اس انداز کی کسی دعوت خاص کی ضرورت اور افادیت سے اگر چہ انکار نہیں، لیکن اسے فریضہ تبلیغ سے سبکدوشی سمجھ لیا جانا قرآن کے اصولِ تبلیغ کی روشنی میں یقیناً صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا، یہ جزوی تبلیغ تذکیر و اصلاح وغیرہ کے عنوانات سے یاد کی جا سکتی ہے۔مگر عرف شریعت کے لحاظ سے اسے تبلیغ نہیں کہا جا سکتا اور توسعاً اگر کہا بھی جائے تو زیادہ سے زیادہ تبلیغ احکام کہا جا سکتا ہے (بشرطیکہ احکام و مسائل پہنچائے جائیں) 'تبلیغ اسلام' نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ عرف شریعت میں تبلیغ درحقیقت اسلام پہنچانے اور اسلامی برادری کے وسیع کرنے کو کہا گیا، اس لیے تبلیغ اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے اسلام کا پیغام پہنچانے کا نام ہے ۔صد حیف کہ آج یہ منصوبہ مسلمانوں سے تقریباً ختم ہو چکا ہے، اسی لیے اقوام غیر کی نسبت سے ان کی برتری اور فوقیت جس نے انھیں خیر امت بنایا تھا، افسانہ ماضی ہو کر رہ گئی ہے۔ نیز اسی لیے یہ امت اقدامی ہونے کے بجائے جو اس کی اصل شان تھی، محض دفاعی بن کر رہ گئی ہے۔" (۳۹)

تحریک شہیدین (سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید) اور دارالعلوم دیوبند کی تحریک کے پیچھے بھی یہی جذبہ کارفرما تھا کہ مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ غیر مسلمین میں بھی دعوت کا کام شروع کیا جائے۔ (۴۰)

ان دلائل و براہین کے باوجود سادہ لوح مسلمان پہلے مسلمانوں کو سدھارنے کی بات کرتے ہیں؛ بعدہٗ غیر مسلمانوں کو۔تمام مسلمانوں کی سدھار تو تاقیامت نہیں ہو سکے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلمین میں دعوتی کام نہ کیا جائے، "نہ نو من تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی"۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ مسلمانوں میں کام نہ کیا جائے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ مسلمانوں میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، ان کی اصلاح کے ساتھ غیر مسلمین میں بھی کام کیا جائے اور یہی طریقہ صحیح بھی ہے۔لیکن مولانا محمد الیاس کی قائم کردہ تحریک کو دشمنانِ اسلام بڑے ہی شاطرانہ انداز میں اپنا شکار بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور بہت حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔

بہت پہلے مسلمانوں کے اندر یہ ذہن پیدا کیا گیا کہ غیر مسلمین میں دعوت کا کام نہ شروع کیا جائے اگر ایسا کیا گیا تو جوابی کاروائی شروع ہوگی جس کے نتیجہ میں مذہبی منافرت اور فرقہ وارانہ جذبات پنپیں گے۔ بعض سیاسی علماء کرام نے جہاں ایک طرف مسلمانوں کے جذبات اور شعائر اللہ کا خون اپنے ہاتھوں سے کیا، وہیں دوسری طرف اس فلسفہ اور دلیل کو بھی بڑھ چڑھ کر پیش کیا اور تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کے خلاف جو نفرت کا سیلاب بہہ رہا تھا اس کا بھی حوالہ دے کر یہ بات پیش کی کہ توا گرم ہے، ابھی روٹی مت ڈالو، روٹی جل جائے گی اور وہ گرم توا ان کے نزدیک آج تک ٹھنڈا نہیں ہوا ہے۔ ان علمائے کرام نے بڑے دھڑلے کے ساتھ مسلمانوں میں یہ بات پھیلا دی کہ اگر ہم نے دعوت کا کام شروع کیا تو جوابی کاروائی ہوگی، ہندو بھی اپنے دھرم کی تبلیغ مسلمانوں میں کریں گے۔ ان علمائے کرام سے پوچھنا چاہیے کہ:

- ''شدھی تحریک'' (مسلمانوں کو ہندو بنانے) کا وجود کس دعوت کے نتیجہ میں ہوا تھا؟
- ۱۹۹۸ء میں بی جے پی نے ٹی وی پر خبر دی کہ پچاس ہزار مسلمان ہندو بنائے جا چکے ہیں، جن کے لیے مکانات تعمیر کرائے جا رہے ہیں۔ (۴۱) کس ردعمل میں ہوا؟۔
- حال ہی کی بات ہے کہ تمام شنکرا چاریوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جو ہندو دھرم چھوڑ کر مسلمان ہوگئے ہیں، ہندو مذہب میں واپس لانے کے لیے، دوسرے لفظوں میں مرتد کرنے کے واسطے آٹھ مہینے سفر پر رہیں گے اور چار مہینے اپنے مٹھوں پر، آخر یہ کس دعوت کی مخالفت میں ہو رہا ہے؟

کچھ ہی سال پہلے [غالباً ۱۹۹۸ء میں] برہمنیت نے یوپی کے مغربی اضلاع میں ایک مسلمان کو کھڑا کیا تھا۔ اس نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا کہ غیر مسلمین [ہندو] کو دعوت اسلام نہ دی جائے۔ یہ اہل کتاب ہیں، یہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت ہیں، ان کا نبی گم ہوگیا، کتاب وسنت کی روشنی میں ان کا نبی ڈھونڈ کر دے دو؛ (۴۲) لیکن شاید اس شخص کو یہ پتا نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کو بھی اسلام کی دعوت دی ہے۔ قرآن میں بارہا اللہ نے اہل کتاب کو مخاطب کر کے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے:

﴿قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ! تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ.﴾ (۴۳)

"آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان (مسلم ہونے میں) برابر ہے (وہ یہ) کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں کوئی خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے، پھر اگر وہ لوگ (حق سے) اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم (ہمارے اس اقرار کے) گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔"

یہاں تک تمام انبیاء نے اپنی اپنی امت سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہونے والی ہے، جب ان کی بعثت ہو جائے تو ان پر ایمان لے آنا' آپ نے یہ بات کہہ کر حجت پوری کر دی کہ 'اگر آج موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو وہ بھی مجھ پر ایمان لاتے۔' (۴۴)

شودر پھر اسلام کے زیر سایہ:

ہندتو کے علمبردار یہ چاہتے تھے کہ شودروں پر ابھی ظلم نہ کیا جائے، اگر ابھی ان کو ستایا گیا تو اسلام کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے، وقت کا انتظار کیا جائے، جب اسلام کو ہم ختم کر لیں گے تو اس کے بعد جس طرح ہم چاہیں گے، شودروں کا استحصال کریں گے، لیکن مفروضہ بڑی ذاتوں کے وہ ہندو جو ذات پات کے حامی ہیں اور جو ہمیشہ سے ان بے چاروں پر ظلم کرتے آئے ہیں، کب صبر کرنے والے تھے، وہ ہندتو کے علمبردار کی خواہشات کے علی الرغم ان پر ظلم کرتے رہے، ان کی بہو، بیٹیوں کی عصمت دری کرتے رہے، ان کے مال وزر کو غصب کرتے رہے، دولہا کو گھوڑے پر سوار ہونے کے جرم میں باراتیوں کو مع دولہا، زندہ جلاتے رہے۔ ان مظالم کو دیکھ کر ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈ کر نے شودروں کو (ان مظالم سے) نجات دلانے کا تہیہ کیا اور کہا کہ 'اگر ان مظالم سے چھٹکارا نہ دلا سکا تو میں اپنے آپ کو گولی ماروں گا۔' (۴۵)

ان کا کہنا تھا:

"ہندو دھرم میں رہ کر ہم کسی طرح کی ترقی نہیں کر سکتے، کیوں کہ وہ ہمیں پیدائشی انسانی حقوق سے محروم رکھتا ہے"

"میں نے ہندو دھرم میں برابری کی جگہ حاصل کرنے کے لیے بہت کوشش کی پر سب بیکار ہوئے۔ ہندو دھرم میں برابری کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہندو دھرم کو ترک کرتے ہی ہمارے حالات میں سدھار ممکن ہے، تبدیلی مذہب کے سوا نجات کا دوسرا مارگ (راستہ) نہیں ہے۔"

"اگرچہ میں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی [ہے] لیکن ہندو دھرم میں اب بھی اچھوت ہوں" (۴۶)

"ہندو دھرم کو چھوڑنے میں ہی تمام دلت، پسماندہ، اچھوت، مظلوم اور استحصال شدہ لوگوں کا حقیقی فائدہ مضمر ہے، اس بات کا میں دل سے قائل ہو گیا ہوں۔" (۴۷)

"میں آپ لوگوں سے واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ انسان مذہب کے لیے نہیں بلکہ مذہب انسان کے لیے ہے۔ دنیا میں انسان سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ مذہب محض ایک ذریعہ ہے۔ جسے بدل دیا جا سکتا ہے، پھینک دیا جا سکتا ہے۔" (۴۸)

"میں ہندو دھرم کو چھوڑ کر اپنا نیا جنم سمجھتا ہوں۔ اس دھرم نے اچھوتوں کا استحصال کیا ہے، انسانوں میں عدم مساوات پیدا کی ہے۔"

"چھوت چھات زندہ رہے، اس کے بجائے میں یہ زیادہ اچھا سمجھوں گا کہ ہندو دھرم ہی ڈوب جائے۔" (۴۹)

۱۹۳۵ء میں "ایولا" [ناسک مہاراشٹر] کے جلسہ کو اور ۱۹۳۶ء میں "ذات پات توڑک منڈل" لاہور کے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ:

"یہ ہمارے بس کی بات نہیں تھی کہ میں اچھوت ہندو کے روپ میں پیدا ہوا، پر یہ میرے بس کی بات ہے کہ میں نیچ اور غیر انسانی حالات میں نہ رہوں۔ میں آپ کو بقسم خدا کہتا ہوں کہ میں ایک ہندو کی طرح نہیں مروں گا۔" (۵۰)

اپنے عزم کو مزید پختہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"اگر خدا بھی سامنے آکر کہے کہ ہندو دھرم کو مت چھوڑو تو بھی میں اس کی بات نہیں مانوں گا" (۵۱)

۳۰-۳۱ مئی ۱۹۳۶ء کو انھوں نے بمبئی میں منعقد ایک کانفرنس میں جو تحریری تقریر پیش کی تھی اس میں کہا تھا:

"ہندو دھرم ہمارے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں ہے۔ وہ تو غلامی ہے، جو ان پر مسلط کر دی گئی تھی۔ ہمارا نصب العین ہے آزادی کا حصول۔ اچھوتوں کے لیے سماجی آزادی کا حصول ...... اور تبدیلی مذہب کے بغیر آزادی کا حصول ممکن نہیں ...... میں تسلیم کرتا ہوں کہ اچھوتوں کو سماجی برابری حاصل کرنے کے دو راستے ہیں، ایک

ہندو سماج میں رہ کر، دوسرا تبدیلی مذہب کے ذریعہ اسے چھوڑ کر۔ مساوات کو مختلف ذاتوں سے مل جل کر کھانے پینے اور ان کے درمیان شادی بیاہ ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چاروں ورنوں کے سسٹم اور برہمنی مذہب کو ختم کر دیا جائے۔ کیا یہ ممکن ہے......؟ جب تک تم ہندو رہو گے، سماجی روابط، کھانے پینے اور مختلف ذاتوں کے درمیان شادی بیاہ کے لیے جدو جہد کرتے رہو گے اور جب تک یہ کشمکش جاری رہے گی، تمھارے اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات مستقل دشمنوں کے سے [جیسے] رہیں گے۔ تبدیلی مذہب کے ذریعہ ان تمام جھگڑوں کی بنیاد ڈھ جائے گی..... ذاتیں اگر چہ مسلمان اور عیسائیوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر یہ ان کے سماجی ڈھانچہ کی بنیادی خصوصیت نہیں ہے...... ہندوؤں میں ذات پات کا سسٹم مذہبی بنیاد رکھتا ہے، دوسرے مذاہب میں ذات پات کو مذہب کی توثیق حاصل نہیں ہے۔ ہندو اپنے مذہب کو ختم کیے بغیر ذات پات کے سسٹم کو ختم نہیں کر سکتے، مسلمانوں اور عیسائیوں کو ذاتیں ختم کرنے کے لیے اپنے مذہب کو ختم کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ شاید ان کا مذہب بہت حد تک ایسی تحریکات کی تائید کرے گا۔'' (۵۲)

اس منصوبے اور عزم کے تحت ڈاکٹر امبیڈکر نے دھرم تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا، ان کا رجحان اسلام کی طرف تھا۔ ایک دلت دانشور ''ایس. ایل. ساگر'' نے اپنی کتاب ''ہریجن کون اور کیسے؟'' (ہندی) میں اس جانب اشارہ کیا ہے[۵۳] جس کی تفصیل باب ہشتم میں ''گاندھی واد'' کے زیرِ عنوان گذر چکی ہے۔ خود ڈاکٹر امبیڈکر آخر الذکر قول میں اس کی طرف لطیف اشارہ ملتا ہے۔ ایک دفعہ تو انھوں نے واضح لفظوں میں دلتوں سے کہا کہ ہماری چھوت چھات سے نجات کا واحد راستہ صرف قبول اسلام ہی ہے۔ انھوں نے کہا:

''دوستو! ہماری جو شودر ہونے کی بیماری ہے وہ خطرناک ہے۔ یہ کینسر کی مانند ہے جو بہت پرانی شکایت ہے۔ **اس کی ایک دوا ہے اور وہ ہے اسلام۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری دوا نہیں،** ورنہ یا تو ہمیں اس کو برداشت کرنا ہے یا اس کو بھلانے کے لیے نیند کی خوراک لینی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور چلو ایک تندرست انسان کی طرح، **اسلام ہی صرف ایک راستہ ہے۔**'' (۵۴)

ڈاکٹر امبیڈکر کے اس قول سے بالکل واضح ہو گیا کہ وہ صرف اسلام قبول کرنا چاہتے تھے کوئی

دوسرا مذہب نہیں۔ لیکن ان کی تبدیلی دھرم کرنے سے روکنے کے لیے گاندھی جی اور کانگریس نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا، کیوں کہ گاندھی جی اور کانگریس کو معلوم تھا کہ اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو ہندستان میں مسلمان غالب ہو جائیں گے اور مسلمان کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ''اس صورت میں نہ ہندو بچیں گے اور نہ ہندو دھرم''۔ (۵۵) جب حد سے زیادہ ڈاکٹر امبیڈکر کو تبدیلی مذہب سے روکنے کی کوشش کی گئی تو انھوں نے گاندھی جی اور کانگریس کو جواب دیتے ہوئے کہا:

''کوئی انسان صرف آسانیوں کے لیے اپنا دین نہیں چھوڑتا۔ آدمی جس مذہب میں پیدا ہوتا ہے اسے بڑی تکلیف کے ساتھ چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ میں نے ہندو مذہب کو اپنے اور اپنے سماج کے لیے بے حسی کے رویہ کی وجہ سے چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''گاندھی اور کانگریس کے کچھ نیتا مجھ سے کہتے ہیں کہ میں دھرم کو کیوں چھوڑ رہا ہوں۔ میں گاندھی سے پوچھتا ہوں تمہاری چھوا چھوت مٹانے کی منشاء تم سے ایک ہاتھ آگے بڑھ سکتی ہے کیا؟ گاندھی اور کانگریس نے اچھوتوں کے لیے کیا کیا ہے؟ تبدیلئ مذہب ایسا ہے جیسا کہ اپنے کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے کیا گیا کوئی قدم۔ کیا ڈوبنے سے بچنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔''(۵۶)

''تبدیلی مذہب مادی لالچ نہیں، اخلاقی بہادری کا کام ہے''(۵۷)

جب ڈاکٹر امبیڈکر کو تبدیلی مذہب سے روکنے کی یہ کوششیں ناکام ہو گئیں تو ان سے کہا گیا کہ آپ مسلمان بن کر کون سی ذات میں داخل ہوں گے مسلمانوں میں بھی (ہماری قائم کردہ) اونچی نیچی ذاتیں ہیں،(۵۸) لیکن وہ ان چالوں کو سمجھ گئے کہ ہمیں غلام بنائے رکھنے کے واسطے اس طرح کہا جا رہا ہے اور وہ تبدیلی مذہب پر مصر رہے۔

تبدیلئ مذہب کی بات تو ڈاکٹر امبیڈکر بہت پہلے سے سوچتے اور کہتے چلے آ رہے تھے، ان کو تبدیلی مذہب سے روکنے کے واسطے ہی گاندھی جی نے دلتوں کے واسطے بہت سے رفاہی کام کیے(۵۹) جن کی تفصیلات اوپر باب ہشتم، زیرِ عنوان: گاندھی واد گزر چکی ہیں؛ لیکن ان کو تبدیلی مذہب سے روکنے کی کوشش میں اس وقت اچانک تیزی آئی جب انھوں نے اپنی بیوی ''آئساہیب رامابائی (Aisaheb Rama Bai) کی وفات ۲۷ مئی ۱۹۳۵ء کے ایک سال بعد ۳۰-۳۱ مئی ۱۹۳۶ء میں بمبئی کے اندر منعقد ایک بڑی مہر کانفرنس میں تبدیلی مذہب کے بعد قبول اسلام(۶۰) کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل تو خود ڈاکٹر امبیڈکر کا وہ قول ہے جس کو انھوں نے گاندھی جی اور کانگریس سے کہا تھا

جو ابھی ابھی اوپر گزرا کہ ''گاندھی اور کانگریس......نہیں اٹھانا چاہیے۔''

اگر ڈاکٹر امبیڈکر کے اس قول کو گاندھی جی کے ایک اس دوسرے عمل سے جوڑ کر دیکھا جائے جس میں انھوں نے ممبئی کے وورلی (Worli) اور دہلی کی بھنگی کالونی میں جا کر ٹھہرے اور پاخانہ صاف کیا جس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں (۶۱) تو بات مزید واضح ہو جائے گی۔

ڈاکٹر امبیڈکر کا قبول اسلام سے روکا جانا

جب ڈاکٹر امبیڈکر کو تبدیلی مذہب اور قبول اسلام سے باز رکھنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں تو ایک دوسرا کامیاب طریقہ اپنایا گیا۔ اکثر دلت مفکرین اور دانشوران حتی کہ ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کے ایک قریبی ساتھی جناب شنکرانند شاستری، ان کے صاحبزادے جناب یسونت راؤ امبیڈکر وغیرہ کا کہنا ہے کہ مہاراشٹر کی ''سراسوت'' برہمن ذات کی ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر سویتا کبیر/ شاردا کبیر نامی عورت سے ڈاکٹر امبیڈکر کی شادی کوئی ان کا ذاتی عمل نہیں تھا بلکہ یہ شادی برہمنیت اور منوواد یت کے علمبرداروں کے اشارہ پر ایک سازش کے تحت ہوئی تھی۔ خود ڈاکٹر امبیڈکر کو اس شادی کا افسوس تھا اور انہوں نے اپنی وفات ۶ ردسمبر ۱۹۵۶ء سے صرف چند گھنٹے قبل ۵ ردسمبر کو گیارہ بجے رات میں اپنے ساتھی جناب شنکرانند شاستری سے کہا کہ وہ محترمہ شاردا کبیر کو طلاق دینے کے لیے عنقریب کورٹ میں رٹ داخل کریں گے، اس لیے انہوں نے طلاق کے قوانین پر مشتمل ایک کتاب بھی خریدی ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر صاحب نے اپنی بیوی آئساہب رامابائی کی وفات ۲۷ رمئی ۱۹۳۵ء کے تیرہویں سال ۱۵ راپریل ۱۹۴۸ء کو ان سے شادی کی، جنھوں نے موقع ملتے ہی اپنے برہمن وادی اور منووادی ایجنڈا کے تحت ان کو زہر دے کر مار ڈالا اور مطالبہ کیا کہ اب چوں کہ بابا امبیڈکر کی وفات ہو چکی ہے لہذا شیڈولڈ فیڈریشن کا صدر انھیں بنایا جائے۔ (۶۲)

ڈاکٹر امبیڈکر کی برہمن بیوی سویتا کبیر نے ان پر اس طرح شکنجہ کسا کہ جب نظام حیدرآباد نے ان سے کروڑوں روپیہ کی پیش کش کی کہ وہ اپنے دوسرے اچھوتوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیں تو انھوں نے اسے ٹھکرا دیا۔

"He was offered crores of rupees by Nizam of Hydrabad had he converted to Islam along with his other untouchables."(۶۳)

اور جب انھوں نے تبدیلی مذہب کا اعلان کیا تو تقریبا ۵۴-۱۹۵۳ء میں دوسرے مذاہب

کے اسکالرز کی طرح مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی صدیقی اور دوسرے علمائے اسلام ان سے ملاقاتیں کرتے تھے، اسلام کا پیغام مساوات اور اخوتِ اسلامی ان کو بتاتے تھے۔ یہ ملاقاتیں لگاتار ان کی لائبریری میں ہوتی تھیں، ایک دن انھوں نے کتابوں کی ایک الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''مولانا اس الماری میں آپ کتابیں دیکھ رہے ہیں...... یہ سب مذہب اسلام اور اسلامیات سے متعلق ہیں۔ میں نے سید امیر علی، عبداللہ یوسف علی، پکھتال اور دوسرے مسلم، نومسلم اور غیر مسلم اسلام کے اسکالرز کی کتابوں کا توجہ سے مطالعہ کرلیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصولی طور پر اسلام سماجی جمہوریت اور انسانی مساوات کا داعی ونقیب ہے؛ لیکن ہندستان میں آپ لوگ منو کے ورن آشرم پر عمل پیرا ہیں اور آپ نے اپنے سماج کو بھی برادریوں میں تقسیم کررکھا ہے، میں اسلام قبول کرلیتا ہوں تو آپ مجھے کس خانے میں رکھیں گے۔'' (۶۴)

اس سماجی تلخ حقیقت کا مولانا کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور اس طرح ۱۴/اکتوبر ۱۹۵۶ء وجے دشمی کے دن انھوں نے اپنے تین یا چھ لاکھ ہمنواؤں کے ساتھ بدھ مذہب اختیار کرلیا۔

اسلام ہی واحد راستہ: دلت دانشوران

ڈاکٹر امبیڈکر کے بدھ مت قبول کرنے سے بھی اوپر مذکورشدہ مظالم میں کمی نہیں آئی کیوں کہ بودھ دھرم تو ہندومت کی ہی ایک شاخ ہوکر رہ گئی ہے۔ اگر اچھوت اقوام کو کوئی عافیت کی جگہ نظر آئی تو وہ اسلام ہی نظر آیا، نیز ان (اچھوتوں) کے حقیقی ہمدرد اور خیرخواہان دلت اور غیر دلت حضرات نے بھی انھیں چھوت چھات، ذات پات اور برہمن واد سے بچنے کے لیے اسلام کا دامن تھام لینے کو کہا اور آج بھی کہہ رہی ہیں مسٹر شانتارام ایم۔ اے نے کہا:

''دنیا میں پیغمبر مساوات حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو پوچھتے ہو کیا ان کا مذہب اچھا تھا، اگر ان کا مذہب اچھا نہ ہوتا تو وہ پھر زندہ کیسے رہتا؟'' ''صرف اچھے اور نیک انسان ہی کو حیات دوام ملتی ہے۔ محمدؐ مساوات اور انسانی اخوت کے علم بردار تھے۔'' (۶۵)

برہمنیت اور اس کے علمبردار کے خلاف تحریک چلانے والے ان کے تقدس کو ملیامیٹ کرنے والے، ان کی نیندیں اڑانے والے، ڈاکٹر امبیڈکر کے ہمعصر اور ان کے ساتھ کام کرنے والے (۶۶) جنوبی ہند کی مشہور ومعروف دلت مفکر اور دانشور ''پیریار ای. وی. رام سوامی (Periyar E.V.Ramasawami) جن کو برہمنی نظام کے علم برداروں نے خدا کا دشمن قرار دے کر ختم کر ڈالا تھا

(٦٧) نے فرمایا:

”میں اسلام کی وکالت نہیں کر رہا ہوں۔ میں اس کی تشہیر نہیں کر رہا ہوں، لیکن یہی سچ ہے۔ میں آپ سبھی کے مقابلہ میں مسلمانوں کے ساتھ زیادہ پیار، دوستی یا جذبۂ وفاداری نہیں رکھتا ہوں لیکن جو بات میں ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ برہمن واد کے زہریلے سانپ کو مارنے کے لیے یا اس کے انتہائی بھیانک وزہریلے دانتوں سے بچنے کے لیے اسلام ہی واحد علاج ہے“(٦٨)

او بی سی(OBC) لیڈر، دانش ور، حیدر آباد یونیورسٹی کے پروفیسر شعبۂ سیاسیات، مشہور کتاب "Why I am not a Hindu?" (میں ہندو کیوں نہیں ہوں؟) اور ذات پات، برہمن واد، منوواد پر متعدد کتابوں کے مصنف ”پروفیسر کنچ ایلیا“ (Kanch Elayya) اکتوبر ۲۰۰۱ء میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے دلت طلباء کی ایک تنظیم ’امبیڈکر اسٹڈی سرکل‘ کی دعوت پر جے این یو تشریف لائے تھے۔ دلت طلباء کے ساتھ ان کی ایک میٹنگ نرمدا ہاسٹل روم نمبر ۲۳۶ میں ہوئی تھی۔ اس میٹنگ میں دلت طلباء نے راقم الحروف کو بھی مدعو کیا تھا۔ پروفیسر کنچ ایلیا صاحب نے دلت طلباء سے کہا کہ آپ کی چھوت چھات کا علاج یہ ہے کہ آپ ہندو دھرم چھوڑ دیں۔ قبول مذاہب کے لیے انھوں نے نام لیا: بدھ مذہب، اسلام اور عیسائیت۔

جب راقم الحروف نے ان سے کہا کہ ’سر! ہندستان اور ذات پات کے تناظر میں صرف اور صرف اسلام ہی مناسب (Rrelevant) ہے۔ اگر کوئی بدھ مت قبول کرتا ہے تو کسی بھی سنگھی اور آر ایس ایس کو کسی طرح کا اعتراض نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ بودھ مذہب ہندو دھرم کا ہی حصہ ہو کر رہ گیا ہے؛ لیکن اسلام قبول کرنے پر واویلا مچ جاتا ہے، فساد ہو جاتا ہے۔ عیسائیت اس معنی میں مفید نہیں ہے کہ ہندستان میں منوواد کے علم برداروں کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کے اندر طاقت نہیں ہے۔ (نیز خود عیسائیت میں ذات پات ہے جس کا ذکر اوپر باب ہشتم میں زیر عنوان ’عیسائی مشنریاں“ گزر چکا ہے۔) اگر کوئی مقابلہ کر سکتا ہے تو اسلام اور مسلمان ہی مقابلہ کر سکتے ہیں۔

انھوں نے میری بات سے اتفاق کیا اور کہا کہ ”ہاں اسلام ہی قبول کرنا چاہیے اور عنقریب ہندستان بھی مسلم ملک بن جائے گا اسی طرح جس طرح افغانستان، ملیشیا اور انڈونیشیا وغیرہ ہندو ملک تھے؛ لیکن پھر وہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے۔“

چناں چہ ہوشمند اور تعلیم یافتہ شودر (دلت) فرداً فرداً اسلام قبول کرتے رہے؛ لیکن جب

فروری، ۱۹۸۱ء میں ''میناکشی پورم'' (تامل ناڈو) میں سیکڑوں [ایک خبر کے مطابق ایک ہزار اور دوسری خبر کے مطابق پانچ سو] دلتوں نے ایک ساتھ اسلام قبول کرلیا اور اپنے گاؤں کا نام تبدیل کر کے ''رحمت نگر'' رکھ دیا تو یہ خبر میڈیا میں آ گئی۔ پھر کیا تھا؟ سنگھی اور ہندتو کے علمبرداروں کی نیند حرام ہوگئی، انھوں نے ان کو دوبارہ ہندو بنانے کا مطالبہ کیا اور حکومت نے بھی ان کو ان تمام سہولیات سے محروم کر دیا جو اچھوتوں کو دی جاتی ہیں۔ اندرا گاندھی جی کی زیر قیادت والی کانگریسی حکومت ہند کی وزارت داخلہ نے ریاستی حکومتوں اور مرکز کے زیر انتظام صوبوں سے کہا کہ وہ تبدیلی مذہب کو روکنے کے لیے مدھیہ پردیش، اڑیسہ اور آندھرا پردیش کے طرز پر تبدیلی مذہب مخالف قوانین بنائیں۔(۶۹) وزارت داخلہ نے یہ بھی کہا کہ میناکشی پورم کی تبدیلی مذہب میں غیر ملکی ہاتھ ہے۔ حالانکہ متعدد رپورٹیں جن میں ایس سی، ایس ٹی فیڈریشن کے علاقائی ڈائریکٹر کی رپورٹ بھی شامل ہے نے کہا کہ یہ تبدیلی مذہب سماج میں موجود چھوت چھات کی رذالت کے خلاف ایک احتجاج تھی۔(۷۰) ان کے قبول اسلام سے ان کی مالی حالت تو نہ سدھری البتہ سماجی حالت میں تبدیلی آئی، نہ صرف کہ مسلمانوں نے انھیں سینے سے لگایا؛ بلکہ مفروضہ اونچی ذات کے ہندوؤں کی نظروں میں بھی وہ اچھوت نہ رہے؛ لہٰذا تمام نومسلم ہنگامے کے باوجود اسلام پر ڈٹے رہے۔(۷۱)

اوپر ''نومسلموں اور اسلامی مبلغوں کا قتل'' کے زیر عنوان، گڑگاؤں کے شہر میوات کے ایک گاؤں تدک پور کے چالیس دلتوں کے قبول اسلام پر سنگھیوں کے ذریعہ جس طرح واویلا کیا گیا اور کہا گیا کہ ان کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہے، کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

حالاں کہ معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ ان لوگوں نے چھوت چھات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے اسلام قبول کیا تھا۔ چناں چہ ہندستان ٹائمس۔ نئی دہلی (Hindustan Times New Delhi) نے اپنے ۲۴؍اگست ۲۰۰۲ء کے شمارہ میں ص: ۵ پر ان نومسلموں اور گاؤں والوں کے اژدحام کی ایک تصویر اس سرخی کے ساتھ شائع کی: ''Family finds acceptance after embracing Islam'' قبول اسلام کے بعد خاندان کو تسلیم کرلیا جاتا ہے۔

اس کے بعد اخبار لکھتا ہے کہ:

"After years of discrimination in his native Tadak pur village Mohar Sing and his family considered equals."

''اپنے پیدائشی گاؤں ٹڈک پور میں سالہا سال بھید بھاؤ کا شکار ہوئے مہر سنگھ اور اس کا خاندان اب برابر سمجھا جا رہا ہے۔''

پھر اخبار وشو ہندو پریشد کے الزام (کہ ان کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہے) کے جواب میں ان

نومسلمانوں کے الفاظ یوں نقل کرتا ہے:

"They however refute the charge."Where were these Hindu leaders when we were being discriminated against everyday? None of them even thought of us when we were Hindus. Then why so much hue and cry when we have chosen Islam."

''وہ تمام اس الزام کی تردید کرتے ہیں۔'' یہ ہندولیڈران اس وقت کہاں تھے جب ہم روزانہ بھید بھاؤ کا شکار ہوتے تھے! جب ہم ہندو تھے تو ان میں سے کسی نے بھی ہمارے بارے میں نہیں سوچا، پھر جب ہم نے اسلام قبول کرلیا تو اب یہ ہاہواور ہنگامہ کیوں۔؟''

اس کے بعد اخبار لکھتا ہے کہ:'تبدیلی مذہب کے بعد ان کی حالت دن بدن بہتر ہو رہی ہے۔ پہلے مسلمان ان کو کھیتوں میں کام دینے سے ہچکچاتے تھے۔ مسلم گھروں میں ان کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ مسلم گھروں سے پانی لینا تقریباً ناممکن تھا اور کھانا وغیرہ ان کو ان کے پلیٹ میں پھینک کردیا جاتا تھا؛ لیکن اب (مسلمان ہونے کے بعد) ان کو عام کنواں سے پانی لینے کی اجازت ہے۔ وہ مسلم گھروں میں دوسروں کی طرح آجا سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جارہا ہے۔ گاؤں والوں نے ان کو مدد کی یقین دہانی کرائی ہے وہ انھیں اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور ان کی معاشی حالت درست کرنے کے لیے ہر طرح سے تیار ہیں۔'

پھر اخبار ان نومسلموں کے الفاظ نقل کرتا ہے:

" We are happy as muslims.They claim"

''وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو کر خوش ہیں۔''

''مسلمان برہمن'' ''مسلمان اچھوت''

اسلام کی اشاعت روکنے کے لیے ہمیشہ برہمنیت اور منو وادیت کے علم بردار مسلمانوں کو طبقوں اور ذاتوں (یعنی اونچی نیچی برادریوں) میں تقسیم کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں؛ لیکن پہلے چوں کہ ان کی حکومت نہیں تھی اس لیے بھرپور کامیابی نہ ملنے کی وجہ سے کف افسوس ملتے رہے، لیکن ۱۹۴۷ء میں اپنا اقتدار قائم کرلینے کے بعد جب انھوں نے شودروں کا رجحان اسلام کی طرف دیکھا تو ان کو شدید بے چینی ہوئی اور انھوں نے اشاعت اسلام کو محدود کرنے کی خاطر مسلمانوں کو اونچ نیچ میں تقسیم کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ایک طرف ان مسلمانوں کو جو غیر ہندی النسل ہونے اور اپنے

آباواجداد کے غیرملک سے ہندستان میں آنے کے دعویدار ہیں (۷۲) ذہنی رشوت دینی شروع کی کہ آپ تو بڑی ذات ہیں۔ چناں چہ مشہور شاعر جوش ملیح آبادی صاحب نے اپنی کتاب ''یادوں کی بارات'' میں اس ذہنیت اور سازش کی طرف اشارہ کرتے ہوے لکھا ہے کہ سردار ولبھ بھائی پٹیل جی کمیونل (Communal) آدمی تھے، اسی لیے میں ان سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا ایک بار پنڈت جواہر لال نہرو جی کے اصرار پر ان سے ملنے گیا تو انھوں نے کہا کہ:

> ''آپ نے سنا ہوگا کہ میں مسلمانوں کا دشمن ہوں، آپ جس قدر خوفناک برہنہ گفتار آدمی ہیں، اسی قدر میں بھی ہوں، اس لیے آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ میں آپ کے سے ان تمام مسلمانوں کی بڑی عزت کرتا ہوں، جن کے خاندان باہر سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہیں، لیکن میں ان مسلمانوں کو پسند نہیں کرتا جن کا تعلق ہندو قوم کے شودروں اور نیچی ذاتوں سے تھا اور مسلمانوں کی حکومت کے اثر میں آکر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، یہ لوگ دراصل نہایت متعصب، شریر اور فسادی ہیں اور اقلیت میں ہونے کے باوجود ہندو اکثریت کو دبا کر رکھنا چاہتے ہیں۔'' (۷۳)

دوسری طرف سیاسی پلیٹ فارم سے کام کرنا شروع کیا۔ چناں چہ یہ فارمولہ پیش کیا گیا کہ مسلمانوں میں کچھ اگڑے ہیں اور کچھ پچھڑے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں کچھ لوگ بیک ورڈ (Backward) اور کچھ فارورڈ (Farward) ہیں۔ ان کے فارمولا کی رو سے پچھڑے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اٹھیں اور اگڑوں سے اپنا حق چھین لیں، ان کی زمین پر قبضہ کر لیں، ان کی دولت لوٹ لیں، جہاں وہ اکثریت میں ہیں وہاں کے اگڑوں کو قتل وغارت کر کے اپنے آباءواجداد پر کیے گئے ظلم کا بدلہ لے لیں۔ جو کچھ سہولیات ومراعات اور سرکاری مناصب ہیں، ان پر اگڑے لوگ قابض ہیں، پچھڑوں کو چاہیے کہ وہ آگے آئیں اور ان مناصب کو بھی زبردستی چھین لیں۔ یہ مہم پورے ہندستان میں سیاسی طور پر چلائی جارہی ہے اور اب یہ زیادہ ہی کامیاب نظر آتی ہے۔ چناں چہ بہار میں ایک مشہور نیتا مسلمانوں کے مسیحا بن کر اٹھے اور ان کو قانونی طور پر اگڑے اور پچھڑے کے رنگ میں رنگ دیا۔ ادھر اتر پردیش میں اس برہمنی ہتھکنڈا کو لے کر ایک مشہور نیتا کھڑے ہوے ہیں، انھوں نے اپنے سابق دور حکومت میں پچھڑے کہے جانے والے لوگوں کی مردم شماری بھی کرائی، لیکن ہوشمند، اسلام پسند مسلمانوں کی کوشش کی وجہ سے انھیں کامیابی نہیں ملی تھی لیکن اب یہاں کے مسلمان بھی آپس میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کی وحدت کو

توڑنے اور ان میں ذات پات کی مزید تفریق ڈالنے کی خاطر ایک بات یہ بھی پیش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں میں بھی کچھ ذاتیں اچھوت ہیں۔ حلال خور، جولا ہے، تیلی اور کوڑی وغیرہ برادریاں اچھوت ہیں، ان کو چاہیے کہ بڑی ذات کے خلاف مہم چھیڑ دیں اور ایک سیاسی پارٹی اس سلسلہ میں ان کی مدد کرے گی۔ اس محاذ آرائی اور منافرت کا نعرہ لے کر ایک دوسرے مشہور نیتا اٹھے ہیں، ریزرویشن کے نام پر چند سہولیات کے نام پر مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ مفروضہ بڑی ذاتوں کے خلاف پچھڑے مسلمانوں کے دلوں میں اسی طرح کے نفرت کا جذبہ پروان چڑھے جس طرح سے برہمنوں اور مزعومہ اونچی ذاتوں کے ہندوؤں کے خلاف نفرت کا جذبہ شودروں کے دلوں میں ہے تاکہ مسلمان اونچ نیچ اور چھوت چھات میں بٹ جائیں اور اسلامی مساوات کی وجہ سے جو شودر اسلام کے دامن میں پناہ لیتے ہیں، وہ اس سے باز آجائیں۔

پس کردہ مسلم برادریوں کو ریزرویشن دینے کے پیچھے برہمنیت کا مقصد:

موہوم نیچی اقوام کو صرف ریزرویشن کی آس دلائی گئی، ان کو کسی طرح کی سہولیات نہیں دی گئی بلکہ اس ریزرویشن کے پیچھے برہمنیت کا ایک اور پلان مضمر تھا، وہ یہ کہ مسلمان ریزرویشن کی خاطر مرتد ہوجائیں اور اس طرح اسلام کو نقصان پہنچے۔ چناں چہ ۱۹۵۰ء میں ایک صدارتی حکم (۷۴) جاری کیا گیا تھا کہ:

> ''ہر چند کہ یہ لوگ [مسلمان مہتر] پیشے کی بنا پر شیڈولڈ کاسٹ کے زمرے میں آتے ہیں لیکن اگر ان کو وہ تمام سہولیات لینا [لینی] ہیں جو ہندو شیڈولڈ کاسٹ کو میسر ہیں تو انھیں خود کو ہندو شیڈولڈ کاسٹ لکھوانا ہوگا۔'' (۷۵)

مسلمان مہتروں کی تعداد مہاراشٹر، اتر پردیش اور بہار کی راجدھانی پٹنہ کے گردونواح میں ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہے۔ یہ لوگ ہندو دلتوں کے ساتھ مفروضہ اشراف کی آبادی سے دور اپنی گزر بسر کررہے ہیں۔ ان کے گھر کے بغل میں سوروں کی باڑے ہیں، وہ اپنی آنکھوں سے خنزیر کٹتے اور پکتے دیکھتے ہیں۔ پھر بھی ۱۹۵۰ء کے صدارتی حکم نامہ کی وجہ سے ان کو کسی طرح کی سہولت نہیں دی جاتی۔ ان کے ہندو پڑوسیوں کے گھر ہندو دلت ہونے کی وجہ سے پختہ بن جاتے ہیں؛ لیکن خود ان کے مکانات جھونپڑی تک ہی محدود رہتے ہیں۔ ان کے پڑوسی ہندو شیڈولڈ کاسٹ ہونے کی بنا پر سرکاری نوکری پاجاتے ہیں لیکن یہ غریب مسلمان معمولی پیشہ کرکے ہی اپنی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ جب ان مسلمانوں کے معصوم بچے بڑے ہی معصومانہ انداز میں ان سے پوچھتے ہیں کہ ابا! فلاں کا گھر تو سرکار نے

پختہ بنوادیا، ہمارا کیوں نہیں بنوایا؟ فلاں کے بھائی کو تو سرکاری نوکری مل گئی ہمارے بھائی کو کیوں نہیں ملی؟ فلاں تو سرکاری بیسہ پا کر مالدار ہو گیا ہم کو کیوں نہیں ملا؟ تو یہ غربت زدہ مسلمان بڑے ہی درد و کرب کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ ''بیٹے! یہ سہولیات ہمیں نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نام کے آگے مسلمان کا لیبل (Label) لگا ہوا ہے۔''

ریزرویشن کی خاطر پس کردہ مسلم برادریوں کا مرتد ہونا

پھر کیا ہوتا ہے؟ غربت سے پریشان حال ان لوگوں پر بال بچوں کا دباؤ براہ راست نہ سہی بالواسطہ، ظاہراً نہ سہی باطناً پڑنا شروع ہو جاتا ہے، آخر ایک آدمی اہل وعیال کا دباؤ کب تک برداشت کرے گا؟ چناں چہ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کے سوچنے کا دوسرا نام تبدیلی مذہب ہے اور بہت سے لوگ اپنا مذہب (اسلام) بھول کر اپنے آپ کو ہندو شیڈولڈ کاسٹ لکھوا بھی رہے ہیں۔ چناں چہ مشہور صاحب قلم جناب حسن کمال نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

''ہندستان کی ایک ریاست کے [بہار] وزیر اعلی [لالو پرشاد] کے ذاتی محافظوں میں راجیش خلیفہ نام کا ایک محافظ بھی ہے جس کا اصلی نام محمد حسین ہے۔ غربت سے تنگ آ کر اور بال بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے اسے اپنا نام اور مذہب بھول کر لکھانا پڑا کہ اس کی بغیر اسے ریزرویشن کے کوٹے میں یہ ملازمت مل ہی نہیں سکتی تھی، اب اس کی بیوی کا نام زلیخا سے رکمنی اور بیٹوں کا نام بھی روی اور شنکر ہو چکے ہیں۔ ہمیں جب یہ معلوم ہوا تو ہم نے خود پر لعنت بھیجی کہ ہم یہ سب جاننے کے بعد بھی اس کے لیے کچھ نہ کر سکے اور کر بھی سکتے تو یہ اکیلا واقعہ نہ ہوگا۔

ہم راجیش خلیفہ سے ذاتی طور پر واقف ہیں اور اس کی ریاست کا نام محض اس لیے پوشیدہ رکھ رہے ہیں کہ اس بے چارے کی نوکری نہ چلی جائے۔ لیکن جب ہم نے اس سے پوچھا کہ کیا اسے اس طرح نام بدلنے کا کوئی افسوس نہیں؟ تو اس نے سیدھا جواب دیا ''افسوس سے زیادہ ڈر ہے'' ڈر کا سبب پوچھے جانے پر اس نے جواب دیا کہ مجھے اور میرے بیوی بچوں کو تو معلوم ہے کہ ہم اصل میں کون ہیں؟ کیا ہیں؟ لیکن ہماری بعد آنے والی نسل شاید یہ نہ سمجھنے لگے کہ ہم وہی ہیں جو ہمارے ناموں سے پتہ چلتا ہے۔ اس کا ڈر کتنا درست ہے؟'' (٧٦)

ہندی صحافی علی انور صاحب نے اپنی کتاب مساوات کی جنگ۔ پس منظر: بہار کے پسماندہ

مسلمان'' میں پس کردہ مسلم برادریوں کے لوگوں کو نوکری کی خاطر اپنی اصلیت چھپانے کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کئی جگہ نٹ مسلمانوں میں اپنے سرٹیفکٹ کا نام ہندوانہ رکھنے کی چلن دیکھی جا رہی ہے۔ ایسا وہ سرکاری نوکری پانے کی لالچ میں کرتے ہیں۔ پٹنہ سے ۳۱ رکلومیٹر دور ویشالی ضلع میں ایک گاؤں '' چک سکندر'' ہے۔ چٹی نما اس گاؤں کے بازار سے لگا ہوا سڑک کے کنارے قریب پچاس ۵۰ گھر مسلم نٹوں کے ہیں۔ بہار میں شاید مسلم نٹوں کی ایسی کم بستیاں ہوں گی جہاں کے تین نوجوان سرکاری نوکری، وہ بھی پولیس اور فوج میں ہوں۔ یہاں ایک نوجوان کو ''اسم رائفل'' [Asam Rifle] دوسرے کو بھارتی سینا اور تیسرے کو بہار پولیس میں جمعدار کی نوکری ملی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں کے مسلم نٹوں نے پڑھائی، لکھائی کی طرف زیادہ دھیان دیا ہے۔ اس بستی میں ایک نوجوان ''ونود خلیفہ'' ملے۔ انھوں نے ہسٹری آنرز [History honours] سے ۱۹۸۶ء میں بی۔اے پاس کیا ہے اور ابھی نوکری کی تلاش میں ہیں۔ یہاں کے کم از کم دس اور لڑکوں نے بھی میٹرک سے لے کر آئی۔اے [10+2] تک پاس کیا ہے۔ ان سبھی نوجوانوں کے پکارنے کے نام بھلے مسلمان ہوں۔ مگر سرٹیفکٹ کے نام ہندوانہ ہیں۔ سرٹیفکٹ میں ان کے نام کے ساتھ خلیفہ کی جگہ ''نٹ'' ٹائیٹل جڑا ہوتا ہے؛ مگر یہ مجبوری لڑکیوں اور غیر پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ نہیں ہے۔ جس گھر کے برآمدے میں ''ونود خلیفہ'' سے بات ہو رہی تھی وہیں دو بچیوں نے پوچھنے پر اپنا نام ''سوبراتن خاتون'' والد کا نام ''رمضان خلیفہ'' افسانہ خاتون، والد کا نام ''ذاکر خلیفہ'' بتایا۔ کھیتوں میں مزدوری کر کے اپنی زندگی گزارنے والے ''ضمیر خلیفہ'' بھی یہیں ملے۔ کہنا نہ ہوگا کہ پڑھے لکھے مسلم نٹ اپنا ہندوانہ نام کیوں رکھتے ہیں۔؟ ہندو نٹ شیڈولڈ کاسٹ میں شامل ہیں۔ اس ذات کا سرٹیفیکیٹ ہونے سے نوکری نسبتاً آسانی سے ملتی ہے۔'' (۷۷)

''بکسر ضلع کے ''سمری'' تھانا میں ایک گاؤں ''ساہیار'' ہے...... گاؤں کے جنوب میں قریب پچاس گھروں کا...... [ایک] محلّہ ہے۔ اس میں ہندو نٹ بھی ہیں اور مسلم نٹ بھی ...... اس ''نیٹوا'' محلّہ کے سبھی مسلمان ...... پکے مسلمان نہیں ہیں کوئی روزہ نماز، عید بقرعید

) کرتا ہے تو کوئی نہیں بھی کرتا، پھر بھی اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں کا پرب تیوہار منانا تو ان کے بیچ عام بات ہے۔اوتار ونٹن (अवतारो नटिन) کہتی ہے کہ دیکھیے نائی لوگوں نے اپنے بیٹوں کا ختنہ بھی کرایا ہے، مگر ان کے منہ سے ''بھگوان'' کی رٹ نہیں چھوٹتی۔ محلّہ کے لوگوں نے خود ہی بتایا کہ آٹھ، دس سال سے ہم لوگ اس الجھن [تردد] میں ہیں کہ ہندو رہیں یا مسلمان بنیں۔اس الجھن کی کیا وجہ ہے؟ ایک وجہ تو دوشیزہ ''نجمہ'' کی باتوں سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ نجمہ کہتی ہے کہ 'ہم لوگ ڈرتے ہیں کہ مسلمان ہو جائیں گے تو '' بھومی ہار''(۷۸) ناراض ہو جائیں گے۔ اس لیے چلو بھائی آدھا ہندو، آدھا مسلمان۔تم بھی خوش ہم بھی خوش'' الجھن کی دوسری وجہ کا پتہ نوجوان ''عبداللہ'' کی باتوں سے چلتا ہے۔اس ''نیٹوا'' محلّہ میں جو دو میٹرک پاس نوجوان ہیں، ان میں عبداللہ بھی ایک ہے۔مگر سرٹیفیکٹ میں اس کا نام گوپال ہے۔ایسا اس لیے کہ سرکاری نوکری ملنے میں سہولت ہو۔ ہندو نٹ شیڈولڈ کاسٹ کی فہرست میں ہیں، جب کہ مسلم نٹ کا نام او بی سی میں آتا ہے۔'' (۷۹)

جب راقم الحروف ۲۰۰۲ء-۱۹۹۹ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں گریجویشن کر رہا تھا۔اس وقت علی گڑھ کے پڑوسی ضلع ''ہاتھرس'' یوپی کے ایک گاؤں ''کوکا'' کا رہنے والا ایک طالب علم راقم الحروف کے کلاس میٹ تھا۔جن کا گھریلو نام تو ''انس'' تھا، مگر سرٹیفیکٹ میں ''جتیندر'' لکھا تھا۔ وہ ۲۰۰۳ء میں مسلم یونیورسٹی میں ایم اے کر رہے تھے۔ان سے معلومات حاصل کرنے کے بعد یونیورسٹی کے اسلام پسند طلباء اور طالبات کے ساتھ راقم الحروف نے ضلع ہاتھرس کے مختلف گاؤں ''کلوکا نگلہ، گھنی کا نگلہ، سینگھی کا نگلہ، لہرا، اللہ پور، کوکا، سجان، سوجیا، کمری' وغیرہ میں تبلیغ اسلام کی خاطر جانا شروع کیا۔(۸۰) وہاں دیکھا کہ مسلمانوں کے دو نام ہیں، ایک ہندو، دوسرا مسلم۔ اکثر لوگوں کے گھروں میں دیوی دیوتاؤں کی تصویریں ہیں۔بعض تو بالکل ہی مرتد ہو چکے ہیں۔سجان گاؤں کے فیاض صاحب کے والد مرحوم گاؤں کی مسجد کے بانی اور متولی تھے۔لیکن آر.ایس.ایس کے ممبران نے ان (فیاض) کو پولیس میں نوکری دلائی اور ایک دلت لڑکی سے ان کی شادی کرائی پھر ان کے پورے گھر کو مرتد کر لیا۔اسی سجان گاؤں میں دو اور مسلمان کو مرتد کیا گیا ہے ایک کا نام امر سنگھ اور دوسرے کا نام کرن سنگھ رکھا گیا ہے اور دونوں آر ایس ایس کے اسکولوں میں پڑھاتے ہیں۔(۸۱) ''سینگھی کا نگلہ'' گاؤں مکمل طور سے مرتد کیا جا چکا ہے۔ وہاں آر ایس ایس نے ایک چھوٹا سا مندر تعمیر کیا ہے اور ڈاکٹر امبیڈکر کی مورتی نصب کر دیا ہے۔(۸۲)

یہ صرف چند مثالیں نہیں ہیں، بلکہ اگر تلاش کی جائے تو اس طرح کی سیکڑوں مثالیں مل جائیں گی۔ ۲۴ رستمبر ۲۰۰۰ء کو راشٹریہ سہارا اردو نئی دہلی، میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ یو پی کی بی جے پی سرکار، صوبائی ہائی کورٹ اور صوبائی پسماندہ کمیشن نے مسلم بنجاروں کو پس ماندہ طبقات کی فہرست سے خارج کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ان کو ان سہولیات سے مستفید ہونا ہے جن سے ہندو پسماندہ طبقات مستفید ہو رہے ہیں تو ان کو اپنے نام کے آگے ہندو لگانا ہوگا۔ (۸۳)

یہی حربہ گجرات کے مسلم بنجاروں کے ساتھ بھی اپنایا جا رہا ہے۔ نئی دنیا، نئی دہلی کی رپورٹ کے مطابق:

''۱۹۶۲ء میں ڈانگ'' ضلع کے ''اہوا'' تحصیل کے ناندن پیڑا گاؤں میں کھیتی باڑی کرنے والے کسانوں کو زمین کا حقدار بنایا گیا۔ اس وقت ان مسلمانوں [مسلم بنجاروں] کو بھی زمین کا حقدار سمجھا گیا اور انھیں ''کسان پوتھی'' دی گئی تھی؛ لیکن جب ۱۹۷۲ء میں دوبارہ ''ڈانگ'' ضلع کی زمین اور گھر بار کا سروے کرایا گیا تو صرف مقامی غیر مسلم قبائل کو ہی یہاں رہنے اور کھیتی باڑی کرنے کا حق دیا گیا۔ مسلمان کسانوں کو صرف زمین کا پٹہ دار بنایا گیا۔ ظلم تو یہ ہے کہ ۱۹۸۰ء کے بعد سے آ کر یہاں بس جانے والے غیر مسلموں کو یہاں رہنے اور کھیتی باڑی کرنے کا حق آج بھی دیا جا رہا ہے، لیکن مسلمان بنجاروں کو یا تو ہندو مذہب اختیار کرنے اور ہندو جیسے نام رکھ کر یہ حق حاصل کرنے کو کہا جا رہا ہے۔ ان کو ان کی زمین و جائداد سے بے دخل کر کے دربدر بھٹکنے پر مجبور کیا جا رہا ہے...... گاؤں کے پڑھے لکھے لوگ جب اپنی درخواستوں کے ساتھ سرکاری افسران سے ملتے ہیں تو انھیں اپنا مذہب بدلنے کو کہا جاتا ہے، انھیں صاف لفظوں میں کہا جاتا ہے کہ تم لوگ ہندو دھرم اپنا لو، ہم تمھیں ہر قسم کا حق دیں گے۔'' (۸۴)

اس طرح کے فیصلوں کے پیچھے جو مقصد کارفرما ہے وہ تو نئی دنیا کی رپورٹ سے بالکل عیاں ہے کہ مسلمان ریزرویشن کی خاطر مرتد ہو جائیں اور اسلام کی اشاعت رک جائے، کیوں کہ جب مسلمان ہی ریزرویشن کے لیے مرتد ہو جائیں گے تو ہندو اور بطور خاص دلت ہندو خود بخود اسلام سے دور ہو جائیں گے۔

مسلم او بی سی تنظیموں کے قیام کا مقصد

ان اسباب کی بنیاد پر کچھ ہوشمند مسلمانوں نے مسلم او بی سی (O.B.C) تنظیمیں بنائی ہے اور

مسلمانوں کی پس کردہ اقوام کے لیے مسلمان رہتے ہوئے ریزرویشن کا مطالبہ کیا ہے،(۸۵) کسی بھی شخص کی تمام باتوں سے اتفاق ممکن نہیں۔ اسی طرح راقم الحروف بھی مسلم او بی سی تنظیموں کے تمام نکات اور طریقۂ کار سے کلی طور سے اتفاق نہیں رکھتا ہے؛ پھر بھی جو حقیقت ہے اس سے اتفاق ہر شخص کو کرنا چاہیے۔ اس تنظیم کے کارکنان کا جو مقصد ہے وہ قابل ستائش ہے ان میں سے بعض لوگ مزعومہ طبقہ اشراف کے ریزرویشن کے بھی خلاف نہیں ہیں، چنانچہ ڈاکٹر محمد اعجاز علی، قومی صدر آل انڈیا یونائیٹڈ مسلم مورچہ نے راشٹریہ سہارا نئی دہلی یکم جولائی ۲۰۰۱ء میں لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں میں جو اعلی ذات کے ہیں، دوسرے مذہبی فرقہ کے اعلی ذات کی طرح ان میں تعلیمی اور سماجی پچھڑا پن نہیں ہے، لیکن معاشی نقطۂ نظر سے اس زمرے کا بہت بڑا حصہ پچھڑا ہوا ہے اور اگر یہی حالت برقرار رہی تو بالآخر وہ بھی تعلیمی اور سماجی طور پر پچھڑ جائے گا۔ اسے روکنے کے لیے معاشی پچھڑا پن کو ہی بنیاد بنا کر اس جماعت کے لیے بھی ریزرویشن کا الگ سے نظم کرنا چاہیے۔ یہ مانگ راجستھان اور مدھیہ پردیش سے تیزی سے اٹھی اور فوراً مرکزی حکومت نے اس سلسلے میں کمیشن (سی ای بی سی) کی تشکیل کر بھی دی ہے۔ اس کمیشن کو اپنے دائرے میں اعلی ذات کے مسلمانوں کو بھی شامل کرنا چاہیے تاکہ انہیں بھی ریزرویشن کا فائدہ مل سکے۔ اسی طرح مسلمانوں کے ریزرویشن کے لیے فی الحال یہی ہونا چاہیے کہ دلت مسلمانوں کو دوسرے دلتوں کے ساتھ آرٹیکل ۳۴۱ میں شامل کیا جائے اور اعلی ذات کے مسلمانوں کو معاشی بنیاد پر پچھڑی دوسری اعلی ذات کے ساتھ شامل کیا جائے۔ جو لوگ مسلمانوں کے لیے الگ سے ریزرویشن کی مانگ کرتے ہیں وہ مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔"

جناب علی انور کی تنظیم آل انڈیا پس ماندہ مسلم محاذ کے ایک اہم رکن اور اتر پردیش بیک ورڈ مسلم یونین کے صدر جناب منصور عالم کنجڑہ نے ایک انٹرویو(Interview) میں کہا تھا کہ:

"ہم اشراف سے لڑ تھوڑی رہے ہیں۔ ہماری تحریک ان کے خلاف نہیں ہے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کے حکم کے مطابق ہمیں بھی وہی حقوق دیئے جائیں جو دوسروں کو حاصل ہیں۔ ہمیں بھی وہی درجہ دیا جائے جو دوسروں کو دیا جاتا ہے۔ ہماری تحریک اشراف کے خلاف نہیں، حکومت کے خلاف ہے۔ حکومت اگر ہمیں کچھ سہولتیں دیتی ہیں تو ان سے اشراف کے مفادات کو کہاں چوٹ لگتی ہے؟۔...... اگر ہمارے لوگ ریزرویشن کے ذریعہ

تعلیم حاصل کرلیں اور اقتصادی طور پر اپنی حالت بہتر بنالیں تو اشراف یا اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی طرف سے اس کی مخالفت کی گنجائش کہاں ہے''۔(۸۶)

لیکن برہمنیت نے مسلم او بی سی تنظیموں میں بھی کچھ ایسے افراد کو داخل کردیا ہے، جو صرف پیسہ کی خاطر اپنی قوم کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی نیست و نابود کردینا چاہتے ہیں اور اپنی سیاست کی روٹی سینکنا چاہتے ہیں۔ حضرات تنظیم کے اصل مقاصد سے ہٹ کر برہمنیت کے اشارے پر اپنی برادری کے لوگوں کو اسلام کی اشاعت کی کوشش کرنے کے بجائے ذات پات کے واسطے لڑنے کے لیے منظم کررہے ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں ایک مسلم او بی سی لیڈر نے اپنے عہدہ کی معیاد بڑھانے کے لیے مسلم او بی سی کانفرنس منعقد کی اور اس کے اندر کانگریس حکومت کے ایک عہدے دار کو بلایا، اس کے اندر سیاسی روٹی خوب سینکی گئی۔ میں نے ایک دوسرے او بی سی لیڈر جو پروگرام میں مدعو تھے سے کہا کہ یہاں تو صرف سیاست کی گئی ہے اصلاح ذات پات کے سلسلہ میں کچھ نہیں کہا گیا، کم سے کم آپ لوگ اپنی مزعومہ چھوٹی ذاتوں کو تو آپس میں منظم کرلیجئے اور آپس میں شادی بیاہ شروع کردیجئے۔ انہوں نے مجھے جواب دیا کہ اصلاح کون چاہ رہا ہے؟ ہم نہیں چاہتے ہیں کہ آپس میں ملیں، ہم صرف اپنی اپنی برادریوں کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ بعدہ ان کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ جن مفروضہ اشراف کے خلاف یہ تحریک چلارہے ہیں، اس مزعومہ طبقہ اشرافیہ کی سیاست کرنے والے لیڈران سے ان کی خوب چھنتی ہیں' آپس میں ان کے اچھے تال میل اور کاروبار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مفروضہ طبقہ اشراف اور موہومہ چھوٹی ذاتوں کے جو لیڈران مسلم قوم اور اسلام کے لیے مخلص نہیں ہیں وہ دونوں مل کر اپنی سیاسی دوکان چلارہے ہیں، وہ مسلم برادریوں کو آپس میں لڑارہے ہیں، اور عوام کے سامنے خود نورا کشتی کرتے ہیں لیکن بند کمروں میں دونوں ایک ہوتے ہیں۔ یعنی مزعومہ طبقہ اشراف اور موہومہ نیچ ذات کے ایلٹ کلاس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے بلکہ یہ ایلٹ کلاس لوگ عوام کو اپنے مفادات کی خاطر لڑارہے ہیں۔ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ دلت جو ہندو دھرم اور ہندو سماج میں مذہبی طور سے رذیل ہیں آج برہمنوں کے ساتھ مل کر کام کررہے ہیں تاکہ ہندو دھرم [illegible]تی رہے۔ پورے ہندستان میں دلت آر ایس ایس کے ساتھ کام کرتے مل جائیں گے۔

بہوجن سماج پارٹی کی صدر اور سابق وزیر اعلیٰ اتر پردیش محترمہ مایاوتی جی کا مزعومہ اونچی ذات کے ہندوں کے خلاف جو نظریہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ انھوں نے ہی نعرہ دیا تھا کہ: ''تلک [براہمن] ترازو [بنیا] اور تلوار [چھتری] ان کو مارو جوتے چار''۔ لیکن اب انھوں نے لکھنؤ (یوپی) کے اندر ایک

برہمن مہا سمیلن‘‘ منعقد کیا تھا جس کا اختتام ۹ رجون ۲۰۰۵ء کو ہوا تھا۔ اس کانفرنس میں ہزاروں کی تعداد میں برہمنوں نے شرکت کی۔ جب وہ ریلی میں تشریف لائیں تو برہمن رسم و رواج کے مطابق ان کا استقبال کیا گیا، سادھوؤں کے ایک گروپ نے ویدوں کے منتر پڑھے، شنکھ بجایا۔ مایاوتی جی کو اس ریلی کے اندر تحفہ پیش کیا گیا جس میں چاندی کی ایک کلہاڑی۔ جو بھگوان پرشورام کا خیالی ہتھیار (Mythical Weapon) ہے۔ بھی شامل تھا۔ انھوں نے کہا کہ وہ ہندو مذہب اور اونچی ذات کے ہندوؤں کے خلاف نہیں ہیں۔ وہ اگر خلاف ہیں تو ذات پات کے نام پر ظلم و زیادتی اور اس کے کرنے والوں کے۔ اسی لیے تو انھوں نے بہت سے برہمنوں کو کیبنیٹ میں بھیجا ہے۔ ہماری پارٹی میں صرف برہمنوں کا ہی نہیں بلکہ [تمام] اونچی ذاتوں۔ ویشیہ، تیاگی، کشتری اور کائستھ سبھی کا خیر مقدم ہے۔ ہمارا جو پہلا نعرہ تھا ’’جس کی جتنی سنکھیا [تعداد] بھاری اس کی اتنی بھاگیداری [حصہ داری]‘‘ اسے اب تبدیل کر دیا گیا ہے اور اب نعرہ ہے: ’’جس کی جتنی تیاری اس کی اتنی بھاگیداری‘‘۔ انھوں نے نعرہ لگایا ’’ہاتھی نہیں گنیش ہے، برہما، وشنو، مہیش ہے، پنڈت شنکھ بجائے گا، ہاتھی بڑھتا جائے گا‘‘ ریلی میں شریک برہمنوں نے جوابی نعرہ لگایا ’’برہمن کی یہی پکار مایاوتی چوتھی بار‘‘۔ (۸۷)

وزیر اعلیٰ اتر پردیش جناب ملایم سنگھ یادو جی بھی کاسٹ پولیٹکس (Caste Polotics) کے ذریعہ ہی اقتدار تک پہنچے ہیں۔ انھوں نے دلت، او بی سی کارڈ کھیلا، لیکن آج وہ خود ہی برہمنوں کو رجھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ راشٹریہ سہارا اردو، نئی دہلی نے اپنے ۱۲ر فروری ۲۰۰۶ء جلد: ۷ شمارہ: ۲۴۲۰ کے شمارہ میں صفحہ ۳ پر ’’بھگوان پرشورام نے تمام عمر ظلم کے خلاف لڑائی لڑی‘‘ کے زیر عنوان لکھا ہے کہ ملایم سنگھ یادو نے بشپ منڈل انٹر کالج (بریلی، یوپی) کے میدان میں، اکھل بھارتیہ برہمن مہا سبھا، کی جانب سے بھگوان پرشورام مہاراج کی یوم پیدائش پر منعقد پروگرام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

> ’’پرشورام کے یوم پیدائش پر سرکاری تعطیل کا اعلان کر کے ہم نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بھگوان پرشورام نے تمام عمر ظلم و ناانصافی کے خلاف جنگ جاری رکھی اور اپنے عقیدت مندوں کو اس راستہ پر چلنے کا درس دیا۔ انھوں نے کہا کہ میں برہمن سماج کے اصولوں کی پیروی کر کے ہی یہاں تک پہنچا ہوں۔‘‘

ہندو دلتوں کا تو یہ حال ہے لیکن مسلم او بی سی تنظیموں کے ان سیاسی بازی گروں کا حال یہ ہے۔ حالانکہ مسلم سماج کے مفروضہ طبقۂ شرفاء کے تمام علماء، زعماء اور تمام افراد ذات پات کے قائل

نہیں ہیں؛ بلکہ ان بہت سے لوگ اس کے سخت خلاف ہیں۔ جس کا تذکرہ اس کتاب میں شروع سے لے کر آخر تک ملے گا۔

اس تنظیم کے صالح اور اسلام پسند کارکنان سے اپیل ہے کہ وہ اس طرح کے عناصر کو اپنی صفوں سے نکال کر باہر کریں تاکہ اسلام کی مضبوطی قائم رہے۔

متاعِ دین ودانش لٹ گئی اللہ والوں کی

دوسری بات یہ ہے کہ مفروضہ اونچی ذاتوں کے جو لوگ ذات پات کے حامی ہیں، وہ آج تک تفاخر نسبی میں سرشار ہیں، برہمنیت کے ہتھکنڈے بنے ہوئے ہیں۔ ان پچھڑے مسلمانوں کو بھائی سمجھنے کے بجائے ازمنہ قدیمہ کی طرح آج بھی نفرت اور نیچی نگاہوں سے دیکھتے ہیں حتی کہ بعض علاقوں میں ان کو مسلمان بھی شمار نہیں کرتے۔ عام قبرستان میں ان کے مردوں کو دفن نہیں کرنے دیتے ہیں۔ جہاں کمزور ہوتے ہیں ان کے ساتھ مار پیٹ کرتے ہیں۔ ان کی بستیوں اور آبادیوں کو اجاڑ دیتے ہیں، ان کی بہو، بیٹیوں پر بری نگاہ ڈالتے ہیں۔ (۸۸) چہ جائیکہ اس ذات پات، اونچ نیچ کے بت کو توڑنے اور اسلام کی اشاعت کی خاطر آپس میں رشتۂ ازدواج کریں گے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ انھوں نے مسلم او بی سی تنظیموں کی مخالفت میں مفروضہ بڑی ذات کی ایک تنظیم ''شیخ المسلمین'' اور دوسری ''خان ایسوسی ایشن''، تیسری فارورڈ مسلم مورچہ بنائی ہے (۸۹) اور مزعومہ چھوٹی ذاتوں کے خلاف آگ اگلتے رہتے ہیں۔ ان کے ریزرویشن دیئے جانے کی مخالفت کرتے ہیں۔ صرف عوام ہی نہیں بلکہ بعض اہم مسلم شخصیات اور مسلم تنظیم ان پس کردہ طبقات کو ریزرویشن دیئے جانے کی علی الاعلان مخالفت کر رہے ہیں اور تمام مسلمانوں کو پسماندہ بتا کر سب کے لیے ریزرویشن کی مانگ کر رہے ہیں، جس کی تفصیلات اوپر باب نہم: زیر عنوان: ریزرویشن کا مسئلہ گزر چکی ہیں۔

پس کردہ مسلم برادریوں کو ریزرویشن دیے جانے سے نہ تو ہندوؤں کو تکلیف ہے اور نہ ہی دلتوں کو۔ سابق وزیر اعظم وی. پی سنگھ نے مفروضہ ہندو بڑی ذات ہوتے ہوئے بھی ہندو اور مسلم پس کردہ طبقات کو ریزرویشن دلوایا۔ اگر مسلم پس کردہ طبقات کو شڈول کاسٹ کی ریزرویشن والی دفعہ میں شامل کرلیا جاتا ہے (اور سیٹوں کی ریزرویشن فیصد نہیں بڑھائی جاتی ہے۔) تو دلتوں کا نقصان ہوگا کہ ان کے کوٹے میں کچھ اور لوگوں کو شامل کرلیا گیا ہے، مگر اس کے باوجود یہ لوگ اس کی مخالفت کے بجائے تائید کر رہے ہیں کہ مسلم پس کردہ طبقات کو شیڈولڈ کاسٹ ریزرویشن کی دفعہ میں شامل کیا جائے۔ ۳۰ر اگست ۲۰۰۳ء کو جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی کے اسکول آف لینگویجز کے کمیٹی روم میں شعبہ اردو جواہر لال

نہرو یونیورسٹی کے لیکچرر جناب ڈاکٹر سید انور عالم پاشا کی صدارت میں ایک پروگرام ''
Reservation for Minorities: Feasibilities and complexities
''[اقلیتوں کے لیے ریزرویشن امکانات اور مشکلات ہوا تھا] پروگرام میں تشریف لائے دلت دانشور جناب اشوک بھارتی نے بھی مسلم پس کردہ طبقہ کی اس مانگ کی تائید کی اور کہا کہ دلتوں کو نہ تو کسی طرح کا اعتراض ہے اور نہ کسی طرح کی تکلیف۔ یہی بات پروگرام کے ایک دوسرے دلت مقرر ''ڈاکٹر ایس این مالاکار'' لیکچرر فارویسٹ ایشین اسٹڈیز جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی نے کہی۔ انھوں نے ریزرویشن کوٹا کا فیصد بڑھانے کی مانگ کرنے کو بھی کہا تاکہ کسی دوسرے دلت کو کسی طرح کا شبہ اور اعتراض نہ ہو۔

سچر کمیٹی نے بھی مسلم دلتوں کو دلت لسٹ میں شامل کرنے کی شفارش کی ہے۔ اس شفارش کے بعد آر ایس ایس کے اشارہ پر شیڈولڈ کاسٹ کمیشن نے اس تجویز اور شفارش کی مخالفت کی ہے۔ (۹۰)

لیکن اس مانگ سے مسلم سماج کے ان لوگوں کو کافی تکلیف ہے جو زبان سے بظاہر پست کردہ مسلم طبقات کو اپنا بھائی، جگر کا ٹکڑا کہتے ہیں، ہمیشہ اتحاد بین المسلمین کا راگ الاپتے ہیں؛ لیکن جب حقیقی طور سے ان برادریوں کو اوپر اٹھانے کی بات آتی ہے تو ان کی مطالبہ کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔

منڈل کمیشن ۱۹۹۰ء کے بعد عیسائی مبلغہ ''مدر ٹریسا'' نے عیسائی پسماندہ طبقات کو دستور کی شیڈولڈ کاسٹ کی ریزرویشن والی دفعہ میں شامل کرنے کے واسطے دہلی کے راج گھاٹ پر دھرنے دیئے اور جلوس نکالے۔ اسی زمانہ میں عیسائی دانشوران نے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی کہ پسماندہ عیسائی دلت کو دفعہ ۳۴۱ میں شامل کرنے کی مانگ کو آگے بڑھایا جاسکے اس کمیٹی نے بشمول سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ، نرسمہاراؤ اور دیگر سیاسی لیڈران سے ملاقات کر کے اپنا مطالبہ دہرایا۔ (۹۱)

اگست ۲۰۰۴ء کے آخری ہفتہ میں عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والے کانگریس کے ایک اہم لیڈر ''اوسکر فرنانڈیز'' کی قیادت میں عیسائی دانشوران اور لیڈران کے ایک وفد نے صدر جمہوریہ ڈاکٹر عبدالکلام سے ملاقات کی تھی اور مانگ کی تھی کہ عیسائی طبقہ کا سابق مطالبہ کہ اس کی پسماندہ برادریوں کو دلت زمرہ میں شامل کیا جائے کو جلد از جلد پورا کیا جائے اسی کے ساتھ ساتھ عیسائی بشپ نے ایک دلت اسٹڈی سیل (Dalit study sell) قائم کیا ہے جہاں سے پسماندہ دلت طبقات کو تعلیمی، سیاسی، معاشی یعنی ہر طرح کی سہولیات فراہم کرائی جائیں گی۔ (۹۲)

۲۷ فروری ۲۰۰۶ء دہلی کے اندر ''دلت ادھیکار سمیلن'' منعقد ہوا تھا اس میں عیسائی مذہب

سے تعلق رکھنے والی کانگریس صدر مسز سونیا گاندھی، برہمن ذات سے تعلق رکھنے والی مسز شیلا دیکشت (کانگریس وزیر اعلیٰ دہلی) اور کانگریس جنرل سکریٹری احمد پٹیل شریک تھے۔

"کانگریس صدر مسز سونیا گاندھی نے دلتوں کے ساتھ ناانصافی اور ان پر زیادتیوں کے خلاف جدوجہد کرنے والی تمام پارٹیوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی جدوجہد کو مزید موثر کرنے کے لیے متحد ہو جائیں۔ بہوجن سماج پارٹی کا نام لیے بغیر مسز گاندھی نے کہا کہ وہ لوگ جو دلتوں کے حقوق کے لیے لڑنے کا دعویٰ کرتے ہیں ہم خیال پارٹیوں کے ساتھ ہو جائیں تو دلتوں کو ان کا جائز مقام دلانے کی جدوجہد میں نہ صرف چار چاند لگا [لگ] جائیں گے؛ بلکہ ایک نئی سمت بھی ملے گی۔" (۱۰۳)

صرف عیسائی دانشوران ہی نہیں بلکہ ہندو مذہب میں دلتوں کو باقی رکھنے کے واسطے منوواد، برہمن واد کی علم بردار تنظیم آر ایس ایس اور اس کی سیاسی بازو "بی جے پی" بھی اپنے مقاصد کے علی الرغم دکھانے کے لیے ہی سہی ایسا کر رہی ہے۔ چناں چہ یوپی اسمبلی الیکشن ۲۰۰۲ء کے دوران سابق وزیر اعلیٰ اتر پردیش اور موجودہ بی جے پی صدر راج ناتھ سنگھ جی"۔ جو زمانہ طالب علمی ہی سے آر ایس ایس کے ممبر ہیں اور اب بی جے پی کے ایک اہم لیڈر بھی ہیں۔ نے اپنے ایک بیان میں پریس (اخبار۔ میڈیا) والوں کے سامنے کہا تھا کہ انھوں نے دو دلت لڑکوں کو آئی اے ایس (IAS) میں منتخب کروایا ہے۔

جنوری ۲۰۰۶ء میں سرکار نے پرائیوٹ اور نجی سیکٹروں میں ریزرویشن لاگو کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں ایک بل پاس کرایا تھا، اس بل کی حمایت میں بی جے پی نے بھی ووٹ دیا تھا۔ ۶ر فروری ۲۰۰۶ء کو ایچ آر ڈی (HRD) منسٹر جناب ارجن سنگھ نے مرکزی یونیورسٹیوں اور پروفیشنل اداروں جیسے آئی آئی ٹی، آئی آئی ایم، آئی آئی ایم سی اور ایمس وغیرہ میں او بی سی کے لیے ۲۷٪ سیٹیں مختص کرنے کی تجویز کیبینٹ میں پیش کی تو بی جے پی نے اس کی بھی حمایت کی۔

عیسائی دانشوران یہ تمام جدوجہد صرف اس واسطے کر رہے ہیں کہ انھیں معلوم ہے کہ جب پس کردہ عیسائی طبقہ کو شیڈولڈ کاسٹ والی ریزرویشن کی دفعہ میں شامل کر لیا جائے گا تو ہندو دلت آسانی سے عیسائیت قبول کر لیں گے۔ لیکن دوسری جانب ہمارے مسلم دانشوران وعلمائے کرام ہیں کہ انھیں اشاعت اسلام اور تبلیغ اسلام سے کچھ لینا نہیں ہے، انھوں نے تو ذات پات اور اپنے مفادات کی حفاظت کو ہی اسلام سمجھ رکھا ہے۔

متاع دین ودانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافرادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی
(اقبال)

حیرت تو یہ ہے کہ ایک طرف تو مزعومہ طبقہ شرفاء کے لوگ جوذات پات کے حامی ہیں پس کردہ برادریوں کو رذیل، چھوٹی ذات کہتے ہیں لیکن جب ریزرویشن لینا ہوتا ہے تو ان کے نام کا ہی جعلی سرٹیفیکٹ بھی بنواتے ہیں۔ اس طرح کا ایک واقعہ بہار ہائی کورٹ میں داخل کیا گیا ہے کہ شیخ برادری کے ایک صاحب نے "انجینیر نگ کی نوکری" "مؤمن (انصاری/ جولاہا)" کا جعلی سرٹیفیکٹ دکھا کر حاصل کیا۔ وہ کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ بہار کے وزیر اعلی رہ چکے ایک نیتا [عبدالغفور مرحوم] کے نواسے ہیں، جب ان سے کہا گیا کہ اس دھوکہ دھڑی سے آپ بری طرح پھنس گئے ہیں، اگر آپ بچ بھی گئے تو کل اللہ کو کیا جواب دیں گے تو انھوں نے فرمایا اس غم میں آپ کیوں دبلے ہورہے ہیں، ہم وہاں [قیامت کے دن] بھی بچ جائیں گے، کیوں کہ قرآن میں سب مسلمانوں کو "مؤمن" کہا گیا ہے۔ (۹۴)

مسلم او. بی. سی (O.B.C) کی مخالفت میں بنائی گئی مزعومہ اونچی ذاتوں کی ایک تنظیم "شیخ المسلین" کے ایک انتہائی سرگرم رکن سے راقم الحروف کے انتہائی قریبی اور گھریلو رشتے اور تعلقات ہیں یہ ذات پات کے معاملہ میں انتہائی سخت ہیں، حتی کہ مسجد میں صرف اس وجہ سے اذان نہیں دیتے ہیں کہ ان کی نظر میں یہ چھوٹی ذات کا کام ہے۔ لیکن نوکری میں ریزرویشن کی خاطر انھوں نے اپنے سرٹیفیکٹ میں اپنے کو انصاری (جولاہا) ذات لکھوا رکھا ہے۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی [جے این یو] نئی دہلی میں بہار کے ایک طالب علم ہیں، اس سے قبل وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تھے، اگست ۲۰۰۳ء میں جب انھوں نے جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی میں اپنے جاننے والے ایک شخص کے داخلہ کارڈ پر او بی سی لکھا ہوا دیکھا تو انتہائی نفرت سے ناک بھوں چڑھا کر ان سے کہا: "اچھا تو آپ انصاری (جولاہا) ہیں۔" حالاں کہ کارڈ پر کسی خاص ذات کا تعین نہیں تھا صرف او بی سی (O.B.C) لکھا تھا۔ راقم الحروف اس وقت ان کے پاس بیٹھا تھا؛ لیکن اپریل ۲۰۰۴ء میں جب وہ اپنا یو. جی. سی (U.G.C یونیورسٹی گرانٹ کمیشن)، کا فارم راقم الحروف کے پاس تصحیح کرانے کے واسطے لائے تو راقم الحروف نے دیکھا کہ انھوں نے فارم میں او بی سی کا جعلی سرٹیفیکٹ لگا کر خود او بی سی لکھا تھا۔

یہ صرف ایک مثال نہیں ہے بلکہ جے این یو میں متعدد طلباء ہیں جنھوں نے او بی سی کا جعلی سرٹیفکیٹ لگا کر داخلہ لیا ہے اور یو جی سی کا امتحان دیا ہے، لیکن وہ بہت بڑے حامی ذات پات بھی ہیں۔ او بی سی طلبہ کو طعنہ بھی دیتے رہتے ہیں کہ سرکار تو تم کو سہولت دے رہی ہے، ساتھ ہی ساتھ اپنی پرائیوٹ مجلسوں میں ان طلبہ کو گالیاں بھی دیتے ہیں، ان کی ذاتوں پر طعن بھی کرتے ہیں، ان کو نیچ ذات بھی کہتے ہیں، حتی کہ ان میں سے بعض لوگ مجھ سے بھی اس لیے ناراض رہتے ہیں کہ میں نے ذات پات کے خلاف لکھا ہے اور اسے غیر اسلامی مانتا ہوں، ان میں سے بعض نے تو میرے سامنے ہی میری مخالفت کی اور کئی مواقع پر مجھے نقصان بھی پہونچایا۔

مفروضہ شریف برادری ''شیخ'' کے لوگ وہ لوگ جو حامی ذات پات ہیں وہ اپنے کو افضل، شریف اور بڑی ذات کہتے ہیں نیز پس کردہ برادریوں کو رذیل حتی کہ بعض جگہوں پر انھیں مسلمان تک نہیں مانتے ہیں۔[۹۵] انھوں نے بھی ''نیو شیخ'' کے نام سے بہار پسماندہ طبقات کمیشن کو درخواست دی ہے کہ انھیں (یعنی شیخ برادری کو) مسلم او بی سی (پست کردہ طبقات) کی فہرست۔ ایک (One) میں شامل کیا جائے[۹۶] اوروں کی بات تو دور کی ہے بہار کی ملک برادری کے وہ لوگ جو اپنے کو سید ہی نہیں بلکہ سیدوں میں بھی افضل ترین سید بتاتے ہیں اور پس کردہ برادریوں کو رذیل کہتے ہیں بعض مقامات پر ان سے بیگار لیتے ہیں ان کے ساتھ مار پیٹ کا رویہ اپناتے ہیں ان کے گھروں اور بستیوں کو اجاڑ دیتے ہیں، حتی کہ ان کی بہو بیٹیوں کی عزت وعصمت پر بھی بری نگاہ ڈالتے ہیں،[۹۷] انھوں نے بھی بہار پسماندہ طبقات کمیشن کو درخواست دیکر مطالبہ کیا ہے کہ ''ملک برادری'' کو پس کردہ طبقات کی فہرست۔ ایک (One) میں شامل کیا جائے۔ (۹۸)

راقم الحروف خود اس بات کا پرزور حامی ہے کہ بلا تفریق ذات، برادری ہر غریب اور مستحق مسلمان کو ریزرویشن ملے، لیکن کن لوگوں کو ملے اس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔ (۹۹)

دلتوں کے لیے نئی سہولیات:

جب برہمنیت کے علمبرداروں کی مذکورہ بالا ان تمام سازشوں کے باوجود اسلام اپنی تعلیمات کی کشش کے ذریعہ، علمائے حقانی اور تحریکات اسلامی کے صالح رضا کاروں کی کوششوں اور اللہ کی مدد کی وجہ سے پھیلتا رہا تو برہمنیت نے شودروں کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے الیکشن میں سیٹیں مختص کرائیں، ہر طرح کی نوکریوں میں ریزرویشن دلایا۔[۱۰۰] ان پر ظلم نہ ہونے دینے کے لیے ہندو احیاء پرست تنظیموں نے قوانین پاس کیں۔ ۱۹۸۹ء میں بابری مسجد کی پاک زمین پر رام جنم بھومی مندر کا

سنگ بنیاد ایک ''دلت'' (چمار) سے رکھوایا۔[۱۰۱] ۱۵ر مارچ ۲۰۰۲ء کو اسی مقام پر وشو ہندو پریشد کی مندر تعمیر مہم کے دوران مندر کے لیے تیار کردہ دوستونوں کو کارسیوک پورم سے شودر ذات کے دور کشا والے کے ذریعہ لے جایا گیا اور اسی دن دوپہر میں دو بج کر دس منٹ (۱۰-۲ بجے) پر آل انڈیا ریڈیو سے باضابطہ اس صراحت کے ساتھ خبر دی گئی کہ ان پتھروں (ستونوں) کو شودر ذات کے دور کشا والے جن میں سے ایک ''نشاد'' ذات کے اور دوسرا...... ذات کے ہیں، کارسیوک پورم سے لے جارہے ہیں۔[۱۰۲] پنڈت اور شنکراچاریہ شودروں کو مساوات دینے اور ذات پات کو صرف شادی بیاہ تک محدود رکھنے کی وکالت کررہے ہیں۔[۱۰۳]

راشٹریہ سہارا اردو نئی دہلی اپنے ۲۱ر مارچ ۲۰۰۶ء کے شمارہ میں لکھتا ہے کہ:

''ایروڈ (تمل ناڈو) ۲۰ر مارچ (یو این آئی) وشو ہندو پریشد نے ہندؤں پر زور دیا ہے کہ وہ مذہب کی تبدیلی اور جہادی دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے چھوت چھات سے تائب ہو جائیں۔ وی ایچ پی کے بین الاقوامی صدر اشوک سنگھل نے کہا کہ چھوت چھات کی بیماری غالباً غیر ملکی حملہ آوروں کی پھیلائی ہوئی ہے، کیوں کہ ہندو مذہب چھوت چھات کا قائل نہیں، شاستروں اور ویدوں میں کہیں اس کی تائید نہیں کی گئی۔ وہ ہندو احیا کانفرنس سے خطاب کررہے تھے، انہوں نے مٹھوں کے سربراہوں پر زور دیا کہ وہ منتر دکشا یعنی منتر کی تعلیم تمام ہندؤں کو دیں، خواہ کوئی ہندو کسی بھی ذات کا ہو۔''

حالانکہ ہندو دھرم گرنتھوں میں متعدد جگہوں پر ذات پات اور چھوت چھات کا ذکر ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ بین برادری (مزعومہ نیچی اور مفروضہ اونچی ذاتوں کے درمیان) شادی کرنے والوں کی معاشی مدد کی جارہی ہے۔ انگریزی اخبار The Hindu New Delhi نے اپنے ۱۲ر جون ۲۰۰۵ء جلد: ۱۲۸، شمارہ: ۲۴ کے شمارہ میں ص: ۸ پر یہ خبر شائع کیا تھا:

Orissa to ban use of word "Harijan"
More incentive for inter-cate marriages

Prafulla Das

BHUBANESWAR: The Orissa Government has decided to increase the financial incentive for inter-caste marriages and ban the use of the word "Harijan".

The decisions were taken at a meeting of the Orissa

Scheduled Caste Welfare Advisory Board here on Friday. The meeting, chaired by the Chief Minister, Naveen Patnaik, also decided to reserve 38 per cent seats for Scheduled Caste and Scheduled Tribe students in all Government-run Plus Two and degree colleges.

The Board decid[illegible] o increase the financial incentive for inter-caste marriages from Rs. 3,000 to Rs. 10,000. If a boy from a higher caste marries a girl belonging to the Scheduled Castes or Scheduled Tribes, the couple will get a reward of Rs. 10,000.

The same Would also hold good in case of a higher caste girl marrying a boy from a lower caste. The reward amount of Rs. 3,000 had remained constant since 1981.

The meeting also reviewed the issue of pending cases of atrocities against Scheduled Caste people. The number of such cases now stands at 7,418. A proposal for inclusion of six sub- castes in the Schduled Caste list was also discussed at the meeting.

اڑیسہ حکومت لفظ "ہریجن" کے استعمال پر پابندی لگائے گی بین برادری شادیوں کے لیے مزید معاشی مدد

پرافلا درس:

بھوبانیشور: اڑیسہ حکومت نے بین برادری شادی کے لیے مزید معاشی مدد دینے اور ہریجن لفظ کے استعمال پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جمعہ کے دن اڑیسہ شیڈولڈ کاسٹ ویلفیر ایڈوائزری بورڈ کی میٹنگ میں یہ فیصلہ لیا گیا۔ میٹنگ جس کی صدارت وزیر اعلیٰ نوین پٹنایک کر رہے تھے نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے طلبا کے لیے تمام سرکاری انٹر اور ڈگری کالجوں میں ۳۸٪ نشستیں مخصوص کی جائیں گی۔

بورڈ نے بین برادری شادیوں کے لیے تین ہزار سے دس ہزار روپے تک دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر اونچی ذات کا لڑکا شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب سے تعلق رکھنے والی لڑکی سے شادی کرتا ہے تو جوڑا دس ہزار انعام پائے گا۔

یہی انعام اس صورت میں بھی ملے گا جب اونچی ذات کی لڑکی نیچی ذات کے لڑکے سے بیاہ کرے گی۔ انعام کی مقدار ۱۹۸۱ء سے تین ہزار نافذ چلی آ رہی تھی۔ شیڈولڈ کاسٹ پر

ہوئے مظالم کے سلسلہ میں جو مقدمات التواء میں پڑے ہوئے تھے اس کا بھی میٹنگ نے تجزیہ کیا۔ فی الحال ان مقدمات کی تعداد ۴۱۸۷ ہے۔ چھ ذیلی ذاتوں کو شیڈولڈ کاسٹ میں شامل کرنے کی تجویز پر بھی اس میٹنگ میں بحث ہوئی۔''

یہی اخبار (The Hindu New Delhi) اپنے ۷؍ نومبر ۲۰۰۵ء جلد: ۱۲۸، شمارہ: ۲۶۲ کے شمارہ میں ص: ۴ پر بین برادری شادی کے متعلق ایک دوسری خبر یوں شائع کرتا ہے۔

" Mass marriages organised"

New Delhi: The Sant Nirankari Mission organised a mass marriage function on Saturday where 29 couples tied the nuptial knot in the presence of Baba Hardev Singh Maharaj, head of the Mission. Of these, 13 couples had an intercaste mariage."

اجتماعی شادیوں کا انعقاد

''نئی دہلی۔ سنت نیرنکاری مشن نے سنیچر کے دن ایک اجتماعی شادی کی تقریب کا انعقاد کیا، جہاں مشن کے صدر بابا ہردیو سنگھ مہاراج کی موجودگی میں ۲۹ جوڑے شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ ان میں سے ۱۳ جوڑوں نے بین برادری شادیاں کیں۔''

آر ایس ایس اس طرح کی تصویریں اور خبریں شائع کر رہی ہے جن میں دکھلایا اور بتلایا جاتا ہے کہ وہ شودر نوجوانوں کو مندروں کا پجاری بنا رہی ہے۔ (۱۰۴)

ایک تصویر میں یہ دکھایا گیا ہے کہ چھوت چھات کی حد توڑتے ہوئے وشو ہندو پریشد کے صدر اچاریہ گری راج کشور جی، عالمی معاملات کے صدر اشوک سنگھل جی، مہنت اویدھ ناتھ جی، اوما بھارتی جی، سوامی پرپتر اچاریہ جی اور دوسرے حضرات ۱۹۹۴ء میں بنارس کے ڈوم راجا ''سنجیت چودھری جی'' کے یہاں کھانا تناول کر رہے ہیں اور ڈوم راجا سنجیت چودھری جی ان کو کھانا نکال کر دے رہے ہیں۔ (۱۰۵) سچائی کا قتل کر کے آر ایس ایس ایک ایسی جھوٹی تصویر شائع کر رہی ہے جس سے جھوٹ بھی شرما جائے، اس تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ ''پونا'' میں واقع آر ایس ایس کے کیمپ میں ڈاکٹر امبیڈکر ۱۹۳۹ء میں، سیوم سیوکوں سے خطاب کر رہے ہیں۔ (۱۱۷) مکاری وعیاری کی انتہا تو یہ ہے کہ جس اچھوت ڈاکٹر امبیڈکر صاحب سے زندگی بھر صرف ان کی ذات کی وجہ سے نفرت کی جاتی رہی، آر ایس ایس نے اپنے مقصد کے حصول یعنی شودروں کو اسلام قبول کرنے سے روکنے کے واسطے اس اچھوت ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کی پوجا شروع کر دی، چناں چہ ۱۹۹۵ء میں سنگھ پریوار اور بھاجپا نے اجودھیا میں اپنے انتخابی پرچار مہم کے

دوران رام جی کی تصویر کے ساتھ ڈاکٹر امبیڈکر کی تصویر بھی لگائی تھی۔[107] آر ایس ایس کا ہفت روزہ ترجمان ''پانچ جنیہ'' (جس کا مطلب اعلان جنگ ہوتا ہے) نے اپنے ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۳ء کے خاص شمارہ ''دیپاولی نمبر'' میں سرورق پر ایک تصویر شائع کی، جس میں دکھایا گیا تھا کہ ناگپور میں ''دکھچا بھومی'' پر واقع ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کی مورتی پر ''شنکراچاریہ واسو دیوانند سرسوتی جی'' پھول چڑھا رہے ہیں۔[108] The Hindustan Times New Delhi ۲۴/جولائی ۲۰۰۶ء کے مطابق آر ایس ایس کے ترجمان پنچ جنیہ نے ہندوؤں سے کہا ہے کہ وہ دلت قیادت دلتوں کو سونپ دیں، '' RSS mauthpiece, panchjanya has asked the Hindu community to organise themselves under Dalit leadership '' اب تو عام دلت بستیوں میں ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کی مورتی نصب ہوتی ہے اور اس کی پوجا کرتے ہوئے دلتوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ عام لوگوں کی بات تو دور کی ہے، ڈاکٹر امبیڈکر کے تعلیم یافتہ اور دانشور معتقدین تک ان کی پوجا کرتے ہوئے نہیں جھجکتے ہیں۔ چناں چہ جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی میں ۸/جنوری ۲۰۰۴ء کو جو پروگرام ہوا تھا (جس کی تفصیل اوپر باب دوم میں آ چکی ہے) کے مقرر ڈاکٹر کرسٹوفر ایس کوین صاحب اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے اسکول آف سوشل سائنس (SSS) کے ایک ٹیچر نے گوتم بدھ جی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر امبیڈکر کی تصویر کو مالا پہنایا اور ہاتھ جوڑ کر ان تصویروں کے سامنے جھک گئے، راقم الحروف نے جب وقفہ سوال و جواب میں اعتراض کیا کہ جب یہ دونوں حضرات، گوتم بدھ جی اور ڈاکٹر امبیڈکر، خدا کے منکر تھے پھر آپ حضرات نے ان کو کیوں خدا بنا ڈالا، تو ڈاکٹر کرسٹوفر نے جواب میں کہا کہ میں نے پوجا نہیں بلکہ صرف تعظیم بجالائی ہے۔ حالاں کہ تعظیم بجالانے (انکے بقول) کے لیے انھوں نے جو طریقہ اپنایا ہندوستان میں اس طرح پوجا کی جاتی ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ ہندتو کے علمبردار دکھاوے کی خاطر ہی سہی مساوات کا ڈھونگ کر رہے ہیں، لیکن ہمارے قابل احترام علماء اور اسلامی تنظیمیں تو دکھاوے کی حد تک بھی ذات پات کو ختم کرنے کی اجتماعی کوشش نہیں کر رہی ہیں۔

ہندو دھرم میں ضم کردہ مذاہب کے پیروکاروں کو ریزرویشن:

برہمنیت نے دلتوں کو مکمل طور سے قبول اسلام سے باز رکھنے کی خاطر اپنے اندر ضم کردہ یا کم از کم اپنے سے قریب تر مذہبوں کو شیڈولڈ کاسٹ کی مراعات دینے کی چال چلی، تاکہ دلت اسلام کی طرف نہ جا کر ان مذاہب کا حصہ بن جائیں جو اصلاً اس کا ہی حصہ ہو کر رہ گئے ہیں؛ چناں چہ پیچھے یہ آ چکا ہے کہ

۱۹۵۰ء کے ایک صدارتی آرڈر کے تحت ہندو مذہب کے علاوہ تمام مذاہب، آئین کی دفعہ جو شیڈولڈ کاسٹ کی مراعات کے سلسلہ میں ہے، سے باہر کیے جا چکے تھے۔ لیکن ۱۹۵۶ء میں سکھ مت کو اس میں شامل کر لیا گیا[۱۰۹] اور چالیس سال کے بعد ۱۹۹۰ء میں سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ اور چندر شیکھر کے زمانہ میں بدھ مذہب کو بھی اس زمرے میں شامل کر لیا گیا[۱۱۰] جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دلت بدھ دھرم میں آنا شروع ہو گئے۔ چناں چہ ''میکو رام جی'' نے ۱۹۹۲ء میں پٹنہ میں تقریباً پچیس ہزار دلتوں کے ساتھ بدھ مت قبول کر لیا، آل انڈیا کنفیڈریشن آف ایس سی/ایس ٹی آرگنائزیشنز کے چیرمین اور ''لارڈ بدھا کلب'' کے صدر رام راج جی (جو انکم ٹیکس میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر ہیں) نے پیدل سفروں اور ریلیوں کے ذریعہ بشمول اتر پردیش ملک کے کئی صوبوں کا دورہ دلتوں کو بدھ مذہب اختیار کرنے کے لیے آمادہ کرنے کے واسطے کیا اور اعلان کیا کہ دس لاکھ دلت ۱۴/اکتوبر ۲۰۰۱ء، جسے بعد میں ۴/نومبر ۲۰۰۱ء کر دیا گیا، کو دلی کے رام لیلا میدان میں، بدھ دھرم قبول کریں گے۔ چناں چہ رام راج جی کی قیادت میں لاکھوں دلتوں نے مقررہ تاریخ پر بدھ مت اختیار کر لیا. رام راج جی نے اپنے پورے خاندان کے ساتھ بدھ مذہب قبول کیا اور اپنا نام ''ادت راج'' رکھا۔[۱۱۱] ۲۶/مئی ۲۰۰۲ء کو بدھ پورنیما کے دن درج فہرست ذاتوں وقبائل کی تنظیموں کی کانفیڈریشن کے زیر اہتمام لکھنؤ میں منعقد ایک پروگرام میں پچاس ہزار دلتوں نے بدھ دھرم قبول کیا،[۱۱۲] آل انڈیا بودھ کونسل نے ۱۵/اکتوبر ۲۰۰۳ء کو گجرات کے ثقافتی مرکز کہے جانے والے شہر ''بڑودہ'' میں تبدیلی مذہب کا پروگرام منعقد کر کے ہزاروں دلتوں کو بدھسٹ بنایا۔ ''بدھ کونسل'' کی گجرات یونٹ کے انچارج ''بھنتے سنگھ پریئے'' کا کہنا ہے کہ کم سے کم تیس ہزار دلتوں نے پروگرام میں شرکت کی۔ انھوں نے بتایا کہ ۲۰۰۴ء تک ایک لاکھ لوگوں کو بودھ بنایا جائے گا، نیز اس طرح کے پروگرام ملک کے دیگر حصوں میں بھی منعقد کیے جائیں گے۔ (۱۱۳)

دلتوں کا بدھ مذہب قبول کرنا ۱۹۹۰ء کے بعد سے جاری ہوا ہے، جب کہ انھیں (نیو بدھسٹوں کو) بھی دفعہ میں پھر سے شامل کیا گیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر کے ۱۹۵۶ء میں ہندو دھرم چھوڑ کر بدھ مذہب اختیار کرنے پر دلتوں نے اتنا نہیں قبول کیا تھا جتنا وہ چاہتے تھے۔ کیوں کہ ۱۹۵۰ء میں بدھسٹ بھی دفعہ کے زمرے سے باہر کیے جا چکے تھے۔ اس حقیقت کا اعتراف خود رام راج جی (ادت راج جی) نے آل انڈیا بیکورڈ مسلم مورچہ کے قومی کنوینر ڈاکٹر ایم اعجاز علی صاحب سے دوران گفتگو کیا، کہ دلتوں کا اسلام کے بجائے بدھ مت قبول کرنے کی وجہ آئین کی دفعہ ۳۴۱ میں مذہبی قید ہے۔ (۱۱۴)

اکیسویں صدی کے ہندوؤں میں ذات پات کے نام پر قتل اور عورتوں کو ننگا پریڈ کرانا

آر ایس ایس و برہمنیت دلتوں کے لیے جو ریزرویشن، مساوات وغیرہ کی بات کہہ رہی ہے اور ذات پات کو توڑنے والی خبریں اور تصویریں شائع کر رہی ہیں، جس کا ذکر اوپر زیر عنوان "دلتوں کے لیے نئی سہولیات" گزر چکا ہے؛ چوں کہ یہ سب عیاری ومکاری، دھوکہ دھڑی وچالبازی، ریاکاری اور دکھاوے پر مبنی ہیں، یعنی شودروں کو بیوقوف بنا کر انھیں ہندودھرم میں باقی رکھنے کی خاطر اوپری دل سے یہ سب کیے گئے اور کیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا ان تمام پلانوں، منصوبوں اور حربوں کے علی الرغم ذات پات کی بنیاد پر ہندوسماج میں آئے دن ظلم وزیادتی، قتل وغارت گری کا بازار گرم رہتا ہے، اس کی تو متعدد مثالیں روزانہ سامنے آتی رہتی ہیں۔ یہاں چند واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

پہلی مثال: سمین (Samin) گاؤں، ضلع کیتھل، صوبہ ہریانہ میں ۱۹۹۴ء میں ایک دلت لڑکا اور ایک (مزعومہ) اونچی ذات کی ہندو لڑکی نے آپس میں شادی کر لی اور گاؤں سے بھاگ کھڑے ہوئے؛ لیکن جب مئی ۱۹۹۹ء میں ان دونوں کے گھر والوں نے انھیں پکڑ لیا تو دونوں کا قتل کر دیا۔ (۱۱۵)

دوسری مثال: ۱۹۹۹ء کے وسط میں کیتھل ضلع کے ایک جوڑے کو بین برادری شادی کرنے کی وجہ سے پتھروں سے مار مار کر ختم کر دیا گیا۔ اسی طرح اکتوبر ۱۹۹۹ء میں ایک نوجوان جوڑے کو بین برادری شادی کرنے کے جرم میں قتل کیا گیا۔ اسی سال روہتک ضلع، صوبہ ہریانہ، میں ایک جاٹ لڑکی اور ایک بیک ورڈ کلاس "لوہار" لڑکے کو بھی بین برادری شادی کے جرم میں قتل کیا گیا۔ (۱۱۶)

تیسری مثال: ضلع ہوشیار پور کے جاہنکھیلان (Jahankhelan) کے رہنے والے ۲۲ سالہ جاٹ لڑکے جسبیر (Jasbeer) نے گاؤں کی ہی بیس سالہ راج پوت لڑکی گیتا سے چنڈی گڑھ کی کورٹ کے اندر ستمبر ۲۰۰۳ء میں شادی کر لی؛ کیوں کہ لڑکی کے والدین برادری کے فرق کی وجہ سے شادی کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ اس شادی سے گاؤں کی جاٹ اور راج پوت برادریوں میں ٹینشن پیدا ہو گیا۔ ۲۵ رنومبر ۲۰۰۳ء کو راج پوت برادری کا ایک مجمع ننگی تلواروں کے ساتھ شور مچاتا ہوا جسبیر کا پیچھا کر رہا تھا۔ پکڑنے کے بعد گاؤں کے بے شمار لوگوں کی موجودگی میں انھوں نے جسبیر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جسبیر کا بازو کاٹنے کے بعد انھوں نے سڑک پر اس بازو کے ساتھ جلوس بھی نکالا اور پھر اس کی چچی کے گھر میں اس کے جسم کو پھینک دیا۔ لڑکی والوں کو جب گرفتار کیا گیا تو انھوں نے اقبال جرم کر لیا۔ گیتا پہلے ہی سے خوف وہراس کا اظہار کر رہی ہے کہ اب وہ قاتلوں کا

نشانہ بننے والی ہے، اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسے فون پر دھمکیاں بھی دی جارہی ہیں۔ (۱۱۷)

چوتھی مثال: صوبہ اتر پردیش کے ضلع مظفر نگر کے ایک گاؤں ''علی نگر'' کا ایک اٹھارہ سالہ برہمن لڑکا ''وشال'' اور ایک اٹھارہ (دوسری روایت کے مطابق بیس) سالہ جاٹ لڑکی ''ندھی'' آپس میں شادی کے خواہش مند تھے اور دونوں چھپ چھپا کر ملا کرتے تھے، ان کے اس تعلق پر دونوں کے خاندان والوں کو اعتراض تھا؛ کیوں کہ دونوں کا تعلق دو مختلف ذاتوں سے تھا، انھیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی گئی مگر وہ نہ مانے۔ آخر کار ۶/ اگست ۲۰۰۱ء کی رات کو انھیں پکڑ کر ایک مکان میں قید کیا گیا۔ پھر دونوں کے ماں باپ اور رشتہ دار ایک جگہ جمع ہوے، کچھ گفتگو کے بعد گاؤں کی پنچایت کے ممبروں کو بلایا گیا اور فیصلہ ہوا کہ انھیں قرار واقعی سزا دی جائے، پھر انھیں ایک مکان کی چھت پر لے جا کر ایک ایک کر کے پھانسی دے دی گئی۔ اس کی شروعات لڑکے کے باپ نے کی۔ اطلاعات کے مطابق ان لوگوں کو اس کا کوئی افسوس بھی نہیں ہے؛ چناں چہ ''ندھی'' کے والد ''سریندر سنگھ'' کہتے ہیں کہ ''یہ سب سے اچھا کام کیا میں نے زندگی میں''، جب ندھی کی والدہ ''مونیش'' سے پوچھا گیا کہ آپ نے کس طرح یہ کر ڈالا تو اس نے جواب دیا ''مجھے بہت غصہ آیا تھا، جو ہوا ٹھیک ہوا''۔ [ندھی کے والدین نے جیل سے یہ بیان دیا] حتی کہ ''ندھی'' کی بہن تک کہتی ہے ''جو ایسا کرے گا اس کے ساتھ یہی ہونا چاہیے''۔ (۱۱۸)

پانچویں مثال: ۱۴/اپریل ۲۰۰۵ء کو راشٹریہ سہارا اردو، نئی دہلی، جلد: ۶، شمارہ: ۲۱۱۸ نے صفحہ اول پر صوبہ جھارکھنڈ کی راجدھانی ''رانچی'' سے کچھ دور ہوے حادثہ کی رپورٹنگ اس طرح کی۔

''بوڑھی عورت کو گاؤں میں ننگا گھمایا گیا''

بیٹے کی غیر برادری کی لڑکی سے محبت کی سزا ماں کو دی گئی

رانچی، ۱۳/اپریل (آئی اے این ایس) یہاں سے تقریباً ۵۵ کلو میٹر دور بسکی گاؤں میں ایک ۵۰ سال کی خاتون کو ننگا کر کے گھمائے جانے کا معاملہ روشنی میں آیا ہے۔ اس خاتون کا گناہ صرف یہ تھا کہ اس کے لڑکے نے ایک لڑکی سے محبت کی ہے۔ مذکورہ خاتون کا بیٹا مبینہ طور پر گاؤں کی ایک لڑکی کو بھگا کر لے گیا جس سے مشتعل ہو کر گاؤں والوں نے اس عورت کو بدترین سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ جیسے ہی انھیں یہ اطلاع ملی کہ لڑکا اور لڑکی گاؤں سے فرار ہو گیے ہیں۔ انھوں نے ایک میٹنگ بلا کر پریمی نوجوان کی ماں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ پریمی نوجوان سندیپ لوہرا کی ماں کو ... سندیپ

گاؤں کی ایک آدی باسی لڑکی سے محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا؛ لیکن گاؤں والے اور لڑکی کے اہل خانہ بھی اس شادی کے خلاف تھے۔ وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کی برادری الگ ہے۔ لڑکی اور سندیپ کے لاپتہ ہونے کے بعد پنچایت کی میٹنگ ہوئی جس میں گاؤں کے سینئر لوگوں نے فیصلہ کیا کہ سندیپ کی سزا اس کی ماں کو دی جائے۔

پنچوں کے حکم پر اسے گھر سے گھسیٹ کر باہر نکالا گیا اور اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دیے گئے اور پھر ننگا کر کے تقریباً دو گھنٹے تک پورے گاؤں میں گھمایا گیا۔ اس واقعہ سے علاقے میں سنسنی پھیل گئی ہے کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کرنے کی کوشش کی مگر انھیں ڈرا دھمکا کر خاموش کر دیا گیا۔ اس سے قبل رانچی کے ہی ایک گاؤں میں نو بیاہتا جوڑے کو ننگا گھمایا گیا تھا۔ ان کا قصور بھی یہی تھا کہ انھوں نے گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی کی تھی۔ ننگا گھمانے کے بعد اس جوڑے کا سماج سے بائیکاٹ کیا گیا تھا۔''

اچھوت آپ اچھوت کیوں؟

چوں کہ ذات پات کو توڑنے والے، آر ایس ایس کے ذریعہ کیے جانے والے تمام کام عیاری اور چالبازی پر مبنی ہیں اس لیے آج تک دلت، اچھوت ہی رہے، ان کو نیچا ہی سمجھا جاتا رہا، ان پر ظلم میں اضافہ ہی ہوتا رہا، دلت دولہا کو گھوڑے پر سوار ہونے کے جرم میں دولہا کے ساتھ باراتیوں تک کی بری طرح پٹائی کی جاتی رہی، (۱۱۹) اسی جرم میں ان کا قتل تک کیا جاتا رہا، (۱۲۰) اسکولوں میں لنچ (دوپہر کا کھانا) کے دوران دلت اور اونچی ذات کے طلبہ کو علیحدہ کرنے پر مخالفت کرنے کی پاداش میں (گجرات کے اندر) دلت ٹیچروں کا تبادلہ کیا جاتا رہا، ان کو دھمکیاں دی جاتی رہیں۔ (۱۲۱) مفروضہ بڑی ذات کے گھڑے سے پیاس بجھانے کے جرم میں (دلت خاتون اور اس کے بچے پر ۱۲۵ روپے کا) جرمانہ عائد کیا جاتا رہا، (۱۲۲) ڈاکٹر امبیڈکر کی مورتی کو جوتوں، چپلوں کا ہار پہنایا جاتا رہا، اس کو توڑا جاتا رہا، دلتوں کی ماں، بہنوں، بہو، بیٹیوں کی چادر عصمت تارتار کی جاتی رہی۔ صرف مزعومہ بڑی ذاتوں کو ماننے والے عام ہندوؤں کے ذریعہ نہیں بلکہ ذات پات کے حامی سرکاری ملازمین، پولیس، سیاسی نیتا وغیرہ تمام کے ذریعہ ان کی عصمت کو پارہ پارہ کیا جاتا رہا، (۱۲۳) ان کا قتل ہوتا رہا، (۱۲۴) مندر میں جا کر پوجا کرنے کے جرم میں ان کا سماجی بائیکاٹ کیا جاتا رہا، حتی کہ صرف مندر میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کو قتل کیا جاتا رہا چناں چہ:

- آندھرا پردیش کے ضلع ''میدک'' کے موضع ''اللہ پور'' کے ایک دلت طالب علم ''تکارام'' نے منت

مانی تھی کہ اگر وہ انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں کامیاب ہوگیا تو مقامی ہنومان مندر میں ناریل توڑ کر بھگوان کے پرتی آبھار پرکٹ کریگا۔ منت پوری ہوئی، مگر جب اس نے منت پر عمل کیا تو گاؤں کی [موہومہ] اعلیٰ ذاتوں کے لوگ اس قدر طیش میں آ گئے کہ گاؤں کی پوری دلت برادری کا سماجی بائیکاٹ کردیا۔ بائیکاٹ بھی اتنا سخت کہ کسی دلت سے بات کرنے، اسے سودا بیچنے یا خریدنے اور اس سے کام کرانے والے پر پانچ سو روپیہ کا جرمانہ عائد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دلت گاؤں کے کنویں یا بورویل سے پانی بھی نہیں لے سکتے تھے۔ یہ بہت بڑی سزا تھی۔ روزنامہ منصف کی رپوٹ (۲رجون) کے مطابق دلتوں نے بہتری منت سماجت کی کہ تکارام کی "غلطی" کو معاف کردیا جائے، تکارام کا باپ [مزعومہ] "اعلیٰ ذات" والوں کے قدموں پر گر کر گڑ گڑانے لگا۔ مگر وہ لوگ نہیں پسیجے۔ بالآخر جب پولیس کو پتہ چلا تو اس نے مداخلت کر کے بائیکاٹ کو ختم کردیا۔ کئی لوگوں کو گرفتار کیا اور گاؤں والوں کو خبردار کیا کہ بائیکاٹ کرنیوالوں کے خلاف سخت قانونی کاروائی کی جائے گی۔ (۱۲۵)

- روزنامہ "ہندستان" اخبار کے مطابق راجستھان کے "بھیلواڑا" ضلع کی "بھدکیاں" گاؤں کے مندر میں داخل ہونے کے سبب جون ۲۰۰۲ء میں ایک دلت کو قتل کردیا گیا۔ (۱۲۶)
- وشو ہندو پریشد اور رام جنم بھومی مندر تعمیر مہم کے سابق صدر آنجہانی رام چندر پرم ہنس جی نے اعلان کیا تھا کہ ۱۵ر مارچ ۲۰۰۲ء کو بابری مسجد کی پاک زمین پر مندر تعمیر کا کام شروع کیا جائے گا؛ لیکن سپریم کورٹ نے بابری مسجد کی مقدس سرزمین پر کسی بھی قسم کی سرگرمی اور کاروائی پر روک لگادی، لیکن یہ انتہا پسند ہندتو کے علمبردار لوگ اور تنظیمیں اپنے اعلان اور عزم پر اڑی رہیں اور مقررہ دن مندر کے لیے تیار کردہ دو ستونوں کو کارسیوک پورم سے لے کر بابری مسجد کے احاطہ کی طرف چلیں؛ لیکن پولیس نے سپریم کورٹ کے آرڈر کی وجہ سے انھیں احاطہ سے دور ہی روک لیا اور کہا کہ ان ستونوں کو فیض آباد کے "کمشنر انیل کمار گپتا جی" کے سپرد کردیں؛ لیکن چوں کہ گیتا ۳۲/۹ کے مطابق ویشہ (بنیا)، شودر اور عورت پاپ یونیہ رگناہ کی پیداوار ہیں اس لیے کمشنر کو یہ ستون نہیں دیئے گئے۔ ۱۴ر مارچ ۲۰۰۲ء بروز جمعرات کی دیر رات میں ہی فون پر رام چندر پرم ہنس جی نے لال کرشن اڈوانی جی اور جارج فرنانڈیز جی سے کمشنر انیل کمار گپتا جی کو ستون سپرد کرنے کے سلسلہ میں غیر اطمینانی کا اظہار کردیا تھا۔ جب ۱۵ر مارچ ۲۰۰۲ء بروز جمعہ کو دوپہر میں ان ستونوں کو کمشنر کے سپرد کرنے کو کہا گیا تو مہنت رام چندر پرم ہنس جی کے ساتھیوں نے کہا: "اس قسم کا عطیہ کسی "بنیا" کو نہیں دیا جاسکتا"۔ رام

چندر پرم ہنس جی نے آگ پر تیل ڈالتے ہوئے کہا کہ ''اگر ان ستونوں کو انیل کمار گپتا [کمشنر فیض آباد] کو دیا جائے گا تو ان ستونوں کی بے حرمتی (توہین) ہوگی۔'' انہوں نے مزید مٹی پلید کرتے ہوئے ۱۶ / مارچ ۲۰۰۲ء بروز سنیچر کو کہا کہ ''میں نے شیلاس [ستون] کمشنر کو اس لیے نہیں دیا کہ وہ ذات کا بنیا ہے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ بنیا اس کا سودا کر ڈالتا''۔ کمشنر کو ان کے بنیا ذات کا ہونے کی وجہ سے ستون نہیں دیئے گئے، لیکن [خود ساختہ] بڑی ذات ''چھتری'' سے تعلق رکھنے والے وزیر اعظم آفس کے اجودھیا سیل اسپیشل ڈیوٹی افسر Officer special duty Ayodhya cell of (prime minister's office) شتروگھن سنگھ جی جو ایک سینئر آئی اے ایس افسر اور وشو ہندو پریشد نیز رام جنم بھومی نیاس سے کافی قریبی تعلق رکھتے ہیں کے حوالہ کیے گئے۔

"Paramhans reportedly expressed dissatisfaction with current Faizabad commissioner A.K.Gupta who was supposed to receive the shila. " (۱۲۷)

"The stones were originally supposed to have been given to Gupta the receiver for the acquired land in Ayodhya. But he refused to accept them after Paramhans' associates said that a donation of this kind could not be made to a Bania. Paramhans added fuel to the fire saying the Shilas would be desecrated if they were given to Gupta."

"As a result, Singh [Shatrughan Singh] was picked to receive the stones, ten minutes, before the consecration ceremony.

Paramhans further muddied the waters on Saturday, saying. " I refused to give the shilas to the commissioner because, who knows, he may have sold them off........." (۱۲۸)

گاندھی جی زندگی بھر ہندو دھرم کو مضبوط کرنے، ذات پات کو باقی رکھنے اور دلتوں کو ہندو بنا کر ہندو دھرم کو زندہ رکھنے میں اہم رول ادا کرتے رہے؛ لیکن جب وہ جنوبی ہند کے وائیکوم مندر (Vaikom temple) جو سابق ٹراونکور اسٹیٹ میں پڑتا ہے، میں گئے تو ان کی واپسی کے بعد مندر کو گائے کے دودھ اور اس کے پیشاب سے دھویا گیا، کیوں کہ گاندھی جی ورن نظام میں ''بنیا'' (گناہ کی پیداوار: گیتا ۹/ ۳۲) تھے۔

"...Later on, that after Gandhi's departure the temple was washed with cows' milk and cows' urine because Gandhi was a Bania (born in sin Geeta 9-32) in a case hierarchy, although he pleaded for saving the Hinduism in 1925 from

disintegration.(۱۲۹)

● اکتوبر ۲۰۰۲ء میں صوبہ ہریانہ کے جھجر علاقہ میں وشو ہندو پریشد کے ممبروں نے پولیس اسٹیشن میں گھس کر پانچ دلتوں کو پیٹ پیٹ کر صرف اس وجہ سے مار ڈالا کہ انھوں نے ایک مردہ گائے کی کھال نکالی تھی۔ وشو ہندو پریشد کے صدر گری راج کشور نے اس وحشت اور درندگی کو صحیح قرار دیتے ہوئے سرعام کہا کہ:

"...in Hindu shastras the life of a cow is more important than the life of a Human being." (۱۳۰)

"ہندو شاستروں [مذہبی کتابوں] کے مطابق گائے کی جان انسان کی جان سے زیادہ اہم [قیمتی] ہے۔"

● "روزنامہ دینک جاگرن ہندی (نئی دہلی) نے ۲۶/ اگست ۲۰۰۴ء کو صفحہ اول پر بائیں طرف "रामायण पाठ पर दलित की हत्या" (رامائن پڑھنے پر دلت کا قتل) کے عنوان کے تحت لکھا:

"باندہ: کوتوالی دیہات کے سیمرا گاؤں میں بدھ کو ساٹھ سالہ "چھٹو ریداس" کا قتل کر دیا گیا۔ مقتول کے بیٹے "اندر پال" کا کہنا ہے کہ گاؤں کی کرمی برادری کے لوگوں نے سنت "روی داس [ریداس]" کی اکھنڈ رامائن کرانے سے منع کیا تھا۔ مخالفت کے بعد بھی رامائن ہوئی اور اسی سے مشتعل کرمی برادری کے لوگوں نے والد کو مار ڈالا"

صوبہ بہار کے چندولی، جہان آباد، صوبہ جھارکھنڈ کے ہزاری باغ اضلاع میں (مفروضہ) بڑی ذاتوں کے ہندوؤں کی با قاعدہ ایک منظم فوج "رنویر سینا" ہے جو دلتوں کو مارنے، ان کو بندھوا مزدور بنانے اور ان کی عورتوں کی عزت لوٹنے کا کام کرتی ہے۔ ۵/ فروری ۱۹۹۹ء کو اس نے جہان آباد ضلع میں بہت سے دلتوں کو قتل کر دیا تھا اس طرح کا قتل عام آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ اب تو "رنویر سینا" بڑی ذاتوں کی ہندو عورتوں کو بھی ہتھیار چلانے کی تربیت (Training) دے رہی ہے؛[۱۳۱] تا کہ دلتوں کو بآسانی مارا جا سکے۔

● دلتوں کی نکسلی تنظیموں کو تو دہشت گرد کہا جاتا ہے، لیکن مزعومہ بڑی ذاتوں کے ہندوؤں کی تنظیم "رنویر سینا" کو فوج میں نوکری دینے کی بات کی جاتی ہے۔ بہار کے اندر پانچ دلتوں کو پوٹا (Pota) کے تحت سزائے موت سنائی گئی اور سولہ دلتوں کو اسی قانون کے تحت عمر قید کا حکم دیا گیا جن میں دس سال کے بچے سے لے کر چوراسی سال کے بوڑھے تک شامل ہیں۔ ان کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ بدھوا مزدور نہیں بننا چاہتے ہیں، اپنی عزت و آبرو کی حفاظت اور اپنی زمین اور اپنے حق کے لیے لڑ رہے

ہیں۔لیکن رنویر سینا کے کمانڈر ''برہمیشور سنگھ، عرف برہمیشور کھیا'' پر سے پوٹا، ہٹالیا جاتا ہے، جب کہ انھوں نے بھری عدالت میں کہا تھا کہ انھیں دلتوں کو قتل کرنے کا کوئی افسوس نہیں ہے اور ان کی بیوی نے یہاں تک کہا تھا کہ ہمیں اپنے شوہر کے اس کارنامہ پر فخر ہے کہ انھوں نے دلتوں کا قتل کیا۔

- بہار سے ۲۰۰۰ء میں الگ ہوئے صوبہ جھارکھنڈ میں بھی اپنی عزت و آبرو، زمین اور حق کے لیے لڑ رہے دلتوں کو پوٹا کے تحت گرفتار کیا گیا ہے انگریزی اخبار روزنامہ دی ہندو (The Hindu Daily) کی رپوٹ میں ہے کہ:

"In Jharkhand there are 100 cases of pota against innocent people. The act is being used against Dalits. People fighting for land and even women." (۱۳۲)

''جھارکھنڈ میں بے قصور افراد کے خلاف پوٹا کے سو مقدمات درج ہیں۔ اس ایکٹ کا استعمال ان دلتوں کے خلاف ہو رہا ہے جو زمین کے لیے وہاں برسر پیکار ہیں یہاں تک کہ خواتین پر بھی [اسی قانون کے تحت] مقدمات چل رہے ہیں۔''

ایک دوسری رپورٹ میں ہے کہ:

"Jharkhand India's 28th state craved out of 18 impoverished district of Bihar in 2000, has achived adubious distinction over the last two years. It has been the largest number of arrests under pota.According to the union home minister, 234 people have been arrested in the state." (۱۳۳)

''ہندستان کی اٹھائیسویں ریاست جھارکھنڈ۔ جو ۲۰۰۰ء میں بہار کے اٹھارہ قحط زدہ اضلاع سے مل کر وجود میں آئی ہے۔ نے پچھلے دس سالوں میں غیر معمولی امتیاز حاصل کیا ہے۔ پوٹا کے تحت سب سے زیادہ گرفتاریاں یہیں ہوئی ہیں۔ مرکزی وزیر داخلہ کے بیان کے مطابق ریاست میں ۲۳۴، افراد [اس قانون کے تحت] گرفتار کیے گئے ہیں۔''

اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہی ان شودروں، اچھوتوں اور دلتوں پر ظلم کی نئی شکلیں ایجاد کر لی گئی ہیں۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ان کا تعارف، ریگنگ (Ragging Introduction) ننگا کر کے لیا جاتا ہے، ان کی عورتوں کو ننگا کر کے رنگوں کی ہولی کے ساتھ ان کی عزت و عصمت کی بھی ہولی کھیلی جاتی ہے۔ عصمت دری کے بعد ان کی ننگی تصویریں لی جاتی ہیں۔ ان کو ننگا کر کے ڈھول، باجوں کے ساتھ گلیوں اور بازاروں میں گھمایا جاتا ہے۔ چناں چہ:

● ''سلیا'' گاؤں ضلع شیوپور، مدھیہ پردیش کی مجھولی ذات کے عزت دار لوگ ہولی کے موقع پر ۲۱ مارچ ۱۹۹۰ء کو شراب پی کر بغل کے دلت گاؤں ''مہاویر پور، تیج پور'' گئے اور حکم دیا کہ چمارو! نکالو اپنی عورتوں کو باہر۔ نشے میں لڑکھڑاتی آواز میں دوسرا حکم تھا۔ ''ہریجن عورتیں ننگی ہوکر ہمارے ساتھ ہولی کھیلیں گی اور ناچیں گی۔'' جب ان کو سمجھایا گیا تو ان لوگوں نے بستی پر قہر ڈھادیا۔ دو گھنٹہ کی دہشت گردی اور غنڈہ گردی کے بعد جب طوفان تھما تو بستی کے نہ گھر سلامت تھے اور نہ ان کے باشندے، چاروں طرف تھے تو عورتوں کے پیٹی کوٹ [لنگی کی مانند وہ لباس جو عورتیں ساڑی پہننے کی صورت میں ساڑی کے نیچے کمر میں باندھتی ہیں] کے چیتھڑے یا پھر گھر جلانے کے کام میں لائی گئی لکڑیاں۔ (۱۳۴)

● ۲۴ ستمبر ۱۹۹۱ء کو یونیورسٹی کالج آف میڈیکل سائنس دہلی، (University College of Medical Science) میں سینئر طلبا نے فریشرز [نئے طلباء] کو ریگنگ کے لیے بلایا۔ سب کی ذات پوچھنے کے بعد سب کو جانے دیا لیکن دلت طلبا کو روک لیا۔ ان کے کپڑے اتروا کر زمین پر بیٹھا دیا گیا اور کہا گیا کہ ''یہ اسی کے حقدار ہیں''۔ (۱۳۵)

● صوبہ راجستھان کے ایک گاؤں ''جیتسر'' کی ایک دلت خاتون ''پرکاش کور'' محنت و مزدوری کر کے اپنا خاندان چلاتی تھیں۔ ان کے بارہ سالہ لڑکے نے ۲۸ مئی ۱۹۹۴ء کو گاؤں کے مندر میں رکھی آرتی کی تھالی سے کچھ پیسے نکال لیے، اس پر مندر ٹرسٹ کے ذمہ داروں نے اسے پولیس کے حوالہ کر دیا۔ جب ''پرکاش کور'' سچائی جاننے کے لیے مندر میں آئیں تو مندر کے ٹرسٹیوں [ٹرسٹ کے ذمہ داران] اور بھاجپا کے لوگوں نے ان پر حملہ بول دیا، انھیں گدھے پر بیٹھایا گیا اور ان کے جسم کے مخصوص حصے...... پر حملہ کیا گیا، انھیں اتنا پیٹا کہ انھوں نے دم توڑ دیا۔ غیر انسانیت اور درندگی کی حد دیکھیے کہ جب انھوں نے مرتے وقت پانی مانگا تو ان کے منھ میں مٹی کا تیل ملا پانی ڈالا گیا۔ (۱۳۶)

● ۱۹۹۴ء میں الہ آباد، یوپی کے ایک گاؤں ''دونا'' میں ''شیوپتی'' نام کی دلت عورت کو ننگا کر کے گاؤں میں گھمایا گیا۔ (۱۳۷)

● [اگست کے آخر یا ستمبر کے اول ہفتہ] ۲۰۰۱ء میں آندھرا پردیش کے بلاری (BELLARY) ضلع میں ایک دلت خاتون کو بالکل مادرزاد ننگا کر کے پریڈ [گھومایا] کرایا گیا۔ (۱۳۸)

● ۶ ستمبر ۲۰۰۱ء کی بات، صوبہ چھتیس گڑھ کے ضلع ''سورگوجا'' (SURGUJA) میں چار پولیس

والے ایک سولہ سالہ نابالغ دلت لڑکی کو اس کے گھر سے اغوا کر کے پولیس اسٹیشن لے آئے اور اجتماعی عصمت دری کی۔ جب وہ مظلوم دوشیزہ ایف آئی آر (FIR) درج کرانے دوبارہ پولیس اسٹیشن آئی تو پولیس والوں نے ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کر دیا اور اس کو برہنہ کر کے اس کی ننگی تصویریں کھینچیں۔ (۱۳۹)

● [۲۴ یا ۲۵] اکتوبر ۲۰۰۱ء کو ضلع علی گڑھ (یوپی) میں دو ہندو نوجوانوں نے ایک دلت دوشیزہ کی عصمت دری کرنے کے بعد اس کی ننگی تصویریں کھینچیں۔ (۱۴۰)

اس طرح کے بے شمار واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں، وزیر داخلہ کی اطلاع کے مطابق صرف ۱۹۸۹ء میں پچھڑی ذاتوں پر جو مظالم ڈھائے گئے، ان کی تعداد تیرہ ہزار اکتیس ۱۳۰۳۱ ہے، (۱۴۱) دلتوں کے خلاف بنگال کو چھوڑ کر پورے ملک میں قتل، مار پیٹ، زنا بالجبر، اغوا، ڈکیتی، چوری، لوٹ مار اور آگ زنی وغیرہ کے ۱۹۹۴ء اور ۱۹۹۵ء کے دو سالوں میں ایک لاکھ دس ہزار تین سو چون ۱۱۰۳۵۴ واقعات رونما ہوئے یعنی ہر ایک دن میں ڈیڑھ سو سے زیادہ مظالم ہوئے۔ (۱۴۲) ان مظالم کا سلسلہ تا حال قائم ہے۔ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی، ۱۹؍ نومبر ۲۰۰۱ء کے مطابق:

''۲۰۰۰ء میں درج فہرست ذاتوں پر مظالم کے تیئس ہزار سات سو بیالیس ۲۳۷۴۲ اور درج فہرست قبائل پر مظالم کے تین ہزار نو سو اٹھاون ۳۹۵۸ واقعات درج کرائے گئے۔ مظالم کی اس فہرست میں اتر پردیش کا نام سب سے اوپر ہے۔ قومی کمیشن برائے درج فہرست ذات و درج فہرست قبائل کے چیئر مین دلیپ سنگھ بھوریا نے بتایا کہ نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کی طرف سے شائع شدہ اعداد و شمار کے مطابق درج فہرست ذاتوں کے خلاف مظالم کے ۲۳۷۴۲ معاملات میں سے ۶۶۱۷ زیادتیوں اور ان کے شہری حقوق سلب کرنے کے ۶۶۶ کیس شامل ہیں۔ اس مدت میں درج فہرست ذات سے تعلق رکھنے والی عورتوں کی عصمت دری کے ۱۰۳۶ معاملات، مار پیٹ کے ۳۲۹۸ معاملات اور قتل کے ۴۸۶ معاملات درج کرائے گئے۔ اس مدت کے دوران درج فہرست ذاتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے ساتھ لوٹ مار کے ۱۰۲۶۰، اغوا کے ۲۴۲، چوری کے ۹۳ اور ڈاکہ زنی کے ۳۷ معاملات پیش آئے۔ جب کہ ان کے اوپر ہونے والے دیگر مظالم کی تعداد ۱۱۰۰۹ تھی۔ درج فہرست ذاتوں پر مظالم کے سب سے زیادہ ۶۵۹۹ واقعات اتر پردیش میں ہوئے۔ اس کے بعد راجستھان کا نمبر تھا، جہاں ۵۱۹۰ واقعات درج کرائے گئے، مدھیہ پردیش میں ۴۶۳۱، آندھرا پردیش میں ۱۵۸۲، تمل ناڈو میں ۱۲۹۶، کرناٹک میں ۱۲۱۸، گجرات میں ۸۹۱

اور بہار میں ۲۱۷ معاملات درج کرائے گئے، مہاراشٹر میں ۴۸۹، کیرالہ میں ۴۶۷، اڑیسہ میں ۳۷۵ اور ہریانہ میں ۱۰۹/معاملات درج ہوئے۔ مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں درج فہرست ذاتوں پر ہونے والے مظالم کے لحاظ سے پانڈیچری سرفہرست رہا جہاں ۲۱ معاملات درج کیے گئے۔ اس کے بعد دہلی میں ۱۳ معاملات درج ہوئے۔ درج فہرست ذاتوں کے شہری حقوق سلب کرنے کے سب سے زیادہ واقعات آندھرا پردیش (۲۸۴) میں ہوئے۔ اس کے بعد تمل ناڈو (۱۰۳)، مہاراشٹرا (۹۸) اور کرناٹک (۹۵) کا نمبر رہا۔ درج فہرست قبائل پر ہونے والے ۳۹۵۸ مظالم میں سب سے زیادہ ۱۸۴۵/مدھیہ پردیش میں درج کرائے گئے۔ اس کے بعد راجستھان میں ۱۱۳، گجرات میں ۲۲۱، آندھرا پردیش میں ۲۰۲، مہاراشٹرا میں ۱۴۲، اڑیسہ میں ۹۷ اور اتر پردیش میں ۸۷ معاملات درج کرائے گئے۔ ان کیسوں میں سب سے زیادہ ۴۳۲/کیس درج فہرست قبائل پر مظالم کی روک تھام سے متعلق قانون کے تحت درج کرائے گئے۔ قبائلی عورتوں کی عصمت دری کے ۳۹۱ کیس، مار پیٹ کے ۴۱۲ کیس، قتل کے ۵۳/کیس، اغوا کے ۴۵ کیس اور ۲۵۶۱ دیگر جرائم کے معاملات درج کرائے گئے۔'' (۱۴۳)

مراٹھی روز نامہ ''لوکریت'' ناگپور نے ہیومن رائٹس ایجوکیشن موومنٹ آف انڈیا (Human Rights Education Movement of India) کی تیار کردہ رپورٹ ۲۸/نومبر ۱۹۹۳ء کو شائع کی تھی جس کے مطابق:

"Every hour two Daltis are assaulted. Every day three Dalits women are raped. Tow Dalits murdered. Two Dalits houses are burnt in India." (۱۴۴)

''ہندستان میں ہر ایک گھنٹہ میں دو دلتوں پر حملہ کیا جاتا ہے، ہر دن تین دلت عورتوں کی عصمت دری کی جاتی ہے، دو دلت قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ دو دلت گھر جلا کر خاک کر دیے جاتے ہیں۔''

اس طرح کے مظالم کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ اس پر مکمل ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ طوالت کے خوف سے مختصراً کچھ ہی واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، تفصیلی معلومات کے لیے جناب انتظار نعیم کی کتاب ''دلت سمسیا: جڑ میں کون'' (ہندی) شائع شدہ ساہتیہ سوربھ ۱۷۸۱، حوض سوئی والان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲، مطبوعہ ۱۹۹۶ء کا چھٹواں باب ''اتیا چار'' صفحہ ۱۷۱ تا ۱۹۸ اور ملک کے مختلف حصوں سے مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات میں آئے دن دلتوں پر ہو رہے مظالم سے متعلق چھپنے والی

خبریں دیکھی جائیں۔

آر ایس ایس کے ممبر جناب اٹل بہاری واجپائی جی کی زیر قیادت والی سابق بی جے پی حکومت ہندو دلتوں پر ہو رہے مظالم کو ظلم کہنے یا ان کو تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار نہیں، چہ جائیکہ وہ ان کی روک تھام کی خاطر قدم اٹھاتی۔ چناں چہ ستمبر ۲۰۰۱ء میں اقوام متحدہ کی جانب سے ڈربن [افریقہ] میں نسلی امتیازات کے خلاف ایک بین الاقوامی کانفرنس ہوئی، اس میں حکومت ہند (باجپئی حکومت) نے ذات پات کے خلاف آواز کو اٹھنے ہی نہیں دیا اور حکومت کے نمائندہ عمر عبداللہ [سابق اسٹیٹ فارن منسٹر] نے سچائی اور تمام اخلاقی حدود کو پامال کرتے ہوئے کہا کہ ہندستان میں تو ذات پات ہے ہی نہیں۔ (۱۴۵)

دلتوں کی مظلومیت اور ان کی ناگفتہ بہ حالت پر ایک ہندو دانشور ایل، آر، بالی نے اپنی کتاب ''ڈاکٹر امبیڈکر نے کیا کیا؟'' (ہندی صفحہ ۴۵) میں تبصرہ کرتے ہوئے بالکل صحیح لکھا ہے:

''شب ہندی غلاماں را سحر نیست
بایں خاک آفتاب را گزر نیست

(اقبال)

مطلب یہ کہ ہندستانی غلاموں کی رات کی کوئی صبح نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سر زمین پر کبھی سورج نہیں نکلے گا۔ (۱۴۶)

خلاصہ کلام یہ کہ تمام برہمنی تحریکات اور ہندو احیاء پرستی کی علمبردار شخصیات نے شودروں کے لیے جو مساوات کے دروازے کھولے وہ سماجی مساوات نہ تھی بلکہ انھوں نے کرم کے اساسی نظریہ پر۔ جو (مفروضہ) بڑی ذات والوں کے لیے فضیلت کے دلائل پیش کرتا ہے۔ کلہاڑی چلا کر اس کا خاتمہ کرنے کے بجائے شودروں کو مذہبی مساوات کی آس دلا کر ہمیشہ کے لیے مفروضہ بڑی ذات والوں کا غلام بنائے رکھنے میں اہم رول ادا کیا، چناں چہ ڈاکٹر رام شرن شرما ''سماجی تبدیلیاں ازمنہ وسطی کے ہندستان میں ۵۰۰ سے ۱۲۰۰ سن عیسوی'' میں لکھتے ہیں:

''شیومت، وشنومت، بدھ مت، جین مت، ان میں سے ہر ایک مذہب مختلف مذہبی فرقوں میں تقسیم ہو گیا...... قرون وسطی کے اخیر زمانے میں یہ فرقے مکمل طور سے ذاتوں میں تقسیم ہو چکے تھے...... یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ **وہ مذہبی فرقے جو پیدائش کی بنیاد پر ذات کی تفریق مٹانے کے لیے وجود میں آئے تھے خود انھی کو ذات کے نظام نے نگل لیا۔**'' (۱۴۷)

یہی مصنف ایک دوسری کتاب ''قدیم ہندستان میں شودر'' کا اختتام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بودھ، جین اور وشنو متوں کی تحریک نے اور اصلاحی مذہبی تحریکوں نے کرم کے بنیادی نظریہ جو برہموں کے سماجی نظام کے لیے اعتقادی بنیاد فراہم کرتا تھا، مخالفت نہیں، مساوات کی دیگر شکلوں کے بجائے مذہبی مساوات کی امید دلا کر ان متوں نے نچلے طبقوں کو موجود سماجی نظام سے ہم آہنگ کرنے میں مدد کی۔ سماجی عدم مساوات کے خلاف احتجاج کا جذبہ جو ان تحریکوں کے ابتدائی مرحلوں کی ایک امتیازی خصوصیت تھی امتداد زمانہ کے ساتھ ختم ہو گیا اور وہ ورن نظام کے بنیادی اصولوں کے ساتھ کلیتاً متفق ہو گئے، چناں چہ ان جملہ عوامل کے مجموعہ نے شودروں کے اندر ایک سکون کی کیفیت پیدا کرنے اور ان کے مستقل غلام بننے میں مدد پہنچائی۔'' (۱۴۸)

نومسلموں کے مسائل اور ان کا حل:

اس دور میں جب کوئی اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے لیے متعدد مسائل اٹھ کھڑے ہوتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

- دلت مساوات کی امید لے کر اسلام قبول کرتے ہیں اور مساوات کا سب سے اہم حصہ آپس میں شادی بیاہ ہے جس کا تذکرہ خود ڈاکٹر امبیڈکر صاحب نے ۳۰، ۳۱ر مئی ۱۹۳۶ء کو بمبئی میں منعقد ایک کانفرنس میں اپنی تحریری تقریر میں کہا تھا کہ:

  ''مساوات کو مختلف ذاتوں سے مل جل کر کھانے پینے اور ان کے درمیان شادی بیاہ ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے'' (۱۴۹)

  لیکن ان کی یہ امید پوری نہیں ہو پاتی ہے، کیوں کہ نومسلموں سے شادی بیاہ کار۔حجان ذات برادری کے اعتبار سے نہ کے برابر پایا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں ارتداد تک کی نوبت آجاتی ہے۔

- زوجین میں سے اگر کوئی مسلمان ہو جائے تو اس وقت اس کی شادی کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب عورت اسلام قبول کر لیتی ہے تو اس کا بیاہ ایک مسئلہ بن جاتا ہے؛ کیوں کہ اسلام لانے کے فوراً بعد اس کا تعلق اس کے خاندان سے ٹوٹ جاتا ہے، اس وقت اس کو سہارے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

- لوگ کسی حد تک لڑکی لینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں؛ لیکن لڑکی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں۔

- اگر دینے کو تیار ہوتے بھی ہیں تو معاشرتی حیثیت (Social Status) آڑے آتی

ہے۔ مثلاً اگر (مفروضہ) بڑی ذاتوں سے تعلق رکھنے والا کوئی اسلام قبول کرتا ہے تو بعض لوگ اس سے بیٹی بیاہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی (مزعومہ) چھوٹی ذاتوں (دلت) کا اسلام قبول کرتا ہے تو اس کو بیٹی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا ہے۔

- حکومت ہند وہ تمام سہولیات ضبط کر لیتی ہے جو (موہومہ) چھوٹی ذات (شودر) ہونے کی وجہ سے اس کو مل رہی ہوتی ہیں۔
- نومسلموں کو ان کے گھر کے مشرک لوگ اور ہندو تنظیمیں بری طرح ستاتی ہیں۔
- مسلمانوں کا بے دین اور ذات پات کو ماننے والے لوگ ان کو نیچی نگاہ سے دیکھتا ہے وغیرہ۔

الف: مروجہ وفقہی مسئلہ کفو یعنی شادی بیاہ میں ذات پات کے اعتبار کی حقیقت

ان مسائل سے نپٹنے کے لیے مندرجہ ذیل خطوط کو اختیار کرنا بے حد ضروری ہے:

علمائے کرام، مفتیان عظام اور دانشوران اسلام کو آگے بڑھ کر صرف کفائت شرعیہ یعنی تقویٰ کو معیار انتخاب مان کر شادی بیاہ کرنی چاہیے۔

- نیز عوام کو اس بات سے باور کرایا جائے کہ اسلام میں ذات پات وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کافی نقصان پہونچا ہے۔ اس کے رد میں قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَّأُنثَىٰ وَجَعَلْنَـٰكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾ (۱۵۰)

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔“

مسلم شریف میں حضرت ابو مالکؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أُمُورِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ، الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ وَالنِّيَاحَةُ.“ (۱۵۱)

”اپنے نسب پر فخر، دوسروں کے نسب پر طعن [یعنی دوسروں کی رذیل ذات سمجھنا]، بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کرنا اور [میت پر] نوحہ کرنا یہ چاروں چیزیں امور جاہلیت [کفر] میں سے ہیں، میری امت انھیں ترک نہیں کرے گی۔“

مسلم شریف ہی کی ایک دوسری روایت، جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، میں کسی کو کم ذات سمجھنے پر سخت سرزنش کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ، اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ" (۱۵۲)

"دو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر لوگوں میں پائی جائیں تو وہ انھیں کفر کے درجے تک پہنچا دیتی ہیں، ایک نسب میں طعن کرنا [یعنی دوسروں کو کم ذات اور رذیل ذات سمجھنا] اور دوسرا میت پر نوحہ کرنا۔"

امام نووی نے اس حدیث پر عنوان قائم کیا ہے:

"بَابُ اِطْلَاقِ اِسْمِ الْكُفْرِ عَلَى الطَّعْنِ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةِ" (۱۵۳)

"اس چیز کا بیان کہ نسب میں طعن کرنے [یعنی کسی کو کم ذات اور رذیل ذات سمجھنے] اور میت پر نوحہ کرنے پر کفر کا اطلاق ہوتا ہے۔"

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ وَتَرِبَتْ يَدَاكَ" (۱۵۴)

"لوگ عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے رشتہ کرتے ہیں [یہود] اس کے مال و دولت کی بنا پر، [کفار] اس کے حسب و نسب کی وجہ سے [عیسائی] اس کے حسن و جمال کے سبب اور مسلمان اس کے دین و تقویٰ کے باعث۔ تو تم [مسلمانو!] دین و اخلاق کی حامل خاتون سے نکاح کر کے کامیاب ہو جاؤ اور اللہ تیرا بھلا کرے۔" (۱۵۵)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوْهُ اِلَّا تَفْعَلُوْا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ" (۱۵۶)

"جب تمھارے پاس ایسے لڑکے کے رشتہ کا پیغام آئے جس کے دین و اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے رشتہ کر لو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو زمین میں بڑے بڑے فساد برپا ہوں گے۔" (۱۵۷)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی سگی پھوپھی زاد بہن زینت بنت جحشؓ کا اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ اور اپنی خاص چچا زاد بہن ضباعۃ بنت زبیرؓ بن عبد المطلب کا مقداد کندیؓ (جن کا قبیلہ کپڑا بننے کا کام کیا کرتا تھا) (۱۵۸) سے نکاح کرنے کے بعد کہا تھا:

"اَنْكَحْتُ زَيْدَ بْنِ حَارِثَه زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَاَنْكَحْتُ الْمِقْدَادَ ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ اَشْرَفَ الشَّرَفِ لِلْاِسْلَامِ [اَلْاِسْلَامُ]"(۱۵۹)

"میں نے زید بن حارثہؓ کی زینت بنت جحشؓ سے اور مقدادؓ کی ضباعۃ بنت زبیرؓ بن عبد المطلب سے شادی اس لیے کرائی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سب سے بڑا اشرف اسلام (کا شرف) ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اونچ نیچ کو مٹانے کے لیے اپنی سگی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحشؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ سے کر دینا چاہا، پہلے تو انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اپنے لیے ان کو پسند نہیں کرتی؛ کیوں کہ **میں ان سے نسب میں بہتر "اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ نَسَباً" اور قریش کی شریف زادی ہوں۔** "اَنَا اَيِّمُ قُرَيْشٍ" اس طرح کی بات ان کے بھائی عبداللہؓ نے بھی کہی تھی، (۱۶۰) لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو منظور نہ تھا کہ اس طرح کی موہوم تفریقات وامتیازات نکاح کے راستہ میں حائل ہوا کریں۔ اس لیے آپ ﷺ نے زینبؓ اور ان کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کر لیں اور جب اس سلسلہ میں سورۃ احزاب کی آیت:۳۶ نازل ہوئی تو ان لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ اور رسول کی مرضی پر قربان کر دیا اور حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زید بن حارثہؓ سے ہو گیا۔(۱۶۱) سورہ احزاب کی وہ آیت یہ ہے:

﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

"اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو گنجائش نہیں ہے جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیدیں کہ (پھر) ان کو ان (مؤمنین) کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ ضرور گمراہی میں پڑا۔"

اس آیت کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۰۷ء اپنی تفسیر "التفسیر المظہری" میں لکھتے ہیں کہ:

"وَيُسْتَفَادُ مِنْ هٰهُنَا اَنَّ الْعَالِمَ الْعَجَمِيَّ وَمَنْ لَهٗ فَضْلٌ مِنْ حَيْثُ الدِّيْنِ كُفُوٌ لِلْعَلَوِيِّ وَغَيْرِهٖ مِنَ الشُّرَفَاءِ"(۱۶۲)

جناب سید عبدالدائم الجلالی مترجم تفسیر مظہری نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"ایک بات یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ عالم اور وہ لوگ جن کو دینی شرف حاصل ہے، وہ ہر علوی اور شریف النسب شخص کا کفو ہے (خواہ اس کی ذات اور قوم عرف عام کے لحاظ سے کچھ بھی ہو)۔" (۱۶۳)

امام ابو عبد اللہ محمد القرطبی نے مذکورہ بالا سورہ احزاب کی آیت: ۳۶ کے تحت اپنی مشہور تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں لکھا ہے:

"فِیْ هٰذِهِ الْآیَةِ دَلِیْلٌ بَلْ نَصٌّ فِیْ اَنَّ الْکَفَاءَةَ لَاتُعْتَبَرُ فِی الْاَحْسَابِ وَاِنَّمَا تُعْتَبَرُ فِی الْاَدْیَانِ" (۱۶۴)

''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہی نہیں بلکہ نص ہے کہ کفاءت میں نسب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف دینداری اور پرہیز گاری کا ہی لحاظ کیا جائے گا۔''

کچھ دنوں کے بعد حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے درمیان طلاق ہو گئی۔ ذات پات کو ماننے والے علماء کا کہنا ہے کہ ان کی طلاق برادری میں فرق کی وجہ سے ہوئی، لہذا اپنی برادری اور کفو میں ہی شادی کرنی چاہیے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت زینبؓ کی طلاق غیر برادری میں شادی ہونے کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ ان کی طلاق دراصل ایک غلط رسم کو مٹانے کے لیے ہوئی تھی، یعنی اہل عرب منہ بولے بیٹے کو بھی صلبی بیٹے کا درجہ دیتے تھے، اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام سمجھتے تھے، اس جاہلی رسم کو ختم کرنے کے لیے اللہ نے ان کو حضرت زیدؓ کے عقد نکاح سے آزاد کر کے رسول کی زوجیت میں دے دیا تاکہ اپنے نبیؐ کے ذریعہ اس جاہلیت کا خاتمہ کرے۔ مفسرین میں سے علامہ شبیر احمد عثمانی کی یہی رائے ہے۔ (۱۶۵) خود اللہ رب العزت نے اس تفریق کی وجہ رسم جاہلیت کا انسداد بتایا ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَهَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ کَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ (الاحزاب: ۳۷)

''پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا ہم نے آپ سے نکاح کر دیا، تاکہ مسلمانوں پر اپنے منھ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے۔ جب وہ (منہ بولے بیٹے) ان سے اپنا جی بھر چکیں، اور خدا کا یہ حکم تو ہونے والا تھی ہی۔''

جب زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی تو رسولؐ نے ان کی شادی اپنی پھوپھی کی نواسی ام کلثوم بنت عقبہؓ (ام کلثوم کی ماں اروی بنت کریزؓ اور نانی بیضاء بنت عبد المطلب ہیں۔) سے کر دی۔ لیکن زیدؓ نے ان کو بھی طلاق دے دی اور حضورؐ کی چچازاد بہن درہؓ بنت ابی لہب سے نکاح کر لیا، پھر ان کو بھی طلاق

دے دی اور آپ کی پھوپھی زاد بہن (حضرت زبیرؓ کی سگی بہن) ہند بنت العوامؓ سے شادی کی۔ (۱۶۶)

اگر حضرت زینبؓ کی طلاق غیر برادری میں شادی ہونے کی وجہ سے ہوئی ہوتی تو رسولؐ، خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ ان کو دوبارہ ہاشمی اور قریشی عورتوں سے شادیاں کرنے سے ضرور منع کرتے۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بخاری شریف کی شرح ''فتح الباری'' میں لکھا ہے کہ:

"لَمْ يَثْبُتْ فِيْ اِعْتِبَارِ الْكَفَاءَةِ بِالنَّسَبِ حَدِيْثٌ" (۱۶۷)

''کفاءت فی النسب کے سلسلہ میں کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے''، یعنی نسب اور اس کی فضیلت کے سلسلہ میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں، وہ تمام، موضوع، ضعیف اور مجہول وغیرہ ہیں۔

اس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ نسب، پیشہ اور مال و دولت وغیرہ کی فضیلت کے سلسلہ میں کسی طرح کی حدیث ثابت نہیں ہے، جو ہے بھی وہ تمام موضوع ضعیف ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت بھی ہوتی یا کچھ کو بعض لوگ صحیح بھی کہتے ہیں تو وہ بھی ایک حدیث صحیح سے منسوخ ہیں؛ کیوں کہ رسول ﷺ نے اپنے آخری خطبہ ''حجۃ الوداع'' کے اندر ہزاروں صحابہ کے درمیان فرمایا تھا:

"لَافَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَالِأَبْيَضَ عَلٰى أَسْوَدَ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَبْيَضَ إِلَّا بِالتَّقْوىٰ۔ اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ (۱۶۸)

''نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر، نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، نہ کسی کالے کو کسی گورے پر برتری حاصل ہے، مگر تقویٰ کی بنا پر، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے۔''

اس حدیث سے ایک بات اور نکلتی ہے کہ جو لوگ کسی صحابی یا صحابیہ کے نسب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر کے دوسرے کو اپنے سے نیچا سمجھتے ہیں ان کے نسب میں شک کرنے کی تو گنجائش ہے لیکن جو لوگ اپنا انتساب حضرت آدمؑ کی طرف کرتے ہیں جن کو مذکورہ بالا قسم کے لوگ نیچا سمجھتے ہیں، ان کے نسب میں شک کرنے کی گنجائش بالکل نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاس قرآن و حدیث کے دلائل ہیں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ کفاءت میں صرف اور صرف دینداری ہی معتبر اور قابل اعتبار ہے اور بقیہ چیزوں کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں ہے، بہت سے صحابہ اور علماء صرف اور صرف دینداری کے ہی قائل ہیں۔ حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن سیرینؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، ابوالحسن کرخی حنفی، ابوبکر جصاص حنفی، امام ابن حزم ظاہری امام سفیان ثوری ظاہری، امام مالک وغیرہ صرف کفاءت فی الدین کے ہی

قائل ہیں۔ (۱۶۹) صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی حنفیؒ فقہی امور کفاءت کے قائل ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی افضل چیز صرف کفاءت فی الدین ہی ہے۔ "وَعِنْدَنَا الْاَفْضَلُ اِعْتِبَارُ الدِّیْنِ وَ الْاِخْتِصَار عَلَیْہِ" (۱۷۰) امام ناصر کا بھی ایک قول یہ ہے کہ کفاءت فی الدین کا ہی اعتبار ہونا چاہیے۔ (۱۷۱) بقیہ ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول یہ ہے کہ شادی بیاہ میں نسب، برادری اور ذات پات کا اعتبار نہ ہوگا (۱۷۲) حتی کہ امام احمد کے اس قول کو صحیح ترین (اصح) قول کہا گیا ہے۔ (۱۷۳)

ب: مسلم سماج میں ذات پات کی بنیاد اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب

عہد عثمانی کے اخیر میں ایک یہودی عبد اللہ بن سبا نے اسلام کو تہس نہیں کرنے کی غرض سے منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا اور دوسری بدعات و خرافات کے ساتھ ذات پات کا بھی بیج بویا (۱۷۴) اور کہا کہ چونکہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ سے نسباً افضل ہیں، کیونکہ وہ حضور ﷺ سے نسب میں قریب تر ہیں، لہذا خلافت کے حقدار وہی ہیں، پھر اسی بنیاد پر ایک فوج تیار کرلی اور حضرت عثمانؓ کو شہید کرادیا۔ امت میں یہ پہلی تفریق تھی جو ذات پات کی بنیاد پر پڑی اور ایسی جڑ پکڑی کہ تادم تحریر قائم ہے۔ اس کے بعد سے امت کبھی متحد نہ ہوسکی، ہزاروں گروپ اور جماعتیں تیار ہوگئیں، اسی ذات پات کی بنیاد پر سب سے پہلا فرقہ پیدا ہوا جو "شیعہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ آج تک اپنے کو نسباً سب سے افضل مانتا ہے اور چند کے علاوہ تمام کے تمام اپنے کو سید کہتے ہیں، حتی کہ اولیاء اور لڑکی کی رضامندی کے باوجود سیدہ کا نکاح غیر سید سے حرام قرار دیتے ہیں۔ (۱۷۵)

ت: ٹیپو سلطان کی شہادت کی وجہ

اس ذات پات اور اسی پر مبنی مرجہ و فقہی کفو نے شیر ہند ٹیپو سلطان کی بھی جان لی اور سلطنت اسلامیہ "میسور" کا سورج غروب کرایا۔ ہوا یہ کہ سلطان نے اپنے برادر نسبتی (سالے) "برہان الدین بن لالہ میاں" کا نکاح اپنے ایک وزیر نواب "بدر الزماں خاں بن مراد خاں نائطہ" گورنر حیدر نگر کی لڑکی سے کرنا چاہا؛ چوں کہ بدر الزماں خان نائطہ اور اہل نوائط اپنے کو سید کہتے تھے اور سلطان ان کی نظر میں رذیل ذات "نایک" تھے (اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلطان نے اپنے کو سید لکھوا کر جگہ جگہ کتبے نصب کرادیے تھے) (۱۷۶) اس لیے انھیں اور اہل نوائط و سادات پر یہ رشتہ گراں گزرا، انھوں نے اسے اپنی توہین سمجھا، بدر الزماں خان نائطہ کی بیوی اور بیٹی بھی اس شادی کی مخالف ہوگئیں اور لڑکی نے نکاح کے بعد اسی شب میں کنویں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کرلی۔ اہل نوائط و سادات اس رشتہ کی وجہ سے سلطان

سے برہم تھے ہی، اس کے بعد ایک طوفان برپا ہوگیا، وہ جوشِ انتقام میں تڑپنے لگے اور انگریزی کمانڈر ''لارڈ ولزلی'' سے مل کر سازشیں کیں اور جب جنگ شروع ہوئی تو عین لڑائی کے وقت انتہائی حساس مقامات انگریزوں کے حوالے کرکے ان کے اندر آنے کا راستہ صاف کردیا۔ اس طرح سلطان شہید ہوگئے اور سلطنت اسلامیہ ''میسور'' کا خاتمہ ہوگیا۔ (۷۷)

ث: مروجہ وفقہی مسئلہ کفو مسئلہ کی وجہ سے مسلمانوں کا مرتد ہونا

اوپر ''پس کردہ مسلم برادریوں کو ریزرویشن دینے کے پیچھے برہمنیت کا مقصد'' کے زیرِ عنوان بتایا جاچکا ہے کہ راقم الحروف ضلع ہاتھرس کے مضافات میں ان لوگوں میں دعوت کا کام کرنے جایا کرتا تھا جو مرتد ہورہے تھے۔ میں نے وہاں دیکھا کہ مسلمانوں کے گاؤں کے گاؤں مرتد ہوچکے ہیں، جب وہاں کے مسلمانوں سے اس ارتداد کی وجہ معلوم کی تو مختلف وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ لڑکوں کی شادی میں لوگوں کو پریشانی نہیں ہوتی ہے؛ لیکن جب لڑکیوں کی شادی کرنی ہوتی ہے تو انھیں دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگر مناسب رشتہ اپنی برادری کے مسلمان گھرانوں میں نہیں ملتا ہے تو لوگ اپنی برادری کے ان گھروں کا رخ کرتے ہیں جو مرتد ہوچکے ہیں۔ جب وہاں شادی کی بات طے ہوجاتی ہے تو وہ لوگ ان کے شدھی (مرتد) ہونے کی شرط لگاتے ہیں پھر شادی پھیرا ڈال کر ہوتی ہے اور اس طرح پورا گھرانہ مرتد ہوجاتا ہے۔

عوام کو یہ بات بھی بتائی جائے کہ ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد) نے ان اسور کفاءت کا جو اعتبار کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خلافت راشدہ کے بعد طوائف الملوکی عام ہوئی، تو معاشرتی حالات جاگیردارانہ بن گئے، نسلی امتیازات اور عجمی تصورات کے غیر اسلامی عرف وعادات کا شکار مسلم معاشرہ بھی ہوگیا، نتیجتاً عجم میں مسلم معاشرہ اسی ڈگر پر دوبارہ لوٹ گیا، جس پر قبل از اسلام تھا، اگرچہ اسلامی تعلیمات نے جاہلیت کے عرف وعادات اور رسومات کو مٹایا ہے، لیکن چوں کہ ائمہ ثلاثہ عجمی اثرات زدہ علاقوں میں رہتے تھے اسی لیے انہوں نے اس عرف فاسد اور طبقاتیت پر مبنی جذبات کی رعایت کرتے ہوئے باتیں کہیں۔ چوں کہ خطۂ عرب پر عجمی تصورات اور عرف فاسد کا اثر نہیں پڑا تھا، اس لیے حجاز مقدس کے امام، امام دارالہجرہ مالک بن انس نے اس عرف فاسد اور طبقاتیت پر مبنی جذبات کی رعایت نہ کی اور شادی بیاہ میں صرف دین وتقویٰ کا ہی اعتبار کیا۔

ائمہ ثلاثہ نے ان احکام ومسائل کی تدوین کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی صراحت کردی

کہ ان معاشرتی احکام کو دائمی نہ سمجھ لیا جائے، بلکہ گرد و پیش کے حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان احکام میں بھی تبدیلی ناگزیر ہوگی (۱۷۸) اور اب چوں کہ حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں لہٰذا ان کا اعتبار نہ کیا جائے۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان بزرگوں نے ان مسائل میں جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کو ان کے موضوع ہونے کا علم نہ ہوسکا ہو، اب جب کہ محدثین عظام نے تمام صحیح اور موضوع احادیث کو ایک ایک کر کے الگ کر دیا ہے تو ہمیں صرف صحیح احادیث پر ہی عمل کرنا چاہیے، نہ کہ موضوع احادیث پر، کیوں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"مَن كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّار" (۱۷۹)

''جس نے میری طرف نسبت کر کے عمداً جھوٹ بات بیان کی، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

اس حدیث سے جہاں ایک طرف یہ بات نکلتی ہے کہ حضور ﷺ پر عمداً جھوٹ گھڑنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص جانتا ہو کہ فلاں حدیث موضوع ہے، پھر بھی اس کو بیان کرے، اس کی بنیاد پر فتویٰ دے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مصر رہے تو وہ بھی اسی طرح کا ہے جس طرح کا جھوٹ گھڑنے والا۔ حضور ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں اس کی صراحت کر دی ہے، چناں چہ فرمایا:

"مَن حدّث عنّي بحَدِيث وَهو يَرى أنّه كَذب فَهو أحدُ الكَاذِبِين" (۱۸۰)

''جس نے بھی ہماری کوئی حدیث بیان کی، حالاں کہ اس کو معلوم ہو کہ وہ حدیث جھوٹی ہے، تو وہ بھی ان جھوٹوں میں سے ایک ہے، جنھوں نے اس حدیث کو گھڑا ہے۔''

ائمہ نے خود بھی فرما دیا ہے کہ اگر میری بات سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات ٹکرائے تو میری بات کو رد کر دینا اور مروجہ مسئلہ کفاءت میں تو سراسر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات ٹکرا رہی ہے؛ کیوں کہ مروجہ فقہی کفاءت کی بنیاد جن احادیث پر ہے، وہ تمام کی تمام موضوع اور ضعیف تر ہیں۔ (۱۸۱)
لہٰذا ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذریعہ دیے گئے احکام کے مطابق صرف ''دین وتقویٰ'' کو ہی معیار انتخاب بنانا چاہیے۔

اس وقت حالات بہت سنگین ہیں اور ایسے حالات میں جب کوئی نیک کام کیا جاتا ہے تو اس کا اجر دوگنا ملتا ہے، جس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں کر دی ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، لَا يَسْتَوِي

مِنۡكُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَقَاتَلُوۡا، وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰى، وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ﴾ (۱۸۲)

''اور تمہارے لیے ان کا کیا سبب ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حالاں کہ سب آسمان و زمین اخیر میں اللہ کا ہی رہ جائے گا؟ جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں، وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا اور لڑے اور (یوں تو) اللہ تعالی نے بھلائی (یعنی ثواب) کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے اور اللہ تعالی کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔''

اس لیے ہمیں دوہرے اجر کی خاطر بڑھ چڑھ کر ذات پات کا اعتبار کیے بغیر صرف تقوی کی بنیاد پر شادیاں کرنی چاہئیں۔

تحریک اسلامی کو اس معاملہ میں سب سے آگے آنا چاہیے اور اس غیر اسلامی نظریہ کا خاتمہ کرنے کے لیے خود اپنے گھروں اور اپنی ذات سے اس کی ابتداء کرنی چاہیے۔

- ان نادان ذات پات کے حامی مسلمانوں کو جو نومسلموں اور پس کردہ برادریوں کو نفرت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان سنایا جائے کہ کسی بھی مسلمان کو نیچا سمجھنا، ان کی تحقیر کرنا حرام ہے اور حرام کے مرتکب کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

ج: خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

جب ذات پات کے خلاف احتجاج ہوتا ہے اور آواز اٹھتی ہے تو ذات پات کے ماننے والے علماء اور دانشوران کہتے ہیں کہ آخر اس احتجاج کے پیچھے کیا جذبہ کارفرما ہے۔ احساس کمتری کی وجہ سے یہ احتجاج ہو رہا ہے اور ذات پات کے خلاف لکھنے والے سب کے سب [موہومہ] چھوٹی ذاتوں کے لوگ ہوتے ہیں۔

جناب عرفان احمد صدیقی (۱۸۳) نے Economic and political weekly میں ذات پات کے خلاف ایک مضمون A Different Jihad:Dalit Muslims challenge to Ashraf Hegemony (ایک مختلف جہاد: دلت مسلمانوں کا اشرافیہ کی بالادستی کو چیلنج) لکھا (۱۸۴) تو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ سماجیات (Deptt.of Socialogy) کے ایک لکچرر صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کس برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں تو چھ نقطوں والا شیخ

ہوں۔تو ان صاحب نے کہا کہ آپ اور یہ مضمون؟ اس پر جناب عرفان احمد صدیقی نے جواب دیا کہ کیا ہمارے اندر انسانیت نہیں ہے اور ہم مسلمان نہیں ہیں؟(۱۸۵)

۳۰؍اگست ۲۰۰۷ء کو جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں ریزرویشن کے عنوان پر جو پروگرام ہوا تھا ۔جس کا ذکر اوپر اسی باب میں ہو چکا ہے۔ میں اس پروگرام کے صدر ڈاکٹر سید انور پاشا لیکچرر شعبۂ اردو جواہر لال نہرو یونیورسٹی نے مذکورہ بالا حامی ذات پات حضرات کے سوال کا بہت ہی اچھا جواب دیا تھا۔انھوں نے کہا تھا کہ اگر آپ کسی کو رذیل کہیں گے، یہی نہیں بلکہ خود ساختہ مذہبی قوانین کے ذریعہ مذہبی طور سے انھیں رذیل برادری قرار دیں گے اور انہی فرضی اور ذات پات پر مبنی قوانین کے ذریعہ لوگوں کے حقوق کو نگل جائیں گے،تو اس کے خلاف آج نہ کل تو آواز اٹھے گی اور اب اٹھ چکی ہے۔

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حامی ذات پات حضرات کے بقول احساس کمتری کی وجہ سے ذات پات کے خلاف لوگ آواز بلند کر رہے ہیں تو آپ نے کس وجہ سے دوسروں کو رذیل ذات اور خود کو شریف قرار دیا ہے؟ جب کہ علم نفسیات (Psychology) کا اصول ہے کہ اگر کوئی کسی کو کسی بھی پہلو سے اپنے سے نیچا سمجھتا ہے تو کہیں نہ کہیں اس کے اندر احساس کمتری کا مادہ پایا جاتا ہے اور اسی کو دور کرنے کی کوشش میں دوسروں کو رذیل اور کمتر سمجھتا ہے۔

اسلامی اصول اور بڑاپن تو یہ ہے کہ خود کو دوسروں سے کمتر سمجھیں،تو آخر مذکورہ بالا تمام علماء اور انہی کی طرح ذات پات کے ماننے والے لوگ اپنے آپ کو اور اپنی برادریوں کو رذیل ہونے کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے ہیں،صرف دوسروں اور دوسری برادریوں کو رذیل کیوں کہتے ہیں؟

ان لوگوں کے دلائل کی روشنی میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہندتو کے علمبردار لوگ مسلمانوں کو ''ملیچھ، پاکی اور آتنک وادی'' وغیرہ کہتے ہیں تو یہ حضرات کن جذبات کے تحت اسے برا مانتے ہیں اور اس کے خلاف احتجاج کرتے ہیں، کیا یہ اپنے آپ کو ''ملیچھ، پاکی اور آتنک وادی'' سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے چڑھتے ہیں؟ اگر ہاں تو فبھا اور اگر نہیں تو پھر کیوں؟

ایک سوال یہاں یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان حضرات کو رذیل اور چھوٹی ذات کہا جائے تو کیا انھیں اچھا لگے گا؟ اگر نہیں تو پھر دوسروں کو کیوں رذیل کہتے ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر یہ اعلان کریں کہ ہم لوگ ہی اصلاً رذیل اور دنیا کی سب سے گندی اور بدترین مخلوق ہیں نہ کہ کوئی اور۔

نوائط (مالابار کے سادات: تاریخ النوائط کے مطابق) کی شان و عظمت اور تاریخ بیان کرنے کے واسطے ''تاریخ النوائط''،(۱۸۶) لکھی جائے اور طرفہ تماشہ یہ کہ اس پر علامۂ وقت ''شمس العلماء علامہ

شبلی نعمانی صدیقی" کی تقریظ بھی ہو(۱۸۷)، بہار کے ملک برادری کو سید ہی نہیں بلکہ افضل سید ثابت کرنے کے لیے "صوبہ بہار کے ملک کی تاریخ(۱۸۸)" لکھی جائے، سادات کی فضیلت ثابت کرنے کے واسطے اس خاندان اور ذات کے ننگ اسلاف(۱۸۹) افراد کے اعمال بد سے صرف نظر کر کے صرف اس برادری کے نیک اور صالح افراد کے تذکرہ میں علامہ سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی صفحات کے صفحات لکھ ڈالیں(۱۹۰)، ذات پات اور اس پر مبنی کفو کو شریعت اسلامیہ کا لاینفک جزء ثابت کرنے کے واسطے تمام ہندستانی مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس کے علماء اور ذمہ داران "مجموعہ قوانین اسلامی"(۱۹۱) شائع کریں تو کسی طرح کی احساس کمتری اور برتری نہیں ہے بلکہ کہا جاتا ہے کہ:

"اپنے خاندان کی برتری اور امتیاز کو ظاہر کرنا خودستائی میں داخل نہیں ہے۔"(۱۹۲)

لیکن اگر مزعومہ حامیان ذات پات کے ذریعہ رذیل قرار شدہ موہومہ نیچی ذاتیں اپنی برادری کی تاریخ لکھیں اور کوئی ذات پات کے خلاف مضامین لکھے تو وہ احساس کمتری کا شکار ہے، خواہ اس کا تعلق مزعومہ چھوٹی برادریوں سے ہو یا نہ ہو، اسی طرح ذات پات کو ثابت کرنے کے واسطے مضامین سے لیکر ضخیم کتابیں تک لکھی جاتی ہیں، سیمنار کرائے جاتے ہیں تو کوئی تفرقہ اور افتراق نہیں ہوتا ہے، لیکن اگر اتحاد بین المسلمین اور اشاعت اسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے ذات پات مخالف مضامین اور کتابیں لکھی جاتی ہیں تو ان سے امت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے، کیا خوب انصاف ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ تفصیلات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مزعومہ اونچی ذاتوں کے حامیان ذات پات کو یہ سمجھایا جائے کہ جو لوگ ذات پات کے خلاف ہیں، آپ ان کی مخالفت کرنے کے بجائے ان کا ساتھ دیجیے۔ اسی میں آپ کی بھلائی ہے۔ وقت اور زمانہ بدل گیا ہے، پہلے والا زمانہ نہیں رہا، لوگ بیدار اور ہوشمند ہو چکے ہیں، آپ کی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔ اگر آپ نے اس ذات پات کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی تو آپ کے خلاف بھی اسی طرح کی تحریکات اٹھیں گی جس طرح مفروضہ اونچی ذاتوں کے ہندوؤں کے خلاف دلتوں نے تحریکات اٹھائی ہیں اور اسی طرح سے فقہی اور دوسری کتابوں۔ جن میں ذات پات ہے۔ کا دہن (جلانا) کیا جائے گا جس طرح منوسمرتی جلائی جاتی ہے اور اب تو اس طرح کی آوازیں بلند ہونا شروع ہو چکی ہیں۔

- مساوات اسلامی وانسانی کی حمایت اور اونچ نیچ کے خلاف قرآنی آیات اور صحیح احادیث مرتب

کر کے مدارس (اور اسکول) کے ابتدائی درجات کے نصاب میں شامل کیا جائے؛ کیوں کہ مسلم سماج میں موجود ذات پات ان ہی مدارس اسلامیہ کی دین ہے جہاں ہمہ وقت قال اللہ اور قال رسول اللہ کی صدائیں گونجتی ہیں۔

- طلباء کو یہ ذہن نشیں کرایا جائے کہ ذات پات پر مبنی مروجہ فقہی کفو کا اسلامی شریعت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔
- عوام کو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع میں لایا جائے۔ ان کو سمجھایا جائے کہ قرآن وسنت کے مقابلہ میں کسی بھی عالم، دانش ور، بزرگ اور صوفی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
- پس کردہ برادریوں کے لوگوں کو سمجھایا جائے کہ آپ حضرات مجموعی طور سے کسی بھی فرضی شریف ذات کے خلاف کچھ بھی نہ کہیں، کیوں کہ کسی بھی برادری کے تمام لوگ ذات پات کے قائل نہیں ہوتے ہیں، جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے۔ مزید یہ کہ شہر اعظم گڑھ یوپی کے ایک صاحب ''جناب وصی الدین احمد خان'' پس کردہ برادریوں کے ریزرویشن کی خاطر تحریک چلا رہے ہیں، انھوں نے ۲۸ رفروری ۲۰۰۵ء میں شبلی ڈگری کالج، اعظم گڑھ میں اسی واسطے ایک قومی کانفرنس بھی منعقد کی تھی۔ ان برادریوں کے تعلق سے صرف حامیان ذات پات لوگ ہی اونچ نیچ کا نظریہ رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف آپ کا احتجاج کرنا برحق ہے، کیوں کہ خود قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے:

﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾ (۱۹۳)

''اللہ تعالی بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوموں کے اور اللہ تعالی خوب سنتے ہیں خوب جانتے ہیں۔''

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ حد سے بھی زیادہ گزرنے کی اسلام میں ممانعت ہے، صرف حامیان ذات پات کے خلاف احتجاج کریں، نہ کہ عام لوگوں کے خلاف، یہ عجیب سی بات ہے کہ جن علماء اور جماعتوں نے مسلکی اور مذہبی طور سے آپ کو ذلیل قرار دیا ہے اور دے رہے ہیں اور ان کے فتاوی کی وجہ سے ہی آج تک آپ کو ذلیل سمجھا جاتا ہے، سماج میں آپ کو وہ مقام نہیں مل سکا جو ایک انسان اور ایک مسلمان کو ملنا چاہیے، ان علماء اور دانشوران کو تو آپ حضرات نے خدا بنا رکھا ہے، ان کے قول وفعل کو اسی طرح تسلیم کرتے ہیں جس طرح اللہ اور رسول ﷺ کے قول وفعل کو ماننے کا حکم ہے، حتی کہ یہ تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں ہوتے کہ ان علماء نے کچھ کہا بھی ہے، بلکہ بسا اوقات تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر ''حضرت

نے کہا ہے تو صحیح ہی ہوگا"۔ ان علماء کے مسلکوں پر اسی طرح عمل پیرا ہیں جیسا کہ اسلام پر ہونا چاہیے، لیکن ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے آپ حضرات مزعومہ طبقہ شرفاء کے تمام لوگوں کے خلاف بلا امتیاز برے جذبات رکھتے ہیں۔ آخر یہ کیسا انصاف ہے؟

پس کردہ برادریاں مفروضہ طبقہ شرفاء کو مورد الزام ٹھہراتی ہیں کہ وہ ان کو رذیل سمجھتے ہیں؛ لیکن خود کا یہ حال ہے کہ خود آپس میں ہی شادیاں نہیں کرتی ہیں، ایک دوسرے کو اپنے سے نیچ سمجھتی ہیں۔

- یا ان تمام نکات بالا کو اختیار کرنے کے بجائے فقہی کتب سے مسئلہ کفائت کی بحث کو ہی نہ پڑھا جائے، کیوں کہ فقہی کتب کا مسئلہ کفاءت اونچ نیچ اور ذات پات پر مبنی ہے، جیسا کہ بعض تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔ مزید برآں یہ کہ فقہی کفو میں یہ بھی ہے کہ جو شخص خود تو مسلمان ہو گیا لیکن اس کا باپ کافر تھا، وہ اس عورت کا کفو نہیں ہے جو خود بھی مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان تھا اور جس کے باپ دادا دونوں مسلمان ہوں وہ اس عورت کا کفو ہے جس کے آباواجداد پشتہا پشت سے مسلمان چلے آ رہے ہیں، لیکن جس کے صرف والد ہی مسلمان ہوں وہ اس عورت کا کفو نہیں ہے، کیوں کہ نسب کا اطلاق باپ دادا پر ہوتا ہے؛ لیکن اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں قریبی زمانہ میں اسلام پھیلا ہو اور نومسلم ہونا عیب اور عار شمار نہ ہوتا ہو تو وہاں کے لیے یہ حکم نہ ہوگا کیوں کہ جب وہ عیب شمار نہ ہوگا تو عیب اور نقص کا باعث بھی نہ ہوگا، نیز ضرر بھی متحقق نہ ہوگا۔ اس کا اطلاق صرف عجم میں ہوگا، عرب میں نہیں، کیوں کہ عرب میں لوگ نسب پر فخر کرتے ہیں اور عجم میں اسلام آباء (قدیم مسلم ہونے) پر۔

- اگر [مزعومہ] شریف اور بڑی ذاتوں کی عاقلہ اور بالغہ لڑکی بدون اذن ولی اپنا نکاح اپنے ہم کفو یعنی ہم نسب لڑکے سے کرے تو یہ نکاح نہ صرف صحیح ہوگا اور نافذ ہوگا بلکہ اولیاء کو فسخ نکاح کا بھی حق حاصل نہ ہوگا، کیوں کہ اس نکاح سے نہ تو اولیاء کو عار لاحق ہوگا اور نہ ہی لڑکی کو، نیز لڑکی کے نباہ کا مسئلہ بھی پیدا نہ ہوگا، کیوں کہ دونوں ایک ہی ذات کے ہیں۔ اگر [مفروضہ] طبقہ شرفاء کی عاقل و بالغ لڑکی نے بدون اذن ولی [مزعومہ] رذیل ذات کے لڑکے سے نکاح کر لیا تو نہ صرف اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار ملے گا بلکہ وہ نکاح ہی سرے سے باطل اور غیر منعقد ہوگا، کیوں کہ ایسے نکاح سے اولیاء کو عار تو ہوگا ہی، وہیں دوسری طرف لڑکی کا نباہ بھی نہ ہوگا؛ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی لڑکی [موہومہ] چھوٹی ذاتوں کی ہے اور لڑکا [خودساختہ] بڑی ذاتوں کا تو یہ نکاح نہ صرف منعقد ہوگا بلکہ اولیاء کو بھی فسخ نکاح کا حق نہ ہوگا، کیوں کہ ایسے نکاح سے نہ تو اولیاء کو عار لاحق ہوگا اور نہ ہی لڑکی کو نہ ہی نباہ

کا مسئلہ پیدا ہوگا کیوں کہ لڑکا [مزعومہ] بڑی ذات کا ہے۔(۱۹۴)

فقہی کتب کے مسائل کفاءت کے دوسری مباحث بھی اسی طرح کے ہیں۔(۱۹۵)

ح: علماء کے حامیٔ ذات پات ہونے کی وجہ

یہی وجہ ہے کہ دینی درس گاہوں سے فارغ شدہ لوگ ذات پات اور اونچ نیچ کے معاملہ میں عصری درسگاہوں سے فارغ شدہ لوگوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ متشدد ہوتے ہیں اور اگر فیصد نکالا جائے تو عصری درسگاہوں کے ایسے لوگوں کی تعداد کم ہوگی اور دینی درسگاہوں کے ایسے لوگوں کی زیادہ۔ راقم الحروف کا تجربہ ہے کہ مزعومہ طبقہ شرفاء کے جو لوگ کمیونسٹ موومنٹ سے جڑ جاتے ہیں ان میں سے اکثریت سرے سے ذات پات کے خلاف ہو جاتی ہے؛ لیکن مفروضہ شرفاء کے جو لوگ مدارس اسلامیہ سے آتے ہیں ان کی اکثریت ذات پات کو ہی اسلام سمجھتی ہے۔ اس کی وجہ تو بالکل صاف ہے کہ کمیونسٹ آئیڈیالوجی (Idealogy) میں ذات پات کو انسانیت کے خلاف بتایا جاتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ عملاً کمیونسٹوں میں بھی ذات پات ہے جب کہ مدارس اسلامیہ میں ذات پات، اونچ نیچ پر مبنی فقہی کفو کے ذریعہ سے اسے عین انسانیت اور عین دین اسلام بتلایا جاتا ہے۔

نیز عصری درسگاہوں کے جو لوگ ذات پات میں یقین رکھتے ہیں ان کے ذمہ دار بھی دینی درسگاہوں سے نکلے ہوئے لوگ ہی ہیں، کیوں کہ وہی حضرات ذات پات اور اس کی جڑ، موجد، ماں، بانی اور محافظ مروجہ فقہی کفو کو عین شریعت اسلامی اور اس کا ایک اہم ترین حصہ قرار دے کر ان لوگ کو منوواد، برہمن واد پر عمل کرنے کے لیے جواز فراہم کرتے ہیں۔ جس کی تفصیلات اوپر آچکی ہیں۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی جیسا، جمہوری، سیکولر اور کمیونسٹ ادارہ جہاں لوگ، حتی کہ بعض مسلم اور ان میں بھی بعض علماء دین تک مذہب کی بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں اور دوسری کمیونسٹ تنظیمیں اور برہمن ذات سے تعلق رکھنے والے لوگ(۱۹۶) ذات پات کو ختم کرنے کے واسطے ریلیاں، پوسٹر نکالتے ہیں، منوسمرتی جلاتے ہیں، منوواد، برہمن واد، ذات پات کی محافظ منوسمرتی ہو برباد، گڑھی مٹھوں کو توڑیں گے اتیہاس (تاریخ) کی دھارا موڑیں گے، گڑھی مٹھوں کو توڑ دیا اتیہاس کی دھارا موڑ دیا۔ وغیرہ جیسے نعرے لگاتے ہیں، حتی کہ آر ایس ایس کے لوگ اور اس کی طلبہ تنظیم اکھل بھارتی ودھیارتی پریشد (ABVP) سے جڑے طلباء ہندو دھرم کو بچانے کی خاطر (اوپر دل ہی سے سہی) ذات پات کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دلتوں کے واسطے ریزرویشن کی مانگ کرتے ہیں، امبیڈکر جینتی (ڈاکٹر امبیڈکر کی یوم پیدائش) مناتے ہیں(۱۹۷)؛ لیکن یہاں پر راقم الحروف نے دیکھا کہ دینی درسگاہوں سے

فارغ التحصیل بعض علمائے کرام داڑھیاں منڈواتے ہیں، گرل فرنڈ (girl friend) رکھتے ہیں اور لیکن جب ذات پات اور اس پر مبنی مروجہ وفقہی کفو کی بات آتی ہے تو فوراً اسے اسلامی شریعت بتانے لگتے ہیں اور اسے اسلام کا لاینفک جزء کہتے ہیں۔

۳۰ راگست ۲۰۰۷ء کو جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں جناب ڈاکٹر سید انور پاشا لکچرر شعبۂ اردو جواہر لال نہرو یونیورسٹی کی صدارت میں ایک پروگرام ریزرویشن کے اوپر منعقد ہوا تھا، جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔ اس میں مسلم سماج کے پس کردہ برادریوں کے غریبوں کو ریزرویشن دینے اور انھیں شیڈولڈ کاسٹ کی مراعات والی دفعہ میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور مسلم وغیر مسلم سماج کی مفروضہ بڑی ذاتوں کے غریب لوگوں کو ایک الگ قانون بنا کر الگ سے ریزرویشن کی مانگ کی گئی تھی۔ پس کردہ مسلم برادریوں کے ریزرویشن کی مخالفت کرنے والوں میں یہاں ننانوے فیصد علماء کرام تھے۔

ان تمام باتوں کا ری ایکشن یہ ہوا کہ جن لوگوں کو یہ حضرات رذیل کہتے ہیں ان طلباء [جن میں اکثریت کا تعلق عصری درسگاہوں سے ہے] میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں ہی ذات پات ہے۔ اس کا تجربہ راقم الحروف کو اس وقت ہوا جب یونیورسٹی کے ''متلج ہاسٹل کے میس'' (Mess) میں دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر تقریر کرنے آئے تھے۔ اپنی تقریر کے خاتمہ کے بعد دوران گفتگو انھوں نے کہا کہ اسلام تو ذات پات سے بھرا پڑا ہے۔ جب راقم الحروف نے کہا کہ جناب عالی! آپ نے اسلام کا صحیح سے مطالعہ نہیں کیا ہے۔ مسلم سماج اور اسلام دونوں دو چیزیں ہیں، آپ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلم سماج میں ذات پات ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام میں ذات پات ہے۔ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے ذات پات کی جڑ کاٹ دی ہے۔ راقم الحروف اپنی بات کہہ ہی رہا تھا کہ ان طلباء جن کو مذکورہ بالا حضرات اور علماء کرام رذیل ذات کہتے ہیں اور رذیل ہونے کا فتوی دے رکھا ہے ان کی ایک جماعت لیکچرر صاحب کی جانب سے بول پڑی کہ ''سر! آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں، اسلام میں ذات پات ہے۔'' جس کی وجہ سے راقم الحروف کو غیر مسلم طلباء کے سامنے بارہا صفائی دینی پڑتی ہے کہ اسلام اور مسلم سماج دونوں دو چیزیں ہیں، اس طرح دعوتی کام کافی متاثر ہو جاتا ہے۔

ذات پات، اونچ نیچ اور اس پر مبنی مروجہ وفقہی کفو کا اتنا برا اثر پڑتا ہے کہ دینی درس گاہوں کے ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد جن کو فقہی کتب میں رذیل وگھٹیا وغیرہ کہا گیا ہے، وہ بھی ان کو پڑھنے کے بعد احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور فقہی کتب کے مسائل کفاءت کو شرعی احکام تصور کرتے ہوئے اپنے کو نیچی ذات اور رذیل برادری سمجھنے لگتے ہیں، لہٰذا جب فقہی کتب کے مسئلہ کفاءت کو پڑھانا ترک کر دیا

جائے گا تو ذات پات کا تصور دھیرے دھیرے خود بخود ختم ہو جائے گا، کیوں کہ جب ذات پات کا محرک ہی نہیں رہے گا تو اس (ذات پات) کا تصور کہاں سے پیدا ہوگا۔ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔

● اپنے ناموں کے ساتھ ذات؛ مثلاً: سید، فاروقی، عثمانی، ملک، انصاری، سیفی، منصوری اور رعینی وغیرہ لگانا بند کیا جائے اور فلاں ابن فلاں کے ساتھ اپنا نام لکھا جائے، کیوں کہ برصغیر میں ناموں کے ساتھ برادری کا تعارف بطور تعارف نہیں؛ بلکہ فخر کی وجہ سے لگایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس سے بھی ذات پات کو بڑھاوا ملتا ہے اور ایک دوسرے کے دل میں تعصب پیدا ہوتا ہے۔ (۱۹۸)

● نومسلموں کی دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح سے مدد کی جائے تا کہ وہ اپنے گھر والوں اور ہندتو کی علمبردار تنظیموں کے ذریعہ دی گئی تعذیب، حکومت کے ذریعہ سلب کی گئیں سہولیات کا ذرہ برابر بھی احساس نہ کریں۔

اگر ان باتوں پر عمل شروع کر دیا جائے تو وہ دن دور نہیں کہ ہمارا معاشرہ ایک اسلامی اور مثالی معاشرہ کہلائے گا اور دوبارہ اسلام کی اشاعت نہایت تیزی سے ہوگی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ
وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

حواشی

(۱) دستور ہند ۱۹۴۶ء میں بننا شروع ہوگیا تھا، ۱۹۴۹ء میں بن کر تیار ہوا اور ۱۹۵۰ء میں نافذ ہوا۔

(۲)Acharya Dr. Durga Das Basu (D.D. Basu): Introduction to the constitution of India, ch:8 Fundamental Rights and Fundamental Duties, Art: 25, pp.111-12.
سہ ماہی السلام۔ نئی دہلی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، جلد: ۵، شمارہ: ۱، عنوان: تبدیلی مذہب بنام شدھی کرن، از: ڈاکٹر ایم اجمل، ص: ۲۴

(۳) سہ ماہی السلام، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء محولہ بالا، ص: ۲۴-۲۵ Introduction to the constitution of India, Op. cit. Art: 25, pp.113-116, Times of India New Delhi, sept.3, 2003. Topic: Sc: Nobody has right to convert. p.7

(۴)My memories and Experiences of Babasaheb Dr. B. R. Ambedkar, op.cit p.175

(۵) سہ ماہی السلام، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، جلد: ۵، شمارہ: ۱، محولہ بالا، ص: ۲۶

(۶) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کا دوسرا باب: آریہ کے خلاف برہمنی تحریکات کا ظہور، زیر عنوان: جین مت، سکھ مت۔ زوال و مغلوبیت

(۷) روزنامہ راشٹریہ سہارا۔ نئی دہلی، ۹/نومبر ۲۰۰۱ء، ص: ۳
"Economic and political weekly, Mumbay. October 28, 2000, p.3831, op.cit., Journal of Muslim Affairs vol.21, No.2, 2001, Quoted in http:// tay lorand franar:metapress.com/ media/0883/ eynrqdrul 8duioih/ contribution/k/4/r/xkuedf11enaamxmw.pdf, Social, Economical and Educational satuts of the Muslims Community of India A Report [Sachar Committee Report] op.cit. pp.201-2

(۸)Introduction to the constitution of India, Op. cit. p.113. The Times of India September 3, 2003 op. cit.

(۹) سہ روزہ دعوت۔ نئی دہلی، ۱۳/اکتوبر ۲۰۰۳ء، جلد: ۵۱، شمارہ: ۹۳، عنوان: دلتوں کا اجتماعی تبدیلی مذہب کے واقعات، ص: ۱

(۱۰) سہ ماہی السلام۔ نئی دہلی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، محولہ بالا، ص: ۲۴

(۱۱) اسمبلی انتخابات، مئی ۲۰۰۴ء میں مکمل طور سے ناکامی (یعنی ایک بھی سیٹ نہیں ملی) کے بعد جے للیتا جی نے اس قانون کو ختم کردیا۔ دیکھیے ہفت روزہ نئی دنیا۔ نئی دہلی، ۱۳/جون ۲۰۰۴ء، جلد: ۳۲، شمارہ: ۵۱، عنوان: تمل ناڈو میں دلتوں کا قبول اسلام سنگھی تنظیمیں پریشان۔ ص: ۱۷

(۱۲) سہ روزہ دعوت۔ نئی دہلی، ۱۳/نومبر ۲۰۰۱ء، جلد: ۴۹، شمارہ: ۱۰۳، عنوان: ۱۷/نومبر کو گیا میں ہزاروں دلت بدھ مت میں شامل ہوجائیں گے، ص: ۳

(۱۳) حوالہ سابق، ۱۳/اکتوبر ۲۰۰۳ء، محولہ بالا، ص: ۱

(۱۴) حوالہ سابق، ص: ۱

(۱۵) یہ خبر اس زمانہ میں اکثر اخباروں میں چھپی تھی۔

(۱۶) ہفت روزہ-نئی دنیا، نئی دہلی، ۱۳تا۱۹ رجون ۲۰۰۲ء، بحولہ بالا، ص:۱۷

(۱۷) حوالہ سابق

(۱۸) حوالہ سابق

(۱۹) ہفت روزہ ''ایشیا'' لاہور (پاکستان) ۱۰-۱۶ رجنوری ۲۰۰۲ء، جلد: ۱۵، شمارہ: ۳، عنوان: آر ایس ایس کے خلاف پاکستانی ثبوت، ص: ۱۳، مزید دیکھیے: سہ ماہی السلام-نئی دہلی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، جلد: ۵، شمارہ: ا، عنوان: آر ایس ایس -چند جھلکیاں، از: دانش ریاض فلاحی، ص: ۴۰-۴۴

(۲۰)The Indian Express- New Delhi, September 28, 2003, pp. 1-2, Radiance- view weekly- New Delhi, 12- 18 October 2003, vol. xxxviii, No. 29, Topic: Attempts to repeat Gujrat in Rajasthan, pp. 13-14.

(۲۱) صوبہ جموں کشمیر میں بڑے پیمانے پر ہندوؤں کو جدید ہتھیاروں سے مسلح کیا گیا ہے۔

(۲۲) ہفت روزہ نئی دنیا-نئی دہلی، ۱۳-۱۹ رجون ۲۰۰۲ء، بحولہ بالا، ص: ۱۷

(۲۳) یہ واقعہ جناب مولانا جمیل صدیقی، مصنف فریضہ دعوت و دین...... مفہوم اور اہمیت، نے ۱۹۹۸ء میں بتایا، جامعۃ الفلاح میں منعقد سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار ''دعوت اسلامی اور مدارس دینیہ'' ۲۵-۲۷ رفروری ۲۰۰۵ء میں جب وہ تشریف لائے تھے تو وہاں بھی انھوں نے اس کا تذکرہ راقم الحروف سے کیا۔

(۲۴) ماہ نامہ راہ اعتدال، عمر آباد (جنوبی ہند) دسمبر ۱۹۹۸ء، جلد: ۸، شمارہ: ۱۲، عنوان: یاسر کی شہادت، از: مولانا محمد ریاض موسیٰ ملیباری، ص: ۳۴-۳۶، یہ مضمون جناب مولانا محمد ریاض رفیع کلوری عمری، نائب مدیر ماہنامہ راہ اعتدال-نے فوٹو کاپی کر کے مجھے فراہم کی۔ میں ان کا بہت ممنون و مشکور ہوں۔

(۲۵) سہ ماہی السلام-نئی دہلی، جنوری-مارچ ۲۰۰۰ء، جلد: ۴، شمارہ: ا، عنوان: خبر نامہ-کملا داس کا قبول اسلام ص: ۶۳-۶۴

نومسلمہ ثریا (کملا داس) کے مختصر حالات

محترمہ کملا داس (ثریا) ۱۹۳۲ء میں کیرالہ کے جنوبی مالا بار میں ''پونے پور کولام'' میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد ''وی ایم نائر'' مشہور ملیالم روزنامہ ماتر بھومی کے مینجنگ ایڈیٹر اور ان کی والدہ ملیالم کی ایک مشہور مصنفہ تھیں، ان (کملا داس-ثریا) کی باقاعدہ تعلیم اسکول سے آگے بالکل نہ ہو سکی تھی، گھر پر رہ کر ہی انھوں نے اپنی تعلیم و تربیت حاصل کی اور ذاتی مطالعہ سے انگریزی زبان میں استعداد حاصل کی۔ ان کے شوہر ریزرو بینک آف انڈیا کے ایکزیکیٹو ڈائریکٹر تھے۔ بمبئی میں قیام کے دوران جب انھوں نے اپنے شوہر سے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے ان کو گہرائی سے اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ قدم اٹھانے کا مشورہ دیا، قبول اسلام کے بعد انھوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''میں ایک بے سہارا عورت ہوں، میرے سماج اور میرے معاشرہ نے میرے اوپر بڑی زیادتیاں اور ظلم کیے ہیں شادی سے پہلے اور شادی کے بعد میرا جن لوگوں (مردوں) سے واسطہ پڑا وہ نہایت ظالم، سفاک اور سخت گیر طبیعت کے تھے۔ مجھے کسی بھی جگہ تحفظ نہ ملا نہ مجھے ذہنی و قلبی سکون میسر ہوا۔ لیکن جب میں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور مسلم معاشرہ کو اور مسلم خاندانوں کو قریب سے دیکھا اور پرکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ آج کے زمانے میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عورتوں کو عزت، سکون اور تحفظ فراہم کر سکتا ہے اور کرتا

ہے۔.... میں پچھلے ۲۷ سال سے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ رمضان کا مبارک مہینہ کیوں کہ [چوں کہ] تبدیلیوں کا مہینہ ہے لہٰذا میں نے اس مبارک مہینہ میں نہایت غور وفکر اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر اسلام مذہب قبول کر لیا ہے۔''

اس کے علاوہ انھوں نے اللہ کی شان میں حمد اور اسلام کی تعلیم کو بنیاد بنا کر مظلوموں خصوصاً عورتوں کے لیے مضامین لکھنے کے عزم کا اظہار کیا۔ بمبئی میں اپنے قیام کے دوران ہی سے جب وہ مسلمان نہ ہوئی تھیں پردہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ قبول اسلام کی وجہ سے انتہا پسندوں ہندو نے ان کو قتل کرنے کی دھمکی تو دی ہی، نیز اسلام کے احکام حجاب پر طنز کرتے ہوئے ملیالم کے مشہور صحافی ''ٹی. جے. ایس. جارج'' نے کہا کہ انھیں اس بات کا افسوس رہے گا کہ کملا داس اب مستقل طور پر پردہ میں رہیں گی۔ ایک سابق نکسلائٹ لیڈر ''اجیتھا'' نے کہا کہ کملا داس کے قبول اسلام سے اسلامی بنیاد پرستوں کو خواہ مخواہ ایک سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔ (حوالہ سابق)

(۲۶) اخبار کے اندر اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ مہر سنگھ دلت تھے؛ لیکن اخبار میں ان کے ذریعہ معاش کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ:

".....They were dependent on a meagre income from cleaning the courtyards of Muslim household."

(The Hindustan Times - New Delhi, August 24, 2002, Topic: Family finds acceptance after embracing Islam, VHP ultimatum, p.5)

''...[قبول اسلام سے قبل] ان کی آمدنی بہت ہی معمولی تھی، جس کو وہ مسلم گھرانہ کے صحن وغیرہ کی صفائی کر کے حاصل کرتے تھے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مہر سنگھ دلت تھے۔

(۲۷) Ibid

(۲۸) ہفت روزہ نئی دنیا - نئی دہلی، ۱۳-۱۹ / جون ۲۰۰۲ء، محولہ بالا، ص: ۱۷

(۲۹) روز نامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی، ۷ / ستمبر ۲۰۰۲ء، جلد: ۶، شمارہ: ۱۹،۱۴۱، عنوان: دیوبند کے بکّی گاؤں میں مذہب تبدیل کرنے پر فرقہ وارانہ کشیدگی، ص: ۴

(۳۰) آڈیو کیسٹ: اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برہمنیت کے جدید حملے، از: عبدالرحمٰن انصاری، ۳۰ / اکتوبر ۱۹۹۸ء، ٹیلہ والی مسجد لکھنؤ

(۳۱) حوالہ سابق

(۳۲) مولانا وحید الدین خان: تبلیغی تحریک، باب ۴، خصوصیات، عنوان: غیر مسلموں میں تبلیغ، ص: ۸۳-۸۴

مولانا محمد الیاس کے خط کے اوپر جو نوٹ ہے وہ مولانا وحید الدین خان کا ہے؛ چوں کہ اس میں کسی طرح کی ترمیم اور اختصار کی حاجت نہ تھی لہٰذا اس کو بعینہ نقل کر دیا گیا ہے۔

(۳۳) حوالہ سابق، ص: ۸۳

(۳۴) اقراء ڈائجسٹ کراچی، نومبر ۱۹۸۶ء، بحوالہ: سہ ماہی السلام - نئی دہلی، اپریل تا جون ۲۰۰۱ء، جلد: ۵، شمارہ: ۲، عنوان: فریضۂ دعوت دین...... مفہوم واہمیت، ص: ۲۰

(۳۵)مولانا محمد منظور نعمانی: اسلام کیا ہے؟، بحوالہ: سہ ماہی السلام، اپریل تا جون ۲۰۰۱ء، محولہ بالا، ص:۲۲

(۳۶)عتیق احمد بستوی قاسمی: دعوت اسلام ایک اہم فریضہ، عنوان: پیش لفظ و تعارف، از: مولانا ابوالحسن علی ندوی، بحوالہ: سہ ماہی السلام، حوالہ مذکور، ص:۲

(۳۷)مولانا اشرف علی تھانوی: دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام، باب: ۱۳، کفار کو تبلیغ کا بیان، ص:۲۱۸-۲۱۹

(۳۸)مولانا قاری محمد طیب: غیر مسلمین میں دعوتی پروگرام، عنوان: ایک وضاحت، ص:۱۹-۲۰

(۳۹)حوالہ سابق، عنوان: ایک غلط فہمی کا ازالہ، ص:۵-۶

(۴۰)سہ روزہ دعوت-نئی دہلی، ۱۴/اپریل ۱۹۹۸ء، جلد: ۴۶، شمارہ: ۳۰ و کالم: خبر و نظر، ص:۱

(۴۱)سہ ماہی السلام-نئی دہلی، (غالباً) جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء، عنوان: شذرات، از: مولانا محسن عثمانی

(۴۲)آڈیو کیسٹ: اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برہمنیت کے جدید حملے، از: عبدالرحمٰن انصاری، ۳۰/اکتوبر ۱۹۹۸ء، ٹیلہ والی مسجد لکھنؤ

(۴۳)سورۃ آل عمران، آیت: ۶۴

(۴۴)تفہیم القرآن، آیت: ۸۱، ۱/۲۶۹، سورۃ الاحزاب، آیت: ۷، ۴/۷۴-۷۵، امام ابن جریر طبری: تفسیر الطبری: سورۃ آل عمران، آیت: ۸۱، سورۃ الاحزاب، آیت: ۷

(۴۵)My Memories and Experiences of Babasaheb Dr. B. R. Ambedkar,op.cit, Ch: ii, Topic: He did not join Government or Private services, pp. 21-22..

(۴۶)डा० अम्बेडकर बौद्ध क्यों बने ?op.cit पृ० 142-44

(۴۷)آر.ایس. ودیارتھی: ڈاکٹر امبیڈکر اور اسلام، ص:۱۳، امن پبلیکیشنز، دہلی، بحوالہ: سہ روزہ دعوت-نئی دہلی، ۱۶/فروری ۱۹۹۵ء، جلد: ۴۳، شمارہ: ۱۶، ہندستانیات نمبر، ص:۱۸

(۴۸)روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی، ۱۷/مئی ۲۰۰۰ء، جلد: ۱، شمارہ: ۳۴۸، کالم: تاریخ کے دامن سے، ص:۳، ماخوذ از: ڈاکٹر امبیڈکر: دلت طبقہ کو تبدیلی مذہب کی ضرورت کیوں؟

(۴۹)डा० अम्बेडकर बौद्ध क्यों बने ? op.cit पृ० 142-44

(۵۰)My Memories and Experiences or Babasaheb Dr. B. R. Ambedkar, Op. cit. p.23. मासिक हम दलित, मई दिल्ली, अप्रैल 2003 वर्ष 14 अंक 4 बिन्दु: बीसवी सदी का दलित आनदोलन, लेखक: रूपचन्द गौतम पृ०: 12

(۵۱)डा० अम्बेडकर बौद्ध क्यों बने ? op.cit पृ० 142-44

(۵۲) مولانا سید حامد علی: نسلی امتیازات مختلف سماجوں میں، ص:۳۲-۳۳، بحوالہ: B.R.Ambedkar: Why go to conversion?

(۵۳) हरिजन कौन और कैसे? op.cit बिन्दु: गाँधी और हरिजन पृ०:14

(۵۴) روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی، ۹/ستمبر ۲۰۰۰ء، جلد: ۲، شمارہ: ۶۲، عنوان: تاریخ کے دامن سے، ص:۳، یکم مارچ ۲۰۰۰ء، جلد: ۱، شمارہ: ۲۷۳: عنوان: تاریخ کے دامن سے، ص:۳

(۵۵)हरिजन कौन और कैसे? op.citबिन्दु: गाँधी और हरिजन पृ०:14

(۵۶)امبیڈکر اینڈ کنورژن [A,bedlar and cpmveson] سہ ماہی السلام-نئی دہلی، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، محولہ

بالا، ص: ۲۷

(۵۷) اچھوت کون اور کیوں؟ بحوالہ سہ ماہی السلام، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء، محولہ بالا،

(۵۸) اکثر دانش وران کا کہنا ہے کہ یہ بات گاندھی جی نے ہی کہی تھی؛ لیکن تا دم تحریر راقم الحروف کو اس کا تحریری ثبوت نہ مل سکا۔

(۵۹) My Memories and Experiences of Babasaheb Dr. B. R. Ambedkar, op.cit. Ch: ii, Topic: Babasaheb Ambedkar and M. K. Gandhi, p. 18-19, Ch: iii, Topic: Harijan Sevak sangh, p.26-28.

(۶۰) ڈاکٹر امبیڈکر کی ۳۰-۳۱ مئی ۱۹۳۶ء کی تقریر اوپر گزر چکی ہے اگرچہ اس میں انھوں نے تبدیلی مذہب کے بعد اسلام کے ساتھ ساتھ عیسائیت قبول کرنے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے لیکن ان کی دوسری تقریروں اور تحریروں کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ صرف اسلام قبول کرنا چاہتے تھے اوپر جو ایک تقریر گزری ہے اس میں تو صاف صاف انھوں نے اسلام قبول کرنے کو کہا ہے اور چھوت چھات کے کینسر کی واحد دوا اسلام کو بتایا دوستو! ہماری جو شودر ہونے کی...... اسلام ہی صرف ایک رستہ ہے- ایک انتہائی اہم دلت دانشور جناب ایس. ایل ساگر نے بھی اشارہ کیا ہے کہ ڈاکٹر امبیڈکر اسلام قبول کرنا چاہتے تھے۔

हरिजन कौन और कैसे ? op.cit बिन्दु: गाँधी और हरिजन, पृ०: 14

دوسری بات یہ ہے کہ انھوں نے عیسائیت کا صحیح سے مطالعہ نہیں کیا تھا اس لیے کہہ دیا کہ عیسائیت میں ذات پات نہیں ہے؛ حالاں کہ اس مذہب میں ذات پات ہے، جس کا تذکرہ باب ہشتم میں زیر عنوان: عیسائی مشنریاں گزر چکی ہے۔

(۶۱) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو باب ہشتم: برہمنی تحریکات نئے بھیس میں- زیر عنوان: گاندھی واد

(۶۲) गोडवोले, वामनराव 1/198-99त्रि-इब्लिसी शोषण व्यूह विध्वंस, op.cit बिन्दु: बौद्ध धर्म का ब्राह्मण धर्म में परिवर्तन? उद्धृत: 1/227 اس کتاب میں پورا واقعہ یوں ذکر ہے:

"محترم "گوڈ بولے" بتاتے ہیں: کہ امبیڈکر کی لاش بمبئی ان کے گھر لائی گئی تھی، سویتا امبیڈکر نے "دادا صاحب گائک واڑ، وِیرا ٹھے اور وامن راؤ گوڈ بولے" کو بذریعہ کار اپنے والد کے گھر لے گئی اور مانگ رکھی کہ اب بابا امبیڈکر کی وفات ہو چکی ہے اس لیے شیڈولڈ فیڈریشن کا صدر اسے بنایا جائے، یہ سن کر گوڈ بولے جی کا دل بے چین ہوا تھا" محولہ بالا

برہمن خاتون سے ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کی شادی، ان کی موت، نیز دوسرے دلت، او بی سی اور مسلم مفکرین واعلی عہدے داران سے مزعومہ اونچی ذاتوں کی ہندو لڑکیوں بطور خاص برہمن لڑکیوں کا شادی کرنے کے سلسلہ میں دلتوں مسلمانوں اور دوسرے دانشوران نے بہت کچھ لکھا ہے، کچھ نے ان کا دفاع کیا ہے تو اکثر نے اسے ایک سازش قرار دیا ہے۔ یہاں ان سب کے تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل حوالہ جات دیکھے جا سکتے ہیں۔

त्रि-इब्लिसी शोषण-व्यूह विध्वंस, op.cit बिन्दु: बौद्ध धर्म का ब्राह्मण धर्म में परिवर्तन 1/38-39,0-71,110,7226, शैतानी गठबंधन का लक्ष्य इस्लाम का ब्राह्मण-धर्म में परिवर्तन करना 1/318-19.

جو دیوتاؤں کی بات چیت (Dialogue of Bhoodevtas) محولہ بالا، عنوان: ڈاکٹر لوہیا بہروپیہ بنایا گیا، ص: ۳۴،

Dalit voice- Bengalore February 16-29,2004. vol.23 No.4, Topic: Letters to editor (Answer by editor-V.T. Raj Shekar) pp.19-20, ibid, New Delhi September 1-15, vol.18, No.19,1999, Topic: Who killed Babasaheb? Dalit must accept Manuwadi challenge for prob. by: Ramdhar Ram p.23,ibid-Bengalore, April 1-15,2004. vol.23,p. No.7, Topic: In defence of Savita by Dr. Ashok Adhav, p.9, Topic: Dr. Ambedkar Killed by a Brahminical conspiracy? by: Anil Rangari, p,9,ibid. June 16-30 2004 vol.23, No.12, Topic: Brahiminical conspiracy behind Dr. Ambedkar's death, by: Savera p,page No.27, October 16-31, 2005, vol.24, No.20, Topic: Barhminical Sex bom to finish Dalit & Muslim leadership by Mohammad Tariq, p.19

My Memories and Experiences of Babasaheb Dr. B.R. Ambedkar, op.cit, ch.xiii, Topic: He was sorry for the second marriage, p.154, ch:xiv, topic:13th,November 1956, Left for Nepal 157, ch.vi, Topic: He built two house for son and brother's son,p.176. Death suspected xvii,182-84, ch: xiii. Topic: He was sorry for the second marrige,p.154 Topic: His chareter, p.147 Ch:xiii, Topic: 2nd December,1956, H.H. Dalai Lama and predection of his death, op.cit, pp.141-44, 145-48, 154, 182-90

قدیم ہندستان کی ثقافت وتہذیب-تاریخی پس منظر میں،محولہ بالا،باب:۵، قبیلے سے سماج کی طرف-۳-۵،بدھ اور اس کا سماج،ص:۱۶۷

شیخ محمد اکرام:اردو کوثر،باب عہد اکبری،عنوان:علماء کا زوال،ص:۱۰۱-۱۰۲

راجندر برہمنی عیاری نے مسلمانوں کی غفلت ،ص:۵، برہمن لڑکیوں کی مسلمانوں سے شادیاں،ص:۵-۶، اردو ترجمہ،اقبال احمد شریف ایڈوکیٹ Rajendra: Muslim failure to see through Brahiminical Tricks, Topic: Brahimin girls marry Muslims, p.5

بھودیوتاؤں کی بات چیت،محولہ بالا،عنوان:برہمنوں نے گائے کا گوشت چھوڑ دیا،ص.۱۹،ہوس رانی ہمارا قومی کھیل ہے، ص:۶۷

ماہنامہ حیات نو-بلریا گنج اعظم گڑھ،جنوری-فروری ۱۹۹۹ء،جلد:۱۵،شمارہ:۱-۲،عنوان:تاریخ ہند کا المیہ، از:مختار احمد مکی ریڈر شعبۂ سیاسیات کریم سٹی کالج جمشید پور، رانچی (بہار)،ص:۳۳،شوکت علی فہمی:ہندستان پر مغلوں کی حکومت،ص:۳۲۲،ڈاکٹر اوم پرکاش:اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر،ص۱۵-۲۲،۲۶،۲۷،اردو ترجمہ:فیضان رشید

ماہنامہ اللہ کی پکار،نئی دہلی،جون ۲۰۰۶ء،جلد۱۵،شمارہ ۹۵،ص:۱۲۳

(۶۳)My Memories and Experiences of Babasaheb Dr. B.R.Ambedkar. op.cit, p.145.

(۶۴) ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل-محولہ بالا،ص:۳۴۱-۳۴۲

(۶۵) روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی،۵/جنوری ۲۰۰۰ء،جلد:۱،شمارہ:۲۱۸ کالم:تاریخ کے دامن سے،ص:۳

(۶۶) ۳۱/ مارچ ۱۹۵۰ء کو مدراس میں منعقد جسٹس پارٹی کی جانب سے کانفرنس میں ڈاکٹر امبیڈکر نے گیتا پر تنقید کی تھی اس کانفرنس کی صدارت جسٹس پارٹی کے بانی پیری یار ای. وی. رام سوامی'' کر رہے تھے،
My Memories and Experiences of Babasaheb Dr. B. R. Anbedkar. op.cit ch. VI Topic: Meeting with Jugal kishor Birla.P. 68

(۶۷) بھودیوتاؤں کی بات چیت، محولہ بالا، عنوان: ڈاکٹر لوہیا بہروپیہ بنایا گیا، ص:۳۴

(۶۸) روز نامہ راشٹریہ سہارا، اردو، نئی دہلی ۱۹/ اگست ۲۰۰۰ء، جلد:۲، شمارہ:۲۴۴ کالم تاریخ کے دامن سے ص:۳

(۶۹)The Stateman, New Delhi, November. 16, 1982, Qouted in The Hindu, New Delhi, December, 17,2002, col.: open page, Topic: Anti-conversiaon law, by Arpita Anand. p.15

(۷۰) The Hindu New Delhi, December 17, 2002, Col.: open page, op.cit, p.15

(۷۱) نسلی امتیازات مختلف سماجوں میں، محولہ بالا، عنوان: پیش لفظ، ص:۴، فصول فی ادیان الھند محولہ بالا

(۷۲) جن مسلمانوں کا دعوی ہے کہ وہ عربی، افغانی اور ترکی نسل ہیں درحقیقت ان کی اکثریت ہندی الاصل ہے ان کے آباؤاجداد نے اسلام قبول کیا تھا؛ لیکن برہمن (آریہ) قوم جو حقیقتاً غیر ملکی ہے اپنے کو ہندی الاصل کہلانے کے لیے تاریخ میں ردوبدل کر رہی ہے۔ اس سے ان سادہ لوح مسلمانوں کی عقل مندی اور برہمن قوم کی ہوشیاری میں امتیاز کیا جاسکتا ہے، اگر ان سادہ لوح مسلمانوں کی لاعلمی دیدہ ودانستہ بولی جانے والی جھوٹ کی وجہ سے ان کو آر.ایس.ایس. غیر ملکی کہتی ہے تو اس کے ذمہ دار یہ حضرات خود ہیں نہ کہ کوئی اور۔

(۷۳) جوش ملیح آبادی: یادوں کی بارات، عنوان: مژدہ! خاردشت پھر، ص:۲۷۵-۲۷۶

(۷۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: باب دوم آریہ کے خلاف تحریکات کا ظہور- زیر عنوان: جین مت اور بدھ مت- زوال مغلوبیت۔

(۷۵) ماہنامہ: ''البلاغ'' بمبئی فروری ۱۹۹۹ء، جلد:۹، شمارہ:۷، عنوان: ایک نہایت سنگین اور بھیانک مسئلہ، از: حسن کمال، ص:۱۰

(۷۶) حوالہ سابق، ص:۱۰

حسن کمال صاحب نے راجیش خلیفہ کی نوکری بچانے کے لیے ریاست اور اس کے وزیر اعلی کا نام نہیں لیا ہے، لیکن اپنے مضمون ''مسلمانوں کا دلت طبقہ اور ہماری بے خبری'' شائع شدہ راشٹریہ سہارا، اردو نئی دہلی، ۱۶/ دسمبر ۲۰۰۶ء، میں ریاست کا نام بہار اور وزیر اعلی کا نام لالو پرشاد یادو لکھا ہے، کیوں کہ ۲۰۰۶ء میں لالو پرشاد یادو جی کی حکومت بہار سے ختم ہوگئی۔

(۷۷) समावात की जंग, op.cit अध्याय 2 हकीकत, बिन्दु: हिन्दुआना नाम रखने की मजबूरी, पृ०: 61-62

(۷۸) ہندوؤں کی ایک (مزعومہ) اونچی برادری جو عام طور پر پہلے زمیندار تھی۔

(۷۹) समावात की जंग, op.cit. बिन्दु: मज़हबी नही दुनियावी उधेड़बुन, पृ०: 63

(۸۰) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق پروفیسر جناب نفیس احمد نے یہاں کے اکثر گاؤں میں مدرسہ/ اسکول کھولا ہے تاکہ مسلمان مرتد ہونے سے محفوظ رہیں۔

(۸۱) ۲۰۰۰ء میں اس گاؤں سے ایک خوش کن خبر یہ آئی کہ امر سنگھ صاحب کی بیوی کا انتقال ہوگیا تو ان کے بیٹوں نے ماں کی لاش کو بزور طاقت دفن کیا- آر ایس ایس ممبران وہاں آئے لیکن ان کے بیٹوں نے کسی کی نہیں چلنے دی۔

(۸۲) یہاں کے لوگوں میں صرف ایک اسلامی چیز بچی ہوئی ہے وہ اپنے مردوں کو جلانے کے بجائے دفن کرتے ہیں اور تدفین کے لیے لاش لے جاتے وقت اللہ اللہ کہتے ہیں- لیکن وہ اسے اسلامی شعار سمجھ کر نہیں کرتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے آباواجداد اسی طرح کیا کرتے تھے- بعض بزرگوں کو اس بات کا علم ہے کہ وہ پہلے مسلمان تھے۔ چناں چہ اسی گاؤں میں ایک انتہائی ضعیف شخص سے ہم لوگ ملنے گئے، تو انھوں نے کہا کہ بیٹا ہم پہلے مسلمان تھے ہمیں زبردستی ہندو بنایا گیا ہے اور یہ کام ۱۹۴۷ء میں ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو قتل ہونے سے بچ گئے تھے- ان کا مسلم نام پوچھنے پر انھوں نے ''مہر علی'' بتایا اور موجودہ نام ''رام چندر'' پھر انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس پانچ بیٹے ہیں- ہم اپنی ساری جائداد بیچ کر کسی مسلمان گاؤں میں چلے جائیں گے اور مسلمان ہو جائیں گے- اسی گاؤں کے ایک صاحب نے دوبارہ اسلام قبول کیا ہے جن کا نام ''عبداللہ'' رکھا گیا ہے- جو پانچوں وقت کے نمازی ہیں ان کی تربیت اور شادی کی غرض سے راقم الحروف کے ساتھیوں نے انھیں مدرسہ دارالسلام عمرآباد کے مدرس مولانا محمد ریاض موسی ملیباری کے پاس بھیجا ہے۔ آج کل یہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروکٹر آفس میں بطور محافظ (سیکورٹی گارڈ) کام کر رہے ہیں۔

(۸۳) روزنامہ راشٹریہ سہارا- نئی دہلی- ۲۴ر ستمبر ۲۰۰۰ء جلد: ۲ شمارہ: ۴۷۸- عنوان: مسلم بنجارے پسماندہ طبقات کی فہرست سے خارج ص:۱

(۸۴) ہفت روزہ نئی دنیا، نئی دہلی، ۱۹- ۲۵ر جنوری ۲۰۰۱ء- عنوان: گجرات کے مسلمان بنجارے جائیں تو کہاں جائیں؟ ص:۲

(۸۵) راشٹریہ سہارا نئی دہلی ۹ر نومبر ۲۰۰۱ء عنوان، تبدیلی مذہب اور مسلمان، از ڈاکٹر اعجاز علی، ص ۳، کیم جولائی، ۲۰۰۴ء جلد ۲، شمارہ ۱۸۳۷، عنوان: مسلمانوں کے لیے ریزرویشن از ڈاکٹر اعجاز علی ص ۳، ۶ر جولائی ۲۰۰۶ء جلد ۷، شمارہ ۲۵۰۲، عنوان: جی ہاں مسلمانوں میں دلتوں کا وجود ہے، از حسن کمال ص ۳، ۱۲، دسمبر ۲۰۰۶ء، جلد ۸، شمارہ ۲۷۲۶، عنوان: مسلمانوں کا دلت طبقہ اور ہماری بے خبری از حسن کمال ص ۳

(۸۶) قومی آواز، نئی دہلی ۲۰ر نومبر ۲۰۰۵ء، جلد: ۲۶، شمارہ: ۳۱۲، عنوان: کیا دلت مسلمانوں کی ترقی میں اشراف حائل ہیں، ص:۲

(۸۷) The Times of India New Delhi- June 10, 2005, Friday. Topic: Maya: Who says I hate Brahmnis? p.1, Topic: BSP woun't punish you for Manus, misdeeds, p6, The Indian Express New Delhi, June 10, 2005, Topic: Mayawti asks Brahmins to join her party, P.1, Topic: Not, Pro Dalit, BSP opnen to Upper Costes: Maya, P.3 The Hindu New Delhi, June 10, 2005, vol. 128, No. 137, Topic: BSP Showcases its, Brahmin might, p.1

قومی آواز اردو، نئی دہلی ۱۰ر جون ۲۰۰۵ء، جلد: ۲۶، شمارہ: ۱۵۵۔ عنوان: برہمنوں کا دل جیتنے کے لیے بی ایس پی نے سر بدلا۔ ص:۱۔ راشٹریہ سہارا، اردو۔ نئی دہلی۔ ۱۰ر جون ۲۰۰۵ء، جلد: ۷، شمارہ: ۲۱۷۶، عنوان: منوواد پر مایاوتی کا یوٹرن ص:۱۔ عنوان: برہمنوں کو رجھانے کی کوشش۔ از: چندر بھان پرساد، ص:۳

(۸۸) اس کی تفصیل اور حوالہ جات کے لیے اس کتاب کا باب نہم، عنوان: اکیسویں صدی میں کے مسلمانوں میں ذات پات دیکھیں۔

(۸۹) ''شیخ المسلمین''، تنظیم صوبہ بہار کے ضلع سیتامڑھی میں قائم ہوئی تھی، علی گڑھ میں ''خان ایسوسی ایشن'' ۲۰۰۵ء میں بنی ہے۔ خان ایسوسی ایشن کے سلسلہ میں استاد گرامی ڈاکٹر عبید اللہ فہد خان فلاحی ریڈر شعبۂ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مجھے ۵رجنوری ۲۰۰۵ء کو اپنے چیمبر میں بتایا۔ اس وقت ان کے بھائی ڈاکٹر احسان اللہ فہد خان فلاحی لیکچرر عبداللہ اسکول علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھی تھے۔ پھر ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی صاحب نے اس تنظیم پر تنقید کی۔ پٹنہ کے اندر ''فارورڈ مسلم مورچہ'' ۲۰۰۶ء میں بنی ہے۔

(۹۰) راشٹریہ سہارا، اردو، نئی دہلی ۳رفروری ۲۰۰۷ء، جلد ۸، شمارہ ۲۷۴، عنوان: دلتوں کو مسلمانوں کے خلاف کرنے کی مذموم کوشش، از حسن کمال، ص ۳

(۹۱) ۳۰ راگست ۲۰۰۳ء کو جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی میں جو پروگرام ہوا تھا جس کا تذکرہ اوپر باب میں گذر چکا ہے۔ میں ڈاکٹر سید انور پاشا صاحب اور ان کے علاوہ اس پروگرام میں شامل مقررین میں سے جناب علی انور جناب فیروز احمد (وکیل: سپریم کورٹ) نے بھی یہ واقعہ بتایا۔

(۹۲) جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں منعقد محولہ بالا پروگرام میں جناب علی انور نے یہ بات بتائی اور حوالہ میں انھوں نے غالباً راشٹریہ سہارا (ہندی راردو) یا کسی اور اخبار کا نام لیا کہ اس میں یہ خبر چھپی ہے۔

(۹۳) روزنامہ قومی آواز۔ نئی دہلی، ۲۸ رفروری ۲۰۰۴ء، جلد: ۲۵، شمار: ۵۷، عنوان: دلتوں کو سماجی انصاف دلانے کے لیے متحد ہو جائیں۔ پس ماندہ طبقہ کے لیے جد و جہد کرنے والی تمام پارٹیوں سے سونیا گاندھی کی اپیل، ص:۱

(۹۴) मसावात की जंग, op.cit बिन्दु : शुक्रिया, पृ० 14-15

(۹۵) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ محبہ تالیف اور باب نہم، زیر عنوان: اکیسویں صدی کے مسلمانوں میں ذات پات

(۹۶) मसावात की जंग, op.cit बिन्दु : शुक्रिया, पृ० 15

(۹۷) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: باب نہم، زیر عنوان: اکیسویں صدی کے مسلمانوں میں ذات پات

(۹۸) मसावात की जंग, op.cit बिन्दु : शुक्रिया, पृ० 15

(۹۹) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: باب نہم، زیر عنوان: ریزرویشن کا مسئلہ

(۱۰۰) چناں چہ ہندستان کے سابق صدر جمہوریہ کے. آر. نارائن، جو شودر تھے، کو صدر بنانے والی پارٹی بی جے پی ہے۔ بی جے پی کے سابق پارٹی صدر بنگارو لکشمن اور موجودہ صدر۔ وینکیا نائڈو'' شودر ذات کے ہیں۔

(۱۰۱) The story of the sangh, op.cit, Topic: A new mantra for Hindu unity p.9

(۱۰۲) یہ صرف مکاری ہے کیوں کہ اسی دن فیض آباد کے کمشنر انیل کمار گپتا کو یہ ستون صرف اس لیے نہیں دیئے گئے کہ وہ ذات سے بنیا تھے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۱۰۳) ۴رنومبر ۲۰۰۱ء کو دلت لیڈر رام راج (اب ان کا نام ہے ادت راج) کی قیادت میں دہلی کے اندر ہزاروں دلتوں کے بدھ دھرم قبول کر لینے کے بعد کانچی کملوٹھی پیٹھ کے شنکراچاریہ ''جگت گورو جیتندر سرسوتی'' نے پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ: ''شادی وغیرہ کی رسوم میں ذات پات کا فرق رہنا ہی چاہیے لیکن دوسرے معاملات میں یہ فرق ختم ہونا چاہیے'' (سہ

روزہ دعوت۔نئی دہلی،۲۲رنومبر ۲۰۰۱ء جلد:۴۹شمارہ:۱۰۶،عنوان:جگت گورو جیتندر سرسوتی تبدیلی مذہب کے خلاف ہیں، ص:۶

(۱۰۴)The story of the sangh- By: A swaymsewak. op. cit. P.9, सापताहिक पांचजन्य-नई दिल्ली, दिपावली विशेषांक, 26 अक्टूबर 2003, वर्ष 56, अंक: 21, कवर पृ०

(۱۰۵) पांचजन्य अक्टूबर, 26, 2003, op. cit یہ واقعہ بھی عیاری پر مشتمل ہے، کیوں کہ مردہ گائے کی کھال نکالنے کی وجہ سے ۷راکتوبر ۲۰۰۲ء میں پانچ دلتوں کو قتل کر دیا گیا تھا تو یہی گری راج کشور جی نے کہا تھا کہ گائے کی قیمت انسان سے زیادہ ہے۔جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۱۰۶)The story of the samgh By. op.cit, back cover page.

(۱۰۷)त्रि-इब्लिसी शोषण-व्यूह विध्वंस op.cit बिन्दु : सिख धर्म का ब्राह्मण धर्म में परिवर्तन ? 1/220

(۱۱۹)सापताहिक पांचजन्य दिपावली विशेषांक 26 अक्टूबर 2003op.cit, कवर पृष्ठ

(۱۰۹)روزنامہ راشٹریہ سہارا۔اردو۔نئی دہلی،۹رنومبر ۲۰۰۱ء محولہ بالا ص:۳

(۱۱۰)سہ ماہی اسلام نئی دہلی اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء جلد:۲ شمارہ:۱،عنوان:تبدیلی مذہب اور دلت،ص:۱۳،۲۴

(۱۱۱)حوالہ سابق ۲۴،۱۳،راشٹریہ سہارا۔اردو۔۹رنومبر ۲۰۰۱ء محولہ بالا ص:۳

(۱۱۲)روزنامہ راشٹریہ سہارا۔اردو۔نئی دہلی۔۲۷رمئی ۲۰۰۲ء جلد:۴ شمارہ:۱۰۸۲۔عنوان: ۵۰ ہزار دلتوں کے ذریعہ بدھ مذہب اختیار کرنے کا دعوی،ص:۲

(۱۱۳)سہ روزہ دعوت،نئی دہلی۔۱۳راکتوبر ۲۰۰۲ء جلد:۵۱ شمارہ: ۹۳۔عنوان: دلتوں کے اجتماعی تبدیلی مذہب کے واقعات،ص:۱

(۱۱۴)روزنامہ راشٹریہ سہارا۔اردو۔۹رنومبر ۲۰۰۱ء محولہ بالا ص:۳

(۱۱۵)The Tribune- Chandigarh, May 10,1999.Topic:Panchyats still hand out death sentence

.(۱۱۶)The Hindustan Times-New Delhi, October 21 ,2002. Topic: Where law is a mute spectator.

(۱۱۷)The Indian Express- New Delhi, November 29,2003.Topic: Youth 'hacked to pieces' over inter-caste marriage.

(۱۱۸)The Times of India Daily (The Sunday Times of India) New Delhi, September ,2001,2. Special Report. Topic: Listen to your heart and you die. by: Sakina Yusuf Khan, p.8

سہ روزہ دعوت۔نئی دہلی،۳۱راگست ۲۰۰۱ء،جلد:۴۹،شمارہ:۷۳،کالم:فکر ونظر،ص:۱

(۱۱۹)روزنامہ راشٹریہ سہارا۔اردو۔نئی دہلی ۹رمارچ ۲۰۰۳ء سال:۴،شمارہ:۱۳۶۴۔عنوان:ٹونک میں دلت دولہوں کی گھوڑوں سے اتار کر بری طرح مار پیٹ،ص:۲

(۱۲۰) कौमी आवाज़ (उर्दू) 17 मई 1992 उद्धृत: दलित समस्या जड़ में कौन? अध्याय: 6, अत्याचार पृ०: 180

(۱۲۱)The Indian Express New Delhi, December 16, 2003, Topic: These kids

told: you are dalit, go eat elsewheve. P.I.2

(۱۲۲)The Time of India New Delhi September 8, 1992 Topic: Dalit woman, children fined for quenching thirst, p.1

(۱۲۳)The times of India. New Delhi september 6, 2001, calumn: India, Topic: Minor Dalit girl gangraped in chatisgarh police station p .4

जन सत्ता नई दिल्ली 7 मार्च 1990, द टेलीग्राफ 17 मई 1991, दैनिक प्रताप 22, जून 1991, कौमी आवाज़ (उर्दू) नई दिल्ली 19 फरवरी 1993, दलितों के रूपान्त की प्रक्रिया : नरेन्द्र सिंह पृ०:116-17 उद्धृत: दलित समस्या जड़ में कौन? अध्याय :अत्याचार 6, पृ०:173, 178, 181,

(۱۲۴)روزنامہ راشٹریہ سہارا(اردو) ۲۳/ دسمبر ۲۰۰۳ء جلد:۵ شمارہ: ۱۲۵۰،عنوان: دلت نوجوان کے قتل کے بعد دو برادریوں میں زبردست کشیدگی، ص:۴

(۱۲۵) سہ روزہ دعوت۔نئی دہلی ۱۳ جون ۲۰۰۲ء جلد:۲۵ شمارہ:۵۴، کالم خبر ونظر عنوان: آندھرا سے ظلم کی ایک اور خبر، ص:۱

(۱۲۶) हिन्दुस्तान 15 जून, 2002 उदधृत: मासिक हम दलित-नई दिल्ली,, जनवरी 2003, वर्ष 14 अंक 1 बिन्दु : 2002 दलितों ने क्या खोया-क्या पाया, लेखक : डा० नरेन्द कुमार, पृ०: 5,

(۱۲۷)The Hindustan Times-New Delhi, Saturday. March,16-2002. Vol. Lxxviii N0.75. Topic: PMO's man in the muddle, p.1

(۱۲۸)Ibid: sunday.March 17,2002 vol. Lxxviii N0 .75 Topic: Faizabad commissioner goes on leave, wants out, p.1.

(۱۲۹)My Memories and Experiences of Babasaheb. Dr.B.R. Ambedkar. op.cit Chapter: I. Topic: Satyagraha at Vaikom, to allow to use road and enter temple, p.11

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب جنوبی ہند کی اکثر ہندو ذاتوں اور کیرلا کے شری نارائن گروجی کے معتقدین نے سابق ٹرانکور صوبہ کے وائیکوم مندر میں داخلہ اور اس کے ساتھ گزرتی سڑک پر چلنے اور استعمال کرنے کی مانگ لے کر ایک پرامن تحریک چھیڑ رکھی تھی۔گاندھی جی مندر میں شودروں کو داخل ہونے دینے کے لیے نمبودری برہمن (Namboodiri Brahmin) کو منانے گئے تھے۔محولہ بالا

(۱۳۰) www.dalits.organ/hary/anaatrocities.htm

(۱۳۱) ماہنامہ افکار ملی،نئی دہلی،اگست ۲۰۰۰ء،جلد:۱۵،شمارہ:۸،عنوان: خانہ جنگی کی طرف بڑھتا بہار،از: سراج انور

(۱۳۲)Che: ds Vue Bh ONI MJ www.Hindu. com 2004/ 07/16/ stories/ 2004 071604 521100, html pota+cases+against+dalits+in bihar & hl=en & ie–UTF-8

(۱۳۳) www.rediff.com./news/2004/mar/10 sec 1. htm.

(۱۳۴) [illegible] 30 दिसम्बर 1990 उदधृत: दलित समस्या जड़ में कौन ? अध्याय 6, अत्याचार, बिन्दु: [illegible], पृ० 194.

(۱۳۵)The Times of India Daily- New Delhi. September 25, 1991.No. 229, Vol CLIV, Col: Metro page. Topic: UCMS ragging did take place, p.2

(۱۳۶) [illegible] 1994, सुधीर कुमार [illegible] उदधृत पृ० : 6-7, दलित समस्या जड़ में कौन ? op.cit अध्याय 6 अत्याचार, बिन्दु: दलितों की स्थिति में सुधार कैसे होगा ? पृ०: 183

(۱۳۷) वही, पृ०: 6-7 उदधृत: वही, पृ०: 182

(۱۳۸)The Times of India Daily- New Delhi, Friday, September 7, 2001, Topic: Another Dalit women molested. P.7

(۱۳۹)Ibid, Thursday, September 6, 2001, Column: India, Topic: Minor Dalit girl gangraped in Cahhatisgarh Police Station,P.4

(۱۴۰)अमर उजाला (दैनिक), आगरा यू०पी० 26 अक्टूबर 2001, कालम : अलीगढ़ और आस पास पृ०: 9

(۱۴۱)डा०जगदीश सिंह राठौर: दलित युवाओं के परिवर्ती दृष्टिकोण बिन्दु : दलित अतीत स वर्तमान तक1,पृ०: 19

(۱۴۲) Monthly crime Statistics. उदधृत: दलित समस्या जड़ में कौन?op.cit अध्याय :6 अत्याचार, बिन्दु: दो वर्षों में दलितों पर 110354 अत्याचार पृ०: 198

(۱۴۳)روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) نئی دہلی، ۱۹/نومبر ۲۰۰۱ء، جلد:۳، شمارہ:۸۹۲، عنوان: درج فہرست ذاتوں پر مظالم میں اترپردیش سرفہرست، ص:۲

(۱۴۴)سہ ماہی السلام۔نئی دہلی، اپریل تا جون ۱۹۹۸ء، عنوان: تلخ وشیریں۔

(۱۴۵) Dalit Voice Bengalore, October 15-31, 2005, vol. 24, No,20, Topic: Brahmnical sex bom to finish Dalit & Muslim Leadership, p.19

(۱۴۶)दलित समसया जड़ में कौन ? op.cit पृ०: 5

(۱۴۷) سماجی تبدیلیاں ازمنہ وسطی کے ہندستان میں ۵۰۰ سے ۱۲۰۰سن عیسوی (اردو)، ص:۳۰-۳۱

(۱۴۸)قدیم ہندستان میں شودر، محولہ بالا، باب ۸، عنوان: خلاصہ وخاتمہ کلام، ص:۳۲۹

(۱۴۹) Dr.B.R.Ambedkar:Why go to converson? بحوالہ نسلی امتیازات مختلف سماجوں میں ص:۳۲،۳۳

(۱۵۰) سورۃ الحجرات آیت: ۱۳

(۱۵۱) الصحیح لمسلم، کتاب الجنائز۔۱۰۔ باب التشدید فی النیاحۃ، حدیث: ۹۳٤، تحقیق: ابو صہیب الکرمی۔ بیت الافکار الدولیہ للنشرو التوزیع ۱٤۱۹ھ ۱۹۹۸م

(۱۵۲) الصحیح لمسلم مع شرحہ النووی: کتاب الایمان باب اطلاق اسم الکفر علی الطعن فی النسب و النیاحۃ، ۷۵/۲/۱

(۱۵۳)امام نووی: شرح الصحیح للمسلم۔ کتاب الایمان باب اطلاق اسم الکفر علی الطعن فی النسب و النیاحۃ ۵۷/۲/۱

(۱۵۴) الصحیح للبخاری۔ کتاب النکاح ،باب الاکفاء فی الدین ۲۲/٦/۳، الصحیح لمسلم مع شرحہ النووی۔ کتاب الرضاع۔ باب استحباب النکاح ذات الدین ٥/۱۰/۵۱ امام ابو یعلی احمد بن علی الموصلی۔ المسند ۹۷/٦ رقم الحدیث: ٦٥٤٧۔ تحقیق: ارشاد الحق الاثری، امام علی بن عمران الدین الدار قطنی: السنن۔ کتاب النکاح ۱/۳/۱۷، امام سلیمان بن الاشعث ابوداؤد: السنن مع شرحہا معالم السنن۔ کتاب النکاح باب مایؤمر بہ من تزوج ذات الدین ٤/۳، رقم الحدیث: ۲۰٤۳، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان۔ کتاب النکاح۔ باب ذکر الامر للمتزوج ان یقصد ذوات الدین من النساء ٤/۳٤٤-۳٤٥، رقم الحدیث: ٤۰۳٦، شرح السنہ۔ کتاب النکاح باب اختیار ذات الدین ۹/۷/۸ رقم الحدیث: ۲۲٤۰۔ تحقیق: شعیب الارناؤط۔

ایک صحیح حدیث کی بھیانک غلط تشریح

ذات پات اور اس پر مبنی فقہی و مروجہ کفو کے قائل حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس حدیث میں، مال، نسب، ذات، برادری، حسن و جمال اور دین وتقویٰ کی بنیاد پر شادی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اپنی برادری میں ہی شادی کرنی چاہیے۔

اس حدیث کو سمجھنے میں ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس میں حکم نہیں دیا جارہا ہے بلکہ لوگوں کے مزاج کی خبر دی جارہی ہے کہ لوگ ان، ان چیزوں کو دیکھ کر شادیاں کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے امر کا صیغہ استعمال ہونے کے بجائے فعل مجہول کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور جس چیز کی بنیاد پر شادی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی وضاحت ''فاظفر بذات الدین'' (دیندار خاتون سے نکاح کرکے کامیاب ہو جاؤ) کے الفاظ سے کردی گئی ہے۔

چناں چہ محدثین کرام میں سے علامہ ابوالحسن علی بن محمد کنانی اپنی تالیف تنزیه الشريعة المرفوعة عن الاخبار الشنيعة والموضوعة (۲۰۶/۲، رقم الحدیث: ۴۷) میں اور علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب ''اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة'' (کتاب النکاح ۱۶۲/۲) میں ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فَإِنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ الْأَمْرَ بِذَالِكَ بَلِ الْإِخْبَارُ عَمَّا يَفْعَلُهُ النَّاسُ وَلِهٰذَا قَالَ فِي آخِرِهِ: " فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ وَ تَرِبَتْ يَدَاكَ"

''اس حدیث سے حکم مراد نہیں ہے، بلکہ لوگوں (عوام) کے افعال کی اطلاع دینا مقصود ہے۔ اس لیے اس کے آخر میں ''تو تم دیندار عورت سے نکاح کرکے فلاح پاجاؤ، اللہ تیرا بھلا کرے'' کہہ کر مذکورہ بالا چیزوں کی تردید کردی۔''

امام قرطبی اور صاحب ''عمدۃ القاری'' امام بدرالدین ابومحمد عینی (عمدة القاری شرح الصحيح للبخاری۔ کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین ۸۶/۲) بھی ان بزرگوں کے ساتھ ہیں۔

(۱۵۵) اس حدیث کا مفہومی ترجمہ حضرت عبداللہ ابن مبارک کے والد محترم حضرت مبارک کے قول کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ ان کے آقا ''نوح بن مریم'' نے جو ''مرو'' کے حاکم اور قاضی تھے ایک بار ان سے کہا کہ میری بیٹی سے نکاح کے لیے بہت سے رئیسوں، سرداروں اور وزیروں نے پیغام بھیجا ہے، بتاؤ میں کس سے اس کی شادی کردوں؟ حضرت مبارک (جو ان کے غلام تھے) نے جواب دیا کہ کفار شادی بیاہ میں حسب ونسب کو ترجیح دیتے ہیں، یہودی مال کے پیچھے بھاگتے ہیں، نصاریٰ کو حسن و جمال کی جستجو رہتی ہے؛ لیکن امت مسلمہ کو تو دینداری کو ہی معیار بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ ان میں سے جسے چاہیں اختیار کرلیں۔ "فَقَالَ يَامُبَارَكُ! مَنْ تَرَى تُزَوِّجُ هٰذِهِ الْبِنْتَ؟ فَقَالَ۔ الْجَاهِلِيَّةُ كَانُوْا يُزَوِّجُوْنَ لِلْحَسَبِ وَالْيَهُوْدُ لِلْمَالِ وَالنَّصَارٰى لِلْجَمَالِ، وَهٰذِهِ الْأُمَّةُ لِلدِّيْنِ۔"

حضرت مبارک کا جواب سن کر ان کے آقا کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور انھوں نے بیوی سے کہا کہ مبارک سے اچھا (دیندار) لڑکا کہیں نہیں ملے گا اور اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی۔ (ابو الفلاح عبد الحی :شذرات الذهب فی اخبار من ذهب، باب سنة احدى وثمانين ومائة ۲۹۶/۱، زكريا بن محمد بن محمد القزوينی، المعروف بابن ماجه : آثار البلاد واخبار العباد، عنوان : مرو، ۴۵۷ - ۴۵۸

(۱۵۶) سنن و جامع الترمذی ۔ کتاب النکاح، باب ماجاء اذا جاء کم من ترضون دینه فزوجه ۳۸۶/۲، رقم الحدیث [illegible] ابو عبد الله الحاكم : المستدرك على الصحيحين، كتاب النكاح، ج ۲/ ۱۶۵۔

السنن لابن ماجه: ابواب النكاح، باب: ٤٦، الاكفاء، ١/ ٣٦٢، رقم الحديث: ١٩٧٥، عبد الرزاق: المصنف، كتاب النكاح باب الاكفاء ٦/ ١٥٣ رقم الحديث: ١٠٣٢٥، تحقيق: حبيب الرحمن الاعظمی۔

(۱۵۷)اس حدیث کی محدثین نے جوتشریح کی ہے، اس کے لیے دیکھئے اس کتاب کا باب نہم: مسلم معاشرہ پھر ذات پات کے دلدل (حاشیہ)

(۱۵۸) انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت، محولہ بالا، عنوان: غیر کفو میں نکاح کی چند مثالیں، مقداد وضباعۃؓ کا نکاح، ص:۶۸

(۱۵۹)علامہ سعید بن منصور: کتاب السنن۔ باب ماجاء فی المناکحة۔ القسم الاول من المجلد الثالث ص: ٤٧ - ١٤٦، رقم الحديث: ٥٨٥۔ و اللفظ له۔ تحقيق: حبيب الرحمن الاعظمی، علامہ عبد الرزاق: المصنف۔ كتاب النكاح باب الاكفاء ٦/ ١٥٣، رقم الحديث: ١٠٣٢٦۔ تحقيق۔ حبيب الرحمن الاعظمی، علامہ اعظمی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک "للاسلام" کی جگہ "الاسلام" راجح ہے اور عبد الرزاق کی روایت مرسل ہے۔ اخرجه عبد الرزاق عن جابر عن الشعبی مرسلا۔ (کتاب السنن لسعید بن منصور، محولہ بالا۔) ص:۱۴۶، ۱۴۷، رقم الحدیث: ۵۸۵

(۱۶۰) تفہیم القرآن۔ سورۃ الاحزاب۔ آیت: ۳۶، ۴/ ۹۸

(۱۶۱) فوائد عثمانی علی ترجمۃ القرآن الکریم الشیخ الہند العلامۃ محمود الحسن، سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۶، ص: ۵۶۲۔

(۱۶۲) قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی حنفی: التفسیر المظہری سورۃ الاحزاب آیت: ۳۶، ۷/ ۳۴۵

(۱۶۳) التفسیر المظہری۔ اردو ترجمہ: سید عبدالدائم الجلالی: تفسیر مظہری۔ الاحزاب آیت: ۳۶، ۹/ ۲۷۸

(۱۶۴) امام ابو عبد الله القرطبی: الجامع لاحکام القرآن۔ سورۃ الاحزاب، آیت: ٣٦، ٧/ ١٤/ ١٨٧

(۱۶۵) مولانا شبیر احمد عثمانی: فوائد عثمانی علی ترجمۃ شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی، سورہ احزاب، آیت: ۳۷، ص: ۵۶۳

(۱۶۶) حافظ ابن حجر: الاصابه فی تمیز الصحابة احرف الزای، ذکر من اسمه زید، ۱/ ۵۴۶، رقم الاسم: ۲۸۹۰

(۱۶۷) امام حافظ ابن حجر عسقلانی: فتح الباری۔ کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین ۹/ ۱۳۳

(۱۶۸) المسند لأحمد بن حنبل، ٥/ ٤١١

(۱۶۹) فتح الباری۔ المذکوراعلاه۔ ۹/ ۱۳۱۔ امام محمد بن اسماعیل۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام۔ کتاب النکاح، باب الاکفاء ۳/ ۲۷٤۔ امام محمد شوکانی، نیل الاوطار۔ کتاب النکاح باب ماجاء فی الکفاءة فی النکاح ٦/ ١٣٨۔ السید السابق: فقه السنة کتاب الزواج، باب الکفاءة فی الزواج ٦/ ١٣٦۔ ابو طیب صدیق بن حسین البخاری: الروضة الندیة شرح الدرر البهیة۔ کتاب النکاح باب الکفاءة فی النکاح ۲/ ۸، ابو طیب محمد شمس الحق عظیم آبادی: عون المعبود شرح سنن ابی داؤد۔ کتاب النکاح باب (۲۷) فی الاکفاء ۳/ ٦/ ٩١۔ ابن قدامه: المغنی۔ کتاب النکاح ٦/ ٤٨

(۱۷۰) علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: فصل و منها کفاءة الزوج فی نکاح المرأة: ۲/ ۳۱۷

(۱۷۱) فتح الباری، سبل السلام، نیل الاوطار۔ فقه السنة۔ الروضة الندیة شرح الدرر البهیة، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، المذکورة اعلاه

(۱۷۲) المغنی ، نیل الاوطار المذکورۃ اعلاہ

(۱۷۳) عبد اللہ بن احمد ابن قدامہ :المقنع ، فقہ امام السنۃ احمد بن حنبل الشیبانی ، کتاب النکاح ، باب أرکان النکاح وشروطہ ۳/ ۲۹

(۱۷۴) ڈاکٹر [سید] مظہر معین: اسلام اور ذات پات۔ باب، اقوال اکابر امت بحوالہ کفو و نکاح بلا تمیز ذات پات، ۳۷۔ قاضی محمد طاہر علی ہاشمی (خطیب جامع مسجد حویلیاں ہزارہ۔ پاکستان) ص: ۳۵۸، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بہت سے محرکات ہیں ان میں سے ایک ذات پات بھی ہے۔

(۱۷۵) البنایۃ فی شرح الھدایۃ، المشہور ب: عینی شرح الھدایۃ ، کتاب النکاح باب الاولیاء و الاکفاء فصل فی الاکفاء ۲/ ۱۰۲

(۱۷۶) ماہنامہ ''زندگی نو'' نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۲ء، جلد: ۲۸، شمارہ: ۷، عنوان: رسائل ومسائل، مراسلہ: از سید عبدالرحمٰن، ص ۷۸

(۱۷۷) محمود خاں محمود بنگلوری: تاریخ سلطنت خداد (میسور) عنوان: نسب نامہ نواب حیدر علی و ٹیپو سلطان، ص ۴۴-۴۵، برہان الدین کی شادی اور سادات و نائطہ کی مخالفت، ص ۲۲۵-۲۲۶، بدر الزماں خاں نائطہ ص ۴۰۲-۴۴۴

(۱۷۸) ماہنامہ برہان - دہلی، فروری ۱۹۷۳ء جلد: ۷، شمارہ: ۲، عنوان: مسئلہ کفاءت کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت: از مولوی محمد یوسف صاحب قاسمی بہرائچی ص ۱۲۲-۱۲۳، ماہنامہ معارف، دارالمصنفین، اعظم گڑھ یوپی، جون ۱۹۲۸ء جلد: ۲۱، شمارہ: ۶، عنوان: حقوق نسواں -کفو: از علامہ سید سلیمان ندوی۔

(۱۷۹) **الصحیح :للبخاری ،کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی ﷺ ۱/ ۱/ ۳۵ الصحیح لمسلم مع شرحہ النووی: باب تغلیظ الکذب علی رسول للہ ﷺ ۱/ ۱/ ۶۷**

(۱۸۰) **السنن لابن ماجہ: المقدمۃ،باب:من حدث عن رسول اللہ ﷺ حدیثاوھو یری انہ کذب ۱/ ۱۰ رقم الحدیث: ۳۱-۳۳**

(۱۸۱) ملاحظہ ہو راقم الحروف کا قسط وار مضمون: مسئلہ کفاءت، ماہنامہ زندگی نو، ستمبر ۲۰۰۲ء جلد: ۲۸، شمارہ: ۹، ص: ۶۲-۶۹، نومبر ۲۰۰۲ء جلد: ۲۸، شمارہ: ۱۱، ص: ۴۸-۵۴، فروری ۲۰۰۳ء، جلد: ۲۹، شمارہ: ۲، ص: ۶۰-۷۸، مارچ ۲۰۰۳ء، جلد: ۲۹، شمارہ: ۳، ص: ۴۳-۷۵، اپریل ۲۰۰۳ء، جلد ۲۹، شمارہ ۴، ص ۶۷-۷۲، جولائی ۲۰۰۳ء، جلد ۲۹، شمارہ ۷، ص ۴۳-۷۵، ماہنامہ آثار جدید، مئو، فروری ۲۰۰۷ء جلد ۲۵ شمارہ ۲ (بقیہ قسطیں جاری)

(۱۸۲) سورۃ الحدید، آیت: ۱۰

(۱۸۳) جناب عرفان احمد صدیقی راقم الحروف کے ضلع سیتا مڑھی بہار کے رہنے والے ہیں- جامعہ ملیہ سے سماجیات (Socialogy) سے بی-اے جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے اسی مضمون میں ایم اے اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی پر ایم فل ایمسٹرڈم نیدر لینڈ، ہالینڈ، یورپ سے جماعت اسلامی ہند پر پی ایچ ڈی کیا ہے، آج کل نیدر لینڈ ہی میں International Institute for the study of Islam in the modern world سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔

(۱۸۴)Economic and Political weekly Mumbay, November 15-21- 2003,

vol.xxxviii No. 46. Heading: Muslim 'OBCS': Confronting inequalities, PP. 4886-4891

(۱۸۵) جناب عرفان احمد صدیقی نے یہ واقعہ راقم الحروف کو بذات خود اپریل ۲۰۰۲ء میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی کے اندر بتایا تھا۔

(۱۸۶) شمس العلماء نواب عزیز جنگ ولا نایطی: تاریخ النوائط - مع تقریظ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی - یہ کتاب پہلی بار ۱۹۰۴ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی - حوالہ سابق، ص: ج

(۱۸۷) حوالہ سابق، باب: خاتمۂ کتاب، عنوان: تقریظ - از: شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی، ص: ۳۲۳-۳۲۷

(۱۸۸) عبدالحلیم خواجہ پوری: صوبہ بہار کے ملک کی تاریخ

(۱۸۹) اس کی تفصیلات اوپر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور ذات پات۔ صدر دوم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی حسینی ندوی اور ان کے وزراء کے زیر عنوان گذر چکی ہیں۔

(۱۹۰) دین تصوف وطریقت بحولہ بالا، عنوان: نسب پرستی ص ۱۹۷-۱۰۱- بحوالہ مولانا ابوالحسن علی ندوی: المرتضیٰ، ص: ۳۷۰-۴۱۰

(۱۹۱) مجموعہ قوانین اسلامی، بحولہ بالا

(۱۹۲) تاریخ النوائط - عنوان - ابتدائی باتیں، از: حسن الدین احمد صدر ولا اکیڈمی، ص: ۷

(۱۹۳) سورۃ المائدۃ، آیت: ۱٤٨

(۱۹۴)

عقل سے بالاتر مسئلہ

ان تمام صورتوں میں فقہاء اور علماء نے مفروضہ طبقۂ شرفاء (سید، شیخ، مغل، پٹھان اور ملک وغیرہ) کے علاوہ تمام کورذیل اور نیچی ذات نہ صرف مانا ہے؛ بلکہ کہا ہے اور اسی وجہ سے کہا ہے کہ (مزعومہ) چھوٹی ذات والوں کو شرم اور عار لاحق نہ ہوگی۔

لڑکی خواہ اپنی ذات کے لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے یا کسی اور کے ساتھ غیرت مند گھرانے کے لیے دونوں برابر ہے، یعنی دونوں صورتوں میں عار لاحق ہوگا، تو پھر علماء اور فقہاء کے ذریعہ ہم نسب اور غیر نسب کی تفریق سمجھ سے باہر ہے۔

اگر ابطال نکاح فسخ نکاح کو ''نباہ'' پر محمول کیا جاتا ہے کہ (مفروضہ) شریف یعنی بڑی ذاتوں کی لڑکی کا (مزعومہ) رذیل ذاتوں کے گھر میں نباہ نہ ہوسکے گا، تو نباہ لڑکی کو کرنا ہے نہ کہ اس کے اولیاء کو اور لڑکی نے اپنا نباہ دیکھ کر ہی شادی کی ہے۔ اس کا نباہ اب وہیں ممکن ہے جس کو اس نے اپنے لیے پسند کیا ہے۔ پھر اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار دینا کس...... بات کی دلیل ہے اور جب نباہ ہی کا مسئلہ ہے تو صرف موہومہ بڑی ذاتوں کی لڑکی کے اولیاء کو ہی فسخ نکاح کا حق کیوں دیا جاتا ہے، مزعومہ چھوٹی ذاتوں کی لڑکی کے اولیاء کو کیوں نہیں؟ یہ کون سی بات ہوئی کہ مزعومہ شریف ذاتوں کی لڑکی کا نباہ تو مفروضہ رذیل ذاتوں کے گھرانہ میں نہیں ہوسکتا، لیکن موہومہ چھوٹی ذات کی لڑکی کا نباہ خودساختہ بڑی ذاتوں کے گھرانہ میں ہوسکتا ہے؟ اسی سے متعلق ایک سوال یہ بھی ہے کہ نباہ ہونے کا معیار کیا ہے؟ کیوں کہ ہر شخص

کا اپنا اپنا معیار ہوتا ہے اور ہر زمانہ میں وقت اور جگہ کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، اس میں کسی خاص ذات اور برادری کی قید نہیں ہے؟ جب معاملہ ایسا ہے تو نباہ کا معیار لڑکا اور لڑکی طے کریں گے یا ہمارے علماء کرام؟

اگر مزعومہ بڑی ذاتوں کی لڑکی کے اولیاء کو فسخ نکاح کا حق اس لیے دیا جاتا ہے کہ لڑکی کو دنیاوی تجربات نہیں ہوتے ہیں، جذبات میں آ کر وہ غیر کفو یعنی (موہومہ) چھوٹی ذاتوں میں شادی کر لیتی ہے اور اس کے اولیاء کو اچھی طرح علم ہوتا ہے کہ اس کا نباہ کہاں ممکن ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اگر خوساختہ اونچی ذاتوں سے تعلق رکھنے والی عاقل بالغ لڑکی کے اولیاء اس کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر غیر کفو یعنی (مفروضہ) نیچی ذاتوں میں کر دیتے ہیں تو فقہاء اور علماء لڑکی کو اس غیر کفو نکاح کو فسخ کر دینے کا حق کیوں دیتے ہیں؟ کیوں کہ ان کے مطابق اس کے اولیاء نے نباہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی اس کی شادی غیر کفو (موہومہ) نیچی ذاتوں میں کی تھی۔؟

اسی سے متعلق ایک سوال یہ بھی ہے کہ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی مزعومہ چھوٹی برادریوں کی عاقل بالغ لڑکی کے اولیاء اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح خودساختہ بڑی ذاتوں میں کر دیں تو ایسی صورت میں لڑکی کو فسخ نکاح کا حق کیوں نہیں دیا جاتا ہے؟

آخر اس طرح کی جانب داری کیوں اور کس مقصد کے تحت آخر ان سے کیا کیا...... نہ سمجھا جائے اور ان کو کس کس...... چیز...... پر نہ محمول کیا جائے؟ یہ سب ایسے چبھتے سوالات ہیں جو ان تمام لوگوں سے جواب کے طلب گار ہیں جو دل میں کچھ اور زبان پہ کچھ اور رکھ کر مروجہ وفقہی مسئلہ کفو کو بیان کرتے ہیں۔

(۱۹۵) الدکتور وهبة الزحيلی :الفقه الاسلامي وادلته - كتاب النكاح -الباب الخامس : الكفاءة في الزواج ۲٤۲/۷، علمائے هند:الفتاوى العالمكيرية(الفتاوى الهندية) كتاب النكاح الباب الخامس في الاكفاء -ومنها اسلام الآباء ۱۳/۲، السيد السابق :فقه السنة -كتاب الزواج باب الكفاءة في الزواج ۱۳۸/۲، علامه ابوبكر بن مسعود:بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ـ كتاب النكاح، فصل ومنها الكفاءة ۳۱۹/۲/۱، برهان الدين المرغيناني :الهداية ـ كتاب النكاح، باب الاولياء والاكفاء ،فصل في الكفاءة ۳۲۱/۲، مولانا احمد رضا خان:فتاوی رضویه ،مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی :فتاوی دارالعلوم دیوبند، مولانا اشرف علی تھانوی: امداد الفتاوی

(۱۹۶) جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں ایک طلبہ تنظیم ہے ''پروگریسیو اسٹوڈنٹس یونین (Progressive students' Union-PSU)۔ اس کے صدر سرپانڈے [ابھیناش پانڈے] ہیں، جو برہمن ذات کے ہیں، اس تنظیم اور استری ادھیکار سنگھٹن (Stree Adheekar sangathan) نے ۲۵ر دسمبر ۲۰۰۳ء کو جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں منوسمرتی دہن'' کا پروگرام منعقد کیا تھا؛ کیوں کہ یہ کتاب ذات پات سے بھری پڑی ہے۔ اس پروگرام میں راقم الحروف بذات خود سامع کی حیثیت سے موجود تھا۔ سرپانڈے صاحب نے بذات خود اس پروگرام کی کونیز تنگ کی اور منوسمرتی کو جلایا اس پروگرام کی تفصیلات باب دوم کے حاشیہ میں گزر چکی ہیں۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں ایک اور بہت ہی مضبوط تنظیم آل انڈیا اسٹوڈینٹس ایسوی ایشن (AISA) ہے، جو ذات پات کے خلاف اور مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ بولتی ہے۔ اس کے جنرل سکریٹری جناب اودھیش کمار ترپاٹھی ہیں، جو یونیورسٹی طلبہ یونین کے الیکشن ۲۰۰۴ء میں جنرل سکریٹری کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ یہ نہ صرف برہمن برادری کے ہیں بلکہ ہندوؤں کے مکہ کہے جانے والے شہر ''الہ آباد'' کی برہمن ذات کے ہیں، لیکن ہمیشہ اپنی

تقریروں میں ذات پات برہمن واد، منوواد اور دلتوں کے اوپر ہو رہے مظالم کے خلاف بولتے ہیں۔ نیز وہ تمام نعرے لگاتے ہیں جن کا ذکر اوپر متن میں ہوا ہے۔

(۱۹۷) ۱۴ راپریل ۲۰۰۴ء کو امبیڈکر جینتی کے موقع پر یونیورسٹی کے اندر اکھل بھارتی ودھیارتی پریشد (ABVP) نے جو پوسٹر لگایا تھا اس کی عبارت اس طرح ہے:

ABVP pays tributes to Babasaheb Dr. B.R. Ambedkar on his 113th Birth anniversary. Ambedkar Jayanti 14th April, 2004

اکھل بھارتی ودھیا بھارتی پریشد ڈاکٹر امبیڈکر کو ان کے یوم پیدائش کے ایک سو تیرہویں سال گرہ کے موقع پر خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔ امبیڈکر جینتی ۱۴ راپریل ۲۰۰۴ء

(یہ پوسٹر راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے)

(۱۹۸) اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے بھی اس کتاب میں بڑے اہتمام کے ساتھ اکثر لوگوں کے نام کے آگے ان کی ذات کا تذکرہ کیا ہے۔ ایسا میں نے کیوں کیا ہے اس کا جواب وجہ تالیف کے حاشیہ میں دیکھا جائے۔

مصادر

عربی

١-القرآن الكريم.

٢- ابوداؤد،الامام سليمان بن اشعث : السنن مع شرحهامعالم السنن ،تحقيق: محمدحامدالفتي- مكتبة السنة الحميدية.

٣-ابن اثير، الامام على بن ابى الكرم: الكامل فى التاريخ، دارصادر، دار بيروت- بيروت ١٣٨٥ھ/١٩٦٥م.

٤-ابن بطوطة،محمدبن عبدالله: رحلة ابن بطوطة -المسماة بـ: تحفة النظارفى غرائب الامصاروعجائب الاسفار،دارالكتاب اللبنانى- بيروت- ١٣٨٦ھ١٩٦٦م.

٥-ابن خلدون،العلامة عبدالرحمن: كتاب العبروديوان المبتداء والخبر فى ايام العرب والعجم والبربر ومن عاصرهم من ذوى السلطان الاكبر-[تاريخ العلامة ابن خلدون]،دارالكتب اللبنانى- بيروت ص-ب-٣١٧٦، ١٩٥٨م.

٦-ابن خلقان، العلامة شمس الدين احمد :وفيات الاعيان وانباء ابناء الزمان، حققه: الدكتوراحسان عباس -دارالثقافة ،بيروت ،لبنان.

٧-ابن سعد الامام محمد:الطبقات الكبرى ،داربيروت -١٣٧٧ھ /١٩٥٨م.

٨-ابن قتيبة ،عبد الله بن مسلم الدينورى :كتاب المعارف، حققه: الدكتور ثروت عكاثه، مطبعه دارالكتب-القاهرة- ١٩٦٠م .

٩- ابن قدامة،العلامة عبدالله بن احمد :المغنى ،مكتبة الرياض الحديثة ١٩٨١م.

١٠- ابن قدامة،العلامة عبدالله بن احمد: المقنع فقه الامام السنة احمدبن حنبل الشيبانى مع حاشية من خط الشيخ سليمان ابن الشيخ عبدالله، مطابع قطرالوطنية- الطبعة الثالثة ١٣٩٢ھ .

١١-ابن قيم الجوزية، الامام محمدبن ابى بكر: زادالمعاد فى هدية خيرالعباد، تحقيق، تخريج وتعليق: شعيب الارناؤوط -مؤسسة الرسالة ،الطبعة الخامسة ١٤٠٧ھ / ١٩٨٧م.

١٢-ابن ماجه ،الامام زكريابن محمد القزوينى :آثارالبلاد واخبارالعباد، دارصادر، بيروت ١٩٦٠م.

١٣-ابن ماجة، الامام محمدبن يزيدالقزوينى:السنن ،تحقيق: محمدمصطفى الاعظمى - شركة الطباعة- العربية السعودية ،الطباعةالثانية ١٩٨٤م.

١٤- ابن نجيم، الامام العلامة زين الدين: البحر الرائق شرح كنزالدقائق، مكتبة رشيدية

شرکی رود کوئٹہ پاکستان ۔
۱۵-العسقلانی، الامام حافظ احمدبن حجر: الاصابة فی تمییز الصحابة مع الاستیعاب فی اسماء الاصحاب، مطبعة،مصطفی محمدبمصر۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹م.
۱۶-العسقلانی،الامام حافظ احمد بن حجر: فتح الباری شرح الصحیح للبخاری، تحقیق:عبدالعزیزی عبدالله باز ،دارالمعرفة ،بیروت ۔
۱۷-الالبانی، الامام محمدناصرالدین: ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منارالسبیل، المکتب الاسلامی- الطباعة الثانیة ۱۹۸۵م.
۱۸-الکاسانی،العلامة علاء الدین ابوبکربن مسعود: بد ائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، شراکة المطبوعات ۱۳۲۷ھ.
۱۹-العینی ، الامام ابومحمدمحمودبن احمد : البنایة فی شرح الهدایة -المشهور بـ:العینی شرح الهدایة :-مطبع :نول کشور،لکهنو.
۲۰-العینی،الامام بدرالدین ابومحمد: عمدة القاری ،شرح الصحیح للبخاری، المکتبة الرشیدیة ،کوئٹه بلوچستان پاکستان -الطبعة الاولی ۱۴۰۶ھ.
۲۱-الیعقوبی،الامام احمدبن ابی یعقوب: تاریخ الیعقوبی، دارصادر،داربیروت ۱۳۷۹ھ /ه ۱۹۶۰م.
۲۲-المعبری،:الشیخ زین الدین بن عبدالعزیز: تحفة المجاهدین فی بعض اخبارالپرتگالین،مطبع التاریخ حیدرآباد دکن، ۳۰/فروری ۱۹۳۱م.
۱۳- العیدروسی ، الامام عبدالقادر:تاریخ النورالسافرعن اخبارالقرن العاشر،صححه وضبطه :الاستاذ محمد رشیدافندی الصفار-مطبعة الفرات -بغداد ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴م.
۲۴-الپانی پتی ، قاضی ثناء الله العثمانی الحنفی :التفسیرالمظهری ،اداره اشاعت العلوم لندوةالمصنفین دهلی- مارچ ۱۹۸۵م.
۲۵-الطبری،الامام ابو جعفر محمد بن جریر : تفسیرالطبری (جامع البیان عن تاویل آی القرآن)،حققه وخرج احادیثه: محمود محمد شاکر ، دارالمعارف بمصر، ۵شارع ماسبیرو- القاهره.
۲۶ -الطبری ، الامام ابوجعفرمحمدبن جریر: تاریخ الرسل والملوك (تاریخ الطبری)، تحقیق :محمد ابوالفضل ابراهیم -دارالمعارف بمصر،۱۱۱۹ -کورینش النیل، القاهرة -ج-ع -م .
۲۷- الکنانی ،الامام ابوالحسن علی بن محمد : تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاخبارالشنیعةوالموضوعة، دارالکتب العلمیة ، الطباعة الثانیة ۱۹۸۱م .
۲۸- الترمذی، الامام ابوعیسیٰ محمدبن عیسی: سنن جامع الترمذی : تحقیق: ابراهیم

عطوه عوض ،شركة مكتبة مصطفى البابى الحلبى واولاده بمصر،الطبعة الاولى، ١٩٦٢م.

٢٩-الترمذى، الامام ابوعيسىٰ محمدبن عيسى:جامع الترمذى مع تقرير حضرت شيخ الهند،كتب خانه رشيديه -جامع مسجد ـدهلى -٦.

٣٠- الجزرى ،الامام بن محمدبن اثير:جامع الاصول فى احاديث الرسول، تحقيق: عبد القادرالارناؤوط- مكتبة الحلوانى -١٩٦٩م.

٣١- القرطبى،الامام ابوعبدالله محمدبن احمد الانصارى :الجامع لاحكام القرآن (تفسيرالقرطبى): ،تحقيق عبدالرزاق المهدى -دارالكتاب العربى الطبعة الثالثة ١٤٢١ه/٢٠٠٠م .

٣٢- الدهلوى ،الامام شاه ولى الله :حجة الله البالغة،كتب خانه رشيديه دهلى، طبع اول ١٣٧٣ه .

٣٣- الشامى، الشيخ محمدامين :ردالمختارعلى الدرالمختا،عامرة، مصر، ١٢٨٧ه

٣٤- النسائى، الامام احمد بن شعيب :السنن مع شرحهاللحافظ السيوطى ،الطبعة المصرية -ازهر.

٣٥-الدارمى، الامام عبدالله بن عبدالرحمن : السنن : -المطبع النظامى- كان پور- ١٣٩٢ه.

٣٦-البيهقى ،الامام احمدبن حسين: السنن الكبرى مع الجوهرالنقى، دارالمعرفة- بيروت لبنان.

٣٧- البيهقى، الامام احمد بن حسين :معرفة السنن والآثار،دار قتيبه،دمشق، بيروت-الطبعة الاولى ١٤١١ه،١٩٩١م .

٣٨-النووى ، :الامام محى الدين بن شرف :شرح الصحيح المسلم،رياسة ادارة البحوث الاسلامية. .

٣٩-النووى الامام محى الدين بن شرف :كتاب المجموع شرح المهذب للشرازى، تحقيق : محمد نجيب المطيعى -داراحياء التراث العربى ،طبعة جديدة مصححة، ١٤١٥ه/١٩٩٥م .

٤٠ -الحنبلى ،العلامة ابوالفلاح عبدالحى بن العماد: شذرات الذهب فى اخبارمن ذهب،مكتبة القدسى ، ١٣٥٠ه .

٤١ -البخارى، الامام محمدبن اسماعيل :الصحيح،دارالفكر-١٩٨١م.

٤٢-البخارى، ابو كليب صديق بن حسين :الروضة الندرية شرح الدرر البهية، دارالمعرفة، بيروت لبنان.

٤٣ -القشيرى، الامام مسلم بن حجاج : الصحيح مع شرحه النووى،رياسة ادارة البحوث

الاسلامية .
٤٤ -القشيری ،الامام مسلم بن حجاج : الصحيح ، تحقيق، صهيب الكرمی، بيت الافكار الدولية، للنشرو التوزيع، ١٤١٩ھ ١٩٨٨م.
٤٥ -العظيم آبادی،العلامة ابوطيب محمدشمس الحق :عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ،دارالكتب العلمية، الطبعة الاولی ١٤٠٦ھ.
٤٦ -الاعظمی، الدكتورمحمدضياء الرحمن : فصول فی اديان الهند، دارالبخاری، المدينة المنورة،الطبعة الاولی ١٤٠٧ھ/١٩٩٧م.
٤٧ - البلاذری ، الامام احمدبن يحی :فتوح البلدان :-تحقيق وتعليق،عبدالله انيس الطباخ ، وعمرانيس الطباخ ،دارالنشرللجامعين ،١٣٧٧ھ/١٩٥٧م.
٤٨ - :العلامة الهمام مولاناالشيخ نظام وجماعة من علماء الهند العلام:الفتاوی الهندية (الفتاوی العالمكيرية)،مكتبة حقانية پشاور باكستان.
٤٩ -الزهيلی،الدكتوروهبة: الفقه الاسلامی وادلته ، دارالفكر- دمشق- الطبعة الثانية-١٩٨٥م.
٥٠ -السيدالسابق: فقه السنة ،دارالكتب العربية -بيروت -الطبعة الثمانية- ١٩٨٧م.
٥١ - الفروزآبادی ،الامام محمد بن يعقوب اللغوی :كتاب سفرالسعادة،المطبعة الوهبية -مصر- ١٢٩٤ھ.
٥٢ -الشيبانی،الامام احمد بن حنبل :المسند ،المكتبه العربيه،المكتب الاسلامی .
٥٣ -الشيبانی،الامام محمدبن حسن :كتاب الآثار، مطبع: انوارمحمد،لكهنؤ- ١٩٦٥م.
٥٤ - البرهان فوری،الشيخ علاء الدين الهندی: كنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال ، دائرالمعارف العثمانيه -حيدرآباد دكن ١٣١٢ھ.
٥٥ - الجزيری،الامام عبدالرحمٰن :كتاب الفقه علی المذاهب الاربعه، دارالفكر- دمشق.
٥٦ - الخراسانی، الامام سعيد بن منصور بن شعبة النملی :كتاب السنن ، حققه: العلامة حبيب الرحمن الاعظمی، علمی پريس ،ماليگائون -المجلس العلمی(سملك ڈابهيل) الهند- الطبعة الاولی .
٥٧ -السيوطی، الامام جلال الدين عبدالرحمٰن :اللالی المصنوعة فی الاحاديث الموضوعة ،المطبع العلوی محمد علی شمس خان اللكنوی، ١٣٠٣ھ.
٥٨ -الدمشقی،الامام محمد بن ابی بكر الحنبلی المعروف بـ ابن قيم الجوزيه: المنار المنيف فی الصحيح والضعيف، تحقيق: محمود مهدی الستانبوی، بدون التاريخ والمطبع.
٥٩ -الشهبی،الامام شهاب الدين احمد : المستطرف فی كل فن مستطرف، تحقيق: الدكتور مفيد محمد قميحة- دارالكتب العلمية -بيروت ،لبنان : الطبعة الاولی

۱٤٠٣ھ،۱۹۸۳م.
٦٠۔البلیاوی، مولانا عبدالحفیظ: مصباح اللغات، مکتبة برهان، اردو بازار، جامع مسجد۔دهلی ۔طبع پنج دهم۱۹۸٦م.
٦١ – الیسوعی، لویس معلوف: المنجد:، المکتبه الشرقیه ۔ الطبعة الثانیة والعشرون.
٦٢ – الحاکم، الامام ابو عبدالله النیسا پوری: المستدرك علی الصحیحین، دارالمعرفه، بیروت.
٦٣ – الحموی، الامام شهاب الدین یاقوت :معجم البلدان، دارصادر، داربیروت- ۱۳۷٥ھ ۱۹٥٦م.
٦٤ –الشوکانی، الامام محمدبن علی :نیل الاوطار، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصرالطبعة الثانیة ۱۹٥۱م.
٦٥ –المرغینانی، العلامة برهان الدین :الهدایة، کتب خانه رشیدیه –دهلی.
٦٦ –خان، سر سید احمد: تفسیر القرآن وهو الهدی و الفرقان، رفاه عام پریس لاهور.
٦٧ –عبدالرزاق، الامام : المصنف، تحقیق :العلامة حبیب الرحمن الاعظمی– المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعة الثانیة –۱۹۸۳م.
٦٨ –محمدزکریا، مولانا:اوجزالمسالك الی مؤطاالامام مالك، المکتبة الیحویة، یوپی.
٦٩ – مالك بن انس، الامام : المؤطا، اشرفی بلك ڈپو۔دیوبند۔ سهارن پور ۔ انڈیا.
۷۰ – محمدبن اسماعیل، الامام: سبل السلام شرح بلوغ المرام من ادلة الاحکام، تحقیق: فوازاحمدزمرلی، ابراهیم محمد، دارالریان للتراث، الطبعة الرابعة ۱۹۸۷م.

فارسی

۱-بدایونی، ملاعبدالقادر:منتخب التواریخ، تصحیح: کپتان ولیم ناسولیس، ومنشی احمد علی-درکالج پریس طبع شد-کلکته۱۸٦٥م
۲-پانی پتی، مولانا قاضی ثناءاللہ عثمانی حنفی: مالابدمنہ مع حاشیہ اردو، کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی مفتی دارالعلوم دیوبند-کتب خانہ امدادیہ، دیوبند-یوپی۔
۳-جہانیان جہاں گشت، حسین المعروف ب جلال الدین: سراج الہدایۃ، ملفوظات حسین المعروف ب جلال الدین جہانیان جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ-مرتبہ: قاضی سجاد حسین، شائع کردہ: انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ-۳۵-فیروزشاہ روڈ، نئی دہلی-سنہ اشاعت۱۹۸۳م۔
۴-دہلوی، شیخ عبدالحق محدث: کتاب شرح سفرالسعادۃ-افضل المطابع، کلکتہ۱۲۵۲ھ م

اردو

۱-آرنلڈ، ٹی ڈبلیو: دعوت اسلام(T.W. Arnold: Preaching of Islam) اردو ترجمہ: ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، محکمہ اوقاف لاہور، پاکستان ۱۹۷۲ء۔

۲-آزاد، مولانا ابوالکلام: مسئلہ خلافت، مکتبہ احباب وسن پورہ لاہور، پاکستان، مطبع استقلال پریس لکھنؤ۔

۳-آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (مرتب): مجموعہ قوانین اسلامی، شائع کردہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 76A/I، اوکھلا مین مارکیٹ، جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵-سال طباعت مئی ۲۰۰۱ء۔

۴-اشرف، ڈاکٹر کنور محمد: ہندستانی معاشرہ عہد وسطی میں، اردو ترجمہ: قمر الدین، نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی۔

۵-اصغر حسین، مولانا سید: رسالہ مساوات اسلامی کی بعض روایات کے متعلق ایک مفصل جواب، مطبع وناشر غیر مذکور۔

۶-اصلاحی، مولانا سلطان احمد: اسلام کا تصور مساوات، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی-باراول اکتوبر ۱۹۸۵ء۔

۷-اصلاحی، مولانا امین احسن: تدبر قرآن، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور پاکستان، طبع سوم ۱۹۷۶ء۔

۸-اصلاحی، مولانا صدر الدین: نکاح کے اسلامی قوانین، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، باراول جون ۱۹۷۸ء۔

۹-اوم پرکاش: اورنگ زیب ایک نیا زاویۂ نظر: اردو ترجمہ: فیضان رشید، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ-اشاعت ثانی ۱۹۹۸ء۔

۱۰- الاعظمی، مولانا حبیب الرحمٰن: انساب وکفاءت کی شرعی حیثیت، المجمع العلمی-مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ پوسٹ بکس: ا-مئوناتھ بھنجن مئو-۲۷۵۱۰۱، اشاعت اول ۱۹۹۹ء۔

۱۱-الاعظمی مولانا حبیب الرحمٰن: تذکرۃ النساجین (دست کار اہل شرف)، المجمع العلمی-مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ، پوسٹ بکس: ا، مئوناتھ بھنجن-مئو ۲۷۵۱۰۱-۱۹۸۵ء۔

۱۲-اعظمی، مولانا حکیم شمس الدین مقیم مالیگاؤں-از: قوم مؤمن نورباف: رسالہ نہایات الارب فی غایات النسب-مؤلفہ-جناب مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند پر منصفانہ تبصرہ، مقام اشاعت: مظہر یہ دواخانہ محمد علی روڈ مالیگاؤں-مطبوعہ بمبئی خوب برقی پریس دہلی-شعبان ۱۳۵۳ھ

۱۳-امجد علی، مولانا محمد: بہار شریعت، کتب خانہ اہل سنت ۲۰۶/۹۸، ناظر باغ، کان پور۔

۱۴-ابوشرجیل: حلالہ کی چھری، الکتاب انٹرنیشنل، مردی روڈ بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر-نئی دہلی-۲۵، اشاعت اول، فروری ۲۰۰۴ء۔

۱۵-امجدی، فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد: خطبات محرم و نا شرین: ابرار احمد اوران کے ساتھی - ملنے کا پتہ : کتب خانہ امجدیہ براؤں شریف ۲۷۲۱۵۳، ضلع بستی، یوپی، باراول ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء۔

۱۶-امبیکر، ڈاکٹر بھیم راؤ: رام اور کرشن کا معمہ: (Riddle of Ram & Krishna) اردو ترجمہ: پروفیسر خلیل الرحمٰن اور اقبال احمد ایڈوکیٹ - دلت ساہتیہ اکیڈمی، ۱۰۹ ساتواں کراس، پیالیس لور آرچرڈس، بنگلور-۵۶۰۰۰۳۔

۱۷-ارشد القادری، مولانا: زیروزبر، مکتبہ جام نور، جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶، سنہ اشاعت مئی ۱۹۸۶ء۔

۱۸-ابن بطوطہ، محمد بن عبداللہ: سفرنامہ ابن بطوطہ (رحلۃ ابن بطوطہ - المسماۃ ب تحفۃ النظار فی غراب الامصار وعجائب الاسفار)، اردو ترجمہ: مولانا رئیس احمد جعفری ندوی، ناشر: نفیس اکیڈمی، طباعت: ایجوکیشنل پریس کراچی، طبع اول، دسمبر ۱۹۶۱ء۔

۱۹- امرتسری، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ: فتاویٰ ثنائیہ، مرتب: مولانا محمد داؤد راز - محشی بحواشی شیخ الحدیث مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی - ناشر: جمعیت اہلِ حدیث ہند، اہلِ حدیث منزل، جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶-سن اشاعت: اکتوبر ۲۰۰۲ء۔

۲۰- امرتسری، ابوالامان: گرنتھ صاحب اور اسلام - تاریخ تعلیم اور اسلامی عناصر، ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۵، کلب روڈ، لاہور، پاکستان۔

۲۱- امرتسری، امرتسری: سکھ مسلم تاریخ حقیقت کے آئینے میں، ادارہ ثقافت اسلامیہ، پاکستان، ۵ کلب روڈ لاہور- پاکستان- طبع اول ۱۹۵۸ء۔

۲۳-اکرام، ایس ایم: یادگار شبلی، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲، کلب روڈ، لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۴ء۔

۲۲-اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد: کلیات اقبال، مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی-۶ طبع چہارم، جون ۱۹۹۴ء

۲۴-بانچتی، متین طارق: اسلام اور رواداری: - مرکزی مکتبہ اسلامی - دہلی، باراول، جنوری ۱۹۹۶ء۔

۲۵-باغپتی، متین طارق: دعوت حق اور غیر مسلم، مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی، باردوم، فروری ۱۹۹۰ء۔

۲۶-باغپتی، متین طارق: مذاہب عالم اور اسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی-۶ طبع اول ۱۹۹۰ء۔

۲۷-بالمیکی، مہارشی: بالمیکی رامائن (رامائن بالمیکی بھاشا)، اردو ترجمہ: ہر بھگت گیانی پرمیشر دیال صاحب مختار مطبع منشی نول کشور، کانپور، باردوم، مارچ ۱۹۱۶ء۔

۲۸-برنی، مولانا سید ضیاء الدین: تاریخ فیروز شاہی، اردو ترجمہ: ڈاکٹر سید معین الحق - اردو سائنس بورڈ ۲۲۹، اپر مال لاہور- پاکستان - دوسرا ایڈیشن جولائی ۱۹۸۳ء۔

۲۹-بنگلوری محمود خان محمود: تاریخ سلطنت خداداد (میسور)، ہمالیہ بک ہاؤس، دہلی، فروری ۱۹۸۳ء۔

۳۰-بدایونی، ملا عبدالقادر: منتخب التواریخ، اردو ترجمہ: احتشام الدین، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ بار دوم ۱۸۸۹ء
۳۱-پریم چند، منشی: قرون وسطی میں ہندستانی تہذیب، الہ آباد ہندستانی اکیڈمی، یوپی، ہندستانی پریس الہ آباد ۱۹۳۱ء۔
۳۲-بستوی مولانا مفتی عتیق احمد: فقہی سیمینار، حقائق اور وضاحتیں، مکتبہ الارشاد، سی۔۱۷، ابوالفضل انکلیو، پارٹ۔۱، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۲۵۔
۳۳-پانی پتی، قاضی ثناء اللہ عثمانی حنفی: تفسیر مظہری (التفسیر المظہری)، اردو ترجمہ: سید عبدالدائم الجلالی -دارالاشاعت ندوۃ المصنفین کراچی، پاکستان-طبع اول ۱۴۱۱ھ۔
۳۴-تاراچند، ڈاکٹر: اسلام کا ہندستانی تہذیب پر اثر (Influence of Islam on Indian culture)، اردو ترجمہ: چودھری رحیم علی الہاشمی- آزاد کتاب گھر، کلاں محل دہلی بار اول ۱۹۶۶ء۔
۳۵-تاراچند، ڈاکٹر: اہل ہند کی مختصر تاریخ -تاریخی زمانہ کے قبل سے موجودہ زمانہ تک- (A Short History Of Indian People)، اردو اکیڈمی (رجسٹرڈ) ۱۹۶۸ء۔
۳۶-تھانوی، مولانا اشرف علی: امداد الفتاوی، تبویب و ترتیب جدید: مولانا مفتی محمد شفیع، تصحیح و حاشیہ جدید: مولانا مفتی احمد صاحب پالن پوری استاد دارالعلوم دیوبند-ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند، یوپی۔
۳۷-تھانوی، مولانا اشرف علی: بہشتی زیور مع بہشتی گوہر نظر ثانی شدہ، تاج کمپنی دہلی۔
۳۸-تھانوی، مولانا اشرف علی: بوادر النوادر، تصحیح: مفتی محمد شفیع عثمانی- مکتبہ جاوید دیوبند، دوسرا ایڈیشن۔
۳۹-تھانوی، مولانا اشرف علی: حسن العزیز یعنی ملفوظات اشرفیہ، مرتب: مولوی محمد یوسف بجنوری، مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر، کتب خانہ امداد الغرباء- سہارن پور (یوپی) بار دوم ۱۳۸۵ھ
۴۰-تھانوی، مولانا اشرف علی: دین کی باتیں، دینی بکڈپو، اردو بازار، دہلی۔
۴۱-تھانوی، مولانا اشرف علی: دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام، ترتیب: محمد زید مظاہری- ادارہ افادات اشرفیہ، ہتوڑا باندہ، یوپی، جدید ایڈیشن ۱۹۹۲ء۔
۴۲-تھانوی، مولانا اشرف علی: سلسلۂ مواعظ اشرفیہ جلد: ۷، حقیقت عبادت: مرتب: منشی عبدالرحمن خان -مکتبہ اشرفیہ بمبئی، ترتیب جدید۔
۴۳-تھانوی، مولانا اشرف علی: سلسلۂ مواعظ اشرفیہ جلد: ۲۰، حقوق الزوجین، مرتب: منشی عبدالرحمن خان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، پاکستان۔
۴۴-تھانوی، مولانا اشرف علی: کمالات اشرفیہ، مرتب: مولانا عیسی صاحب الہ آبادی، خلیفہ حکیم الامت

مولانا اشرف علی تھانوی، ادارہ تالیفات، اشرفیہ، ۸ تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر۔

۴۵- تھانوی، مولانا اشرف علی: وصل السبب فی فصل النسب مع نہایات الارب فی غایات النسب لمولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، ناشر: جمعیۃ المصلحین، سہارن پور، یوپی، نظر ثانی شدہ، منقح اور دوسرا ایڈیشن

۴۶- جنگ ولا، شمس العلماء نواب عزیز: تاریخ النوائط، ناشر: ولا اکیڈمی، عزیزی باغ، سلطان پورہ، حیدرآباد ۲۴-اے پی، اشاعت دوم ۱۹۷۶ء۔

۴۷- جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سیزدہم منعقدہ لاہور کی مختصر رپورٹ، (مصنف غیر معلوم) دفتر مرکزی جمعیۃ علماء ہند دہلی- (گلی قاسم جان) مطبوعہ: محبوب المطابع پریس- دہلی۔

۴۸- حبیب احمد، قاری: اسلام اور ترقی، (مصدقہ بہ: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)، ادارہ اصلاح معاشرہ ڈالی گنج، نزد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ- ۱۹۹۵ء۔

۴۹- حکیم، شبیر احمد: حیاکت کی حکایت، مطبوعہ: نورانی پریس مالیگاؤں- ۱۹۹۱ء۔

۵۰- حسینی، مولانا حافظ سید محمد علی: دین تصوف وطریقت، الاوراق پبلیشرز اینڈ بک سیلرز- ۲۴۵۷/۱۷، کرما گوڑہ، سعید آباد، حیدرآباد، آندھرا پردیش۔

۵۱- حسینی، مولانا محمد عثمان فاضل دیوبند مالیگاونوی: کتاب نہایات الارب فی غایات النسب- الکاسب حبیب اللہ کو جھٹلانے والے علماء- مفتی دار العلوم دیوبند اور مساوات اسلامی، ناشر: جمعیت مومن انصار سہارن پو، ہمدرد پریس سہارن پور۔

۵۲- حامد علی، مولانا: نسلی امتیازات مختلف سماجوں میں، ادارہ شہادت حق، پوسٹ بکس ۹۷۰۲، جامعہ نگر- نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵- طبع اول ۱۹۸۸ء۔

۵۳- حامد علی، : مولانا سید: سکھ مت اور توحید، ادارہ شہادت حق، خیر نگر گیٹ، میرٹھ۔

۵۴- خان، سر سید احمد: اسباب بغاوت ہند مع مقدمہ فوق کریمی، یونیوٹی پبلشرز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، پہلا ایڈیشن ۱۵/ اگست ۱۹۵۸ء۔

۵۵- خان، سر سید احمد: خطبات سرسید، مرتب: محمد اسماعیل پانی پتی، ناشر: پروفیسر حمید احمد خاں ناظم مجلس ترقی ادب لاہور پاکستان- زین آرٹ پریس- طبع اول جون ۱۹۷۳ء۔

۵۶- خان، مولانا وحید الدین: تبلیغی تحریک- شخصیات، تعارف، خصوصیات، مکتبہ الرسالہ، نظام الدین ویسٹ مارکیٹ، نئی دہلی- ۱۱۰۰۱۳، طبع: ۲۰۰۰ء۔

۵۷- خان، ابو الفہیم وحید علی: رواداری ہندستانی سماج میں:، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز دہلی، طبع اول جنوری ۱۹۹۷ء۔

۵۸- خاں، پروفیسر محمد رفیق: سکھ مذہب، دار التالیف والترجمہ وارانسی (بنارس)- طبع اول ۱۹۹۳ء

۵۹- خان، مولانا سید نواب صدیق حسن: اختیار السعادۃ بایثار العلم علی العبادۃ، مطبع وسن اشاعت غیر مذکورہ۔

۶۰- خان، مولانا احمد رضا: فتاوی رضویہ، تحقیق وتصحیح وتحشیہ: مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری آستانہ پریس بریلی- یوپی، نیز- ناشر: محمد یامین نعیمی اشرفی خادم جامعہ نعیمیہ مراد آباد، ملنے کا پتہ: مکتبہ نعیمیہ دیپہ سرائے سنبھل، ضلع مراد آباد، یوپی- ۲۴۴۳۰۲۔

۶۱- خان، مولانا احمد رضا: الملفوظ (ملفوظات)، مؤلف ومرتب: مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان قادری، ناشر رضوی کتب خانہ محلہ بہاری پور بریلی، مطبوعہ یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ- باردوم ۲۸/ ۵/ ۳۳ (۱۹۳۳ء)، قادری کتاب گھر، اسلامیہ مارکیٹ، نزد نو محلہ مسجد، بریلی شریف، یوپی اشاعت اول ۱۹۹۵ء/ ۱۴۱۵ھ۔

۶۲- خان، ڈاکٹر اشفاق محمد (مرتب): ہندستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل، پیٹریاٹ پبلی شرز لنک ہاؤس بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲، مطبع اول ۱۹۹۰ء۔

۶۳- خو پوری، عبد الحلیم: صوبہ بہار کے ملک کی تاریخ، حلیمی پریس نمبر ۹۹، چترنجن ایونیو، کلکتہ، دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۲ء۔

۶۴- دانش گاہ پنجاب لاہور: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر اہتمام پاکستان- طبع اول ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء۔

۶۵- دہلوی، شیخ الکل فی الکل مولانا سید محمد نذیر حسین: فتاوی نذیریہ (مبوب ومترجم)، ناشر: ادارہ نور الایمان ۱۴۲۱- اجمیری گیٹ دہلی: ۶ طبع سوم ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۶۶- دہلوی، شاہ ولی اللہ: فقہ عمرؓ رسالہ در مذہب فاروق اعظم، اردو ترجمہ: ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، طبع اول ۱۹۹۰ء۔

۶۷- دہلوی، امام شاہ ولی اللہ: نعمۃ اللہ البالغۃ (حجۃ اللہ البالغۃ)، اردو ترجمہ: علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی، پاکستان۔

۶۸- دہلوی، مولانا مفتی کفایت اللہ: کفایت المفتی، جامع ومؤلف وناشر: حفیظ الرحمٰن واصف، مطبوعہ: کوہ نور پریس دہلی، سن طباعت ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء۔

۶۹- دیانند سرسوتی، پنڈت: ستیارتھ پرکاش، ترمیم وتدوین: سوامی ویدآنند جی تیرتھ، اردو ترجمہ: پنڈت چموپتی جی، سارودیشک آریہ پرتی ندھی سبھا- مہرشی دیانند دہلی بھون، رام لیلا میدان نئی دہلی- ۲

۷۰- دستور جماعت اسلامی ہند، مرکز جماعت اسلامی ہند، دعوت نگر، ابو الفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۰ء۔

۷۱- دھرم پال، غازی محمود- ایڈیٹر: "المسلم" لدھیانہ: آریہ سماج اور سوامی دیانند، اسلامیہ اسٹڈیم پریس لاہور، پاکستان، پہلا ایڈیشن۔

۷۲- راجیند ر: برہمنی عیاری سے مسلمانوں کی غفلت (Muslim faliure to see through Brahminical tricks)، اردو ترجمہ: اقبال احمد شریف ایڈوکیٹ، پیش لفظ: وی. ٹی. راج شیکھر، شائع کردہ: دلت ساہتیہ اکاڈمی۔۱۰۹ ساتویں کراس، پیالیس لوئر آرچرڈس، بنگلور ۵۶۰۰۰۳۔

۷۳- رائے، لالہ لاجپت: آریہ سماج کی تاریخ، نظر ثانی واضافہ وتدوین: سری رام شرما- اردو ترجمہ: کشور سلطان، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان -نئی دہلی، دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۷ء، سلسلہ مطبوعات: ۷۶۳۔

۷۴- رائے بریلوی، مفتی محمد ساجد قریشی: تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد، مصدقہ ومؤثقہ: اکابر دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم، سہارن پور وندوۃ العلماء لکھنؤ وجمعیۃ علماء ہند- ناشر: کتب خانہ تفسیر القرآن، بنی مادھوگنج ضلع: رائے بریلی- ۲۲۹۲۱۶، سن اشاعت: محرم الحرام ۱۴۲۱ھ۔

۷۵- رائے بریلوی، مفتی محمد ساجد قریشی: تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد- تلخیص حسب فرمان: سید العلماء ندائے ملک وملت جانشین شیخ الاسلام امیر الہند حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ، صدر جمعیۃ علماء ہند۔ مصدقہ ومؤلفہ: اکابر دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، ندوۃ العلماء، لکھنو جمعیۃ علماء ہند،- ناشر: مدرسہ اسلامیہ عربیہ برن پور ضلع بردوان مغربی بنگال دوسرا ایڈیشن شوال المکرم ۱۴۲۲ھ۔

۷۶- رحمانی، مولانا خالد سیف اللہ: جدید فقہی مسائل، ناشر: قاضی پبلیشرز اینڈ ڈسٹر بیوٹرز- بی ۳۵ بیسمنٹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی -۱۳، ایڈیشن ۱۹۹۱ء۔

۷۷- ریاض احمد: کفو، برادری واد اور اسلام، شائع کردہ: شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند، ڈی ۳۱۴، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵، اشاعت نومبر ۲۰۰۶ء۔

۷۸- زبیری، حکیم نعیم الدین: اشاریہ ترجمان القرآن ۱۹۲۲ تا ۱۹۷۶ء، ناشر: ادارہ معارف اسلامی کراچی طبع اول ۱۹۸۵ء۔

۷۹- سری نواس، ایم. این: جدید ہندستان میں ذات پات، اردو ترجمہ: شہباز حسین، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء۔

۸۰- سنبھلی، مولانا محمد حیات: رفع النقب عن النسب والکسب معروف بہ: بہار صنعت وحرفت، قومی

کتب خانہ پریس بریلی، پہلا ایڈیشن ۱۹۴۶ء۔

۸۱- سنبھلی، مولانا برہان الدین: معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، پوسٹ بکس-۱۱۹، لکھنؤ (دار العلوم ندوۃ العلماء) باردوم ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

۸۲- سنگھ، میجر بلبیر: سکھ مت، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری طبع اول ۱۹۹۴ء۔

۸۳- شیکھر، وی.ٹی راج: بھودیوتاؤں کی بات چیت (Dialogue of Bhoodevtas)، اردو ترجمہ: پروفیسر خلیل الرحمٰن، ایس مجیب ایڈوکیٹ، اقبال احمد شریف ایڈوکیٹ- دلت ساہتیہ اکیڈمی- ۱۰۹ ساتواں کراس، پیالیس لوئر آرچرڈس- بنگلور ۵۶۰۰۰۳۔

۸۴- شہید، مولانا شاہ محمد اسماعیل: تقویۃ الایمان مع تذکرۃ الاخوان بقیۃ تقویۃ الایمان، مطبع مجتبائی دہلی۔

۸۵- شہید، مولانا شاہ محمد اسماعیل: صراط مستقیم، اردو، مترجم غیر معلوم، ناشر: منیجر کتب خانہ اشرفیہ، راشد کمپنی دیوبند۔

۸۶- شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند (مرتب): جماعت اسلامی ہند کی میقاتی پالیسی اور پروگرام اپریل ۱۹۹۹ء تا مارچ ۲۰۰۳ء، جاری کردہ: شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی-۲۵، طبع اول جولائی ۱۹۹۹ء۔

۸۷- شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند (مرتب): جماعت اسلامی ہند کی میقاتی پالیسی اور پروگرام اپریل ۲۰۰۳ء تا مارچ ۲۰۰۷ء، جاری کردہ: شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو اوکھلا، نئی دہلی-۲۵، طبع اول جون ۲۰۰۳ء۔

۸۸- شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند (مرتب): روداد مجلس شوری جماعت اسلامی ہند ۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۶ء، ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ باراول ستمبر ۱۹۶۶ء۔

۸۹- شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ہند (مرتب): روداد مجلس شوری جماعت اسلامی ہند- مئی ۱۹۶۷ء تا ۱۹۸۹ء، ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ باراول ستمبر ۱۹۸۹ء۔

۹۰- شرما، ڈاکٹر رام شرن: قدیم ہندستان میں شودر، اردو ترجمہ: جمال محمد صدیقی، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، طبع اول ۱۹۷۹ء۔

۹۱- شرما، ڈاکٹر رام شرن: سماجی تبدیلیاں ازمنہ وسطی کے ہندستان میں-۵۰۰ سے ۱۲۰۰ سن عیسوی: اردو ترجمہ: قاضی عبدالرحمٰن، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دہلی۔

۹۲- شاہ آبادی، میاں محمد زین العابدین بی اے: واقعات راعین یعنی سبزی فروش برادری کے مختصر حالات، ناشر، جمعیۃ الراعین، مظفرنگر یوپی ۱۹۷۴ء۔

۹۳- صباح الدین عبدالرحمٰن، سید: ہندستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک، دارالمصنفین، معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء۔
۹۴- صدیقی، عتیق احمد: ۱۸۵۷ء کے اخبارات اور دستاویزیں، مطبوعہ اعظم گڑھ۔
۹۵- عتیق صدیقی: سرسید احمد خان ایک سیاسی مطالعہ، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی، بار اول ۱۹۷۷ء۔
۹۶- عبدالکریم، مولانا: القول الرفیع فی الذب عن الشفیع، مورخہ ۱۲/رجب ۱۳۵۳ھ مطبع و ناشر غیر مذکور۔
۹۷- عبداللہ دانش: مسلم معاشرے میں برادری واد، شوشن ورودھی منچ سی 76-ابوالفضل انکلیو2، (شاہین باغ) نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵- اشاعت اول مارچ ۱۹۹۷ء۔
۹۸- عثمان، صلاح الدین: آر ایس ایس تعلیمات و مقاصد، مطبع: نظامی آفسیٹ پریس لکھنؤ، ۱۹۹۳ء، ناشر: مصنف۔
۹۹- عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع: نہایات الارب فی غایات النسب مع وصل السبب فی فصل النسب لمولانا اشرف علی تھانوی، ناشر: جمعية المصلحين، سہارن پور، نظر ثانی شدہ، منقح اور دوسرا اڈیشن
۱۰۰- عثمانی، مولانا مفتی محمد تقی: اصلاحی خطبات، مکتبہ مدینہ، دیوبند، اشاعت اول نومبر ۱۹۹۹ء۔
۱۰۱- عثمانی: مفتی عزیز الرحمٰن: فتاوی دارالعلوم دیوبند، مرتب: مولانا مفتی محمد ظفیر الدین -شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند، یوپی، طبع اول جنوری ۱۹۷۲ء۔
۱۰۲- عثمانی، مولانا شبیر احمد: فوائد عثمانی علی ترجمۃ القرآن الکریم لشیخ الہند العلامہ محمود الحسن، شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلکس، مدینہ منورہ- ۱۹۹۳ء۔
۱۰۳- عثمانی، مولانا محسن [ندوی]: مطالعہ مذاہب، یونیورسل پیس فاونڈیشن، عرفی اپارٹمنٹ ۱۶۳/بی -۳، جوگابائی ایکسٹینشن، جامعہ نگر، نئی دہلی- ۲۵، مطبوعہ ۱۹۹۸ء۔
۱۰۴- غوری، پروفیسر عمر حیات خاں: ہندستان میں ملی مسائل، ہندستان پبلیکیشنز، دہلی۔
۱۰۵- فاروقی، عماد الحسن آزاد: دنیا کے بڑے مذہب:- مکتبہ جامعہ لیمیٹیڈ، جامعہ نگر- نئی دہلی ۱۹۸۶ء۔
۱۰۶- فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ، اردو ترجمہ: عبدالحی خواجہ ایم-اے- مکتبہ ملت دیوبند یوپی- ۱۹۸۳ء۔
۱۰۷- فلاحی، ڈاکٹر عبیداللہ فہد: تاریخ دعوت و جہاد- برصغیر کے تناظر میں، ہندستان پبلیکیشرز- دہلی، اشاعت اول، جنوری ۱۹۸۴ء۔
۱۰۸- فلاحی: ڈاکٹر عبیداللہ فہد: تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی کی دعوت میں یکسانیت، دانش بکڈپو، ٹانڈہ، فیض آباد- یوپی۔
۱۰۹- فیروز الدین، مولوی: فیروز اللغات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی-۶- سن اشاعت ۲۰۰۰ء

۱۱۰-فہمی، شوکت علی: ہندستان پر مغلوں کی حکومت، دین و دنیا پبلیشنگ کمپنی، دہلی جدید ایڈیشن۔

۱۱۱-کوسمبی، ڈی۔ ڈی: قدیم ہندستان کی ثقافت وتہذیب-تاریخی پس منظر میں (The culture and civilization of Ancient India in historical outline)، اردو ترجمہ: بالمکند عرش ملسیانی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، طبع ثانی ۱۹۹۸ء۔

۱۱۲-گنگوہی، مفتی محمود حسن: فتاوی محمودیہ، مرتب: محمد مولانا محمد فاروق-مکتبہ محمودیہ-متصل جامعہ محمودیہ نوگزہ پیر، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ، سن اشاعت: ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ جولائی ۱۹۸۶ء

۱۱۳-گیانی، عبداللہ صاحب: ہندو دھرم گرونانک کی نظر میں، دشوا یکتا پرکاشن، انگوری باغ، رام پور یوپی ۲۴۴۹۰۱، ۱۹۹۶ء۔

۱۱۴-منو: منوسمرتی (یعنی منو دھرم شاستر بھرک سنکتا)-اردو ترجمہ: لالہ سوامی دیال صاحب، مطبع، نول کشور، کان پور، بار دوم، جولائی ۱۹۰۸ء۔

۱۱۵-منہاج سراج، ابو عمر منہاج الدین عثمان: طبقات ناصری، اردو ترجمہ: غلام رسول مہر-نظر ثانی سید حسام الدین راشدی، مرکزی اردو بورڈ گلبرگ لاہور، طبع اول جنوری ۱۹۷۵ء۔

۱۱۶-محمد اکرام، شیخ: آب کوثر، ادبی دنیا، نمبر: ۵۱۰، مٹیا محل دہلی، اشاعت ایڈیشن: ۵۔

۱۱۷-محمد اکرام، شیخ: رود کوثر، ادبی دنیا، نمبر ۵۱۰، مٹیا محل دہلی-اشاعت ایڈیشن: ۵۔

۱۱۸-محمد اکرام، شیخ: موج کوثر، ادبی دنیا: ۵۱۰-مٹیا محل، اشاعت ایڈیشن-۵۔

۱۱۹-مظہر معین، ڈاکٹر: اسلام اور ذات پات، ناشر: ادبستان ۴۲، ریٹی گن لاہور پاکستان۔

۱۲۰-محبوب رضوی: سید: تاریخ دارالعلوم دیوبند، ناشر، ادارہ اہتمام دارالعلوم دیوبند-طبع اول ۷ ۱۳۹ھ ۱۹۷۷ء۔

۱۲۱-محمد طیب، مولانا قاری: غیر مسلمین میں دعوتی پروگرام، اصلاح کمیٹی بہرائچ-یوپی۔

۱۲۲-محمد طیب، مولانا قاری: نسب اور اسلام، ناشر، ادارۂ تاج المعارف دیوبند (یوپی) سہ ماہی سلسلۂ مطبوعات: ۴۲، مارچ ۱۹۶۲ء-زیر نگرانی: مولانا محمد سالم قاسمی ناظم ادارہ واستاد دارالعلوم دیوبند۔

۱۲۳-مدنی، مولانا سید حسین احمد: الشھاب الثاقب علی المسترق الکاذب، مکتبہ رحیمیہ دیوبند-یوپی۔

۱۲۴-مدنی، مولانا سید حسین احمد: نقش حیات (خود نوشت سوانح)، مکتبہ دینیہ دیوبند ۱۹۵۳ء۔

۱۲۵-محمد زکریا، مولانا: فضائل اعمال: مطبوعہ نصیر بک ڈپو، دہلی، ادر، ادارہ اشاعت دینیات دہلی۔

۱۲۶-مہدی، ڈاکٹر تابش: تبلیغی نصاب ایک مطالعہ حلیم بک ڈپو ۱۷۸۱، حوض سوئیوالان، نئی دہلی

۱۲۷-محمد میاں، مولانا: جمعیۃ علماء ہند کیا ہے؟ ۲۴ رجنوری ۱۹۴۶ء میں ترتیب مکمل ہوئی-سن طباعت

اور مکتبہ و ناشر غیر مذکور۔

۱۲۸- مبارک پوری، مولانا قاضی اطہر: خلافت بنو امیہ اور ہندستان، ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، اشاعت اول شعبان ۱۳۹۵ھ اگست ۱۹۷۵ء۔

۱۲۹- مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ: تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی- بار اول ۱۹۷۱ء۔

۱۳۰- مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ: تفہیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی-۶، بار چہارم ۱۹۸۹ء۔

۱۳۱- مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ: الجہاد فی الاسلام، ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، بار سوم، اگست ۱۹۸۱ء۔

۱۳۲- مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ: روداد جماعت اسلامی ہند: مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی۔ بار اول ستمبر ۱۹۶۶ء۔

۱۳۳- مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ: رسائل و مسائل، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی-۶، بار ششم فروری ۱۹۸۳ء۔

۱۳۴- محی الدین، ڈاکٹر مومن: مومن انصاری برادری کی تہذیبی تاریخ، مومن دار الثقافہ -۵۰۳ سی کریسٹ ۲ سات بنگلہ واسو آرڈ ر اندھیری بمبئی ۴۰۰۰۶۱۔

۱۳۵- محمد عمر، ڈاکٹر: ہندستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، ناشر ڈائرکٹر پبلی کیشن ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات حکومت ہند، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی۔

۱۳۶- نارلا، وی. آر: گیتا حقیقت کے آئینہ میں (The Truth About Geeta)، اردو ترجمہ: سید شاہد، ناشر: یونیورسل پیس فاونڈیشن، عرفی اپارٹمنٹ ۱۶۳ ار بی-۳، جوگا بائی، ایکسٹنشن جامعہ نگر- نئی دہلی-۲۵، اشاعت اول، فروری ۲۰۰۳ء۔

۱۳۷- نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ خاں: آئینہ حقیقت نما (مسلم سلاطین ہند حقیقت کے آئینہ میں)، تحقیق و تخریج: عبدالرشید بستوی قاسمی، ناشر: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند ۲۴۷۵۵۴-سن اشاعت محرم ۱۴۱۸ھ/ جون ۱۹۹۷ء۔

۱۳۸- نجیب آبادی، : مولانا اکبر شاہ خاں: تاریخ اسلام، ادارہ مرکز ادب، جامع مسجد دیوبند۔

۱۳۹- ندوی، مولانا سید سلیمان: عرب ہند کے تعلقات، دارالمصنفین، مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع جدید ۱۹۸۴ء

۱۴۰- ندوی: مولانا سید سلیمان ندوی: حیات شبلی، مطبع معارف، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، طبع ثانی ۱۹۷۰ء۔

۱۴۱- ندوی، : مولانا سید ابوظفر: مختصر تاریخ ہند، دارالمصنفین، مطبع معارف اعظم گڈھ- بار ششم ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۴۲- ندوی، مولانا عبدالسلام قدوائی: ہندستان کی کہانی، دارالمصنفین، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۴۳- ندوی، مولانا مجیب اللہ: اسلامی فقہ، تاج کمپنی ۳۱۵۱، ترکمان گیٹ، دہلی-۶ دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۲ء

، تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء۔
۱۴۴- ندوی، مولانا مجیب اللہ: مسئلہ کفاءت، دار التالیف والترجمہ، جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ یوپی
۱۴۵- ندوی، مولانا شاہ معین الدین: تاریخ اسلام، دارالمصنفین اعظم گڈھ، یوپی، طبع ہفتم ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔
۱۴۶- ندوی: ڈاکٹر محمد فہیم اختر، رشتے کا انتخاب کیسے کریں؟ شعبہ تنظیم جماعت اسلامی، ہند ڈی ۳۱۴، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵، اشاعت نومبر ۲۰۰۶ء۔
۱۴۷- نظامی،: ڈاکٹر خلیق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ، ناشر: منیجر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶- طبع اول رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ/ اپریل ۱۹۵۸ء۔
۱۴۸- نظامی، خلیق احمد (مرتب): عبداللطیف کا ۱۸۵۷ء تاریخی روزنامچہ، ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد، دہلی-۶، اشاعت ۱۹۷۱ء۔
۱۴۹- نعمانی، مولانا عبدالحمید: مسئلہ کفو اور اشاعت اسلام، ناشر: مدرسہ احیاء العلوم وانمباڑی، سن طباعت: ۱۹۹۵ء۔
۱۵۰- نعیمی، مولانا مفتی احمد یار خاں: شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن، ناشر جسیم بکڈپو، ۵۲- ٹیامحل جامع مسجد دہلی-۶۔
۱۵۱- ہاشمی،: عبدالقدوس: تقویمی تاریخ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد پاکستان، طبع دوم ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

English

1- A swayamsewak:The Story of The Sangh.Pub:Suruchi prakashan(publication Division of Suruchi Sansthan) Deshbandhu Gupta Marg. New Delhi-110055 .1st ed.2000.

2-Aziz Ahmad:Studies in Islamic Culture in Indian enviroment.Clarendon press,Oxford,1964.

3-Arnald,T.W:Preaching of Islam. Low price publication,Delhi, 2nd ed.1913.

4-.Basu,Acharya Dr.Durga Das: Introduction To the constitution of India ,18th ed. 1997.Reprinted Agust 1999.

5-B.Kar,Parimal:Society:A study of Social Interaction.Jawahar Publishers &Distributers,62/2,Ber Sarai,opp.JNU old campus,New Delhi-16,ed.1994.

6-Dube,S.C.:Indian Society.National Book Trust,Inida,A-5 Green

Park,New Delhi-16,ed.1990.

7-.Imtiaz Ahmad,Prof.(ed.) Caste and Social stratification among Muslims in India. Manohar Publications, 2 Ansari Road Darya Ganj New Delhi- 02, 2nd ed., revised & enl., 1978 A.D.

8.Jaggi,Dr.Rattan Singh(ed.): Essays in Sikhism.Pub.by: Director Languages Department Punjab , Patiala. 1988.

9-.Mahajan،V.D: Ancient India.Pub. by: S . chand & company L.T.D. 7361, Ram Nagar New Delhi-55, ed. 2000.

10-Nehru,Jawaharlal:The Discovery of India.Oxford University Press New York,2nd impression 1989.

11-Nizami,Prof.Khaliq Ahmad:Some Aspects of Religion and Politics in India During the Thirteen century.Idarah-i-Adabiyat- i-Dellhi,2009 Qasimjan Street Delhi-6,India, 2nd ed.1974 A.D.

12-Qureshi,Prof.Bashir Ahmad (compilder): Advanced Twentieth century Dcitionary (English Into English Into Urdu).Revised and enl. by: Dr. Abdul Haqu. Pub. by Educational Publishing Huose. 3108, Vikas street Dr. Mirza Ahmad Marg, Lal Kuan Delhi-06, ed. 1992.

13-Rajendra: Muslim failure to see Through Brahminical Tricks.Forworded by V.T.Raj Shekar,Dalit Sahitya Akademy 109/7th Cross,Palace Lower orchards,Bengalore-560003.

14-Sachar,Justice Rajendar:Social,Economic and Educational Status of Muslim Communityof India A Report [Sachar Committee Report].Prime Minister's High Level Committee,Cabinate Secretrate,Government of India,Sardar Patel Bhavan,Parliament Street,New Delhi-01,November 2006.

15-Sharma,K.L.:Inidan Society: A Tex book of Sociology for class xii. National Council of Educational Reserach and Training [NCERT]Sri Aurobindo Matg,New Delhi-16.1st ed. 1987.

16-Shasty,Shankaranand: My Memories and Experiences of

Baba Saheb Dr.B.R.Ambedkar.Pub. SMT Sumitra Shastri,Bheem sadan R-5132 New Raj Nagar Gaziabad, P.O. Kavi Nagar 201002 U.P.1st ed.1989.

17-Singh,Dr.Karan(ed.):Religions of India.Clarion Books C-36 Cannaught place New Delhi-01.

18-Sir John,J.H Gorden.K.C.B:The Sikhs.Pub. Director language Department Punjab, 2nd ed.1988.

19-Tara Chand,Dr.: Influence of Islam on Indian culture.The Indian Press L.T.D Allahabad.1936.

हिन्दी

1- अली अनवर: मसावात की जंग-पसेमंजर: बिहार के पसमांदा मुसलमान: वाणी प्रकाशन 21-ए, दरियागंज, नई दिल्ली 110002 प्रथम संस्करण 2001

2-आचार्य,आदि शंकर: शंकर भाष्य (श्रीमद भागवत गीता का भाष्य) हिन्दी-अनुवाद साहित्य हिन्दी अनुवादक: श्री हरिकृष्णदास गोयन्दका, गीता प्रेस, गोरखपुर 273005, तेईसवाँ संस्करण सं० 2058 (2001 AD)

3-इन्तिजार नईम:दलित समस्या जड़ में कौन?, प्रकाशक: साहित्य सौरभ 1781 हौज़ सूईवालान, नई दिल्ली 110002 प्रथम संस्करण 1996

4-कासमी,मौलाना अताउर्रहमान: हिन्दु मन्दिर और औरंगजेब के फरामीन, प्रकाशन: मौलाना आजाद अकाडमी, एन, 80,सी अबुल फजल इन्कलेब, औखला, नई दिल्ली-25, संस्करण अगस्त 2003

5- तुलसीदास,श्री गोस्वामी जी: श्री राम चरितमानस:, कृत, प्रकाशन: वंशीधर मुरलीधर, प्रेम प्रकाशन मुद्रालय, जयपुर (राजस्थान)प्रथमावृति आषाढ़ क० 13, सं० 19977

6-तुलसीदास,श्री गोस्वामी जी: श्री राम चरितमानस,हिन्दी टीका सहिती, कृत, टीकाकार: हनुमानप्रसाद पोद्दीर, गीता प्रेस गोरखपुर

7- मान० शीतल मरकाम और उनके साथी : त्रि-इब्लिसी शोषण-व्यूह विध्वंस (शोध-ग्रंथ) प्रस्तुति शोषण समाज जागरूकता मुहिम, प्रकाशक : मान० शीतल मरकाम (सरसेनापती, गोंडवाना मुक्ति सेना गौंडवाना विकास मंडल 233 संत तुकडोजी नगर मानवाड़ा रोड, नागपुर-24 शोषित समाज जागरूकता मुहिम के अंतर्गत प्रकाशित, प्रथम आवृति, अगस्त 2002

8-राठौरा,डा० जगदीश सिंह: दलित युवाओं के परिवर्ती दृष्टिकोण, सुमन प्रकाशन, 42 अशोक नगर मंडोली रोड शाहदरा नई दिल्ली 110093 प्रथम संस्करण 1994

9-वेद व्यास,महार्षि भगवान जी : महाभारत (सचित्र संस्कृत मूल और हिन्दी-भाषान्त साहित्य) - अनुवादक: पण्डित श्री राम नारायणदत्त जी शास्त्री महोदय सम्पादक: हनुमान प्रसाद पाद्दार, गीता प्रेस गोरखपुर यु०पी० द्वितीय संस्करण वर्ष 1 संख्या 3 कार्तिक 2012 नवम्बर 1956

10- वेद व्यास, महर्षि भगवान जी: श्रीमदभगवदगीता-शंकर भाष्य साहित्य, गीता प्रेस गोरखपुर 273005 तेईस्वाँ संस्करण सं० 2058 (2001)

11-वाल्मीकि,महर्षि प्रणति: श्रीमद वाल्मीकी रामायण-सचित्र हिन्दी भाषा साहित्य: गीता प्रेस गोरखपुर द्वितीय संस्करण सं० 2025(1968)

12-वाल्मीकि,महर्षि प्रणति:(श्रीमद) वाल्मीकी रामायण, अनुवादक: गंगा सहाय शर्मा, संस्कृत साहित्य प्रकाशन: एम-92 कनाट सडक, नई दिल्ली110001, पहला संस्करण 1991 AD

13-सागर, एस०एल० :डा० अम्बेडकर बौद्ध क्यों बने?सागर प्रकाशन 2-द्वितीय संस्करण 1999

14-सागर,एस०एल० :द्रविण और द्रविड़ स्थान,प्रकाशन,दरिबा मैनपुरी यू०पी०तृतीय संस्करण 1993

15-सागर, एस०एल०: हिन्दू विदेशी है सागर प्रकाशन 221, दरिबा मैनपुरी यू०पी० संस्करण 1991

16-सागर, एस०एल० :हिन्दुओं के व्रत-पर्व और त्यौहार सागर प्रकाशन, 221 दरिबा मैनपुरी यू०पी०, दित्य संस्करण 1990

17-सागर, एस०एल० :हिन्दू मानसिकता सागर प्रकाशन 221, दरिबा मैनपुरी यू०पी०

18-सागर, एस०एल० :हरिजन कौन और कैस? सागर प्रकाशन, 221, दरिबा मैनपुरी तृतीय संस्करण 1999

رسائل وجرائد

عربی

١- البعث الاسلامی(مجلة شهرية)-ندوة العلماء،ص،ب ١١٩ لکناؤ- الهند-رياسة التحرير:سعيدالرحمن الاعظمی -و-واضح رشيدالندوی۔

اردو

ا-آثار جدید،(ماہنامہ)-پوسٹ بکس:۳-مئوناتھ بھنجن یوپی ۲۷۵۱۰۱-مدیراعلی:مولانا محمد احمد اثری، مولانا عزیز الحق عمری۔

۲- اسلامک موومنٹ،(ماہنامہ)-151 ی/9ذاکرنگر،جامعہ نگرنئی دہلی ۱۱۰۰۲۵-چیف ایڈیٹر: سید صلاح الدین۔

۳- اسلام اور عصر جدید(سہ ماہی)-جامعہ ملیہ اسلامیہ،جامعہ نگر،نئی دہلی-مدیر:ڈاکٹر سید عابد حسین

۴- اللہ کی پکار(ماہنامہ)-پوسٹ باکس نمبر 9702 E -11/1[موجودہ پتہ،چار مینار اپارٹمنٹ ایف ۲/۰۰ے ابوالفضل انکلیو،پوسٹ:جامعہ نگر،نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵،مدیر:پروفیسر خالد حامدی فلاحی

۵- اخبار نو(ہفت روزہ)-۱۷۳۴،دکھنی رائے اسٹریٹ،دریا گنج،نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲،مدیر:م افضل۔

مصادر

۶-ایشیا (ہفت روزہ)-فرشٹ فلور 9/I-A، لاہور، مقام اشاعت: ۴۲جمیر لین روڈ چوک بسنت روڈ ،لاہور (پاکستان) چیف ایڈیٹر: مرزا محمد الیاس۔

۷- افکار ملی (ماہنامہ)، ۳۳۲/۹ ذاکرنگر جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵، ایڈیٹر: ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس

۸- البلاغ (ماہنامہ)-۱۳محمد علی بلڈنگ محمد علی روڈ، بھنڈی بازار-بمبئی ۴۰۰۰۰۳، مدیر اعلی: مولانا مختار احمد ندوی۔

۹-السلام (سہ ماہی)-۱۶۳/بی ۳-عرفی اپارٹمنٹ جوگابائی ایکسٹینشن، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵، مدیر: مولانا محسن عثمانی (ندوی)۔

۱۰-بحث ونظر (سہ ماہی)-پھلواری شریف پٹنہ بہار، موجودہ پتہ، ۱۶۱/ایف جوگابائی، جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵، مدیر اعلی: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی۔

۱۱-برھان (ماہنامہ)-ندوۃ المصنفین، اردو بازار دہلی ۱۱۰۰۰۶، مدیر: سعید احمد اکبرآبادی۔

۱۲-پریس ریلیز: جماعت اسلامی ہند کا ۱۷/مئی ۲۰۰۶ء کو ریزرویشن پر اردو میں جماعت کے لیٹر پیڈ پر پریس ریلیز۔

۱۳-ترجمان دیوبند (ماہنامہ)، دیوبند سہارن پور-۲۴۷۵۵۴ (یوپی) مدیر: واصف حسین ندیم الواجدی

۱۴-تحقیقات اسلامی (سہ ماہی)، ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی-پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ، مدیر اعلی: مولانا سید جلال الدین عنصر عمری۔

۱۵-ترجمان القرآن (ماہنامہ)-۵-۱۷ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور پاکستان، مدیر: مولانا سید ابوالاعلی مودودی

۱۶-حیات نو (ماہنامہ)، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ یوپی-۲۷۶۱۲۲، مدیر: مولانا عبدالبر اثری فلاحی

۱۷-خدا بخش لائبریری جرنل، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ- بہار۔

۱۸-خط- یہ غیر مطبوعہ خط ہے جو مولانا مفتی محمد اسلم، صدر مدرس مدرسہ الجامعۃ القادریۃ مقصود پور، ضلع مظفر پور، بہار نے مدرسہ کے لیٹر پیڈ پر ایک شخص حافظ ساجد صاحب کو ایک مدرسہ کا چندہ کرانے کی وجہ سے مسجد کے موذن کو نکالنے کے لیے لکھا تھا۔

۱۹- خط- یہ خط علامہ ارشد القادری کے پوتے جناب خوشتر نورانی علیگ نے اپنے نسب کے سلسلہ میں راقم الحرف کو لکھا تھا۔

۲۰۔خط، منصور عالم کا جعلی خط جو میری کتاب رکوانے کے لیے جماعت اسلامی کے ذمہ داران کو بھیجا گیا تھا۔

۲۱- خط: ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی کا خط جوانہوں نے میری کتاب کے سلسلہ میں ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری ڈائریکٹر تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند کو لکھا۔

۲۲- خط، ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری ڈائریکٹر تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند کا خط جوانہوں نے فریدی صاحب کو میری کتاب کے سلسلہ میں لکھا۔

۲۳- خط، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی کا شفارشی خط جوانہوں نے میری کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں ایکسپرٹ کی حیثیت سے امیر جماعت ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری کو لکھا۔

۲۴- دعوت (سہ روزہ)- دعوت نگر ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر، نئی دہلی- مدیر: پرواز رحمانی۔

۲۵- داخلہ فارم: دارالعلوم دیوبند، دیوبند سہارن پور ۱۴۲۴ھ (۲۰۰۴ء)۔

۲۶- دارالعلوم دیوبند (ماہنامہ)- دیوبند۔ سہارن پور، یوپی- مدیر: مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی

۲۷- راشٹریہ سہارا (روزنامہ)- اردو- سکنڈ فلور، گوپال داس بھون، ۲۸- بارہ کھمبا روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱، ایڈیٹر: عزیز برنی۔

۲۸- راہ اعتدال (ماہنامہ)، جمعیت ابنائے قدیم جامعہ دارالسلام عمرآباد جنوبی ہند- ۶۳۵۸۰۸، مدیر: مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری۔

۲۹- رفیق منزل (ماہنامہ)، ایس آئی او ہیڈ کوارٹر، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر اوکھلائی دلی ۲۵، مدیر، مولانا محی الدین غازی فلاحی، خالد محسن۔

۳۰- زندگی نو (ماہنامہ)- دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر، نئی دہلی- ۱۱۰۰۲۵- مدیر: ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی۔

۳۱- سیارہ اردو ڈائجسٹ- ۴ رشارع، فاطمہ جناح لاہور، پاکستان، مدیر: خورشید عالم۔

۳۲- طوبیٰ (ماہنامہ) علامہ عبدالعزیز بن باز اسلامک اسٹڈیز سنٹر، ۴۷۔۲۶۷، گلی مسجد کالے خاں، کوچہ چیلاں، دریا گنج، دہلی ۲، مدیر محمد ارشد المدنی۔

۳۳- فتویٰ: دارالافتاء- دارالعلوم گلشن اجمیر لہریا الہ آباد، یوپی۔ یہ ایک غیر مطبوعہ فتویٰ ہے جو مولانا مفتی محمد اسلم کے مذکورہ بالا اس خط پر ہے جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔

۳۴- فتویٰ: دارالافتاء، منظر الاسلام بریلوی شریف، یہ فتویٰ بھی مولانا مفتی محمد اسلم کے مذکورہ بالا واقعہ سے متعلق خط کے سلسلے میں ہے۔ یہ بھی غیر مطبوعہ فتویٰ ہے۔

۳۵- فتویٰ، خلافت کے سلسلہ میں مولانا رضاء اللہ عبدالکریم سلفی مدنی نائب ناظم جمعیت اہل حدیث کا فتویٰ جو

انہوں نے راقم الحروف کے سوال پر دیا۔

۳۶-قومی آواز(روزنامہ)،اردو،ہرالڈ ہاؤس بہادر شاہ ظفر مارگ،نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲،مدیر:موہن چراغی۔

۳۷- قاسم العلوم(ماہنامہ)-مدرسہ دارالعلوم دیوبند،سہارن پور،یوپی۔

۳۸-معارف(ماہنامہ)،دارالمصنفین اعظم گڑھ،یوپی،مدیر:علامہ سید سلیمان ندوی۔

۳۹-المآثر(سہ ماہی)-مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ-مرقاۃ العلوم،پوسٹ بکس نمبر ا،مئوناتھ بھنجن-مئو یوپی ۲۷۵۱۰۱،مدیر:مولانا اعجاز احمد اعظمی۔

۴۰- نئی دنیا(ہفت روزہ)-2F نظام الدین(ویسٹ)نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳،ایڈیٹر:شاہد صدیقی علیگ

(English)

1-Admission form (M.B.B.S) 2006-07. Aligarh Muslim University, Aligarh U.P.

2-Dalit Voice(Fortnighlty).C-4/4032,V.I.P.Sector,Vasant Kunj,New Delhi-70.(present address)109/7thCross,palace,Lower Orchard, Bengalore 560003, ed. V. T. Raj Shekar.

3- Economic and political(weekly). Sameeksha Trust, Hitkari house 284,Shahid Bhagatsingh Road Mumbai-400001, ed. in chiefe:Krishna Raj.

4- Form: Exam form 1999-2001 of Aligarh Muslim University Aligarh U.P.between.

5- Guide to Admission 2005-2006[Prospectus] Aligarh Muslim University Aligarh, U.P.

6- India Today (Weekly). Editorial office living Media Ltd.14/15, Cannaught Place, New Delhi-110001, ed. in chiefe: Aroon Pure.

7- Muslim India (Monthly). N-44,Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar New Delhi-25, ed. in chiefe:Sayed Shahabuddin,ex.M.P.

8- Out Look (Weekly). Head office: AB-10,S.J.Enclave New Delhi-29,ed. in chiefe:Vinod Mehta.

9- Pamphlet :AISA Mess pamphlet.- Jawaharlal Nehru University New Delhi-67 Unit.-Topic:Love, Death and Marriage: Caste And Gender in India. Dated:05/10/2004.

10-Pamphlet: Comprative Chart National, Professionally Equivalent caste in Hindus & Reservation for them, based on Kr.Suresh Singh

Report of SC. Compiled by Dr.M.Ejaz Ali, National convenor, All India Backward Muslim Morcha Bhihkna Pahari,Patna-800006.

11- Radiance (Weekly). Abul Fazl Enclave Jamia Nagar New Delhi-25, ed. Ejaz Ahmed Aslam.

12-Tehelka (Weekly).Agni Media Pvt.Ltd.M-76,(M-Block Market) Kailash II,New Delhi-48,ed.Trun Tejpal.

13-The Asian Age (Daily. D-27,South Extention, New Delhi-49, ed. in chiefe: M. G. Akbar.

14-The Hindu (Daily).New Delhi.

15- The Hindustan Times(Daily).Scindiya house, New Delhi-01, ed. in chiefe:Veer Sanghvee.

16- The India Express (Daily). Editorial office: C-6 Qutab institutional Area New Delhi-16, ed. in chiefe: Shehkar Gupta.

17- The Times of India (Daily). 7, Bahadur Shah Zafar Marg. New Delhi - 02, ed. in chiefe Sharat Sharma.

18-The Tribune (Daily).The Tribune Press, Sector- 28-C Chandigarh ed. in chief: G.K Dua.

19-The wall poster. Posted by: Akhil Bhartiya Vidhdhiyarti Parishad(A.B.V.P.) Jwaharlal Nehru University New Delhi-67 Unit-On the occasion of Babasaheb Dr.B.R. Ambedkars' 113th Birth anniversary. 14th April 2004.

हिन्दी

1-अमर उजाला (दैनिक) - आगरा यु० पी०

2-डायमण्ड इंडिया (मासिक), मजदूर किसान टेलीकाम सेंटर कानिया शाही के पास, तहसील रोड, जिला- भीम राजस्थान, संपादक: भंवर मेघवंशी

3-दैनिक जागरण (दैनिक) दिल्ली

4-पांचजन्य (साप्ताहिक): संस्कृति भवन, देशबन्धु गुप्ता मार्ग झण्डेवाला नई दिल्ली 110055 सम्पादक: तरूण विजय

5-पसमान्दा आवाज(मासिक),102 अमीताभ कुंज, बुद्ध कालोनी, पटना 800001, समपादक: अली अनवर

6-हम दलित (मासिक): सोशल एकशन ट्रस्ट 10-इन्सटीट्युशनल एरिया लोधी रोड. नई दिल्ली 110003 मुख्य सम्पादक: जिम्मी सी०डार्भी०

الیکٹرانک مصادر

اردو

۱-آڈیوکیسٹ:اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برہمنیت کے جدید حملے-مقرر:عبدالرحمٰن انصاری، ۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۸ء-ٹیلہ والی مسجد لکھنؤ۔

۲-آڈیوکیسٹ:جناب محمد حیدر کا ریکارڈ شدہ بیان جو انھوں نے مفتی محمد اسلم صدیقی صدر مدرس مدرسہ الجامعۃ القادریہ مقصود پور، ضلع:مظفر پور، بہار کے متعلق بتایا۔

۳-الیکٹرانک ریڈیو نیوز:بی.بی.سی (اردو) لندن۔

Enghlish

4- NDTV 24x7 New Delhi, an Indian English News channel.

5-www.dalits.org/haryannatrocities.htm

6- www.hindu.com 2004/ 07/16/ stories/2 004071604521100.hmt + pota + cases + against + dalits + in bihar & hl =en & ie = UTF-8

7-www.hindu.com/2006/07/stories/2006070605770600htm+supreme court+on+muslims+reservation+in+ap&ht=en&gl=in&ct=cln&c=4

8-www.jamaateislamihind.org/press,html.

9-http://tay lorand forancis:www.metapress.com /media/0883/e4nrqdrul8dunwih/contributions/ k/4/e/xkuedf11enaamxmw.pdf.

10- www.rediff.com/news /2004 /mar/10 sec1.htm.

11- www. tribuneindia.com/ 2005/ 20050110/ idh/ htn+ caste+ murder+ in sikh community [The Ludhiana Tribune Oneline eddition].

हिन्दी

1--ऑल इंडिया रेडियो (इलेक्ट्रानिक मिडिया) नई दिल्ली

2-ज़ी न्यूज़ (Zee News) इण्डियन समाचार टी वी चैनल, नई दिल्ली,

3-बी०बी०सी० लंदन (B.B.C. Landon) (इलेक्ट्रानिक रेडियो समाचार) लंदन,ब्रिटिश

4-वार एण्ड पीस (War and Peace) डाकूमेन्ट्री फिल्म, डायरेक्टर : आनन्द पटवर्धन

تعارف مصنف

مسعود عالم فلاحی ۱۶ر جولائی ۱۹۸۰ء کو ایک چھوٹے سے
گاؤں ''ددری'' تھانا: نان پور، ضلع: سیتامڑھی، بہار میں پیدا ہوئے۔
۱۹۹۶ء میں والد صاحب اور ۲۰۰۲ء میں والدہ صاحبہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔
شروع سے ہی بڑے بھائی محترم جناب مولانا منصور عالم اثری مفتاحی نے سرپرستی کی۔

انہوں نے تعلیم کا آغاز اپنے والد، والدہ اور بڑے بھائی کی نگرانی میں کیا۔ ان کی ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ یوپی کے ایک مکتب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم جامع مسجد ددری، راجکیہ پراتھمک ودھیالے اردو مکتب، ددری، جامعہ فیض عام اور جامعہ اثریہ دار الحدیث، مئوناتھ بھنجن، مئو یوپی میں ہوئی۔ عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے منشی اور جامعہ اثریہ دار الحدیث سے عربی سوم تک کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۹۵ء میں جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی میں داخلہ لیا۔ وہاں سے ۱۹۹۷ء میں عالمیت اور ۱۹۹۹ء میں فضیلت کی سندیں ممتاز نمبروں سے حاصل کیں۔ پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لے کر وہاں سے ۲۰۰۲ء میں گریجویشن اور ۲۰۰۳ء میں بی۔ ایڈ۔ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۲۰۰۳ء میں ممتاز نمبروں سے پوسٹ گریجویشن کیا۔ اس وقت ایم فل۔ (فائنل) کے طالب علم ہیں۔

فلاحی صاحب علمی، سماجی خدمات میں نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ اب تک مختلف مذہبی اور سماجی موضوعات پر ان کے تقریباً ۴۵ تحقیقی مقالات قومی اور بین الاقوامی رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ ان کی ایک دوسری کتاب ''مسئلہ کفاءت یعنی شادی بیاہ میں ذات پات کے اعتبار کی حقیقت'' زیر طبع ہے۔ نیز متعدد مضامین ومقالات طباعت کے منتظر ہیں۔ فلاحی صاحب متعدد مقامی، قومی اور بین الاقوامی سیمناروں، علمی مذاکروں میں مقالات پڑھ چکے ہیں، ٹی وی چینلوں پر اظہار خیال کے لیے بلائے جا چکے ہیں۔ مزید براں یہ کہ مقامی وقومی سطح کے متعدد انعامات سے بھی سرفراز کیے جا چکے ہیں۔

شعبۂ عر...
...om